

تُحْفَةُ الْأَمْعَى

شرح

سِرِّ الْبَرِّ مَدْنَى

جُلْدِ سَوِّم

إفادہ

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
محدث دارالعلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دارالعلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

تُحْفَةُ الْمَعْنَى

شرح

سِرِّ الشَّرِيفِ

جلد سوم

رفا اور

حضرت لقین مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
محدث دارالعلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مآب بازار کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

”مَجْلَدُ الْاَلَمَنِ“ شرح ”مَنْ لَمْ يَزَلْ يَنْتَهِ“ کے جملہ حقوق اشاعت و طباعت پاکستان میں صرف مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک (زمزم پبلشرز کراچی) کو حاصل ہیں لہذا اب پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ اس کی طباعت کا مجاز نہیں بصورت دیگر زمزم پبلشرز کو قانونی چارہ جوئی کا مکمل اختیار ہے۔

از سعید احمد پالنپوری عفا اللہ عنہ

اس کتاب کا کوئی حصہ بھی زمزم پبلشرز کی اجازت کے بغیر کسی بھی ذریعے بشمول فوٹو کاپی برقیاتی یا میکانیکی یا کسی اور ذریعے سے نقل نہیں کیا جاسکتا۔

ملنے چاہیے کی جگہ پر

- مکتبہ بیت العلم، مولدہ لکراہی۔ فون: 32726508
- دارالاشاعت، آروڈ بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ القائل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، آروڈ بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- مکتبہ عالیہ علوم، خانیہ اکوڑہ ملتان

AL FAROOQ INTERNATIONAL
68, Astorby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640

AZHAR ACADEMY LTD.
54-58 Little Wood Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE
110-121 Halliwell Road, Bolton BL1 3NE
U.S.A
Tel/Fax : 01204-389080

MADRASSAH ARABIA ISLAMIA
1 Azad Avenue P.O Box 9786-1750
Azaadville South Africa
Tel : 00(27)114132786

کتاب کا نام _____ مَجْلَدُ الْاَلَمَنِ مَنْ لَمْ يَزَلْ يَنْتَهِ جلد ۱

تاریخ اشاعت _____ جنوری ۱۴۲۰ھ

باہتمام _____ احکامہ زمزم پبلشرز کراچی

ناشر _____ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینئر نزد مقدس مسجد، آروڈ بازار کراچی

فون : 021-32760374

فیکس : 021-32725673

ای میل : zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ : http://www.zamzampub.com



فہرست مضامین

أبواب الصوم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- باب (۱): رمضان کی فضیلت اور روزوں کا ثواب ۴۷
- رمضان کی بشارتوں کا کفار اور خدا فراموش لوگوں سے کوئی تعلق نہیں..... رمضان میں شر کے تمام اسباب مسدود نہیں ہو جاتے..... رمضان میں شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں: یہ آدھا مضمون ہے ۴۸
- روزوں اور تراویح کا ثواب اور ان کو آسان بنانے کا طریقہ ۴۹
- باب (۲): رمضان کے روزے پہلے سے شروع کرنے کی ممانعت ۵۱
- یکم شوال کا روزہ حرام کیوں ہے؟ ۵۱
- باب (۳): یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے ۵۲
- یوم الشک کی تعیین..... یوم الشک میں روزے کی ممانعت کی وجہ..... اختفاء البص کی مثال ۵۳
- باب (۴): رمضان کے لئے شعبان کے چاند کا اہتمام کیا جائے ۵۴
- باب (۵): رمضان کا چاند دیکھ کر روزے شروع کرنا اور شوال کا چاند دیکھ کر روزے بند کرنا ۵۵
- بعض احکام کا تعلق سورج سے ہے اور بعض کا چاند سے، اور دونوں میں رویت پر مدار ہے ۵۵
- توحید لہلہ یعنی ساری دنیا کا ایک چاند ناممکن ہے..... سعودیہ کا نجومون پر رمضان وغیرہ کا اعلان کرنا اور لوگوں کا اس کی اندھی تقلید کرنا ۵۶
- چاند کے معاملہ میں حساب کا اعتبار نہیں، مگر حساب سے مدد لی جاسکتی ہے ۵۷
- باب (۶): قمری مہینہ کبھی اتیس دن کا ہوتا ہے ۵۸
- رمضان کی حالت ایسی ہے کہ وہ اکثر اتیس کا پورا ہوتا ہے نبی ﷺ کا ایک ماہ کا ایلاء کرنا ۵۸
- باب (۷): گواہی کی بنیاد پر رمضان شروع کرنا ۶۰
- رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کی خبر کافی ہے اور لفظ شہادت بھی ضروری نہیں ۶۰
- باب (۸): عید کے دو مہینے گھٹتے نہیں ۶۱
- حدیث کی تفسیر میں مختلف اقوال اور اس کی وجہ اور حدیث کا صحیح مطلب ۶۲

- باب (۹): ہر جگہ کے لئے اسی جگہ کی رویت معتبر ہے ۶۳
- ممالک بعیدہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، ممالک قریبہ میں نہیں، اور ممالک قریبہ اور بعیدہ کی حد بندی ۶۴
- باب (۱۰): کس چیز سے افطار کرنا مستحب ہے؟ ۶۶
- باب (۱۱): عید الفطر: جس دن تم روزے ختم کرو اور عید الاضحیٰ: جس دن تم قربانی کرو ۶۸
- اگر مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہو جائے اور اصلاح ممکن نہ ہو تو غلطی معاف ہے ۶۹
- باب (۱۲): جب رات آجائے اور دن پیٹھ پھیرے تو یقیناً افطار کا وقت ہو گیا ۶۹
- جہاں واضح طور پر سورج غروب ہوتا ہو نظر نہ آتا ہو وہاں غروب کی متعدد علامتیں جمع کرنی چاہئیں ۷۰
- احتیاطاً افطار میں بہت زیادہ تاخیر کرنا مناسب نہیں، روزے میں ھقیقۃً اضافہ نہیں ہو سکتا، صرف ۷۰
- باب (۱۳): افطار جلدی کرنے کا بیان ۷۱
- احکام شرعیہ میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں، نہ ھقیقۃً نہ صورتاً حدیث سے قاعدہ کلیہ کا استخراج کسی
- کے مزاج میں احتیاط ہوتی ہے اور کسی کے مزاج میں کھرا پن ۷۱
- باب (۱۴): دیر سے سحری کھانے کا بیان ۷۳
- باب (۱۵): من الفجر سے کوئی فجر مراد ہے؟ ۷۳
- صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان فرق ۷۴
- باب (۱۶): روزہ دار کے لئے غیبت کرنے کی سخت ممانعت ۷۵
- غیبت کے معنی جو منوعات شرعیہ سے بچتا ہے وہی حقیقی روزہ دار ہے حدیث میں وعید ہے،
- لباحت کی تعبیر نہیں ۷۶
- باب (۱۷): سحری کھانے کا ثواب ۷۷
- باب (۱۸): سفر میں روزہ رکھنے کی ناپسندیدگی ۷۸
- جب تک سفر شروع نہ کیا ہو افطار کی رخصت نہیں، سفر شروع کرنے کے بعد روزہ توڑنے کے جواز ۷۹
- وعدم جواز میں اختلاف ۷۹
- جو فرض روزہ دوران سفر رکھا گیا ہو اس کو توڑ سکتے ہیں یا نہیں؟ ۷۹
- باب (۱۹): سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے ۸۱

- باب (۲۰): فوج کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ۸۳
- باب (۲۱): حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ۸۳
- کیا حاملہ اور مرضہ مریض کے ساتھ الحاق ہیں؟..... ان پر قضا اور فدیہ دونوں واجب ہیں یا کوئی ایک؟ ۸۳
- باب (۲۲): میت کی طرف سے روزے رکھنے کا بیان ۸۶
- باب (۲۳): روزوں کے فدیہ کا بیان ۸۷
- باب (۲۴): جی خود بخود ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا ۸۹
- پچھنے لگوانے اور بدخوابی کا حکم ۸۹
- باب (۲۵): بالقصد جی کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ۹۰
- باب (۲۶): بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۹۱
- جو شخص بھول کر کھائی رہا ہو اسے روزہ یاد دلانا چاہئے یا نہیں؟ ۹۲
- باب (۲۷): جان بوجھ کر رمضان کا روزہ نہ رکھنے کا نقصان ۹۲
- باب (۲۸): عہد ار رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ ۹۳
- کیا کفاروں کے درمیان ترتیب واجب ہے؟..... لحاظ سے فقہاء اور مجتہدین کے استدلالات ۹۴
- کیا کھاپی کر روزہ توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے؟..... لحاظ سے فقہاء اور اختلاف کی بنیاد ۹۵
- باب (۲۹): روزہ دار کے لئے مسواک کا حکم ۹۸
- باب (۳۰): روزے میں سرمہ لگانے کا حکم ۹۹
- اگر کوئی چیز اصلی سوراخ سے یا اصلی جیسے سوراخ سے جوف مہد یا جوف دماغ میں پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے، مسامات کے ذریعہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹتا..... دماغ میں کسی چیز کے چڑھ جانے سے روزہ کیوں ٹوٹتا ہے؟
- اصلی سوراخ کیا ہیں اور اصلی جیسے سوراخ سے جائفہ اور آئندہ مراد ہیں ۱۰۰
- انجکشن سے خواہ وہ پیٹ میں دیا جائے روزہ نہیں ٹوٹتا ۱۰۰
- باب (۳۱): روزے کی حالت میں بیوی کو چومنے کا حکم ۱۰۱
- باب (۳۲): روزے کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانے کا حکم ۱۰۲
- باب (۳۳): جس نے رات سے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں ۱۰۳
- روزوں کی انواع اور ان کے احکام، کن روزوں میں صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے؟ ۱۰۳

- باب (۳۳): نفل روزہ توڑنے کا بیان ۱۰۵
- جو شخص نفل روزہ توڑ دے اس پر قضا واجب ہے یا نہیں؟ اختلافِ ائمہ اور ان کے مستدلات اور اختلاف کی بنیاد ۱۰۵
- نفل روزے کی نیت صبح صادق کے بعد بھی کی جاسکتی ہے اس میں صرف امام مالک کا اختلاف ہے
- احناف کے نزدیک ضحوة کبریٰ سے پہلے نفل روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے ۱۰۷
- باب (۳۵): نفل روزہ توڑنے سے قضا واجب ہوتی ہے ۱۰۹
- باب (۳۶): شعبان کے روزوں کو رمضان کے روزوں سے ملانا ۱۱۰
- نصف شعبان کے بعد روزوں کی ممانعت کی حدیث کا مصداق صرف وہ لوگ ہیں جن کو روزہ کمزور کرتا ہے ۱۱۱
- باب (۳۷): رمضان کی وجہ سے شعبان کے نصف ثانی میں روزے رکھنا مکروہ ہے ۱۱۲
- باب (۳۸): پندرہویں شعبان کا بیان ۱۱۴
- شبِ براءت کی سبب روایات ضعیف ہیں اور نفلوں کی روایات موضوع ہیں، اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اس رات میں لوح محفوظ سے ان لوگوں کے نام نفل کر کے ملک الموت کے حوالے کئے جاتے ہیں جن کی اگلے سال وفات ہونی ہے: یہ نفل بچو کی بات ہے اور اس رات میں چراغاں کرنا اور پٹانے چھوڑنا دیوالی کی نفل ہے ۱۱۳
- ضعیف روایات سے صرف تین باتیں ثابت ہیں اس رات میں چھ آدمیوں کی مغفرت نہیں ہوتی
- سورۃ دخان کی آیت میں شبِ قدر کا بیان ہے شبِ براءت کا نہیں نود اور کتب کا مصداق قرآن کریم ہے، نبی ﷺ کو نور کا مصداق قرار دینا غلط ہے ۱۱۴
- باب (۳۹): محرم کے روزے کی فضیلت ۱۱۶
- باب (۴۰): جمعہ کے روزے کا بیان ۱۱۸
- باب (۴۱): صرف جمعہ کے دن کے روزے کی کراہیت ۱۱۹
- جمعہ کا روزہ بالا جماع مستحب ہے البتہ اگر تخصیص یا تفصیل کا وہم پیدا ہو تو صرف جمعہ کا روزہ مکروہ ہے ۱۱۹
- باب (۴۲): سنہجر کے روزے کا بیان ۱۲۰
- سنہجر میں روزہ رکھنا فی نفسہ جائز ہے، البتہ جہاں یہودی ہوں وہاں سنہجر میں روزہ نہیں رکھنا چاہئے ۱۲۰

- باب (۳۳): حج اور جمعرات کے روزے کا بیان ۱۲۰
- باب (۳۴): بدھ اور جمعرات کے روزے کا بیان ۱۲۱
- باب (۳۵): عرفہ کے دن کے روزے کی فضیلت ۱۲۲
- باب (۳۶): حاجیوں کے لئے عرفہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے ۱۲۳
- احناف کے نزدیک اگر روزہ رکھنے سے عرفہ کے کاموں میں غفل پڑے تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے، ورنہ روزہ رکھنا بہتر ہے نبی ﷺ اور خلفاء نے عرفات میں روزہ کیوں نہیں رکھا تھا؟ ۱۲۴
- باب (۳۷): عاشوراء کے روزے کی ترغیب ۱۲۵
- رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا ۱۲۶
- باب (۳۸): عاشوراء کا روزہ نہ رکھنے کا بیان ۱۲۷
- باب (۳۹): عاشوراء کو نسا دان ہے؟ ۱۲۸
- باب (۴۰): عشرہ ذی الحجہ کے روزوں کا بیان ۱۲۹
- باب (۴۱): عشرہ ذی الحجہ میں نیک کاموں کی فضیلت ۱۳۱
- باب (۴۲): شوال کے چھ روزوں کا بیان ۱۳۲
- صوم اللہ ہر کی ادنیٰ شکل حقیقی صوم اللہ ہر مکروہ ہے صوم اللہ ہر کی ایک صورت صوم داؤدی ہے ۱۳۳
- شوال کے چھ روزے متفرق رکھنا بھی جائز ہے اور مسلسل بھی اور مسلسل رکھنا بہتر ہے ۱۳۴
- باب (۴۳): ہر ماہ تین روزے رکھنے کا بیان ۱۳۴
- ہر ماہ تین روزے رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی صوم اللہ ہر کی ایک شکل ہے ۱۳۵
- باب (۴۴): روزوں کی فضیلت کا بیان ۱۳۶
- ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہے مگر اتفاق فی سبیل اللہ اور روزہ اس سے مستثنیٰ ہیں ۱۳۷
- الصوم لی کے متعدد معانی ۱۳۷
- حرف اشتہاء کے بغیر بھی کبھی اشتہاء کیا جاتا ہے انا اجزی بہ: میں دو قراءتیں ہیں ۱۳۸
- بکثرت نفل روزے رکھنے والوں کو باب ربان سے نکارا جائے گا جنت میں بھوک پیاس نہیں ہوگی مگر اکل و شرب کی اشتہاء ہوگی ۱۳۹
- باب (۴۵): ہمیشہ روزہ رکھنے کا بیان ۱۴۱

- ایام غمہ کو چھوڑ کر باقی پورے سال روزہ رکھنا جائز ہے مگر یہ روزہ شرعاً پسندیدہ نہیں ۱۳۱
- باب (۵۶): مسلسل روزے رکھنے کا بیان ۱۳۲
- نبی ﷺ کی سیرت میں صوم اللہ ہر نہیں تھا، البتہ سروا الصوم (مسلسل روزے رکھنا) آپ کا طریقہ تھا ۱۳۲
- باب (۵۷): عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا روزہ مکروہ ہے ۱۳۳
- عیدین میں روزوں کی کراہیت سخت ہے اور ایام تشریق میں بھی ہے ۱۳۳
- باب (۵۸): ایام تشریق کے روزوں کی کراہیت ۱۳۵
- باب (۵۹): روزے میں پھنپھنے لگوانے کی کراہیت ۱۳۷
- روزے کی حالت میں بدن سے خون لگوانا مقصد صوم نہیں الطور الحاجم والمحبوم کے مطالب ۱۳۸
- باب (۶۰): روزے میں پھنپھنے لگوانے کا جواز ۱۵۱
- باب (۶۱): صوم وصال یعنی کئی دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے ۱۵۲
- صوم وصال فی نفسہ جائز ہے، جواز کی نقلی اور عقلی دلیلیں اور حدیث میں ممانعت ارشادی ہے
- مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے مذاہبات ۱۵۳
- باب (۶۲): جنابت کی حالت میں صبح کی ہوتو بھی روزہ رکھ سکتا ہے ۱۵۳
- باب (۶۳): روزہ دار کو بھی دعوت قبول کرنی چاہئے ۱۵۵
- میزبان کی خاطر مہمان کا یا مہمان کی خاطر میزبان کا نفل روزہ توڑنا جائز ہے ۱۵۶
- باب (۶۴): عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا مکروہ ہے ۱۵۶
- عورت رمضان کا تقاروزہ بھی شوہر کی صراحت یا دلالت اجازت کے بغیر نہ رکھے ۱۵۷
- باب (۶۵): رمضان کے روزوں کی قضا میں تاخیر جائز ہے ۱۵۸
- باب (۶۶): روزہ دار کے پاس کھانا یا جانے تو روزہ دار کو ثواب ملتا ہے ۱۵۸
- باب (۶۷): حاکمہ پر روزوں کی قضا واجب ہے نمازوں کی قضا واجب نہیں ۱۶۰
- باب (۶۸): روزہ کی حالت میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے ۱۶۱
- دماغ اور پیٹ کے درمیان اصلی سوراخ ہے اور دماغ میں چڑھنے والی ہر چیز پیٹ میں اتر جاتی ہے ... ۱۶۱
- کان میں سیال دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اختلاف اور اس کی بنیاد ۱۶۲

- باب (۶۹): میزبان کی اجازت کے بغیر مہمان روزہ نہ رکھے ۱۶۲
- فقہ اصول حدیث کے منکر اور امام ترمذی کے منکر کے معنی ۱۶۳
- باب (۷۰): احکامات کا بیان ۱۶۳
- احکامات کی تین قسمیں نذر میں اللہ علیٰ یا ہر زبان میں جو کلمہ اس کے مترادف ہو اس کا پلانا ضروری ہے، محض نیت کرنے سے نذر نہیں ہوگی ۱۶۳
- مستحب احکامات کے لئے وقت کی تحدید ہے یا نہیں؟ نفل احکامات میں روزہ شرط ہے؟ اختلاف ائمہ ۱۶۳
- احکامات مسنونہ کی ابتداء کب سے ہوتی ہے، ۲۰ کی شام سے یا ۲۱ کی صبح سے؟ ۱۶۵
- باب (۷۱): شب قدر کا بیان ۱۶۶
- شب قدر پورے سال میں دائر ہے یا صرف رمضان میں ہوتی ہے؟ ۱۶۶
- شب قدر کونسی رات ہے؟ روایات میں اختلاف کی وجہ: امام شافعی کی بہترین توجیہ ۱۶۷
- شب قدر پوری دنیا میں ایک ہوتی ہے اگرچہ تاریخوں میں تفاوت ہو ۱۷۰
- باب (۷۲): عشرۃ اخیرہ میں متعلقین کو بھی بیدار کرے ۱۷۱
- باب (۷۳): سردی کا روزہ ٹھنڈی غنیمت ہے ۱۷۲
- باب (۷۴): آیت: ﴿وَعَلَى الْإِنِّنِ بَیِّنَاتٌ﴾ کی تفسیر ۱۷۳
- جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو اولاد سے ذہن سازی کی ۱۷۳
- قرآن کریم میں صرف دو جگہ احکام کی آیات میں مکرر ہے اور وہ کسی مصلحت سے ہے ۱۷۵
- آیت: ﴿وَعَلَى الْإِنِّنِ بَیِّنَاتٌ﴾ بعض افراد میں منسوخ ہے تمام افراد میں منسوخ نہیں ۱۷۵
- باب (۷۵): کیا رمضان میں سفر شروع کرنے سے پہلے رخصت حاصل ہوتی ہے؟ ۱۷۵
- باب (۷۶): روزہ دار کو کیا تہہ پیش کیا جائے؟ ۱۷۷
- باب (۷۷): عید الفطر اور عید الاضحیٰ کب ہوتی ہیں؟ ۱۷۸
- باب (۷۸): مکلف اگر احکامات توڑ دے تو کیا حکم ہے؟ ۱۷۹
- باب (۷۹): مکلف ضروریات کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے ۱۸۱
- مکلف جمعہ پڑھنے کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر مکلف عذر کے بغیر مسجد سے نکلے تو احکامات ٹوٹ جائے گا؟ ۱۸۲

- کیا مکلف جمعہ کا غسل کرنے کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے؟..... اگر مسجد میں بڑا غلبہ رکھ کر غسل کر لے تو جائز ہے ۱۸۴
- روزانہ کنگھی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ترچل کے معنی نیل کنگھی کرنے کے ہیں ۱۸۴
- باب (۸۰): تراویح کا بیان ۱۸۵
- تراویح دور مابعد کی اصطلاح ہے اس کا پرانا نام ”قیام رمضان“ ہے..... قیام رمضان کے معنی ۱۸۵
- تراویح کا باقاعدہ نظام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بننا ہے..... پہلے آٹھ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں اور تہجد کے وقت نماز پوری ہوتی تھی، پھر ۲۰ رکعتیں کر دی گئیں اور جلدی نماز پوری کی جاتی تھی، پھر لوگ سو جاتے تھے اور رات کے آخر حصہ میں تہجد پڑھتے تھے ۱۸۵
- بدعت: لغت: حسنہ اور سیئہ ہوتی ہے اور اصطلاحاً: صرف سیئہ ہوتی ہے حسنہ نہیں ہوتی..... حضرت عمرؓ کے قول یُعَمَّتُ الْبَدْعَةُ هَذِهِ کا مطلب ۲۰ رکعت تراویح کی روایات ۱۱ رکعتوں والی روایت تہجد کی ہے ۱۸۷
- باب (۸۱): روزہ افطار کرانے کا ثواب ۱۹۰
- افطار کرانے کا مطلب: روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلاتا ہے ۱۹۰
- باب (۸۲): رمضان کی راتوں میں سونے سے پہلے نفلوں کی ترغیب اور اس کا ثواب ۱۹۱
- ایمان و احساب کے معنی ۱۹۲

ابواب الحج عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- باب (۱): حرم محترم کا بیان ۱۹۳
- حج: حج اکبر ہے اور عمرہ: حج اصغر ہے اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اگر ذی الحجہ جمعہ کا دن ہو تو وہ حج اکبری ہے: اس کی کچھ اصل نہیں، یہ محض عوامی اصطلاح ہے ۱۹۳
- حدود حرم اور مواقیت خمسہ کا بیان ۱۹۳
- حج کی تین قسمیں: افراد، تمتع اور قرآن..... مکہ سے حج کرنے کا طریقہ..... ممنوعات احرام کا بیان ۱۹۳
- آفاق، صلی اور حری کا مطلب (حاشیہ) ۱۹۳
- آفاق سے حج کرنے کا طریقہ، حج تمتع کا طریقہ اور حج قرآن کا طریقہ ۱۹۵

- حرم کا شکار حرام ہے..... حرم میں پالتو جانور ذبح کر کے کھا سکتے ہیں..... حرم کی خورد و کھاس اور جنگلی درخت کا ثمن متوع ہے اور جو درخت اور کھاس انسان نے اگائی ہے: اس کو کاٹ سکتے ہیں..... ۱۹۶
- کوئی جنابت کر کے حرم میں چلا جائے تو اسے وہاں مزادی جائے گی یا نہیں..... ۱۹۷
- باب (۲): حج اور عمرہ کا ثواب..... ۲۰۰
- حج اور عمرہ الگ الگ سفروں میں کرنے کے فائدے..... ۲۰۰
- حج مقبول کی ظاہری اور باطنی علامات..... ۲۰۰
- رفعت، فسوق اور جدال کے معنی..... ۲۰۱
- گناہ چار ہیں دوسرے (دائرہ) کے اندر ہیں اور دو باہر..... ۲۰۱
- دین اصول و فروع کا مجموعہ ہے اور دونوں کے پہلے دائرے الگ الگ ہیں اور آخری دائرہ ایک ہے..... ۲۰۱
- باب (۳): استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا بڑا گناہ ہے..... ۲۰۳
- استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والا معرض عقیق میں رہتا ہے اور حج کرنے سے ایمان پر مہر لگ جاتی ہے..... ۲۰۴
- باب (۴): حج کی فرضیت کے لئے زاویر اعلیٰ شرط ہیں..... ۲۰۵
- ضعیف روایت سے آیت کے اجمال کی تفسیر کی جاسکتی ہے..... ۲۰۵
- باب (۵): حج زندگی میں کتنی مرتبہ فرض ہے؟..... ۲۰۶
- غریب آدمی حج کر لے تو فرض ادا ہو جاتا ہے تاہلے اور غلام حج کریں تو فرض ادا نہیں ہوتا اس کی وجہ..... ۲۰۶
- احکام کی تشریح کی ایک صورت: تنخیر اور امت دونوں کا کسی حکم کو چاہنا..... ۲۰۶
- باب (۶): نبی ﷺ نے کتنے حج کئے ہیں؟..... ۲۰۷
- آپؐ نے حجۃ الوداع میں سوا دس کیوں ذبح کئے تھے؟..... ۲۰۸
- نبی ﷺ کو مدینہ میں صرف تریسٹھ اونٹ ملتا اور تریسٹھ اونٹ ذبح کر کے آپؐ کے تھک جانے میں آپؐ کی عمر مبارک کی طرف اشارہ تھا اور سورۃ المنافقون کی آخری آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے..... ۲۰۸
- باب (۷): نبی ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟..... ۲۱۰
- باب (۸): نبی ﷺ نے احرام کہاں سے باندھا ہے؟..... ۲۱۱
- باب (۹): نبی ﷺ نے کب احرام باندھا ہے؟..... ۲۱۲
- باب (۱۰): حج افراد کا بیان..... ۲۱۳

- نبی ﷺ نے کونسا حج کیا تھا؟ مختلف روایات میں تطبیق..... حج تینوں طرح کرنا جائز ہے، صرف
۲۱۴ فضیلت میں اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ
- ۲۱۵ قارن اور متمتع کی قربانی دم جبر ہے یا دم شکر؟
- ۲۱۵ امام شافعی کے نزدیک وہ افراد افضل ہے جس کے بعد عمرہ بھی کیا جائے
- ۲۱۶ باب (۱۱): حج اور عمرہ کو ایک ساتھ کرنے کا یعنی قرآن کا بیان
- ۲۱۶ تلبیہ میں حج یا عمرہ کا ذکر ضروری نہیں، نیت کافی ہے
- ۲۱۷ باب (۱۲): حج تمتع کا بیان
- ۲۱۸ حضرت عمرؓ کے اس حکم کی مصلحت کہ کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ نہ کرے
- تمتع میں شوال کا چاند نظر آنے کے بعد عمرہ کرنا پھر مکہ میں رہنا ضروری ہے..... تمتع اور قارن کے
پاس ہدی نہ ہو تو وہ دس روزے رکھیں، تین ایام حج سے پہلے اور سات وطن لوٹ کر..... کیا یہ شخص ایام
تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے؟ اختلاف ائمہ
- ۲۲۰ باب (۱۳): تلبیہ کا بیان
- ۲۲۱ تلبیہ میں دو مرتبہ لا حولہ ولا قوۃ لک شامل کرنے کی حکمت
- جو تلبیہ آنحضور ﷺ سے مروی ہے اس کو پڑھنا بہتر ہے اور اس میں ایسے کلمات پڑھنا جو اللہ کی
تعلیم پر دلالت کریں جائز ہے
- ۲۲۱ باب (۱۴): تلبیہ اور قربانی کی فضیلت
- ۲۲۵ باب (۱۵): تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا بیان
- ۲۲۶ باب (۱۶): احرام سے پہلے غسل کرنے کا بیان
- ۲۲۶ باب (۱۷): دور سے آنے والے احرام کہاں سے بائیں؟
- ۲۲۷ اتفاقی حرم میں جائے تو احرام ضروری ہے اس مسئلہ میں امام شافعی کا اختلاف ہے
- اگر کسی راستہ میں دو میقات پڑیں تو پہلی میقات سے احرام بائیں اٹھنا افضل ہے اور دوسری میقات تک
احرام مؤخر کرنے کی گنجائش ہے..... جہہ میقات سے باہر ہے یا میقات کے اندر؟
- ۲۲۸ کاروباری لوگوں کے لئے اور عیسیٰ والوں کے لئے امام شافعی کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے
- ۲۲۹ باب (۱۸): محرم کے لئے کون سے کپڑے پہننے جائز نہیں؟

- ۲۲۹ جو کپڑا بدن کی ساخت پر سایا گیا ہو یا بنا گیا ہو وہ محرم کے لئے جائز نہیں
- ۲۲۹ مرد کا احرام سر اور چہرے دونوں میں ہے اور عورت کا احرام صرف چہرے میں ہے
- ۲۲۹ احرام میں ٹخنے کھلے رکھے ضروری ہیں اور ٹخنے دو ہیں
- ہر وہ کپڑا جو خوشبودار رنگ میں رنگا گیا ہو یا خوشبو میں بسایا گیا ہو محرم اسے نہیں پہن سکتا اور یہ حکم مرد و عورت سب کے لئے ہے اور ممانعت کی وجہ خوشبو ہے رنگ نہیں
- ۲۳۰ عورت کے لئے احرام میں چہرہ پر نقاب ڈالنا جائز نہیں، مگر پردہ کرنا ضروری ہے۔ احرام میں ہاتھوں میں دستانے پہننا مکروہ ہے
- ۲۳۱ باب (۱۹): محرم کے پاس لنگی یا چٹیل نہ ہو تو وہ شلوار یا ٹخنیں پہن سکتا ہے
- ۲۳۲ باب (۲۰): اگر محرم قمیص یا جب پہن لے تو کیا حکم ہے؟
- ۲۳۳ باب (۲۱): محرم کن جانوروں کو مار سکتا ہے؟
- ۲۳۵ باب (۲۲): احرام میں بچھے لگوانے کا حکم
- ۲۳۶ باب (۲۳): حالت احرام میں نکاح پڑھنا پڑھانا ممنوع ہے
- آنحضور ﷺ نے حضرت خدیجہ، پھر حضرت سودہ کے علاوہ تمام نکاح ملی، نکلی اور شخصی مصلحت سے کئے ہیں
- ۲۳۷ باب (۲۴): حالت احرام میں نکاح کے جواز کا بیان
- ۲۳۷ باب (۲۵): محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے
- ۲۳۵ باب (۲۶): محرم کے لئے شکار کا گوشت ممنوع ہے
- ۲۳۷ باب (۲۷): محرم کے لئے سمندر کا شکار حلال ہے
- ۲۳۷ ”بڑی سمندر کی ایک خاص قسم کی مچھلی کی چھینک سے پیدا ہوتی ہے“ موضوع ہے
- ۲۳۷ فروعہ خیر بن جواد: حضرت عمر کا مقولہ ہے اور اس میں مسئلہ کا بیان ہے
- ۲۳۸ باب (۲۸): محرم اگر بجومارے تو کیا حکم ہے
- ۲۳۹ بجومحلال ہے یا حرام؟ فقہاء کی آراء اور حدیث پاک کا جواب
- ۲۴۰ باب (۲۹): مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا مسنون ہے
- ۲۴۱ باب (۳۰): نبی ﷺ مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے اور زیریں حصہ سے نکلے

- باب (۳۱): نبی ﷺ کعبہ میں دن میں داخل ہوئے ہیں ۲۵۱
- باب (۳۲): بیت اللہ نظر پڑنے پر رفع یدین مکروہ ہے ۲۵۲
- باب (۳۳): طواف کا طریقہ ۲۵۳
- کعبہ شریف در حقیقت مسجد ہے اور آیت: ﴿قَوْلٌ وَجْهَكَ لِطَرْفِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں مسجد حرام سے کعبہ شریف مراد ہے نبی ﷺ نے عمرہ القضاء میں رمل اس لئے کیا تھا کہ مشرکین غریب ہوں نبی ﷺ کے مقام ابراہیم پر آیت کریمہ: ﴿وَأَنبِئُونَا بِمَقَامِ إِبْرَاهِيمَ﴾ کی تلاوت کرنے کی وجہ دو گنا طواف کی وجہ ۲۵۵
- ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ وَالزُّكُوفَ مِنَ صَلَاتِ اللَّهِ﴾ تلاوت فرما کر آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ صفا کی تقدیم بلا وجہ نہیں، بلکہ مذکور کو مشروع کے ساتھ موافق کرنے کے لئے ہے ۲۵۵
- باب (۳۴): طواف کے پورے چکر میں رمل کرنا مسنون ہے ۲۵۶
- رمل کرنے کا طریقہ رمل صرف مرد کریں عورتیں رمل نہیں کریں گی بعض علماء کے نزدیک مکی پر رمل نہیں اور احناف کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ جس طواف کے بعد سعی ہے اس میں رمل ہے اور جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں رمل نہیں ۲۵۶
- باب (۳۵): صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام مسنون ہے کعبہ کے دوسرے کونوں کا استلام مسنون نہیں ۲۵۷
- باب (۳۶): نبی ﷺ نے طواف میں اضطباع کیا تھا ۲۵۸
- اضطباع کے معنی: یہ حالت رمل میں سہولت کے لئے ہے ۲۵۸
- باب (۳۷): حجر اسود کو چومنے کا بیان ۲۵۹
- دین کا مدار موت پر ہے، حکم شرعی خواہ عقل کی سمائی میں آئے یا نہ آئے ۲۵۹
- محبت و تمکک کے طور پر کسی چیز کو چومنے میں کوئی حرج نہیں دست بوسی ناپسندیدہ اور قدم بوسی ناجائز ہے ۲۶۰
- باب (۳۸): سعی صفا سے شروع کی جائے ۲۶۱
- جمرات کی رمی اور صفا و مردہ کی سعی اللہ کے ذکر کو برپا کرنے کے لئے ہیں ۲۶۱
- عائلی ہاند حنا ٹھیک نہیں، وہ عیسائیوں کا شعار ہے ۲۶۱
- باب (۳۹): دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑنے کا بیان ۲۶۳

- باب (۴۰): سوار ہو کر طواف کرنے کا بیان ۲۶۵
- باب (۴۱): طواف کے ثواب کا بیان ۲۶۶
- باب (۴۲): عصر اور فجر کے بعد دو گانہ طواف پڑھنے کا بیان ۲۶۷
- باب (۴۳): دو گانہ طواف میں کوئی سورتیں پڑھے؟ ۲۶۹
- باب (۴۴): تنگے طواف کرنا ممنوع ہے ۲۷۰
- طواف میں ستر عورت شرط ہے یا واجب؟ مذاہب فقہاء اور اختلاف کی بنیاد ۲۷۱
- باب (۴۵): کعبہ شریف میں داخل ہونے کا بیان ۲۷۲
- باب (۴۶): کعبہ شریف میں نماز پڑھنے کا بیان ۲۷۳
- باب (۴۷): کعبہ کی تعمیر نو کا بیان ۲۷۴
- کعبہ کی اصل شکل دائیں قدم کی تھی اور اس کے دو دروازے تھے، قریش نے حلیم کی طرف کا کچھ حصہ
کعبہ سے باہر نکال دیا اور ایک دروازہ بند کر دیا اور دوسرے دروازے کو قد آدم اونچا کر دیا تاکہ اپنی
اجارہ داری قائم رکھ سکیں ۲۷۵
- جو کام استقبال کے درجہ کا ہو اور فقہ کا باعث بن سکتا ہو تو وہ کام نہیں کرنا چاہئے ۲۷۵
- باب (۴۸): حلیم میں نماز پڑھنے کا بیان ۲۷۵
- پورا حلیم بیت الشکا جزم ہے یا بعض حصہ؟ ۲۷۶
- باب (۴۹): حجر اسود اور مقام ابراہیم کی فضیلت ۲۷۶
- باب (۵۰): منیٰ کو جانا اور وہاں قیام کرنا ۲۷۸
- باب (۵۱): منیٰ میں جو پہلے پہنچے وہ جگہ اس کی ہے ۲۸۰
- نظام کو صحیح اور درست رکھنے کے لئے منیٰ کے راستوں سے لوگوں کو ہٹانا جائز بلکہ ضروری ہے ۲۸۰
- باب (۵۲): منیٰ میں نمازیں قصر کرنے کا بیان ۲۸۱
- کیا حج کے دنوں میں قصر: مناسک میں شامل ہے؟ مذاہب فقہاء اور ان کے مستدلات ۲۸۱
- کیا منیٰ مکہ میں داخل ہے یا خارج؟ ۲۸۱
- باب (۵۳): وقوف عرفہ اور اس میں دعا کا بیان ۲۸۳
- وقوف عرفہ کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک ہے یہ پورا وقت یکساں

- ۲۸۳ ہے یا رات کی دن سے زیادہ اہمیت ہے؟..... جو شخص دن کے ساتھ رات کا قوف نہ ملے اس کا حکم
- باب (۵۴): عرفہ کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے ۲۸۵
- ۲۸۷ عورت کے لئے مجبوری ہو اور وہ پردہ نہ کر سکتی ہو تو مردوں پر نظریں پھیر لینا واجب ہے
- ۲۸۸ قصر کا مطلب: بٹھے کھانا، یعنی پیچھے سے بال کھانا
- ۲۸۸ نبی ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں بالقصد تہجد نہیں پڑھا تھا اور اس کی حکمت
- باب (۵۵): عرفات سے لوٹنے کا بیان ۲۹۰
- باب (۵۶): مزدلفہ میں مغرب اور عشا ایک ساتھ پڑھنا ۲۹۱
- جس نے حج کا احرام نہیں باندھا اس کے لئے مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں..... عشا تکین کو
- جمع کرنے کے لئے امام المسلمین کی اقتداء شرط نہیں ۲۹۱
- عرفات اور مزدلفہ میں اذان و اقامت ایک ہیں یا دو؟ نہ اہب فقہاء اور مستدلات ۲۹۱
- باب (۵۷): جس نے امام کو مزدلفہ میں پایا اس نے حج پایا ۲۹۳
- یہ حدیث ام الناسک ہے یعنی حج کے اہم مسائل کی جامع ہے ۲۹۴
- باب (۵۸): کمزوروں کو عرفہ سے سیدھا منی بھیج دینا جائز ہے ۲۹۶
- حج میں چھوڑا جاتا ایسے ہیں جن کا وجوب عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے ۲۹۶
- باب (۵۹): دس ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے کس وقت رمی کی تھی؟ ۲۹۸
- دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے اور باقی دنوں میں زوال کے بعد شروع ہوتا ہے ۲۹۸
- باب (۶۰): مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہونا چاہئے ۲۹۹
- باب (۶۱): غلہ جیسی کنکری سے رمی کرنی چاہئے ۳۰۰
- باب (۶۲): رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے ۳۰۰
- باب (۶۳): سوار ہو کر رمی کرنے کا بیان ۳۰۱
- جس رمی کے بعد رمی ہے وہ بیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد رمی نہیں ہے وہ سوار ہو کر کرنا افضل ہے ۳۰۱
- باب (۶۴): رمی کرنے کا طریقہ ۳۰۲
- اعمال حج میں رمی کو شامل کرنے کی دو حکمتیں..... ذکر کی دو قسمیں اور ان کے مواقع ۳۰۳
- باب (۶۵): حمرات کی رمی کے وقت لوگوں کو ہٹانا مکروہ ہے ۳۰۵
- باب (۶۶): اونٹ اور گائے بھینس میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟ ۳۰۵

- باب (۶۷): اونٹ کا اشعار کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے ۳۰۷
- اشعار کے معنی اشعار کرنے کا طریقہ اشعار کرنے کی وجہ اور فائدہ ۳۰۷
- اشعار کرنا سنت ہے اور ابراہیمؑ نبی اور امام اعظمؒ نے جس طرح لوگ بے دردی سے اشعار کرتے تھے اس کو بدعت کہا ہے ۳۰۸
- کج کافہ غلط فہمی پڑتی ہے کج اور توہین رسول ۳۰۹
- باب (۶۸): نبی ﷺ نے ہدی کے اونٹ کہاں سے خریدے تھے؟ ۳۱۰
- باب (۶۹): کوئی ہدی بھیجے اور حج یا عمرہ کے لئے نہ جائے تو وہ محرم نہیں ہوتا ۳۱۰
- صرف ہدی بھیجنے سے آدمی محرم نہیں ہو جاتا ۳۱۱
- باب (۷۰): بکریوں کو ہار پہنانے کا بیان ۳۱۱
- امام اعظمؒ نے جو تہذیب غنم کا انکار کیا ہے وہ چیلوں کے ہار کا انکار کیا ہے، مطلق ہار پہنانے کا انکار نہیں کیا ۳۱۲
- باب (۷۱): اگر ہدی راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو کیا کرے؟ ۳۱۲
- باب (۷۲): ہدی کے اونٹ پر سواری کرنا ۳۱۳
- امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ضرورت کے وقت اور احتیاف کے نزدیک اضطرار کی حالت میں ہدی سے انتفاع جائز ہے ۳۱۳
- باب (۷۳): کوئی جانب سے سرمٹا انا شروع کرے ۳۱۵
- یہ حدیث تبرکات کی اصل ہے ۳۱۵
- باب (۷۴): سرمٹا آنے اور بال کتروانے کا بیان ۳۱۶
- قصر میں لہائی میں ایک ہنسلہ کے بقدر اور مقدار میں چوتھائی سر کے بقدر بال کٹوانے ضروری ہیں ۳۱۶
- سرمٹا اگر احرام کھولنا دو وجہ سے افضل ہے ۳۱۶
- احرام کھولنے کا یہ طریقہ دو وجہ سے مجوز کیا گیا ہے ۳۱۷
- باب (۷۵): عورتوں کے لئے سرمٹا انا حرام ہے ۳۱۷
- باب (۷۶): قربانی سے پہلے حلق کرنا یا یاری سے پہلے قربانی کرنا ۳۱۸
- ربی قربانی اور طلق میں ترتیب واجب ہے یا سنت؟ مذاہب فقہاء اور استدلالات ۳۱۹
- باب (۷۷): حلال ہونے کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانے کا حکم ۳۲۰

- باب (۷۸): حج میں تلبیہ کب بند کرے؟ ۳۲۲
- باب (۷۹): عمرہ میں تلبیہ کب بند کرے؟ ۳۲۳
- باب (۸۰): رات میں طواف زیارت کرنے کا بیان ۳۲۴
- باب (۸۱): اٹل میں اترنے کا بیان ۳۲۵
- اٹل، بطحا، محصب اور خیف بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں قریش نے بایکٹ کا فیصلہ کیا تھا (حاشیہ) ۳۲۵
- باب (۸۲): بچے کے حج کا بیان ۳۲۷
- عورت تلبیہ سراپڑھے..... اگر بچہ سمجھدار ہے تو وہ ارکان حج خود ادا کرے..... تلبیہ میں نیابت جائز نہیں ۳۲۸
- باب (۸۳): شیخ فانی اور میت کی طرف سے حج بدل کا بیان ۳۲۹
- استطاعت بدنی نفس و وجوب کے لئے شرط ہے یا وجوب ادا کے لئے؟ ۳۳۰
- باب (۸۵): دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کا بیان ۳۳۲
- باب (۸۶): کیا عمرہ واجب ہے؟ ۳۳۳
- باب (۸۷): کیا اشہر حج میں عمرہ کرنا جائز ہے؟ ۳۳۵
- میقات دو ہیں، میقات مکانی اور وہ پانچ ہیں اور میقات زمانی اور وہ ڈھائی مہینے ہیں ۳۳۵
- باب (۸۸): عمرہ کے ثواب کا بیان ۳۳۶
- باب (۸۹): متعمم سے عمرہ کرنے کا بیان ۳۳۶
- باب (۹۰): ہر انداز سے عمرہ کرنے کا بیان ۳۳۷
- باب (۹۱): رجب میں آپؐ نے کوئی عمرہ نہیں کیا ۳۳۸
- باب (۹۲): ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا بیان ۳۳۹
- باب (۹۳): رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت ۳۴۰
- باب (۹۴): جو شخص حج کا احرام باندھے پھر اس کی ہڈی ٹوٹ جائے یا ٹکڑا ہو جائے تو کیا کرے؟ ۳۴۲
- دشمن کے علاوہ دیگر اعذار سے احصار تحقق ہوتا ہے یا نہیں؟..... کیا محصر پر ہڈی حرم میں بھیجنا ضروری ہے؟..... کیا محصر پر احرام سے ٹکٹے کے لئے سر منڈانا ضروری ہے؟ ۳۴۲
- محصر پر حج یا عمرہ کی قضا واجب ہے یا نہیں؟ ۳۴۵

- باب (۹۵): حج کے احرام میں شرط لگانے کا بیان ۳۴۶
- باب (۹۷): طواف زیارت کے بعد عورت کو حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟ ۳۴۸
- حائضہ پر طواف و راع واجب نہیں حائضہ طواف زیارت کے بغیر نہیں لوٹ سکتی اور شدید مجبوری کا حکم ۳۴۹
- باب (۹۸): حائضہ کیا کیا ارکان ادا کر سکتی ہے؟ ۳۵۰
- حائضہ طواف زیارت نہیں کر سکتی کیونکہ اس کے لئے طہارت شرط ہے، باقی تمام ارکان ادا کر سکتی ہے ۳۵۰
- باب (۹۹): جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات کعبہ شریف سے ہونی چاہئے ۳۵۱
- باب (۱۰۰): قارن: حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کرے ۳۵۲
- قرآن میں افعال حج اور افعال عمرہ میں تداخل ہوتا ہے یا نہیں؟ ۳۵۲
- باب (۱۰۱): مہاجر: منی سے لوٹ کر صرف تین دن مکہ میں قیام کرے ۳۵۵
- یہ حکم مکہ سے ہجرت کرنے والوں کے ساتھ خاص تھا ۳۵۵
- باب (۱۰۲): حج اور عمرہ سے واپسی میں کیا ذکر کرے ۳۵۶
- باب (۱۰۳): جس کا حالت احرام میں انتقال ہو جائے اس کی جھنجھوٹ و تکفین کا طریقہ ۳۵۶
- باب (۱۰۴): اگر محرم کی آنکھیں دکھیں تو وہ ایلوے کا لیپ کر سکتا ہے ۳۵۸
- باب (۱۰۵): محرم اگر عذر کی وجہ سے سرمندائے تو کیا حکم ہے؟ ۳۵۹
- باب (۱۰۶): چرواہوں کے لئے رخصت ہے کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن نہ کریں ۳۶۰
- منی کی راتیں منی میں گزارنا سنت ہے یا واجب؟ ایام منی میں ہر دن کی رمی اسی دن کرنی ضروری ہے، البتہ چرواہے دونوں کی رمی ایک ساتھ کر سکتے ہیں، البتہ جمع تقدیم جائز نہیں ۳۶۰
- باب (۱۰۷): گول مول احرام باندھنے کا حکم ۳۶۲
- باب (۱۰۸): حج اکبر کا دن کونسا دن ہے؟ ۳۶۳
- باب (۱۰۹): حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانے کی فضیلت ۳۶۴
- باب (۱۱۰): طواف میں بات چیت کرنا جائز ہے ۳۶۵
- باب (۱۱۱): حجر اسود کی خصوصیت ۳۶۶
- باب (۱۱۲): کیا احرام میں بغیر خوشبو کا تیل لگا سکتے ہیں؟ ۳۶۷
- باب (۱۱۳): زم زم کی فضیلت ۳۶۷

باب (۱۱۳): بطح میں اترنا مناسک میں شامل نہیں ۳۶۸

أبواب الجنائز عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

باب (۱): بیماری کا ثواب ۳۶۹

بیماری کی وجہ سے سینات معاف ہوتے ہیں اور درجات بڑھتے ہیں ۳۶۹
بدکردار کی آچانک موت اللہ کے غصہ کی پکڑ ہے..... کونسا مرض کفارہ سینات ہوتا ہے اور کس مرض میں

درجات بڑھتے ہیں؟ ۳۶۹

باب (۲): بیمار پر سی کا ثواب ۳۷۱

باب (۳): موت کی تمنا کرنے کی ممانعت ۳۷۴

موت کی تمنا خود کشی کا سبب بنتی ہے..... البتہ دل کی بھڑاس نکالنے کی اجازت ہے ۳۷۴

باب (۴): مریض پر دم کرنے کی دعائیں ۳۷۵

باب (۵): وصیت کرنے کی ترغیب ۳۷۷

باب (۶): تہائی یا چوتھائی کی وصیت کرنا ۳۷۸

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تہائی سے زیادہ کی وصیت باطل ہے اور احناف کے نزدیک دو صورتوں میں جائز ہے ۳۷۸

باب (۷): سکرات میں کلمہ کی تلقین کرنا اور مریض کو دعا دینا ۳۸۰

تلقین کا طریقہ..... جب مریض ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو تلقین بند کر دے ۳۸۰

ابن المبارکؒ اور ابو زرہؒ کے واقعات ۳۸۰

کیا عمر رسول اللہؐ کی بھی تلقین کی جائے؟ ۳۸۱

باب (۸): موت کے وقت سختی کا پیش آنا ۳۸۳

شدائد الموت کی متعدد حالتیں ہیں اس کا محبوبیت و مغفویت سے کوئی تعلق نہیں ۳۸۴

باب (۹): مؤمن ماتھے کے پسینہ سے مرنا ہے ۳۸۴

باب (۱۰): بوقت موت امید و بیم کا اجتماع پسندیدہ ہے ۳۸۵

ایمان: خوف ورجاء کی ملی جلی کیفیت کا نام ہے..... تندرستی کے زمانہ میں خوف کی کیفیت غالب دینی

چاہئے اور سکرات میں امید کا پہلو غالب ہو جانا چاہئے ۳۸۵

باب (۱۱): موت کی تشہیر کرنے کی ممانعت ۳۸۶

- اقارب کو، اصحاب کو، اہل خیر کو اور عام لوگوں کو کسی کی موت کی خبر دینا تاکہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا دعاء خیر کریں جائز ہے، ممنوع تشہیر میں یہ بات داخل نہیں..... البتہ اقارب کے انتظار میں تدفین میں تاخیر کرنا جائز نہیں ۳۸۷
- باب (۱۲): کمال صبر وہ ہے جو صدمہ کی ابتداء میں ہو..... ۳۸۸
- باب (۱۳): میت کو چومنے کا بیان ۳۹۰
- باب (۱۴): میت کو نہلانے کا بیان ۳۹۱
- میت کو نہلانے میں اس کا اعزاز و اکرام ہے..... ۳۹۱
- بیری کے پتے ابالے ہوئے پانی سے غسل دینے کی حکمت..... بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو صابن بھی کافی ہے..... آخری مرتبہ کا فوراً پانی استعمال کرنے میں چار فائدے..... ۳۹۲
- تمک کا ثبوت ہے مگر تمک اپنے محل میں کام کرتا ہے غیر محل میں کام نہیں کرتا..... ۳۹۳
- مردے کو نہلانے کا طریقہ..... ۳۹۳
- باب (۱۵): مردے کو مشک لگانا جائز ہے..... ۳۹۵
- باب (۱۶): میت کو نہلانے والے خود بھی نہالیں..... ۳۹۶
- باب (۱۷): مستحب کفن کا بیان..... ۳۹۸
- باب (۱۸): کفن کے سلسلہ میں دوسرا باب..... ۳۹۹
- کفن میں اعتدال کی راہ اپنانی چاہئے اور افراط و تفریط سے بچنا چاہئے..... ۳۹۹
- باب (۱۹): نبی ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا؟..... ۴۰۰
- مرد کا ست کفن تین کپڑے ہیں اور عورت کے لئے ست کفن پانچ کپڑے ہیں..... ۴۰۰
- باب (۲۰): میت کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرنا..... ۴۰۲
- اہل میت کا اقارب اور تعزیت کے لئے آنے والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرنا طعام میت ہے..... ۴۰۲
- باب (۲۱): مصیبت کے وقت رخسار پینٹنا اور گریبان پھاڑنا ممنوع ہے..... ۴۰۳
- میت پر نوحہ ماتم کرنا تین وجوہ سے ممنوع ہے..... ۴۰۳
- باب (۲۲): نوحہ ماتم کرنا ممنوع ہے..... ۴۰۴
- جاہلیت کی چار باتیں امت میں ہمیشہ رہیں گی لوگ ان کو بالکل ترک نہیں کریں گے..... ۴۰۵

- کوئی بھی بیماری بذاتہ متعدی نہیں مگر بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط مجملہ اسباب مرض ہے ۴۰۶
- باب (۳۳): میت پر رونے کی ممانعت ۴۰۷
- پسماندگان کے آؤ بکا کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے..... حضرت عائشہؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پر جو نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ۴۰۷
- باب (۳۴): میت پر رونے کی اجازت ۴۰۹
- باب (۳۵): جنازہ کے آگے چلنے کا بیان ۴۱۱
- جنازہ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف نقطہ نظر کا اختلاف ہے ۴۱۱
- باب (۳۶): جنازہ کے پیچھے چلنے کا بیان ۴۱۵
- جنازہ کے پیچھے تیز چلنا چاہئے..... جنازہ کو تیز لے چلنے میں حکمت ۴۱۵
- باب (۳۷): جنازہ کے پیچھے سوار ہو کر چلنے کی ممانعت ۴۱۷
- جنازہ میں فرشتے بھی شرکت کرتے ہیں ۴۱۷
- باب (۳۸): جنازہ کے ساتھ سوار ہو کر جانے کی اجازت ۴۱۷
- قبرستان سے واپسی کے وقت سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں، البتہ قبرستان بیدل جانا چاہئے..... اور عذر ہو تو سوار ہو سکتے ہیں ۴۱۸
- باب (۳۹): جنازہ جلدی لے چلنے کا بیان ۴۱۸
- باب (۴۰): شہدائے احد کا اور حضرت حمزہؓ کا تذکرہ ۴۱۹
- اگر کسی مجبوری میں ایک کپڑے میں ایک سے زیادہ لاشیں دفن کی جائیں تو دو لاشوں کے درمیان فصل کرنا چاہئے..... جس قبر میں متعدد اموات دفن کی جائیں اس کو کھودنے کے طریقے..... ایسی قبروں کی حقیقت ۴۲۰
- باب (۴۱): جنازہ میں شرکت کرنا سنت ہے ۴۲۱
- باب (۴۲): نبی ﷺ کی گھر میں تدفین آپؐ کی خصوصیت ہے ۴۲۲
- گھر میں کسی نیک آدمی کی یا عام آدمی کی قبر بنانا جائز نہیں، سب کی تدفین گور فرماں میں ہونی چاہئے ۴۲۳
- آغوشِ نبی ﷺ کی تدفین میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی تھی اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے تمنا تھا کہ ۴۲۳
- کمرے میں جا کر نماز پڑھی تھی ۴۲۳

- باب (۳۳): مردوں کی خوبیاں بیان کرنا اور برائیوں سے کف لسان کرنا ۴۲۴
- گمراہ لوگوں کی غلطیاں جس سے ملک و ملت کو نقصان پہنچ سکتا ہو ان کا تذکرہ ضروری ہے ۴۲۴
- باب (۳۴): جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنا ۴۲۵
- اگر لوگ کم ہوں تو جب تک جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے بیٹھنا مکروہ ہے جنازہ قبر میں اتارنے سے پہلے بیٹھنا جائز ہے ۴۲۵
- باب (۳۵): مصیبت پر ثواب کی امید رکھنے کی فضیلت ۴۲۶
- مصیبت کے وقت حمد کی حکمت سمجھنے کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا واقعہ ۴۲۷
- باب (۳۶): جنازہ میں کتنی تکبیریں کہی جائیں؟ ۴۲۸
- عائبات نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ مذاہب فقہاء اور مستدلات ۴۲۸
- باب (۳۷): نماز جنازہ کی دعا ۴۳۰
- باب (۳۸): نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا بیان ۴۳۲
- باب (۳۹): نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے اور میت کے لئے شفاعت کس طرح کی جائے؟ ۴۳۳
- نصوص کی تاویل بعید غیر معتبر ہے، البتہ اگر کسی فقیہ صحابی سے تاویل بعید مروی ہو تو معتبر ہے ۴۳۳
- شفاعتیں دو ہیں: قولی اور فعلی، اور تین معنوں کا نماز جنازہ پڑھنا فعلی شفاعت ہے ۴۳۴
- باب (۴۰): طلوع و غروب کے وقت نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے ۴۳۵
- اگر اوقات تلاشی میں جنازہ آئے یا آیت سجدہ تلاوت کرے تو ان اوقات میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور سجدہ تلاوت بھی کر سکتے ہیں ۴۳۵
- اوقات تلاشی میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ۴۳۶
- باب (۴۱): بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے اگر تخلیق مکمل ہوئی ہو ۴۳۷
- باب (۴۲): بچہ کی نماز جنازہ اس وقت پڑھی جائے جب وہ زندہ پیدا ہو ۴۳۸
- بچہ پر حیات کے آثار ظاہر ہوں تب وہ وارث اور مورث بنے گا ۴۳۹
- اگر باب میں صحیح روایت موجود نہ ہو تو فقہاء ضعیف روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں ۴۳۹
- باب (۴۳): مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان ۴۴۰
- مسجد میں جنازہ پڑھنے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں ممنوع ہیں ۴۴۰

- ۴۴۱ عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے
- باب (۴۳): مرد و زن کا جنازہ پڑھاتے وقت امام کہاں کھڑا ہو؟ ۴۴۲
- ۴۴۲ اگر متعدد جنازے ہوں تو افضل یہ ہے کہ ہر جنازہ علیحدہ پڑھا جائے
- باب (۴۵): شہید کی نماز جنازہ نہیں ۴۴۳
- ۴۴۳ آنحضرت ﷺ قیامت کے دن مؤمنین کے حق میں اور مکرمین کے خلاف گواہی دیں گے
- باب (۴۶): قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان ۴۴۷
- باب (۴۷): نبی ﷺ نے نجاشی رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھی ہے ۴۴۹
- باب (۴۸): نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب ۴۵۰
- باب (۴۹): جنازہ کو کندھا دینے کا بیان ۴۵۱
- ۴۵۱ کندھا دینے کا کوئی خاص طریقہ نہیں اور موطا محمد میں جو طریقہ لکھا گیا ہے وہ لوگوں کی سہولت کے لئے ہے
- باب (۵۰): جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا بیان ۴۵۲
- ۴۵۲ شروع میں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم عبرت پذیری کے لئے تھا تعظیم کے لئے نہیں تھا، بعد میں فساد کے اندیشہ سے قیام منسوخ کر دیا گیا
- باب (۵۱): جنازہ دیکھ کر کھڑے نہ ہونے کا بیان ۴۵۳
- باب (۵۲): ”بغلی قبر ہمارے لئے اور صندوق دوسروں کے لئے“ کا مطلب ۴۵۵
- ۴۵۵ یہ حدیث پیشین گوئی ہے جیسے الانعمۃ من قروض پیشین گوئی ہے
- ۴۵۶ لحد کی فضیلت دو وجہ سے ہے..... مردہ کو قبر میں دائیں کروٹ لٹانا یا چپٹ لٹا کر قبلہ کی طرف منہ کرنا
- ۴۵۶ دونوں طریقے جائز ہیں اور کروٹ پر لٹانا افضل ہے
- باب (۵۳): جب میت کو قبر میں اتارے تو کیا کہے ۴۵۷
- باب (۵۴): قبر میں میت کے نیچے کپڑا بچھانے کی روایت ۴۵۸
- ۴۵۸ بے ضرورت قبر میں میت کے نیچے کوئی چیز نہ بچھائی جائے اس پر اجماع ہے..... نبی ﷺ کی قبر میں کچھ نہیں بچھایا تھا
- باب (۵۵): قبروں کو ہموار کرنے کا بیان ۴۶۰
- ۴۶۰ قبریں بہت اونچی نہیں بنانی چاہئیں اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے

- باب (۵۶): قبروں پر چلنے اور بیٹھنے کی ممانعت ۳۶۱
- قبر کی نہایت درجہ تعظیم کرنی چاہئے نہ تو ہیں، ان کے ساتھ اعتدال کا معاملہ کرنا چاہئے ۳۶۱
- قبروں پر مراقبہ کرنا اور ذکر جبری کرنا بدعت ہے ۳۶۲
- باب (۵۷): قبریں پختہ بنانا اور ان پر کتبے لگانا ممنوع ہے ۳۶۳
- تعالیٰ حادث حجت نہیں ۳۶۳
- باب (۵۸): جب قبرستان میں جائے تو کیا کہے؟ ۳۶۵
- باب (۵۹): زیارت قبور کے لئے قبرستان جانے کی اجازت ۳۶۶
- زیارت قبور مامور بہ ہے اس میں اموات کا اور زندوں کا فائدہ ہے، البتہ صرف بزرگوں کی قبروں پر جانا بریلویت ہے، یہی چیز آگے چل کر قبر پرستی کی شکل اختیار کرتی ہے ۳۶۶
- باب (۶۰): عورتوں کے لئے قبرستان جانے کی ممانعت ۳۶۷
- باب (۶۱): عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم ۳۶۹
- جنازہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہئے، البتہ اگر کوئی شخص علاج کے لئے کہیں لے جایا گیا ہو اور وہاں انتقال ہو جائے اور وطن واپس لانے میں مشقت کم ہو تو جنازہ واپس لا سکتے ہیں ۳۷۰
- باب (۶۲): رات میں دفن کرنے کا بیان ۳۷۱
- میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں لینا افضل ہے یا سئل افضل ہے؟ ۳۷۱
- باب (۶۳): میت کے حق میں اچھی بری گواہی ۳۷۲
- باب (۶۴): بچہ فوت ہونے پر صبر کا ثواب ۳۷۳
- باب (۶۵): شہداء کون کون ہیں؟ ۳۷۵
- باب (۶۶): طامعون سے بھاگنے کی کراہیت ۳۷۶
- طامعون کیا ہے؟..... طامعون زدہ علاقہ سے بھاگنے کی ممانعت تین وجہ سے ہے ۳۷۶
- حفظان صحت کے لئے حکومت کا طامعون زدہ آبادی کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے ۳۷۷
- باب (۶۷): جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں ۳۷۸
- اس حدیث میں عقلی شوق لقاء مراد ہے..... موت کی طبعی ناگواری ایک فطری بات ہے اور عام حالات میں فطری باتیں غالب نظر آتی ہیں ۳۷۹

- باب (۶۸): خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے ۳۸۰
- قاتل نفس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی مگر اس کے جنازہ میں کسی مقتدی شخصیت کو شریک نہیں ہونا چاہئے ۳۸۱
- باب (۶۹): مقروض کی نماز جنازہ ۳۸۱
- جس نے اپنے پیچھے ترکہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہو یا ورنہ ادا کرنے پر راضی ہوں تو وہ حکماً مقروض ہونے والا نہیں ۳۸۱
- باب (۷۰): عذاب قبر کا بیان ۳۸۳
- عذاب قبر کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، پس اس کا منکر گمراہ ہے ۳۸۳
- موت سے روح نہیں مرنی، بدن مرتا ہے، روح بدن سے نکل کر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے
- عالم برزخ ہماری اس دنیا کا تہہ ہے آخرت کا حصہ نہیں ۳۸۴
- جو روحیں برزخ میں پہنچ جاتی ہیں وہاں ان کو آخرت کے لئے تیار کیا جاتا ہے عذاب قبر روح اور جسم کے مجموعہ کو ہوتا ہے ۳۸۵
- منکر نکیر کے معنی نیک بندے کے پاس ہمشیر بشیر آتے ہیں جو نہایت خوبصورت ہوتے ہیں ۳۸۷
- منکر نکیر کی آنکھیں نیلگوں کیوں ہوتی ہے؟ ۳۸۷
- باب (۷۱): مصیبت زدہ کو تسلی دینے کا ثواب ۳۸۸
- باب (۷۲): جمعہ کے دن موت کی فضیلت ۳۹۰
- باب (۷۳): جلدی دفن کرنے کا بیان ۳۹۰
- باب (۷۴): تسلی دینے کے ثواب کی ایک اور روایت ۳۹۱
- باب (۷۵): نماز جنازہ میں رفع یدین کا بیان ۳۹۲
- نماز جنازہ میں ہاتھوں کو کب کھولنا چاہئے؟ ۳۹۲
- باب (۷۶): مؤمن کی روح قرضے میں پھنسی رہتی ہے تا آنکہ قرض ادا کر دیا جائے ۳۹۳

أبواب النکاح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

- باب (۱): نکاح کی فضیلت اور اس کی ترغیب ۳۹۵
- چار چیزیں بڑے نبیوں کی سنتیں ہیں، جن میں نکاح بھی شامل ہے ۳۹۵

جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا وہ مسلسل روزے رکھے اس سے نفس کی تیزی ٹوٹتی ہے اور جوانی کا

جوش خفہ اُپر تاتا ہے ۳۹۶

روزے کم سحری اور کم افطاری سے رکھے جائیں اور مسلسل رکھے جائیں، مگر دو ماہ سے زیادہ نہ رکھے جائیں ۳۹۷

باب (۲): عورتوں سے بے تعلقی کی ممانعت ۳۹۸

نفس نفسی کے ذریعہ سعادت حاصل کرنے سے بہتر نفس کی اصلاح کر کے سعادت حاصل کرنا ہے ۳۹۸

باب (۳): دیندار کا رشتہ آئے تو لڑکی کا نکاح کر دو ۵۰۰

نظام خانہ داری میں مطلوب دو باتیں ہیں، ایک: اچھے اخلاق میں معیت دوم: معیت دین کی اصلاح

کا ذریعہ بنے ۵۰۰

باب (۴): لوگ نکاح میں تین باتیں پیش نظر رکھتے ہیں ۵۰۲

توبہ ہذا ایک عبادہ ہے اس کا مکمل استعمال ٹھیک ہے ۵۰۲

باب (۵): مخطوبہ کو ایک نظر دیکھنے کا بیان ۵۰۳

مخطوبہ کا صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھ سکتے ہیں باقی بدن دیکھنا جائز نہیں..... میلان کا اندیشہ ہو تو دیکھ

سکتے ہیں یا نہیں؟ ۵۰۳

باب (۶): نکاح کی تشہیر کا بیان ۵۰۳

زمانہ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے رائج تھے، اسلام نے ایک طریقہ باقی رکھا، باقی ختم کر دیے

دے، بچانا ایک طرح کا شور تھا اس پر ماحول باجہ کو قیاس کرنا درست نہیں (حاشیہ) ۵۰۵

باب (۷): شادی شدہ کو کیا دعا دی جائے؟ ۵۰۷

باب (۸): جب بیوی سے ملے تو کیا دعا پڑھے؟ ۵۰۸

باب (۹): نکاح کرنے کا مستحب وقت ۵۰۸

نکاح کے تعلق سے تمام اوقات یکساں ہیں، کسی خاص مہینے، دن یا وقت کی کوئی فضیلت نہیں ۵۰۸

باب (۱۰): ولیمہ کا بیان ۵۰۹

نکاح سے پہلے یا ذقاف سے پہلے ولیمہ کرنا صحیح نہیں..... لڑکی والوں کا برات کو اور برادری کو کھلانا بھی

ولیمہ ہے جس کی کوئی اصل نہیں ۵۰۹

ولیمہ مسنون ہونے کی وجہ..... ولیمہ کی کوئی حد متعین نہیں، اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے ۵۱۰

- کتنے دن ولیمہ کیا جاسکتا ہے؟ ۵۱۰
- باب (۱۱): ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا بیان ۵۱۲
- باب (۱۲): دعوت کے بغیر ولیمہ میں جانا ۵۱۳
- ولیمہ کی دعوت بروقت بھی دی جاسکتی ہے ۵۱۳
- باب (۱۳): کنواری سے نکاح کرنے کا بیان ۵۱۴
- نکاح کے تعلق سے کنواری اور بیوہ یکساں ہیں ۵۱۴
- باب (۱۴): نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے ۵۱۵
- نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟ فقہاء کی رائیں مع دلائل ۵۱۶
- ولی کو ولایت اجبار کب حاصل ہے؟ اور ولایت اجبار کا مطلب ۵۱۶
- عبارۃ النساء سے نکاح منع ہوتا ہے یا نہیں ۵۱۶
- باب (۱۵): گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ۵۲۳
- کیا دونوں گواہوں کا بیک وقت اسباب و قبول سنا ضروری ہے؟..... فاسق: گواہ بن سکتا ہے یا نہیں؟
- عورتیں گواہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟ ۵۲۳
- اجماع کے بعد مسئلہ قطعی ہو جاتا ہے اگرچہ روایت ضعیف ہو ۵۲۳
- باب (۱۶): خطبہ نکاح کا بیان ۵۲۵
- ہر خطبہ میں شہادتین کو شامل کرنے کی حکمت ۵۲۷
- باب (۱۷): کنواری اور بیوہ دونوں سے اجازت طلبی کا بیان ۵۲۸
- عائقہ بالغہ کے نکاح میں خود عورت کا حق زیادہ ہے، پس جب ولی کا کیا ہوا نکاح عورت کی اجازت لاحقہ سے منع ہو جاتا ہے تو خود عورت کا کیا ہوا نکاح بھی ولی کی اجازت لاحقہ سے منع ہو جائے گا ۵۳۰
- باب (۱۸): یتیم لڑکی کو نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں ۵۳۲
- تا بالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ان کو خیابلوغ حاصل ہے یا نہیں؟ ۵۳۲
- باب (۱۹): دو ولی ایک ساتھ نکاح کر دیں تو کیا حکم ہے؟ ۵۳۳
- باب (۲۰): مولیٰ کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح کرنا ۵۳۵
- باب (۲۱): عورتوں کی مہروں کا بیان ۵۳۶

- ۵۳۶ مہر مقرر کرنے میں حکمت غیر مال مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟
- ۵۳۶ مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے یا نہیں؟ مذاہب فقہاء اور مجتہدین کے دلائل
- ۵۳۷ مہر کے علاوہ تفریب بہر ملاقات بھی ہونی چاہئے
- ۵۳۸ جن منافع کا عوض لینا جائز ہے ان کو مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے پس اب تعلیم قرآن بھی مہر بن سکتی ہے
- ۵۴۰ اگر مہر مقرر نہیں ہوا یا ایسی چیز مقرر کی گئی جو مہر نہیں بن سکتی تو مہر مثل واجب ہوگا
- ۵۴۱ باب (۲۲): باندی کو آزاد کر کے نکاح کرنے کا بیان
- ۵۴۱ حق مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟ مذاہب فقہاء اور دلائل
- ۵۴۲ باب (۲۳): باندی کو آزاد کر کے اس سے شادی کرنے کا ثواب
- ۵۴۳ تین شخصوں کو ہر عمل کا دو ہر اجر ملتا ہے ایک سوال اور اس کا جواب
- ۵۴۳ باب (۲۴): رہبر سے نکاح کب جائز ہے اور کب ناجائز؟
- ۵۴۵ باب (۲۵): مطلقہ ثلاثہ سے دوسرا شوہر وطی کرے جمعی وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہے
- ۵۴۷ باب (۲۶): حلالہ کرنے کرانے والے پر لعنت
- ۵۴۷ حلالہ کی چار صورتیں اور ان کے احکام
- جو معاملات ہونے کے بعد ختم ہو سکتے ہیں وہ ”بیوع“ کہلاتے ہیں اور جو ختم نہیں ہو سکتے وہ ”مکین“
- ۵۵۰ کہلاتے ہیں اور ایمان میں شرط فاسد خود فاسد ہو جاتی ہے اور معاملہ صحیح ہو جاتا ہے
- ۵۵۱ باب (۲۷): نکاح حجب کا بیان
- ۵۵۳ باب (۲۸): نکاح شغار کی ممانعت
- ۵۵۴ لا یجلب اور لا یجلب کی شرح
- ۵۵۵ باب (۲۹): پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز نہیں
- ایسی دو عورتیں جن میں سے کسی کو بھی مرد فرض کیا جائے تو اس کا دوسری سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام
- ۵۵۵ ہوان کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز نہیں
- ۵۵۷ باب (۳۰): نکاح کے وقت جو شرط لگائی جائے اس کا حکم
- ۵۵۷ شرطیں تین قسم کی ہیں اور ان کے احکام
- ۵۵۹ باب (۳۱): اگر کسی نو مسلم کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو کیا کرے؟

- ۵۶۱ غیر مقلدین کے نزدیک نکاح کے لئے کوئی تحدید نہیں تھی بیویاں چاہے کر سکتا ہے
- باب (۳۲): جس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں وہ کیا کرے؟ ۵۶۲
- باب (۳۳): خریدی ہوئی حاملہ باندی سے وضع حمل سے پہلے صحبت کرنا جائز نہیں ۵۶۲
- باندی میں جب بھی ملکیت بدلے گی استبراء رحم ضروری ہوگا استبراء رحم کی وجہ ۵۶۲
- باب (۳۴): باندی کا شوہر زندہ ہو تو اس سے صحبت جائز ہے ۵۶۳
- باب (۳۵): ربطی کی فیس مال حرام ہے ۵۶۳
- باب (۳۶): متغنی پر متغنی ڈالنا ممنوع ہے ۵۶۵
- بچ اور متغنی کے تین مرحلے اور ان کے احکام ۵۶۵
- حضرت فاطمہ بنت قیس کی مفصل حدیث ۵۶۶
- باب (۳۷): عزل کا بیان ۵۶۹
- منع حمل کی تین تدبیریں منع حمل کی تین نہیں ۵۶۹
- منع حمل کی دو قسمیں اور ان کے احکام (حاشیہ) ۵۷۱
- الواد الخفی اور الموء ودة الصغریٰ میں فرق ۵۷۲
- بیوی کی اجازت کے بغیر عزل کرنا درست نہیں ۵۷۳
- باب (۳۸): کنواری اور بیوہ کے لئے باری مقرر کرنے کا بیان ۵۷۳
- تین دن یا سات دن نئی دلہن کا مخصوص حق ہیں یا محض حق ہیں؟ ۵۷۴
- باب (۳۹): بیویوں کے درمیان بربادی کرنے کا بیان ۵۷۵
- باب (۴۰): زوجین میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ۵۷۷
- اگر یہودی یا عیسائی جوڑے میں سے مرد مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا ۵۷۷
- باب (۴۱): زوجین میں سے کسی کا صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے انتقال ہو جائے تو نکاح پختہ ہو جائے گا ۵۷۹
- (ابھی ابواب النکاح باقی ہیں)

ابواب الرضاع

شیر خواری کا بیان

- باب (۱): نالتے سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں: دودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام ہوتے ہیں ۵۸۱

- باب (۲): دودھ پینے سے رضاعی باپ کی طرف بھی حرمت جاتی ہے ۵۸۳
- حرمت رضاعت شوہر سے متعلق کیوں ہوتی ہے؟ ۵۸۳
- باب (۳): ایک مرتبہ پستان چوسنا اور دوسرے مرتبہ چوسنا حرام نہیں کرتا ۵۸۵
- کتنا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ مذاہب فقہاء اور ان کے مستدلات ۵۸۵
- شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ امر ظاہر کو امر خفی کے قائم مقام کیا جاتا ہے اور احکام امر ظاہر پر دائر کئے جاتے ہیں اور اصل سبب کو نسیا منسیا کر دیا جاتا ہے ۵۸۸
- باب (۴): ثبوت رضاعت میں ایک عورت کی گواہی ۵۸۸
- تین عورتوں کی گواہی سے حرمت رضاعت ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ۵۸۹
- باب (۵): مدت رضاعت ہی میں دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے ۵۹۱
- اگر کوئی بچہ مدت رضاعت گزرنے کے بعد کسی عورت کا دودھ پے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی: اس کی وجہ مدت رضاعت کتنی ہے؟ جانور کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی ۵۹۱
- باب (۶): حق رضاعت کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ ۵۹۲

(باقی ابواب النکاح)

- باب (۳۳): بائعی کو اختیار حق کب حاصل ہوتا ہے ۵۹۳
- بائع کو آزاد ہونے کے بعد جو اختیار حق ملتا ہے اس کی علت کیا ہے؟ ۵۹۴
- باب (۳۴): بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے ۵۹۷
- بعض قاعدے اندھے ہوتے ہیں مگر ان کو اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے ۵۹۷
- بعض صورتوں میں محرم سے بھی پردہ لازم ہے ۵۹۸
- باب (۳۵): اجنبی عورت پر نظر پڑے اور وہ پسند آجائے تو اس کا علاج ۵۹۸
- انبیاء جو قانون بناتے ہیں وہ ذوقی ہوتے ہیں، اسی وجہ سے فرشتوں کو رسول نہیں بنایا گیا ۵۹۹
- باب (۳۶): شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟ ۵۹۹
- اسلام میں جہاں بھی حقوق ہیں وہ طرفہ ہیں ایک طرفہ حقوق نہیں ۵۹۹
- شوہر کے بیوی پر پانچ حقوق ہیں، تمین کا بیان اس باب میں ہے اور دو کا آئندہ باب میں ۶۰۰
- کسی کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا ممنوع ہے اور حضرت سہ کے واقعہ سے استدلال صحیح نہیں ۶۰۰

- باب (۴۷): بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے ۶۰۲
- بیوی کے شوہر پر دو حق ہیں: خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا اور اچھی طرح نان و نفقہ دینا ۶۰۲
- عورتوں کو گھروں میں روکنا مردوں کا حق ہے اگر عورت مرد کے اس حق کو قبول نہ کرے تو شوہر بتدریج تین طریقے اختیار کرے ۶۰۳
- شوہر کا ایک حق یہ ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے ۶۰۳
- باب (۴۸): بیوی سے غیر فطری طریقہ پر صحبت کرنا حرام ہے ۶۰۵
- باب (۴۹): عورت کا بن سنور کر باہر نکلنا حرام ہے ۶۰۶
- باب (۵۰): غیرت کھانے کا بیان ۶۰۷
- غیرت کے معنی غیرت اچھی صفت ہے اور اس کی ضد و یوٹ پنا ہے ۶۰۷
- باب (۵۱): عورت کے لئے تنہا سفر کرنا جائز نہیں ۶۰۸
- عورت کے لئے تنہا سفر کرنے کی ممانعت خوف فتنہ کی وجہ سے ہے اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو تین دن سے زیادہ کا سفر بھی عورت محرم کے بغیر کر سکتی ہے عورت حج کا سفر شوہر یا محرم کے بغیر نہیں کر سکتی ۶۰۸
- کیا عورت پر حج فرض ہونے کے لئے محرم شرط ہے؟ ۶۰۹
- باب (۵۲): جس عورت کا شوہر سفر میں گیا ہو اس کے پاس تنہائی میں جانا جائز نہیں ۶۱۰
- باب (۵۳): شیطان چنگی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے ۶۱۱
- انبیاء میں گناہوں کی ملاحضات ہوتی ہیں مگر اللہ کی مدد سے وہ بشری کمزوریوں سے محفوظ رہتے ہیں ۶۱۲
- باب (۵۴): عورت کو بے ضرورت گھر سے نہیں نکلنا چاہئے ۶۱۳
- باب (۵۵): جو عورتیں شوہروں کو ستاتی ہیں: حوریں ان کو کوستی ہیں ۶۱۳
- تحفۃ الالمعی کی خصوصیات ۶۱۵



عربی ابواب کی فہرست

ابواب الصوم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

- [۱] باب ماجاء فی فضلی شهر رمضان ۴۷
- [۲] باب ماجاء لا تَقْلَمُوا الشَّهْرَ بِصَوْم ۵۱
- [۳] باب ماجاء فی کراهیۃ صوم یوم الشک ۵۲
- [۴] باب ماجاء فی إحصاء ہلال شعبان لرمضان ۵۳
- [۵] باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له ۵۵
- [۶] باب ماجاء أن الشهر یكون تسعا وعشرين ۵۸
- [۷] باب ماجاء فی الصوم بالشہادۃ ۶۰
- [۸] باب ماجاء شہراً عید لا ینقصان ۶۱
- [۹] باب ماجاء لكل أهل بلد رؤیتهم ۶۳
- [۱۰] باب ماجاء ما یُسْتَحَبُّ علیہ الإفطار ۶۶
- [۱۱] باب ماجاء أن الفطر یوم تَفِطْرُونَ وَالْأَضْحٰی یوم تَضَعُونَ ۶۸
- [۱۲] باب ماجاء إذا قبل اللیل وأدبر النہار فقد أفطر الصائم ۶۹
- [۱۳] باب ماجاء فی تعجیل الإفطار ۷۱
- [۱۴] باب ماجاء فی تأخیر السحور ۷۳
- [۱۵] باب ماجاء فی بیان الفجر ۷۳
- [۱۶] باب ماجاء فی التشدید فی الغیۃ للصائم ۷۵
- [۱۷] باب ماجاء فی فضل السحور ۷۷
- [۱۸] باب ماجاء فی کراهیۃ الصوم فی السفر ۷۸
- [۱۹] باب ماجاء فی الرخصة فی الصوم فی السفر ۸۱
- [۲۰] باب ماجاء فی الرخصة للمحارب فی الإفطار ۸۳
- [۲۱] باب ماجاء فی الرخصة فی الإفطار للمحلی والمریض ۸۴

٨٦	باب ماجاء فى الصوم عن الميت	[٢٢-]
٨٧	باب ماجاء فى الكفارة	[٢٣-]
٨٩	باب ماجاء فى الصائم يَلْزَعُهُ الْقَيْءُ	[٢٤-]
٩٠	باب ماجاء فى من اسْتَقَاءَ عَمْدًا	[٢٥-]
٩١	باب ماجاء فى الصائم يأكل ويشرب ناسيا	[٢٦-]
٩٢	باب ماجاء فى الإفطار متعمداً	[٢٧-]
٩٣	باب ماجاء فى كفارة الفطر فى رمضان	[٢٨-]
٩٨	باب ماجاء فى السواك للصائم	[٢٩-]
٩٩	باب ماجاء فى التَّكْحُلِ للصائم	[٣٠-]
١٠١	باب ماجاء فى القُبْلَةِ للصائم	[٣١-]
١٠٢	باب ماجاء فى مباشرة الصائم	[٣٢-]
١٠٣	باب ماجاء لأَصِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَغْزَمْ مِنَ اللَّيْلِ	[٣٣-]
١٠٥	باب ماجاء فى إِفْطَارِ الصائم المتطوع	[٣٤-]
١٠٩	باب ماجاء فى إِيْجَابِ الْقَضَاءِ عَلَيْهِ	[٣٥-]
١١٠	باب ماجاء فى وصالِ شعبانِ برِمْضَانَ	[٣٦-]
١١٢	باب ماجاء فى كراهية الصوم فى النصف الباقي من شعبان لحال رمضان	[٣٧-]
١١٣	باب ماجاء فى ليلة النصف من شعبان	[٣٨-]
١١٦	باب ماجاء فى صوم المحرم	[٣٩-]
١١٨	باب ماجاء فى صوم يوم الجمعة	[٤٠-]
١١٩	باب ماجاء فى كراهية صوم يوم الجمعة وحده	[٤١-]
١٢٠	باب ماجاء فى صوم يوم السبت	[٤٢-]
١٢٠	باب ماجاء فى صوم يوم الاثنين والخميس	[٤٣-]
١٢١	باب ماجاء فى صوم يوم الأربعاء والخميس	[٤٤-]
١٢٢	باب ماجاء فى فضل صوم يوم عرفة	[٤٥-]
١٢٣	باب ماجاء فى كراهية صوم يوم عرفة بعرفة	[٤٦-]

- [٤٧]- باب ماجاء في التحث على صوم يوم عاشوراء..... ١٢٥
- [٤٨]- باب ماجاء في الرخصة في ترك صوم يوم عاشوراء..... ١٢٤
- [٤٩]- باب ماجاء في عاشوراء أى يوم هو؟..... ١٢٨
- [٥٠]- باب ماجاء في صيام الشعر..... ١٢٩
- [٥١]- باب ماجاء في العمل في أيام العشر..... ١٣١
- [٥٢]- باب ماجاء في صيام ستة أيام من شوال..... ١٣٢
- [٥٣]- باب ماجاء في صوم ثلاثة أيام من كل شهر..... ١٣٣
- [٥٤]- باب ماجاء في فضل الصوم..... ١٣٦
- [٥٥]- باب ماجاء في صوم النهر..... ١٣١
- [٥٦]- باب ماجاء في سرد الصوم..... ١٣٢
- [٥٧]- باب ماجاء في كراهية الصوم يوم الفطر ويوم النحر..... ١٣٣
- [٥٨]- باب ماجاء في كراهية صوم أيام التشريق..... ١٣٥
- [٥٩]- باب ماجاء في كراهية الحجامة للصائم..... ١٣٤
- [٦٠]- باب ماجاء من الرخصة في ذلك..... ١٥١
- [٦١]- باب ماجاء في كراهية الوصال في الصيام..... ١٥٢
- [٦٢]- باب ماجاء في الجنب يتركه الفجر وهو يريد الصوم..... ١٥٣
- [٦٣]- باب ماجاء في إجابة الصائم الدعوة..... ١٥٥
- [٦٤]- باب ماجاء في كراهية صوم المرأة إلا بإذن زوجها..... ١٥٦
- [٦٥]- باب ماجاء في تأخير قضاء رمضان..... ١٥٨
- [٦٦]- باب ماجاء في فضل الصائم إذا أكل عند..... ١٥٨
- [٦٧]- باب ماجاء في قضاء الحائض الصيام دون الصلاة..... ١٦٠
- [٦٨]- باب ماجاء في كراهية مخالفة الاستسقاء للصائم..... ١٦١
- [٦٩]- باب ماجاء في من نزل يقوم فلا يصوم إلا بإذنه..... ١٦٢
- [٧٠]- باب ماجاء في الاعتكاف..... ١٦٣
- [٧١]- باب ماجاء في ليلة القدر..... ١٦٦

۱۷۱	باب مئة	[۷۲-]
۱۷۲	باب ماجاء فی الصوم فی الشتاء	[۸۳-]
۱۷۳	باب ماجاء فی وعلى الذين يطيقونه	[۷۴-]
۱۷۵	باب ماجاء فی من اكل ثم خرج يريد سفراً	[۷۵-]
۱۷۷	باب ماجاء فی تحفة الصائم	[۷۶-]
۱۷۸	باب ماجاء فی الفطر والأضحى متى يكون؟	[۷۷-]
۱۷۹	باب ماجاء فی الاعتكاف إذا خرج منه	[۷۸-]
۱۸۱	باب المعتكف يخرج لحاجته أم لا؟	[۷۹-]
۱۸۵	باب ماجاء فی قیام شهر رمضان	[۸۰-]
۱۹۰	باب ماجاء فی فضل من فطر صائماً	[۸۱-]
۱۹۱	باب الترغيب فی قیام شهر رمضان، واما جاء فيه من الفضل	[۸۲-]

أبواب الحج عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

۲۹۳	باب ماجاء فی حرمة مكة	[۱-]
۲۹۰	باب ماجاء فی أبواب الحج والعمرة	[۲-]
۲۹۳	باب ماجاء من التخليط فی ترك الحج	[۳-]
۲۹۵	باب ماجاء فی إيجاب الحج بالزاد والراحلة	[۴-]
۲۹۶	باب ماجاء كم فرض الحج؟	[۵-]
۲۹۷	باب ماجاء كم حج النبي صلى الله عليه وسلم؟	[۶-]
۲۱۰	باب ماجاء كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم؟	[۷-]
۲۱۱	باب ماجاء فی أي موضع أحرم النبي صلى الله عليه وسلم؟	[۸-]
۲۱۲	باب ماجاء متى أحرم النبي صلى الله عليه وسلم؟	[۹-]
۲۱۳	باب ماجاء فی أفراد الحج	[۱۰-]
۲۱۶	باب ماجاء فی الجمع بين الحج والعمرة	[۱۱-]
۲۱۷	باب ماجاء فی التمتع	[۱۲-]

- [١٣-] باب ما جاء في التلبية ٢٢٠
- [١٤-] باب ما جاء في فضل التلبية والنحر ٢٢٢
- [١٥-] باب ما جاء في رفع الصوت بالتلبية ٢٢٥
- [١٦-] باب ما جاء في الاغتسال عند الإحرام ٢٢٦
- [١٧-] باب ما جاء في مواقيت الإحرام لأهل الأقطار ٢٢٦
- [١٨-] باب ما جاء في ما لا يجوز للمحرم لبسه ٢٢٩
- [١٩-] باب ما جاء في لبس السراويل والخفين للمحرم، إذا لم يجد الإزار
والنعلين ٢٣١
- [٢٠-] باب ما جاء في الذي يُحرّم وعليه قميص أوجبة ٢٣٢
- [٢١-] باب ما جاء في ما يقتل المحرم من الدواب ٢٣٣
- [٢٢-] باب ما جاء في الحجامة للمحرم ٢٣٥
- [٢٣-] باب ما جاء في كراهية تزويج المحرم ٢٣٦
- [٢٤-] باب ما جاء من الرخصة في ذلك ٢٣١
- [٢٥-] باب ما جاء في أكل الصيد للمحرم ٢٣٢
- [٢٦-] باب ما جاء في كراهية لحم الصيد للمحرم ٢٣٥
- [٢٧-] باب ما جاء في صيد البحر للمحرم ٢٣٤
- [٢٨-] باب ما جاء في الصَّيْح يُصَيِّبُهَا المحرم ٢٣٨
- [٢٩-] باب ما جاء في الاغتسال لدخول مكة ٢٥٠
- [٣٠-] باب ما جاء في دخول النبي صلى الله عليه وسلم مكة من أعلاها وخروجه
من أسفلها ٢٥١
- [٣١-] باب ما جاء في دخول النبي صلى الله عليه وسلم مكة نهراً ٢٥١
- [٣٢-] باب ما جاء في كراهية رفع اليدين عند رؤية البيت ٢٥٢
- [٣٣-] باب ما جاء كيف الطواف؟ ٢٥٣
- [٣٤-] باب ما جاء في الرمل من الحجر إلى الحجر ٢٥٦
- [٣٥-] باب ما جاء في استلام الحجر والركن اليماني، دون ما سواه ٢٥٤

- [۳۶]- باب ماجاء أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف مُضْطَجِعًا ۲۵۸
- [۳۷]- باب ماجاء فی تقبیل الحجر ۲۵۹
- [۳۸]- باب ماجاء أنه یبدأ بالصفا قبل المروة ۲۶۱
- [۳۹]- باب ماجاء فی السعی بین الصفا والمروة ۲۶۳
- [۴۰]- باب ماجاء فی الطواف راكبا ۲۶۵
- [۴۱]- باب ماجاء فی فضل الطواف ۲۶۶
- [۴۲]- باب ماجاء فی الصلوة بعد العصر وبعد الصبح فی الطواف لمن یعطوف ۲۶۷
- [۴۳]- باب ماجاء ما یقرأ فی رکعتی الطواف؟ ۲۶۹
- [۴۴]- باب ماجاء فی کراهیة الطواف غریباناً ۲۷۰
- [۴۵]- باب ماجاء فی دخول الکعبة ۲۷۲
- [۴۶]- باب ماجاء فی الصلوة فی الکعبة ۲۷۳
- [۴۷]- باب ماجاء فی کسر الکعبة ۲۷۴
- [۴۸]- باب ماجاء فی الصلوة فی الحجر ۲۷۵
- [۴۹]- باب ماجاء فی فضل الحجر الأسود والركن والمقام ۲۷۶
- [۵۰]- باب ماجاء فی الخروج إلى منی والمقام بها ۲۷۸
- [۵۱]- باب ماجاء أن منی مُنَاخٌ مِنْ سَبَقٍ ۲۸۰
- [۵۲]- باب ماجاء فی تقصیر الصلاة بمنی ۲۸۱
- [۵۳]- باب ماجاء فی الوقوف بعرفات والدعاء فیها ۲۸۳
- [۵۴]- باب ماجاء أن عرفة کُلُّها مَوْقِفٌ ۲۸۵
- [۵۵]- باب ماجاء فی الإفاضة من عرفات ۲۹۰
- [۵۶]- باب ماجاء فی فی الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفة ۲۹۱
- [۵۷]- باب ماجاء من أدرك الإمام بجمع فقد أدرك الحج ۲۹۳
- [۵۸]- باب ماجاء فی تقدیم الضعفة من جمع بليل ۲۹۶
- [۵۹]- باب ۲۹۸
- [۶۰]- باب ماجاء أن الإفاضة من جمع قبل طلوع الشمس ۲۹۹

- [٦١] باب ماجاء أن الجمار التي تُرمى مثل حصي الخذف ٣٠٠
- [٦٢] باب ماجاء في الرمي بعد زوال الشمس ٣٠٠
- [٦٣] باب ماجاء في رمي الجمار وأكفها ٣٠١
- [٦٤] باب كيف تُرمى الجمار ٣٠٢
- [٦٥] باب ماجاء في كراهية طرد الناس عند رمي الجمار ٣٠٥
- [٦٦] باب ماجاء في الاشتراك في البدنة والبقرة ٣٠٥
- [٦٧] باب ماجاء في إشعار البدن ٣٠٤
- [٦٨] باب ٣١٠
- [٦٩] باب ماجاء في تقليد الهدى للمقيم ٣١٠
- [٧٠] باب ماجاء في تقليد الغنم ٣١١
- [٧١] باب ماجاء إذا عطب الهدى ما يصح به ٣١٢
- [٧٢] باب ماجاء في ركوب البدنة ٣١٢
- [٧٣] باب ماجاء بأيّ جانب الرأس يبدأ في الحلق ٣١٥
- [٧٤] باب ماجاء في الحلق والتقصير ٣١٦
- [٧٥] باب ماجاء في كراهية الحلق للنساء ٣١٤
- [٧٦] باب ماجاء في من حلق قبل أن يذبح، أو نحر قبل أن يرمي ٣١٨
- [٧٧] باب ماجاء في الطيب عند الإحلال قبل الزيارة ٣٢٠
- [٧٨] باب ماجاء متى يقطع التلبية في الحج؟ ٣٢٢
- [٧٩] باب ماجاء متى يقطع التلبية في العمرة؟ ٣٢٣
- [٨٠] باب ماجاء في طواف الزيارة بالليل ٣٢٣
- [٨١] باب ماجاء في نزول الأنطح ٣٢٥
- [٨٢] باب ٣٢٦
- [٨٣] باب ماجاء في حج الصبي ٣٢٤
- [٨٤] باب ماجاء في الحج عن الشيخ الكبير والميت ٣٢٩
- [٨٥] باب منه ٣٣٣

- [٨٦-] باب ماجاء فى العمرة: أواجبة هى أم لا؟ ٣٣٣
- [٨٧-] باب منه ٣٣٥
- [٨٨-] باب ماجاء فى ذكر فضل العمرة ٣٣٦
- [٨٩-] باب ماجاء فى العمرة من التنعيم ٣٣٦
- [٩٠-] باب ماجاء فى العمرة من الجمرات ٣٣٧
- [٩١-] باب ماجاء فى عمرة رجب ٣٣٨
- [٩٢-] باب ماجاء فى عمرة ذى القعدة ٣٣٩
- [٩٣-] باب ماجاء فى عمرة رمضان ٣٣٩
- [٩٤-] باب ماجاء فى الذى يهل بالحج فيكسر أو يخرج ٣٣٢
- [٩٥-] باب ماجاء فى الاشتراط فى الحج ٣٣٦
- [٩٦-] باب منه ٣٣٧
- [٩٧-] باب ماجاء فى المرأة تحيض بعد الإفاضة ٣٣٨
- [٩٨-] باب ماجاء ما تقضى الحائض من المناسك؟ ٣٥٠
- [٩٩-] باب ماجاء من حج أو اعتمر فليكن آخر عهده بالبيت ٣٥١
- [١٠٠-] باب ماجاء أن القارن يطوف طوافاً واحداً ٣٥٢
- [١٠١-] باب ماجاء أن مكث المهاجر بمكة بعد الصدر فلا ٣٥٥
- [١٠٢-] باب ما يقول عند القفول من الحج والعمرة؟ ٣٥٦
- [١٠٣-] باب ماجاء فى المحرم يموت فى إحرامه ٣٥٦
- [١٠٤-] باب ماجاء أن المحرم يشتكى عنه فوضعت بالضر ٣٥٨
- [١٠٥-] باب ماجاء فى المحرم يخلق رأسه فى إحرامه: ما عليه؟ ٣٥٩
- [١٠٦-] باب ماجاء فى الرخصة للرعاة أن يرموا يوماً ويدعوا يوماً ٣٦٠
- [١٠٧-] باب [ما جاء فى الإحرام المبهمة] ٣٦٢
- [١٠٨-] باب [ما جاء فى يوم الحج الأكبر] ٣٦٣
- [١٠٩-] باب [ما جاء فى استلام الركنين] ٣٦٣
- [١١٠-] باب [ما جاء فى الكلام فى الطواف] ٣٦٥

- [۱۱۱]- باب [ما جاء في الحجر الأسود] ۳۶۶
- [۱۱۲]- باب [ما جاء في الثمن غير المقت] ۳۶۷
- [۱۱۳]- باب [ما جاء في ماء زمزم] ۳۶۷
- [۱۱۴]- باب [ما جاء في نزول الأبطح] ۳۶۸

أبواب الجنائز عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- [۱]- باب ما جاء في ثواب المريض ۳۶۹
- [۲]- باب ما جاء في عيادة المريض ۳۷۱
- [۳]- باب ما جاء في النهي عن التمني للموت ۳۷۲
- [۴]- باب ما جاء في التعوذ للمريض ۳۷۵
- [۵]- باب ما جاء في الحث على الوصية ۳۷۷
- [۶]- باب ما جاء في الوصية بالقلب والرُّبُع ۳۷۸
- [۷]- باب ما جاء في تلقين المريض عند الموت، والدعاء له ۳۸۰
- [۸]- باب ما جاء في التشديد عند الموت ۳۸۳
- [۹]- باب [ما جاء أن المؤمن يموت بقرق الجبين] ۳۸۳
- [۱۰]- باب [ما جاء في الخوف والرجاء عند الموت] ۳۸۵
- [۱۱]- باب ما جاء في كراهية النعي ۳۸۶
- [۱۲]- باب ما جاء أن الصبر في الصلعة الأولى ۳۸۸
- [۱۳]- باب ما جاء في تقبيل الميت ۳۹۰
- [۱۴]- باب ما جاء في غسل الميت ۳۹۱
- [۱۵]- باب ما جاء في المسك للميت ۳۹۵
- [۱۶]- باب ما جاء في الفسل من غسل الميت ۳۹۶
- [۱۷]- باب ما جاء ما يستحب من الأكفان ۳۹۸
- [۱۸]- باب [منه] ۳۹۹
- [۱۹]- باب ما جاء في كم كفن النبي صلى الله عليه وسلم؟ ۴۰۰

- [٢٠-] باب ماجاء فى الطعام يُضَعُّ لأهل الميت ٢٠٢
- [٢١-] باب ماجاء فى النهى عن ضرب الخدود، وشق الجيوب عند المصيبة ٢٠٣
- [٢٢-] باب ماجاء فى كراهية التَّوَحُّ ٢٠٣
- [٢٣-] باب ماجاء فى كراهية البكاء على الميت ٢٠٤
- [٢٤-] باب ماجاء فى الرخصة فى البكاء على الميت ٢٠٩
- [٢٥-] باب ماجاء فى المشى أمام الجنائز ٢١١
- [٢٦-] باب ماجاء فى المشى خلف الجنائز ٢١٥
- [٢٧-] باب ماجاء فى كراهية الركوب خلف الجنائز ٢١٤
- [٢٨-] باب ماجاء فى الرخصة فى ذلك ٢١٤
- [٢٩-] باب ماجاء فى الإسراع بالجنائز ٢١٨
- [٣٠-] باب ماجاء فى قتلى أحد، وذكر حمزة ٢١٩
- [٣١-] باب آخر ٢٢١
- [٣٢-] باب ٢٢٢
- [٣٣-] باب آخر ٢٢٢
- [٣٤-] باب ماجاء فى الجلوس قبل أن تُوضَعَ ٢٢٥
- [٣٥-] باب فضل المصيبة إذا احتسب ٢٢٦
- [٣٦-] باب ماجاء فى التكبر على الجنائز ٢٢٨
- [٣٧-] باب مايقول فى الصلاة على الميت؟ ٢٣٠
- [٣٨-] باب ماجاء فى القراءة على الجنائز بفاتحة الكتاب ٢٣٢
- [٣٩-] باب كيف الصلاة على الميت، والشفاعة له؟ ٢٣٣
- [٤٠-] باب ماجاء فى كراهية الصلاة على الجنائز عند طلوع الشمس وعند غروبها ٢٣٥
- [٤١-] باب فى الصلاة على الأطفال ٢٣٤
- [٤٢-] باب ماجاء فى ترك الصلاة على الطفل حتى يستهل ٢٣٨
- [٤٣-] باب ماجاء فى الصلاة على الميت فى المسجد ٢٣٩
- [٤٤-] باب ماجاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة؟ ٢٣٢

- [۴۵] باب ماجاء فی ترك الصلاة علی الشہید ۴۴۴
- [۴۶] باب ماجاء فی الصلاة علی القبر ۴۴۷
- [۴۷] باب ماجاء فی صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی التجاشی ۴۴۹
- [۴۸] باب ماجاء فی فضل الصلاة علی الجنائزہ ۴۵۰
- [۴۹] باب آخر ۴۵۱
- [۵۰] باب ماجاء فی القيام للجنائزہ ۴۵۲
- [۵۱] باب فی الرخصة فی ترك القيام لہا ۴۵۳
- [۵۲] باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اللحد لنا والشق لغيرنا" ۴۵۵
- [۵۳] باب ماجاء ما یقول إذا أدخل الميت قبرہ؟ ۴۵۷
- [۵۴] باب ماجاء فی الثوب الواحد یلقى تحت الميت فی القبر ۴۵۸
- [۵۵] باب ماجاء فی تسوية القبر ۴۶۰
- [۵۶] باب ماجاء فی کراهیة الوطء علی القبور، والجلوس علیہا ۴۶۱
- [۵۷] باب ماجاء فی کراهیة تخصیص القبور والكتابة علیہا ۴۶۳
- [۵۸] باب ما یقول الرجل إذا دخل المقابر؟ ۴۶۵
- [۵۹] باب ماجاء فی الرخصة فی زیارة القبور ۴۶۶
- [۶۰] باب ماجاء فی کراهیة زیارة القبور للنساء ۴۶۷
- [۶۱] باب ماجاء فی الزیارة للقبور للنساء ۴۶۹
- [۶۲] باب ماجاء فی الدفن باللیل ۴۷۱
- [۶۳] باب ماجاء فی الشاء الحسن علی الميت ۴۷۲
- [۶۴] باب ماجاء فی ثواب من قلّم ولداً ۴۷۳
- [۶۵] باب ماجاء فی الشہداء من ہم؟ ۴۷۵
- [۶۶] باب ماجاء فی کراهیة الفرار من الطاعون ۴۷۶
- [۶۷] باب ماجاء فی من أحب لقاء اللہ أحب اللہ لقاءہ ۴۷۸
- [۶۸] باب ماجاء فی من یقتل نفسہ لم یصل علیہ ۴۸۰
- [۶۹] باب ماجاء فی المدیون ۴۸۱

- [٧٠-] باب ماجاء في عذاب القبر ٢٨٣
- [٧١-] باب ماجاء في أجر من عَزَى مُصَابًا ٢٨٨
- [٧٢-] باب ماجاء في من يموت يوم الجمعة ٢٩٠
- [٧٣-] باب ماجاء في تعجيل الجنائز ٢٩٠
- [٧٤-] باب آخر في فضل التعزية ٢٩١
- [٧٥-] باب ماجاء في رفع اليدين على الجنائز ٢٩٢
- [٧٦-] باب ماجاء أن نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يُقضى عنه ٢٩٣

أبواب النكاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

- [١-] باب ماجاء في فضل التزويج والحث عليه ٢٩٥
- [٢-] باب ماجاء في النهي عن التعلل ٢٩٨
- [٣-] باب ماجاء في مَنْ تَرْضَوْنَ دينه فزوجوه ٥٠٠
- [٤-] باب ماجاء في مَنْ يُنكِح عَلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ ٥٠٢
- [٥-] باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة ٥٠٣
- [٦-] باب ماجاء في إعلان النكاح ٥٠٣
- [٧-] باب ماجاء في ما يقال للمتزوج ٥٠٤
- [٨-] باب ماجاء في ما يقول إذا دخل على أهله ٥٠٨
- [٩-] باب ماجاء في الأوقات التي يُسْتَحَبُّ فيها النكاح ٥٠٨
- [١٠-] باب ماجاء في الوليمة ٥٠٩
- [١١-] باب ماجاء في إجابة الداعي ٥١٢
- [١٢-] باب ماجاء في مَنْ يَجِئُ إِلَى الْوَلِيمَةِ بِغَيْرِ دَعْوَةٍ ٥١٣
- [١٣-] باب ماجاء في تزويج الأبنكار ٥١٣
- [١٤-] باب ماجاء لانكاح إلا بولي ٥١٥
- [١٥-] باب ماجاء لانكاح إلا بهيئة ٥٢٣
- [١٦-] باب ماجاء في غلبة النكاح ٥٢٥

- [۱۷] باب ماجاء فی استیمار البکر والثیب ۵۲۸
- [۱۸] باب ماجاء فی کراهیة الذیمة علی التزویج ۵۳۲
- [۱۹] باب ماجاء فی الولین یزویجان ۵۳۳
- [۲۰] باب ماجاء فی نکاح العبد بغير اذن سيده ۵۳۵
- [۲۱] باب ماجاء فی مهور النساء ۵۳۶
- [۲۲] باب ماجاء فی الرجل یعتق الأمة ثم یتزوجها ۵۴۱
- [۲۳] باب ماجاء فی الفضل فی ذلك ۵۴۲
- [۲۴] باب ماجاء فی من یتزوج المرأة ثم یطلقها قبل أن یدخل بها هل یتزوج
ابنتها أم لا؟ ۵۴۳
- [۲۵] باب ماجاء فی من یطلق امرأته ثلاثاً فیتزوجها آخر فیتطلقها قبل أن یدخل بها ۵۴۵
- [۲۶] باب ماجاء فی المحلل والمحلل له ۵۴۷
- [۲۷] باب ماجاء فی نکاح المتعة ۵۵۱
- [۲۸] باب ماجاء من النهی عن نکاح الشغار ۵۵۳
- [۲۹] باب ماجاء لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها ۵۵۵
- [۳۰] باب ماجاء فی الشرط عند عقد النکاح ۵۵۷
- [۳۱] باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوة ۵۵۹
- [۳۲] باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده اختان ۵۶۲
- [۳۳] باب الرجل یشتري الجارية وهي حامل ۵۶۲
- [۳۴] باب ماجاء فی الرجل یسبی الأمة ولها زوج هل یحل له وطئها؟ ۵۶۳
- [۳۵] باب ماجاء فی کراهیة مهر البغی ۵۶۳
- [۳۶] باب ماجاء أن لا یخطب الرجل علی غطبة أخیه ۵۶۵
- [۳۷] باب ماجاء فی کراهیة العزل ۵۶۹
- [۳۸] باب ماجاء فی کراهیة العزل ۵۷۳
- [۳۹] باب ماجاء فی القسمة للبکر والثیب ۵۷۳
- [۴۰] باب ماجاء فی التسوية بین الضرائر ۵۷۵

- [۴۱]- باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم أحدهما ۵۷۷
- [۴۲]- باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل أن یفرض لها ۵۷۹

﴿وللأبواب بقية﴾

أبواب الرضاع

- [۱]- باب ماجاء یُحرّم من الرضاع ما یُحرّم من النسب ۵۸۱
- [۲]- باب ماجاء فی لبن الفحل ۵۸۳
- [۳]- باب ماجاء لا یُحرّم المصّة ولا المصتان ۵۸۵
- [۴]- باب ماجاء فی شهادة المرأة الواحدة فی الرضاع ۵۸۸
- [۵]- باب ماجاء أن الرضاعة لا یُحرّم إلا فی الصغیر دون الحولین ۵۹۱
- [۶]- باب ما یُلْهَب مِلْعَةُ الرضاع ۵۹۲

﴿بقية أبواب النکاح﴾

- [۴۳]- باب ماجاء فی الامة تُعتَق وَلَهَا زوج ۵۹۳
- [۴۴]- باب ماجاء أن الولد للفراش ۵۹۷
- [۴۵]- باب ماجاء فی الرجل یری المرأة فَصَحْبُهُ ۵۹۸
- [۴۶]- باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة ۵۹۹
- [۴۷]- باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها ۶۰۲
- [۴۸]- باب ماجاء فی کراهية إتيان النساء فی أدبارهن ۶۰۵
- [۴۹]- باب ماجاء فی کراهية خروج النساء فی الزينة ۶۰۶
- [۵۰]- باب ماجاء فی الفيرة ۶۰۷
- [۵۱]- باب ماجاء فی کراهية أن تسافر المرأة وحدها ۶۰۸
- [۵۲]- باب ماجاء فی کراهية الدخول علی المغیبات ۶۱۰
- [۵۳]- باب ۶۱۱
- [۵۴]- باب ۶۱۲
- [۵۵]- باب ۶۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الصَّوْمِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

روزوں کا بیان

باب ما جاء فی فضل شهر رمضان

رمضان کی فضیلت اور روزوں کا ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جیڑیوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں (مَوَدَّةُ الْجَنِّ عَطْفُ تَفْسِيرِی ہے یعنی شیاطین الجن جکڑ دیئے جاتے ہیں، شیاطین الانس نہیں جکڑے جاتے، یہ بات سمجھانے کے لئے عطف تفسیری لایا گیا ہے) اور جہنم کے دروازے بھیڑ دیئے جاتے ہیں، پس ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پس ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا، اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے: اے بھلائی کے چاہنے والے! آگے بڑھ، اور اے برائی کے چاہنے والے! رک جا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے (گنہگار) بندوں کو جہنم سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے) اور یہ (رستگاری کا فیصلہ) ہر رات ہوتا ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب رمضان شروع ہوتا ہے تو خیر کے تمام اسباب بروئے کار آتے ہیں اور شر کے اسباب مسدود کر دیئے جاتے ہیں، چنانچہ جنت کے — جو کہ رب ذوالجلال کی صفت رحمت کا مظہر ہے — سب دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پس اس کے اثرات دنیا میں پھیلتے ہیں، اور جہنم کے — جو کہ اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے — سب دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، تاکہ اس کا اثر نہ پھیلے۔ اور فرشتے زمین میں پھیل جاتے ہیں، اور نیک کاموں کا الہام کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے صالح اور اطاعت شعار بندے طاعات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح،

تہجد، دعا اور استغفار میں خرچ کرتے ہیں، اور ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عام مومنین کے قلوب بھی رمضان میں عبادات اور نیکیوں کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

اور یہ سب اہتمام اس وجہ سے ہوتا ہے کہ رمضان عبادتوں کا خاص مہینہ ہے اور دستور زمانہ ہے کہ جب کوئی اہم دن آتا ہے تو اس کے لئے ضروری انتظامات کئے جاتے ہیں، تمام شہر پسندوں کو بند کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ تقریب میں رختہ نہ ڈالیں (تقریب ختم ہونے کے بعد ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے) اور ہموادوں کو ہر طرف پھیلا دیا جاتا ہے، چنانچہ رمضان میں شیاطین اور سرکش جنات بند کر دیئے جاتے ہیں اور فرشتے زمین میں پھیل جاتے ہیں۔

فائدہ (۱): کفار اور خدا شناس لوگ جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، ظاہر ہے اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور جو بعض مسلمان رمضان میں بھی گناہوں میں غوطہ زن رہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شر کے تمام اسباب مسدود نہیں ہو جاتے، بعض اسباب باقی رہتے ہیں۔ مثلاً شیاطین الانس کھلے رہتے ہیں، نیز انسان کا سب سے بڑا دشمن نفس جو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے ساتھ لگا رہتا ہے، جب خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ گیارہ مہینے شیطان کی بیروی مطمئن رہتے ہیں تو رمضان کے آنے پر ان کی زندگیوں میں پوری طرح تبدیلی نہیں آتی۔ مگر رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان و میلان خیر و سعادت والے کاموں کی طرف ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش لوگ بھی رمضان میں اپنی روش کچھ بدل لیتے ہیں اور یہ ملاحظہ کی اس نداء کا اثر ہے جو وہ رمضان میں ہر گھڑی اور ہر آن دیتے رہتے ہیں۔

فائدہ (۲): صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ: (شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں) یہ آدھا مضمون ہے دوسرا آدھا یعنی فرشتے زمین میں پھیلا دیئے جاتے ہیں، فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور قرینہ سیاق ہے یعنی آئندہ مضمون میں مقابلات (جنت و جہنم) کا تذکرہ ہے، اور کبھی قرینہ سباق یعنی پہلے ہوتا ہے، جیسے سورۃ آل عمران آیت ۲۶ میں ہے: وَلَیْسَ لَكَ الْغَضَبُ بِعَظِيمٍ یعنی بھلائی آپ کے اختیار میں ہے، اس کا باقی آدھا مضمون ہے: ”اور برائی کے مالک بھی آپ ہیں“ اور یہاں قرینہ سباق یعنی پہلے آنے والے مقابلات (دعا، لیانا اور عزت و ذلت) ہیں۔

نوٹ: اس حدیث کو امام احمد سے ابوبکر بن عیاش اور ابوالاحوص روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں راوی ثقہ ہیں، البتہ ابوبکر بن عیاش کبھی حدیث میں غلطی کرتے ہیں اور اس حدیث کو انھوں نے ہی مرفوع کیا ہے، جبکہ ابوالاحوص: احمد عن مجاہد کے طریق سے مقطوع روایت کرتے ہیں، یعنی مجاہد پر سند روک دیتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ ابوالاحوص والی حدیث اصح ہے، یعنی یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے اس لئے کہ حدیث میں جو مضمون ہے اسے کوئی تابعی اپنی عقل سے بیان نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں ابوبکر بن عیاش معمولی آدمی نہیں، وہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں، اور ان سے کبھی غلطی سرزد ہو جانے سے یہ لازم

نہیں آتا کہ انھوں نے اس حدیث کو مرفوع کرنے میں غلطی کی ہے۔ ربیع حضرت مجاہد کی مقلوع حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے علماء کبھی سبق میں یا وعظ میں حوالہ دیئے بغیر حدیث بیان کرتے تھے پس ممکن ہے حضرت مجاہد نے کبھی یہ حدیث حوالہ کے بغیر بیان کی ہو، اور نفس حدیث متفق علیہ ہے، مسلم شریف میں ہے: **اِذَا جَاءَ رَمَضَانُ: فُتِيحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ، وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ** اور ترمذی کی حدیث میں اسی کی تفصیل ہے اور ایک مضمون زائد ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان اور ثواب کی امید سے رمضان کے روزے رکھے اور ایمان اور ثواب کی امید سے سونے سے پہلے نفلیں (تراویح) پڑھیں تو اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور جس نے ایمان اور ثواب کی امید سے لیلۃ القدر میں نفلیں پڑھیں تو اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

تشریح: قیام رمضان ان نفلوں کو کہتے ہیں جو رمضان میں سونے سے پہلے پڑھے جاتے ہیں، یعنی تراویح۔ اور تہجد جو سال بھر کی نماز ہے اس کو قیام اللیل کہتے ہیں۔ اور روزے اور تراویح کا ثواب یہ ہے کہ اس سے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور پیچھے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ گناہ کے چار درجے ہیں: (۱) معصیۃ (نافرمانی) (۲) مبینۃ (برائی) (۳) خطیئۃ (غلطی) (۴) ذنوب (کو تباہی) اور نصوص میں جو لفظ آتا ہے وہ اور اس سے نیچے والے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہاں ذنوب آیا ہے، پس روزے اور تراویح کی برکت سے ذنوب معاف ہونگے اس سے اوپر کے گناہ یعنی خطیئہ، سیدہ اور معاصی معاف نہیں ہونگے (مزید تفصیل کے لئے کتاب الطہارۃ باب ۲ دیکھئے)

اور چونکہ پورے رمضان روزے رکھنا اور تراویح پڑھنا اور رمضان کی ہر رات میں شب قدر کو تلاش کرنا نہایت مشکل کام تھا اس لئے شریعت نے اس دشواری کا حل یہ بتایا ہے کہ یقین کو بھنتہ کرے اور ان غلوں پر جو ثواب ملنے والا ہے اس کو متخضر کرے، ان شاء اللہ یہ کام آسان ہو جائیں گے، اس کو سمجھنے کے لئے مثال یہ ہے کہ نوکری پیشہ آدمی روز بروقت آفس جاتا ہے، کبھی ناغہ نہیں کرتا نہ دیر سے پہنچتا ہے اور شام خالی ہاتھ واپس آ جاتا ہے، اس لئے کہ اسے یقین ہے کہ میری یہ دوڑ دھوپ ضائع ہونے والی نہیں، جب مہینہ پورا ہوگا تو ایک ساتھ بہت روپے ملیں گے، اسی طرح قیام رمضان اور صیام رمضان پر جو اجر ملنے والا ہے اگر اس پر یقین بھنتہ ہو اور ان کا ثواب پیش نظر ہو تو یہ عمل آسان ہو جائے گا۔

فائدہ: قیام لیلۃ القدر میں اس طرف اشارہ ہے کہ شب قدر میں پوری رات جاگنا اور عبادت کرنا ضروری نہیں، کیونکہ قیام سونے سے پہلے کی نفلوں کو کہتے ہیں۔ پس جو شخص لیلۃ القدر میں سو یا بھی اور بقدر استطاعت عبادت بھی کی تو وہ مذکورہ ثواب کا مستحق ہوگا، پوری رات عبادت کرنے کے لئے لفظ اُخْطِیٰ (زندہ کیا) آتا ہے، عیدین کی راتوں کی

فضیلت میں جو حدیث ہے اس میں یہی لفظ آیا ہے، البتہ وہ حدیث ضعیف ہے (الترغیب والترہیب ۲: ۱۵۳)

أبواب الصوم

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱] باب ما جاء في فضل شهر رمضان

بسم الله الرحمن الرحيم

[۶۷۵-] حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء بن كريب، نا أبو بكر بن عيَّاش، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا كان أول ليلة من شهر رمضان صفدت الشياطين ومردة الجن، وغُلقت أبواب النيران، فلم يفتح منها باب، وفتحت أبواب الجنة، فلم يغلَق منها باب، وينادي مناد: يا باغي الخير أقبل، ويا باغي الشر أقصر، ولله عتقاء من النار. وذلك كل ليلة"

وفي الباب: عن عبد الرحمن بن عوف، وابن مسعود، وسلمان.

[۶۷۶-] حدثنا هناد، نا عبدة، والمخاريبي، عن محمد بن عمرو، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صام رمضان وقامه إيمانًا واحتسابًا غُفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام ليلة القدر إيمانًا واحتسابًا غُفر له ما تقدم من ذنبه"

هذا حديث صحيح.

قال أبو عيسى: وحديث أبي هريرة الذي رواه أبو بكر بن عيَّاش حديث غريب لأن عوفًا من رواية أبي بكر بن عيَّاش، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة إلا من حديث أبي بكر. وسألت محمد بن إسماعيل عن هذا الحديث، فقال: نا الحسن بن الربيع، نا أبو الأخوص، عن الأعمش، عن مجاهد، قوله، قال: إذا كان أول ليلة من شهر رمضان، فذكر الحديث، قال محمد: وهذا أصح عندي من حديث أبي بكر بن عيَّاش.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کو ابو بکر بن عیاش روایت کرتے ہیں غریب ہے، ہم اس کو ابو بکر بن عیاش کے طریق سے جانتے ہیں۔ یعنی اس کو صرف ابو بکر مرفوع کرتے ہیں اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہم سے حسن بن الربیع نے بیان کیا،

ان سے ابوالاحص نے، وہ اُمّش سے اور وہ مجاہد سے ان کا قول روایت کرتے ہیں، مجاہد کہتے ہیں: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے الی آخرہ۔ اور میرے نزدیک ابوالاحص کی حدیث اصح ہے، ابو بکر بن عیاش کی حدیث سے۔

باب ماجاء لا تَتَقَلَّبُوا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ

رمضان کے روزے پہلے سے شروع نہ کرو

شریعت نے جو عبادت جتنی مشروع کی ہے اتنی ہی بجالانی چاہئے، نہ اس میں کمی کرنی چاہئے نہ زیادتی، کمی کرنے کی خرابی تو ظاہر ہے اور زیادتی کرنے میں برائی یہ ہے کہ جب احتیاط کے نام پر اضافہ کیا جائے گا تو وہ اضافہ بڑھتا جائے گا، پھر جب بوجہ ناقابل برداشت ہو جائے گا تو لوگ اصل کو بھی چھوڑ دیں گے۔ کہتے ہیں: بنی اسرائیل پر صرف تین روزے فرض کئے گئے تھے، انھوں نے احتیاط کے نام پر ان میں اضافہ کیا، یہاں تک کہ چھ مہینے کے روزے کر دیئے، پھر سب ختم کر دیئے، آج عیسائی روزہ رکھتے ہیں، ہندو بھی رکھتے ہیں، مگر یہودی نہیں رکھتے۔ اس لئے شریعت نے رمضان کے روزے پہلے سے شروع کرنے سے منع کیا، اسی طرح رمضان کے اخیر میں بھی اضافہ ممنوع قرار دیا، بلکہ یکم شوال کا روزہ حرام کر دیا، کیونکہ روزے رکھتے رکھتے قلب منور ہو جاتا ہے اور عذر آنے لگتا ہے اس لئے رمضان کے آخر میں اضافہ کا احتمال زیادہ تھا اس لئے یکم شوال کا روزہ حرام کر دیا۔ اور ابتداء رمضان میں یہ احتمال کم تھا اس لئے صرف زبانی ممانعت کی۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نَدَا مَے بڑھو تم ماہ رمضان سے ایک دن کے ساتھ اور نہ دو دن کے ساتھ“ (لا تَتَقَلَّبُوا) اصل ہے لا تَتَقَلَّبُوا یعنی احتیاطاً ایک دو دن پہلے سے روزے شروع مت کرو، ”مگر یہ کہ اتفاقاً ایسا ہو جائے کہ وہ ایسا روز ہو جس کا روزہ تم میں سے کوئی رکھتا ہو۔ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور شوال کا چاند دیکھ کر روزے ختم کر دو۔ پس اگر چھپا دیا جائے تم پر (یعنی بادل یا گہرا غبار ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے) تو مہینے کے تیس دن شمار کرو پھر روزے ختم کر دو“

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے اور بھی ہیں: ایک: اگر کسی شخص کو مثلاً جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی عادت ہے اور اتفاق سے اُنٹیس یا تیس شعبان جمعہ کا دن ہو، تو اس کے لئے روزہ رکھنا جائز ہے اس لئے کہ وہ پہلے سے رمضان شروع نہیں کر رہا، بلکہ اپنا معمولی پورا کر رہا ہے۔ اور دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ رمضان کی ابتداء اور انتہا کا مدار رویت (چاند دیکھنے) پر ہے اگر اُنٹیس شعبان یا اُنٹیس رمضان میں چاند نظر آئے تو فیہا، رمضان شروع کر دیں گے یا رمضان ختم کر دیں گے، اور اگر کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے روزے شروع کریں گے اور عید کریں گے (یہ مسئلہ آگے مستقل باب میں آ رہا ہے)

[۲] باب ما جاء لا تقلموا الشهر بصوم

[۶۷۷] - حدثنا أبو كريب، لا عتبة بن سليمان، عن محمد بن عمرو، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم "لا تقلموا الشهر بيوم ولا يومين إلا أن يوافق ذلك صوماً كان يصومه أحدكم، صوموا ليؤتيه وأطروا ليؤتيه، فإن غم عليكم فقلوا ثلاثين ثم أفطروا"

وفى الباب: عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، أخبرنا منصور بن المعتمر، عن زبني بن جراح، عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، عن النبي صلى الله عليه وسلم بنحو هذا. قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم: كرهوا أن يتعجل الرجل بصيام قبل دخول شهر رمضان، لمعنى رمضان، وإن كان رجل يصوم صوماً فوافق صيامه ذلك فلا بأس به عندهم.

[۶۷۸] - حدثنا هناد، نا وكيع، عن علي بن المبارك، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تقلموا شهر رمضان بصيام قبله بيوم أو يومين، إلا أن يكون رجل كان يصوم صوماً فليصمه". قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: علماء مکروہ کہتے ہیں اس بات کو کہ آدمی ماہ رمضان شروع ہونے سے پہلے روزے رکھنا شروع کر دے رمضان کی وجہ سے، اور اگر کوئی آدمی کسی خاص دن میں روزہ رکھتا ہو، پس اتفاق سے وہ روزہ اس دن (اقتیس شعبان) میں پڑے تو علماء کے نزدیک اس روزہ کے رکھنے میں مضائقہ نہیں (اور یہ اجماعی مسئلہ ہے) اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث دوسرے طریق سے ہے۔

باب ما جاء في كراهية صوم يوم الشك

يوم الشك کا روزہ مکروہ ہے

اگر ایتیس شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، بادل، گہرا غبار یا چیز سرخی ہو، جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو اگلا دن یوم الشک ہے، کیونکہ اس میں دو احتمال ہیں: ایک: ممکن ہے اتفاق پر چاند ہو اور علت کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو، پس وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ چاند نہ ہو، پس وہ شعبان کی تیس تاریخ ہوگی، اس لئے یہ یوم الشک ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے روایت کی گواہی دی، مگر وہ قاسق تھا اس وجہ سے گواہی قبول نہ کی گئی مگر اس کی بات میں صدق کا

احتمال ہے، اس لئے آئندہ دن یوم الشک ہے۔ اور اگر کوئی علت نہ ہو تو بالیقین آئندہ دن شعبان کی تیس ہے، یوم الشک نہیں، مگر اس میں بھی روزہ رکھنا ممنوع ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے رمضان سے ایک دو دن پہلے سے روزے شروع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور یوم الشک میں روزہ کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس دن کے روزہ میں دو احتمال ہیں: اگر وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے تو روزہ فرض ہوگا، اور اگر تیس شعبان ہے تو روزہ نفل ہوگا۔ پس لمعنی ومضاد (رمضان کی وجہ سے) پایا گیا اس لئے یہ روزہ ممنوع ہے۔

حدیث: صلۃ بن زفر کہتے ہیں: ہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس ایک سالم بھنی ہوئی بکری لائی گئی، حضرت عمار نے کہا: کھاؤ! پس ایک صاحب پیچھے بٹ گئے (وہ کھانے میں شریک نہیں ہوئے) اور انھوں نے کہا: میرا روزہ ہے۔ حضرت عمار نے فرمایا: جس نے یوم الشک کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم ﷺ کی مخالفت کی۔

تشریح: یوم الشک میں روزے کی ممانعت اسی حدیث کے اقتضاء سے ثابت ہوتی ہے، دوسری حدیث تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے پیچھے حدیث گزری ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں سبق پڑھا رہے تھے اذان کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو آپ نے فرمایا: انا هذا فقد غصی ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے اقتضاء سے اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت ثابت ہوگی، مستقل حدیث ہونی ضروری نہیں۔
لغت: صلی صلیا اللحم: گوشت بخورنا، صفت مفعولی مضلی: بخورنا ہوا، شاة مضلیۃ: بخونی ہوئی بکری۔

[۳] باب ماجاء فی کراہیۃ صوم یوم الشک

[۶۷۹-] حدثنا أبو سعید عبد اللہ بن سعید الأشج، نا أبو حنبلہ الأحمر، عن عمرو بن قیس، عن أبي إسحاق، عن حنبلہ بن زفر، قال: سَمِعْتُ عُمَارَ بْنَ يَاسِرٍ، قَاتِي بِشَاةٍ مَضْلِيَّةٍ، فَقَالَ: كُلُّوا فَتَسْحَى بَعْضُ الْقَوْمِ، فَقَالَ: إِنِّي صَائِمٌ، فَقَالَ عُمَارٌ: مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي شُكُّ فِيهِ فَقَدْ غَصِيَ أبا الْقَاسِمِ. وفي الباب: عن أبي هريرة، وأبي. قال أبو عيسى: حديث عمار حديث حسن صحيح. والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم من التابعين، وبه يقول سفیان الثوري، ومالك بن أنس، وعبد اللہ بن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق: نكروا أن يصوم الرجل اليوم الذي يشك فيه، ورأى أكثرهم: إن صامه وكان من شهر رمضان: أن يقضى يوما مكانه.

ترجمہ: اس پر اکثر صحابہ اور بعد کے تابعین کا عمل ہے، اور ثوری، مالک، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق اسی

کے قائل ہیں، وہ سب ناپسند کرتے ہیں کہ آدمی اس دن کا روزہ رکھے جس میں شک کیا جاتا ہے۔ اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے یوم الفک کا روزہ رکھا اور وہ رمضان کی پہلی تاریخ تھی تو اس کی قضا ضروری ہے، یعنی یہ روزہ فرض شمار نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے وہ روزہ نفل کی نیت سے رکھا ہے۔

تشریح: اس سلسلہ میں احتلاف کا مذہب یہ ہے کہ یوم الفک میں عوام کے لئے روزہ رکھنا مکروہ ہے، البتہ خواص رکھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اتفاق سے وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہو تو یہ روزہ فرض ہو جائے گا، مگر ضروری ہے کہ یوم الفک کا روزہ نفل کی نیت سے رکھا جائے، رمضان کا کوئی تصور نہ ہو، اور یہی خاص اور عام کا معیار ہے، جو شخص نفل کی پختہ نیت کر سکتا ہے وہ خاص ہے، اور نیت پختہ نہ ہو، یہ خیال آئے کہ اگر رمضان ہوگا تو رمضان کا روزہ ہو جائے گا وہ عامی ہے، میں پہلے خود کو خواص میں شمار کرتا تھا، مگر جب عقل آئی تو اب خود کو عوام میں شمار کرتا ہوں اور یوم الفک کا روزہ نہیں رکھتا، کیونکہ نیت نہ پہلے یہ بات میرے لئے ممکن نہیں۔

باب ماجاء فی إحصاءِ هلالِ شعبانِ لِیَوْمِ مَضَانَ

رمضان کے لئے شعبان کے چاند کا اہتمام کیا جائے

إحصاء: کے معنی ہیں: گنتا، احاطہ کرنا، خیال رکھنا۔ یہ لفظ حصی (کنگری) سے بنا ہے۔ پہلے کنگریوں کے ذریعہ گنتے کا رواج تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”رمضان کی خاطر شعبان کا چاند دیکھنے کا اور اس کے ایام گنتے کا اہتمام کرو۔ پھر اگر انیس شعبان کو چاند دیکھو تو اگلے دن سے رمضان شروع کرو، ورنہ شعبان کے تیس دن پورے کرو“

[۱] باب ماجاء فی إحصاءِ هلالِ شعبانِ لِیَوْمِ مَضَانَ

[۶۸۰-] حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ حَسْبَاجٍ، نَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”أُحْصُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِیَوْمِ مَضَانَ“ قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدَّثْتُ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا تَعْرِفُهُ مِثْلَ هَذَا (إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ، وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”لَا تَقْلُقُوا شَهْرَ رَمَضَانَ يَوْمَ وَلَا يَوْمَينِ“ وَهَكَذَا رَوَى عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَحْوُ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو اللَّيْثِيُّ.

وضاحت: محمد بن عمرو: عن ابی سلمة: عن ابی ہریرۃ کی سند سے جو متن آیا ہے وہ ابو معاویہ محمد بن حازم کی روایت ہے، اور باب ۲ حدیث ۶۷۷ میں اسی سند سے دوسرا متن آیا ہے۔ وہ عبدہ بن سلیمان کی روایت ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ

کے نزدیک وہی صبح ہے، کیونکہ ابوسلمہ کے دوسرے تلمیذ یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت کا متن بھی وہی ہے، یہ روایت بھی باب ۲ حدیث ۶۷۸ میں گزر چکی ہے (لیکن احتمال ہے کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہوں، اور محمد بن عمرو نے دونوں حدیثیں ابوسلمہ سے روایت کی ہوں، پھر ایک ابو معاویہ نے روایت کی ہو اور دوسری عہدہ اور یحییٰ نے روایت کی ہو) نوٹ: امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ: امام مسلم صاحب صحیح ہیں، اور آپ نے اس کتاب میں امام مسلم سے بھی ایک حدیث روایت کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّوْمَ لِرُؤْيَا الْهِلَالِ وَالْإِفْطَارَ لَهُ

رمضان کا چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور شوال کا چاند دیکھ کر روزے بند کرو

رمضان المبارک کے آغاز و اختتام میں حساب کا مطلق اعتبار نہیں، چاند دیکھ کر روزے شروع کئے جائیں اور چاند دیکھ کر بند کر دیئے جائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزے بند کرو“ اور یہ مستقل حدیث نہیں ہے، طویل حدیث کا جزء ہے، اصل حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”رمضان کی آمد سے ایک دو دن پہلے روزے شروع نہ کرو، بلکہ جب چاند دیکھو روزے شروع کرو، اور اگلا چاند دیکھ کر روزے موقوف کرو“ جاننا چاہئے کہ عیسوی (انگریزی) کیلنڈر کا مدار سورج پر ہے۔ اور اسلامی مہینوں کا مدار چاند پر ہے، ہندو کیلنڈر بھی قمری حساب سے بنتا ہے، مگر ہندو دو کام کرتے ہیں: ایک: ہر مہینے کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پندرہ دن چاند کے روشن ہونے کے، اور پندرہ دن تاریکی کے۔ دوسرا: ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھاتے ہیں۔ اس کا نام لونڈ ہے، عربی میں اس کو کیسہ اور قرآن میں اس کو نسی کہا گیا ہے، اس لئے ان کے مہینے انگریزی مہینوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور تقویم اسلامی میں لونڈ کا طریقہ نہیں، پس رمضان بھی سردی میں آتا ہے، کبھی گرمی میں، اور کبھی برسات میں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شریعت کے بعض احکام کا تعلق سورج سے ہے، مثلاً نمازوں کے اوقات اور سحر و افطار کے اوقات سورج کی چال سے جڑے ہوئے ہیں، اور بعض احکام مثلاً رمضان کا آغاز و اختتام کا تعلق چاند کے ساتھ ہے، اور اس میں بندوں کا فائدہ ہے، جہاں سورج کی رعایت کرنے میں بندوں کے لئے سہولت تھی وہاں احکام سورج سے متعلق کئے گئے ہیں، اور جہاں چاند کی رعایت میں سہولت تھی وہاں احکام چاند سے متعلق کئے گئے ہیں، اور دونوں صورتوں میں رویت پر مدار رکھا گیا ہے، حساب پر مدار نہیں رکھا گیا، گو کہ لوگوں نے جنتریاں بنائی ہیں، مگر ان پر مدار نہیں۔ چنانچہ جو شخص سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے اس کے لئے روزہ کھولنا جائز ہے، چاہے جنتری میں وقت نہ ہوا ہو، اور اگر سورج موجود ہو تو روزہ کھولنا جائز نہیں، اگرچہ جنتری میں وقت ہو گیا ہو۔

اور یہ اصول کہ احکام شرع کا مدار رویت پر ہے حساب پر نہیں اسی حدیث سے اخذ کیا گیا ہے، کیونکہ اگر شریعت کو

حساب لیا ہوتا تو سورج کا حساب لیا جاتا، کیونکہ سورج کی چال چاند کی چال کی بہ نسبت زیادہ باقاعدہ ہے۔ اور رویت پر احکام کا مدار رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ نبی ﷺ کی امت بہت بڑی امت ہے اور ان میں بیشعرا (آن پڑھ) اور حساب سے نااہل ہیں پس اگر حساب پر مدار رکھا جائے گا تو عمل میں دشواری ہوگی، اور جب رویت پر مدار رکھا گیا تو ہر شخص خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ، شہری ہو یا دیہاتی، آسانی سے دین پر عمل کر سکے گا۔

فائدہ: آج سے تقریباً چالیس سال پہلے سعودیہ کی تنظیم رابطہ عالم اسلامی نے تو حیدلہ کے مسئلہ پر اجلاس بلا یا تھا جس میں دنیا بھر کے اکابر علماء کو مدعو کیا تھا اور یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھا تھا کہ جب ساری دنیا کے مسلمان ایک ساتھ حج کرتے ہیں تو عیدین اور رمضان بھی ایک ساتھ کریں، اور اس کی صورت یہ ہو کہ رمضان کے آغاز و اختتام کا مدار بجائے رویت کے القمر العجید (نومون) پر رکھا جائے۔ چاند کی دو چالیں ہیں: ایک چال: سورج کی طرح مشرق سے مغرب کی طرف ہے، اور دوسری چال: چاند روزانہ سورج سے چند ذریچے پڑتا ہے یعنی مغرب سے مشرق کی طرف چلتا ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب چاند سورج کے بالکل مقابل ہو جاتا ہے، پھر جب وہ پیچھے پڑتا ہے تو القمر الجدید کہلاتا ہے۔ حساب داں اس کو جانتے ہیں کہ کب چاند پیچھے پڑے گا، رابطہ والوں کا پلان یہ تھا کہ نومون پر مدار رکھا جائے، تاکہ پوری دنیا میں ایک ساتھ رمضان اور عیدین ہوں، مگر تمام علماء نے اس پلان کو رد کر دیا اور حج کے استدلال کا جواب یہ دیا کہ حج صرف ایک جگہ یعنی میدان عرفہ میں ہوتا ہے، پس وہاں کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جس دن مکہ میں نو ذی الحجہ ہوگی وہی دن حج کا ہوگا، اور عیدین اور رمضان کی صورت حال اس سے مختلف ہے ان کو ایک ساتھ کرنا ممکن نہیں، کیونکہ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۹) میں ہے: ﴿وَيَسْتَلْزِمُونَكَ غِيَابَ الْآلِهَةِ﴾ قل: هِيَ مَوَاقِفُ النَّاسِ وَالْحَجَّ تَرْجَمُ: لوگ آپ سے چاند کی حالت کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپ بتادیں: وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ حج کا وقت تو سب کے لئے ایک ہوگا، باقی امور میں چاند لوگوں کے لئے مختلف اوقات مقرر کرے گا۔ مگر اس کے بعد سے سعودیہ نومون سے چاند کا اعلان کرتا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہر سال رمضان اور عیدین میں دو گواہ قاضی کے سامنے پیش ہوتے ہیں، اور ان کی گواہی پر اعلان کیا جاتا ہے، جبکہ پوری دنیا میں کہیں چاند نظر نہیں آتا۔ نیز عرب کا مطلع عام طور پر صاف ہوتا ہے، مگر ایک دو آدمیوں کی گواہی کو چاند نظر آتا ہے یہاں لوگ سوال کرتے ہیں کہ آیا سعودیہ والے مسلمان نہیں ہیں؟ جواب یہ ہے کہ بے شک وہ مسلمان ہیں، مگر برا عظیم افریقہ اور برا عظیم امریکہ والوں کو وہ چاند نظر نہیں آتا تو کیا وہ آنکھیں بند کر کے چاند دیکھتے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ سعودیہ میں چاند کا نظام جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ نہیں چاہتے کہ حج صحیح وقت پر ہو، چنانچہ انھوں نے چاند کا سارا نظام ہی بدل دیا ہے، اور پوری دنیا میں ایک عظیم فتنہ برپا کر دیا ہے، ہر ملک میں کچھ لوگ بے عقلی کے ساتھ سعودیہ کے اعلان پر عمل کرتے ہیں اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار ہو جاتا

ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس صورت میں حج کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب باب نمبر ۱۱ میں آ رہا ہے۔

مذکورہ واقعہ کی تفصیل: رابطہ عالم اسلامی نے توحید لہلہ پر جو اجلاس بلایا تھا وہ ۲۷-۲۸-۱۹۷۷ء کے درمیان کا واقعہ ہے، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے، میں اس زمانہ میں راندیر میں پڑھا تھا، جب مولانا اس اجلاس سے لوٹے تو راندیر تشریف لائے اور اس اجلاس کی پوری کارروائی سنائی، اور فرمایا کہ یہ خطرناک اسکیم ہے، اس پر مضمون لکھنا چاہئے، چنانچہ میں نے دو قسطوں میں مضمون لکھا جو ”الفرقان لکھنؤ“ میں شائع ہوا، اس مضمون میں میں نے قرآن وحدیث کی متعدد دلیلوں سے یہ بات ثابت کی کہ توحید لہلہ یعنی ساری دنیا کا ایک چاند ناممکن ہے، اور اقرار اللہ یذکو بنیاد بنا کر رمضان وغیرہ کو ایک ساتھ کرنا مذکورہ آیت کی رو سے غلط ہے، ہاں توحید لہلہ — اگر یہ تعبیر مناسب ہو — حج میں ممکن ہے، کیونکہ حج کا وقت ہلال خود متعین کرتا ہے، مکہ مکرمہ کی رویت سے جو ۹ رذی الحجہ ہوگی اس میں ساری دنیا کے لوگوں کو حج کرنا ہوگا اور اپنی مقامی قمری تاریخوں کو چھوڑ دینا ہوگا، مگر سعودیہ نے جو چاہا وہ شروع کر دیا، اور اب تک وہ مکمل کرا عتراف نہیں کرتا کہ ہم قمریہ پر چل رہے ہیں۔

اور دنیا کے وہ مسلمان جو سہولت پسند ہیں سعودیہ کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ پہلے سے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں دن رمضان یا عید ہے، مگر افریقہ اور امریکہ میں جہاں غروب آفتاب سعودیہ سے گھنٹوں بعد ہوتا ہے عام طور پر سعودیہ کا چاند نظر نہیں آتا ہے، بلکہ کبھی پورے دورے میں کہیں چاند نظر نہیں آتا، دوسرے دن نظر آتا ہے، پس ایسی صورت میں لوگوں کو چاہئے کہ سعودیہ کی اندھی تقلید کر کے اپنے روزوں کو خراب نہ کریں، جو لوگ مملکت سعودیہ کی حدود میں رہتے ہیں ان کے لئے تو مجبوری ہے، یہی حال حج کی تاریخوں کا ہے، مگر جو لوگ سعودیہ کی حدود سے باہر رہتے ہیں ان کے لئے کوئی مجبوری نہیں، پس ان کو اندھی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔

یہاں ایک اور بات پر تنبیہ ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ چاند کے معاملہ میں حساب کا اعتبار نہیں، مگر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ کچھ بے دین مسلمان سعودیہ کی رویت کو منوانے کے لئے رویت کی جھوٹی گواہی دیتے ہیں، بلکہ کچھ لوگ چاند پر رشہ لگاتے ہیں، پس ایسی صورت میں اگر حساب کو اس حد تک مان لیا جائے کہ اگر امکان رویت نہ ہو تو گواہی قبول نہ کی جائے: میری ناقص رائے میں اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

[۵] باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له

[۶۸۱-] حدثنا قتیبہ، نا أبو الأحوص، عن سفيان بن عروب، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لَا تَصُومُوا قَبْلَ رَمَضَانَ، صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَيْهِ، فَإِنْ حَاطَتْ خُبْرَتُهُ فَلَا تَكْمُلُوا إِلَّا مِنْ يَوْمٍ"

وفي الباب: عن أبي هريرة، وأبي بكرة، وأبي عمرو قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح، وقد روى عنه من غير وجه.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رمضان سے پہلے روزے مت رکھو، چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزے بند کرو، پس اگر چاند کے ورے کوئی پتلا بادل حائل ہو جائے (اور چاند نظر نہ آئے) تو تیس دن پورے کرو“

لغت: القباية: هر وہ چیز جو انسان پر سایہ لگن ہو، جیسے بادل، گرد و غبار، جمع غیابات۔

باب ماجاء أن الشهر يكون تسعا وعشرين

قری مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے

قری مہینہ کبھی تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دن کا۔ اور چاند کی چال کچھ ایسی ہے کہ بعض مہینے زیادہ تر تیس دن کے پورے ہوتے ہیں اور بعض انتیس دن کے، رمضان ان مہینوں میں سے ہے جو زیادہ تر انتیس دن کا پورا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں نو رمضانوں کے روزے رکھے ہیں، رمضان کے روزے سن دو ہجری کے نصف شعبان میں فرض ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یا دو رمضان تیس دن کے پورے ہوئے ہیں باقی انتیس دن کے۔

ترمذی کی ایک شرح ہے جس کا نام ہے: شروح اربعہ، وہ چار شرحوں کا مجموعہ ہے، ان میں ایک قاضی ابوالطیب کی شرح ہے، وہ فرماتے ہیں: دو رمضان تیس دن کے پورے ہوئے تھے، باقی سات انتیس دن کے، اور معروف قول یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک رمضان تیس دن کا پورا ہوا تھا، باقی انتیس دن کے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اسی طرح جب نبی ﷺ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایلاہ کیا تھا تو وہ مہینہ بھی انتیس دن کا پورا ہوا تھا جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ پس جب رمضان ۲۹ کا پورا ہوتا ہے تو جاہل کہتے ہیں: لومولوی چاند لے آئے! یہ ان کی جہالت ہے، رمضان کی وضع ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ اکثر ۲۹ کا پورا ہوتا ہے۔

حدیث (۱): ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو روزے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتیس دن کے رکھے ہیں وہ ان روزوں سے زیادہ ہیں جو ہم نے تیس دن کے رکھے ہیں، یعنی اکثر رمضان ۲۹ کو پورا ہو جاتا تھا۔

حدیث (۲): جب بنو نضیر اور بنو قریظہ کے علاقے فتح ہوئے تو وہ علاقے مال فنی قرار دیئے گئے تھے، وہ علاقے سرسبز و شاداب تھے، نبی ﷺ نے ان میں سے کچھ زمینیں اپنے لئے روک لی تھیں، اس لئے آپ کی آمدنی بڑھ گئی تھی، ایک مرتبہ تمام ازواج نے ایک کیا اور نبی ﷺ سے اپنے مصارف میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ ازواج مطہرات کے اس مطالبہ سے نبی ﷺ کو دکھ لگا، کیونکہ آمدنی بڑھ گئی تھی، مگر ساتھ ہی خرچ بھی بڑھ گیا تھا، اسلام تیزی سے پھیلنا

شروع ہو گیا تھا، اسلام قبول کرنے کے لئے باہر سے آنے والوں کے قیام و طعام کا انتظام اور جنگوں کے مصارف وغیرہ اسی آمدنی سے پورے ہوتے تھے، اس لئے آپ کو ازواج کا مطالبہ ناگوار ہوا اور آپ نے قسم کھائی کہ آپ ایک مہینہ تک کسی بیوی صاحبہ سے نہیں ملیں گے۔ آپ نے یہ مہینہ ایک بالا خانہ میں گزارا، اتفاق سے قسم کھانے کا واقعہ مہینہ کے بالکل شروع میں پیش آیا تھا، چنانچہ ۲۹ تاریخ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ آج مہینہ پورا ہو جائے گا، آپ بیویوں کو اختیار دیں اگر وہ اللہ و رسول کی خوشنودی چاہتی ہیں تو موجودہ حالات پر قناعت کریں، اور اگر دنیاوی پیش چاہتی ہیں تو طلاق لے لیں اور جہاں چاہیں جائیں۔ اسی موقع پر سورۃ احزاب کا چوتھا رکوع جس میں سات آیات ہیں نازل ہوا ہے۔ نبی ﷺ مغرب کے بعد سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عائشہ نے یاد دلایا کہ آج ایتیس تاریخ ہے، یعنی آپ نے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا، پس کہیں بے خبری میں قسم ٹوٹ نہ جائے، آپ نے فرمایا: ”مہینہ کبھی ایتیس کا ہوتا ہے“ یعنی یہ مہینہ ۲۹ کا پورا ہوا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک ماہ کا ایلاء کیا، پس آپ بالا خانہ میں ایتیس دن تک ٹھہرے رہے، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایک مہینہ کا ایلاء کیا ہے، آپ نے فرمایا: مہینہ ایتیس دن کا (بھی) ہوتا ہے۔ لغت: الی ایلاء: کے معنی ہیں: قسم کھانا۔ ایلاء کی دو قسمیں ہیں: لغوی اور شرعی۔ شرعی ایلاء میں چار ماہ یا زیادہ کی قسم کھائی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے چار ماہ کی قسم نہیں کھائی تھی، پس یہ ایلاء لغوی تھا۔

[۶] باب ما جاء أن الشهر يكون تسعا وعشرين.

[۶۸۲] - حدثنا أحمد بن منيع، نا يحيى بن زكريا بن أبي زائدة، قال: أخبرني عيسى بن دينار، عن أبيه، عن عمرو بن الحارث بن أبي ضرار، عن أبي مسعود، قال: ما ضمت مع النبي صلى الله عليه وسلم تسعا وعشرين أكثر مما ضمتا ثلاثين.

وفي الباب: عن عمر، وأبي هريرة، وعائشة، وسعد بن أبي وقاص، وأبي غنم، وأبي عمرو، وأنس، وجابر، وأم سلمة، وأبي بكر: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الشهر يكون تسعا وعشرين".

[۶۸۳] - حدثنا علي بن حنبل، نا إسماعيل بن جعفر، عن حميد، عن أنس، أنه قال: ألقى رسول الله صلى الله عليه وسلم من يسأله شهراً فأقام في مشربة تسعا وعشرين يوماً، قالوا: يا رسول الله إنك ألت شهراً، فقال: "الشهر تسع وعشرون". قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

وضاحت: اس حدیث کو کہ مہینہ کبھی ایتیس دن کا ہوتا ہے، دس صحابہ روایت کرتے ہیں۔

باب ماجاء فى الصوم بالشهادة

گواہی کی بنیاد پر رمضان شروع کرنا

رمضان کی ابتداء اور اختتام کا مدار جو رویت پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحکمہ رویت ضروری ہے، اگر کسی کو بھی چاند نظر آیا اور وہ رویت کی گواہی دے تو چاند کا ثبوت ہو جائے گا، ہر شخص کے لئے چاند دیکھنا ضروری نہیں، پھر اگر مطلع صاف ہو تو جم غفیر کی رویت ضروری ہے، یعنی ثبوت ہلال کے لئے ضروری ہے کہ اتنی بڑی تعداد چاند دیکھے جس سے یقین ہو جائے کہ واقعی انھوں نے چاند دیکھا ہے، ان کو دھوکا نہیں ہوا ہے۔ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان اور عید کے چاندوں کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو (بادل گرد و غبار یا چیز سرخی ہو) تو رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کی خبر کافی ہے، لفظ شہادت ضروری نہیں، تعداد یقینی دو گواہ بھی شرط نہیں، البتہ عید کے چاند میں تعداد (دو گواہ) بھی شرط ہیں اور ان کا دیندار ہونا بھی شرط ہے، اسی طرح لفظ شہادت یا ہر زبان میں اس کا مترادف لفظ ہونا ضروری ہے، اور یہ تفصیل احناف کے نزدیک ہے، امام شافعی، امام احمد اور عبد اللہ بن المبارک رحمہم اللہ کے نزدیک رمضان کے چاند میں اگرچہ دو گواہ شرط نہیں، مگر لفظ شہادت شرط ہے، محض خبر کافی نہیں۔ اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: رمضان کا چاند ہوا یا عید کا دونوں میں دو گواہ اور لفظ شہادت ضروری ہے، ایک آدمی کی خبر سے نہ رمضان کا چاند ثابت ہوگا نہ عید کا۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک اعرابی (بدو) نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: بیشک میں نے چاند دیکھا ہے (مدینہ منورہ میں رویت نہیں ہوئی تھی، اور وہ اعرابی اسی شعبان کے بعد رات میں مدینہ پہنچا تھا، اور راستہ میں اس نے چاند دیکھا تھا) آپ نے پوچھا: کیا تو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے؟ اور کیا تو محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے اقرار کیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ”اے بلال! مدینہ میں اعلان کر دو کہ لوگ آئندہ کل روزہ رکھیں“

تشریح: یہ حدیث متصل ہے یا مرسل؟ سماک بن حرب کے علاوہ میں اختلاف ہے، ولید بن ابی ثور اس حدیث کو متصل بیان کرتے ہیں (یہ راوی ضعیف ہے) مگر زائدہ ان کے متابع ہیں، اور سماک کے اکثر علاوہ مثلاً سفیان ثوری وغیرہ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں کرتے، یہی بات کہ مرسل روایت صحیح ہے یا متصل؟ تو امام ترمذی نے اس کا کوئی فیصلہ نہیں کیا (اور امام نسائی رحمہ اللہ نے مرسل کو صحیح قرار دیا ہے)

[۷] باب ماجاء فى الصوم بالشهادة

[۶۸۴-] حدثنا محمد بن إسماعيل، نا محمد بن الصباح، نا الوليد بن أبي ثور، عن سماعة، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إني رأيت الهلال،

فَقَالَ: "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "بِإِلَّاءِ أَذُنٍ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا"

حدیثنا ابو کریب، نا حَسَنُ الْجَعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ يَسَّارِ بْنِ خَرْبٍ لَخْوَةَ.
قَالَ أَبُو عَمِيْرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِيهِ اخْتِلَافٌ، وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ، عَنْ يَسَّارِ بْنِ خَرْبٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا، وَأَثَرُ أَصْحَابِ يَسَّارِ رَوَوْا عَنْ يَسَّارِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: تُقْبَلُ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَاحِدٍ فِي الصَّيَامِ، وَبِهِ يَقُولُ ابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَاحْمَدُ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: لَا يَصُومُ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ، وَلَمْ يَخْتَلِفْ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْإِفْطَارِ أَنَّهُ لَا يَقْبَلُ لَهُ إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ.

ترجمہ: اس حدیث پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ فرماتے ہیں: رمضان کے چاند میں ایک آدمی کی شہادت قبول کی جائے گی، اور ابن المبارک، شافعی اور احمدی کے قائل ہیں (احناف کے نزدیک لفظ شہادت ضروری نہیں، محض خبر کافی ہے) اور حضرت اسحاق فرماتے ہیں: روزے شروع نہیں کئے جائیں گے اگر دو آدمیوں کی شہادت سے، اور علماء کا اظہار (عید کے چاند) میں کوئی اختلاف نہیں، وہ کہتے ہیں: عید کے چاند میں نہیں قبول کی جائے گی اگر دو آدمیوں کی شہادت۔

بَابُ مَا جَاءَ شَهْرًا عِيدَ لَا يَنْقُصَانِ

عید کے دو مہینے گھٹتے نہیں

یہ بیحد حدیث کے الفاظ ہیں، اور عید کے دو مہینوں سے مراد: رمضان اور ذوالحجہ ہیں۔ ذوالحجہ کا عید کا مہینہ ہوتا تو ظاہر ہے، اور رمضان عرفا عید کا مہینہ ہے، حقیقت میں عید کا مہینہ شوال ہے، مگر چونکہ عرف میں ماہ رمضان کو عید کا مہینہ کہتے ہیں، اس لئے یہاں بھی مراد ہے۔

اور اس حدیث کی تفسیر میں علماء کے دس قول ہیں۔ حدیث کی تفسیر میں اختلاف اقوال کی مختلف وجوہ ہوتی ہیں، کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد جوامع الکلم کے قبیل سے ہوتا ہے یعنی وہ ارشاد بہت سے معانی کا احتمال رکھتا ہے، پس ہر شارح بعض حقیقت کو بیان کرتا ہے، ایک شارح ایک معنی بیان کرتا ہے، دوسرا شارح دوسرے معنی، یوں اقوال مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں تمام توجہیوں کو اکٹھا کرنا ہوگا اور اگر کوئی پہلو بیان سے رہ گیا ہے تو اسے بڑھانا ہوگا، اور ان اقوال کا مجموعہ حدیث کا مطلب ہوگا۔

اور کبھی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک عالم حدیث کا جو مطلب بیان کرتا ہے وہ دوسروں کی سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے وہ

دوسرا مطلب بیان کرتے ہیں، پھر انگوں کی سمجھ میں وہ دونوں مطلب نہیں آتے تو وہ تیسرا مطلب بیان کرتے ہیں، یوں اقوال بڑھتے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں تمام توجیہوں میں غور کرنا ہوگا، جو قول فہم سے اقرب ہوگا اس کو لیا جائے گا، اور اگر سب اقوال سمجھ میں نہ آئیں تو نئی توجیہ کرنی ہوگی۔

مذکورہ حدیث کی جو دس توجیہیں کی گئی ہیں میرے نزدیک وہ سب صحیح نہیں، اس لئے میں نے گیارہویں توجیہ کی ہے آپ حضرات کی سمجھ میں یہ توجیہ نہ آئے تو بارہویں توجیہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے۔ وہ دس توجیہیں کیا ہیں، اور کیوں صحیح نہیں؟ یہ تفصیل طلب بات ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو دو توجیہیں بیان کی ہیں، یہاں ان کو سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ صحیح کیوں نہیں؟ باقی توجیہوں کو اس پر قیاس کر لیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ ایک سال میں عید کے یہ دونوں مہینے یعنی رمضان اور ذی الحجہ انتیس انتیس کے نہیں ہو سکتے یا تو دونوں تیس کے ہو سکتے یا ایک انتیس کا ہوگا تو دوسرا ضرورت میں کا ہوگا، مگر یہ توجیہ بدائے غلط ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ ایک سال میں دونوں مہینے انتیس کے ہوتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس توجیہ کو پسند نہیں کیا۔ اس لئے اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے دھری توجیہ کی کہ عید کے یہ دو مہینے گھٹتے نہیں، یعنی ان کا ثواب گھٹتا نہیں، اگر یہ مہینے انتیس کے ہوں جب بھی ثواب پورے تیس دن کا ملتا ہے، مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ رمضان میں تو یہ بات ٹھیک ہے، مگر ذی الحجہ میں یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے؟ ذوالحجہ میں تو شروع کے تیرہ دن عبادت کے ہیں، اس کے بعد کوئی عبادت نہیں۔ پس ماہ ذی الحجہ انتیس میں پورا ہوا تیس میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شروع کے تیرہ دن تو تیرہ ہی رہیں گے وہ بارہ نہیں ہو جائیں گے، البتہ رمضان کا پورا مہینہ عبادت کا ہے، وہاں فرق پڑے گا۔

اس اشکال کا بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ یہاں ذوالقعدہ کی آخری تاریخ مراد ہے، اور مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ماہ ذوالقعدہ تیس کا تھا، پھر کچھ دنوں کے بعد گواہیوں سے انتیس کا چاند ثابت ہو گیا، تو اب بارہ ہی دن رہ جائیں گے، مگر اس صورت میں بھی ثواب گھٹنے کا نہیں، پورے تیرہ دن کا ثواب ملے گا، مگر یہ توجیہ زبردستی کی ہے، اور ذوالحجہ سے ذوالقعدہ کی آخری تاریخ مراد لینا بہت بعید بات ہے۔

پس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مقصود صرف رمضان کی فضیلت بیان کرنا ہے، یعنی اگر رمضان انتیس دن میں پورا ہو تو بھی ثواب پورے تیس دن کا ملے گا، اور ماہ ذی الحجہ کا تذکرہ محض طرد الباب کیا گیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عربی زبان کا اسلوب بیان یہ ہے کہ جب دو چیزوں میں مناسبت ہوتی ہے تو دونوں کو ملا کر ایک چیز کا حکم بیان کرتے ہیں، جیسے: نَبِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا: اَقْلَبُوا الْأَسْوَاقَ فِی الصَّلَاةِ: الْحَبَّةُ وَالْعُزْبُ اس حدیث کا مقصود سانپ کو مارنے کا حکم دینا ہے، بچھو کا تذکرہ مبرا ہے، مگر چونکہ حدیث میں بچھو کا بھی تذکرہ آیا ہے اس لئے اس کو بھی مار دینا چاہئے۔ اسی طرح سلسلات میں ایک موضوع حدیث ہے: اَضَافَی بِالْأَسْوَاقِ: التَّمَرُ وَالْمَاءُ:

میری ضیافت کی دو کالی چیزوں سے یعنی کجور اور پانی سے۔ کجور تو کالی ہوتی ہے اور اس کی ضیافت کی بھی کی جاتی ہے، مگر پانی نہ تو کالا ہوتا ہے اور نہ اس کی ضیافت کی جاتی ہے، مگر چونکہ کجور کے ساتھ پانی بھی پیا جاتا ہے، اس مناسبت سے اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا۔ اسی طرح یہاں بھی حدیث کا ماسبق لاجلہ الکلام صرف رمضان ہے، مگر مناسبت کی وجہ سے عید کے دوسرے مہینہ ذی الحجہ کا بھی تذکرہ کر دیا اور مقصود بتائے حکم کی طرف ذہن کو منعطف کرنا ہے یعنی ثواب اس لئے نہیں گننے کا کہ وہ عید کا مہینہ ہے۔ خوشی کے موقع پر ثواب گننا دیا جائے تو خوشی کر کر ہی ہو جاتی ہے۔

[۸] باب ماجاء شهر عید لا ینقصان

[۶۸۵] - حدثنا یحییٰ بن خلف البصری، نا یشر بن الفضل، عن خالد الحذاء، عن عبد الرحمن بن ابی بکرۃ، عن أبیہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "شہراً عید لا ینقصان: رمضان وذو الحجۃ" قال ابو عیسی: حدیث ابی بکرۃ حدیث حسن.

وقد روی هذا الحدیث عن عبد الرحمن بن ابی بکرۃ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مُرسلاً.

قال أحمد: معنی هذا الحدیث: "شہراً عید لا ینقصان" بقول: لا ینقصان معاً فی سنۃ واحدۃ: شہر رمضان وذو الحجۃ، إن نقص أحدهما تم الآخر.

وقال إسحاق: معناه لا ینقصان، بقول: وإن کان اثنینا وعشرین فهو تمام غیر نقصان، وعلى مطلب إسحاق یكون ینقص الشهران معاً فی سنۃ واحدۃ.

ترجمہ: مذکورہ حدیث: مرسل یعنی ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ کے بغیر بھی روایت کی گئی ہے (مگر موصول حدیث اصح ہے اور یہ حدیث متفق علیہ ہے) امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث کہ "عید کے دو مہینے گننے نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ رمضان اور ذوالحجہ ایک ساتھ ایک سال میں کم نہیں ہوتے۔ اگر ان میں سے ایک کم (اتیس کا) ہوتا ہے تو دوسرا تام (تیس کا) ہوتا ہے، اور اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: عید کے دونوں مہینے کم نہیں کئے جاتے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اثنیس کے بھی ہوں تو بھی وہ تام ہو گئے، یعنی ثواب کم نہیں ہوگا۔ اور امام اسحاق کے مذہب پر دونوں مہینے ایک ساتھ ایک سال میں کم (اتیس کے) ہو سکتے ہیں۔

باب ماجاء لیکل اهل بلد رؤیتہم

ہر جگہ کے لئے اسی جگہ کی رویت معتبر ہے

اس باب میں اختلاف مطالع کا بیان ہے، مطالع: مطلع کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: طلوع ہونے کی جگہ، چونکہ

زمین گول ہے، اس لئے سورج اور چاند ہر جگہ الگ الگ اوقات میں نکلنے چھپتے ہیں۔۔۔ رمضان میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اعتبار ہونے کا مطلب ہے: لکل اهل البلد رؤیتهم یعنی ہر جگہ کے لئے وہیں کی رویت کا اعتبار ہوگا، ایک جگہ کی رویت کا دوسری جگہ اعتبار نہ ہوگا اور اعتبار نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا کا مطالع ایک ہے کسی بھی جگہ چاند نظر آجائے تو اس کو ہر جگہ مان لیا جائے یعنی جہاں تک معتبر ذریعہ سے رویت کی خبر پہنچے اس کو مان لیا جائے۔

پہلے راجح قول یہ تھا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، البتہ بعض حضرات اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے تھے، مثلاً حنفیہ میں سے امام قدوری اور امام زبلی، مالکیہ میں سے ابن رشد مالکی اور بعض شوافع رحمہم اللہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے تھے، مگر چاروں فقہوں میں فتویٰ اس پر تھا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ ایک جگہ کی رویت کی خبر معتبر ذریعہ سے جہاں تک پہنچے اس کو ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، مگر جب نقل و حمل اور مواصلات کے ذرائع وسیع ہوئے، اب آدمی ۲۴ گھنٹے میں پوری زمین کا چکر لگا سکتا ہے اور دو چار منٹ میں ایک کونے کی خبر دوسرے کونے تک پہنچ جاتی ہے تو علماء کا فتویٰ بدل گیا، اگرچہ اب بھی بعض لوگ پرانی رائے کے قائل ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، مگر فی زمانہ ننانوے فیصد علماء کی رائے یہ ہے کہ اب ممالک بعیدہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، البتہ ممالک قریبہ میں اعتبار نہیں۔ سعودیہ کی تنظیم رابطہ عالم اسلامی نے توحید لہلہ کے مسئلہ پر جو مشنگ بلائی تھی اس میں علماء نے اسی بنیاد پر اختلاف کیا تھا کہ جب اختلاف مطالع معتبر ہے اور بدیہی ہے تو ساری دنیا کا رمضان اور عید ایک ساتھ کیسے ہو سکتے ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ رویت کے مقام سے مغربی ممالک میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، صرف مشرق کی طرف اختلاف مطالع کا اعتبار ہے۔ پس جہاں رویت ہوئی ہے وہاں سے جانب مغرب جو بھی ممالک ہیں ان میں جہاں تک معتبر ذرائع سے رویت کی خبر پہنچے گی اس خبر کے مطابق عمل ضروری ہوگا، اس لئے کہ جب چاند کسی جگہ میں نظر آئے گا تو جو علاقے اس کے مغرب میں واقع ہیں وہاں ضرور نظر آئے گا، مثلاً ہندوستان میں رویت ہوئی تو پاکستان میں بدرجہ اولیٰ رویت ہوگی۔ اسی طرح سعودیہ میں بھی بدرجہ اولیٰ رویت ہوگی، کیونکہ سعودیہ میں غروب یہاں سے ڈھائی گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے، پس ڈھائی گھنٹہ میں چاند سورج سے اور پیچھے پڑے گا اور یقیناً نظر آئے گا۔ اسی طرح سعودیہ میں جو چاند دیکھا گیا ہے وہ افریقہ میں ضرور دیکھا جائے گا، کیونکہ افریقہ سعودیہ سے مغرب کی جانب ہے، مگر ہوتا یہ ہے کہ سعودیہ میں رویت کا اعلان ہوتا ہے اور پورے افریقہ میں جس میں ۴۲ حکومتیں ہیں اور جس کا مطالع عام طور پر صاف رہتا ہے کہیں چاند نظر نہیں آتا، بلکہ براعظم امریکہ میں بھی نظر نہیں آتا، جبکہ وہاں ساڑھے سات گھنٹہ کے بعد غروب ہوتا ہے، یہ سعودیہ کی چاند کے سلسلہ میں دھاندلی کی واضح دلیل ہے، لیکن اگر کسی جگہ واقعی رویت ہو تو

الاحمالہ مغرب کی جانب رویت ہوگی، البتہ جو علاقے مشرق کی جانب ہیں وہاں رویت ضروری نہیں۔ لہذا مشرق کی طرف ممالک قریبہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اور ممالک بعیدہ میں ہے، پس سعودیہ کی حقیقی رویت بھی ہندوپاک میں معتبر نہیں۔

اور ممالک قریبہ اور بعیدہ کی حد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں آج سے تقریباً پچپن سال پہلے مراد آباد میں ایک میٹنگ ہوئی تھی، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہا شریک تھے، اس میں یہ طے پایا تھا کہ خط مستقیم پر پانچ سو میل تک ممالک قریبہ ہیں، اور اس سے دور ممالک بعیدہ ہیں۔ دلی سے کلکتہ خط مستقیم پر ایک ہزار میل ہے اور ہزار میل پر طلوع وغروب میں ایک گھنٹہ کا فرق پڑتا ہے اس لئے کلکتہ میں ایک گھنٹہ پہلے طلوع وغروب ہوتا ہے۔

لیکن اس فیصلے کو مفتیوں نے قبول نہیں کیا، کیونکہ چار سو نانوے میل تک چاند نظر آئے اور ایک میل بڑھ جائے تو نظر نہ آئے اس کی کیا دلیل ہے؟ اس کی نظیر پہلے گزری ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ میں ۱۹ دن قیام فرمایا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر اس سے زیادہ ٹھہریں گے تو نماز پوری پڑھیں گے، مگر ابن عباس کا یہ مذہب حضرت اسحاق کے علاوہ کسی نے نہیں لیا، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ بیسویں روز قیام فرماتے تو اہتمام فرماتے، اس کی کیا دلیل ہے؟ اسی طرح چار سو نانوے میل تک چاند نظر آئے اور ایک میل بڑھ جائے تو نظر نہ آئے اس کی کیا دلیل ہے؟ اس لئے مفتیوں نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ہر ملک ایک مطلع ہے، جب ملک بدلے گا تو مطلع بھی بدلے گا، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ بعض ممالک بہت چھوٹے ہیں۔ پس گول مول بات یہ ہے کہ ایسی دو جگہیں جہاں کی چاند کی تاریخیں ہمیشہ یا اکثر ایک رہتی ہیں وہ ممالک قریبہ ہیں، جیسے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش۔ اور جن جگہوں کی تاریخوں میں ہمیشہ یا اکثر اختلاف ہوتا ہے، جیسے ہندوستان اور سعودیہ وہ ممالک بعیدہ ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ پہلے جو محققین اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے تھے یا اب جو جمہور ممالک بعیدہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں ان کی دلیل باب کی حدیث ہے۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ام الفضلؓ نے کرب کو (جو حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ تھے) کسی ضرورت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملک شام بھیجا۔ کرب نے ام الفضلؓ کا کام نہ پایا، ابھی وہ شام ہی میں تھے کہ رمضان کا چاند نظر آیا، چاند جمعہ کی رات میں نظر آیا تھا (اور انھوں نے پہلا روزہ جمعہ کا رکھا تھا) پھر وہ مہینہ کے آخر میں مدینہ آئے، ابن عباسؓ نے ان سے دریافت کیا، تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ انھوں نے کہا: ہم نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا تھا، ابن عباسؓ نے پوچھا: کیا آپ نے خود جمعہ کی رات میں چاند دیکھا تھا (مسلم کی روایت میں

ہے: نعم: ہاں میں نے خود دیکھا تھا اور) لوگوں نے بھی دیکھا تھا، پس انہوں نے روزہ رکھا اور امیر معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا، ابن عباسؓ نے فرمایا: مگر ہم نے باریک رات میں چاند دیکھا ہے، پس ہم برابر روزہ رکھتے رہیں گے تاکہ ہم تم میں دن پورے کریں یا چاند دیکھ لیں۔ کریب نے پوچھا: کیا آپ کے لئے امیر معاویہ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: نہیں۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔

[۹] باب ماجاء لكل اهل بلد رؤيتهم

[۶۸۶-] حدثنا علي بن حنبل، نا إسماعيل بن جعفر، نا محمد بن أبي حرملة، أخبرني شريك: أنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ بَعَثَتْ إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ، قَالَتْ: فَقَدِمْتُ الشَّامَ فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا وَاسْتَعْلَى عَلَيَّ هِلَالٌ وَمِصْبَانٌ وَأَنَا بِالشَّامِ، فَرَأَيْنَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فِي آخِرِ الشَّهْرِ، فَسَأَلَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ ذَكَرَ الْهِلَالَ، فَقَالَ مَتَى رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ؟ فَقُلْتُ: رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: أَنْتَ رَأَيْتَهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ؟ فَقُلْتُ: رَأَى النَّاسُ قَضَامُوا وَصَامَ مُعَاوِيَةُ، فَقَالَ: لَكِنْ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ فَلَا نَزَالَ نَصُومُ حَتَّى نَكْمِلَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا أَوْ نَرَاهُ، فَقُلْتُ: أَلَا تَكْفِي بِرُؤْيَا مُعَاوِيَةَ وَصِيَامِهِ؟ قَالَ: لَا، هَكَذَا أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح غريب.
والعمل على هذا الحديث عند أهل العلم: أن لكل أهل بلد رؤيتهم.

وضاحت: یہ حدیث مسلم شریف میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر ہے، حالانکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، تفصیل گزر چکی ہے۔

باب ماجاء ما يستحب عليه الإفطار؟

کس چیز سے افطار کرنا مستحب ہے؟

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کو بھجور میسر ہو اسے چاہئے کہ بھجور سے افطار کرے، اور جس کے پاس بھجور نہ ہو اسے پانی سے افطار کرنا چاہئے، کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے“ تشریح: پہلے کتاب الزکاة باب ۲۶ میں حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری ہے وہ صحیح ہے اور یہاں جو حدیث سعید بن عامر کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ صحیح نہیں۔ شعبہ کے شاگردوں میں سے صرف سعید بن عامر ہی اس حدیث کی سند حضرت انسؓ تک پہنچاتے ہیں، نیز عبدالحزیز بن صہیب کی حدیثوں

میں بھی یہ حدیث معروف نہیں (اکابر محدثین ہر راوی کی حدیثیں، اس کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگردوں کی حدیثیں الگ الگ کاتبوں میں لکھتے تھے، چنانچہ عبدالعزیز کی حدیثوں میں یہ حدیث نہیں ہے) پس شعبہ رحمہ اللہ کی صحیح سند وہ ہے جو پہلے گزری ہے۔ البتہ شعبہ کے بعض علامہ حصہ اور سلمان بن عامر کے درمیان رباب کا واسطہ ذکر نہیں کرتے، مگر رباب کا واسطہ ہونا چاہئے۔ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کی سندوں میں رباب کا واسطہ ہے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے چند تازہ کھجوریں کھا کر افطار کرتے تھے (یعنی روزہ نہ ہونا ظاہر کرتے تھے) اور اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوتیں تو چند چھوہارے نوش فرماتے۔ اور چھوہارے بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی پی لیتے (یہی حکم روزہ افطار کرنے کا ہے) اور اس حدیث کی شرح کتاب الصلوٰۃ باب ۲۷۵ (حدیث ۵۵۲) میں گزر چکی ہے۔

[۱۰] باب ماجاء ما يُستحبُّ عليه الإفطارُ

[۲۸۷-] حدثنا محمد بن عمرو بن علي الملقمي، نا سفيان بن عمار، نا شعبه، عن عبد العزيز بن صهيب، عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ وَجَدَ ثَمْرًا فَلْيَفْطِرْ عَلَيْهِ، وَمَنْ لَا فَلْيَفْطِرْ عَلَى مَاءٍ، فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ"

وفی الباب: عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ.

قال أبو عيسى: حديث أنس لا نعلم أحداً رواه عن شعبه مفل هذا غير سعيد بن عامر، وهو حديث غير محفوظ، ولا نعلم له أصلاً من حديث عبد العزيز بن صهيب، عن أنس.

وقد روى أصحاب شعبه هذا الحديث عن شعبه، عن عاصم الأحمول، عن حفصة ابنة يسير، عن سلمان بن عامر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وهذا أصح من حديث سعيد بن عامر.

وهكذا رَوَوْا عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ حَفْصَةَ ابْنَةِ يَسِيرٍ، عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ شُعْبَةُ عَنْ الرَّبَابِ.

وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَاصِمِ الْأَحْمُولِ، عَنْ حَفْصَةَ ابْنَةِ يَسِيرٍ، عَنْ الرَّبَابِ، عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ.

وَابْنُ عَوْنٍ يَقُولُ: عَنْ أُمِّ الرَّاحِ بْنِ صَلَاحٍ، عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ، وَالرَّبَابِ: هِيَ أُمُّ الرَّاحِ.

[۲۸۸-] حدثنا محمود بن غيلان، نا وكيع، نا سفيان، عن عاصم الأحمول ح: وحدثنا هناد، نا أبو معاوية، عن عاصم الأحمول، عن حفصة ابنة يسير، عن الرباب، عن سلمان بن عامر الضبي، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "إِذَا افْطَر أَحَدُكُمْ فَلْيَفْطِرْ عَلَى ثَمَرٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَفْطِرْ عَلَى

مَاءٍ، فَإِنَّهُ طَهُورٌ“

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

[۶۸۹] حدثنا محمد بن زافع، نا عبد الرزاق، نا جعفر بن سليمان، عن ثابت، عن انس بن مالك،

قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفطر قبل أن يصلى على رطبات، فإن لم تكن رطبات فتميرات، فإن لم تكن تميرات حسا حسوات من ماء.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت انس کی حدیث: ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس کو شعبہ سے اس طرح روایت کیا ہو سوائے سعید بن عامر کے، اور وہ سند محفوظ نہیں۔ اور ہم عبد العزیز بن صہیب کی حضرت انس سے مرویات میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں جانتے۔ اور شعبہ کے تلامذہ نے اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے۔ وہ عامم احوال سے، وہ حفصہ بنت سیرین سے، وہ سلمان بن عامر سے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں (اس سند سے رباب کا تذکرہ حذف کیا ہے) اور یہ سعید بن عامر کی حدیث سے اصح ہے۔ اور اسی طرح اصحاب شعبہ نے شعبہ سے روایت کی ہے، وہ عامم احوال سے، وہ حفصہ بنت سیرین سے، وہ سلمان بن عامر سے روایت کرتے ہیں، اور شعبہ نے رباب کا تذکرہ نہیں کیا (معلوم ہوا کہ اوپر سند میں رباب کا تذکرہ نفل کی غلطی ہے، اس لئے اس کو حذف کیا گیا ہے)۔ اور صحیح حدیث وہ ہے جو سفیان ثوری اور ابن عیینہ وغیرہ نے عامم سے، انھوں نے رباب سے، انھوں نے سلمان بن عامر سے روایت کی ہے (یعنی رباب کا واسطہ ہونا چاہئے) اور ابن عون کہتے ہیں: ام الراسخ بنت صلیح: سلمان بن عامر سے روایت کرتی ہیں، اور رباب ہی ام الراسخ ہیں، یعنی ابن عون نے کنیت ذکر کی ہے۔ اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث صحیح سند سے روایت کی ہے جو پہلے گزر چکی ہے (دیکھیں حدیث ۶۵۱ کتاب الزکوٰۃ باب ۲۶ حقہ ۵۷۷: ۵۷۸) پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو دوسری سند سے پہلے گزر چکی ہے (دیکھیں حدیث نمبر ۵۵۲ کتاب الصلاة باب ۵۷۷: ۵۷۸: ۵۷۹)

باب ما جاء أن الإفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون

عيد الفطر: جس دن تم روزے ختم کرو اور عید الاضحیٰ: جس دن تم قربانی کرو

اگر کسی دینی کام میں مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہو جائے اور اس کی اصلاح ممکن نہ ہو تو وہ معاف ہے، مثلاً رمضان شروع کرنے میں غلطی ہوگئی کسی دیدار شخص کی خبر سے رمضان شروع کر دیا گیا، بعد میں پتا چلا کہ اس کو چاند دیکھنے میں دھوکا لگا تھا اس لئے رمضان ایک دن پہلے شروع کر دیا گیا تو یہ غلطی معاف ہے، یا رمضان کے ختم پر ایسی غلطی ہوئی اور

ایک دن پہلے یا بعد میں رمضان ختم کیا گیا، یا حج میں ایسی غلطی ہوئی: ذوالحجہ کا چاند تیس کا مانا گیا پھر حج گذر جانے کے بعد معلوم ہوا کہ ذوالحجہ کا چاند اسی تیس کا ہوا تھا اور وقفہ عرفہ و ذی الحجہ میں ہوا ہے تو یہ غلطی معاف ہے، سب کا حج ہو گیا۔ غرض اگر مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہو جائے اور اصلاح ممکن ہو تو اصلاح کی جائے گی اور اگر غلطی کی اصلاح ممکن نہ ہو تو وہ غلطی معاف ہے، جیسے سعودیہ میں چاند کا نظام جن ہاتھوں میں ہے ان کی دلچسپی اس سے ہے کہ حج صحیح تاریخوں میں نہ ہو۔ اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ مسلمانوں کے حج کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس دن بھی مسلمان حج کرتے ہیں ان کا حج صحیح ہوتا ہے، کیونکہ یہ اجتماعی غلطی ہے جو معاف ہے۔ باب میں جو حدیث ہے اس میں تین چیزوں کا ذکر ہے: شروع رمضان کا، آخر رمضان کا اور عید الاضحیٰ کا، حج کا ذکر نہیں، مگر چونکہ حج ذوالحجہ میں ہوتا ہے اس لئے عید الاضحیٰ کے مسئلہ میں ضمناً حج کا حکم بھی آ جاتا ہے۔

[۱۱] باب ما جاء أن الفطر يوم تَفْطِرُونَ وَالْأَضْحَى يوم تَضَحُونَ

[۶۹۰-] حدثنا محمد بن إسماعيل، نا إبراهيم بن المنذر، نا إسحاق بن جعفر بن محمد، قال: حدثني عبد الله بن جعفر، عن عثمان بن محمد، عن المقبري، عن أبي هريرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالْفِطْرُ يَوْمَ تَفْطِرُونَ، وَالْأَضْحَى يَوْمَ تَضَحُونَ" قال أبو عيسى: هذا حديث غريب حسن، وفسر بعض أهل العلم هذا الحديث فقال: إِنَّمَا مَعْنَى هَذَا: الصَّوْمُ وَالْفِطْرُ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَعَظِمَ النَّاسِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روزہ جس دن تم روزہ رکھو، اور عید الفطر: جس دن تم عید الفطر مناؤ، اور عید الاضحیٰ: جس دن تم قربانی کرو"

یہ حدیث غریب حسن ہے۔ اور بعض علماء نے اس حدیث کی تفسیر کی ہے، فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رمضان اور عید الفطر جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ ہے (یعنی جب سب مسلمان رمضان شروع کریں یا بند کریں، وہی دن رمضان کا آغاز یا اختتام ہے)۔ عَظِمَ النَّاسِ: عطف تفسیری ہے، عَظِمَ: ای مُعَظَّمُهُمْ، وَاكْثَرُهُمْ، وعامتهم۔

باب ما جاء إذا أقبل الليل وأدبر النهار فقد أفطر الصائم

جب رات آجائے اور دن پیٹھ پھیرے تو یقیناً افطار کا وقت ہو گیا

اقبال کے معنی ہیں: سامنے آنا، جیسے باب الظاہر سے کوئی شخص میری طرف آئے تو یہ اقبال ہے، اور ادبار کے معنی

ہیں: پیٹھ پھیرنا، یعنی میری طرف سے باب الفطار کی طرف جانا۔۔۔ مغربی افق میں سورج ہٹتا نیچے جاتا ہے مشرقی افق میں اتنی ہی تارکیا ابھرتی ہے، یہ اقبال اللیل ہے اور سورج کا مغربی افق میں نیچے جانا دوبارہ اُبھرتا ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب رات آجائے اور دن پیٹھ پھیرے اور سورج چھپ جائے تو افطار کا وقت ہو گیا“ (فقد افطرت کی تقدیر ہے: فقد دخلت فی وقت الإفطار)

پہلا مسئلہ: جہاں سورج واضح طور پر غروب ہوتا ہوا نظر نہ آتا ہو وہاں غروب کی متعدد علامتیں جمع کریں گے اور جب یقیناً غروب ہو جائے، تب افطار کریں گے۔ مدینہ منورہ میں مغرب کی جانب پہاڑ ہیں اور مشرق کی جانب میں بھی پہاڑ ہیں۔ وہاں سورج غروب ہوتے ہوئے نظر نہیں آتا، غروب سے آدھ گھنٹہ پہلے سورج پہاڑوں کی اوٹ میں چلا جاتا ہے، پس ایسی جگہوں میں غروب کی دوسری علامتیں بھی اس کے ساتھ طائی ضروری ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ نے صرف غابت الشمس فقد افطرت نہیں فرمایا، بلکہ جو تارکیا مشرقی افق پر ابھرتی ہے اس علامت کو بھی غروب کے ساتھ ملایا۔ دوسرا مسئلہ: احتیاط کے طور پر افطار میں بہت زیادہ تاخیر کرنا مناسب نہیں۔ یہ بات شریعت کے نشا کے خلاف ہے۔ شریعت کا غشایہ ہے کہ روزہ کے وقت میں جانین سے کوئی زیادتی نہ کی جائے، چنانچہ صبح صادق کے بالکل قریب سحری ختم کرنا اور غروب کے بعد فوراً افطار کر لینا مستنون ہے۔

فائدہ: روزے میں حقیقتاً اضافہ نہیں ہو سکتا، روزہ بہر حال صبح صادق پر شروع ہوگا اور غروب پر ختم ہو جائے گا۔ مگر صورتہ اضافہ ہوتا ہے، آدمی نے صبح صادق سے دو گھنٹے پہلے سحری کر لی یا غروب کے ایک گھنٹہ کے بعد افطار کیا تو یہ صورتہ اضافہ ہے، اور فقد افطرت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غروب کے بعد بغیر کھائے پیئے بھی افطار ہو گیا، افطار کھانے یا پینے کے بعد ہی ہوگا ورنہ بظاہر روزہ میں اضافہ ہوگا، آئندہ باب میں حدیث آرہی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ افطار میں اور نماز میں تاخیر کرتے تھے، اور ابن مسعود دونوں میں جلدی کرتے تھے، حضرت عائشہؓ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے ابن مسعود کے عمل کو سنت کے مطابق بتایا۔ اگر غروب پر خود بخود روزہ ختم ہو جاتا اور صورتہ بھی اضافہ نہ ہوتا تو دونوں صحابہ کے عمل میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

[۱۲] باب ماجاء إذا أقبل الليل وأدبر النهار فقد افطر الصائم

[۶۹۱-] حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، نا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عاصم بن عمر، عن عمرو بن الخطاب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”إذا أقبل الليل وأدبر النار وغابت الشمس فقد افطرت“

وفی الباب: عن ابن ابی اوفی، وابی سعید، قال ابو عیسی: حدیث عمرو حدیث حسن صحیح.

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْإِفْطَارِ

افطار جلدی کرنے کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگ برابر خیر میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے“
 تشریح: یہ حدیث ایک جزئیہ ہے، اس سے قاعدہ کلیہ یہ نکلے گا کہ احکام شرعیہ پر کما حقہ عمل کرنا ضروری ہے، اور جب تک لوگ افراط و تفریط میں مبتلا نہیں ہونگے، بلکہ صحیح دین پر عمل کرتے رہیں گے، بھلائی پر رہیں گے۔ اور احکام شرعیہ میں نہ حقیقت کی بیشی کرنے کی اجازت ہے نہ صورت، ظہر کی تین یا پانچ رکعت پڑھنا حقیقتاً افراط و تفریط ہے اور روزہ میں اضافہ صرف صورت افراط ہے، اس کی بھی اجازت نہیں، کیونکہ جو شخص بظاہر افراط و تفریط کرتا ہے وہ حقیقی افراط و تفریط سے بھی باز نہیں آتا۔

حدیث (۲): حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”مجھے میرے بندوں میں وہ بندے زیادہ پسند ہیں جو افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں“

حدیث (۳): ابو عطیہ کہتے ہیں: میں اور مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گئے (یہ دونوں حضرات کوفہ سے آئے تھے) ہم نے کہا: اے ام المؤمنین! (کوفہ میں) نبی ﷺ کے اصحاب میں سے دو شخص ہیں ان میں سے ایک افطار میں جلدی کرتے ہیں اور نماز (مغرب) جلدی پڑھتے ہیں اور دوسرے صحابی افطار میں بھی تاخیر کرتے ہیں اور نماز میں بھی تاخیر کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: جو صاحب افطار اور نماز میں جلدی کرتے ہیں وہ کون ہیں؟ ہم نے بتایا: وہ ابن مسعود ہیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا، اور دوسرے صاحب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔

تشریح: ابوموسیٰ اشعری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں مقتدی تھے، ابوموسیٰ کوفہ کے گورنر تھے اور قاعدہ ہے: الناس علیٰ دین ملوکھم اور ابن مسعود کوفہ کے معلم، قاضی اور بیت المال کے ذمہ دار تھے، یعنی وہ بھی گورنر سے کم نہیں تھے، کوفہ کے تمام اہل علم کے استاذ تھے، اور طالب علموں پر استاذ کے اثرات پڑتے ہیں اس لئے ان حضرات نے دونوں کے عمل کے بارے میں دریافت کیا۔ اور ان دونوں بزرگوں کا عمل مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کے مزاج میں ”احتیاط“ تھی اور ابن مسعودؓ کے مزاج میں ”کھرا پن“ تھا، جیسے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی (شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور و والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب) کے یہاں رمضان میں مہمان ہوئے۔ مولانا یحییٰ صاحب نے پوچھا: حضرت! افطار میں کیا معمول ہے؟ حضرت تھانویؒ نے فرمایا: جب گھڑی سے افطار کا وقت ہو جاتا ہے تو تین منٹ شرح صدر کا

انتظار کرتا ہوں، پھر افطار کرتا ہوں۔ مولانا یحییٰ صاحب نے فرمایا: ”میرا معمول یہ ہے کہ افطار کا وقت ہوتے ہی بلا تاخیر افطار کر لیتا ہوں“ حضرت تھانوی نے کہا: ”آپ اپنے وقت پر افطار کریں، میں شرح صدر کے بعد کروں گا“ جب افطار کا وقت ہوا فوراً مولانا یحییٰ صاحب نے ہاتھ بڑھایا، سب احباب نے بھی شروع کر دیا، حضرت تھانوی آدھا منٹ دیکھتے رہے، پھر انھوں نے بھی شروع کر دیا اور فرمایا: ”میرے شرح صدر ہونے تک تو دسترخوان پر کچھ بھی نہیں بچے گا!“ — تراویح کے بعد مولانا یحییٰ صاحب نے دریافت کیا: حضرت! سحری کا کیا معمول ہے؟ مولانا تھانوی نے فرمایا: وقت ختم ہونے سے آدھ گھنٹہ پہلے فارغ ہو جاتا ہوں۔ مولانا یحییٰ صاحب نے فرمایا: میرا معمول ایسے وقت فارغ ہونے کا ہے کہ آدھے دن تک دغدغہ رہتا ہے کہ روزہ ہوا یا نہیں (یہ مبالغہ ہے) حضرت تھانوی نے فرمایا: اختلاف ٹھیک نہیں، بل کرایک بات طے کریں، چنانچہ طے پایا کہ وقت ختم ہونے سے دس منٹ پہلے فارغ ہو جائیں گے۔ — یہ واقعہ مزاجوں کے اختلاف کو سمجھنے میں مدد دے گا۔

[۱۲] باب ماجاء فی تعجیل الإفطار

[۶۹۲] - حدثنا بُنْدَارٌ، نا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُهَلَّبٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، ح: وَأَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ قِرَاءَةً عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ"

وفی الباب: عن أبي هريرة، وابن عباس، وعائشة، وأنس بن مالك.

قال أبو عيسى: حديث سهل بن سعد حديث حسن صحيح، وهو الذي اختاره أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم استحبوا تعجيل الفطر، وبه يقول الشافعي وأحمد وإسحاق.

[۶۹۳] - حدثنا إسحاق بن موسى الأنصاري، نا الوليد بن مسلم، عن الأوزاعي، عن فقرة، عن الزهري، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله عز وجل: "أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعَجَلُهُمْ فِطْرًا"

حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، نا أبو عاصم، وأبو المهيبة، عن الأوزاعي نحوه.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب.

[۶۹۴] - حدثنا هناد، نا أبو معاوية، عن الأعمش، عن عمارة بن عمرو، عن أبي عطية، قال: دخلت

أنا ومسروق على عائشة، قلنا: يا أم المؤمنين! رجلان من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، أحدهما يعجل الفطر ويعجل الصلاة، والآخر يؤخر الإفطار ويؤخر الصلاة، قالت: أيهما يعجل الإفطار ويعجل الصلاة؟ قلنا: عبد الله بن مسعود، قالت: هكذا صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وسلم، والآخر أبو موسى.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. وأبو عطية: اسمه مالك بن أبي عامر الهمداني. ويقال: مالك بن عامر الهمداني، وهو أصح.

باب ماجاء في تأخير السحور

دیر سے سحری کھانے کا بیان

سحور: (سین کے زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں: سحری کا کھانا۔ اور سُحُور (بالضم) کے معنی ہیں: سحری کھانا۔ حدیث: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (ایک سفر میں) ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم (فجر کی) نماز کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: سحری کھانے اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ انھوں نے فرمایا: پچاس آیتیں پڑھنے کے بعد۔ تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صبح صادق کے قریب سحری کرتے تھے، اور یہی مستحب ہے، پچاس آیتیں پڑھنا پورا ہوتی ہیں، سحری سے فارغ ہو کر جب صبح ہوگی تو اذان ہوگی، اور سنتیں پڑھیں گے، پھر نماز شروع ہو جائے گی۔

[۱۴] باب ماجاء في تأخير السحور

[۶۹۵-] حدثنا يحيى بن موسى، نا أبو داود الطيالسي، نا هشام الدستوائي، عن قنادة، عن انس، عن زید بن ثابت قال: تسَحَّرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قمنا إلى الصلاة قال: قلت: كم كان قنر ذاك؟ قال: قنر خمسين آية. حدثنا هناد، نا وكيع، عن هشام بنحوه إلا أنه قال: قنر قراء خمسين آية. وفي الباب: عن حذيفة. قال أبو عيسى: حديث زید بن ثابت حديث حسن صحيح، وبه يقول الشافعي وأحمد وإسحاق: استحبوا تأخير السحور.

نوٹ: ہنادی روایت میں لفظ قراء کی زیادتی ہے اور مسئلہ باب اجماعی ہے۔

باب ماجاء في بيان الفجر

من الفجر سے کونسی فجر مراد ہے؟

سورة البقرة آیت ۱۸۷ میں ہے: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ

مِنَ الْفَجْرِ یعنی کھاؤ پو یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کی سفید دھاری سیاہ داری سے جدا ہو جائے۔ اس آیت سے اگرچہ بات واضح ہوگئی مگر اتنی واضح نہیں ہوئی کہ سب لوگ از خود سمجھ جائیں، چنانچہ بخاری (حدیث ۲۵۰۹) میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے بٹیکے کے نیچے دودھا گئے: ایک کالا اور ایک سفید رکھ لیا، جب انھوں نے یہ بات نبی ﷺ کو بتلائی تو آپؐ نے فرمایا: تمہارا تکیہ بڑا چوڑا ہے اور ان کو آیت کا مطلب سمجھایا، معلوم ہوا کہ صبح کا بیان اتنا واضح نہیں کہ ہر کوئی اس کو سمجھ لے، غلط فہمی ہو سکتی تھی اس لئے حدیثوں میں اس مسئلہ کو واضح کیا گیا۔ جب حدیث کو آیت کے ساتھ ملائیں گے تو بات بے غبار ہو جائے گی اور کوئی اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔

اور حدیث کا حاصل یہ ہے کہ من الفجر سے صبح صادق مراد ہے، صبح کا ذب مراد نہیں — صبح صادق سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے مشرقی افق پر ایک روشنی نمودار ہوتی ہے مگر افق سیاہ ہوتا ہے، یہ روشنی الساطع المصعذ ہے، ساطع کے معنی ہیں: لمبی ہونے والی، اور المصعذ کے معنی ہیں: چڑھنے والا۔ یعنی وہ روشنی جو افق سے اوپر دارز ہوتی ہے، اس کا نام صبح کا ذب ہے، اس میں دودھاریاں نہیں ہوتیں، پھر یہ روشنی آہستہ آہستہ مائع پڑ جاتی ہے اور بالکل ختم ہو جاتی ہے پھر تقریباً دس منٹ کے بعد مشرقی افق پر ایک لال دھاری چوڑائی میں نمودار ہوتی ہے جو بتدریج اوپر کی طرف بڑھتی ہے۔ یہ لال دھاری سفید تا گا ہے، اور اس سے اوپر جو تاریکی ہے وہ کالا تا گا ہے، یہ صبح صادق ہے۔ آیت میں یہی مراد ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب صبح کا سفید تا گارات کے کالے تا گے سے الگ محسوس ہونے لگے یعنی یقینی طور پر صبح ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دو۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ اور پو اور نہ برا ہیختہ کرے تمہیں چمکنے والی چڑھنے والی صبح (یعنی وہ روشنی جو افق سے اوپر ہوتی ہے) یہاں تک کہ ظاہر ہو تمہارے لئے سرخ لکیر۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صبح کا ذب رات کا حصہ ہے اس وقت کھانا پینا جائز ہے۔ البتہ صبح صادق کے بعد اکل و شرب منع ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے بلالؓ کی اذان اور نہ لمبی فجر، مگر وہ فجر جو افق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے“

تشریح: اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ صبح کا ذب کے بعد کھانا پینا جائز ہے اور صبح صادق پر کھانا پینا بند کر دینا ضروری ہے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے فجر کی اذان دیا کرتے تھے اور ابن ام کثوم سحری کے وقت اذان دیتے تھے، بعد میں ڈیوٹیاں بدل گئی تھیں، آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اس کی اطلاع دی ہے کہ آئندہ حضرت بلالؓ سحری کے وقت اذان دیا کریں گے، پس ان کی اذان سن کر کھانا پینا بند نہ کرو۔ تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۳۶ میں گذر چکی ہے۔ (دیکھیں تحفہ: ۵۲۱)

[۱۵] باب ماجاء فى بيان الفجر

[۶۹۶-] حدثنا هناد، نا ملازم بن عمرو، قال حدثنى عبد الله بن النعمان، عن قيس بن علفى بن علفى، قال حدثنى أبى علفى بن علفى، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا يَهْدِكُمُ السَّاطِعُ الْمُضْعِدُ، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَخْرُجَ لَكُمُ الْأَخْمَرُ"

وفى الباب: عن عدى بن حاتم، وأبى ذر، وسمرة. قال أبو عيسى: حديث علفى بن علفى حديث حسن غريب من هذا الوجه.

وَالْقَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَا يَخْرُجُ عَلَى الصَّائِمِ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ حَتَّى يَكُونَ الْفَجْرُ الْأَخْمَرُ الْمُخْرَجُ، وَهَذَا يَقُولُ عَامَّةُ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[۶۹۷-] حدثنا هناد، ويوسف بن عيسى، قال: نا ربيع، عن أبى هلال، عن سودة بن حنظلة، عن سمرة بن جندب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لَا يَمْنَعُكُمُ مِنْ سُحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ، وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ، وَلَكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيلَ فِي الْأَلْفَى"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے: روزہ دار پر کھانا پینا حرام نہیں ہوتا جب تک سرخ فجر جو چوڑائی میں ظاہر ہوتی ہے نمودار نہ ہو۔ اور اکثر علماء یہی بات کہتے ہیں (یعنی یہ مسئلہ جماعی ہے)

لغت: هَادَةُ يَهْدُهُ هَيْدًا: تَجَرَّاهُ فِي شَيْءٍ، اِبْرَاهِيمُ كَرَّمَ

باب ماجاء فى التشديد فى الغيبة للصائم

روزہ دار کے لئے غیبت کرنے کی سخت ممانعت ہے

کسی نے سب سے پہلے اس حدیث پر غیبت کا باب باندھا ہے، بعد میں محدثین اس پر بھی باب باندھا، لگے، ورنہ حدیث غیبت کے ساتھ خاص نہیں۔ حدیث میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے، غیبت اس کے تحت آتی ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص (روزے میں) جھوٹ اور دھوکا دے نہ چھوڑے: اِنَّ اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں"

تشریح: جس کلام کی نسبت کلامیہ نسبت واقعہ کے مطابق نہ ہو وہ کذب (جھوٹا کلام) ہے اور جھوٹی بات کو قسم یا کسی اور مؤکد کے ذریعہ بدل کرنا "زور" ہے۔ زورُ الشیء کے معنی ہیں: مزین کرنا، پس قول زور کے معنی ہیں:

جھوٹی بات کو مدلل اور مزین کر کے پیش کرنا۔ بالفاظ دیگر: اگر بات سو فیصد یا اس سے کم جھوٹ ہو تو وہ کذب ہے اور سو فیصد سے زیادہ جھوٹی ہو تو وہ قول زور ہے۔ اور عمل بالزور کے معنی ہیں: دھوکا دینا، مثلاً گاہک کو پھنسانے کے لئے دوسرا شخص زیادہ قیمت پر خریدنے کی بات کرے تو یہ عمل بالزور ہے۔

اور غیبت کے معنی ہیں: نوصف الرجل فی غیبتہ بمعایبکثرة إذا سبغہ: کسی آدمی کے متعلق اس کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو ناراض ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر وہ بات واقعی ہو؟ آپ نے فرمایا: جیسی غیبت ہے ورنہ بہتان ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۸۲۸) غرض غیبت سچی بات ہوتی ہے وہ قول زور کے تحت نہیں آتی، مگر چونکہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کو تکلیف پہنچتی ہے اور قول زور اور عمل بالزور کا نتیجہ بھی یہی ہے اس لئے محدثین نے حدیث کو عام کیا ہے اور غیبت کو قول زور اور عمل بالزور کے دائرہ میں لیا ہے۔ بالفاظ دیگر: قول زور اور عمل بالزور حرام ہیں اور غیبت بھی حرام ہے اس لئے وہ بھی قول زور کے حکم میں ہے۔

قولہ: فلیس لہ حاجة کے تحت دو باتیں سمجھ لی جائیں:

پہلی بات: روزہ: کھانا پینا اور صحبت چھوڑنے کا نام ہے اور یہ تینوں کام مباح ہیں، پس جب روزہ دار اللہ کی خوشنودی کے لئے مباح چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کو ممنوعات شرعیہ سے بدرجہ اولیٰ احتراز کرنا چاہئے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ یعنی جو ممنوعات شرعیہ کو ترک کرتا ہے وہی حقیقی مہاجر ہے، صرف وطن چھوڑ کر مدینہ آ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا، اسی طرح جو روزے میں ممنوعات شرعیہ سے بچتا ہے وہی حقیقی روزہ دار ہے۔ دوسری بات: فلیس لہ حاجة: اباحت کی تعبیر نہیں ہے یعنی جس کو جھوٹ بولنا ہے یا دھوکا دینا ہے وہ روزہ نہ رکھے: یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ وعید ہے، جیسے کتاب الحج میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص گنجائش کے باوجود حج نہ کرے: اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی یا عیسائی ہو کر مرے! یہ یہودی یا عیسائی ہونے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ وعید ہے کہ جب اُسے احکام شرعیہ کا پاس نہیں تو اس کے مسلمان ہونے کا کیا حاصل ہے؟ ایسے ہی یہ بھی وعید ہے۔

[۱۶] باب ماجاء فی التشدید فی الغیبة للصائم

[۶۹۸-] حدثنا ابو موسیٰ محمد بن المثنی، نا عَفْمَانُ بْنُ عَمْرٍ، اَنَا ابْنُ اَبِي ذَنْبٍ، عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ بِأَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ"

ولہی الباب: عن انس، قال ابو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح.

وضاحت: سند میں عثمان بن عمر کے بعد عبارت اس طرح تھی کہ گویا تحویل ہے اور علامت تحویل لکھنے سے رو مٹی

ہے۔ معارف السنن میں بھی اسی طرح ہے، مگر مصری نسخہ میں آنا ہے جو اخیر نا کا مخفف ہے یعنی سند مسلسل ہے تحویل نہیں ہے، اور یہی بات صحیح ہے، ابن ابی ذئب: امام ترمذی کے استاذ نہیں ہیں، اس لئے میں نے مصری نسخہ کے مطابق عبارت کر دی ہے۔

باب ماجاء فی فضل السحور

سحری کھانے کا ثواب

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”سحری کھایا کرو، بیشک سحری کے کھانے میں یا سحری کھانے میں برکت ہے“
 تشریح: سحری میں پیٹ بھر کر کھانا ضروری نہیں، مسند احمد میں روایت ہے: جس نے ایک لقمہ کھایا اس نے سحری کھائی، اور سنن سعید بن منصور میں روایت ہے: جس نے ایک گھونٹ پیا اس نے سحری کھائی، اور اس باب میں دوسری حدیث یہ ہے کہ: ”ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق: سحری کا ایک لقمہ ہے“
 اور سحری کھانے میں برکت یہ ہے کہ دل نہیں دھڑکتا، جس نے کسی وجہ سے سحری نہیں کھائی اس کا دل دوپہر تک دھڑکتا رہتا ہے، اور ذوال کے بعد سے مسلسل افطار کا انتظار رہتا ہے۔ نیز کھانا پینا روزے میں مددگار ہوتا ہے اور سحری کھانے سے سلم اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان امتیاز ہوتا ہے۔ ابوداؤد (۳: ۷۱۱) باب کیف الاذان میں حدیث ہے کہ اہل کتاب کے یہاں رات میں سونے کے بعد اگلے روزہ شروع ہو جاتا ہے، اسلام میں بھی شروع میں یہی حکم تھا، بعد میں سورۃ بقرہ آیت ۱۸۷ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ پس سحری کھانا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان امتیاز ہے، نیز اس میں سنت کی اتباع و نشاط میں زیادتی، اور وقت استجابہ میں دعا کا موقع ملنا اور دیگر بہت سے فوائد ہیں۔

[۱۷] باب ماجاء فی فضل السحور

[۶۹۹-] حدثنا قتيبة، نا أبو عوانة، عن قتادة، وعبد العزيز بن صهيب، عن أنس بن مالك، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً“

وفی الباب: عن أبي هريرة، وعبد الله بن مسعود، وجابر بن عبد الله، وابن عباس، وعمر بن العاص، والجرماني بن سارية، وعثبة بن عبد، وأبي الرزاء. قال أبو عيسى: حديث أنس حديث حسن صحيح.

[۷۰۰-] ورؤي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ”فَضْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْثَلُ السَّحْرِ“ حدثنا بذلك قتيبة، نا الليث، عن موسى بن عُمَرَ، عن أبيه، عن أبي قيس مَوْلَى عُمَرَ بن العاص، عَنْ عُمَرَ بن العاص، عن النبي صلى الله عليه وسلم بذلك. وهذا

حدیث حسن صحیح.

واهل مِصْرَ يَقُولُونَ: موسى بن علي، واهل العراق يقولون: موسى بن علي بن رباح اللخمي.

وضاحت: اہمکلہ (فتح الہزۃ) کے معنی ہیں: ایک لقمہ کھانا اور اہمکلہ (بالضم) کے معنی ہیں: ایک لقمہ۔
موسی کے والد کا نام اہل مصر علی (مکبر) لیتے ہیں، اور اہل عراق علی (معطر) لیتے ہیں (تہذیب) اور آگے موسیٰ کا یہ قول آرہا ہے کہ جو میرے والد کا نام بگاڑے گا یعنی مکبر کے بجائے معطر نام لے گا میں اُسے معاف نہیں کروں گا۔
لیکن چونکہ ان کی پہچان تغیر سے ہوگئی تھی اس لئے تغیر استعمال کرنا مجبوری تھی۔

باب ماجاء فی تکرارِ اہیۃ الصوم فی السفر

سفر میں روزہ رکھنے کی ناپسندیدگی

مذاہب فقہاء: تمام علماء متفق ہیں کہ سفر میں رمضان میں روزے نہ رکھنا جائز ہے، لیکن سفر میں رمضان کے روزے رکھنا اولیٰ ہے یا نہ رکھنا؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سفر میں روزے نہ رکھنا اولیٰ ہے اور باقی تینوں فقہاء کے نزدیک اگر روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا اولیٰ ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد روایات اور تطبیق کا اختلاف ہے۔

حدیث: آنحضور ﷺ فتح مکہ کے لئے دس رمضان کو مدینہ منورہ سے نکلے تھے اور آپ اور صحابہ روزہ رکھ کر سفر کر رہے تھے، شجاع الغمیم جو مکہ کے قریب ایک موضع ہے جب وہاں لشکر پہنچا تو سرداروں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ روزے رکھتے ہیں اور آپ کی پیروی میں فوج روزہ رکھتی ہے، اور اب مکہ قریب آگیا ہے، کسی بھی وقت جنگ ہو سکتی ہے، اب مصلحت یہ ہے کہ فوج روزے بند کر دے، کھائے پیے تاکہ کچھ طاقت آئے۔ نبی ﷺ نے عصر کے بعد پانی منگوایا اور سب کے سامنے نوش فرمایا، یا تو روزہ توڑ دیا یا ممکن ہے آپ نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ ہو، اور پانی پی کر روزہ دار نہ ہونا ظاہر کیا ہو، دونوں احتمال ہیں۔ اس کے بعد صحابہ نے عام طور پر روزے بند کر دیئے مگر بعض نے پھر بھی روزہ رکھا۔ جب یہ بات آپ کے علم میں آئی تو آپ نے فرمایا: ”وہی لوگ نافرمان ہیں“ یہ کلمات سخت ڈانٹ تھے، چنانچہ سب نے روزے بند کر دیئے۔

اس حدیث سے آنحضور ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں باتیں ثابت ہیں۔ جمہور نے ابتدائی حالت کا اعتبار کیا، اور فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے آخری حالت کا اعتبار کیا اور سفر میں روزہ نہ رکھنے کو اولیٰ قرار دیا۔

مگر امام احمد کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ جنگ درپیش تھی اس لئے روزے بند کئے گئے تھے، ورنہ

آپ اور صحابہ روزے رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے (مجمع الزوائد ۳: ۱۸۵، بخاری حدیث ۱۹۳۵ اور ۱۹۳۷)

امام احمد کی دوسری دلیل متفق علیہ حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں“ مگر اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد ایک خاص واقعہ میں فرمایا تھا، ایک سفر میں کچھ لوگوں نے روزے رکھے اور وہ اتنے غرہ حال ہو گئے کہ اپنے جانوروں کا گھاس چارہ بھی نہ کر سکے اس موقع پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا (تفصیل طحاوی ۲۸۱: ۱ باب الصیام فی السفر میں ہے، متفق علیہ مشکوٰۃ حدیث ۲۰۲۲)

غرض اس حدیث کا مکمل وہ صورت ہے جبکہ روزہ رکھنے سے ناقابل برواشت مشقت لاحق ہو، اور حدیث کی یہ تاویل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے اور صحابہ نے سفر میں روزے رکھے ہیں اگر یہ تاویل نہیں کریں گے تو آپ کے اور صحابہ کے عمل کو غیر افضل قرار دینا ہوگا، اور اس کی جرأت کون کر سکتا ہے؟

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دونوں ارشاد اس شخص کے بارے میں ہیں جس کا دل شریعت کی دی ہوئی رخصت (سہولت) پر مطمئن نہ ہو۔ اس کے لئے سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں اور وہ نافرمان ہے، رہا وہ شخص جو رخصت کو قبول کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن ہے اور وہ طاقت ور ہے، پس اس کے لئے روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔

اور جمہور کی دلیل آئندہ باب کی حدیث ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے، بعض لوگ روزہ رکھتے تھے اور بعض نہیں رکھتے تھے، اور روزہ رکھنے والے روزہ نہ رکھنے والوں پر، اور نہ رکھنے والے رکھنے والوں پر غصہ نہیں ہوتے تھے۔ اور صحابہ یہ سمجھتے تھے کہ جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اور جس میں طاقت نہیں اس کے لئے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسئلہ باب میں فیصلہ کن ہے۔

اب دوسرے سمجھ لینے چاہئیں:

پہلا مسئلہ: چاروں ائمہ متفق ہیں کہ جب تک سفر شروع نہیں کیا افطار کی رخصت حاصل نہیں، مثلاً: ایک آدمی کو دس بجے سفر شروع کرنا ہے پس وہ صبح سے روزہ نہ رکھے یہ جائز نہیں۔ اور سفر شروع کرنے کے بعد روزہ توڑنے کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک توڑنا جائز ہے، اور ائمہ خلاصہ کے نزدیک جائز نہیں، لیکن اگر کوئی توڑ دے تو بالاتفاق صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ سفر شروع ہو جانے کے بعد رخصت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے شبہ پیدا ہوا پس کفارہ واجب نہیں۔

دوسرا مسئلہ: رمضان کا جو روزہ دوران سفر رکھا گیا ہو اس کو توڑ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں اور احناف عدم جواز کے، لیکن توڑ دینے کی صورت میں بالاتفاق صرف قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے دوران سفر رکھا ہوا روزہ توڑ دیا تھا۔ پس

جواز ثابت ہوا، اور احناف نے اس حدیث کے تین جواب دیئے ہیں۔

۱- نبی ﷺ کا اس دن روزہ تھا اس کی کوئی دلیل نہیں، ممکن ہے آپ نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ ہو، اور پانی پی کر روزہ نہ ہونا ظاہر کیا ہو۔

۲- فوج کے احکام الگ ہیں، وہ دوران سفر رکھا ہو اور وہ بھی توڑ سکتے ہیں (عالمگیری ۱: ۲۰۸ الباب الخامس فی الاعتذار الخ)

۳- نبی ﷺ تشریع کے لئے بھی مکروہ تنزیہی کام بھی کرتے تھے۔ اور وہ آپ کے حق میں مکروہ نہیں ہوتا تھا، پس احتمال ہے کہ آپ کا روزہ توڑنا تشریع کے لئے ہو۔

[۱۸] باب ما جاء فی کراهیة الصوم فی السفر

[۷۰۱-] حدثنا قتيبة، ثنا عبد العزيز بن محمد، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جابر بن عبد الله، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى مكة عام الفتح، فصام حتى بلغ كراع الغميم، وصام الناس معه، فقيل له: إن الناس قد شق عليهم الصيام، وإن الناس ينظرون فيما فعلت، قد دعا بقدر من ماء بعد العصر، فشرب والناس ينظرون إليه، فأفطر بعضهم وصام بعضهم، فبلغه أن ناساً صاموا، فقال: "أولئك العصاة"

وفى الباب: عن كعب بن عاصم، وابن عباس، وأبي هريرة، قال أبو عيسى: حديث جابر حديث حسن صحيح.

[۷۰۲-] وَقَدْ رَوَى عن النبي صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّيَامُ فِي السَّفَرِ" واختلف أهل العلم في الصوم في السفر، فرأى بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم أن الإفطر في السفر أفضل، حتى رأى بعضهم عليه الإعادة إذا صام في السفر، واختار أحمد وإسحاق الإفطر في السفر.

وَقَالَ بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: إنَّ وَجَدَ قُوَّةَ فَصَامَ فَحَسَنَ، وَهُوَ أَفْضَلُ، وَإِنْ أَفْطَرَ فَحَسَنَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ.

وَقَالَ الشافعي: إِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّيَامُ فِي السَّفَرِ" وَقَوْلُهُ جِئْتُ بَلَّغُهُ أَنْ نَاسًا صَامُوا، فَقَالَ: "أُولَئِكَ الْعَصَاةُ" فَوَجَّهَ هَذَا إِذَا لَمْ يَحْتَمِلْ قَلْبُهُ قَبُولَ رُخْصَةِ اللَّهِ تَعَالَى، فَأَمَّا مَنْ رَأَى الْفِطْرَ مُبَاحًا وَصَامَ وَقَوَّى عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ أَعْجَبُ إِلَيَّ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ کی طرف نکلے تو آپؐ نے روزہ رکھا، یہاں تک کہ آپؐ کراغ المیم تک پہنچے، اور آپؐ کے ساتھ لوگوں نے روزہ رکھا، پس آپؐ سے کہا گیا: بیشک لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو گیا ہے اور لوگ آپؐ کا عمل دیکھتے ہیں۔ یعنی آپؐ کی اتباع میں روزے رکھتے ہیں، پس آپؐ نے عمر کے بعد پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور نوش فرمایا، دراصل ایک لوگ آپؐ کو دیکھ رہے تھے۔ پس (اگلے دن) بعض لوگوں نے روزہ نہیں رکھا اور بعض نے روزہ رکھا۔ پس آپؐ کو یہ بات پہنچی کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہے تو آپؐ نے فرمایا: ”وہی لوگ نافرمان ہیں“ (حدیث ۷۰۲) اور نبی ﷺ سے روایت کیا گیا کہ آپؐ نے فرمایا: ”سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں (یہ حدیث متفق علیہ ہے امام ترمذی نے اس کی سند پیش نہیں کی)

اور علماء کا سفر میں روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، صحابہ اور بعد کے بعض علماء کہتے ہیں: سفر میں روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے، یہاں تک کہ بعض علماء (اہل ظاہر) کہتے ہیں کہ اس پر اس روزہ کی قضا ہے جو سفر میں رکھا گیا ہے۔ اور احمد اور اسحاق نے سفر میں روزہ نہ رکھنے کو پسند کیا ہے، یعنی وہ اعادہ کے قائل نہیں، اور صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء کہتے ہیں: اگر طاقت ہو اور اس نے روزہ رکھا تو اچھا ہے اور یہ افضل ہے، اور اگر روزہ نہ رکھا تو بھی اچھا ہے اور یہ ثوری مالک اور ابن المبارک کا قول ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: ليس من البر الصيام في السفر اور آپؐ کا ارشاد جب آپؐ کو یہ بات پہنچی کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھا ہے تو آپؐ نے فرمایا: أُولَئِكَ الْعَصَاةُ ان دونوں حدیثوں کا مصداق وہ صورت ہے جب آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولت قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو، رہا وہ شخص جو سفر میں افطار کو جائز سمجھتا ہو اور اس نے روزہ رکھا اور اسے روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہے تو یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ

سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے

یہ گزشتہ باب کا مقابل باب ہے اور اس باب میں تین حدیثیں ہیں:

حدیث (۱): حمزة بن عمرو اسلمیؓ نے نبی ﷺ سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا، وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر آپؐ چاہیں تو روزہ رکھیں اور اگر چاہیں تو نہ رکھیں“ تشریح: حمزة بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ صائم الدہر تھے پس ممکن ہے انھوں نے نفل روزوں کے بارے میں پوچھا ہو اس لئے یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کے مقابل پیش نہیں کی جاسکتی۔

حدیث (۲): ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں سفر

کرتے تھے، پس روزہ داروں پر روزہ رکھنے کی وجہ سے اور روزہ نہ رکھنے والوں پر روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے خردہ گیری نہیں کی جاتی تھی (یعنی ہر فریق کے عمل کو صحیح تصور کیا جاتا تھا)

حدیث (۳): ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے، پس ہم میں سے بعض روزہ رکھتے تھے اور بعض روزہ نہیں رکھتے تھے۔ پس نہ مفسر: صائم پر غصہ ہوتا تھا اور نہ صائم: مفسر پر (وَجَدَ کے صلہ میں جب علی آتا ہے تو غصہ کرنے کے معنی ہوتے ہیں) اور صحابہ کہتے تھے کہ جو روزہ کی طاقت رکھتا ہے اور وہ روزہ رکھے تو وہ اچھا کرتا ہے اور جو طاقت نہیں رکھتا اور وہ روزہ نہ رکھے تو وہ اچھا کرتا ہے۔

تشریح: مذکورہ دونوں حدیثیں اہل ظاہر (جو سفر میں روزہ کے عدم جواز کے قائل ہیں) کے خلاف حجت ہیں اور تیسری حدیث مسئلہ باب میں فیصلہ کن ہے کہ اگر سفر میں روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے، بصورت دیگر رکھنا اولیٰ ہے۔

[۱۹] باب ماجاء فی الرخصة فی الصوم فی السفر

[۷۰۳] - حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، نا عبدة بن سليمان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، أن حمزة بن عمرو الأسلمي سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصوم في السفر، وكان يسرد الصوم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ" وفي الباب: عن أنس بن مالك، وأبي سعيد، وعبد الله بن مسعود، وعبد الله بن عمرو، وأبي الدرداء، وحمزة بن عمرو الأسلمي.

قال أبو عيسى: حديث عائشة أن حمزة بن عمرو الأسلمي سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم: هذا حديث حسن صحيح.

[۷۰۴] - حدثنا نصر بن علي الجهضمي، نا بشر بن المفضل، عن سعيد بن يزيد أبي مسلمة، عن أبي نضرة، عن أبي سعيد، قال: كُنَّا نَسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، فَمَا يَغَابُ عَلَى الصَّائِمِ صَوْمُهُ، وَلَا عَلَى الْمُفْطِرِ فِطْرُهُ.

[۷۰۵] - حدثنا نصر بن علي، نا يزيد بن زريع، نا الجريدي، ح: نا سفيان بن وكيع، نا عبد الأعلى، عن الجريدي، عن أبي نضرة، عن أبي سعيد الخدري، قال: كُنَّا نَسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنَّا الصَّائِمُ، وَمِنَّا الْمُفْطِرُ، فَلَا يَجِدُ الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ، وَلَا الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَكَانُوا يَزُودُونَ أَنَّهُ مَنْ وَجَدَ قُوَّةَ فَصَامَ فَحَسَنَ، وَمَنْ وَجَدَ ضَعْفًا فَأَفْطَرَ فَحَسَنَ. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلْمُحَارِبِ فِي الْإِفْطَارِ

فوج کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

پہلے یہ مسئلہ منہا آیا ہے کہ مجاہدین کے لئے جنگ کے دوران یا جنگ قریب آنے کی صورت میں: رمضان کا رکھا ہوا روزہ بھی توڑ دینا جائز ہے، پس نہ رکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

حدیث: معمر بن ابی حنیفہ نے سعید بن المسیبؒ سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں دو غزوے کئے ہیں: غزوہ بدر اور فتح مکہ، پس ہم نے ان میں روزے نہیں رکھے تھے۔

تشریح: فتح مکہ کے سفر میں نبی ﷺ اور صحابہ نے کراغ انعم تک روزے رکھے تھے اور حضرت عمرؓ روزہ نہ رکھنے کی بات کہہ رہے ہیں، اس تعارض کے دو حل ہیں: (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد آخری حالت کے اعتبار سے ہے، یعنی جب جنگ قریب آگئی تو روزے بند کر دیئے گئے تھے (۲) گذشتہ حدیث اعلیٰ درجہ کی ہے اور یہ حدیث اس کے برابر نہیں، اس لئے کہ معمرؓ کچھ زیادہ اچھا راوی نہیں، کتب ستہ میں اس کی یہی ایک روایت ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں ابن ابیہ مشہور ضعیف راوی ہے، پس تعارض ختم ہو گیا، کیونکہ اصح مافی الباب کا اعتبار ہوتا ہے۔

[۲۰] بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلْمُحَارِبِ فِي الْإِفْطَارِ

[۷۰۶] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ مَرْثَدَةَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ مَعْمَرِ بْنِ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ؟ فَقَالَ: قَالَ: عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ غَزَوَاتَيْنِ: يَوْمَ بَدْرٍ وَالْفَتْحِ، فَأَفْطَرْنَا فِيهِمَا.

وفی الباب: عن ابی سعید، قال ابو عسی: حدیث عُمَرُو لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ. وَقَدْ رَوَى عَنْ ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أَنَّهُ أَمَرَ بِالْفِطْرِ فِي غَزْوَةِ غَزَاةَا، وَقَدْ رَوَى عَنْ عُمَرُو بْنِ الْخَطَّابِ نَحْوُ هَذَا: أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْإِفْطَارِ عِنْدَ لِقَاءِ الْعَدُوِّ، وَبِهِ يَقُولُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ترجمہ: ہم اس حدیث کو نہیں جانتے، مگر اس طریق سے (اور یہ سند ابن ابیہ کی وجہ سے ضعیف ہے) اور ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک غزوہ میں روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا (یہ حدیث مختصر ہے اور مسلم میں ہے) اور حضرت عمرؓ سے اس کے مانند مروی ہے کہ آپ نے جنگ کے وقت افطار کی اجازت دی اور بعض علماء اسی کے قائل ہیں۔

باب ماجاء فی الرخصة فی الإفطار للحنبلی والمرضع

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت

سورة البقرة آیت ۱۸۵ میں دو شخصوں کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت آئی ہے، ایک: مسافر کے لئے، دوم: مریض کے لئے۔ اور وہ عورت جو حمل سے ہو یا ایسے بچہ کو دودھ پلا رہی ہو جو ماں کے دودھ پر اکتفا کرتا ہے، باہر کی غذا نہیں لیتا، وہ مریض کے ساتھ لاحق ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اگر حاملہ اور مرضعہ کو روزہ رکھنے میں اپنی ذات پر خطرہ ہے تو وہ بالاجماع مریض کے حکم میں ہیں۔ وہ افطار کریں اور ان پر صرف قضا ہے۔ اور اگر ان کو اپنی ذات پر کوئی خطرہ نہ ہو، بلکہ حاملہ کو پیٹ کے بچہ پر خطرہ ہو یا مرضعہ کو بچہ پر خطرہ ہو کہ وہ بھوکا مرے گا تو وہ مریض کے ساتھ لاحق ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ احناف نے لاحق کیا ہے ان کے نزدیک ایسی حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ اور ان پر صرف قضا واجب ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے لاحق کیا بھی ہے اور نہیں بھی کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ایسی حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، مگر ان پر قضا اور روزوں کا فدیہ دونوں واجب ہو گئے۔ قضا کا فیصلہ مریض کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ سے ہے اور فدیہ کا فیصلہ لاحق نہ کرنے کی بناء پر ہے۔ اور امام اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک صرف فدیہ واجب ہے قضا واجب نہیں۔ یعنی وہ لاحق نہیں کرتے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حاملہ پر صرف قضا ہے اور مرضعہ پر قضا اور فدیہ دونوں ہیں۔ غرض ہر امام کی رائے الگ ہے۔

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ اس سلسلہ میں صرف ایک روایت ہے اور وہ روایت اگرچہ اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں مگر قابل استدلال ہے، حنفیہ نے اس روایت کی بناء پر حاملہ اور مرضعہ کو مریض کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ کا لشکر انس بن مالک کعمی کے قبیلہ پر حملہ کرنے کے لئے جا رہا تھا، جب حضرت انس کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے آگے بڑھ کر نبی ﷺ سے ملاقات کی تاکہ لشکر کو حملہ کرنے سے روکیں۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا، وہ سفر کر کے جس جگہ آپ کا پڑاؤ تھا وہاں پہنچے۔ اس وقت آپ صبح کا کھانا کھا رہے تھے، آپ نے ان کو کھانے پر بلایا۔ انھوں نے روزہ ہونے کا عذر کیا۔ آپ نے فرمایا: ”آؤ میں تمہیں روزے کا مسئلہ سمجھاتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزوں کو اور آدمی نماز کو معاف کر دیا ہے۔ اور حاملہ اور مرضعہ سے روزوں کو معاف کر دیا ہے“ حضرت انس فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے دونوں کا تذکرہ کیا یا ان میں سے ایک کا تذکرہ کیا یہ بات مجھے یاد نہیں رہی۔ غرض حضرت انس نے روزہ نہیں توڑا بعد میں وہ افسوس کرتے تھے کہ ہائے میری بد قسمتی! اس دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کیوں نہ کھایا! (اس حدیث میں نبی ﷺ نے حاملہ اور مرضعہ کو مریض کے ساتھ لاحق کیا ہے) فائدہ (۱): انس بن مالک نام کے دو صحابی ہیں، ایک: خادم رسول ﷺ حضرت ابو حمزہ، انس بن مالک نجاری

خزرجی انصاریؓ، آپ مشہور صحابی ہیں اور کثیر الروایہ ہیں۔ دوسرے: انس بن مالکؓ کعبی یہ واقعہ ان دوسرے انس بن مالک کا ہے اور ان کی صرف یہی ایک روایت ہے۔

فائدہ (۲): پہلے یہ مسئلہ گذرا ہے کہ رمضان کا جو روزہ سفر کے دوران رکھا جائے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو توڑنا جائز ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔ حضرت انسؓ نے سفر کے دوران روزہ رکھا تھا اور نبی ﷺ نے ان کو کھانے پر بلایا، معلوم ہوا کہ سفر میں رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز ہے۔ احناف اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تشریح کے وقت کی ترخیص ہے، چونکہ یہ مسئلہ ابھی تک حضرت انسؓ کے سامنے نہیں آیا وہ یہ بات کہ مسافر کے لئے افطار کی اجازت ہے نہیں جانتے تھے، اسی لئے وہ روزہ رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے، اس لئے ان کو رکھا ہوا روزہ توڑنے کی سہولت دی گئی۔ واللہ اعلم۔

[۲۱] باب ماجاء فی الرخصة فی الإفطار للجلی والمرضع

[۷۰۷-] حدثنا أبو كريب، ويوسف بن عيسى، قالوا: نا وكيع، نا أبو هلال، عن عبد الله بن سواذة، عن أنس بن مالك — رجل من بني عبد الله بن كعب — قال: أغارت علينا خيل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجدته يتغذى، فقال: "أذن فكل" فقلت: "إني صائم، فقال: "أذن أحذرك عن الصوم أو: الصيام: إن الله وضع عن المسافر شطر الصلاة والصوم، وعن الحامل أو: المرضع الصوم أو: الصيام" والله لقد قالهما النبي صلى الله عليه وسلم كليهما أو أحدهما، فإتلف نفسي أن لا أكون طعمت من طعام النبي صلى الله عليه وسلم.

وفى الباب: عن أبي أمية، قال أبو عيسى: حديث أنس بن مالك الكعبي حديث حسن، ولا نعرف لأنس بن مالك هذا عن النبي صلى الله عليه وسلم غير هذا الحديث الواحد.

والعمل على هذا عند بعض أهل العلم، وقال بعض أهل العلم: الحامل والمرضع يفطران، ويقضيان، ويطعمان، وبه يقول سفیان، ومالك، والشافعی، وأحمد، وقال بعضهم: يفطران ويقضيان ولا قضاء عليهما، وإن شاء قاضا ولا إطعام عليهما، وبه يقول إسحاق.

ترجمہ: انس بن مالک جو قبیلہ بنی عبد اللہ بن کعب کے ہیں کہتے ہیں: ہم پر رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے چڑھائی کی۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا، میں نے آپ کو صبح کا کھانا کھاتے ہوئے پایا (بعض نے بتلای کے معنی بحری کرنے کے کہتے ہیں جو غلط ہیں، کیونکہ اس وقت میں حضرت انس کا روزہ ہونے کا کوئی مطلب نہیں) آپ نے فرمایا: "قریب آؤ اور کھاؤ" میں نے کہا: میں روزہ سے ہوں، آپ نے فرمایا: "قریب آؤ میں تمہیں روزہ کا مسئلہ سمجھاتا ہوں (آپ

نے لفظ صوم بولا یا صیام اس میں راوی کو شک ہے (اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدمی نماز اور روزے معاف کر دیے ہیں (الصوم بین السطور لکھا ہوا ہے مگر وہ حدیث میں ہونا چاہئے۔ نسائی (۲۳۴:۱) ذکر وضع الصیام عن المسافر سے میں نے تصحیح کی ہے) اور حاملہ اور مرضہ سے روزے کو یا فرمایا: روزوں کو معاف کر دیا ہے (حضرت انس کہتے ہیں: خدا کی قسم: نبی ﷺ نے دونوں کا یعنی حاملہ اور مرضہ دونوں کا تذکرہ کیا یا ان میں سے ایک کا، ہائے میری بد قسمتی! میں نے نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کیوں نہ کھایا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انس بن مالک کعبیؓ کی یہ حدیث حسن ہے، اور ہم ان انس کی نبی ﷺ سے اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتے اور اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے، اس کے بعد امام ترمذی نے مذاہب بیان کئے ہیں، مگر اس میں تسامع ہے۔ فرماتے ہیں: بعض علماء کہتے ہیں: حاملہ اور مرضہ روزہ نہیں رکھیں گی، اور وہ دونوں قضا کریں گی اور روزوں کا فدیہ دیں گی، اور اسی کے قائل ہیں: سفیان، مالک، شافعی اور احمد۔ (امام مالکؒ کا یہ مذہب نہیں ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: وہ دونوں افطار کریں گی اور فدیہ دیں گی، اور ان پر قضا نہیں، اور اگر وہ دونوں قضا کرنا چاہیں تو ان پر فدیہ نہیں، اور اس کے اسحاق قائل ہیں (حضرت اسحاق کے نزدیک صرف فدیہ ہے قضا نہیں) فائدہ: نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے، ہم اپنی آنکھوں اور کانوں کی کیا اہمیت جانتے ہیں! مگر اندھے ہو جائیں یا بہرے ہو جائیں تو اندازہ ہو گا کہ یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔ اسی طرح جب نبی ﷺ حیات تھے تو آپ کے ساتھ کھانا کھانے کی اور تحرک کی اہمیت سمجھ میں نہیں آئی، مگر جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت انسؓ اس محرومی کو یاد کر کے افسوس کرتے ہیں۔

باب ماجاء فی الصوم عن المیت

میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا بیان

دارث میت کی طرف سے نیابت روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دارث صرف نذر کے روزے رکھ سکتا ہے، باقی تینوں فقہاء کے نزدیک دارث نہ نذر کے روزے رکھ سکتا ہے نہ غیر نذر کے۔ کیونکہ عبادات بدنہ میں نیابت جائز نہیں، تفصیل کتاب الزکاۃ باب ۳۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: میری بہن کا انتقال ہو گیا ہے (گذشتہ حدیث میں ماں کے انتقال کی بات تھی وہ حدیث الگ ہے) اور اس پر پے بہ پے دو مہینے کے روزے واجب ہیں (تو کیا میں نیابت وہ روزے رکھ سکتی ہوں؟) آپ نے فرمایا: تیرا کیا خیال ہے اگر حیری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتی؟ سائلہ نے کہا: ہاں ادا کرتی۔ آپ نے فرمایا: ”یس اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ لائق ہے کہ ادا کیا جائے، یعنی آپ نے نیابت

روزہ رکھنے کی اجازت دی۔

تشریح: اس حدیث میں کفارہ کے روزوں کا بیان ہے، کیونکہ پہلے دو مہینے کے روزے کفارہ ہی کے ہو سکتے ہیں، پس حدیث کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ وارث نیایہ کفارہ کے روزے رکھ سکتا ہے، اس کے بالمقابل اگلا باب آرہا ہے جس میں فدیہ کا مسئلہ ہے۔

[۲۲] باب ماجاء فی الصوم عن المیت

[۷۰۸-] حدثنا أبو سعید الأسدي، نا أبو خَالِدٍ الْأَخْمَرُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كَهْمَلٍ، وَمُسْلِمِ بْنِ الْبَطْنِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَعَطَاءٍ، وَمُجَاهِدٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنَّ أُخْتِي مَاتَتْ، وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَابَعَيْنِ؟ قَالَ: "أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ عَلَى أُخْتِكَ ذَنْبٌ أَكْتَبْتَ تَقْضِيَتَهُ؟" قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: "فَحَقُّ اللَّهِ أَحَقُّ"

وفی الباب: عن بُرَيْدَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعائِشَةَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ حَدِيثَ حَسَنٍ صَحِيحٌ. حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نا أبو خَالِدٍ الْأَخْمَرُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَقَدْ رَوَى غَيْرُ ابْنِ خَالِدٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ مِثْلَ رِوَايَةِ أَبِي خَالِدٍ.

قال أبو عيسى: وَرَوَى أَبُو مُعَاوِيَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الْبَطْنِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كَهْمَلٍ، وَلَا عَنْ عَطَاءٍ، وَلَا عَنْ مُجَاهِدٍ.

وضاحت: اس حدیث کو اعمش سے ابو خالد احمر اور ابو معاویہ روایت کرتے ہیں، اور ابو خالد احمر: اعمش کے اساتذہ میں سلمہ بن کہیل کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ اور سلمہ اور مسلم البطن کے بعد تین اساتذہ: سعید بن جبیر، عطاء اور مجاہد کا تذکرہ کرتے ہیں، اور ابو معاویہ سلمہ بن کہیل کا تذکرہ نہیں کرتے، نیز وہ صرف سعید بن جبیر کا تذکرہ کرتے ہیں، عطاء اور مجاہد کا تذکرہ نہیں کرتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ابو خالد احمر کے علاوہ اور روایت بھی اعمش سے ابو خالد کی طرح روایت کرتے ہیں، یعنی ان کے متابع ہیں، پس یہ روایت صحیح ہوگی۔

باب ماجاء فی الکفارة

روزوں کے فدیہ کا بیان

یہ مسئلہ کتاب الزکاة باب ۳۱ میں گذر چکا ہے کہ اگر میت پر نماز یا روزے باقی ہوں تو وارث نیایہ روزے نہیں

رکھ سکتا، نہ نمازیں پڑھ سکتا ہے، بلکہ وہ ہر روزہ کے بدلے میں اور ہر نماز کے بدلے میں نصف صاع گہوں کا نذیہ دے گا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کا انتقال ہو گیا در انحالیکہ اس پر پورے ماہ کے روزے ہیں تو وارث کو چاہئے کہ وہ میت کی طرف سے ہر دن کے روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے“
 تشریح: اس حدیث کے ایک راوی محمد ہیں، یہ محمد کون ہیں؟ امام ترمذی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ (یعنی ابن ابی لیلیٰ صغیر) ہیں اگر یہ خیال درست ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ مگر ابن ماجہ ص: ۱۲۶ میں صراحت ہے کہ وہ محمد بن سیرین ہیں، پس حدیث صحیح ہے، البتہ حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک اصح اس کا موقوف ہونا ہے۔

[۲۲] باب ماجاء فی الکفارة

[۷۰۹] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عُبَيْدُ بْنُ أَشْعَثَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ قَاتِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ شَهْرٍ فَلْيُطْعِمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا“
 قال أبو عيسى: حديث ابن عمر لا نعرفه مرفوعاً إلا من هذا الوجه، والصحيح عن ابن عمر موقوف قوله.

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هَذَا، لِقَالِ بَعْضِهِمْ: يُصَامُ عَنِ الْمَيِّتِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ، قَالَا: إِذَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ نَذْرٌ صِيَامٍ يُصَامُ عَنْهُ، وَإِذَا كَانَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ رَمَضَانَ أَطْعَمَ عَنْهُ. وَقَالَ مَالِكٌ وَمُسْلِمٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يُصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ.

وَأَشْعَثُ: هُوَ ابْنُ سُوَّارٍ، وَمُحَمَّدٌ: هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى.

ترجمہ: ہم اس حدیث کو مرفوع نہیں جانتے مگر اسی سند سے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر کی موقوف حدیث ہے یعنی ان کا قول ہے۔ اور علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: میت کی طرف سے روزہ رکھا جائے، امام احمد اور امام اسحاق اسی کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب میت پر نذر کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں، اور اگر اس کے ذمہ رمضان کے قضا روزے ہوں تو وارث ان کے بدلہ میں کھانا کھلائے، اور مالک، سفیان اور شافعی فرماتے ہیں: کوئی شخص دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔ اور اصحفت کے والد کا نام سوار ہے اور محمد سے مراد محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ (صغیر) ہیں۔

ترجمہ: ابوسعیدؓ کی حدیث کی سند محفوظ نہیں، اور عبد اللہ بن زید اور عبد العزیز بن محمد وغیرہ نے اس حدیث کو زید بن اسلم سے مرسل روایت کیا ہے وہ سند میں ابوسعیدؓ کا تذکرہ نہیں کرتے، اور عبد الرحمن بن زید حدیث میں ضعیف قرار دیئے گئے ہیں۔ میں نے ابوداؤد جستانی سے سنا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے عبد الرحمن بن زید کے بارے میں پوچھا گیا پس انھوں نے فرمایا: اس کے بھائی عبد اللہ میں کوئی خرابی نہیں (یعنی اشارۃً عبد الرحمن کی تضعیف کی) اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا: وہ علی بن عبد اللہ (ابن المدینی) کا قول ذکر کرتے تھے کہ عبد اللہ بن زید ثقہ ہے، اور عبد الرحمن بن زید ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں عبد الرحمن کی حدیثیں بیان نہیں کرتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا

بالقصد قی کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس کو قی پیش آئی اس کے ذمہ قضا نہیں (کیونکہ روزہ نہیں ٹوٹا) اور جس نے بالقصد قی کی: وہ روزہ قضا کرے (یعنی روزہ ٹوٹ گیا اور صرف قضا ہے کفارہ نہیں) تشریح: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث غریب ہے اس لئے کہ تنہا عیسیٰ بن یونس اس کے راوی ہیں مگر حاکم نیشاپوری نے اس کو علی شرط الثمین قرار دیا ہے اور دارقطنی نے اس کو قوی کہا ہے، مگر امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ نے اس کو غیر محفوظ کہا ہے، اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: عیسیٰ بن یونس نے فرمایا: اہل بصرہ کا گمان یہ ہے کہ ہشام بن حسان کو اس حدیث میں وہم ہوا ہے (نصب الراية: ۲/۳۳۹)

[۲۵] بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا

[۷۱۱-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا عَمْسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ ابْنِ سَبْرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ ذَرَعَهُ الْفَقَاءُ فَلْيَسْ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَمَنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ"

وفی الباب: عن أبي الشرداء، وثوبان، وفصالة بن عبيد.

قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن غريب، لا تعرفه من حديث هشام، عن ابن سبرين، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا من حديث عيسى بن يونس، وقال محمد: لأرأه محفوظا.

قال أبو عيسى: وقد روي هذا الحديث من غير وجه عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه

وسلم وَلَا یَصِحُّ بِإِسْنَادِهِ.

[۷۱۲-] وَرَوَى عَنْ أَبِي الْكَرْدَاءِ وَثُوبَانَ وَفَضَالََةَ بْنِ عُيَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَأَفْطَرَ. وَإِنَّمَا مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ صَائِمًا مُتَطَوِّعًا، فَقَاءَ لِقَضْفٍ فَأَفْطَرَ لِذَلِكَ، هَكَذَا رَوَى فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ مُفَسِّرًا. وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ الصَّائِمَ إِذَا ذَرَعَهُ الْفَقَاءُ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَإِذَا اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.

ترجمہ اور وضاحت: امام ترمذی کہتے ہیں: ابو ہریرہ کی حدیث کو ہم ہشام کی سند سے نہیں جانتے مگر عیسیٰ بن یونس کی سند سے (حالانکہ ہشام بن حسان سے یہ حدیث حفص بن عیاض بھی روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث ابن ماجہ ص ۱۲۰ میں ہے) اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس سند کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے متعدد سندوں سے مروی ہے (اس حدیث کو حفص بن عیاض نے عبد اللہ بن سعید بن ابی سعید المقمری، عن جده، عن ابی ہریرۃ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور ابو بکر بن عیاض بھی اس طریق سے روایت کرتے ہیں، اور عبد اللہ ضعیف راوی ہے، اور نسائی میں یہ حدیث اوزاعی کی سند سے موقوفہ مروی ہے، اور موطا میں ابن عمر سے موقوفہ مروی ہے) (نصب الراية: ۳۳۹) اور اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

(حدیث ۱۲۷) اور ابو الدرداء، ثوبان اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کوئی ہوئی پس آپؐ نے روزہ کھول دیا (ابو الدرداء اور حضرت ثوبان کی روایت کتاب الطہارۃ باب ۶۳ میں گزر چکی ہے اور فضالہ بن عبید کی حدیث ابن ماجہ ص ۱۲۰ میں ہے) اور یہ نبی ﷺ کا نفل روزہ تھا، تو ہونے کی وجہ سے آپؐ نے ضعف محسوس کیا تو روزہ کھول دیا۔ بعض روایات میں اس کی صراحت ہے۔

اور علماء کا ابو ہریرہ کی حدیث پر عمل ہے کہ روزہ وار کو جب قی قیض آئے تو اس پر قضا نہیں، اور جب وہ جان بوجہ کرتی کرے تو وہ روزہ قضا کرے اور اس کے شافعی، سفیان، احمد اور اسحاق قائل ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّائِمِ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ نَاسِيًا

بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

رمضان کا روزہ ہو یا غیر رمضان کا اگر صائم بھول کر کھاپی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس مسئلہ میں صرف امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں: بھول کر کھانے پینے سے نفل روزہ نہیں ٹوٹتا، رمضان کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر یہ فرق غیر معقول ہے، اس لئے کہ روزہ توڑنے والی اور نہ توڑنے والی چیزوں میں نفل و فرض کے درمیان کوئی

فرق نہیں، جیسے جن باتوں سے نماز ٹوٹی ہے یا نہیں ٹوٹی ان میں لعل و فرض میں کوئی فرق نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بھول کر کھایا یا پیا وہ روزہ نہ توڑے۔ اس لئے کہ وہ کھانا پینا ایک رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے کھلایا پلایا ہے۔

سوال: جو شخص بھول کر کھانی رہا ہو اُسے روزہ یاد دلانا چاہئے یا نہیں؟

جواب: اگر اندازہ ہو کہ صائم کو سخت روزہ لگا ہوا ہے تو تھوڑا کھانے پینے دے، اور اگر ایسی بات نہ ہو تو بتا دینا ضروری ہے، مگر جب روزہ لگتا ہے تو بھول نہیں ہوتی، چاہئے کہ باوجود آدمی روزہ نہیں بھولتا۔

[۶۱] باب ماجاء فی الصائم یا کمل ویشرب ناسیا

[۷۱۳] - حدثنا أبو سعيد الأشج، نا أبو خالد الأحمر، عن حجاج، عن قتادة، عن ابن سيرين، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا فَلَا يَفْطِرْ، فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقُ رَزَقَهُ اللَّهُ"

حدثنا أبو سعيد، نا أبو أسامة، عن عوف، عن ابن سيرين، وخلائس، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله أو: نحوه.

وفى الباب: عن أبي سعيد، وأم إسحاق الغنويّة. قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح.

والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم، وبه يقول سفيان الثوري والشافعي وأحمد وإسحاق. وقال مالك بن أنس: إذا أكل في رمضان ناسيًا فعليه القضاء، والقول الأول أصح.

باب ماجاء فی الإفطار متعمدا

جان بوجھ کر رمضان کا روزہ نہ رکھنے کا نقصان

جو شخص رمضان کا روزہ شرعی عذر کے بغیر نہ رکھے تو ایک روزہ کی قضا ایک ہی روزہ ہے مگر روزہ کا کھانا کبیرہ گناہ ہے، جیسے کوئی فرض نماز جان بوجھ کر قضا کرے پھر اس کو پڑھ لے تو ذمہ فارغ ہوئے گا، مگر نماز قضا کرنا نہایت بھاری گناہ ہے، حدیث میں اس کے لئے فقد کفر کی تعبیر آئی ہے اور کبیرہ گناہ کے لئے تو بہ شرط ہے، پس محض قضا پڑھ لینے سے گناہ معاف نہیں ہوگا، اسی طرح روزہ خور نے جب روزہ کی قضا کر لی تو ذمہ فارغ ہو گیا، مگر روزہ کھانا کبیرہ گناہ ہے اس کے لئے تو بہ شرط ہے، اگر تو بہ کئے بغیر مر گیا تو روزہ کھانے کی پاداش میں عذاب بھگتنا پڑے گا، روزہ کی

تھا کرنے سے گناہ معاف نہیں ہوگا اور دنیا کے اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایسا شخص پوری زندگی روزہ رکھے تو بھی اس نے جو روزہ کھایا ہے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

اس کی نظیر: الفوائد البہیة فی تراجم الحنفیة میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک فقیہ ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھتے تھے ایک مرتبہ اتفاق سے ان کی جماعت فوت ہو گئی، ان کو بہت ملال ہوا، انھوں نے سوچا کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا چکیں گنا یا ستائیں گنا ثواب ہے پس اگر میں یہ نماز ستائیں مرتبہ پڑھ لوں تو جماعت کا ثواب مل جائے گا، چنانچہ انھوں نے وہ فرض ستائیں مرتبہ پڑھا، جب آخری مرتبہ سلام پھیرا تو ہاتھ (فرشتہ) نے آواز دی: لَآئِنَّ اَنْتَ مِنْ نَاصِرِ الْعَلَائِکَ؟ تم نے ستائیں مرتبہ نماز تو پڑھ لی مگر جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں فرشتے جو تمہارے ساتھ آئین کہتے وہ بات کہاں نصیب ہوئی؟

اسی طرح اگر کوئی پوری زندگی روزہ رکھتا رہے تو بھی رمضان کے روزے کی تلافی نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ روزے کی قضا غیر رمضان میں کرے گا، اور نفل روزے بھی غیر رمضان میں رکھے گا، پس رمضان میں روزے کی جو فضیلت ہے وہ کہاں حاصل ہو سکتی ہے؟

[۲۷] باب ماجاء فی الإفطار متعمداً

[۷۱۴-] حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَا: نَا سَفِيَّانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي قَابِيتٍ، نَا أَبُو الْمُطَوَّسِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ: لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ النَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ" قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: أَبُو الْمُطَوَّسِ: اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ الْمُطَوَّسِ، وَلَا أَعْرِفُ لَهُ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کا ایک روزہ کھالیا شرعی عذر کے بغیر اور مرض کے بغیر تو زمانہ بھر کے روزے بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ ان کو رکھے، یعنی اول تو ہمیشہ روزہ رکھنا مشکل ہے لیکن اگر کوئی رکھے تو بھی رمضان کے ایک روزہ کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

اس حدیث کی یہی ایک سند ہے اور ابوالمطوس کا نام یزید بن المطوس ہے اور وہ اسی ایک حدیث کے راوی ہیں۔ فائدہ: ابوالمطوس کا نام یزید ہے یا عبد اللہ۔ اور یہ راوی مجہول ہے اور اس حدیث کی سنن اربعہ نے تخریج کی ہے (تقریب ۶۷۴) اور اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے، بعض طرق میں ابوالمطوس ہے (دارقطنی ۲: ۲۱۱) اور بعض میں ابن المطوس (ابوداؤد ۳۲۶۱) اور بعض روایات میں حبیب بن ثابت اور ابوالمطوس کے درمیان واسطہ ہے

(ابن ماجہ: ۱۲۰) میں ابن المطوس کا واسطہ ہے اور ابو داؤد: ۳۲۶ میں دو واسطے ہیں عمارہ بن عمیر کا اور ابن المطوس کا) اور بعض میں کوئی واسطہ نہیں بجز بعض روایتوں میں ابو المطوس براہ راست حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں (ابن ماجہ: ۱۲۰) اور بعض میں والد کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ یہاں ہے، پس یہ حدیث مضطرب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الْفِطْرِ فِي رَمَضَانَ

رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ

رمضان المبارک کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے سے قضا کے علاوہ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور روزہ کا کفارہ وہی ہے جو ظہار کا ہے۔ سورۃ المجادلہ آیت ۳ و ۴ میں اس کا بیان ہے، یعنی غلام آزاد کرنا یا لگا تار دو ماہ کے روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلانا۔ اور ان تینوں کے درمیان جمہور کے نزدیک ترجیح واجب ہے اور ان کا مستدل یہ ہے کہ آیات ظہار میں اور حدیث باب میں ف ہے جو تعقیب کے لئے ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ تحنیر کے قائل ہیں، ان کا مستدل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: أَمَرَ رَجُلًا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ أَنْ يَتَّقِيَ رَقَبَةً أَوْ يَصُومَ شَهْرَيْنِ أَوْ يُطْعِمَ مِائَتِينَ مَسْكِينًا (مسلم: ۳۵۵:۱، باب تہلیل تحریم الجماع) لیکن جمہور نے دوسری روایات کی بناء پر اس روایت میں او کو تحنیر کے بجائے توبیخ کے لئے لیا ہے (اعلاء السنن: ۱۳۳:۹، باب وجوب الکفارة والقضاء الخ)

حدیث: ایک صحابی نے رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں روزہ یاد ہوتے ہوئے بیوی سے محبت کر لی، جوش میں یہ حرکت ہو تو گئی مگر بعد میں پشیمان ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تباہ ہو گیا، آپ نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں تباہ کر دیا؟ انھوں نے واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک رقبہ آزاد کرو، رقبہ کے لفظی معنی ہیں: گردن۔ اور عرفی معنی ہیں: غلام۔ ان صحابی نے لفظی معنی سے نکتہ پیدا کیا، اپنی گردن پر ہاتھ مارا اور کہا: یا رسول اللہ! بندے کے پاس تو یہی ایک رقبہ یعنی گردن ہے، یعنی میں غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پس لگا تار دو ماہ کے روزے رکھو (کفارے کے روزے پے بہ پے ہونے ضروری ہیں اگر درمیان میں عذر مساوی پیش آ جائے تو کوئی حرج نہیں، جیسے عورت کو دو مہینے میں دو مرتبہ حیض آئے گا، لیکن اگر اپنے اختیار سے بیچ میں روزہ چھوڑا تو روزے از سر نو رکھنے ہوں گے) ان صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک ماہ کے روزے تو رکھے نہیں گئے دو مہینے کے روزے کیسے رکھوں گا؟ یعنی انھوں نے حقیقی یعنی شدت شہوت کا عذر پیش کیا (رمضان کی راتوں میں بیوی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، شہق یہ ہے کہ صبح سے شام تک

بھی مبرنہ کر سکے) حضور ﷺ نے فرمایا: پس ساتھ مسکینوں کو کھانا کھاؤ، انھوں نے کہا: میرے اندر اس کی استطاعت نہیں۔ آپ نے ان سے بیٹھ جانے کے لئے فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے پاس ایک بڑا بورا جس میں چھوہارے تھے لایا گیا (عوق کے معنی ہیں: بڑا بورا۔ اور ایک عوق میں پندرہ صاع چھوہارے آتے ہیں، یعنی پینتالیس پچاس کلو غلہ جس بورے میں آجائے وہ عرق ہے) آپ نے وہ چھوہارے ان کو دیئے اور غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے فرمایا۔ جب بورا مل گیا تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! غریب کہاں ڈھونڈ سوں، مدینہ کے دو پاٹوں (دونوں جانبوں) کے درمیان میرے گھر سے زیادہ غریب کوئی گھر نہیں۔ آپ مسکرائے یہاں تک کہ انیاب مبارک نکل گئے (آپ کا زیادہ سے زیادہ ہنسنا یہی تھا کہ انیاب مبارک ظاہر ہو جاتے تھے، اس سے زیادہ آپ کبھی نہیں ہنستے تھے) آپ نے فرمایا: جاؤ گھر میں کھاؤ۔

تشریح: تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر محبت کر کے روزہ توڑا ہے تو کفارہ واجب ہے، اور اگر کھاپی کر روزہ توڑا ہے تو کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ جماع کی طرح اکل و شرب بھی اگرچہ منافی صوم ہیں مگر اکل و شرب جماع کے معنی (درجہ) میں ہیں یا نہیں؟ یعنی جماع سے جتنا حظ نفس (لذت) حاصل ہوتا ہے اکل و شرب سے اتنا حظ نفس حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر تفاوت ہے تو تھوڑا ہے یا زیادہ؟ اس میں اختلاف ہے: بڑے دو اماموں کا خیال یہ ہے کہ جماع اور اکل و شرب میں تفاوت برائے نام ہے، اس لئے ان حضرات نے جماع کا حکم اکل و شرب کی طرف بڑھا دیا۔ اور چھوٹے دو اماموں کا خیال یہ ہے کہ تفاوت بہت زیادہ ہے، اس لئے انھوں نے جماع کے حکم کو اکل و شرب کی طرف متعدی نہیں کیا، انھوں نے کفارہ کا حکم مورد کے ساتھ خاص رکھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قیاس کے لئے مقیس مقیس علیہ کا ہم وزن ہونا ضروری ہے، اگر دونوں میں تفاوت ہو تو حکم کا تعدیہ درست نہیں۔ جیسے: عبادات مالیہ اور عبادات بدنیہ میں فرق ہے۔ عبادات مالیہ میں ثواب بھی ملتا ہے اور غریبوں کو فائدہ بھی پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ میں صرف ثواب ملتا ہے، پس حدیث سعد بن عبادہ میں جو عبادات مالیہ میں ایصالِ ثواب کا ذکر آیا ہے: امام مالک اور امام شافعی اس کو مورد پر خاص رکھتے ہیں۔ عبادات بدنیہ کی طرف اس کو متعدی نہیں کرتے، اسی طرح یہاں شہوتِ جماع اور لذتِ اکل و شرب میں آسان و زمین کا تفاوت ہے پس کفارہ کا حکم مورد کے ساتھ خاص رہے گا، اکل و شرب سے روزہ توڑنے کی صورت میں وہ حکم ثابت نہیں ہوگا۔

اور احناف اور مالکیہ کے نزدیک حظ نفس کے اعتبار سے اگرچہ تفاوت ہے مگر مفسر (روزہ توڑنے والی چیز) ہونے کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں، تینوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، پس تینوں میں کفارہ واجب ہوگا، برہانِ حظ نفس تو

اس کا اعتبار کرنا مشکل ہے، کیونکہ جوان اور بوڑھے کے جماع میں بھی خلطس میں تفاوت ہوتا ہے، پس اس کا کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح دو امام عبادت مالیہ کی حدیث میں صرف ثواب ملنے کی جہت کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے انھوں نے حدیث عبادۃ کا حکم عبادات بدنیہ کی طرف متعدی کیا۔

بالفاظ دیگر: جماع میں دو چیزیں ہیں: ایک اس کا منظر ہونا، دوسرا: اس سے خلطس حاصل ہونا۔ دو اماموں نے صرف پہلی بات کا اعتبار کیا ہے اور اس پر اکل و شرب کو قیاس کیا، دوسرے دو اماموں نے دونوں باتوں کے مجموعہ کا اعتبار کیا، اس لئے اکل و شرب کو جماع پر قیاس نہیں کیا۔

اور اس حدیث میں تین مسئلے اور بھی زیر بحث آئے ہیں:

پہلا مسئلہ: شہق (شدت و شہوت) عذر ہے یا نہیں؟ نبی ﷺ نے مذکور صحابی کے حق میں شہق کو عذر مانا ہے، اور ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے مگر فقہاء شہق کو عذر نہیں مانتے۔

دوسرا مسئلہ: حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر وہ صحابی چند روزہ صاع چوبارے غریبوں کو دیدیتے تو کفارہ ادا ہو جاتا، مگر تمام فقہاء کے نزدیک چند روزہ صاع سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، ساتھ صاع کھجوریں دینی ضروری ہیں۔

تیسرا مسئلہ: حدیث سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ان صحابی کے خود کھالینے سے کفارہ ادا ہو گیا، حالانکہ چاروں فقہاء متفق ہیں کہ خود کھانے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا، غریبا کو کھلانا ضروری ہے۔

احناف تینوں سوالوں کا جواب دیتے ہیں کہ یہ تشریح کے وقت کی ترخیص ہے کیونکہ یہ مسئلہ کہ رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے آج پہلی بار امت کے سامنے آیا ہے، پہلے سے اگر مسئلہ معلوم ہوتا تو شاید وہ صحابی یہ حرکت نہ کرتے، پس یہ قانون سازی کا آغاز ہے اور اس وقت میں سہولت دی جاتی ہے، اس لئے نبی ﷺ نے ان کا ہر عذر تسلیم کر لیا۔ اور خود کھانے کی اجازت دیدی۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے صرف تیسرے سوال کا جواب دیا ہے کہ آدمی پر فی الفور کفارہ واجب نہیں، کفارہ کی ادائیگی سہولت کے ساتھ مشروط ہے۔ یعنی مالی کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب آدمی کے پاس گنجائش ہو، اور مذکورہ صحابی چونکہ غریب تھے اور جو چوبارے ان کو ملے تھے وہ ان کی ضرورت میں مشغول تھے اس لئے ان پر فوری کفارہ ادا کرنا واجب نہیں تھا، اس لئے ان کو گھر میں کھانے کی اجازت دی گئی۔ غرض گھر میں کھانے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، کفارہ ان کے ذمہ دین رہے گا، جب گنجائش ہوگی ادا کریں گے۔

مگر یہ بات حدیث سے مفہوم نہیں ہوتی۔ حدیث سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ گھر میں کھانے سے ان صحابی کا کفارہ ادا ہو گیا۔ علاوہ ازیں پہلے دو سوالوں کے جوابات باقی رہ جاتے ہیں اور احناف کے قاعدہ سے سب کے جوابات نکل آتے ہیں۔

[۲۸] باب ماجاء فی کفارة الفطر فی رمضان

[۷۱۵-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضِيُّ، وَأَبُو عَمَّارٍ — الْمَعْنَى وَاحِدٌ، وَاللَّفْظُ: لَفْظُ أَبِي عَمَّارٍ — قَالَا: نَأْسَفَانِ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ! قَالَ: "وَمَا أَهْلَكَ؟" قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: "هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُعِيقَ رُبَّةً؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "اجْلِسْ، فَجَلَسَ، فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ — وَالْعَرَقُ: الْبِكْئَلُ الطُّخْمُ — قَالَ: "فَصَدَّقْ بِهِ" فَقَالَ: مَا بَيْنَ لَا بَيْتَهَا أَحَدٌ أَفْقَرُ مِنَّا، قَالَ: فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أُنْيَابُهُ، قَالَ: "خُذْهُ فَأُطْعِمَهُ أَهْلَكَ"

وفی الباب: عن ابن عمر، وعائشة، وعبد اللہ بن عمرو، قال ابو عیسیٰ: حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن صحیح.

والعمل علی هذا الحدیث عند أهل العلم فی من أفطر فی رمضان متعمداً من جماع، وأما من أفطر متعمداً من أكل أو شرب فإن أهل العلم قد اختلفوا فی ذلك، فقال بعضهم: علیه القضاء والكفارة، وشبهوا الأكل والشرب بالجماع، وهو قول سفیان الثوري، وابن المبارك، وإسحاق. وقال بعضهم: علیه القضاء، ولا كفارة علیه، لأنه إنما ذكّر عن النبي صلى الله عليه وسلم الكفارة فی الجماع، ولم يذكر عنه فی الأكل والشرب، وقالوا: لا يشبه الأكل والشرب الجماع، وهو قول الشافعي وأحمد.

وقال الشافعي: وقول النبي صلى الله عليه وسلم للرجل الذي أفطر، فصّدق علیه: "خُذْهُ فَأُطْعِمَهُ أَهْلَكَ" بِحَتْمٍ هَذَا مَعَالِي: بِحَتْمٍ أَنْ تَكُونَ الْكُفَّارَةُ عَلَى مَنْ قَنَرَ عَلَيْهَا، وَهَذَا رَجُلٌ لَمْ يَغْيِرْ عَلَى الْكُفَّارَةِ، فَلَمَّا أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئاً وَمَلَكَةً، قَالَ الرَّجُلُ، مَا أَحَدٌ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنَّا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُذْهُ فَأُطْعِمَهُ أَهْلَكَ" لِأَنَّ الْكُفَّارَةَ إِنَّمَا تَكُونُ بَعْدَ الْفَضْلِ عَنْ قَوْلِهِ، وَاخْتَارَ الشَّافِعِيُّ لِمَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ هَذَا الْحَالِ أَنْ يَأْكُلَهُ، وَتَكُونَ الْكُفَّارَةُ عَلَيْهِ ذَنْباً، لَمَعْنَى مَا مَلَكَ يَوْمًا كَفَرُ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے اس شخص کے بارے میں جو رمضان میں جان بوجھ کر جماع کے ذریعہ روزہ توڑ دے۔ راویہ شخص جو بالقصد کھا کر یا پی کر روزہ توڑے تو علماء کا اس میں اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں: اس پر

قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اور انہوں نے اکل و شرب کو جماع کے مانند قرار دیا۔ اور یہ سفیان ثوری، ابن المبارک اور اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اس پر قضا ہے اور کفارہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی ﷺ سے کفارہ صرف جماع کی صورت میں مروی ہے، اکل و شرب کی صورت میں کفارہ مروی نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں: اکل و شرب جماع کے مانند نہیں، اور یہ شافعی اور احمد کا قول ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی ﷺ کا ارشاد اس شخص سے جس نے روزہ توڑ دیا تھا پس آپ نے اس کو صدقہ دیا تھا کہ: ”اس کو لیے اور اپنے گھر والوں کو کھلا دے“ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کفارہ اس شخص پر واجب ہے جو کفارہ ادا کرنے پر قادر ہو، اور یہ شخص کفارہ ادا کرنے پر قادر نہیں تھا پس جب اس کو نبی ﷺ نے کچھ دیا اور اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا تو اس نے کہا: ہم سے زیادہ کوئی ان کھجوروں کا محتاج نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اس کو لیے اور اپنے گھر والوں کو کھلا دے“ اس لئے کہ کفارہ گذارہ سے بچنے کے بعد ہی واجب ہوتا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس شخص کے لئے جس کی یہ حالت ہو پسند کیا کہ وہ اس کو کھالے، اور اس پر کفارہ قرض رہے گا۔ جب بھی مال کا مالک ہو گا کفارہ ادا کرے گا۔

باب ماجاء فی السواک للصائم

روزہ دار کے لئے مسواک کا حکم

مذاہب فقہاء: روزہ کی حالت میں مسواک کرنا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں ہر امام کی رائے الگ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرض و نفل میں فرق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: نفل روزے میں مسواک کر سکتے ہیں اور فرض روزے میں مسواک کرنا مکروہ ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تر اور خشک مسواک کے درمیان فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک تر مسواک مکروہ ہے، فرض روزے میں بھی اور نفل روزے میں بھی، اور خشک مسواک جائز ہے اور تر مسواک سے مراد درخت سے توڑی ہوئی تازہ مسواک ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ دو پہر سے پہلے اور دو پہر کے بعد کا فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک زوال سے پہلے مسواک جائز ہے اور زوال کے بعد مکروہ ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً مسواک کرنا جائز ہے۔

حدیث: عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو روزے کی حالت میں اتنی مرتبہ مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ میں اس کو گن نہیں سکتا یعنی بے شمار مرتبہ دیکھا ہے۔

تشریح: یہ حدیث احناف کا مستدل ہے، اس حدیث میں صحابی کوئی فرق نہیں کرتے، نہ تر اور خشک لکڑی کا، نہ نفل اور فرض روزوں کا، اور نہ قبل الزوال اور بعد الزوال کا، بلکہ علی الاطلاق یہ بات کہتے ہیں کہ آپ روزہ کی حالت میں بکثرت مسواک کرتے تھے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے متفق علیہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”روزہ دار کے منہ کی بو

اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ محبوب ہے (مشکوٰۃ حدیث ۱۹۵۹) جب معدہ خالی ہو جاتا ہے تو اس سے ایک گیس اٹھتی ہے جو منہ میں آ کر رکتی ہے اور منہ میں بویہ اُڑتی ہے، یہ خلوف ہے، امام شافعیؒ کا اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ دوپہر کے بعد جب معدہ خالی ہو جاتا ہے تب یہ خلوف پیدا ہوتی ہے اور چونکہ وہ اللہ کو بہت پسند ہے اس لئے مسواک کر کے اس کو زائل نہیں کرنا چاہئے۔

مگر امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ مسواک سے خلوف زائل نہیں ہوتی، مسواک سے دانتوں کا میل دور ہوتا ہے، رہا خلوف تو وہ دس پندرہ منٹ کے بعد پھر پیدا ہو جائے گا پس زوال کے بعد بھی مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[۲۹] باب ماجاء فی السواک للصائم

[۷۱۶-] حدثنا محمد بن بشار، نا عبد الرحمن بن مہدی، نا سفیان، عن عاصم بن عئید اللہ، عن عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ، عن أبیہ، قال: رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالا أخصی یتسوّک، وَهُوَ صَائِمٌ.

وفی الباب: عن عائشۃ، قال أبو حمس: حدیث عامر بن ربیعہ حدیث حسن. والعمل علی هذا عند أهل العلم لا یزوّن بالسواک للصائم بأنا إلا أن بعض أهل العلم کرهوا السواک للصائم بالعود الرطب، وکرهوا لہ السواک آخر النهار، ولم یز الشافعی بالسواک بأنا أوّل النهار وأخوۃ، وکره أحمد وإسحاق السواک آخر النهار.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ روزہ دار کے لئے مسواک میں کوئی حرج نہیں دیکھتے، مگر بعض علماء روزہ دار کے لئے ترکیزی کی مسواک کو مکروہ کہتے ہیں (یہ امام مالک کا مذہب ہے) اور وہ روزہ دار کے لئے دن کے آخری حصہ میں مسواک کو مکروہ کہتے ہیں (یہ امام مالک کا مذہب نہیں) اور امام شافعیؒ دن کے اول و آخر میں مسواک میں کوئی حرج نہیں سمجھتے (یہ احناف کا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے۔ علامہ نوویؒ نے شرح مہذب میں اسی قول کو رائج بتایا ہے معارف السنن ۳۹۹:۵) اور احمد و اسحاق نے زوال کے بعد مسواک کو مکروہ کہا ہے (یہ امام شافعیؒ کا قول ہے، اور امام احمد فرض و نفل میں فرق کرتے ہیں)

باب ماجاء فی التخلل للصائم

روزے میں سرمہ لگانے کا حکم

روزہ کی حالت میں اگر کوئی آنکھ میں سرمہ لگائے یا کوئی سیال دوا ڈالے تو جائز ہے، کوئی کراہیت نہیں، اور یہ مسئلہ

اجماعی ہے۔

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: میری آنکھیں دکھتی ہیں، پس کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: یہ حدیث ابو عاتکہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور باب میں اور کوئی صحیح حدیث نہیں، پس اس سے استدلال درست ہے۔ اور سرمہ وغیرہ جو آنکھ میں ڈالا جاتا ہے، بعض مرتبہ اس کا اثر تھوک میں ظاہر ہوتا ہے، پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اثر مسامات کے ذریعہ پہنچتا ہے اور جو چیز مسامات کے ذریعہ جوفِ معدہ میں یا جوفِ دماغ میں پہنچے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب اصلی سوراخ سے یا اصلی جیسے مصنوعی سوراخ سے معدہ میں یا دماغ میں کوئی چیز پہنچے، اور اصلی سوراخ دو ہیں: ایک منہ کا سوراخ (ناک کا سوراخ اور منہ کا سوراخ ایک ہیں) دوسرا بڑے استنجے کا سوراخ، وہ بھی معدہ تک جاتا ہے، ان دونوں سوراخوں کے ذریعہ کوئی چیز معدہ میں پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اصلی جیسے مصنوعی سوراخ سے مراد یہ ہے کہ پیٹ میں کوئی ایسا زخم ہو گیا جو معدہ کے اندر تک جاتا ہے اور وہ مستقل سوراخ بن گیا ہے، جس کو جائزہ کہتے ہیں، یہ سوراخ اگرچہ منفرد اصلی نہیں، مگر اس کے مشابہ ہے، پس اس میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر وہ دوا معدہ کے اندر پہنچ جائے۔ ان تین منفردوں کے علاوہ کسی بھی طریقہ سے معدہ میں یا جوفِ دماغ میں کوئی چیز پہنچائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسے انجکشن خواہ رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں: ناقض نہیں، کیونکہ وہ دوا معدہ تک نہیں پہنچتی، اسی طرح کتے کے کالے کا انجکشن اس میں دوا اگرچہ براہ راست معدہ تک پہنچائی جاتی ہے مگر چونکہ منفرد اصلی سے نہیں پہنچائی جاتی اس لئے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور انجکشن کی سوئی گھسنے کا سوراخ عارضی ہے، اور دلیل باب کی حدیث ہے، نبی ﷺ نے بحالت روزہ سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، اور سرمہ کا اثر کبھی تھوک میں بھی محسوس ہوتا ہے، مگر چونکہ وہ اثر مسامات کے ذریعہ آتا ہے اس لئے وہ ناقض صوم نہیں۔

فائدہ: دماغ میں کسی چیز کے چڑھ جانے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر یہ چیز فی نفسہ ناقض نہیں، بلکہ یہ اس لئے ناقض ہے کہ جو چیز دماغ میں پہنچ جاتی ہے وہ ضرور پیٹ میں اتر جاتی ہے، جیسے: خند فی نفسہ ناقض وضو نہیں بلکہ خروج ریح کا مظہر ہونے کی وجہ سے ناقض ہے اسی طرح کسی چیز کا دماغ میں چڑھ جانا فی نفسہ ناقض نہیں وہ ناقض اس لئے ہے کہ وہ چیز وہاں سے پیٹ میں اتر جاتی ہے، پس اصل ناقض جوفِ معدہ میں کسی چیز کا پہنچنا ہے۔ اور آفتہ (سر کا وہ زخم جو جوفِ دماغ تک پہنچ گیا ہو) کا ذکر میں نے اس لئے نہیں کیا کہ ایسا زخمی عام طور پر زخمی نہیں رہتا۔

[۳۰] باب ماجاء فی الکحل للصائم

[۷۱۷-] حدثنا عبدُ الأعلی بنِ وَاصِلٍ، نا الحسن بنُ عَطِیَّةَ، نا أبو عَاصِمَةَ، عن أنس بنِ مالک،

قال: جاءَ رَجُلٌ إلى النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: اشتکتُ غَیْثَی فَأَتَصَحَّلُ وَأَنَا صَائِمٌ؟ قال: نَعَمْ.

وفی الباب: عن ابی رافع. قال ابو عیسی: حدیث انس حدیث إسناده لیس بالقوی، ولا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا الباب شیء، وأبو عاتکہ یضعف. واختلف أهل العلم فی الکحل للصائم، فکرمه بعضهم، وهو قول سفیان، وابن المبارک وأحمد، وإسحاق، ورخص بعض أهل العلم فی الکحل للصائم، وهو قول الشافعی.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند قوی نہیں، اور نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں کوئی صحیح روایت مروی نہیں۔ اور ابو عاتکہ کی تضعیف کی گئی ہے۔ اور علماء کا روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے کی مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہ سفیان، ابن المبارک، احمد اور اسحاق کا قول ہے (مگر یہ قول مفتی نہیں) اور بعض علماء روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں اور یہ شافعی کا قول ہے (تمام علماء کا مفتی یہ قول یہی ہے)

باب ماجاء فی القبلۃ للصائم

روزہ کی حالت میں بیوی کو چومنے کا حکم

روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے سے اگرچہ روزہ نہیں ٹوٹتا مگر جو ان آدمی یہ کام کرے گا تو اندیشہ ہے کہ محبت تک معاملہ پہنچ جائے، اس لئے جو ان آدمی کو روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے سے بچنا چاہئے، اسی طرح مباشرت یعنی روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا بھی جائز ہے، مگر جو ان کے لئے خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے روزہ کی حالت میں خاص طور پر رمضان کے روزہ کی حالت میں اس کام سے بہت دور رہنا چاہئے، تاکہ روزہ خطرہ میں نہ پڑے۔

[۳۱] باب ماجاء فی القبلۃ للصائم

[۷۱۸-] حدثنا ہناد، وفتحیة، قال: نا ابو الاخوص، عن زید بن علاق، عن عمرو بن مہمون، عن عائشة، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل فی شہر الصوم. وفی الباب: عن عمرو بن العطاء، وخفصة، وابی سعید، وأم سلمة، وابن عباس، وانبی، وابی ہریرة، قال ابو عیسی: حدیث عائشة حدیث حسن صحیح.

واختلف أهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغيرہم فی القبلۃ للصائم: فرخص بعض أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبلۃ للشیخ، ولم یرخصوا للشاب، مخافة أن لا یسلم لہ صومہ، والمباشرة عنہم أقبل، وقد قال بعض أهل العلم: القبلۃ تنقص الأجر، ولا یفطر.

الصَّائِمِ، وَرَأَوْا أَنَّ لِلصَّائِمِ إِذَا مَلَكَ نَفْسُهُ: أَنْ يَقْبَلَ، وَإِذَا لَمْ يَأْمَنْ عَلَى نَفْسِهِ تَرَكَ الْقِبْلَةَ، يَسْلَمَ لَهُ صَوْمُهُ، وَهُوَ قَوْلُ سَفِيانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ رمضان کے مہینہ میں بوسہ لیا کرتے تھے۔ صحابہ اور ان کے علاوہ علماء نے روزہ دار کے لئے بوسہ لینے کی بابت اختلاف کیا ہے: بعض صحابہ بوڑھے کو بوسہ لینے کی اجازت دیتے ہیں اور وہ جوان کو اجازت نہیں دیتے، اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کا روزہ محفوظ نہ رہے۔ اور ان کے نزدیک مباشرت (بیوی کو ساتھ لٹانا) سخت بات ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: بوسہ ٹوابع کو کم کرتا ہے اور روزہ کو توڑتا نہیں، اور وہ کہتے ہیں: جب روزہ دار اپنے نفس سے مطمئن ہو تو بوسہ لے سکتا ہے اور جب وہ اپنے نفس سے مطمئن نہ ہو تو بوسہ نہ لے، تاکہ اس کا روزہ محفوظ رہے، اور یہ سفیان ثوری اور شافعی کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَاشَرَةِ الصَّائِمِ

روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانے کا حکم

مباشرة: باب مفاعله کا مصدر ہے، اردو میں اس کے معنی ہیں: صحبت کرنا، اور عربی میں اس کے معنی ہیں: بدن سے بدن لگانا، یہاں روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا مراد ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں مجھے اپنے ساتھ لٹاتے تھے، اور آپ اپنی خواہش پر نہایت قابو یافتہ تھے، دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیتے تھے اور بیوی کو ساتھ لٹاتے تھے اور آپ اپنی خواہش پر تم سے زیادہ قابو یافتہ تھے۔

تشریح: حضور ﷺ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا یعنی مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، سنت نہیں تھا کہ لوگ اس پر عمل کرنے لگیں، حضرت عائشہ نے آخری جملہ سے یہی بات سمجھائی ہے، جیسے آپ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہے، یہ عمل بھی بیان جواز کے لئے تھا یعنی مجبوری میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے، سنت نہیں ہے یعنی یہ اسلامی تہذیب نہیں ہے، اسی طرح عائشہ کے بارے میں سورۃ البقرة (آیت ۲۲۲) میں ارشاد ہے کہ حیض گندی چیز ہے، پس حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو، اور ان کے قریب مت جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی حدود متعین کیں کہ چومنا اور ساتھ لٹانا جائز ہے اس سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔

[۳۱] بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَاشَرَةِ الصَّائِمِ

[۷۱۹] - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا وَكَيْعٌ، نَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي مُسْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ،

قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتأشرون وهو صائم، وكان أملككم لأربه. [٧٢٠-] حدثنا هناد، نا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، والأسود، عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبل ويتأشرون وهو صائم، وكان أملككم لأربه. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وأبو مسرة: اسمه عمرو بن شرحبيل، ومعنى لأربه يعنى لنفسه.

لغت: الأَرَب: (بفتح الحين) (۱) ضرورت، ضرورت شدیدہ (۲) مقصد، آرزو۔ کہا جاتا ہے: نَالَ / بَلَغَ أَرَبَهُ: مقصد پورا ہو گیا، آرزو برآئی۔

باب ماجاء لأصيام لمن لم يغزم من الليل

جس نے رات سے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں

جو روزے اللہ کی طرف سے متعین ہیں جیسے رمضان کے روزے یا بندے کی طرف سے متعین ہیں جیسے نذر معین کے روزے، ان میں تمہیں نیت یعنی صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان میں تمہیں نیت ضروری ہے اگر صبح صادق ہوگئی اور نیت نہیں کی تو روزہ نہیں ہوگا، اور احناف کے نزدیک تمہیں نیت ضروری نہیں، صبح صادق کے بعد بھی نیت کر سکتے ہیں۔ باب کی حدیث ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے۔ اور جو روزے ضروری ہیں مگر ان کا وقت متعین نہیں، نہ اللہ کی طرف سے نہ بندے کی طرف سے، اور ایسے روزے تین ہیں: رمضان کی قضا کا روزہ، کفاروں کے روزے، اور نذر غیر معین کے روزے: ان میں بالاجماع رات سے نیت کرنا ضروری ہے، صبح صادق کے بعد ان کی نیت نہیں ہو سکتی۔

اور نفل روزوں میں صرف امام مالک تمہیں نیت کے قائل ہیں اور احناف کے نزدیک فحوة کبریٰ یعنی دس گیارہ بجے تک نیت ہو سکتی ہے، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک زوال کے بعد بھی نیت ہو سکتی ہے۔ حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے صبح صادق سے پہلے روزہ کا پختہ ارادہ نہیں کیا اس کا روزہ نہیں۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے کہ اس حدیث کے عموم میں رمضان اور نذر معین کے روزے بھی شامل ہیں، احناف کہتے ہیں: اول تو اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، صرف یحییٰ بن ایوب اس حدیث کو مرفوع کرتے ہیں باقی سب روایات موقوف بیان کرتے ہیں، یعنی اس حدیث کو ابن عمر کا فتویٰ قرار دیتے ہیں۔ اور اس کا موقوف ہونا ہی صبح ہے خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی کو صبح کہا ہے اور دیگر محدثین کی رائے بھی یہی ہے۔ ثانیاً

اس کا مصداق وہ تین روزے ہیں جو واجب ہیں مگر ان کا وقت متعین نہیں، رمضان اور نذر معین کے روزے اس حدیث کا مصداق نہیں، کیونکہ ان کا وقت متعین ہے اور ان اوقات میں دوسرے روزوں کا احتمال ہی نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ روزے چھ ہیں: رمضان کے روزے، نذر معین کے روزے، رمضان کی قضا کے روزے، کفاروں کے روزے، نذر غیر معین کے روزے اور نفل روزے۔ آخری روزے میں صیام صادق کے بعد بھی نیت کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے، جیسا کہ حدیث (۷۲۳) میں آ رہا ہے۔ باقی پانچ روزے: سب اس حدیث کے تحت داخل ہیں یا اس مسئلہ میں کوئی اور بھی حدیث ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سب اس حدیث کے تحت داخل ہیں اور سب میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ اور احتاف کے نزدیک اس مسئلہ میں ایک اور حدیث بھی ہے، حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں عاشورے کے دن اعلان کرے کہ من کان اَکَل فَلْيُصِمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، ومن لم يَمُكِّنْ أَكَلَى فَلْيُصِمْ، فإِنَّ الْيَوْمَ يَوْمٌ عَاشُورَاءُ (بخاری حدیث ۲۰۰۷) یعنی جس نے کھاپی لیا ہے وہ دن بھر اساک کرے اور جس نے اب تک کچھ کھاپیا نہیں وہ روزے کی نیت کر لے اور رمضان سے پہلے عاشوراء کا روزہ واجب تھا (اس میں دیگر ائمہ کا اختلاف ہے) پس روزوں کی پہلی دو قسمیں اس حدیث کے تحت ہیں کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے یا بندے کی طرف سے متعین ہیں اور باقی تین روزے حدیث باب کے تحت ہیں۔

[۳۲] باب ما جاء لا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يُعْزِمَ مِنَ اللَّيْلِ

[۷۲۱-] حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، نا ابن أبي مَرْثَمٍ، نا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عن عبد الله بن أبي بَكْرٍ، عن ابن شهاب، عن سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عن أبيهِ، عن حَفْصَةَ، عن النُّعْمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَمْ يُجْمَعْ الصِّيَامُ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ"

قال أبو عيسى: حديث حَفْصَةَ حديث لا تَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَلقد رَوَى عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَوْلَهُ، وَهُوَ أَصَحُّ.

وَأَمَّا مَعْنَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يُجْمَعْ الصِّيَامُ قَبْلَ كُلُّوْعِ الْفَجْرِ فِي رَمَضَانَ أَوْ فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ أَوْ فِي صِيَامِ نَذْرِ: إِذَا لَمْ يَنْوِ مِنْ اللَّيْلِ لَمْ يُجْزِهِ. وَأَمَّا صِيَامُ الطَّلُوعِ فَمُبَاحٌ لَهُ أَنْ يَنْوِيَهُ بَعْدَ مَا أَصْبَحَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَاحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

ترجمہ: اس حدیث کو ہم مرفوع نہیں جانتے مگر اسی سند سے، اور نافع سے، وہ ابن عمر سے ان کا قول روایت کرتے ہیں (یعنی نافع اس کو ابن عمر کا قول قرار دیتے ہیں) اور وہی اصح ہے۔ اور اس حدیث کا مطلب بعض

علماء کے نزدیک یہ ہے کہ اس شخص کا روزہ نہیں جو رمضان میں یا رمضان کی قضا میں یا نذر کے روزوں میں صبح صادق سے پہلے روزہ کا پختہ ارادہ نہ کرے، جب رات سے نیت نہیں کی تو اس کا روزہ نہیں ہوا۔ اور ہائے روزہ تو اس میں صبح کے بعد بھی نیت کرنا جائز ہے، اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْطَارِ الصَّائِمِ الْمُتَطَوِّعِ

نفل روزہ توڑنے کا حکم

اس باب میں دو مسئلے ہیں: ایک مسئلہ یہ ہے کہ نفل روزہ توڑنا کیسا ہے؟ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص نفل روزہ توڑ دے اس پر قضا واجب ہے یا نہیں؟ اگر حلالہ کے نزدیک نفل روزہ توڑنا بلا کراہیت جائز ہے خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو۔ اور اس کی قضا واجب نہیں البتہ امام مالک کے نزدیک قضا واجب ہے۔ اور حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں: مشہور قول یہ ہے کہ عذر کے بغیر نفل روزہ توڑنا مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی معقول عذر ہو تو توڑ سکتے ہیں، اور دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ حلالہ کا ہے مگر یہ غیر مشہور قول ہے اور دونوں صورتوں میں قضا واجب ہے۔

اور یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ نفل عبادت (کوئی بھی ہو) شروع کرنے کے بعد نفل رہتی ہے یا واجب ہو جاتی ہے؟ اگر حلالہ کا خیال ہے کہ نفل عبادت جس طرح شروع کرنے سے پہلے نفل ہوتی ہے یعنی شروع کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اسی طرح شروع کرنے کے بعد بھی وہ نفل رہتی ہے، یعنی بندہ کو اختیار ہے چاہے اُسے پورا کرے اور چاہے پورا نہ کرے۔ اور نفل حج اور عمرہ میں سب کا اتفاق ہے کہ ان کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے توڑنا جائز نہیں اور توڑنے کی صورت میں قضا واجب ہے، یہی حکم احناف کے نزدیک دیگر نفل عبادت کا ہے اور حج اور نماز روزے میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہیں، جو حکم نفل حج اور عمرہ کا ہے وہی حکم نفل روزے اور نماز کا ہے، ان کو شروع کرنے سے پہلے شروع کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، مگر جب عبادت شروع کر دی تو اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (سورہ محمد آیت ۳۲) یعنی اپنے اعمال کو باطل نہ کرو، خواہ کوئی عمل ہو، پس نفل اعمال کو بھی پورا کرنا ضروری ہے، عذر کے بغیر ان کو توڑنا جائز نہیں، اور توڑے گا تو اس کی قضا ضروری ہوگی، اور ائمہ حلالہ نفل حج اور عمرہ میں تو یہ قاعدہ تسلیم کرتے ہیں مگر دیگر نفل اعمال کو اس قاعدہ کے تحت نہیں لاتے، اور احناف دیگر عبادت میں بھی یہ قاعدہ جاری کرتے ہیں۔

حدیث (۷۲۲): ام ہانی کہتی ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھی تھی (مگر کی دیگر خواتین بھی تھیں) پینے کی کوئی چیز لائی گئی۔ آپ نے اس کو بیا۔ پھر بچا ہوا مجھے دیا (ام ہانی آپ کی دائیں جانب تھیں، اس لئے الایمن فالایمن کے قاعدہ سے بچا ہوا ان کو دیا) میں نے اس کو پی لیا، پھر میں نے عرض کیا: مجھ سے گناہ ہو گیا، میرے لئے بخشش کی دعا

فرمائیے۔ آپ نے پوچھا: کیا گناہ ہوا؟ انھوں نے عرض کیا: میں روزے سے تھی (تہرک کی وجہ سے) میں نے روزہ توڑ دیا۔ آپ نے پوچھا: کیا رمضان کا قضا روزہ تھا؟ عورتوں پر رمضان کے روزے باقی رہ جاتے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا: ”پس وہ (روزہ توڑنا) تمہیں ضرر نہیں پہنچائے گا“

تشریح: یہ حدیث ابوالاحوص کی ہے، وہ سماک بن حرب سے، وہ ام ہانی کے کسی لڑکے سے، اور وہ اپنی والدہ ام ہانی سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کی وجہ سے ائمہ حلاۃ کہتے ہیں، ہنذر کے بغیر بھی نفل روزہ توڑنا جائز ہے۔ ام ہانی نے بغیر کسی عذر کے روزہ توڑا تھا۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ام ہانی نے روزہ اس لئے توڑا تھا تا کہ تہرک ہاتھ سے چلا نہ جائے، اور یہ بہت بڑا عذر تھا، اگر وہ نہ ہوتی تو اگلی بی بی لیتی اور وہ تہرک سے محروم رہ جاتیں، پس یہ روزہ توڑنے کے لئے معقول عذر تھا۔

حدیث (۷۲۳): مذکورہ حدیث کو امام شعبہ رحمہ اللہ اس طرح بیان کرتے ہیں: میں سماک بن حرب کو اس طرح کہتے ہوئے سنا کرتا تھا: احمد بنی ام ہانی و حدیثی یعنی ام ہانی کے کسی لڑکے نے مجھ سے حدیث بیان کی، شعبہ کہتے ہیں: پھر میری ملاقات ام ہانی کی اولاد میں سے سب سے افضل ہوئی جس کا نام جعدہ تھا، ام ہانی ان کی داوی تھیں، پس جعدہ نے مجھ سے ام ہانی سے روایت کرتے ہوئے اس طرح حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ان کے گھر تشریف لائے اور آپ نے کوئی مشروب منگوایا پس نوش فرمایا پھر بقیہ ام ہانی کو دیا تو انھوں نے پی لیا، پھر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سنیں چٹک میں روزے سے تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نفل روزہ دار اپنی ذات کا ذمہ دار ہے اگر چاہے تو روزہ پورا کرے اور اگر چاہے تو روزہ توڑ دے“ شعبہ کہتے ہیں: میں نے جعدہ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ روایت ام ہانی سے خود سنی ہے؟ جعدہ نے کہا نہیں۔ مجھ سے ابو صالح نے اور ہمارے گھر والوں نے ام ہانی سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے، یعنی درمیان میں مجھولی واسطہ ہے۔ اور سماک کے تیسرے شاگرد حماد بن سلمہ ام ہانی کے نواسے ہارون کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شعبہ کی روایت سب سے اچھی ہے۔

تشریح: یہ سماک بن حرب کی حدیث ہے۔ اس کی سند میں بھی اضطراب ہے اور متن میں بھی اضطراب ہے، ابوالاحوص کی اسناد میں واسطہ ام ہانی کے کسی لڑکے کا ہے اور شعبہ کی سند میں جعدہ کا ہے، پھر ان سے اوپر مجھولی راوی ہے اور حماد کی سند میں ہارون کا واسطہ ہے، اور متن تین طرح مروی ہے: (۱) حدیث نمبر ۷۲۳ میں جو ابوالاحوص کی حدیث ہے فلا یضربہ (۲) اور شعبہ کی سند میں جو یسید محمود بن غیلان عن ابی داؤد وطلحیسی مروی ہے امین نفسہ ہے (۳) اور شعبہ کے دیگر تلامذہ امور نفسہ او امین نفسہ کہتے ہیں ان کو شک ہے کہ نبی ﷺ نے ان دو نقلوں میں سے کونسا لفظ ارشاد فرمایا تھا۔

ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا خود مختار ہے چاہے روزہ پورا کرے چاہے توڑ دے، احناف اس حدیث کو سند اور متن کے اضطراب کی وجہ سے قابل استدلال نہیں مانتے، ان کا استدلال اگلے باب کی حدیث ہے۔

حدیث (۷۲۳): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا کیا تمہارے پاس (کھانے کے لئے) کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پس میں روزہ دار ہوں یعنی روزہ کی نیت کر لیتا ہوں (یہ حدیث مختصر ہے مفصل اگلے نمبر پر آرہی ہے)

حدیث (۷۲۵): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور پوچھا کرتے تھے کیا تمہارے پاس صبح کا کھانا ہے؟ (غذاء صبح کے کھانے کو کہتے ہیں اور عرب میں صبح کا کھانا دن گیارہ بجے کھایا جاتا تھا) پس میں کہتی کہ نہیں ہے تو آپؐ فرماتے: میں روزہ دار ہوں، یعنی کھانے کو کچھ نہیں ہے تو میں روزہ کی نیت کر لیتا ہوں، صدیقہ فرماتی ہیں: آپؐ ایک دن میرے پاس تشریف لائے (اور کچھ نہیں پوچھا) پس میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج ہمارے پاس ہدیہ آیا ہے، آپؐ نے پوچھا: کیا آیا ہے؟ میں نے عرض کیا: صیص آیا ہے (ستو، گھی اور کھجور کو ملا کر یہ کھانا تیار کیا جاتا تھا) آپؐ نے فرمایا: سنو! میں نے صبح سے روزہ کی نیت کر لی تھی پھر آپؐ نے وہ حلوہ کھایا، یعنی روزہ توڑ دیا۔

تشریح: اس حدیث سے تین مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ نفل روزہ کی نیت رات سے کرنی ضروری نہیں، صبح صادق کے بعد بھی نیت کی جاسکتی ہے، جمہور کا یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالک اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفل روزہ میں بھی رات سے نیت کرنی ضروری ہے۔

۲۔ ضحوة کبریٰ سے پہلے نفل روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے، احناف کا یہی مذہب ہے۔ نبی ﷺ ناشتہ کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا تو روزہ کی نیت کر لیتے تھے۔ اور ناشتہ ضحوة کبریٰ سے پہلے کیا جاتا ہے۔

۳۔ ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بغیر عذر کے بھی نفل روزہ توڑ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے صبح سے روزہ کی نیت کر رکھی تھی مگر جب طیدہ سامنے آیا تو آپؐ نے روزہ توڑ دیا۔ احناف کے نزدیک یہ روزہ توڑنا بھی بریئہ عذر تھا، آپؐ کو معلوم تھا کہ آج گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں اس لئے آپؐ نے صبح سے روزہ رکھ لیا تھا اور معلوم نہیں کہتے دن کا فاقہ ہوگا پس یہ روزہ توڑنے کے لئے بہت بڑا عذر ہے۔

[۲۴] باب ماجاء فی إلتطاری الصائم المتطوع

[۲۲۲] - حدثنا فضیلة، نا أبو الأخصی، عن مساک بن حرب، عن ابن أم هانئ، عن أم هانئ،

قالت: كُنْتُ قَاعِدَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَانِي بِشْرَابٌ، فَشَرِبْتُ مِنْهُ، ثُمَّ نَاولَنِي فَشَرِبْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ: إِنِّي أَذْنَبْتُ فَاسْتَغْفِرْ لِي قَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَتْ: كُنْتُ صَائِمَةً فَأَفْطَرْتُ، فَقَالَ: أَمِنْ قَضَاءِ كُنْتَ تَقْضِيهِ؟ قَالَتْ: لَا، قَالَ: فَلَا يَضُرُّكَ.

وفي الباب: عن أبي سعيد، وعائشة.

حديث أم هانئ في إسناده مقال، والعمل عليه عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: أن الصائِمَ الْمُتَطَوِّعَ إِذَا أَفْطَرَ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، إِلَّا أَنْ يُحِبَّ أَنْ يَقْضِيَهُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَالشَّافِعِيِّ.

[٧٢٣-] حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو داود، نا شعبة، قال: كُنْتُ أَسْمَعُ سِمَاكَ بْنِ حَرْبٍ يَقُولُ: أَخَذَ بَنِي أُمِّ هَانِئٍ حَدَّثَنِي، فَلَقِيتُ أَنَا أَفْضَلَهُمْ، وَكَانَ اسْمُهُ جَعْدَةً، وَكَانَتْ أُمُّ هَانِئٍ جَدَّتَهُ، فَحَدَّثَنِي عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا، فَذَعَا بِشْرَابٍ فَشَرِبَ، ثُمَّ نَاولَهَا فَشَرِبَتْ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَمَا إِنِّي كُنْتُ صَائِمَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِينٌ نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ صَامَ وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ"

قال شعبة: قلت له: أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ أُمِّ هَانِئٍ؟ قَالَ: لَا، أَخْبَرَنِي أَبُو صَالِحٍ وَأَعْلَنَّا عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، وَرَوَى حَمَادُ بْنُ سَلَمَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ سِمَاكَ، فَقَالَ: عَنْ هَارُونَ ابْنِ يَسْرٍ أُمِّ هَانِئٍ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، وَرَوَاهُ شُعْبَةُ أَحْسَنُ، هَكَذَا حَدَّثَنَا محمود بن غيلان، عن أبي داود، فقال: "أَمِينٌ نَفْسِهِ" وَحَدَّثَنَا غَيْرُ محمود عن أبي داود فقال: "أَمِيرُ نَفْسِهِ أَوْ أَمِينٌ نَفْسِهِ" عَلَى الشُّكِّ، وَهَكَذَا رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ شُعْبَةَ: "أَمِيرُ أَوْ: أَمِينٌ نَفْسِهِ" عَلَى الشُّكِّ.

[٧٢٤-] حدثنا هناد، نا وكيع، عن طلحة بن يحيى، عن عُمَيَّةَ عَائِشَةَ بِنْتُ طَلْحَةَ، عن عائشة أم المؤمنين، قالت: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ قَالَتْ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: "فَإِنِّي صَائِمٌ"

[٧٢٥-] حدثنا محمود بن غيلان، نا بشر بن السري، عن سُفْيَانَ، عن طلحة بن يحيى، عن عائشة بنت طلحة، عن عائشة أم المؤمنين، قالت: إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيَنِي فَيَقُولُ: "أَعِنْدَكَ عَدَاءٌ؟" فَأَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ: "إِنِّي صَائِمٌ" قَالَتْ: فَلَأَتِيَنِي يَوْمًا فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّهُ قَدْ أَهْلَيْتَ لَنَا هَدِيَّةً، قَالَ: "وَمَا هِيَ؟" قُلْتُ: "خَمْسٌ، قَالَ: "أَمَا إِنِّي أَصْبَحْتُ صَائِمًا" قَالَتْ: ثُمَّ أَكَلْتُ. قَالَ أَبُو عَمِيْرٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: ام ہانی کی حدیث کی سند میں کلام ہے اور اس پر بعض صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا جب روزہ توڑ دے تو اس پر قضا نہیں مگر یہ کہ وہ اس کی قضا کرنا چاہے۔ اور یہ سفیان ثوری، احمد، اسحاق اور شافعی کا قول ہے۔ اور شعبہ کی حدیث اچھی ہے۔ ہم سے محمود بن غیلان نے ابو داؤد سے روایت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا: امین نفسہ یعنی شک کے بغیر۔ اور ہم سے محمود کے علاوہ نے ابو داؤد سے روایت کرتے ہیں بیان کیا: امیر نفسہ او: امین نفسہ (یعنی ان کی حدیث میں شک ہے اور امیر نفسہ کے معنی ہیں: اپنی ذات کا خود بخود، اسی طرح شعبہ سے متعدد سندوں سے اسی طرح امیر یا امین شک کے ساتھ مروی ہے۔

باب ماجاء فی إيجاب القضاء علیہ

نفل روزہ توڑنے سے قضا واجب ہوتی ہے

یہ باب اوپر والے باب کا مقابل ہے اور اس میں ان ائمہ کی دلیل ہے جو نفل روزہ توڑنے پر وجوب قضا کے قائل ہیں۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے اور حفصہ نے روزہ رکھا، پس ہمارے پاس (ہدیہ میں) ایسا کھانا لایا گیا جس کی ہم نے خواہش کی (یعنی ہمارا جی لگایا) ہم نے وہ کھانا کھالیا (یعنی روزہ توڑ دیا، اور ہر ایک نے دل میں سوچا کہ جب آپ تشریف لائیں گے تو وہ مسئلہ پوچھے گی) پس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حفصہ نے مجھ سے سہقت کی اور وہ اپنے باپ کی بیٹی تھی (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح جری تھیں) انھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم دونوں روزے سے تمہیں پس ہمارے لئے کھانا لایا گیا جس کی وجہ سے ہمارے دل لگائے پس ہم نے وہ کھالیا، آپ نے فرمایا: ”دلوں اس دن کے عوض ایک روزہ کی قضا کرو“

تشریح: اس حدیث کی بنا پر بڑے دو امام کہتے ہیں: اگر نفل روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے۔ اور یہ حدیث متصل بھی مروی ہے اور مرسل (منقطع) بھی اور مرسل حدیث اصح ہے، تفصیل عبارت کے بعد آئے گی۔

[۳۵] باب ماجاء فی إيجاب القضاء علیہ

[۷۲۶-] حدثنا أحمد بن منيع، نا كثير بن هشام، نا جعفر بن برقان، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة، قالت كنث أنا وحفصة صائمتين، ففرض لنا طعام اشتھتاه، فأكلنا منه، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فبئرتنني إلهي حفصة، وكأنت ابنة أيتها، فقالت: يا رسول الله إنا كننا صائمتين ففرض لنا طعام اشتھتاه، فأكلنا منه، قال: ”أفهيأ يومًا آخر مكانه“

قال أبو عیسیٰ: وَرَوَى صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ مَثَلُ هَذَا، وَرَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَمَعْمَرٌ، وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَزِيَادُ بْنُ سَعْدٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحَفَاطِ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلًا، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ عُرْوَةَ، وَهَذَا أَصَحُّ، لِأَنَّهُ رَوَى عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ، فَقُلْتُ: أَخَذْتَكَ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ؟ قَالَ: لَمْ أَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ فِي هَذَا شَيْئًا، وَلَكِنْ سَمِعْتُ فِي خِلَافَةِ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ مِنْ نَاسٍ، عَنْ بَعْضِ مَنْ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، حَدَّثَنَا بِهِذَا عَلَى بْنُ عَيْسَى بْنُ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ، نَا رُوْحُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

وَلَدَ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ، فَرَأَوْا عَلَيْهِ الْقَضَاءَ إِذَا افْطَرَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صالح بن ابی الاخضر اور محمد بن ابی حفصہ نے یہ حدیث زہری سے جعفر بن برقان کی طرح متصل روایت کی ہے۔ اور امام مالک، معمر، عبید اللہ بن عمر اور زیاد بن سعد وغیرہ حفاظ حدیث: زہری سے یہ حدیث منقطع روایت کرتے ہیں، وہ سند میں عروہ کا تذکرہ نہیں کرتے اور یہ منقطع روایت اصح ہے۔ کیونکہ ابن جریج سے یہ بات مروی ہے کہ انھوں نے زہری سے پوچھا: کیا آپ سے عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے؟ زہری نے کہا: میں نے اس سلسلہ میں عروہ سے کچھ نہیں سنا، البتہ سلیمان بن عبد الملک کی خلافت میں بعض ان لوگوں سے جنھوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے پوچھی تھی: سنا ہے، پھر ابن جریج رحمہ اللہ کے قول کی سند لکھی ہے۔

اور صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض حضرات اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں: بقل روزہ رکھنے والے پر قضا واجب ہے، جب وہ اس کو توڑ دے اور یہ امام مالکؒ (اور امام اعظمؒ) کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصَالِ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ

شعبان کے روزوں کو رمضان کے روزوں سے ملانا

اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک ام سلمہؓ کی، دوسری حضرت عائشہؓ کی، اور دونوں حدیثوں میں گونا گونا گویا ہے، ام سلمہ کہتی ہیں: حضور اکرم ﷺ پورے شعبان اور پورے رمضان کے روزے رکھتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آپ اکثر شعبان کے روزے رکھتے تھے، یعنی مکمل شعبان کے روزے نہیں رکھتے تھے، اس تعارض کا

ابن المبارک رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ام سلمہ کی حدیث میں مجاز ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث حقیقت پر مبنی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ شعبان کے اکثر دنوں کے روزے رکھتے تھے، پورے مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے، اور اکثر پر کل کا اطلاق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: قَامَ فَلَانٌ لَّيْلَةً أَجْمَعَ: فلاں نے پوری رات تظلیں پڑھیں۔ جبکہ اس نے شام کا کھانا بھی کھایا ہوگا، استنجے کے لئے بھی گیا ہوگا، تاہم یہ قول صحیح ہے اس لئے کہ اکثر پر کل کا اطلاق شائع ذائع ہے اسی طرح حضرت ام سلمہ کی حدیث میں مجاز ہے اور مراد شعبان کے اکثر دنوں کے روزے رکھنا ہے۔

دوسرا تعارض: یہ ہے کہ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے شعبان کے نصف آخر میں روزے رکھنے سے منع کیا ہے (یہ حدیث آئندہ باب میں آرہی ہے) اور دوسری حدیث میں جو کتاب الصوم کے شروع میں گزاری ہے آپؐ نے رمضان کے روزے ایک دو دن پہلے سے شروع کرنے سے منع کیا ہے۔ اور حضور ﷺ نصف شعبان کے بعد رمضان کے بالکل قریب تک روزے رکھتے تھے۔

اس تعارض کا حل: یہ ہے کہ جس حدیث میں روزے ایک دو دن مقدم کرنے کی ممانعت آئی ہے وہاں احتیاطاً رمضان کے روزے مقدم کرنے کی ممانعت ہے، اور شعبان کے آخر کے روزوں میں احتیاط والی بات متحقق نہیں، پس اس حدیث کا مصداق اور ہے، اسی طرح ارشاد پاک: ”شعبان کے نصف آخر میں روزے مت رکھو“ کا الگ مصداق ہے، اس حدیث میں ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جن کو روزہ کمزور کرتا ہے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزے مت رکھو، بلکہ کھا پیو اور طاقت حاصل کرو، تا کہ رمضان کے روزے قوت کے ساتھ رکھ سکو اور رمضان میں خوب نمازیں پڑھ سکو اور دیگر عبادتیں کر سکو، اور نبی ﷺ چونکہ طاقت ور تھے روزوں کی وجہ سے آپ کو کمزوری لاحق نہیں ہوتی تھی اس لئے آپ نصف شعبان کے بعد بھی روزے رکھتے تھے اور امت میں سے جو اس کی طاقت رکھتے ہیں اور روزے ان کو کمزور نہیں کرتے وہ بھی نصف شعبان کے بعد روزے رکھ سکتے ہیں، ممانعت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کو روزوں سے کمزوری لاحق ہوتی ہے۔

[۳۶] باب ماجاء فی وصال شعبان بر رمضان

[۷۲۷] - حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَابَعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ.

وفی الباب: عن عائشة، قال أبو عيسى: حديث أم سلمة حديث حسن.

[۷۲۸] - وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ أَيضًا: عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ

صلی اللہ علیہ وسلم فی شہرٍ أَكثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ، كَانَ يَصُومُهُ إِلَّا قَلِيلًا، بَلْ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّهُ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ هَذَا، نَا عَبْدُهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، نَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ.

وَرَوَى سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو. وَرَوَى عَنْ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: وَهُوَ جَائِزٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ إِذَا صَامَ أَكْثَرَ الشَّهْرِ أَنْ يَقَالَ: صَامَ الشَّهْرَ كُلَّهُ، وَيُقَالُ: قَامَ فَلَانٌ لَيْلَتَهُ أَجْمَعَ، وَلَعَلَّهُ تَعَنَّى وَاشْتَغَلَ بِبَعْضِ أَمْرِهِ، كَأَنَّ ابْنَ الْمُبَارَكِ قَدْ رَأَى كِلَا الْعَدِيدَيْنِ مُتَّفِقَيْنِ، يَقُولُ: إِنَّمَا مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ: أَنَّهُ كَانَ يَصُومُ أَكْثَرَ الشَّهْرِ.

ترجمہ: ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو لگا تار دو ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا مگر ماہ شعبان اور رمضان کے روزے، یعنی ان دو مہینوں کے روزے آپ لگا تار رکھتے تھے (یہ حدیث ام سلمہؓ سے ابوسلمہؓ نے روایت کی ہے) اور ابوسلمہؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں (ابوسلمہؓ: حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کرتے ہیں پس دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں) فرمایا: نبی ﷺ شعبان کے مہینے میں جتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے میں نے اس کثرت سے کسی اور مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا (یعنی آپ شعبان کے اکثر ایام کے روزے رکھتے تھے) اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی حدیث کی سند ہے، پھر سالم ابو النضر کی متابعت ہے وہ بھی محمد بن عمرو کی طرح روایت کرتے ہیں۔

اور ابن المبارک سے مروی ہے: انھوں نے اس حدیث (ام سلمہؓ کی حدیث) کے بارے میں فرمایا: کلام عرب میں یہ بات جائز ہے کہ جب آدمی مہینے کے اکثر دنوں میں روزہ رکھے تو کہا جائے کہ اس نے پورے مہینے کے روزے رکھے (یعنی مجازاً اکثر پر کل کا اطلاق کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے: ”قلاں فخص“ نے اپنی پوری رات فطیل پر دھیس اور ہو سکتا ہے کہ اس نے شام کا کھانا کھایا ہو اور اپنی بعض ضروریات میں مشغول ہوا ہو، گویا ابن المبارک کے نزدیک دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، وہ کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ نے مہینے کے اکثر دنوں میں روزے رکھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي مِنْ شَعْبَانَ لِحَالِ رَمَضَانَ

رمضان کی وجہ سے شعبان کے نصف ثانی میں روزے رکھنا مکروہ ہے

نبی ﷺ نے شعبان کے نصف آخر میں روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور گذشتہ باب میں یہ بات آئی ہے کہ آپؐ خود روزے رکھتے تھے، یعنی آپؐ کا قول و فعل باہم متعارض ہیں، اس تعارض کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ نصف شعبان کے بعد رمضان کی وجہ سے احتیاطاً روزے شروع کرنا ممنوع ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں

رمضان کی وجہ سے ایک دو دن پہلے سے روزے شروع کرنے کی ممانعت آئی ہے باب میں لحال رمضان بڑھا کر بھی جواب دیا ہے مگر یہ جواب قوی نہیں، کیونکہ رمضان کی وجہ سے چند روزہ دن پہلے سے کوئی روزے شروع نہیں کرتا ہاں ایک دو دن پہلے سے رمضان کے روزے شروع کرنے کا احتمال ہے، بلکہ ممانعت کی وجہ وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جن کو روزے کمزور کرتے ہیں، ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ شعبان کے نصف آخر میں روزے نہ رکھیں، بلکہ کھالی کراہت حاصل کریں تاکہ رمضان کے روزے اور دیگر عبادات نشاط کے ساتھ ادا کر سکیں۔

[۳۷] باب ماجاء فی کراهیة الصوم فی النصف الباقي من شعبان لحال رمضان

[۷۲۹-] حدثنا قتيبة، نا عبد العزيز بن محمد، عن الغلاء بن عبد الرحمن، عن أبيه، عن أبي

هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا بقي نصف من شعبان فلا تصوموا"

قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، لا تعرفه إلا من هذا الوجه على هذا اللفظ.

ومعنى هذا الحديث عند بعض أهل العلم: أن يكون الرجل مفطراً، فإذا بقي شئ من شعبان أخذ في الصوم لحال شهر رمضان.

وقد روى عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم بما يشبه قوله، وهذا حديث قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تقبلوا شهر رمضان بصيام إلا أن يوافق ذلك صوماً كان يصومه أحدكم" وقد ذل هذا الحديث: إنما الكراهية على من يتعمد الصيام لحال رمضان.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب آدھا شعبان باقی رہ جائے تو روزے مت رکھو" اور اس حدیث کے معنی بعض علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کوئی شخص روزہ نہ رکھتا ہو، پھر جب شعبان کا کچھ حصہ باقی رہ جائے تو وہ ماہ رمضان کی وجہ سے روزے شروع کر دے (یعنی مذکورہ حدیث میں رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان کے نصف ثانی میں روزوں کی ممانعت ہے) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے مشابہ حدیث مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رمضان سے آگے نہ بڑھو روزوں کے ساتھ، مگر یہ کہ اتفاقاً ایسا روزہ آجائے جس کو تم میں سے کوئی رکھا کرتا ہے (اس حدیث میں بھی رمضان کی تعظیم کے لئے روزوں کی تقدیم کی ممانعت ہے) اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کراہیت اسی شخص کے لئے ہے جو بالقدہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے روزے رکھے (خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں کا مصداق ایک ہے، دونوں میں تعظیم رمضان کی وجہ سے شعبان کے نصف ثانی میں روزوں کی ممانعت ہے، اسی تطبیق پر ہم نے اشکال کیا ہے اور اوپر دوسرا جواب دیا ہے)

باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان

پندرہویں شعبان کا بیان

شعبان کی پندرہویں رات کو شب براءت کہتے ہیں۔ براءت کے معنی ہیں: جہنم سے رستگاری۔ عوام شب براءت (شادی کی رات) کہتے ہیں، جب انھوں نے براءت کو ”براءت“ کر دیا تو اس رات میں کچھ کرنا دھرتا تو ختم ہو گیا اور پٹاٹے، چراغاں اور طرح طرح کے خرافات شروع ہو گئے، لفظوں کے بڑے اثرات پڑتے ہیں۔ جیسے مدرسوں سے پڑھ کر نکلنے والوں کو جب سے ”فارغ“ اور ”فاضل“ کہا جانے لگا انھوں نے پڑھنا چھوڑ دیا، اور خود کو ہاکمال سمجھ لیا، اور جو اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا اس کی ترقی رک گئی!

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس رات کے سلسلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، سب سے اچھی روایت وہ ہے جو باب میں ہے مگر اس میں دو جگہ انقطاع ہے، ایک: حجاج بن ارطاة کا یحییٰ سے لقاء و سلام نہیں، دوسرا: یحییٰ کا عروہ سے لقاء نہیں، اگرچہ ابن الدہبی لقاء مانتے ہیں اور ثبت ثانی پر مقدم ہوتا ہے، مگر پہلی بات میں یعنی حجاج کا یحییٰ سے لقاء نہیں اتفاق ہے اور حجاج ضعیف راوی ہے، پس سند میں تین خرابیاں ہیں۔ اور اس رات میں نفلوں کی جو روایتیں ہیں ابن العری (ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی کے مصنف) فرماتے ہیں: وہ سب موضوع ہیں، دوسری بات انھوں نے یہ لکھی ہے کہ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اس رات میں لوح محفوظ سے ان لوگوں کے نام نکل کر کے ملک الموت کو دیدیئے جاتے ہیں جن کی اگلے سال میں وفات ہونی ہے: یہ انکل بچہ کی بات ہے، اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس رات میں مسلمان جو چراغاں کرتے ہیں اور پٹاٹے چھوڑتے ہیں وہ دیوالی کی نقل ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ضعیف روایات سے صرف تین باتیں ثابت ہیں: اول: اس رات میں اپنے لئے اور مردوں کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے (قبرستان جانا ضروری نہیں) دوم: شعبان کی پندرہ تاریخ کا روزہ رکھنا (چونکہ اس کا ثبوت ضعیف روایت سے ہے اس لئے فقہاء نے پندرہ تاریخ کے روزے کو مستحب روزوں میں شمار کیا ہے) سوم: اس رات میں انفرادی طور پر حسب توفیق کوئی بھی نیک کام کرنا، تعداد کی تعین کے بغیر نفلیں پڑھنا وغیرہ۔ یہ تین باتیں ضعیف روایتوں سے ثابت ہیں، اور بعض لوگوں نے جو اس رات کو کھیل تماشا کی رات بنا لیا ہے وہ حشران میں ہیں، اس لئے کہ جہنم سے چھٹکارا تو کچھ کرنے سے حاصل ہوگا خرافات سے رستگاری کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اور جو دیندار مسلمان اس رات میں مسجدوں میں اجتماعی شکل میں عبادت کرتے ہیں وہ بھی غلط ہے، اصل انفرادی اعمال ہیں، ہر آدمی اپنے گھر میں عبادت کرے اور اپنے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی مغفرت طلب کرے، اور ایک ضعیف حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اس رات میں ہر شخص کی مغفرت کی جاتی ہے سوائے مشرک، کینہ پرور، رشتہ نانا

توڑنے والے، ازار کھنٹوں سے پیچھے لٹکانے والے، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے اور شراب کے عادی کے، ان کی طرف اللہ تعالیٰ نظر نہیں فرماتے (تبیلی فی شعب الایمان ۳: ۳۸۴) یعنی اس مبارک رات میں بھی مذکورہ چھ شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی، پس ان کو اپنے احوال کی اصلاح کرنی چاہئے۔

اور شب براءت کا ثبوت صرف ضعیف احادیث سے ہے، قرآن کریم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، اور سورہ دخان کی ابتدائی آیات: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ، فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ میں شب قدر کا ذکر ہے۔ بعض مقررین جو ان آیات کو شب براءت پر فٹ کرتے ہیں وہ غلط ہے، اس لئے کہ قرآن کریم لوح محفوظ سے سمائے دنیا پر لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے، شب براءت میں نازل نہیں ہوا۔

اس کی نظیر: قرآن کریم میں کسی بھی جگہ کسی بھی نبی کو بشمول نبی ﷺ نور نہیں کہا گیا، البتہ آسمانی کتابوں کو جگہ جگہ نور کہا گیا ہے، ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (سورہ المائدہ آیت ۴۴) ﴿وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ﴾ (سورہ المائدہ آیت ۴۶) اور ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ (سورہ المائدہ آیت ۱۵) اس آیت میں نور اور کتب کا مصداق قرآن کریم ہے اور واو عطف تفسیری ہے، بعض مفسرین نے نور کا مصداق نبی ﷺ کو قرار دیا ہے وہ غلط ہے، دلیل اگلی آیت ہے: ﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ لَكُمْ سُبُلَكُمْ﴾ یہاں مفرد کی ضمیر آئی ہے اگر نور اور کتاب دو چیزیں ہوتیں تو حنین کی ضمیر (بہما) آتی۔

اسی طرح سورہ دخان کی آیات میں شب براءت مراد لینا غلط ہے، غرض شب براءت کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے، مگر اس کا ثبوت ضعیف روایتوں سے ہے، پس غیر مقلدین جو شب براءت کی مطلق لقی کرتے ہیں وہ بھی غلط ہے۔

حدیث: ایک رات نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے، تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ رات شعبان کی پندرہویں رات ہے، خداوند عالم اس رات میں اتنے زیادہ لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتے ہیں جو قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، پس آپ اموات کے لئے دعائے مغفرت کریں، نبی ﷺ چپکے سے اٹھے تاکہ حضرت عائشہ کی نیند خراب نہ ہو، آپ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر تشریف لے گئے، حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی، ان کو خیال آیا کہ شاید آپ کسی اور بیوی صاحبہ کے پاس تشریف لے گئے، چنانچہ وہ بھی کمرے سے دیکھنے کے لئے نکلیں، انھوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ بقیع الفرقہ (قبرستان) کی طرف جا رہے ہیں، وہ مسجد سے نکلیں اور آنحضور ﷺ کو دیکھتی رہیں۔ جب آپ قبرستان سے لوٹے تو وہ کمرہ میں لوٹ کر لیٹ گئیں، آپ خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئے اور حضرت عائشہ کے ساتھ لیٹ گئے، مگر آپ نے محسوس کیا کہ ان کا سانس پھول رہا ہے، آپ ساری بات سمجھ گئے اور فرمایا: ”کیا تمہیں دھڑکا لگا کہ تمہارے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ناصی فیہ کریں گے!“ یعنی کیا میں آپ کی باری میں دوسری بیوی کے پاس

جاؤ گا؟ حضرت عائشہؓ نے اعتراف کیا کہ ان کے ذہن میں ایسا دوسرا آیا تھا، آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں سائے دنیا پر نازل فرماتے ہیں، اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں“ چنانچہ میں اموات کے لئے دعا کرنے کے لئے قبرستان گیا تھا مگر آپؐ نے لوگوں کو قبرستان جانے کی ترغیب نہیں دی، نیز آپؐ نے یہ عمل خاموشی سے کیا، یہ اتفاق تھا کہ حضرت عائشہؓ نے دیکھ لیا، اگر ان کی آنکھ نہ کھلتی تو کسی کو پتا بھی نہ چلا، اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ قبرستان جانا ضروری نہیں، اپنے لئے اور اموات کے لئے دعائے مغفرت کرنا کافی ہے۔

[۳۸] باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان

[۷۳۰-] حدثنا احمد بن منيع، نا يزيد بن هارون، نا الحجاج بن أرطاة، عن يحيى بن أبي كثير، عن عروة، عن عائشة، قالت: لقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة، فخرجت فإذا هو بالبيع، فقال: ”أَكْتَبُ تَخَالِيفَ أَنْ يَجِيفَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَسُولُهُ؟“ قُلْتُ: يا رسول الله! ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ بَسَاتِكَ، فَقَالَ: ”إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النُّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لَأَكْثَرِ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمٍ تَكَلَّبَ“

وفی الباب: عن ابی بکر الصديق. قال ابو عيسى: حديث عائشة لا تعرفه إلا من هذا الوجه من حديث الحجاج، وسمعتُ محمداً يضعف هذا الحديث، وقال: يحيى بن أبي كثير لم يسمع من عروة، قال محمد: والحجاج لم يسمع من يحيى بن أبي كثير.

وضاحت: اس حدیث کی حجاج بن ارطاة سے اوپر کی ایک سند ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے کہ یحییٰ کا عروہ سے لقاء و سماع نہیں (مگر ابن الدبی نے سماع ثابت کیا ہے) اور امام بخاری فرماتے ہیں: حجاج نے یحییٰ سے نہیں سنا (اس القطاع کو سب تسلیم کرتے ہیں) نیز حجاج بن ارطاة ضعیف راوی ہے۔

باب ماجاء فی صوم المعتم

محرم کے روزے کی فضیلت

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے روزوں کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں (اللہ کا مہینہ: اضافت تشریف کے لئے ہے یعنی برکت والا اور محترم مہینہ) نوٹ: یہ حدیث اور اس کی وضاحت کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث (۲): حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا: آپ رمضان کے روزوں کے بعد کس مہینے کے روزے رکھنے کا مجھے مشورہ دیتے ہیں، حضرت علیؑ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا اس وقت میں آپ کے پاس موجود تھا، اس وقت سے آج تک کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا، آپ پہلے شخص ہیں جو یہ سوال کر رہے ہیں۔ سائل نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے رمضان کے بعد کونسے مہینے کے روزے رکھنے کا حکم دیتے ہیں؟ یعنی رمضان کے بعد کس مہینے کے روزے افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر آپ رمضان کے بعد کسی مہینے کے روزے رکھنا چاہیں تو محرم کے روزے رکھیں، کیونکہ وہ اللہ کا مہینہ ہے (کبھی مہینے اللہ کے ہیں، پس اضافت تشریف کے لئے ہے، جیسے تمام مسجدیں اللہ کے گھر ہیں، پس "بیت اللہ" میں اضافت تشریف کے لئے ہے) اس ماہ میں ایک دن ہے (مگر وہ کونسا دن ہے یہ معلوم نہیں، جیسے رمضان کی راتوں میں ایک بابرکت رات (شب قدر) ہے مگر وہ متعین طور پر معلوم نہیں) اس دن میں اللہ نے ایک قوم پر مہربانی کی نظر فرمائی ہے (قاب یتوب قوتاً کے معنی ہیں: خصوصی توجہ کرنا، مہربانی کی نظر کرنا) اور اس دن میں (آئندہ) ایک قوم پر مہربانی کی نظر فرمائیں گے۔

تشریح: وہ قوم جس پر پہلے اللہ تعالیٰ مہربانی کی نظر فرما چکے ہیں اور اسے ظالم کے پنجہ سے نکال چکے ہیں وہ تو متعین طور پر معلوم ہے، اس ماہ میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل پر نظر کرم فرمائی ہے، اور اس محرم الحرام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکریوں کو غرقاب کیا ہے اور وہ قوم جس پر اللہ تعالیٰ آئندہ نظر کرم فرمائیں گے متعین طور پر معلوم نہیں، بعض لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے مگر وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی طرح اس قوم کو بھی ظالم سے نجات عطا فرمائیں گے۔ جبکہ حضرت حسینؑ کے واقعہ میں دشمن غالب آیا تھا اور حضرت حسینؑ شہید ہو گئے تھے، پس ان کے واقعہ کو حدیث کا مصداق قرار دینا درست نہیں، پس جس واقعہ کی طرف اس حدیث میں اشارہ آیا ہے: ممکن ہے وہ واقعہ پیش آچکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابھی تک پیش نہ آیا ہو، آئندہ پیش آئے، واللہ اعلم

[۳۹] باب ماجاء فی صوم المحرم

[۷۳۱-] حدثنا قتيبة، نا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن حميد بن عبد الرحمن الجعفي، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أفضل الصيام بعد صيام شهر رمضان شهر الله المحرم"

قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن.

[۷۳۲-] حدثنا علي بن حنبل، نا علي بن مسهر، عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن النعمان بن

سَعْدٌ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَأَلَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: أَيُّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصُومَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ لَهُ: مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يُسْأَلُ عَنْ هَذَا إِلَّا رَجُلًا سَمِعْتُهُ يُسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا قَاعِدٌ عِنْدَهُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَيُّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصُومَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ قَالَ: "إِنْ كُنْتَ صَالِمًا بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَاصُمْ الْمُحَرَّمِ، فَإِنَّهُ شَهْرُ اللَّهِ، فِيهِ يَوْمٌ تَابَ اللَّهُ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ، وَيَتُوبُ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ آخَرِينَ" قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

باب ماجاء في صوم يوم الجمعة

جمع کے روزے کا بیان

حدیث: نبی ﷺ ہر مہینے کے شروع کے تین دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے ہوں۔

تشریح: غُرَّة کے معنی ہیں: پیشانی کی روشنی اور مراد قمری مہینے کے شروع کے تین دن یا ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخیں ہیں۔ اگر ایام بیض مراد ہوں تو بات واضح ہے، اس لئے کہ ان تاریخوں میں چاند مکمل ہوتا ہے، اور یہ راتیں مہینے کی تمام راتوں میں سب سے زیادہ روشن ہوتی ہیں، اور اگر مہینے کے شروع کے تین راتیں مراد ہوں تو وہ گزشتہ مہینے کی آخری تین راتوں کے مقابلہ میں روشن ہوتی ہیں، مہینے کی آخری تین راتوں میں چاند نہیں ہوتا، پھر جب چاند نمودار ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ روشنی ہوتی ہے اس لئے وہ غرہ ہیں، اور چونکہ غرَّة کے اصل معنی ہیں: گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی، پس مہینے کی شروع کی تین راتیں مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

اور جمعہ کا روزہ بالا جماع مستحب ہے، البتہ اگر تخصیص سے تفصیل کا وہم پیدا ہو جائے کہ آدمی جمعہ کے آگے پیچھے روزہ رکھنا جائز ہی نہ سمجھے تو صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جیسے ماثورہ سورتیں نماز میں پڑھنا سنت ہے مگر التزام کی صورت میں یعنی آدمی دوسری سورتیں پڑھنا جائز ہی نہ سمجھے تو مکروہ ہے۔

[۴۰] باب ماجاء في صوم يوم الجمعة

[۷۳۳-] حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ، نَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، وَطَلْقُ بْنُ عِثَامٍ، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زُرَّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَقَلَّ مَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

وفی الباب: عن ابن عمر، وأبي هريرة، قال أبو عيسى: حديث عبد الله حديث حسن غريب. ولقد استحب قوم من أهل العلم صيام يوم الجمعة، وإنما ينكره أن يصوم يوم الجمعة، لا يصوم.

قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ.

قَالَ: وَرَوَى شُعْبَةُ عَنْ غَاصِمٍ هَذَا الْحَدِيثَ، وَلَمْ يَرْفَعَهُ.

ترجمہ: اور علماء کی ایک جماعت جمعہ کے دن کے روزے کو مستحب کہتی ہے اور مکروہ ہے یہ بات کہ آدمی صرف جمعہ کے دن روزہ رکھے، نہ اس سے پہلے روزہ رکھے اور نہ اس کے بعد۔۔۔ اس حدیث کی عاصم بن بہدلہ سے اوپر یہی ایک سند ہے، پس یہ حدیث غریب ہے اور اس کے موقوف و مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ شیبان اس کو مرفوع کرتے ہیں اور شعبہ موقوف۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحَدِّهِ

صرف جمعہ کے دن کے روزے کی کراہیت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ جمعہ سے پہلے والے دن میں روزہ رکھے یا اس کے بعد والے دن میں روزہ رکھے“

تشریح: حنفیہ کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ رکھنا جائز ہے اس میں کوئی کراہیت نہیں، اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حنفیہ کے قول اور اس حدیث کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ اگر تخصیص یا تفصیل کا وہم پیدا ہو تو صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، اور اگر ایسا کوئی وہم پیدا نہ ہو تو جائز ہے، جیسے نمازوں میں ماثورہ سورتیں پڑھنا جائز ہے لیکن تخصیص یا تفصیل کا وہم پیدا ہو تو مکروہ ہے۔

[۴۱] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحَدِّهِ

[۷۳۴-] حَدَّثَنَا هُنَادٌ، نا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَصُومُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ أَوْ يَصُومَ بَعْدَهُ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَجَابِرٍ، وَجُنَادَةَ الْأَزْدِيِّ، وَجُوَيْرِيَةَ، وَانْسِ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدَّثَنَا أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ أَنْ يُخْتَصَّ يَوْمُ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ، لَا يَصُومُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، وہ اس بات کو نا پسند کرتے ہیں کہ جمعہ کا دن خاص کیا جائے روزے کے ساتھ نہ اس سے پہلے روزہ رکھے اور نہ اس کے بعد اور اس کے احمد اور اسحاق قائل ہیں۔

باب ماجاء فی صوم یوم السبت

سنچر کے روزے کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بار کے دن روزہ نہ رکھو، مگر وہ روزے جو تم پر فرض کئے گئے ہیں (یعنی رمضان میں بار کے روزے مستثنیٰ ہیں) پس اگر تم میں سے کوئی کھانے کے لئے کچھ نہ پائے مگر انگور کا چھلکا (انگور کی تیل کا چھلکا مراد نہیں، وہ کھایا نہیں جاتا بلکہ کبھی انگور کی کھال موٹی ہوتی ہے تو اس کو دانتوں میں دبا کر چوس لیتے ہیں اور چھلکا پھینک دیتے ہیں، جس کو بکری کھاتی ہے وہ چھلکا مراد ہے) یا درخت کی (تر) لکڑی پس چاہئے کہ اس کو چبالے اور اپنا روزہ نہ ہونا ظاہر کرے۔

تشریح: سنچر میں روزہ رکھنا فی نفسه جائز ہے، نبی ﷺ نے اس دن میں روزہ رکھا ہے اور سنچر کا روزہ جمعہ یا اتوار کے ساتھ ملا کر رکھنا بھی جائز ہے، اور تنہا سنچر کا روزہ بھی رکھ سکتے ہیں، مگر چونکہ سنچر کا روزہ یہودی رکھتے ہیں اس لئے جہاں یہودی ہوں وہاں سنچر میں روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔

[۴۲] باب ماجاء فی صوم یوم السبت

[۷۳۵-] حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، نَاسُفِيَانُ بْنُ حَبِيبٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ، عَنْ أُخْتِهِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا لِمَا تَرَضَ عَلَيْكُمْ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عَنَبَةٍ أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضُغْهُ"
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، ومعنى الكراهية في هذا: أَنْ يَخُصَّ الرَّجُلُ يَوْمَ السَّبْتِ بِصِيَامٍ، لِأَنَّ الْيَهُودَ يَعْظُمُونَ يَوْمَ السَّبْتِ.

ترجمہ: اور سنچر کے روزے میں کراہیت کے معنی یعنی صورت یہ ہے آدمی سنچر کو روزے کے ساتھ خاص کر لے، یعنی صرف سنچر کا روزہ رکھے تو یہ مکروہ ہے اس لئے کہ یہودی سنچر کی تعظیم کرتے ہیں (اور وہ اس دن روزہ رکھتے ہیں، پس ان کی مشابہت سے بچنا چاہئے) اور عبد اللہ بن بسر: صحابی صغیر ہیں، اور ان کی بہن کا نام صماء ہے، وہ صحابیہ ہیں۔

باب ماجاء فی صوم یوم الاثنين والخميس

پیر اور جمعرات کے روزے کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ خیال کر کے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے، یعنی پہلے سے خیال رکھتے تھے کہ

جب یہ دن آئیں گے روزہ رکھیں گے (وہ تیسری حدیث میں آ رہی ہے)

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ ایک مہینے سچے، اتوار اور پیر کے روزے رکھتے تھے اور اگلے مہینے منگل، بدھ اور جمعرات کے روزے رکھتے تھے یعنی آپؐ نے ساتوں دنوں میں روزے رکھے ہیں، روزوں کے ساتھ کسی دن کو خاص نہیں کیا۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندوں کے اعمال پیر اور جمعرات کو (بارگاہ ایزدی میں) پیش کئے جاتے ہیں، پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال پیش کئے جائیں دراصل ایک دن روزے سے ہوں۔

[۴۳] باب ماجاء فی صوم یوم الاثنين والخمیس

[۷۳۶] - حدثنا أبو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْفَلَّاسُ، نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ قُوَيْدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ رِبْعَةَ الْجُرَشِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ.

وفی الباب: عن حَفْصَةَ، وابی قَتَادَةَ، وَأَسَمَةَ بْنِ زَيْدٍ، قال أبو عیسی: حدیث عائشة حدیث حسن غریب من هذا الوجه.

[۷۳۷] - حدثنا محمود بن غیلان، نا أبو أحمد، ومعاوية بن هشام، قالا: نا سُفْیَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ خَبِثَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتِ وَالْاِثْنِ وَالْاِثْنَيْنِ، وَمِنَ الشَّهْرِ الْاِخْرِ الْاَثَلَاءَ، وَالْاَرْبَعَاءَ، وَالْخَمِيسَ.

قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن، وروى عبد الرحمن بن مهدي هذا الحديث عن سُفْیَانِ، وَلَمْ يَرْفَعَهُ.

[۷۳۸] - حدثنا محمد بن یحیی، نا أبو عاصم، عن محمد بن رفاعه، عن سهیل بن ابی صالح، عن أبيه، عن ابی هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ"

قال أبو عیسی: حدیث ابی هريرة فی هذا الباب حدیث حسن غریب.

باب ماجاء فی صوم الأربعاء والخمیس

بدھ اور جمعرات کے روزے کا بیان

حدیث: کسی صحابی نے نبی ﷺ سے صوم دھر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا، آپؐ نے فرمایا: تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے، یعنی ہمیشہ روزے رکھنے سے ضعف آ جائے گا اور بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی، اس لئے صوم الہم مناسب نہیں، اور فرمایا: رمضان کے روزے رکھو اور اس سے متصل مہینے کے یعنی شوال کے روزے

رکھو اور ہر ہفتہ، بدھ اور جمعرات کے روز بے رکھو، پس تو نے ہمیشہ روزہ رکھا اور سب روزہ بھی رہا، یعنی یہ حکم صوم اللہ صر ہے جو پسندیدہ ہے، حقیقت صوم اللہ ہر پسندیدہ نہیں۔

[۴۴] باب ماجاء فی صوم يوم الأربعاء والخميس

[۷۳۹-] حدثنا الحسن بن محمد الخيري، ومحمد بن مخلوف، قالا: نا غيبه الله بن موسى، نهارون بن سلمان، عن غيبه الله بن مسلم القرظي، عن أبيه، قال: سألت أبا: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن صيام الثغر؟ فقال: "إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ حَقٌّ" ثم قال: "صُمْ رَمَضَانَ، وَالَّذِي يَلِيهِ، وَكُلَّ أَرْبَعَاءٍ وَخَمِيسٍ، فَإِذَا أَنْتَ لَدُ ضَمَّتِ الثَّغَرَ، وَأَفْطَرْتَ" وفي الباب: عن عائشة، قال أبو عيسى: حديث مسلم القرظي حديث غريب، وروى بعضهم عن هارون بن سلمان، عن مسلم بن غيبه الله، عن أبيه.

باب ماجاء فی فضل صوم يوم عرفة

عرفہ کے دن کے روزے کی فضیلت

عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کا روزہ بالاجماع ملت ہے اور اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، البتہ حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھنا اولیٰ ہے یا نہ رکھنا اولیٰ ہے اس میں اختلاف ہے، تفصیل آئندہ باب میں آ رہی ہے۔ حاجیوں کے علاوہ سب کے لئے نو ذی الحجہ کو روزہ رکھنا بالاجماع مستحب ہے۔ حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عرفہ کے دن کا روزہ: بیشک میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید باندھتا ہوں کہ وہ مٹا دیں گے اُس سال (کے گناہوں) کو جو بعد میں آنے والا ہے، اور اُس سال (کے گناہوں) کو جو گزر چکا ہے (حدیث میں مجاز بالحدف ہے، مراد گناہوں کو مٹاتا ہے)

تشریح: اس حدیث میں دو متضاد باتیں اکٹھا ہوئی ہیں: ایک: اللہ سے امید باندھنا (احتساب) دوسری: اللہ کے ذمہ کسی چیز کا واجب ہونا (علی اللہ) اللہ کے فضل و کرم کی امید باندھنا الگ بات ہے اور اللہ کے ذمہ کوئی بات ضروری ہونا الگ بات ہے، مگر ایسا عربی میں بکثرت ہوتا ہے: جو فعل شعور میں ہوتا ہے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور جو فعل لا شعور میں ہوتا ہے اس کا صلہ لاتے ہیں (سر کے پچھلے حصہ میں جو چھوٹا داغ ہے اس کا نام لا شعور ہے اور آگے کے حصہ میں جو بڑا داغ ہے جس کے پانچ حصے ہیں وہ شعور کہلاتا ہے) یہاں شعور میں تو احتساب ہے کیونکہ اللہ کے ذمہ کوئی چیز واجب نہیں، ثواب کی امید ہی باندھی جاسکتی ہے۔ اور اس شعوری فعل کا صلہ من آتا ہے ای احتساب

من اللہ اور لاشعور میں فعل واجب ہے اور اس کا صلہ علی آتا ہے ای واجب علی اللہ اور اس فعل کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ اللہ کے شایان شان نہیں، اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں، اور احتساب اللہ کے شایان شان ہے، بندے اس کے فضل و کرم کی امید باندہ سکتے ہیں، اس لئے اس کو ذکر کیا۔ مگر بعض باتیں جو بندوں کے تعلق سے سرسری ہوتی ہیں اللہ کے تعلق سے اہم ہوتی ہیں، جیسے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ میں لعل ہمارے تعلق سے امید کے لئے ہے اور اللہ کے تعلق سے پکا وعدہ ہے، چنانچہ تمام مفسرین لعل کا ترجمہ ”تا کہ“ کرتے ہیں ”شاید“ نہیں کرتے۔ اس قاعدے سے کہ ہم نے اللہ کے فضل سے جو امید باندھی ہے اللہ ہمیں اس سے واپس نہیں کریں گے وہ ثواب ہمیں ضرور عطایت فرمائیں گے، غرض علی لاشعور میں جو فعل ہے اس کا صلہ ہے اور یہ بتانے کے لئے لایا گیا ہے کہ عرفہ کے روزے پر جس ثواب کا اللہ کی طرف سے وعدہ ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔

[۴۵] باب ماجاء فی فضل صوم یوم عرفہ

[۷۴۰-] حدثنا قتيبة، وأحمد بن عبد الله الضبي، قالوا: نا حنّاد بن زيد، عن غيلان بن جهم، عن عبد الله بن معبد الزمالي، عن أبي قتادة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "صيام يوم عرفة إليّ أحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ"
وفي الباب: عن أبي سعيد، قال أبو عيسى: حديث أبي قتادة حديث حسن، وقد استُشْعِبَ أَهْلُ الْعِلْمِ صِيَامَ يَوْمِ عَرَفَةَ إِلَّا بِعَرَفَةَ.

باب ماجاء فی کراهیۃ صوم یوم عرفۃ بعرفۃ

حاجیوں کے لئے عرفہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے اس کو ثابت کرنا مشکل ہے، باب میں جو احادیث ہیں ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اور ابوداؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے یوم عرفہ میں روزہ رکھنے سے منع کیا وہ ضعیف حدیث ہے (مشکوٰۃ حدیث ۲۰۶۲) اور اس سلسلہ میں احناف کا یہ ہے کہ اگر عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے عرفہ کے کاموں میں خلل پڑے تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے، اور اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے عرفہ کے کاموں میں کچھ خلل نہ پڑے تو روزہ رکھنا بہتر ہے۔

حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ، عبداللہ بن الزہرہ اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہم عرفہ کے میدان میں روزہ رکھتے تھے (فتح ۴: ۲۰۷) اور حضور ﷺ اور خلفاء راشدین عرفہ کے دن اس

لئے روزہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ امیر المؤمنین تھے، ان کے ذمے بہت کام ہوتے تھے، نیز وہ مقتدی بھی تھے، ان کے فعل کی پیروی کی جاتی تھی، اس لئے لوگوں کی سہولت کے لئے یہ حضرات عرفہ کے میدان میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ بعض کام امت کی مصلحت سے کیا کرتے تھے، اگر عرفہ کے دن آپ روزہ رکھتے تو اجتماع میں سب لوگ روزہ رکھتے اور سب حاجیوں کے لئے میدان عرفات میں روزہ رکھنا ایک مشکل امر ہے جیسے شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں بالقصد تہجد نہیں پڑھا تھا تاکہ لوگ اس نماز کو ضروری خیال نہ کریں، اگرچہ تہجد پڑھنے کا آپ کا معمول تھا، مگر لوگوں کی مصلحت سے اس کو ترک کر دیا، اسی طرح کی مصلحت سے آپ نے میدان عرفہ میں روزہ نہیں رکھا تھا، یا جیسے نبی ﷺ فجر کی سنتیں ہلکی پڑھتے تھے حالانکہ آپ آدمی رات سے بیدار ہو جاتے تھے اور تہجد کے شروع میں دو ہلکی رکعتیں پڑھتے بھی تھے مگر چونکہ امت کی اکثریت فجر کے وقت بیدار ہوتی ہے اس لئے آپ نے ان کی مصلحت سے فجر کی سنتیں بھی ہلکی پڑھی ہیں تاکہ لوگ یہ سنتیں ہلکی پڑھیں اور اس سے تیسری گرہ کھل جائے، پھر فجر نشاط کے ساتھ پڑھیں، اس کی اور بھی مثالیں ہیں۔ غرض آپ کا یوم عرفہ میں روزہ نہ رکھنا مصلحت تھا۔

حدیث (۱): حجتہ الوداع کے موقعہ پر جب نبی ﷺ عرفہ میں وقوف عرفہ کئے ہوئے تھے، خواتین میں یہ بحث چلی کہ آج آپ کا روزہ ہے یا نہیں؟ حضرت ام الفضل (ابن عباس کی والدہ اور آپ کی چچی) نے تحقیق کے لئے آپ کے پاس دو دھبیجیاں آپ نے نوش فرمالیا، معلوم ہوا کہ آج آپ کا روزہ نہیں ہے۔
تشریح: اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ حاجیوں کے لئے عرفہ میں روزہ رکھنا مکروہ ہے، غالباً صحیح نہیں، عدم فعل سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرفہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ یعنی حاجی کو عرفہ میں روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا ہے انھوں نے روزہ نہیں رکھا۔ ابو بکرؓ کے ساتھ حج کیا ہے انھوں نے روزہ نہیں رکھا۔ عمرؓ کے ساتھ حج کیا ہے انھوں نے روزہ نہیں رکھا، عثمانؓ کے ساتھ حج کیا ہے، انھوں نے روزہ نہیں رکھا اور خود میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا، مگر کسی کو منع بھی نہیں کرتا۔

تشریح: اس حدیث سے بھی کراہیت پر استدلال درست نہیں، بلکہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حاجی کے لئے عرفہ میں روزہ رکھنا جائز ہے، کیونکہ اس دن روزہ مکروہ ہوتا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما ضرور منع کرتے۔

[۱۶] باب ماجاء فی کراہیۃ صوم یوم عرفۃ بعرفۃ

[۷۶۱-] حدثنا أحمد بن منيع، نا إسماعيل بن علفية، نا أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس: أن

النبي صلى الله عليه وسلم أفطر بعرفة، وأرسلت إليه أم الفضل بلبَن فشرب.
 وفي الباب: عن أبي هريرة، وابن عمر، وأم الفضل، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث
 حسن صحيح.
 وقد روى عن ابن عمر قال: حججت مع النبي صلى الله عليه وسلم فلم يصمه يعني يوم عرفة،
 ومع أبي بكر فلم يصمه، ومع عمر فلم يصمه.
 والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم يستحبون الإفطار بعرفة، ليتقوى به الرجل على الدعاء،
 وقد صام بعض أهل العلم يوم عرفة بعرفة.
 [۷۴۲-] حدثنا أحمد بن منيع، وعلي بن حنبل، قالوا: لنا سفيان بن عيينة، وإسماعيل بن إبراهيم،
 عن ابن أبي نجيح، عن أبيه، قال سئل ابن عمر عن صوم يوم عرفة؟ قال: حججت مع النبي صلى
 الله عليه وسلم فلم يصمه، ومع أبي بكر فلم يصمه، ومع عمر فلم يصمه، ومع عثمان فلم يصمه،
 وأنا لأصومه ولا أمر به، ولا أنهي عنه.
 قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، وأبو نجيح: اسمه يسار، وقد سمع من ابن عمر، وقد روى
 هذا الحديث أيضا عن ابن أبي نجيح، عن أبيه، عن رجل، عن ابن عمر.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پہلے بغیر سند کے لکھی ہے اس بے سند حدیث میں
 مصری نسخہ میں ومع عثمان فلم يصمه ہے، پھر اس حدیث کو سند کے ساتھ لائے ہیں — اور اکثر علماء کا اس
 حدیث پر عمل ہے وہ عرفہ میں روزہ نہ رکھنے کو پسند کرتے ہیں تاکہ آدمی دعا (اور عرفہ کے دیگر اعمال میں) قوت حاصل
 کرے، اور بعض علماء نے عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھا ہے (پھر مکروہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟) اور ابن عمرؓ
 حدیث میں جو ابویٰ آئے ہیں ان کا نام پیار ہے اور ان کا ابن عمرؓ سے سارے ہے مگر وہ یہ حدیث اپنے والد کے واسطے
 سے روایت کرتے ہیں، بلکہ ان کے والد کے بعد ایک مجہول واسطے سے بھی روایت کرتے ہیں۔

باب ماجاء في الحث على صوم يوم عاشوراء

عاشورہ کے روزے کی ترغیب

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عاشوراء کے دن کا روزہ: بیشک میں اللہ کے ذمے امید باندھتا ہوں کہ وہ مٹا دیں
 گے اُس سال (کے گناہوں) کو جو گزر چکا ہے۔

تشریح: یہ حضرت ابوقحافہؓ کی وہی حدیث ہے جو پہلے گزری ہے، اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ عاشورہ کے روزہ

سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، علاوہ انہیں عاشورہ کے روزہ کی ترغیب میں آٹھ صحابہ سے روایتیں ہیں، مگر ایک سال کے گناہ معاف ہونے کا تذکرہ صرف ابو قتادہ کی روایت میں ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے، اور عاشورہ کے روزے کے مستحب ہونے پر اجماع ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورے کا روزہ فرض تھا یا نہیں؟ شوافع انکار کرتے ہیں، اور احناف ثابت کرتے ہیں۔ اور جو حکم تخفیف کے طور پر منسوخ ہوتا ہے اس کا استحباب باقی رہتا ہے، اس لئے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ عاشورے کا روزہ مستحب ہے، البتہ اس اختلاف کا اثر ایک دوسرے مسئلہ پر پڑا ہے جو پہلے گذر چکا ہے کہ رمضان میں رمضان کے روزے کی اور نذر محین کے روزے کی نیت دن شروع ہونے کے بعد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی اس میں مہینہ نیت ضروری ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک کی جاسکتی ہے، کیونکہ ہجرت کے بعد جو پہلا عاشورہ کا دن آیا اس میں آپؐ نے دن شروع ہونے کے بعد اعلان کر دیا ہے کہ جس نے اب تک کھایا یا پیا نہیں وہ روزہ کی نیت کر لے، کیونکہ آج عاشورہ کا دن ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے اور پہلے حوالہ کے ساتھ گزرنے والی ہے، احناف اس روایت کی بنا پر مذکورہ دو روزوں میں مہینہ نیت کو شرط نہیں کہتے، اور شوافع عاشورے کے روزے کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں اس لئے وہ ان دو روزوں میں بھی مہینہ نیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔

[۴۷] باب ما جاء في الحث على صوم يوم عاشوراء

[۷۴۳-] حدثنا فضيلة، وأحمد بن عتبة الضبي، قالا: لا حماد بن زيد، عن غيلان بن جهم، عن عبد الله بن مقبل الزماني، عن أبي قتادة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "صيام يوم عاشوراء إني أختسب على الله أن يكفر السنة التي قبله".

وفي الباب: عن علي، ومحمد بن حنفية، وسلمة بن الأشوع، وهند بن أسامة، وأبي عثمان، والربيع بن معوذ بن عفر، وعبد الرحمن بن سلمة الخزاعي، عن عمرو، وعبد الله بن الزبير: ذكرُوا عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه حث على صيام يوم عاشوراء.

قال أبو عيسى: لا نعلم في شيء من الروايات أنه قال: صيام يوم عاشوراء كفارة سنة إلا في حديث أبي قتادة، وحديث أبي قتادة يقول أحمد وإسحاق.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے فی الباب میں آٹھ صحابہ کی روایتوں کا حوالہ دیا ہے، وہ سب نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے عاشوراء کے روزے کی ترغیب دی ہے، مگر کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ عاشوراء کے روزہ سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، سوائے ابو قتادہ کی حدیث کے (اسی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا

ہے) اور ابو قتادہ کی حدیث کے مطابق احمد و اسحاق عاشورہ کا روزہ مستحب کہتے ہیں (یہ مسئلہ اجماعی ہے)

باب ما جاء فى الرخصة فى ترك صوم يوم عاشوراء

عاشوراء کا روزہ نہ رکھنے کا بیان

رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا۔ جب رمضان کی فرضیت آئی تو عاشوراء کی فرضیت ختم ہو گئی، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو حکم تخفیف کے طور پر منسوخ کیا جاتا ہے شیخ کے بعد بھی اس کا استحباب باقی رہتا ہے، اور عاشوراء کے روزے کی فرضیت بھی آسانی کے لئے ختم کی گئی تھی، کیونکہ ایک سال میں دو مرتبہ روزوں کی فرضیت امت پر بھاری ہے، پس نفس استحباب باقی رہے گا اور اس پر اتفاق ہے۔ اور جب یہ روزہ مستحب ہے تو نہ رکھنا بھی جائز ہے، اب اس کی فرضیت باقی نہیں رہی۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے، جب آپؐ مدینہ آئے تو بھی آپؐ نے یہ روزہ رکھا اور لوگوں کو یہ روزہ رکھنے کا حکم دیا، پھر جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی، تو رمضان کے روزے ہی فرض رہ گئے اور عاشورہ کی فرضیت ختم کر دی گئی، لہذا چاہے تو عاشورہ کا روزہ رکھے اور چاہے تو نہ رکھے۔

[۴۸] باب ما جاء فى الرخصة فى ترك صوم يوم عاشوراء

[۷۴۴-] حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، نا عبد الله بن مسلمة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة قالت: كان عاشوراء يوم تصومنه قریش فى الجاهلية، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصومه، فلما قِيمَ الْمَدِينَةُ صَامَهُ، وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا الْفَرَضُ رَمَضَانَ كَانَ رَمَضَانَ هُوَ الْفَرِيضَةُ، وَتُرِكَ عَاشُورَاءُ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.

وفى الباب: عن ابن مسعود، وقيس بن سعد، وجابر بن سمرة، وابن عمر، ومعاوية.

قال أبو عيسى: والعمل على هذا عند أهل العلم على حديث عائشة، هو حديث صحيح: لا يروون صِيَامَ عَاشُورَاءُ وَاجِبًا، إِلَّا مَنْ رَغِبَ إِلَى صِيَامِهِ، لِمَا ذَكَرَ فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ.

ترجمہ: اس حدیث پر یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر علماء کامل ہے، وہ صحیح حدیث ہے، علماء عاشوراء کے روزے کو واجب نہیں کہتے، مگر جو شخص اس دن کے روزے کی رغبت کرے (دور رکھے) پائیں وجہ کہ اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

باب ماجاء فی عاشوراء ائی یوم هو؟

عاشورا کونسا دن ہے؟

عاشورا: کو بالمد اور بالقصر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اور عاشوراء اور عاشوراء مترادف الفاظ ہیں، اور عاشوراء دس محرم کا نام ہے اور یہ اجماعی بات ہے اس کے خلاف اگر کسی روایت میں کوئی بات آئے تو اس کی تاویل کی جائے گی۔

حدیث (۱): حکم بن الاعرج کہتے ہیں: میں ابن عباسؓ کے پاس گیا وہ زم زم کے کنویں کے پاس اپنی چادر کا ٹکڑا بنائے لیٹے تھے، (نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن سقاہ یعنی حاجیوں کو زم زم پلانے کی خدمت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھی، پھر یہ خدمت حضرت ابن عباسؓ کی طرف منتقل ہوئی، وہ اپنے لڑکوں اور غلاموں کے ساتھ زم زم کے کنویں پر جاتے تھے اور حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، کام خدام کرتے تھے اور ابن عباسؓ مگرانی کرتے تھے) میں نے ان سے کہا: مجھے عاشوراء کے دن کے بارے میں بتلایئے: میں کس دن کا روزہ رکھوں؟ آپ نے فرمایا: جب آپ محرم کا چاند دیکھیں تو دن گننا شروع کریں پھر نویں تاریخ میں روزہ رکھیں، حکم کہتے ہیں: میں نے پوچھا: کیا نبی ﷺ اسی طرح (یعنی نو تاریخ کو) روزہ رکھا کرتے تھے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نو محرم عاشوراء کا دن ہے اور نبی ﷺ نو محرم کو روزہ رکھتے تھے جبکہ نو محرم عاشوراء کا دن نہیں ہے، اور آپؐ نے نو محرم کا روزہ نہیں رکھا، آپؐ نے صرف دس محرم کا روزہ رکھا ہے، اور وہی یوم عاشوراء ہے، پس ابن عباسؓ کی اس حدیث کی تاویل کی جائے گی کہ چونکہ عاشوراء کا روزہ نو تاریخ سے شروع کیا جاتا ہے اس لئے ابن عباسؓ نے نو محرم کا روزہ رکھنے کے لئے فرمایا، اور نبی ﷺ کی طرف نو محرم کے روزہ کی نسبت بالقول ہے بالفعل نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کو آپؐ کی حیات کے آخری سال میں یہ بات بتائی گئی کہ یہودی بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں اور وہ اس وجہ سے روزہ رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی تھی، پس موسیٰ علیہ السلام نے شکر یہ کے طور پر عاشوراء کا روزہ رکھا تھا، اور ان کی اتباع میں پوری قوم اس دن کا روزہ رکھتی ہے، آپؐ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام کی سنت کی پیروی کرنے کے ہم زیادہ حقدار ہیں اور فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو دس کے ساتھ نو محرم کا بھی روزہ رکھوں گا تاکہ یہودی کے روزے سے امتیاز ہو جائے (مشکوٰۃ حدیث ۲۰۴۱ و ۲۰۶۷) مگر اگلے محرم سے پہلے آپؐ کی وفات ہو گئی، اس لئے آپؐ نے نو محرم کا روزہ بالفعل تو نہیں رکھا مگر چونکہ اس کا پختہ ارادہ کیا تھا اور آپؐ حیات رہتے تو ضرور رکھتے، اس لئے بالقول آپؐ نے نو کا بھی روزہ رکھا یعنی حکماً روزہ رکھا، اس لئے ابن عباسؓ نے نو محرم کا روزہ رکھنے کی بات کہی ہے، اور چونکہ عاشوراء کا روزہ نو محرم سے شروع کرنا افضل ہے

اس لئے ابن عباسؓ نے حکم بن الاعرج کو نو تاریخ سے روزے رکھنے کا حکم دیا، ابن عباسؓ کے قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نو محرم یوم عاشوراء ہے، عاشوراء دس محرم ہے مگر اس کا روزہ نو محرم سے شروع ہوگا۔

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے محرم کی دسویں تاریخ میں عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے اور آپؐ نے عاشوراء کے روزے کا حکم رمضان کی فرضیت سے پہلے دیا تھا۔

[۷۴۵] باب ماجاء فی عاشوراء ائی یوم هو؟

[۷۴۵] - حَدَّثَنَا هَنَادٌ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: نَا وَكِيعٌ، عَنْ حَاجِبِ بْنِ عَمْرٍ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: انْتَهَيْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ رِذَاءً فِي زَمْرَمٍ، فَقُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَيْ يَوْمِ أَصُومُهُ؟ فَقَالَ: إِذَا رَأَيْتَ هِلَالَ الْمُحَرَّمِ فَأَعْدُدْ، ثُمَّ أَصْبِحْ مِنْ يَوْمِ التَّاسِعِ صَائِمًا، قَالَ: قُلْتُ: أَهَكَذَا كَانَ يَصُومُهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ.

[۷۴۶] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَوْمِ عَاشُورَاءَ يَوْمِ الْعَاشِرِ.

قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح. وقد اختلف أهل العلم في يوم عاشوراء، فقال بعضهم: يوم التاسع، وقال بعضهم: يوم العاشر، وروى عن ابن عباس أنه قال: صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود، وبهذا الحديث يقول الشافعي وأحمد وإسحاق.

ترجمہ: علماء کا عاشوراء کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: وہ محرم کی نو تاریخ ہے اور بعض کہتے ہیں: وہ دسویں تاریخ ہے، اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نویں اور دسویں تاریخ میں روزے رکھو، اور یہودی مخالفت کرو، اور شافعی، احمد اور اسحاق (اور مالک اور ابو حنیفہ) اسی حدیث کے قائل ہیں۔

باب ماجاء فی صیام العشر

عشرہ ذی الحجہ کے روزوں کا بیان

عشرہ ذی الحجہ کے روزے بالاجماع مستحب ہیں اور عشرہ سے مراد ذوالحجہ کے شروع کے نو دن ہیں، دسواں دن

مرا نہیں، اس لئے کہ وہ عید الاضحیٰ کا دن ہے اس میں روزہ حرام ہے۔ عرب کبھی کسور (اکائیوں) کو نہیں سمجھتے اور کبھی ان کو پورا سمجھتے ہیں، جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ کی عمر ساٹھ سال آئی ہے اس میں راوی نے تین کو حذف کر دیا ہے کیونکہ آپ کی عمر مبارک تیسٹھ سال ہوئی ہے، اور یہاں ذوالحجہ کے نو دنوں کو مشرہ کہہ دیا ہے۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو ذوالحجہ کے دس دنوں میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔

تشریح: یہ حدیث ہنید (ہندی تصغیر) بن خالد کی حدیث کے معارض ہے، ہنید کی حدیث ابو داؤد (۳۳۱:۱) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، وہ بعض ازواج مطہرات سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ذوالحجہ کے نو دنوں کے روزے رکھتے تھے، اور علماء نے ہنید کی روایت کو لیا ہے، اور حضرت عائشہ کی اس حدیث کی تاویل کی ہے، اگرچہ وہ تاویل بعید ہے، کہتے ہیں: ان نو دنوں میں حضرت عائشہ کی باری نہیں آئی، اس لئے ان کو آپ کے روزوں کی اطلاع نہیں ہوئی، اور دیگر ازواج مطہرات نے آپ کے روزے دیکھے، اور ثبت ثانی پر مقدم ہوتا ہے۔ مگر یہ تاویل بعید ہے۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ روزانہ عصر کے بعد تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے، پس آپ لامحالہ حضرت عائشہ کے پاس بھی جاتے ہوئے، پھر یہ روزے ان کے علم میں کیوں نہیں آئے؟ مگر بہر حال علماء نے ہنید کی حدیث کو لیا ہے، کیونکہ اگلے باب میں ان ایام میں عمل صالح کی فضیلت آرہی ہے، اور روزہ بھی ایک عمل صالح ہے، پس لامحالہ وہ بھی ان دنوں میں افضل ہوگا اور آپ ضرور اسے رکھتے ہوئے۔

[۵۰] باب ماجاء فی صیام العشر

[۷۴۷-] حَدَّثَنَا هُثَيْدٌ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ.

قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، وَرَوَى الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُرْ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ.

وَرَوَى أَبُو الْأَحْوَسِ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَلَمْ يَذْكُرْ لِيَهْ عَنِ الْأَسْوَدِ، وَقَدْ اخْتَلَفُوا عَلَى مَنْصُورٍ فِي الْحَدِيثِ، وَرَوَاهُ الْأَعْمَشُ أَصَحَّ، وَأَوْضَلَ إِسْنَادًا، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبَانٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ: الْأَعْمَشُ أَحْفَظُ لِإِسْنَادِ إِبْرَاهِيمَ مِنْ مَنْصُورٍ.

وضاحت: حضرت عائشہ کی حدیث ابراہیم ثقفی سے اعمش اور منصور روایت کرتے ہیں، پھر اعمش سے ابو معاویہ

روایت کرتے ہیں، اور وہ حدیث کو مرفوع متصل کرتے ہیں، اور منصور سے سفیان ثوری اور ابوالاحوص روایت کرتے ہیں، پھر ثوری: ابراہیم نخعی پر سند روک دیتے ہیں، اسود کا اور حضرت عائشہ کا تذکرہ نہیں کرتے اور ابوالاحوص حضرت عائشہ کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر اسود کا تذکرہ نہیں کرتے اور ابراہیم کا حضرت عائشہ سے سماع نہیں۔ غرض منصور کی سند میں اختلاف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اعمش کی سند کو (جو باب کے شروع میں ہے) اصح قرار دیا ہے۔ حضرت نے یہ فیصلہ اپنے مزاج کے خلاف کیا ہے اور یہی فیصلہ صحیح ہے، اور اعمش کی سند کے اصح ہونے کی دلیل میں وکیع کا قول پیش کیا ہے کہ اعمش کو ابراہیم نخعی کی سندیں منصور سے زیادہ یاد تھیں۔

باب ماجاء فی العقل فی ایام العشر

عشرہ ذی الحجہ میں نیک کاموں کی فضیلت

عشرہ ذی الحجہ میں نبی ﷺ نے روزے رکھے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے۔ مگر ان دنوں میں جو اعمال صالحہ کئے جائیں صحیح حدیث میں ان کی فضیلت آئی ہے۔ اور روزے رکھنا بھی نیک کام ہے، پس یہ فضیلت روزوں کو بھی شامل ہوگی۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بھی دن (میں زادہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے) جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہو، ان دس دنوں سے یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندانہ دس دنوں کے اعمال میں، البتہ اس سے رمضان مستثنیٰ ہے، جیسے بعض حدیثوں میں نوافل کی فضیلت آئی ہے ان سے فرض واجب اور سنن مؤکدہ مستثنیٰ ہیں لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی؟ یعنی ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں اگر اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے تو کیا وہ بھی اللہ کو زیادہ پسند نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی، مگر یہ کہ کوئی شخص اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ نکلے اور ان میں سے کچھ بھی لیکر واپس نہ آئے یعنی شہید ہو جائے تو اس کا جہاد عشرہ ذی الحجہ کے عمل سے افضل ہوگا، رہا وہ مجاہد جو جہاد سے صحیح سلامت واپس آگیا یا دوسرے کے تعاون سے جہاد میں گیا اور شہید ہو گیا تو اس کا جہاد ان دس دنوں کے عمل سے افضل نہیں ہوگا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کسی بھی دن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا عشرہ ذی الحجہ میں عبادت کرنا محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے دنوں کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی نفلیں شب قدر کی نفلوں کے برابر ہیں۔

تشریح: یہ آخری مضمون کہ عشرہ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی نفلیں شب قدر کی نفلوں کے برابر ہیں، یہ مضمون صرف اسی حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث کی مسعود بن واصل سے

اور یہی ایک سند ہے اور مسعودی بن الحدیث ہے یعنی مضبوط راوی نہیں، اور اس کا استاذ نہاس بن ہم ضعیف راوی ہے۔

[۵۱] باب ماجاء فی العمل فی أيام العشر

[۷۴۸-] حدثنا هناد، نا أبو معاوية، عن الأعمش، عن مسلم، وهو ابن أبي عمران البجلي، عن سعيد بن جهمر، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما من أيام العمل الصالح فيها أحب إلى الله من هذه الأيام العشر" فقالوا: يا رسول الله! ولا الجهاد في سبيل الله؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ولا الجهاد في سبيل الله، إلا رجل خرج بنفسه وماله فلم يرجع من ذلك بشيء"

وفی الباب: عن ابن عمر، وأبي هريرة، وعبد الله بن عمرو، وجابر، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن غريب صحيح.

[۷۴۹-] حدثنا أبو بكر بن نافع البصري، نا مسعود بن واصل، عن نهاس بن قهم، عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما من أيام أحب إلى الله أن يتعبد له فيها من عشر ذي الحجة، يعبد صيام كل يوم منها صيام سنة، ويقام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر"

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، لا نعرفه إلا من حديث مسعود بن واصل، عن نهاس، وسألت محمداً عن هذا الحديث فلم يعرفه من غير هذا الوجه مثل هذا، وقال: قد روى عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلاً شيئاً من هذا.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر مسعود بن واصل کی سند سے، اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس کے علاوہ کسی اور طریق سے اس طرح کا مضمون نہیں آیا۔ اور فرمایا: قتادہ سے، وہ سعید بن المسيب سے، وہ نبی ﷺ سے ایک مرسل روایت میں کچھ اس طرح کا مضمون مروی ہے۔

باب ماجاء فی صیام سبعة أيام من شوال

شوال کے چھ روزوں کا بیان

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے مستحب ہیں، اور یہ صوم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے) کی سب سے ادنیٰ شکل

ہے، حقیقی صوم الدہر ہر مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی پورے سال کے روزے رکھے حتیٰ کہ ان پانچ دنوں کے بھی روزے رکھے جن میں روزے حرام ہیں، اور اگر پانچ ممنوع دنوں کو چھوڑ کر باقی دنوں کے روزے رکھے تو یہ صورت جائز ہے، مگر شریعت کو پسند نہیں، کیونکہ ایسا روزہ دو حال سے خالی نہیں یا تو روزہ دار کو کمزور کرے گا، یا صبح سے پہلے اور غروب کے بعد کھانے کی عادت بن جائے گی، پس روزہ بے فائدہ ہوگا، اس لئے نبی ﷺ نے ایسے صوم الدہر کو پسند نہیں فرمایا۔

اور صوم الدہر کی ایک صورت: صوم داؤدی ہے، یعنی ایک دن روزہ رکھا جائے دوسرے دن نہ رکھا جائے، اسی طرح سال بھر روزے رکھے، حضور ﷺ نے اس کو پسند فرمایا ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ بھوکا رہنے کی عادت پڑے گی اور نہ روزہ سے کمزوری آئے گی، آپ کا ارشاد: **وَلَا يَفْقِرُ إِذَا لَاقَى** یعنی داؤد علیہ السلام جب دشمن سے مقابل ہوتے تھے تو بھاگتے نہیں تھے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صوم داؤدی سے کمزوری نہیں آتی (بخاری حدیث ۱۹۷۷)۔

اور اس کے علاوہ بھی صوم الدہر کی دسیوں شکلیں ہیں، آخری شکل وہ ہے جس کا باب میں تذکرہ ہے کہ پورے رمضان کے روزے رکھے، پھر شوال کے چھ روزے رکھے۔ اور یہ صوم الدہر اس طرح ہے کہ شوال کے چھ روزے رمضان کے تیس روزوں کے ساتھ مل کر ۳۶ ہو جائیں گے (رمضان کے روزے اگر انتیس بھی ہو گئے تو حکماً تیس شمار ہو گئے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے **شَهْرًا عِدَّةً لَا يَنْقُصَانِ**) پھر الحسنة بعشرة امثالها کے قاعدہ سے چھتیس کو دس میں ضرب دیں گے تو تین سو ساٹھ روزے ہو جائیں گے اسی طرح وہ صائم الدہر ہو گیا۔

فائدہ: شوال کے چھ روزے متفرق رکھنا بھی جائز ہے اور مسلسل بھی۔ ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ چھ روزے شوال کے پورے مہینے میں رکھ لے تو جائز ہے، یعنی وہ بھی حدیث پر عمل ہوگا اور فضیلت کا مستحق ہوگا۔ لیکن تجربہ یہ ہے کہ اگر عید کے بعد فوراً یہ روزے شروع کر دیئے جائیں تو پورے ہوتے ہیں اور اگر متفرق رکھے جائیں تو شاید ہی پورے ہوں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ عید کے بعد فوراً شروع کر دیئے جائیں اور مسلسل رکھے جائیں۔ حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے (اتباعہ میں اشارہ ہے کہ یہ روزے رمضان کے بعد فوراً رکھنے چاہئیں) تو یہ ہمیشہ روزے رکھتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کی سند میں جو سعد بن سعید ہیں وہ جلیل القدر تابعی ہیں اور یحییٰ بن سعید انصاری کے بھائی ہیں، اور مسلم شریف کے راوی ہیں (یہ حدیث انہی کی سند سے مسلم شریف میں ہے) اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور بعض لوگوں نے جو ان کی تصنیف کی ہے کہ ان کو حدیثیں یاد نہیں تھیں: امام ترمذی نے اس جرح کا اعتبار نہیں کیا۔

[۵۲] باب ماجاء فی صیام ستة أيام من شوال

[۷۵۰-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، نَا سَعْدُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ غَمَرِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ بِسِتٍّ مِنْ شَوَّالٍ،

فَذَلِكَ صِيَامُ الشَّهْرِ

وفی الباب: عن جابر، وأبی هريرة، وقزبان، قال أبو عیسی: حدیث أبی یؤب حدیث حسن صحیح، وقد استحب قوم صیام ستة من شوال لهذا الحدیث.

وقال ابن المبارک: هو حسن مثل صیام ثلاثة أيام من کل شهر. قال ابن المبارک: ویروی فی بعض الحدیث، ویلحق هذا الصیام برمضان، واختار ابن المبارک أن یكون ستة أيام من أول الشهر، وقد روى عن ابن المبارک أنه قال: إن صام ستة أيام من شوال متفرقا فهو جائز.

قال أبو عیسی: وقد روى عبد العزيز بن محمد، عن صفوان بن سلیم، وسعد بن سعید هذا الحدیث، عن عمرو بن ثابت، عن أبی یؤب، عن النبی صلی الله علیه وسلم، وروی شعبه عن ورقاء بن عمرو، عن سعد بن سعید هذا الحدیث، وسعد بن سعید: هو أخو یحیی بن سعید الأنصاری، وقد تکلم بعض أهل الحدیث فی سعد بن سعید من قبل حفظه.

ترجمہ: کچھ حضرات نے اس حدیث کی وجہ سے شوال کے چھ روزوں کو مستحب کہا ہے اور ابن المبارک فرماتے ہیں: یہ چھ روزے مستحب ہیں جیسے ہر مہینے کے تین روزے مستحب ہیں۔ ابن المبارک نے فرمایا: ایک حدیث میں یہ بات مروی ہے (یعنی ہر ماہ کے تین روزے بھی صوم الدہر کی ایک صورت ہیں یہ حدیث آئندہ باب میں آ رہی ہے) اور یہ روزے رمضان کے ساتھ ملائے جائیں گے (اور اس طرح وہ صوم الدہر بنیں گے) اور ابن المبارک نے پسند کیا کہ یہ چھ روزے شروع شوال میں رکھے جائیں، اور ابن المبارک سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر کوئی شخص شوال کے چھ روزے متفرق رکھے تو یہ بھی جائز ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبد العزیز بن محمد نے یہ حدیث صفوان بن سلیم اور سعد بن سعید دونوں سے روایت کی ہے (یعنی صفوان بن سلیم: سعد بن سعید کے متابع ہیں) اور شعبہ نے ورقاء بن عمرو سے روایت کی ہے، وہ سعد بن سعید سے روایت کرتے ہیں، اور سعد بن سعید: یحییٰ بن سعید الانصاری کے بھائی ہیں، اور بعض محدثین نے سعد بن سعید میں حافظ کی جانب سے کلام کیا ہے (مگر امام ترمذی نے اس کا لحاظ نہیں کیا، کیونکہ یہ مسلم شریف کا راوی ہے)

باب ما جاء فی صوم ثلاثة من کل شهر

ہر ماہ تین روزے رکھنے کا بیان

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں کا عہد لیا: (۱) اس بات کا عہد لیا کہ میں وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں (یہاں وتر سے تہجد کا بدلہ مراد ہے وتر حقیقی مراد نہیں، تفصیل کتاب الصلوٰۃ

باب ۲۱۹ میں گزر چکی ہے) (۲) اور ہر ماہ تین روزے رکھوں (۳) اور چاشت کی نماز پڑھوں۔

تشریح: ہر ماہ تین روزے رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی صوم الدہر کی ایک شکل ہے، اس لئے کہ المحسنۃ بعشرۃ اعمالہا کے قاعدہ سے تین روزے تیس روزے ہو گئے، پس ہر ماہ تین روزے رکھنے والا صائم الدہر ہوا (اور رمضان کے روزوں کو دس میں ضرب نہیں دیں گے، ان کو محفوظ رکھیں گے)

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے ابو ذر! جب آپ مہینے کے تین روزے رکھیں تو (ایام بیض یعنی) حیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے رکھیں۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر مہینے تین روزے رکھے: وہ ہمیشہ روزہ رکھنے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق قرآن کریم میں نازل فرمائی: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ﴾ یعنی جو شخص ایک نیکی لایا اس کو اس کا دس گنا بدلہ ملے گا پس ایک دن دس دنوں کے برابر ہوگا۔ خیال رہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل نہیں ہوئی، مگر چونکہ یہ ارشاد آیت پاک کا مصداق ہے اس لئے صحابی نے کہہ دیا: نبی ﷺ کے ارشاد کی تصدیق اس آیت نے کی۔

نوٹ: اس حدیث کی امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو سندیں ذکر کی ہیں، ایک: ابو معاویہ کی سند ہے جو حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اور دوسری امام شعبہ کی سند ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ امام ترمذی نے نہ کسی کی تصحیح کی ہے نہ ترجیح دی ہے۔

حدیث (۴): معاذ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں! معاذ نے پوچھا کن دنوں کے روزے رکھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: دنوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے یعنی دن اور تاریخ کی تعیین کے بغیر تین روزے رکھتے تھے۔

[۵۳] باب ماجاء فی صوم ثلاثة أيام من کل شهر

[۷۵۱] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سَمَکَ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْعِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: غَدَاةً إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ: أَنْ لَا آتَامَ إِلَّا عَلَى وَفَرٍ، وَصَوْمٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَأَنْ أَصَلَّى الضُّحَى.

[۷۵۲] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نا أَبُو دَاوُدَ، أَنَّنَا شُعْبَةُ، عَنْ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ بَحْصَ بْنَ نَسَامٍ، يُحَدِّثُ عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةٍ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ"

وفی الباب: عن ابی قتادۃ، وعبد اللہ بن عمرو، وقرۃ بن یاسر المزنی، وعبد اللہ بن مسعود، وابی عقرّب، وابن عباس، وعائشۃ، وفتادۃ بن یحنا، وعثمان بن ابی العاص، وجویر۔
قال ابو عیسی: حدیث ابی ذر حدیث حسن۔

وقد رَوی فی بعض الحدیث أنَّ مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ كَانَ كَمَنْ صَامَ الشَّهْرَ۔
[۷۵۳] - حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَامَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَدَيْكَ صِيَامُ الشَّهْرِ" فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تَصْدِيقَ ذَلِكَ فِي كِتَابِهِ: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَلِهَا﴾: الْيَوْمَ بَعَثَرَةَ أَيَّامٍ۔
قال ابو عیسی: هذا حدیث حسن۔

قال ابو عیسی: وقد رَوَى شُعْبَةُ هذا الحدیث عن ابی شیمر، وابی النّیّاح، عن ابی عثمان، عن ابی هریرۃ، عن النبیّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

[۷۵۴] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نا أَبُو دَاوُدَ، نا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيدَ الرُّشَكِ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قُلْتُ: مِنْ أَيِّهِ كَانَ يَصُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ لَا يُبَايِنِي مِنْ أَيِّهِ صَامَ۔

قال ابو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح قال: ویزید الرُّشَكُ: هُوَ يَزِيدُ الصُّبُعِيُّ: وَهُوَ يَزِيدُ الْقَاسِمُ، وَهُوَ الْقَسَامُ، وَالرُّشَكُ: هُوَ الْقَسَامُ فِي لُغَةِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ۔

وضاحت: قولہ: وقد رَوَى فی بعض الحدیث إلخ یہی حدیث بعد میں سند کے ساتھ لائے ہیں۔
اور رشک: اہل بصرۃ کی لغت میں بمعنی قسام ہے۔ بصرۃ ایران کی قلمرو میں تھا، وہاں فارسی بولی جاتی تھی اس لئے غالباً یہ فارسی لفظ ہے اور اس کے عربی معنی ہیں: قاسم اور قسام (بانٹنے والا) اسلامی حکومت میں قسام ایک عہدہ تھا جو لوگوں کی جائدادیں وغیرہ تقسیم کرتا تھا۔ یزید الرشک یہی کام کرتے تھے اس لئے ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ

روزوں کی فضیلت کا بیان

اس باب میں روزوں کے ثواب کا بیان ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو حدیث قدسی ہے۔ مگر پوری حدیث قدسی نہیں ہے والصوم جنة من النار سے حدیث نبوی شروع ہوتی ہے، اس سے پہلے تک حدیث قدسی ہے۔

اس حدیث میں اعمال کے ثواب کا یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے مگر دو عمل اس سے مستثنیٰ ہیں:

ایک: اتفاق فی سبیل اللہ، یعنی جہاد کے کاموں میں خرچ کرنا، اس کا تذکرہ سورۃ بقرہ آیت ۲۶۱ میں آیا ہے۔ اتفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعہ بیان کی ہے: گندم کا ایک دانہ زمین میں بویا اس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں، پس ایک دانے کے سات سو دانے ہو گئے (یہ محض تمثیل ہے، ایک دانے سے سات سو دانے پیدا ہونے ضروری نہیں) اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بھی ایسا ہی ہے جو کچھ خرچ کیا جائے گا اس کا سات سو گنا ثواب ملے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ اور اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں یعنی اغلاص کی برکت سے اور موقعہ کے لحاظ سے یہ ثواب بڑھتا ہے اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا عمل: روزہ ہے اس کا کم از کم ثواب عام ضابطہ کے مطابق ہے یعنی دس گنا ثواب ملتا ہے۔ یہاں استثناء نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں (یہاں استثناء ہے) اللہ کا ارشاد ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ: روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا ثواب دوں گا یعنی روزوں کا ثواب کتنا ہے؟ یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتائی حتیٰ کہ کرنا کاتبین بھی نہیں جانتے۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ذکر کریں گے اسی وقت پتہ چلے گا کہ کس کو اس کے روزے کا کتنا ثواب ملا۔ اس دنیا میں تو بالا جمال اتنی بات بتائی ہے کہ جب ثواب ملے گا روزہ دار خوش ہو جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، یعنی جب روزے کا ثواب بتایا جائے گا تو روزہ دار خوش خوش ہو جائے گا۔

سوال: جب سبھی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں تو الصوم لی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: علماء نے اس کے متعدد معانی بیان کئے ہیں:

۱- روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ریاء کا دخل نہیں جبکہ دوسری عبادتوں میں ریاء کا احتمال ہے، روزہ میرے لئے ہے کا یہی مطلب ہے۔

۲- تمام اعمال صالحہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند روزہ ہے، چنانچہ فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے یعنی مجھے بہت پسند ہے۔

۳- کھانے پینے سے اور دیگر خواہشات سے استغناء صفات باری تعالیٰ میں سے ہے اور جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور مفسداتِ ملامہ سے بچتا ہے تو اس کو باری تعالیٰ سے خصوصی قرب حاصل ہوتا ہے اور اس قرب کا ذریعہ روزہ ہوتا ہے اس لئے فرمایا: ”روزہ میرے لئے ہے“

۴- روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو غیر اللہ کے حق میں نہ کی گئی، نہ کی جاسکتی ہے اور دیگر عبادتیں صدقہ طواف

وغیرہ غیر اللہ کے لئے بھی کئے جاتے ہیں، اس لئے روزہ اللہ ہی کے لئے ہے۔

۵- روزہ کے سوا جتنی عبادتیں ہیں وہ قیامت کے دن کفارہ نہیں گی، ان کے ذریعہ بندوں کے گناہ معاف ہو سکتے اور واجب الاداء حقوق چکائے جائیں گے، مگر روزہ باقی رہے گا وہ حقوق کے لئے کفارہ نہیں بنے گا (مگر یہ توجیہ صحیح نہیں، ترمذی جلد ثانی ص ۲۸ میں حدیث ہے کہ روزوں سے بھی مقاضہ ہوگا)

۶- الصوم لی: میں نسبت تشریف کے لئے ہے، جیسے کہا جاتا ہے: بیت اللہ (اللہ کا گھر) جبکہ تمام گھر اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔۔۔۔۔ حدیث کی ان کے علاوہ اور بھی توجیہ ہیں کی گئی ہیں مگر رائج آخری توجیہ ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا پروردگار فرماتا ہے: ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، سات سو گنا تک۔ اور روزہ میرے لئے ہے (یہ استثناء ہے پہلے ثواب کا جو ضابطہ بیان کیا ہے اس سے روزے کا استثناء کیا ہے اگرچہ حرف استثناء موجود نہیں اور اس کی حدیثوں میں بہت مثالیں ہیں، پہلے ایک قاعدہ بیان کیا جاتا ہے پھر اس میں سے استثناء کیا جاتا ہے اور حرف استثناء موجود نہیں ہوتا^(۱)) اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا (اس کے بعد حدیث نبوی ہے) اور روزہ جہنم سے ڈھال ہے اور روزہ دار کے منہ کی بوالہ کے نزدیک (یہ قرینہ ہے کہ یہ حدیث نبوی ہے ورنہ عسدی ہوتا) مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اگر کوئی نادان تم میں سے کسی کے سامنے نادانی کرے (یہاں جاہل: علم (برہماری) کی ضد ہے علم کی ضد نہیں) اور وہ روزے سے ہو تو کہہ دے: ”میں روزے سے ہوں“

تشریح:

قولہ: وانا أنجزی بہ: مجھ کو بھی پڑھا گیا ہے یعنی انا أنجزی بہ: اس کا ترجمہ ہے: ”میں روزہ کے بدلہ میں دیا جاتا ہوں“ یعنی روزے کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا وصال (خُرب) نصیب ہوتا ہے، یہ مطلب بھی اگرچہ صحیح ہے، مگر اس صورت میں سابقہ جملے سے جوڑ باقی نہیں رہتا اس لئے مشہور قراءت معروف کی ہے اور محدثین معروف ہی پڑھتے ہیں، مجھ کو صوفیاء نے پڑھا ہے۔

(۱) جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ مُسْتَأْنَفًا فَلْيَسْتَنْ بِمَعْنَى قَدَمَاتٍ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا يُزْمَنُ عَلَيْهِ الْفَسْءُ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ (مشکوٰۃ حدیث ۱۹۳ باب الاعتصام الخ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلے یہ ضابطہ بیان کیا کہ جن لوگوں کا ایمان پر انتقال ہوا ہے صرف ان کی بھروئی کی جائے، زندوں کی بھروئی نہ کی جائے، کیونکہ زندہ معرض فتن میں ہے، اس کا ایمان پر اور صلاح پر خاتمہ ہونا ضروری نہیں، وہ مرنے سے پہلے گمراہ ہو سکتا ہے، پھر اس ضابطہ سے ابن مسعود نے صحابہ کا استثناء کیا ہے کہ جو صحابہ حیات ہیں ان کی بھروئی کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ امت کے افضل ترین افراد ہیں، وہ نبی ﷺ کی محبت کی برکت سے فتنہ سے محفوظ ہیں، نیز ان کی یہ یہ خوبیاں ہیں اس لئے ان کی بھروئی میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں ابن مسعود نے حرف استثناء کے بغیر صحابہ کا استثناء کیا ہے ۱۲

قوله: الصومُ جنة من النار: روزے سے شہوت ٹوٹتی ہے اور گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے، پس جب گناہ ختم ہو جائیں گے تو جہنم سے خود بخود حفاظت ہو جائے گی۔ اور چونکہ اس کا سبب روزہ بنا اس لئے روزے کو ڈھال کہا گیا (جنة میں توین تنظیم کی ہے یعنی مضبوط ڈھال)

قوله: ولتخلو في الخ جب معدہ خالی ہو جاتا ہے تو اس میں سے ایک گیس اٹھتی ہے جو منہ میں آ کر رکتی ہے اور منہ میں بونپیدا ہوتی ہے یہ غلوف ہے اور یہ روزے سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو روزے کے متعلقات اچھے پسند ہیں تو خود روزہ کتنا پسند ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ قیاس کن زگلستان من بہار مرآۃ!

قوله: وان جهل الخ روزہ کی حالت میں بعض لوگوں کو غصہ بہت آتا ہے ان کے دماغ کا ایک اسکرودھیلا پڑ جاتا ہے ان کو چاہئے کہ اگر کوئی نادانی کا برتاؤ کرے تو ترکی بہ ترکی جواب نہ دے، اندیشہ ہے کہ کہیں حد سے تجاوز نہ کر جائے، اس لئے جب ایسی صورت پیش آئے تو خود کو سمجھائے، یعنی یہ بات سوچے کہ وہ روزے سے ہے جواب دینا ٹھیک نہیں، اور اگر موقع ہو تو دوسرے کو بھی بتا دے کہ میرا روزہ ہے۔ امام نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں: کلّ منهما حسن، والقول باللسان اقوى، ولو جمعهما لكان حسناً (فتح الباری ۴: ۱۰۵)

نوٹ: مذکورہ حدیث علی بن زید بن جعد عان کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر متن صحیح سند سے مروی ہے اور حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۱۹۰۴)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریتان (سیرابی) ہے اس سے روزہ داروں کو بلایا جائے گا، پس جو روزہ دار ہوگا وہ اس دروازے سے جنت میں جائے گا، اور جو اس دروازے سے جنت میں جائے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

تشریح: جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات۔ جہنم کے دروازوں کا ذکر سورۃ النجر آیت ۴۴ میں آیا ہے، اور جنت کے آٹھ دروازوں کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے اور جنت کا ایک دروازہ زائد کیوں ہے؟ اس کی وجہ کتاب الطہارۃ باب ۴۱ میں گذر چکی ہے۔

یہاں تین سوال ہیں:

پہلا سوال: رمضان کے روزے تو سبھی مسلمان رکھتے ہیں پھر باب ریتان سے روزہ داروں کو پکارنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مراد وہ لوگ ہیں جن کو روزوں سے خصوصی دلچسپی ہے، جو بکثرت نفل روزے رکھتے ہیں، انہی کو باب ریتان سے پکارا جائے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرض عبادتیں تو سبھی مسلمان کرتے ہیں مگر نفل عبادتوں کے معاملہ میں احوال مختلف ہیں: بعض لوگوں کو بعض عبادتوں سے خصوصی دلچسپی ہوتی ہے، کسی کو نفل نماز سے، کسی کو خیرات سے، کسی کو

حج سے، کسی کو روزوں سے، کسی کو تلاوت سے، کسی کو ذکر سے دلچسپی ہوتی ہے، یہی نفل روزوں سے خصوصی دلچسپی رکھنے والے حضرات مراد ہیں۔

دوسرا سوال: باب ریتان سے جنت میں داخل ہونے والا پیاسا نہیں ہوگا اس کا کیا مطلب ہے؟ جنت میں تو بھوک پیاس ہے ہی نہیں!

جواب: پیاس نہ لگنا کلی مشکل ہے اور کلی مشکل کے افراد متفاوت ہوتے ہیں، جیسے ”معانی“ کلی مشکل ہے اور اس کے مختلف درجے ہیں، ایک طالب علم نے غلطی کی، استاد ناراض ہو گیا پھر اس نے معافی مانگی تو استاد نے معاف کر دیا، مگر وہ منظور نظر نہیں ہوا، پھر اس نے کوئی شاندار کام کیا تو منظور نظر ہو گیا۔ یہ معافی کے درجات ہیں، اسی طرح پیاس نہ لگنے کے بھی درجات ہیں جو باسب ریتان سے جنت میں جائے گا اس کو اعلیٰ درجہ کی یہ نعمت حاصل ہوگی اور دوسرے دروازوں سے داخل ہونے والوں کو دوسرے درجہ میں یہ نعمت حاصل ہوگی۔ غرض نوعیت مختلف ہوگی۔

تیسرا سوال: کھانے پینے کا مزہ اس وقت آتا ہے جب بھوک پیاس لگے اور جب جنت میں بھوک پیاس نہیں ہوگی تو کھانے پینے کا کیا مزہ آئے گا؟

جواب: جس طرح بھوک پیاس کے بعد کھانے پینے میں مزہ آتا ہے اشتہاء کے بعد بھی مزہ آتا ہے اور جنت میں بھوک پیاس تو نہیں ہوگی مگر اکل و شرب کی اشتہاء ہوگی، پس خوب مزہ آئے گا۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزے دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک: جب وہ اظہار کرتا ہے اور دوسری: جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا (اور روزے کا ثواب اس کو ملے گا تب وہ خوش خوش ہو جائے گا)

[۵۴] باب ماجاء فی فضل الصوم

[۷۵۵-] حدثنا صفوان بن موسى القزاز البصري، نا عبد الوارث بن سعيد، نا علي بن زيد، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ رَبَّكُمْ يَقُولُ: كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَقْطَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، وَالصُّومُ لِي وَأَنَا أُجْزِي بِهِ، وَالصُّومُ جَنَّةٌ مِنَ النَّارِ، وَتَعْلُوفٌ لِمَنْ الصَّائِمِ أَطْعَمَ اللَّهُ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَإِنْ جَهِلَ عَلَى أَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِلَى صَائِمٍ"

وفی الباب: عن معاذ بن جبل، وسهل بن سعد، وكعب بن عجرة، وسلامة بن قنبر، وبشير بن الخصاصة، واسم بشير: رُحِمَ بن مقبل، والخصاصة: هي أمة.

قال أبو عيسى: وحديث أبي هريرة حديث حسن غريب من هذا الوجه.

[۷۵۶] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "فِي الْجَنَّةِ بَابٌ يُدْعَى الرَّيَّانُ، يُدْعَى لَهُ الصَّائِمُونَ، فَمَنْ كَانَ مِنَ الصَّائِمِينَ دَخَلَهُ، وَمَنْ دَخَلَهُ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح غريب.

[۷۵۷] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ جِئْنَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ جِئْنَ يَلْقَى رَبَّهُ"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

باب ما جاء في صوم الدهر

بیشہ روزہ رکھنے کا بیان

حدیث: ابو قتادہ کہتے ہیں: کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کوئی شخص ہمیشہ روزے رکھے تو کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ وہ بے روزہ رہا"

تشریح: پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ایامِ خمسہ ممنوعہ کو چھوڑ کر باقی پورے سال روزے رکھنا جائز ہے، مگر یہ روزہ شرعاً پسندیدہ نہیں، اس لئے کہ جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کی صبح صادق سے پہلے کھانے کی اور غروب کے بعد کھانے کی عادت ہو جاتی ہے، درمیان میں اُسے کھانے پینے کی خواہش نہیں ہوتی۔ پس روزے کی جو مشقت ہے وہ اس کو حاصل نہیں ہوتی، اس لئے گویا اس نے روزہ نہیں رکھا اور چونکہ اس نے روزے کی نیت کی ہے اس لئے وہ بے روزہ بھی نہیں اس لئے فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ وہ بے روزہ ہے یعنی اس کے روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔

[۷۵۸] باب ما جاء في صوم الدهر

[۷۵۸] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَاحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الطَّيْسِ، قَالَا: نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غِيلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْبُدٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَيْفَ يَصُومُ الدَّهْرُ؟ قَالَ: "لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ" أَوْ: "لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يَفْطِرْ"

وفي الباب: عن عبد الله بن عمرو، وعبد الله بن الشَّخِيرِ، وعمران بن حصين، وأبي موسى،

قال أبو عيسى: حديث أبي قتادة حديث حسن.

وَقَدْ كَرِهَ لَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ صِيَامَ النَّهْرِ [وَأَجَازَهُ آخِرُونَ] وَقَالُوا إِنَّمَا يَكُونُ صِيَامُ النَّهْرِ إِذَا لَمْ يُفْطَرَ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحَى وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ، فَمَنْ أَفْطَرَ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ فَقَدْ خَرَجَ مِنْ حَدِّ الْكُرَاهِيَةِ، وَلَا يَكُونُ قَدْ صَامَ النَّهْرَ كُلَّهُ، هَكَذَا رَوَى عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَقَالَ أَحْمَدُ: وَإِسْحَاقُ: نَحْوًا مِنْ هَذَا، وَقَالَا: لَا يَجِبُ أَنْ يُفْطَرَ أَيَّامًا غَيْرَ هَذِهِ الْخَمْسَةِ الْأَيَّامِ الَّتِي نَهَى عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحَى وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ.

ترجمہ: بعض علماء صوم الدہر کو مکروہ کہتے ہیں اور دوسروں نے اس کی اجازت دی ہے (عبارت میں اجازہ آخرون میں نے بڑھایا ہے اس کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر عبارت کھل نہیں ہوتی) وہ کہتے ہیں: صوم الدہر اس وقت مکروہ ہے جب عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے بھی روزے رکھے، پس جس نے ان پانچ دنوں میں روزہ نہیں رکھا تو وہ کراہت کی حد سے نکل گیا، اور وہ پورے سال روزے رکھنے والا نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے یہی مروی ہے۔ اور امام شافعی (اور امام اعظم) رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے، اور امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ اسی کے مانند کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: وہ پانچ دن جن میں نبی ﷺ نے روزے رکھنے سے منع کیا ہے، یعنی عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق: ان کے علاوہ دنوں میں روزے نہ رکھنا واجب نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَرْدِ الصَّوْمِ

مسلسل روزے رکھنے کا بیان

آنحضرت ﷺ کی سیرت میں صوم الدہر نہیں تھا، اور نہ آپ نے اس کو پسند کیا ہے۔ البتہ سرد الصوم (مسلسل روزے رکھنا) آپ کا طریقہ تھا، آپ نفل روزے شروع کرتے تھے تو مسلسل رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ اب آپ ہمیشہ روزے رکھیں گے، پھر جب روزے بند کر دیتے تھے تو اتنے دنوں تک روزے نہیں رکھتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی نفل روزے نہیں رکھیں گے، البتہ آپ کا سرد الصوم ایک مہینے سے کم ہوتا تھا، صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے۔

حدیث (۱): عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا، انھوں نے فرمایا: آپ روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم سوچتے تھے کہ اب آپ ہمیشہ روزے رکھیں گے اور روزے بند کر دیتے تھے تو ہم خیال کرتے تھے کہ اب آپ کبھی روزے نہیں رکھیں گے، اور رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے فرمایا: آپ کسی مہینے میں روزے رکھنا شروع کرتے تو ایسا خیال ہوتا تھا کہ آپ کا اس مہینے میں روزے چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے (یعنی آپ مکمل مہینے کے روزے رکھیں گے ایسا سمجھا جاتا تھا) اور کسی مہینے میں روزے نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ ایسا خیال ہوتا کہ آپ اس مہینے میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے (سائل نے نبی ﷺ کے تہجد کے بارے میں بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: آپ رات کے جس حصہ میں نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہیں دیکھ سکتے ہیں، اور جس حصہ میں سوتے ہوئے دیکھنا چاہیں دیکھ سکتے ہیں) (یعنی آپ نے رات کے ہر حصے میں تہجد پڑھا ہے اور ہر حصے میں آرام فرمایا ہے یعنی آپ کا تہجد کا کوئی وقت متعین نہیں تھا)

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزوں میں سب سے افضل میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے، اور جب دشمن سے مدد بھیڑ ہوتی تو بھاگتے نہیں تھے اس آخری جملہ میں نبی ﷺ نے داؤد علیہ السلام کے روزے کو سراہا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ صوم داؤدی سے صائم کو کمزوری لاحق نہیں ہوتی۔

فائدہ: سرد الصوم اور صوم الدہر میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، اول عام ہے، ثانی خاص ہے، ہر سرد الصوم: صوم الدہر نہیں ہے، مگر ہر صوم الدہر: سرد الصوم ہے۔

[۵۶] باب ماجاء فی سرد الصوم

[۷۵۹] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْفِيٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَ يَصُومُ حَتَّى يَقُولَ قَدْ صَامَ، وَيُفْطِرُ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ، وَمَا صَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا إِلَّا رَمَضَانَ.

وفی الباب: عن أَنَسٍ، وَابْنِ عُمَارٍ، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدَّثْتُ عَائِشَةَ حَدِيثَ حَسَنٍ صَحِيحٍ.

[۷۶۰] - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حَمِيدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كَانَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى يَرَى أَنَّ اللَّهَ لَا يُرِيدُ أَنْ يَفْطِرَ مِنْهُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى يَرَى أَنَّ اللَّهَ لَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ مِنْهُ خَبَرًا، فَكُنْتُ لَا أَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتُهُ مُصَلِّيًا، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتُهُ نَائِمًا.

قال أبو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۷۶۱] - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، نَا وَكِيعٌ، عَنْ مِسْعَرٍ، وَسُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي قَابِيتٍ، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ،

عن عبد اللہ بن عمرو، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "أَفْضَلُ الصَّوْمِ صَوْمُ أَحِبِّي دَاوُدَ، كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقَى"

قال ابو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح، و ابو العباس: هو الشاعِرُ الأعمی، واسمُهُ: السَّابِبُ بنُ فَرْوَجٍ.

وقال بعضُ اهل العلم: أَفْضَلُ الصَّيَامِ أَنْ يَصُومَ يَوْمًا، وَيُفْطِرَ يَوْمًا، وَيُقَالُ: هذا هو أَشَدُّ الصَّيَامِ.

قولہ: ویقال: اور کہا جاتا ہے کہ یہ (صوم داؤدی) بہت بھاری روزہ ہے۔ یعنی اس سے نفس پر بہت مشقت پڑتی ہے اس لئے یہ روزہ افضل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا روزہ مکروہ ہے

جس طرح پانچ وقتوں میں نفلیں پڑھنا ممنوع ہے اور ان کے دو گروپ بنائے گئے ہیں، اوقات تلاش (طلوع وغروب اور استواء) کا تذکرہ الگ حدیثوں میں ہے اور عصر اور فجر کے بعد نفلوں کی ممانعت الگ روایتوں میں آئی ہے، اسی طرح پانچ دنوں میں روزے رکھنا ممنوع ہے اور وہ بھی دو حصوں میں منقسم ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا تذکرہ الگ حدیثوں میں ہے اور ایام تشریق: گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کا تذکرہ الگ روایت میں آیا ہے، اور ایسا ممانعت کے درجات کے تفاوت کی وجہ سے کیا گیا ہے، اوقات تلاش میں ہر نماز مکروہ ہے، اور دو وقتوں میں صرف نوافل ممنوع ہیں، اسی طرح یہاں بھی دو دنوں میں روزوں کی کراہیت سخت ہے اور تین دنوں میں ہلکی ہے، چنانچہ ان دنوں میں بعض فقہاء متمتع اور قارن کو روزے کی اجازت دیتے ہیں۔

حدیث (۱): ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے دو دنوں کے روزوں سے: عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے روزوں سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): ابوعبید کہتے ہیں: میں نے ایک عید الاضحیٰ کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی، انھوں نے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا، اور دوران خطبہ فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے وہ ان دو دنوں کے روزوں سے منع فرماتے تھے: عید الفطر کا روزہ (اس لئے منع ہے کہ) عملی طور پر رمضان کا روزہ چھوڑنا تحقیق ہو جائے (دوسری وجہ) اور وہ مسلمانوں کے لئے خوشی کا دن ہے (پس روزہ رکھ کر منہ لٹکائے پھر نامناسب نہیں، بلکہ خوشی منانا اور کھانا پینا مستحب ہے) اور رباعید الاضحیٰ کا روزہ (تو وہ اس لئے منع ہے کہ) آپ لوگ اپنی قربانی کا گوشت کھائیں۔

[۵۷] باب ماجاء فی کراهیة الصوم يوم الفطر ويوم النحر

[۷۶۲-] حدثنا قتيبة، نا عبد العزيز بن محمد، عن عمرو بن يحيى، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صيامين: صيام يوم الأضحي ويوم الفطر. وفي الباب: عن عمرو، وعلي، وعائشة، وأبي هريرة، وعقبة بن عامر، وأنس، قال أبو عيسى: حديث أبي سعيد حديث حسن صحيح، والعمل عليه عند أهل العلم. قال أبو عيسى: وعمرو بن يحيى: هو ابن عمارة بن أبي الحسن المازلي المدني، وهو ثقة، روى عنه سفیان الثوري، وشعبة، ومالك بن أنس.

[۷۶۳-] حدثنا محمد بن عبد الملك بن أبي الشوارب، نا يزيد بن زريع، نا مَعْمَر، عن الزهري، عن أبي عبيد: مولى عبد الرحمن بن عوف، قال: شهدت عمر بن الخطاب في يوم نحر، بدأ بالصلاة قبل الخطبة ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن صوم هذين اليومين، أما يوم الفطر: لفطركم من صومكم، وعيد المسلمين، وأما يوم الأضحي: فكلوا من لحم نسككم.

قال أبو عيسى: هذا حديث صحيح، وأبو عبيد: مولى عبد الرحمن بن عوف اسمه معمر، ويقال له: مولى عبد الرحمن بن أذقر: هو ابن عم عبد الرحمن بن عوف.

وضاحت: پہلی حدیث میں ایک راوی ہے عمرو بن یحییٰ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے کہ ان سے سفیان ثوری، شعبہ اور امام مالک رحمہم اللہ جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ اور ابو عبید: عبد الرحمن بن عوف کے آزاد کردہ ہیں ان کا نام سعد تھا اور ان کو مولى عبد الرحمن بن اذہر بھی کہتے ہیں اور ابن اذہر: عبد الرحمن بن عوف کے چچا زاد بھائی ہیں۔

باب ماجاء فی کراهیة صوم ایام التشریق

ایام تشریق کے روزوں کی کراہیت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عرفہ کا دن، حید الاضحیٰ کا دن اور ایام تشریق (گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) ہم مسلمانوں کی عید ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں“
تشریح: علامہ ابن عبد البر نے موطا کی شرح التہمید میں لکھا ہے کہ عرفہ کا ذکر صرف اس حدیث میں ہے کسی اور

حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں۔ اور علامہ ابوالفتح عراقی فرماتے ہیں: عرفہ کا دن اکل و شرب کا دن کیسے ہو سکتا ہے؟ اس میں تو روزہ مستحب ہے، پھر فرماتے ہیں: شاید اس کا تعلق حاجیوں سے ہو، کیونکہ حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا افضل ہے (معارف السنن) مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ یوم عرفہ کھانے پینے کا دن نہیں ہے یعنی خوشی منانے کا دن نہیں ہے، اس میں تو حاجیوں کو بہت کام کرنے ہوتے ہیں اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ حدیث میں عرفہ کا ذکر محفوظ ہے یا نہیں۔ اس کے بعد جانا چاہئے کہ جس طرح وہ پانچ اوقات جن میں نمازیں پڑھنا منوع ہے ان میں سے اوقات ثلاثہ میں ممانعت سخت ہے ان وقتوں میں قضا نماز بھی پڑھنا جائز نہیں، اور عصر اور فجر کے بعد نماز کی ممانعت ہلکی ہے اس لئے ان وقتوں میں قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں روزوں کی ممانعت سخت ہے، ان دونوں میں روزوں کے جواز کا کوئی قائل نہیں، اور ایام تشریق میں جو ممانعت ہے وہ ہلکی ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک ایام تشریق میں متمتع اور قارن کے لئے روزہ رکھنا جائز ہے، متمتع اور قارن کے پاس اگر قربانی کا جانور یا پیسہ نہ ہو تو اُسے دس روزے رکھتے ہوتے ہیں، تین عید سے پہلے عشرہ ذی الحجہ میں اور سات گھروٹ کر، اور یہ مسئلہ سورہ بقرہ آیت ۱۹۶ میں ہے، اور اگر کوئی حاجی عید سے پہلے تین روزے نہ رکھ سکا ہو تو کیا وہ ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کا مذہب امام شافعی کا مفتی ہے (جدید) قول اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ متمتع اور قارن کے لئے بھی ایام تشریق میں روزے رکھنا جائز نہیں۔ اب ان پر دم مقرر ہے، دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب امام شافعی رحمہ اللہ کا مرجع عند قول اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ شخص ایام تشریق میں وہ روزے رکھ سکتا ہے۔

[۵۸] باب ما جاء في كراهية صوم أيام التشريق

[۷۶۴-] حَدَّثَنَا هُنَادٌ، وَكَفَيْعٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ غَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَسَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ، وَبُيُشَيْرَةَ، وَبِشْرِ بْنِ سَعْدٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَذَافَةَ، وَأَنَسٍ، وَحُمَيْرَةُ بْنُ عَمْرِو الْأَسْلَمِيِّ، وَكَعْبُ بْنُ مَالِكٍ، وَعَائِشَةُ، وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرِو.

قال أبو عيسى: حديث عُقْبَةَ بْنِ غَامِرٍ حديث حسن صحيح. والعمل على هذا عند أهل العلم يَكْرَهُونَ صِيَامَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ، إِلَّا أَنْ قُلُومًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَخَصُّوا لِلْمَتَمَتِّعِ إِذَا لَمْ يَجِدْ هَذَا وَلَمْ يَصُمْ فِي الْعَشْرِ أَنْ يَصُومَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ. وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ

والشافعی، واحمد، واسحاق.

قال أبو عیسی: وأهل العراق یقولون: موسى بن علی بن زجاج، وأهل مصر یقولون: موسى بن علی. وقال: سمعت قتیبة یقول: سمعت اللیث بن سعید یقول: قال موسى بن علی: لا أجعل أحدا فی حل صفر اسم أبی.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، وہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کو مکروہ کہتے ہیں مگر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض حضرات متمتع (اور قارن) کو اجازت دیتے ہیں جب اس کے پاس ہدی نہ ہو اور اس نے عشرہ ذی الحجہ میں روزے نہ رکھے ہوں کہ وہ ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے اور یہ مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔
امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل عراق موسیٰ بن علی (مصر) کہتے ہیں اور اہل مصر موسیٰ بن علی (مکبر) کہتے ہیں پھر امام ترمذی نے لیث بن سعد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ موسیٰ کہتے تھے: میں کسی کو جواز میں نہیں گردانوں گا جو میرے ابا کے نام کی تصغیر بنائے گا، یعنی جو میرے ابا کے نام کو بگاڑے گا اور علی (مصر) کہے گا میں اس کو معاف نہیں کروں گا (مگر جب ان کی علی (مصر) سے تشہیر ہوگئی تو اب مصر نام لینا ضروری ہے، ورنہ ان کو کون پہچانے گا؟ جیسے معرفت کے لئے اعمش (چوندھیا) کہنا ضروری ہے)

باب ماجاء فی کراهیة الحجامة للصائم

روزے میں پچھنے لگوانے کی کراہیت

الحجامة: کے معنی ہیں: پتلی لگوانا، پچھنے لگوانا، یعنی بدن سے فاسد خون نکالنا۔ یہ طریقہ دنیا میں آج بھی رائج ہے اور مختلف طریقوں سے بدن سے فاسد خون نکالا جاتا ہے، اور روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے یا کسی اور طریقہ سے بدن سے خون نکالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ دیگر فقہاء کے نزدیک پچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ قاعدہ ہے: جوفہ معدہ یا جوفہ دماغ میں منافذ اصلیہ سے کوئی چیز پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے اور بدن کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہاں دو باب ہیں، دوسرے باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے ورنہ ایک آپ احرام کی حالت میں تھے اور روزے سے تھے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث تین سندوں سے ذکر کی ہے اور تیسری سند حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث جمہور کا مستدل ہے، اور امام احمد کی

ضائع ہو گیا اور ضیاع ثواب کی علت حجامت نہیں ہے بلکہ غیبت ہے (یہ تاویل امام محمد اوی رحمہ اللہ نے کی ہے، شرح معانی الآثار: ۲۹۵)

تیسری تاویل: رافع بن خدیج کی روایت منسوخ ہے اور ناخ ابوسعید خدری کی حدیث ہے جو دارقطنی (۱۸۲:۲) میں صحیح سند سے مروی ہے: رَخِصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ: نَبِيُّ ﷺ نے صائم کو پچھنے لگانے کی اجازت دی، اور رخصت ممانعت کے بعد ہوتی ہے، پس معلوم ہوا کہ رافع بن خدیج کی روایت منسوخ ہے۔

چوتھی تاویل: افطر الحاجم والمحجوم اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس میں انشاء مضر ہے اور وہی مقصود ہے، یعنی نبی ﷺ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ روزہ کی حالت میں پچھنے نہ لگوائیں کیونکہ اس سے کمزوری لاحق ہوتی ہے اور روزے میں انشاء ضروری ہے۔ پس یہ امر ارشادی ہے اور وکیل ابوداؤد کی حدیث ہے: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يهرق من الحجام، ولم يعثر منهم ما إبقاء على أصحابه (ابوداؤد: ۲۲۳) نبی ﷺ نے صحابہ کو صوم وصال سے اور بحالت روزہ پچھنے لگوانے سے منع کیا اور یہ ممانعت شفقت تھی، حرمت کے طور پر نہیں تھی (یہ توجیہ سب سے بہتر ہے اور مجھے زیادہ پسند ہے)

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ کا بغداد میں قیام کے دوران یہ خیال تھا کہ دونوں بابوں کی حدیثیں صحیح نہیں، مگر جب آپ مصر تشریف لے گئے اور ابن عباسؓ کی حدیث کی دوسری سندیں آپ کے سامنے آئیں تو آپ نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر لیا۔ بغداد میں قیام کے زمانہ میں بھی ان کا مذہب یہی تھا کہ پچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، وہ فرماتے تھے کہ اگرچہ روایات صحیح نہیں ہیں مگر قاعدہ یہ ہے کہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں کوئی چیز پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے، بدن سے کسی چیز کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، پس پچھنے لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مگر بعد میں انھوں نے قطعیت کے ساتھ حدیث کی بنیاد پر روزہ نہ ٹوٹنے کی بات فرمائی۔

[۵۹] باب ماجاء في كراهية الحجامَةِ للصائم

[۷۶۵-] حدثنا محمد بن رافع النيسابوري، ومحمود بن غيلان، ويحيى بن موسى، قالوا: نا عبد الرزاق، عن معمر، عن يحيى بن أبي كثير، عن إبراهيم بن عبد الله بن قارظ، عن السائب بن يزيد، عن رافع بن خديج، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أفطر الحاجم والمحجوم". وفي الباب: عن سعد، وعلي، وشداد بن أوس، وقولبان، وأسامة بن زيد، وعائشة، ومغفل بن يسار — ويقال مغفل بن سنان — وأبي هريرة، وأبي عثمان، وأبي موسى، وبلال.

قال أبو عيسى: حديث رافع بن خديج حديث حسن صحيح، وذكر عن أحمد بن حنبل، أنه قال: أصح شيء في هذا الباب حديث رافع بن خديج، وذكر عن علي بن عبد الله، أنه قال: أصح شيء في هذا الباب حديث ثوبان وشاذ بن أوس، لأن يحيى بن أبي كثير روى عن أبي قلابة الحديثين جميعاً: حديث ثوبان وحديث شاذ بن أوس.

وقد كره قوم من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم الجعامة للصائم، حتى أن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم اختجَم بالليل، منهم أبو موسى الأشعري، وابن عمر، وبهذا يقول ابن المبارك.

قال أبو عيسى: وسمعت إسحاق بن منصور، يقول: قال عبد الرحمن بن مهدي: من اختجَم وهو صائم فعليه القضاء، وقال إسحاق بن منصور: وهكذا قال أحمد بن حنبل، وإسحاق بن إبراهيم.

قال أبو عيسى: وأخبرني الحسن بن محمد الزعفراني، قال: قال الشافعي: قد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه اختجَم وهو صائم، وروى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: أقطر الحاجم والمحجوم، ولا أعلم أحداً من هذين الحديثين ثابته، ولو تولى رجل الجعامة وهو صائم كان أحب إليّ، وإن اختجَم وهو صائم لم أر ذلك أن يفطره.

قال أبو عيسى: هكذا كان قول الشافعي ببغداد، وأما بمصر فمال إلى الرخصة، ولم يَر بالجعامة بأساً، واحتج أن النبي صلى الله عليه وسلم اختجَم في حجة الوداع وهو مُحَرَّم صائم.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: رافع بن خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے اور امام احمد سے مروی ہے کہ اس باب میں صحیح ترین روایت رافع بن خدیج کی ہے، اور علی بن المدینی سے مروی ہے کہ اس باب میں صحیح ترین دو حدیثیں ہیں یعنی ثوبان و شاذ بن حدیثیں۔ اس لئے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے ابو قلابة سے دونوں حدیثیں: ثوبان کی حدیث اور شاذ کی حدیث روایت کی ہیں اور صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض لوگ روزہ کی حالت میں پھینچنے لگانے کو مکروہ کہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض صحابہ کی حالت میں پھینچنے لگواتے تھے ان میں سے ابو موسیٰ اشعری اور ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں، اور ابن المبارک کا یہی قول ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: میں نے اسحاق بن منصور سے سنا کہ ابن مہدی فرماتے ہیں: جس نے روزہ کی حالت میں پھینچنے لگوائے اس پر قضا واجب ہے اور اسحاق بن منصور نے کہا: امام احمد اور حضرت اسحاق اسی کے قائل ہیں۔

امام ترمذی کہتے ہیں: مجھے زعفرانی نے خبر دی (یہ امام شافعی کے بغداد کے زمانہ کے شاگرد ہیں اور قول قدیم کے راوی ہیں) کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؐ نے روزہ کی حالت میں پھینچنے

لگوائے اور نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: پچھنے لگانے والے کا اور پچھنے لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اور میں ان دونوں حدیثوں میں سے کسی کو ثابت نہیں مانتا اور اگر آدمی روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے سے احتراز کرے تو مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر کوئی روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے تو میرے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بغداد کے زمانہ کا قول ہے اور مصر میں وہ رخصت کی طرف مائل ہوئے تھے (یعنی روزہ نہ ٹوٹنے کی بات قطعیت کے ساتھ کہتے تھے) اور پچھنے لگوانے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور انھوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں۔

باب ما جاء من الرخصة في ذلك

روزے میں پچھنے لگوانے کا جواز

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے جبکہ آپ احرام کی حالت میں تھے اور روزہ سے تھے۔

تشریح: امام ترمذی نے یہ حدیث تین سندوں سے ذکر کی ہے، پہلی سند ایوب کی ہے، ان سے عبد الوارث بن سعید روایت کرتے ہیں، اور حدیث کو مرفوع کرتے ہیں، اور وہیب ان کے متابع ہیں اور اسماعیل بن ابراہیم بھی اس حدیث کو ایوب سے روایت کرتے ہیں مگر مرسل بیان کرتے ہیں یعنی ابن عباس کا تذکرہ نہیں کرتے، مگر وہ پر سند روک دیتے ہیں، اور مرفوع روایت اصح ہے اور وہ بخاری میں ہے (حدیث ۱۹۳۸ و ۱۹۳۹) اور دوسری سند حبیب بن الشہید کی ہے۔ ان سے اوپر ایک ہی سند ہے یعنی یہ حدیث غریب ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، البتہ محمد بن عبد اللہ انصاری میں کلام ہے اور تیسری حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

[۶۰] باب ما جاء من الرخصة في ذلك

[۷۶۶] - حدثنا بشر بن هلال البصري، نا عبد الوارث بن سعيد، نا أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: اختتم رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مُحْرِمٌ صَائِمٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديث صحيح، هكذا رَوَى وَهْبٌ نَحْوَ رِوَايَةِ عَبْدِ الْوَارِثِ، وَرَوَى إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ مُرْسَلًا، وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ.

[۷۶۷] - حدثنا أبو موسى محمد بن المثنى، نا محمد بن عبد الله الأنصاري، عن حبيب بن الشهيد، عَنْ مَعْمُودِ بْنِ جَهْرَانَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَتَمَ وَهُوَ صَائِمٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه.

[۷۶۸] حدثنا أحمد بن منيع، نا عبد الله بن إدريس، عن يزيد بن أبي زياد، عن مفسم، عن

ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم احتجَمَ فيما بين مكة والمدينة وهو مُحْرِمٌ صَائِمٌ.

ولی الباب: عن أبي سعيد، وجابر، وأنس.

قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح. وقد ذهب بعض أهل العلم من أصحاب

النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم إلى هذا الحديث، ولم يروا بالحجامة للصائم بأساً، وهو قول

سفيان الثوري، ومالك بن أنس، والشافعي.

باب ما جاء في كراهية الوصال في الصيام

صوم وصال یعنی کئی دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے

صوم وصال: یہ ہے کہ دو یا زیادہ دنوں کا مسلسل روزہ رکھا جائے، رات میں بھی افطار نہ کیا جائے، نبی ﷺ ایسا روزہ رکھتے تھے، آپ کا عمل دیکھ کر بعض صحابہ نے بھی صوم وصال رکھا تو آپ نے منع فرمایا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”مجھے میرا رب کھانا پلاتا ہے“

تشریح: فقہاء کا عام طور پر خیال یہ ہے کہ صوم وصال فی نفسہ جائز ہے اور جواز کی دو دلیلیں ہیں، نقلی دلیل یہ ہے کہ بعض اکابر صحابہ نے صوم وصال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صوم وصال رکھتے تھے، عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی صوم وصال رکھتے تھے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب دو یا زیادہ روزے الگ الگ رکھنا جائز ہیں تو ان کو ملا کر رکھنا بھی جائز ہے جیسے دو دو رکعتیں الگ الگ پڑھنا جائز ہیں تو بیس رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا بھی جائز ہے، نا جائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

غرض دلیل عقلی اور نقلی سے یہ بات ثابت ہے کہ صوم وصال فی نفسہ جائز ہے، مگر عموماً امت کے لئے مکروہ ہے اور ممانعت ارشادی ہے، یعنی نبی ﷺ نے امت کو شفقۃ صوم وصال سے روکا ہے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الوصال رحمة لهم (بخاری حدیث ۱۹۶۳) پس اگر کوئی شخص طاقت رکھتا ہو تو اس کے لئے صوم وصال جائز ہے۔ مگر عام لوگوں کے لئے دشواری ہے اس لئے ان کو صوم وصال نہیں رکھنا چاہئے۔

فائدہ: ”میرا پروردگار مجھے کھانا پلاتا ہے“ اس سے روحانی کھانا پلانا مراد ہے روحانی کھانے پلانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بلکہ مادی کھانا پلانا بھی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پہلے حدیث گزری ہے کہ جو شخص بھول کر کھانی لے وہ روزہ نہ توڑے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔

سوال: روحانی کھانا پلانا کیسا ہوتا ہے؟

جواب: یہ بات سمجھائی نہیں جاسکتی، جب روحانیت کے اس مقام پر پہنچو گے تو خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔ امت میں ایسے افراد گزرے ہیں جو اس مقام تک پہنچے تھے ان کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے تھے، حضرت عمر اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سات دن کا روزہ رکھتے تھے، ظاہر ہے ان کو اللہ کھلاتا پلاتا تھا۔

ایک واقعہ: میں نے اپنے اساتذہ سے ایک واقعہ سنا ہے، اس سے اس مضمون کو سمجھنے میں مدد ملے گی، پنڈت دیانند سروسوتی (بانی آریہ سماج) نے رڑکی میں اپنی تقریروں میں اسلام پر اعتراض شروع کئے اور چیلنج دیا کہ اپنے مولویوں کو لادو جواب دیں۔ رڑکی کے لوگ دیوبند آئے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ سے صورت حال عرض کی۔ آپ مع تلامذہ رڑکی تشریف لے گئے۔ اور مسلمانوں کے محلہ میں قیام فرمایا۔ پنڈت جی کا قیام چھاؤنی میں تھا۔ حضرت کے تلامذہ شرائط مناظرہ طے کرنے کے لئے پنڈت جی کی جائے قیام پر گئے۔ ان سے کہا گیا: تشریف رکھیں، پنڈت جی ابھی کھانا کھائیں گے، پھر بات کریں گے، وہ لوگ بیٹھ گئے۔ وہیں دسترخوان بچھا اور کھانا چنا گیا۔ تقریباً پانچ چھ آدمیوں کا کھانا دسترخوان پر رکھا گیا، پنڈت جی آئے اور اکیلے سب کھا گئے، یہ لوگ دیکھتے رہ گئے، جب گفتگو کر کے لوٹے اور حضرت نانوتویؒ کو خبر دے چکے تو ایک شاگرد نے عرض کیا: حضرت آج بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ حضرت نے پوچھا: کیا خطرہ لاحق ہوا تھا؟ اس نے بتایا کہ پنڈت جی نے ہمارے سامنے اتنا کھانا کھایا، ہمیں خطرہ ہوا کہ اگر پنڈت جی نے کہا کہ اپنے مولانا کو لادو کھانے میں مناظرہ کریں گے تو آپ تو ہار جائیں گے، کیونکہ آپ ایک چپاتی کھاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: ہم کیوں ہاریں گے، ہم جواب دیں گے، شاگرد نے پوچھا: حضرت کیا جواب ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم پنڈت جی سے پوچھیں گے کہ انسان کا کمال کھانا ہے یا نہ کھانا، جبکہ کھانا بحیثیت کی شان ہے اور نہ کھانا ملکیت کا حال ہے؟ اگر وہ جواب دیں کہ کھانا کمال ہے تو ہم کہیں گے کہ آپ ہاتھی سے اور گینڈے سے مناظرہ کریں، یہ بڑے جانور ہیں۔ اور اگر وہ کہیں: انسان کا کمال فرشتہ بننا اور نہ کھانا ہے تو ہم کہیں گے: آؤ اس پر مناظرہ کرو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کمرے میں پنڈت جی کو بند کر دیں اور چابی ہمارے آدمیوں کو دیدیں اور ایک میں مجھے بند کر دیں اور چابی ان کے آدمیوں کو دیدیں۔ اور ایک ماہ کے بعد کھولیں جو حق ہے وہ زندہ ہوگا اور جو باطل ہے وہ مر چکا ہوگا۔ شاگردوں نے کہا: حضرت! کھائے پیئے بغیر ایک ماہ تو آپ بھی زندہ نہیں رہ سکتے! آپ نے فرمایا: الحمد للہ میں چھ ماہ تک کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں، یہ ہے اللہ کا کھانا پلانا۔

دوسرا واقعہ: حضرت شیخ الحدیث سہارن پوری رحمہ اللہ نے اکابر کے رمضان میں کھانا کھانے کے بڑے حضرت رائے پوری شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ پورے رمضان میں افطار میں صرف ایک انڈ اور ایک فنجان چائے لیتے تھے اور فرماتے تھے: کہ مجھے اس کی بھی ضرورت نہیں، مگر چونکہ حدیث میں صوم وصال کی ممانعت آئی ہے اس لئے یہ لیتا ہوں۔ غرض

ان واقعات سے روحانی غذا کا آپ تصور کر سکتے ہیں اس سے زیادہ وضاحت میرے لئے ممکن نہیں۔

[۶۱] باب ماجاء فی کراهیة الوصال فی الصیام

[۷۶۹-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، لَا يَشْرُبُ بْنُ الْمُفَضَّلِ وَخَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عُرْوَةَ عَنْ قَنَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُوَاصِلُوا" قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: "إِنِّي لَأَسْتَكْأَحِدُكُمْ، إِنَّ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِيُنِي" وفي الباب: عن عليٍّ وأبي هريرة وعائشة وابن عمر وجابر وأبي سعيد ونسب بن الخصاصية. قال أبو عيسى: حديث أنس حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم كقولهم الوصال في الصيام، وروى عن عبد الله بن الزبير أنه كان يُوَاصِلُ الْأَيَّامَ وَلَا يُفْطِرُ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صوم وصال مت رکھو" صحابہ نے عرض کیا: آپ تو رکھتے ہیں اے اللہ کے رسول! (معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے اقوال و افعال کی پیروی ضروری ہے ورنہ صحابہ یہ بات نہ کہتے) آپ نے فرمایا: "میں تمہاری طرح نہیں ہوں" (یہاں سے ثابت ہوا کہ کچھ احکام حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں مگر ہر وہ حکم جو خاص انبی ﷺ میں سے ہے اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے یہ وجہ بیان کی) "اس لئے کہ مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے" — اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے وہ صوم وصال کو مکروہ کہتے ہیں اور عبد اللہ بن الزبیر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ متعدد ایام ملائے تھے اور (درمیان میں) افطار نہیں کرتے تھے یعنی صوم وصال رکھتے تھے۔

باب ماجاء فی الجنب ینذر کھ الفجر وهو یؤید الصوم

جنبات کی حالت میں صبح کی ہو تو بھی روزہ رکھ سکتا ہے

جو شخص جنبی ہو خواہ بیوی سے محبت کی وجہ سے، یا احتلام کی وجہ سے اور وہ رمضان کا یا غیر رمضان کا روزہ رکھنا چاہے اور صبح صادق کے بعد غسل کرے تو درست ہے، اس لئے کہ جنبات روزہ کے متنافی نہیں، روزہ کی حالت میں اگر احتلام ہو جائے تو بالاجماع روزہ نہیں ٹوٹتا، اور سورۃ بقرہ آیت ۱۸۷ میں صبح صادق تک کھانے، پینے اور محبت کرنے کی اجازت دی گئی ہے، پس جو آخری وقت میں محبت کرے گا وہ صبح صادق کے بعد ہی غسل کرے گا، نیز یہ بات صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: نبی ﷺ بیویوں سے محبت کرنے کی وجہ سے جنبی ہوتے تھے (علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ کبھی کسی نبی کو احتلام نہیں ہوا اور نہ کسی نبی کو جماعی آئی) اور صبح صادق ہو جاتی تھی تو آپ روزہ رکھ لیا کرتے تھے اور صبح صادق کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔ غرض یہ مسئلہ کہ صائم صبح صادق

کے وقت جنبی ہو تو اس کا روزہ صحیح ہے اجماعی ہے، پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف تھا، وہ اس صورت میں روزہ صحیح نہیں کہتے تھے، مگر جب ان کو مذکورہ حدیث پہنچی تو اپنے قول سے رجوع کر لیا، پس اب مسئلہ اجماعی ہے۔

[۶۲] باب ماجاء فی الجنب یندرکہ الفجر وهو یرید الصوم

[۷۷۰-] حدثنا قتيبة، نا الليث، عن ابن شهاب، عن أبي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام، قال: أخبرني عائشة وأُم سلمة زوجتا النبي صلى الله عليه وسلم: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يندرُكهُ الفجر وهو جنبٌ من أهله، ثم يفتسلُ فيصومُ.

قال أبو عيسى: حديث عائشة وأُم سلمة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم وهو قول سفیان، والشافعي، وأحمد، وإسحاق، وقد قال قوم من التابعين: إذا أصبح جنباً بقضي ذلك اليوم، والقول الأول أصح.

ترجمہ: اور بعض تابعین کہتے ہیں: (یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے وہ علامہ ہیں جنہوں نے رجوع سے پہلے پڑھا تھا) جب جنابت کی حالت میں صبح صادق کرے تو اس دن کے روزے کی قضا کرے، یعنی روزہ صحیح نہیں ہوا۔ اور پہلا قول اصح ہے۔

باب ماجاء فی إجابة الصائم الدعوة

روزہ دار کو دعوت قبول کرنی چاہئے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کسی شخص کو کھانے پر بلایا جائے تو اسے دعوت قبول کرنی چاہئے، پھر اگر وہ روزے سے ہو تو میزبان سے معذرت کرے کہ اس کا روزہ ہے، اگر میزبان کھانے پر اصرار کرے اور عذر قبول نہ کرے تو روزہ توڑ دے اور دعوت کھالے، اور اگر میزبان عذر قبول کر لے تو دعائیں دے کر واپس آجائے۔

تشریح: اس حدیث کو ہمارے ماحول میں سمجھنا دشوار ہے، ہمارے یہاں کسی بھی تقریب کی دعوت کسی دن پہلے دی جاتی ہے، پس اگر کسی کو کسی وجہ سے دعوت قبول نہیں کرنی تو بروقت عذر کر دے اور جب دعوت قبول کر لی تو پھر جس دن دعوت ہے اس دن روزہ رکھنا غلط ہے۔ اور عربوں کے یہاں بڑی دعوت بھی بروقت دی جاتی تھی، پہلے سے دعوت دینے کا ان کے یہاں رواج نہیں تھا نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی تھی اور یہ آپ کا سب سے بڑا ولیمہ تھا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”فلاں جگہ کھڑے ہو جاؤ اور جو وہاں سے گزرے اُسے کھانے کے لئے کہو“ (بخاری حدیث ۵۱۷۹۳ و ۵۱۷۹۴) عربوں کا یہی مزاج اور یہی طریقہ تھا،

مذکورہ حدیث اس ماحول کو پیش نظر رکھ کر سمجھی جائے کہ اگر کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ روزے سے ہو تو بھی دعوت قبول کر لے، پھر تقریب میں پہنچے اور صاحب خانہ سے معذرت کرے اگر عذر قبول ہو جائے تو دعائیں دے کر واپس آجائے اور اگر میزبان کھانے پر اصرار کرے تو روزہ توڑ کر دعوت کھالے اور میزبان کی خاطر مہمان کا نفل روزہ توڑنا یا مہمان کی خاطر میزبان کا نفل روزہ توڑنا جائز ہے۔

اسی طرح عربوں کا یہ طریقہ بھی تھا کہ کسی کے گھر کوئی معزز مہمان آتا اور وہ تھا مہمان کو کھانا مناسب نہ سمجھتا تو اس پاس سے یا رشتہ داروں میں سے پانچ دس آدمیوں کو بلالیتا، اور وہ لوگ اگر کھانی رہے ہوں تو بھی کھانا چھوڑ کر آجاتے، اور مہمان کے ساتھ کھاتے، ایسے ماحول کے لئے یہ ارشاد گرامی ہے کہ اگر کھانے پر بلایا جائے تو ضرور جاؤ اور روزہ ہو تو میزبان سے عذر کرو، عذر قبول ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ دعوت کھاؤ۔ غرض بعض روایتیں ایسی ہوتی ہیں جو اس ماحول ہی میں سمجھی جاسکتی ہیں جس ماحول میں وہ فرمائی گئی ہیں۔ بدلے ہوئے ماحول میں ان کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے، مگر اب عربوں کا ماحول بھی بدل گیا ہے وہ بھی پہلے سے دعوت دینے لگے ہیں، شادی کا رڈ چھپواتے ہیں، انھوں نے بھی عجیبوں کے اثرات قبول کر لئے ہیں، اس لئے عربوں کے آج کے ماحول میں بھی حدیث کو سمجھنا دشوار ہے۔

[۶۳] باب ماجاء فی إجابة الصائم الدعوة

[۷۷۱-] حدثنا أزهر بن مَرْزَأَن النُّصْرِيُّ، نا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَّاءٍ، نا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عن أَنُوبٍ، عن مُحَمَّدِ بْنِ سُبْرَيْنَ، عن أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ" یعنی اللّٰعاء.

[۷۷۲-] حدثنا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، نا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عن أَبِي الزُّنَادِ، عن الْأَعْرَجِ، عن أَبِي هُرَيْرَةَ، عن النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيُصَلِّ: إِنِّي صَائِمٌ" قال أبو عيسى: فَيَكَلِّمُ الْخَدِيثَيْنِ فِي هَذَا الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی كراهية صَوْمِ الْمَرْأَةِ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا

عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا مکروہ ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "عورت روزہ نہ رکھے جبکہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہو، رمضان کے روزوں کے علاوہ کسی بھی دن کا روزہ مگر شوہر کی اجازت سے"

تشریح: عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھنا مکروہ ہے اور رمضان کے قضا روزے کا بھی یہی

حکم ہے، کیونکہ قضا کا وقت متعین نہیں، پس جب شوہر گھر پر نہ ہو یا اجازت دے اس دن قضا کرے۔

اور اجازت صراحۃً بھی ہوتی ہے اور دلالت بھی، صراحۃً اجازت تو ظاہر ہے اور دلالت اجازت یہ ہے کہ عورت سحری کے لئے اٹھی، شوہر نے دیکھا مگر منع نہیں کیا، یا عورت نے آئندہ دن روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور شوہر خاموش رہا تو یہ دلالت اجازت ہے۔

اور اجازت کے بغیر عورت کے لئے روزہ رکھنا مکروہ اس لئے ہے کہ بیوی سے انتفاع کا شوہر کو ہر وقت حق ہے، اگر عورت روزہ رکھ لے گی تو شوہر کی حق تلفی ہوگی، اور اس سے زیادہ گہری وجہ یہ ہے کہ بعض عورتوں کو نفل روزوں سے دلچسپی ہوتی ہے، وہ بہت روزے رکھتی ہیں، اور جب عورت بکثرت روزے رکھے گی تو اس کا شوہر کی طرف میلان کم ہو جائے گا، اور شوہر بیوی سے پورا فائدہ اسی وقت اٹھا سکتا ہے جب بیوی کا اس کی طرف میلان ہو، اگر بیوی کا میلان نہیں ہوگا تو مرد کو کچھ لطف نہیں آئے گا، اس لئے عورت کے لئے صراحۃً یا دلالت اجازت ضروری ہے۔

فائدہ: یہاں حدیث میں لاخصوم فعل مضارع متنی ہے اور مسلم میں اسی حدیث میں لاخصم فعل نہی ہے (مسلم کتاب الزکاة حدیث ۸۲) اور نہی میں ممانعت صریح ہوتی ہے اور قوی ہوتی ہے اور نفی میں اصل خبر ہوتی ہے اور انشاء (نہی) مضر ہوتی ہے، یعنی اس میں بھی نہی ہوتی ہے مگر ہلکی ہوتی ہے، پس حدیث میں جو دو تعبیریں ہیں ان میں سے ایک بالیقین روایت بالمعنی ہے، مگر وہ کوئی ہے یہ بات معلوم نہیں۔ اگر عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے کی ممانعت سخت ہے تو فعل نہی اصل ہے اور یہاں روایت بالمعنی ہے، اور اگر ممانعت ہلکی ہے تو مضارع متنی اصل ہے اور مسلم کی روایت بالمعنی ہے، میرا رجحان یہ ہے کہ یہاں جو روایت ہے وہ اصل ہے اور مسلم میں جو روایت ہے وہ بالمعنی ہے واللہ اعلم

[۶۴] باب ما جاء فى كراهية صوم المرأة إلا بإذن زوجها

[۷۷۳] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَنُصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَا: نَاسِيفُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزُّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَرُؤُوسُهَا شَاهِدَةٌ، يَوْمًا مِنْ غَيْرِ شُهِيرٍ وَمَضَانٍ، إِلَّا بِإِذْنِهِ"

وفى الباب: عن ابن عباس، وأبي سعيد. قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، وقد روى هذا الحديث عن أبي الزُّنَادِ، عن موسى بن أبي عثمان، عن أبيه، عن أبي هريرة، عن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: اس حدیث کو ابو الزناد: اعرج سے، وہ ابو ہریرہ سے، وہ نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں، اور

موسیٰ بن ابی عثمان سے، وہ اپنے والد ابو عثمان سے، وہ ابو ہریرہ سے، وہ نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

باب ماجاء فی تأخیر قضاء رمضان

رمضان کے روزوں کی قضا میں تاخیر جائز ہے

اگر کسی کے رمضان کے روزے قضا ہو گئے ہوں خواہ سفر کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے یا حیض و نفاس کی وجہ سے تو ان کی قضا علی الفور واجب نہیں، تاخیر سے قضا کرنا بھی درست ہے، پھر اگر وہ روزے اگلے رمضان سے پہلے قضا کر لئے تو کوئی مسئلہ نہیں، اور اگر اگلے رمضان کے بعد قضا کئے تو صرف قضا ہے یا فدیہ بھی واجب ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف قضا واجب ہے۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ قضا اور فدیہ دونوں واجب ہیں۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی حیات تک میرے رمضان کے جو روزے روہ جاتے تھے میں ان کو آئندہ رمضان کے قریب شعبان میں قضا کرتی تھی، پھر جب آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو رمضان کے بعد فوراً اگلے مہینے ہی میں قضا کر لیتی ہوں۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے سب ائمہ متفق ہیں کہ رمضان کے روزوں کی قضا میں تاخیر جائز ہے اور اگلے رمضان تک قضا کر لینے میں فدیہ واجب نہیں، البتہ اگر اگلا رمضان گزر جائے تو قضا کے ساتھ فدیہ کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے، اور یہ مسئلہ منصوص نہیں اجتہادی ہے۔

[۶۵] باب ماجاء فی تأخیر قضاء رمضان

[۷۷۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ السُّدِّيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الْبَهْمِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كُنْتُ أَقْضِي مَا يَكُونُ عَلَيَّ مِنْ رَمَضَانَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ، حَتَّى تَوَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ هَذَا.

باب ماجاء فی فضل الصائم إذا أَكَلَ عِنْدَهُ

روزے دار کے پاس کھایا جائے تو روزے دار کو ثواب ملتا ہے

اگر روزہ دار کے پاس کچھ کھایا یا پیا جائے تو روزے دار کا پی لیا جاتا ہے اس لئے اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔ حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”روزہ دار کے پاس جب بے روزہ کھاتے ہیں تو فرشتے برابر روزہ دار کے

لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں“

تشریح: یہ شریک کی حدیث ہے، وہ حبیب بن زید سے اور وہ لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ لیلیٰ: حبیب بن زید کے خاندان کی آزاد کردہ ہیں، وہ ام عمارہؓ سے روایت کرتی ہیں، یہ حبیب کی نانی ہیں، لیلیٰ کو انھوں نے عی آزاد کیا تھا، اس حدیث کو حبیب بن زید سے شریک کے علاوہ شعبہ نے بھی روایت کیا ہے اور دونوں کی سندیں متحد ہیں، البتہ شعبہ کی حدیث میں مضمون زائد ہے جو درج ذیل ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ ام عمارہ کے گھر تشریف لے گئے انھوں نے آپ کے لئے کھانا رکھا، آپ نے فرمایا: تم بھی آ جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا: میرا روزہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک روزہ دار پر فرشتے رحمت بھیجتے رہتے ہیں جب اس کے پاس کھانا کھایا جاتا ہے یہاں تک کہ کھانے والا فارغ ہو جاتا ہے“ یا فرمایا: شکم سیر ہو جاتا ہے (اس حدیث میں حتی یفرغوا یا حتی یشبعوا کا اضافہ ہے اور امام ترمذی نے اسی حدیث کو جس میں اضافہ ہے صحیح کہا ہے)

تشریح: ہمارا معاشرہ اور عربوں کا معاشرہ مختلف ہے، ہمارے یہاں عورتیں اگر دسترخوان پر مہمان ہوں، خواہ محرم ہی ہوں مردوں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتیں، اور عربوں میں اور یورپ، امریکہ اور لندن وغیرہ میں عورت مرد سب ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ام عمارہ کو ساتھ کھانے کے لئے اس لئے بلایا تھا کہ وہاں کا معاشرہ یہی تھا۔ رہا یہ سوال کہ ام عمارہ تو غیر محرم ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

[۶۶] باب ما جاء في فضل الصائم إذا أكل عنده

[۷۷۵] - حدثنا علي بن حنبل، نا شريك، عن حبيب بن زيد، عن ليلي، عن مولاها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”الصائم إذا أكل عنده المفاتيح صلت عليه الملائكة“ قال أبو عيسى: وروى شعبه هذا الحديث عن حبيب بن زيد، عن ليلي، عن جديده أم عمارة، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه.

[۷۷۶] - حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو داود، نا شعبه، عن حبيب بن زيد، قال: سمعت مولاة لنا يقال لها ليلي، تحدث عن أم عمارة ابنة كعب الأنصاري: أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل عليها فقمت إليه طعماً، فقال: ”كلّي“ فقالت: إني صائمة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”إن الصائم تفضل عليه الملائكة إذا أكل عنده حتى يفرغوا“ وربما قال: ”حتى يشبعوا“

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وهو أصح من حديث شريك.

[۷۷۷] - حدثنا محمد بن بشر، نا محمد بن جعفر، نا شعبه، عن حبيب بن زيد، عن مولاة لهم

يَقَالُ لَهَا لَيْلَى، عَنْ أُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: "حَتَّى يَفْرُغُوا أَوْ يَشْبَعُوا"
قال أبو عيسى: وَأُمُّ عُمَارَةَ: هِيَ جَدَّةُ حَبِيبِ بْنِ زَيْدِ الْأَنْصَارِيِّ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کو جو اصح کہا ہے وہ متن کے اعتبار سے اصح کہا ہے ورنہ دونوں کی سندیں متحد ہیں اور اس حدیث کو شعبہ سے محمد بن جعفر نے بھی روایت کیا ہے مگر وہ اضافہ کے بغیر روایت کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ الْحَائِضِ الصَّيَّامِ دُونَ الصَّلَاةِ

حائضہ پر روزوں کی قضا واجب ہے، نمازوں کی قضا واجب نہیں

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کے زمانہ میں ہمیں ماہواری آتی تھی، پھر ہم پاک ہوتی تھیں پس آپ ہمیں روزے قضا کرنے کا حکم دیتے تھے اور نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔
تشریح: یہ مسئلہ کتاب الطہارۃ باب ۹۶ میں گزر چکا ہے وہاں معاذہ کی حدیث تھی جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور یہاں جو حدیث ہے وہ عبیدہ کی وجہ سے کمزور ہے (تقریب)

[۶۷] بَابُ مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ الْحَائِضِ الصَّيَّامِ دُونَ الصَّلَاةِ

[۷۷۸-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا عَلِيَّ بْنَ مُسْهِرٍ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَحِيصُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَطْهَرُ، فَأَمَرَنَا بِقَضَاءِ الصَّيَّامِ وَلَا بِأَمْرِنَا بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، وقد رَوَى عَنْ مُعَاذَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَيُّضًا، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ اخْتِلَافًا فِي أَنْ الْحَائِضَ تَقْضِي الصَّيَّامَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ.
قال أبو عيسى: وَعَبِيدَةُ: هُوَ ابْنُ مُعْتَبِرِ الضُّعْفِيِّ، وَيُكْنَى أَبَا عَبْدِ الْكَرِيمِ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، ہم ان کے درمیان اس مسئلہ میں کہ حائضہ روزے قضا کرے گی اور نماز قضا نہیں کرے گی کوئی اختلاف نہیں جانتے (یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے اور خوارج جو اختلاف کرتے ہیں) ان کے نزدیک نمازوں کی بھی قضا واجب ہے (وہ گمراہ فرقہ ہے اور گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا جیسے میں رکعت تراویح پر اجماع ہے اور غیر مقلدین جو اختلاف کرتے ہیں تو اس کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ گمراہ فرقہ ہے)

باب ماجاء فى كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم

روزہ کی حالت میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے

روزہ کی حالت میں وضو اور غسل کرتے وقت ناک میں پانی احتیاط سے چڑھانا چاہئے، اگر پانی دماغ میں چڑھ گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور احتیاط کا طریقہ یہ ہے کہ سانس روک کر استنشاق کرے، دماغ میں پانی نہیں چڑھے گا، اور پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب منقذہ اصلی سے پیٹ میں کوئی چیز پہنچے اور دماغ میں کسی چیز کے چڑھ جانے سے روزہ اس لئے ٹوٹتا ہے کہ جو چیز دماغ میں پہنچتی ہے وہاں نہیں ٹھہرتی، پیٹ میں اترتی ہے۔ البحر الرائق (۲: ۲۷۹) میں ہے کہ دماغ اور پیٹ کے درمیان اصلی سوراخ ہے اور دماغ میں چڑھنے والی ہر چیز پیٹ میں اتر جاتی ہے۔ اس لئے روزہ کی حالت میں احتیاط سے استنشاق کرنے کا حکم ہے۔

اور دھویں کے دماغ میں چڑھنے سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ وہ بے اختیار چڑھ جاتا ہے، چنانچہ دھواں پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے بیڑی، سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، پھر اگر رمضان کا روزہ ہے تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونگے اور غیر رمضان میں صرف قضا واجب ہوگی، اسی طرح بیڑی ہوئی تمباکو جس کو ناک میں کھینچتے ہیں اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور رمضان کے روزے میں کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور اگر تمباکو منہ میں رکھا جائے یا پسپا ہوا تمباکو دانتوں پر ملا جائے اور کوئی حصہ پیٹ میں نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

حدیث: عاصم بن القیظ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وضو سکھائیے (یہ سوال واضح بھی ہے اور گول مول بھی ہے، واضح اس لئے ہے کہ مسائل نے وضو کے احکام دریافت کئے ہیں اور گول مول اس لئے ہے کہ اسے وضو کے تعلق سے کیا پوچھنا ہے یہ بات واضح نہیں، ایسے موقع پر بروقت جوابات ذہن میں آئے وہ بتا دینا کافی ہوتا ہے) آپ نے فرمایا: وضو کامل کرو (جن علاقوں میں پانی کم ہے وہاں لوگ وضو میں پانی کم خرچ کرتے ہیں، اس لئے ایسی جگہوں میں کامل وضو کرنے کی ہدایت دینا ضروری ہے) اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو (تاکہ وہاں جگہ خشک نہ رہ جائے) اور ناک میں اچھی طرح پانی چڑھاؤ اور ناک صاف کرو مگر یہ کہ آپ کا روزہ ہو (تو پانی چڑھانے میں مبالغہ نہ کرو، اور یہ دونوں حکم وضو کامل کرنے کے قبیل سے ہیں)

تشریح: اس حدیث سے علمائے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ روزہ کی حالت میں ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ناک سے آگے منہ کی طرف بھی سوراخ ہے اور دماغ کی طرف بھی، پھر دماغ سے پیٹ کی طرف الگ سوراخ ہے۔ اور آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، وہاں نہ منہ کی طرف سوراخ ہے اور نہ دماغ کی طرف۔ اور کان میں سیال دوا ڈالنے سے بعض حضرات کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ اور اختلاف کی وجہ یہ

ہے کہ کان سے آگے منہ کی طرف تو بالاجماع سوراخ نہیں، مگر دماغ کی طرف سوراخ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، جن حضرات کے نزدیک سوراخ ہے ان کے نزدیک کان میں دوا ڈالنا ناقض صوم ہے اور جن کے نزدیک سوراخ نہیں وہ عدم نقض کے قائل ہیں، اور میرے نزدیک کان میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ بہتر یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں کان میں دوا نہ ڈالے لیکن اگر کوئی ڈال دے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ واللہ اعلم

[۶۸] باب ماجاء فی کراهیۃ مبالغۃ الاستنشاق للصائم

[۷۷۹-] حدثنا عبد الوہاب الزرقانی، وابو عمار، قالاً: نا یحییٰ بن سلیم، قال: حدثنی إسماعیل بن کثیر، قال: سمعتُ عاصمَ بنَ لُقِیظ بنِ صَبْرَةَ، عنِ أبیہ، قال: قُلْتُ: یا رسولَ اللہ! أَخْبِرْنِی عَنِ الوُضُوءِ؟ قال: "أَسْبِغِ الوُضُوءَ، وَخَلِّلْ بَیْنَ الْأَصَابِعِ، وَبَالِغِ فِی الْإِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا" قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وقد کَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ السُّغُوطَ لِلصَّائِمِ، وَرَأَوْا أَنَّ ذَلِكَ یَقْطُرُهُ، وَفِی الْحَدِیثِ مَا یَقْوَى قَوْلُهُمْ.

ترجمہ: بعض علماء روزہ دار کے لئے ناک میں دوا ڈالنے کو مکروہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں: سغوط (ناک میں دوا ڈالنا) روزے کو توڑ دے گا۔ اور مذکورہ حدیث سے ان کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

باب ماجاء فی مَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَلَا یَصُومُ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ

میزبان کی اجازت کے بغیر مہمان روزہ نہ رکھے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی کے یہاں مہمان بنا، وہ ہرگز نفل روزہ نہ رکھے (رمضان کے روزے سے احتراز مقصود ہے) مگر میزبان کی اجازت سے"

تشریح: مہمان کے لئے میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا ممنوع اس لئے ہے کہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو مہمان سحری کے بغیر روزہ رکھے گا پس میزبان پر بوجھ ہوگا کہ اس کے مہمان نے سحری کے بغیر روزہ رکھا، اور اگر مہمان گھر والوں کو سحری تیار کرنے کا حکم دے گا تو کیا وہ اس کے نوکر ہیں؟ وہ دن میں کھانا کھلاتے ہیں یہ کافی نہیں کہ رات میں بھی اٹھ کر کھانا تیار کریں، یہ بات مروت کے خلاف ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ مہمان کے احترام میں میزبان نے دو چار آدمیوں کو کھانے پر بلا رکھا ہو، پس اگر وہ چپکے سے روزہ رکھ لے گا تو میزبان کے لئے پریشانی کھڑی ہوگی، اس لئے نبی ﷺ نے میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔

فائدہ: یہ حدیث نہایت ضعیف ہے، ابوب بن واقد الکوفی کو امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث کہا ہے، اور امام

ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مکرر قرار دیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ فن کا منکر اور ہے اور امام ترمذی کا منکر اور ہے، فن میں منکر کے معنی ہیں: غیر ثقہ کا ثقہ کے خلاف روایت کرنا، پس غیر ثقہ کی روایت منکر ہے اور ثقہ کی روایت معروف ہے۔ اور سنن ترمذی وغیرہ میں منکر وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے والا صرف ضعیف راوی ہو اور وہ نہایت ضعیف ہو۔ غرض ترمذی وغیرہ میں منکر: ضعیف جداً کے معنی میں آتا ہے، مذکورہ حدیث منکر اس لئے ہے کہ اس کو صرف ابوب بن واقد الکوفی روایت کرتا ہے اور یہ نہایت ضعیف راوی ہے، اور ابوبکر المدنی اس کا متابع ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے۔

[۶۹] باب ماجاء فی من نزل بقوم فلا یصوم إلا یا ذلہم

[۷۸۰] - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقْدِيُّ الْبَصْرِيُّ، نا أَبُو بِنْ وَاقِدٍ الْكُوفِيُّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ نَزَلَ عَلَى قَوْمٍ فَلَا يَصُومُ مِنْهُمْ تَطَوُّعًا إِلَّا يَأْذِبُهُمْ"

قال أبو عيسى: هذا حديث منكر، لا تعرف أحدًا من الثقات روى هذا الحديث عن هشام بن عروة، وقد روى موسى بن داود، عن أبي بكر المديني، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، عن النبي صلى الله عليه وسلم نَحْوًا مِنْ هَذَا. وهذا حديث ضعیف أيضًا، أبو بكر ضعیف عند أهل الحديث، وأبو بكر المديني الذي روى عن جابر بن عبد الله: اسمه الفضل بن مبشر، وهو أوثق من هذا وأقلهم.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے ہم ثقہ راویوں میں سے کسی کو نہیں جانتے، جس نے یہ حدیث ہشام بن عروہ سے روایت کی ہو، البتہ ابوبکر المدنی نے ہشام سے اس کے مانند روایت کی ہے اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے، ابوبکر محمد ثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور ایک دوسرے ابوبکر المدنی ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام فضل بن مبشر ہے، وہ اس راوی سے اوثق اور مقدم ہیں۔

باب ماجاء فی الاغتکاف

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کے لغوی معنی ہیں: ٹھہرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا۔ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: واجب، سنت، موقوفہ علی الکفایہ اور مستحب۔

واجب اعتکاف: سنت کا اعتکاف ہے اور نذرین دو ہیں: نذر مطلق اور نذر منجز۔ نذر مطلق یہ ہے کہ آدمی اعتکاف

کو کسی کام پر معلق کرے کہ اگر اس کا فلاں کام ہو گیا تو وہ اعتکاف کرے گا، پھر وہ کام ہو گیا تو اعتکاف کرنا واجب ہے۔ اور نذر منجز یہ ہے کہ کسی چیز پر معلق کئے بغیر اللہ کے لئے اعتکاف کی نذر مانے، اس صورت میں بھی اعتکاف واجب ہے، اور نذر میں زبان سے **لِلّٰہِ عَلٰی** (مجھ پر اللہ کے لئے واجب ہے) یا ہر زبان میں جو کلمہ اس کے مترادف ہو وہ بولنا ضروری ہے، محض نیت کرنے سے اعتکاف واجب نہیں ہوتا۔ اور واجب اعتکاف میں روزہ شرط ہے، خواہ روزے کی سنت مانی ہو یا نہ مانی ہو، روزے کے بغیر واجب اعتکاف نہیں ہوتا، اور اگر کوئی شخص رمضان میں نذر کا اعتکاف کرے تو رمضان کا روزہ کافی ہو جائے گا۔

اور سنت مؤکدہ علی الکفایہ: رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے اور علی الکفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک دو آدمی بھی اعتکاف کر لیں تو سارے محلہ کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی اور اگر کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب پر ترک سنت کا وبال آئے گا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ سنت کے ترک پر بھی عذاب ہے، درمختار میں ہے: اگر کوئی شخص دائمی طور پر سنن مؤکدہ کا تارک ہو جائے تو وہ عند اللہ ماخوذ ہوگا یعنی تارک سنت کے لئے بھی سزا ہے۔

مستحب اعتکاف: ان دو احکاموں کے علاوہ جو بھی اعتکاف ہے وہ مستحب ہے، اور اس اعتکاف کے لئے وقت کی تحدید ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم، امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک تحدید ہے، پھر امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک لقل اعتکاف کا زمانہ کم از کم ایک دن ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دن کا اکثر حصہ ہے، اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تحدید نہیں ہے، ایک گھنٹی کا بھی اعتکاف صحیح ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

اور پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے نزدیک فجر کے بعد اشراق تک مسجد میں ٹھہرنے کا جو حکم ہے وہ روزہ مرہ کا اعتکاف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مستحب اعتکاف کے لئے نہ وقت کی تحدید ہے نہ روزہ شرط ہے، اور ابن الہمام کے نزدیک خواہ کوئی سا اعتکاف ہو روزہ شرط ہے، البتہ ان کے نزدیک بھی لقل اعتکاف کے لئے وقت کی تحدید نہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی۔
تشریح: نبی ﷺ نے مدینہ میں ہوتے ہوئے ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا ہے، مگر آپ نے نہ تو اعتکاف کرنے کی صحابہ کو تاکید کی اور نہ اعتکاف نہ کرنے پر ناراضگی ظاہر کی، اس لئے مواظبت سے اعتکاف کا سنت ہونا زیادہ سے زیادہ سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوگا، اگر آپ نے مواظبت کے ساتھ صحابہ کو اعتکاف کرنے کی تاکید بھی کی ہوتی یا اعتکاف نہ کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا ہوتا تو اعتکاف واجب ہو جاتا۔

نوٹ: اس حدیث کی سند میں ابن شہاب زہری سے تحویل ہے، ایک سند ابو ہریرہؓ پر پہنچتی ہے اور دوسری حضرت

عائشہ پر، اور جہاں مصنف کتاب کی جانب سے تحویل ہوتی ہے وہاں تحویل کی علامت ح لکھتے ہیں، اور اگر اوپر کسی راوی سے تحویل ہوتی ہے توح نہیں لکھتے، چنانچہ یہاں بھی نہیں لکھی۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے پھر محکف (اعتکاف کرنے کی جگہ) میں داخل ہوتے۔

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اعتکاف مسنون کی ابتداء اکیس تاریخ کی فجر سے ہوتی ہے اور ان کا مفتی یہ قول اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف کی ابتداء اکیسویں شب سے ہوتی ہے، لہذا محکف کو بیسویں تاریخ کے غروب شمس سے پہلے مسجد میں پہنچ جانا چاہئے۔

اور جمہور نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں محکف سے مسجد مراد نہیں، بلکہ چٹائیوں کا وہ کمرہ مراد ہے جو آپ کے لئے مسجد نبوی میں بنایا جاتا تھا تاکہ آپ اس میں آرام فرمائیں، صحابہ وہ کمرہ اکیسویں شب میں بناتے تھے اس لئے آپ یہ رات مسجد میں گزارتے تھے اور فجر پڑھا کر اس کمرہ میں تشریف لے جاتے تھے تاکہ آرام کریں۔

نوٹ: اس حدیث کو ابو معاویہ سند روایت کرتے ہیں اور اوذاعی اور سفیان ثوری ان کے تابع ہیں اور امام مالک مرسل روایت کرتے ہیں اور سند روایت اصح ہے۔

[۷۰] باب ماجاء فی الاعتکاف

[۷۸۱] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِلَاظٍ، نَاعِدُ الزُّرَّاقِ، نَاعِمَةُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ.

قَالَ: وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ، وَأَبِي لَيْلَى، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ عُمَرَ.

قَالَ أَبُو عَمَسٍ: حَدَّثَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۷۸۲] - حَدَّثَنَا هُثَّاءُ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِي مَغْتَكِفِهِ.

قَالَ أَبُو عَمَسٍ: وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلٌ، وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ مُرْسَلًا، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، يَقُولُونَ: إِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَغْتَكِفَ صَلَّى

الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِي مُعْتَكِفِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، وَإِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ فَلْيَتَيَبَّ لَهَ الشَّمْسُ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِي يُؤَيِّدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهَا مِنَ اللَّيْلِ وَقَدْ قَعَدَ فِي مُعْتَكِفِهِ، وَهُوَ قَوْلُ مَسْبُوحٍ الْقَوْرِي، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے مرسل بھی روایت کی گئی ہے یعنی اس کو امام مالک وغیرہ نے مرسل روایت کیا ہے اور اوزاعی اور سفیان ثوری نے اس کو مسند روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب آدمی اعتکاف کا ارادہ کرے تو فجر کی نماز پڑھے پھر محکف میں داخل ہو، اور یہ احمد و اسحاق کا قول ہے (امام احمد کی یہ ایک روایت ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: جب کوئی اعتکاف کرنے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ ڈوبے اس کے لئے اس رات کا سورج جس کی صبح کو وہ اعتکاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے دراصل ایک وہ مسجد میں آچکا ہو (یعنی بیسویں تاریخ کو غروب شمس سے پہلے مسجد میں آجائے) اور یہ ثوری، مالک (امام اعظم اور امام احمد کا مفتی ہے) قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ الْقَدَرِ

شب قدر کا بیان

لیلة القدر کے بارے میں روایات میں شدید اختلاف ہے۔ اگر اس کا تذکرہ قرآن میں نہ ہوتا تو شاید اس کے ماننے میں بھی تذبذب ہوتا، مگر چونکہ قرآن میں اس کے بارے میں پوری ایک سورت (سورة القدر) موجود ہے اس لئے اس کا وجود یقینی ہے، اس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

اور شب قدر پورے سال میں دائر ہے یا صرف رمضان میں ہوتی ہے؟ مسلم شریف (۳۷۰:۱) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شب قدر پورے سال میں دائر ہے جو بعض سال کی تمام راتوں میں عبادت کرے گا وہ شب قدر پائے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ شب قدر دو ہیں: ایک رمضان میں دائر ہے، دوسری سال بھر میں دائر ہے اور یہ دوسری شب قدر کبھی رمضان میں بھی آتی ہے اور کبھی دونوں ایک ہی رات میں مجتمع بھی ہو جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ پوری امت متفق ہے کہ شب قدر ایک ہے اور صرف رمضان کی راتوں میں دائر ہے اور یہی قول صحیح ہے اس لئے کہ اگر شب قدر پورے سال میں دائر ہوتی تو امت میں سال بھر شب قدر تلاش کرنے کا معمول ہوتا جبکہ اس کا معمول نہیں ہے، نہ نبی ﷺ کی سیرت میں یہ بات ملتی ہے اس لئے دیگر صحابہ کی اور پوری امت کی جو رائے ہے وہی صحیح ہے اور حضرت ابن مسعود کے قول کا مطلب حضرت ابی بن کعب نے یہ بیان کیا ہے کہ ابن مسعود چاہتے تھے کہ لوگ ہر رات اللہ کی عبادت کریں، اس لئے انھوں نے وہ بات کہی، ورنہ ابن مسعود بھی یقین سے جانتے تھے

کہ شب قدر صرف رمضان میں ہے، یعنی جب رمضان سال کا جزو ہے تو جو رات رمضان میں ہوگی وہ سال میں بھی ہوگی، اس لئے مجازاً یہ کہنا درست ہے کہ شب قدر سال میں ہے۔

شب قدر کو کئی رات ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۲: ۲۴۷-۲۴۸) باب تعوی لیلۃ القدر (الخ) میں اڑتالیس قول لکھے ہیں اقوال کا یہ اختلاف روایات کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے، خود نبی ﷺ کو بھی اس رات کا علم نہیں تھا، آپؐ نے ایک سال پورے رمضان کا اعتکاف کیا جب پہلا عشرہ پورا ہوا تو آپؐ نے فرمایا: میں نے شب قدر کی تلاش میں اعتکاف کیا تھا مگر اس عشرہ میں شب قدر نہیں آئی، اس لئے میں آئندہ عشرہ کا اعتکاف کروں گا جسے ٹھہرنا ہو ٹھہرے اور جسے جانا ہو جائے۔ چنانچہ کچھ لوگ چلے گئے اور کچھ نئے آگئے، پھر دوسرے عشرہ کے ختم پر بھی یہی فرمایا کہ اس عشرہ میں بھی شب قدر نہیں آئی، اور میں آئندہ عشرہ کا اعتکاف کروں گا اور فرمایا: مجھے شب قدر کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ شب قدر کی صبح میں میں گارے میں سجدہ کروں گا اور یہ علامت ابھی تک نہیں پائی گئی، پھر اکیسویں شب میں بارش ہوئی، مسجد چھپرکی تھی اور اس میں اندھیرا رہتا تھا آپؐ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں چراغ نہیں جلاتھا، محراب میں پانی چویا اور وہاں کچھ ہوگئی آپؐ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی جب سجدہ کیا تو ماتھا گارے میں پڑا اور پیشانی کچھ سے سن گئی، پس معلوم ہوا کہ شب قدر گئی۔

یہ علامت صرف اس خاص رمضان کے لئے تھی جس رمضان میں آپؐ نے پورے مہینے کا اعتکاف کیا تھا۔ اور علامت بھی ایسی بتائی جس کا ظہور شب قدر گزر جانے کے بعد ہوا (مسلم: ۱۰۷۰)۔

اور بخاری میں یہ واقعہ ہے کہ ایک بار آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے، آپؐ نے دو شخصوں کو جھڑتے دیکھا آپؐ صلح صفائی میں لگ گئے اور شب قدر کا علم ذہن سے نکل گیا، آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں شب قدر کے بارے میں بتانے آیا تھا مگر فلاں فلاں میں نزاع ہو رہا تھا جس کی وجہ سے میں اس کو بھول گیا اور شاید تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہو (مشکوٰۃ حدیث ۲۰۹۵) یہاں بھی خاص اسی رمضان کے لئے جس میں نزاع پیش آیا تھا شب قدر کی نشاندہی کی گئی تھی آئندہ کے رمضانوں کے بارے میں تعین نہیں کی گئی تھی، اور پہلی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رمضان کی ہر رات میں شب قدر کا احتمال ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس کی تلاش میں پورے مہینے کا اعتکاف کیا تھا، پس جو لوگ ستائیسویں شب پر بکیہ کر کے بیٹھ گئے ہیں وہ ٹھیک نہیں۔

روایات میں اختلاف کی وجہ: اور شب قدر کی روایات میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی شب قدر کے بارے میں پوچھنے آتا تو آپؐ اس کا ذہن پڑھتے اور اندازہ کرتے کہ اس کا رجحان کس طرف ہے؟ جس رات کی طرف سائل کا رجحان ہوتا اسی رات میں شب قدر تلاش کرنے کا امر فرماتے، اس طرح روایات مختلف ہو گئیں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: جب دارالعلوم کا قضیہ پیش آیا تو کچھ لوگ حکیم الاسلام قدس سرہ کی طرف چلے گئے اور کچھ لوگ کمپ میں شامل ہو گئے، دونوں جانب کے لوگ حضرت شیخ زکریا صاحب قدس سرہ کے مرید تھے اور ایسے موقع پر مرید ہیر سے مشورہ کیا کرتا ہے، چنانچہ جب کوئی ان سے مشورہ طلب کرتا اور پوچھتا: کیا میں حکیم الاسلام کا ساتھ دوں؟ تو آپ فرماتے: جی ہاں ان کا ساتھ دو، دوسرا پوچھتا: میں کمپ میں رہوں تو آپ فرماتے: ہاں کمپ میں رہو، ظاہر ہے دارالعلوم کا قضیہ الجھا ہوا تھا حق کس جانب ہے وہ معلوم نہیں تھا اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا یہ بھی معلوم نہیں تھا، پس سوائے اس کے کہ ہر شخص کو جس طرف اس کا رجحان ہو عمل کرنے کا مشورہ دیا جائے اور کیا راستہ ہے؟ اسی طرح نبی ﷺ بھی ہر سائل کو جس طرف اس کا رجحان ہوتا شب قدر تلاش کرنے کا امر فرماتے، پس امام شافعی رحمہ اللہ نے جو توجیہ کی ہے اس سے بہتر کوئی توجیہ میرے علم میں نہیں۔

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعکاف کیا کرتے تھے (بجاورد مدینہ کے محاورے میں بغتکف کے معنی میں ہے) اور فرماتے: ”شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو“

تشریح: علماء فرماتے ہیں: رمضان کی کوئی بھی رات شب قدر ہو سکتی ہے کوئی خاص رات یا عشرہ شب قدر کے لئے متعین نہیں، البتہ زیادہ اجمال آخری عشرہ میں شب قدر ہونے کا ہے، پھر اس میں بھی طاق راتوں میں زیادہ احتمال ہے اور طاق راتوں میں بھی ستائیسویں رات میں زیادہ احتمال ہے، لہذا بہترین شخص وہ ہے جو رمضان کی ہر رات میں حسب توفیق عبادت کرے، اور جو لوگ ستائیسویں شب پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں، بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ امید اکیسویں شب میں ہے، مگر عام طور پر علماء نے امام شافعیؒ کی اس رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی، کیونکہ اس کا مدار مسلم کی اس روایت پر ہے جو اوپر مذکور ہوئی، اور اس رمضان میں جو علامت بتائی گئی تھی وہ علامت صرف اسی رمضان کے لئے تھی سب رمضانوں کے لئے نہیں تھی، اور اس معین رمضان میں اکیسویں شب میں شب قدر رہونے سے ہر رمضان کی ۲۱ ویں شب میں شب قدر ہونا لازم نہیں آتا۔

فائدہ: نبی ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر تلاش کرنے کے لئے فرمایا ہے، پس اگر شروع رمضان سے گنیں گے تو ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ طاق راتیں ہوں گی اور اگر آخر سے گنیں گے تو اگر رمضان تیس کا پورا ہوگا تو طاق راتیں یہی ہوں گی، اور اگر انیس کا پورا ہوگا تو طاق راتیں ۲۲، ۲۴، ۲۶ اور ۲۸ ہوں گی۔ اور علماء نے دونوں طرح گنا ہے، پس عشرہ اخیرہ کی ساری راتیں حدیث کا مصداق ہوں گی۔

حدیث (۲): زہر بن حبیش کہتے ہیں: میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابوالمزہر! آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ شب قدر ستائیسویں رات ہے؟ (لفظ آئی میں صرف سوال نہیں ہے بلکہ اعتراض بھی ہے،

چونکہ ذرا ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے اور ابی بن کعبؓ کی رائے ابن مسعودؓ کے خلاف تھی، اس لئے انھوں نے اس طرح سوال کیا ہے کہ پوشیدہ طور پر اعتراض بھی ہو جائے (حضرت ابی نے فرمایا: کیوں نہیں، ہمیں نبی ﷺ نے بتلایا ہے کہ شب قدر ایسی رات ہے جس کی صبح میں سورج اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ اس میں شعا میں نہیں ہوتیں، پس ہم نے راتیں گنی ہیں اور ان کی حفاظت کی ہے) (یعنی مہینہ کے شروع سے میں راتیں گنتا ہوں اور ہر رات کی صبح میں سورج کی کیفیت دیکھتا ہوں، ہر ستائیسویں شب کے بعد سورج کو دیکھتا ہوں تو یہ علامت پائی جاتی ہے) قسم بخدا! ابن مسعودؓ جانتے ہیں کہ شب قدر رمضان میں ہے اور وہ ستائیسویں شب ہے لیکن انھوں نے ناپسند کیا کہ تمہیں یہ بات بتائیں پس تم اس پر مجبور نہ کر کے بیٹھ جاؤ۔

تشریح: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ شب قدر رمضان میں ہے اور وہ ستائیسویں رات ہے اور فرماتے تھے کہ نبی ﷺ نے ہمیں شب قدر کی یہ علامت بتائی ہے کہ اس کی صبح میں جب سورج طلوع ہوگا تو اس میں شعاعیں نہیں ہوں گی، فرماتے ہیں: میں ہمیشہ ستائیسویں شب کے بعد سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں، اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں، مگر علماء نے حضرت ابی بن کعبؓ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ اس کا مدار جس علامت پر ہے وہ غیر واضح ہے، ظاہر ہے نبی ﷺ نے جو علامت بتائی ہے اس کا یہ مطلب تو ہے نہیں کہ پورے دن شعاعیں نہیں ہوں گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک شعاعیں نہیں ہوں گی اور ایسا ہر صبح کو ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں، پھر رفتہ رفتہ شعاعیں بھرتی ہیں، اور اگر احتیاز کرنے کے لئے وقت کی تعیین کریں مثلاً یہ کہیں کہ شب قدر کی صبح میں بیس منٹ تک شعاعیں نہیں ہوں گی تو یہ بات بھی ممکن نہیں اس لئے کہ گرمیوں اور سردیوں کے اعتبار سے اس میں اختلاف ہوتا ہے، بلکہ بادل اور بارش کا ترشح ہو رہا ہو تو بھی فرق پڑتا ہے، اس لئے یہ علامت غیر واضح ہے، چنانچہ علماء نے اس رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی، مگر عوام نے حضرت ابیؓ کی اس رائے پر ٹکیہ کر لیا، جو ٹھیک نہیں۔ شب قدر پورے مہینے میں دائر ہے پس رمضان کی ہر رات میں حسب توفیق عبادت کرنی چاہئے۔

حدیث (۳): عبد الرحمن کہتے ہیں: ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں نیلۃ القدر کا تذکرہ آیا، آپ نے فرمایا: میں اس رات کو کسی رات میں تلاش نہیں کرتا، جب سے میں نے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے سنا ہے، مگر آخری عشرہ میں اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: اس رات کو تلاش کرو جب نو راتیں باقی رہ جائیں، یا سات راتیں باقی رہ جائیں یا پانچ راتیں باقی رہ جائیں یا تین راتیں باقی رہ جائیں یا آخری رات میں تلاش کرو۔ عبد الرحمن کہتے ہیں: حضرت ابو بکرؓ رمضان کی بیس راتوں تک سال بھر کی طرح نمازیں پڑھتے تھے (یعنی رمضان کی وجہ سے تہجد میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرتے تھے) پھر جب عشرہ اخیرہ شروع ہوتا تو خوب کوشش کرتے تھے (یعنی بہت عبادت کرتے تھے)

۲۷ اور ۲۹ طاق راتیں ہوگی اور اتیس کا چاند ہوا تو ۲۲، ۲۳، ۲۶ اور ۲۸ طاق راتیں ہوگی، پس غرض عشرہ اخیرہ کی ہر رات حدیث کا مصداق ہو سکتی ہے۔

فائدہ (۱): شب قدر ساری دنیا میں ایک ہوتی ہے اگرچہ تاریخوں میں اختلاف ہو، مثلاً ہندوستان میں وہ ۲۶ کی رات ہو اور انگلینڈ اور امریکہ میں ۲۷ کی ہو ایسا ہو سکتا ہے، باقی ایک محین رات ہی ساری دنیا میں شب قدر ہوگی۔
فائدہ (۲): آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ شب قدر ان شاء اللہ خود بخود بدست آجائے گی، اگر محکف سو رہا ہے تو بھی عبادت کا ثواب ملے گا، اس کو کہتے ہیں: ہم خراہم ثواب!

[۷۱] باب ماجاء فی لیلة القدر

[۷۸۳] - حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، نا عبدة بن سليمان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجاور في العشر الأواخر من رمضان، ويقول: "تَحَرَّوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ"

وفی الباب: عن عمر، وأبي بن كعب، وجابر بن سمرة، وجابر بن عبد الله، وابن عمر، والفلتاني بن عاصم، وأنس، وأبي سعيد، وعبد الله بن أنس، وأبي بكر، وابن عباس، وبلال، وعبد بن الصامت.

قال أبو عيسى: حديث عائشة حديث حسن صحيح، وقولها: "يُجَاوِرُ" تعني يعتكف؛ وأخبرنا الروايات عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "الْتِمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي كُلِّ وَتَرٍ"، وَرَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ: أَنَّهَا لَيْلَةٌ إِحْدَى وَعِشْرِينَ، وَلَيْلَةٌ ثَلَاثَ عَشْرِينَ، وَخَمْسَ عَشْرِينَ، وَسَبْعَ عَشْرِينَ، وَتِسْعَ عَشْرِينَ، وَآخِرُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ.

قال الشافعي: كان هذا عندي — وَاللَّهِ أَعْلَمُ — أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجِبُ عَلَى نَحْوِ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ، يُقَالُ لَهُ: نَلْتِمِسُهَا فِي لَيْلَةٍ كَذَا؟ فيقول: "الْتِمِسُوهَا فِي لَيْلَةٍ كَذَا"، قال الشافعي: وأقوى الروايات عندي فيها لَيْلَةٌ إِحْدَى وَعِشْرِينَ.

قال أبو عيسى: وقد روى عن أبي بن كعب أنه كان يخلف أنها لَيْلَةٌ سَبْعَ عَشْرِينَ، ويقول: أخبرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعلامتها، فعددنا وحفظنا.

وروى عن أبي قلابة أنه قال: لَيْلَةُ الْقَدْرِ تَنْقُلُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، أَخْبَرَنَا بِذَلِكَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ نَاعِدُ الرُّزَاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قَلَابَةَ بهذا.

[۷۸۴] - حدثنا وإسحاق بن عبد الأعلى الكوفي، نا أبو بكر بن عمار، عن عاصم، عن زر، قال:

قُلْتُ لِأَبِي بِنِ كَعْبٍ: أَلَيْ غَلِمْتَ أَبَا الْمُنْدَبِرِ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ؟ قَالَ: بَلَى أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا لَيْلَةٌ صَبِيحَتُهَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ، فَعَدَدْنَا وَحَفِظْنَا، وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ، وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ، وَلَكِنْ كَرِهَ أَنْ يُخْبِرَكُمْ فَتَكَلَّمُوا.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

[۷۸۵-] حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، نَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، نَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: ذُكِرَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ عِنْدَ أَبِي بَكْرَةَ، فَقَالَ: مَا أَنَا بِمُتَلَمِّسِهَا لِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَإِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ: "الْتَمِسُوهَا فِي سَبْعٍ يَتَّقِينَ، أَوْ سَبْعٍ يَتَّقِينَ، أَوْ خَمْسٍ يَتَّقِينَ، أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ آخِرَ لَيْلَةٍ" قَالَ: وَكَانَ أَبُو بَكْرَةَ يُصَلِّي فِي الْعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ كَصَلَاتِهِ فِي سَائِرِ السَّنَةِ، فَإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اجْتَهَدَ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کے قول بجاورد کے معنی ہیں: ہتکف۔ اور نبی ﷺ سے اکثر روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو“ اور نبی ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ۲۱ ویں رات، ۲۳ ویں رات، ۲۵ ویں رات، ۲۷ ویں رات، ۲۹ ویں رات اور رمضان کی آخری رات ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: یہ اختلاف میرے نزدیک — اور اللہ بہتر جانتے ہیں — (حق میں) واللہ اعلم وہاں بڑھاتے ہیں جہاں وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتے ہیں یعنی وہ بات سلف سے منقول نہیں ہوتی) بایں وجہ ہے کہ نبی ﷺ جواب دیا کرتے تھے اس طور پر جس طور پر آپؐ سے پوچھا جاتا تھا (مثلاً) آپؐ سے پوچھا گیا کہ ہم اس کو فلاں رات میں تلاش کریں تو آپؐ فرماتے: ”اس کو فلاں رات میں تلاش کرو“ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اور میرے نزدیک شب قدر میں سب سے قوی ۲۱ ویں رات کی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور ابی بن کعبؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ قسم کھایا کرتے تھے کہ شب قدر ۲۷ ویں شب ہے، اور فرماتے تھے: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی علامت بتلائی ہے، پس ہم نے راتیں گنی ہیں اور ان کو یاد رکھا ہے۔ اور ابو قلابہؒ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے پھر ابو قلابہؒ کے قول کی سند ہے۔

بَابُ مِنْهُ

عشرۃ اخیرہ میں متعلقین کو بھی بیدار کرے

آنحضور ﷺ جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو گھروالوں کو بیدار نہیں کرتے تھے وہ از خود اٹھ جائیں تو ان کی

مرضی، لیکن رمضان کے آخری عشرہ میں آپ خود بھی عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے اور گھروالوں کو بھی جگادیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں جتنی محنت کرتے تھے دوسرے دنوں میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں گھروالوں کو بھی بیدار فرمادیتے تھے تاکہ وہ بھی شب قدر سے بے بہرہ نہ رہیں۔

[۷۲] بَابُ مِنْهُ

[۷۸۶] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِلَاظٍ، نَا وَكَيْعٌ، نَا سَلْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ هُبَيْرَةَ بْنِ يُونُسَ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۷۸۷] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عُثَيْدٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهَا.

قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ فِي الشِّتَاءِ

سردی کا روزہ ٹھنڈی غنیمت ہے

آنحضور ﷺ نے سردیوں کے روزے کو ٹھنڈی غنیمت فرمایا ہے، جو مال دشمن سے لڑ بھڑ کر حاصل ہوتا ہے وہ گرم غنیمت ہے اور جو مصالحت سے حاصل ہوتا ہے یا دشمن چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور لڑے بھڑے بغیر حاصل ہو جاتا ہے وہ ٹھنڈی غنیمت ہے، یعنی نہایت آسانی سے حاصل ہونے والا مال۔ حضور ﷺ نے سردی کے روزوں کو ٹھنڈی غنیمت سے تشبیہ دی ہے، سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس اور ثواب پورا ملتا ہے یعنی نہ لگے مہندی نہ لگے پتھری اور رنگ آئے چوکھا! پس سردیوں میں نفل روزوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔ مگر پان بیڑی کا براہو، یہ بات ایسی ہے جو روزہ رکھنے نہیں دیتی، آدی کھائے پیئے بغیر رہ سکتا ہے مگر پان بیڑی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

[۷۳] بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ فِي الشِّتَاءِ

[۷۸۸] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَا يَحْيَى بْنُ مَعْبُدٍ، نَا سَلْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ لُثَمٍ بْنِ غَرْبِطٍ،

عَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْفَيْضَةُ الْهَارِدَةُ الصَّوْمِ فِي الشِّتَاءِ"

قال أبو عيسى: هذا حديث مرسل، عامر بن مسعود لم يذكر النبي صلى الله عليه وسلم، وهو
والد إبراهيم بن عامر القرشي الذي روى عنه شعبه والقرشي.

وضاحت: عامر بن مسعود کے بارے میں اختلاف ہے، ابن عبد البر کا خیال ہے کہ یہ صحابی ہیں، پس حدیث
مرفوع ہوگی اور امام ترمذی کا رجحان یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں، اور حدیث مرسل ہے اور وہ اس ابراہیم بن عامر القرشی کے
والد ہیں جو شعبہ اور سفیان ثوری کے استاذ ہیں۔

باب ماجاء في الدين يطيقونه

آیت: ﴿وَعَلَى الدِّينِ يُطِيقُونَهُ﴾ کی تفسیر

سورہ بقرہ آیت ۱۸۳ میں ہے: ﴿وَعَلَى الدِّينِ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ اس آیت کے سلسلہ میں آپ
نے تفسیر میں اور الفوز الکبیر میں بہت کچھ پڑھا ہے، وہ سب ٹھیک ہے، مگر یہاں سب سے پہلی بات یہ جانی چاہئے کہ
اطاق (افعال) کے معنی ہیں: کسی کام کو بہ مشقت تمام کرنا۔ مثلاً ایک بھاری پتھر ہے کوئی اس کو اٹھانے کی ہمت
نہیں کرتا ایک شخص کہتا ہے: إِنِّي أَطِيقُ رَفْعَ هَذَا الْحَجَرِ: میں اس پتھر کو اٹھا سکتا ہوں، یہاں اطاق فعل کا استعمال صحیح
ہے، کیونکہ جب وہ پتھر اٹھائے گا تو اس کی ٹانگیں مل جائیں گی، اور اسی اطاق رَفْعَ هَذَا الْقَلَمِ کہتا صحیح نہیں، کیونکہ قلم
کے اٹھانے میں کچھ مشقت نہیں غرض جو کام نہایت مشکل ہو وہاں یہ مادہ استعمال کرتے ہیں اور جو کام آسانی سے کیا
جاسکتا ہو وہاں اس فعل کا استعمال درست نہیں۔

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو اولاً سات طرح سے ذہن سازی کی فرمایا:
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اس خطاب میں ذہن سازی ہے، خطاب کا طبیعتوں پر اثر
پڑتا ہے، اگر طالب علم سے کہا جائے: پیارے! پانی لا تو وہ خوش خوش لائے گا، اور اگر کہا جائے: اونٹ لا تو پانی لا تو لائے
گا مگر شوق سے نہیں لائے گا، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو“ تو اب مومنین کو جو
بھی حکم دیا جائے گا خوشی خوشی قبول کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان دار فرمایا ہے، پھر فرمایا ﴿مَنْ حَبِطَ عَلَيْهِ خُمٌ
الصَّيَامِ﴾ تم پر روزے لکھ دیئے گئے، یہ دوسری بار ذہن سازی ہے، اس طرح کہ حدیث میں ہے: جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا
اَلَتْ لَاقِي: قیامت تک جو کچھ پیش آتا ہے وہ لکھا جا چکا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے، یعنی اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں،
پس جب روزے لکھ دیئے گئے اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو اب روزے رکھنے ہی پڑیں گے، اس طرح روزوں کے لئے
ذہن تیار کیا گیا۔ پھر فرمایا: ﴿مَنْ كَفَرَ﴾ یہ تیسری مرتبہ ذہن سازی ہے کہ روزے صرف

تم پر فرض نہیں کئے گئے، کچھ ایسے امور پر بھی فرض کئے گئے تھے، مگر انہوہ جسٹے وارد اوس میں جنازے ایک ساتھ اٹھیں تو وہ جنازے معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ جشن معلوم ہو سکتے۔ اس طرح روزوں کا بوجھ ہلکا کیا۔ پھر فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تاکہ تم پر ہیز گار بنو، یہ جو تھی بار ذہن سازی ہے، کیونکہ پرہیز گار بننا ہر مومن کی آخری آرزو ہے، اور یہ مقصد روزوں سے حاصل ہوتا ہے، پس ہر شخص روزہ رکھنے کے لئے تیار ہو جائے گا، پھر فرمایا: ﴿إِنَّمَا مَنَعْتُوْا ذَاتَ الْفِتْنَةِ﴾ چند دن۔ یہ پانچویں مرتبہ ذہن سازی ہے، روزے اگر بہت زیادہ ہوتے تو مشکل ہونے، فتنے کے چند روزے رکھنے میں کیا دشواری ہے؟ اور یاد رکھنا چاہئے کہ کتنے بھی دن ہوں چند ہی دن ہیں۔

پھر دو غلطیاں ہیں: ایک واقعی ہے اور ایک ہو کہ جو واقعی ہے وہ یہ ہے کہ عرب گرم ملک ہے اور لوگوں کی معیشت سفر سے وابستہ ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی معیشت نہیں تھی، لوگ شام وغیرہ جاتے تھے اور وہاں سے اشیاء خرید کر لاتے تھے اور بیچتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، اس لئے ذہن پر بوجھ پڑ سکتا تھا کہ اس گرم ملک میں سفر میں روزے کیسے رکھیں گے، پس فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَكُنْ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ لَّعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ﴾ یعنی سفر میں اور بیماری میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے، یہ روزے بعد میں رکھ لئے جائیں اور جتنے رہ گئے ہیں اتنے ہی رکھنے ہو سکتے زائد نہیں پس یہ چھٹی مرتبہ ذہن سازی ہے۔

اور ہوا یہ ہے کہ چونکہ روزے کبھی نہیں رکھے، پس کیسے رکھیں گے، نہ کھانا نہ پینا دن کیسے گزرے گا! یہ صرف ہوا ہے واقعی بات نہیں ہے، پس فرمایا: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ الْفِتْنَةَ طَعَامٌ وَسِكِّينٌ﴾ یعنی جس کو روزے نہایت بھاری معلوم ہوں وہ بجائے روزہ کے فدیہ دے سکتا ہے، یہ ساتویں اور آخری مرتبہ ذہن سازی کی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ روزے کا فدیہ (بدلہ) صرف ایک غریب کا کھانا ہے، البتہ اگر کوئی رضا کارانہ خیر کا کام کرے اور ایک سے زیادہ مساکین کو کھلائے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر صحت کر کے روزہ رکھنا ہے، اگر تم صدقہ اور روزہ دونوں کے حواقب کو جان سکو تو یہ بات بوجھ سکتے ہو کہ فدیہ سے (جس سے بخل کا ازالہ ہوتا ہے) روزہ (جس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے) بہتر ہے۔ تقویٰ کی حرمت ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔

مذکورہ سات طریقوں سے ذہن سازی کرنے کے بعد اس مہینے کی اہمیت بیان کی جس کا روزہ فرض کرنا ہے کہ وہ ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن اترتا ہے اور قرآن وہ کتاب ہے جو تمام لوگوں کے لئے راہنما ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیل ہیں، اور وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ ماہ رمضان کی اس طرح اہمیت بیان کر کے فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَكُنْ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ یعنی جو تم میں سے اس مہینے کو دیکھے اسے چاہئے کہ اس مہینے کے روزے رکھے، شہد کے معنی ہیں دیکھنا۔ اور گواہ کو ”شاہد“ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس نے واقعہ چشم خود دیکھا ہے، اور حدیث: صوموا لرؤیتہ والظنوا لرؤیتہ یہاں سے مستحب کی گئی ہے۔ غرض اس آیت پاک کے ذریعہ ان دو باتوں میں سے

اس بات کو منسوخ کر دیا جو محض ہوا تھی، حضرت سلمہ بن الاکوع نے یہی بات بیان کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور جو واقعی عذر تھا اس کو باقی رکھا، چنانچہ تکرر فرمایا: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ تاکہ ایک کے فتح سے دوسرے کے فتح کا وہم پیدا نہ ہو، یعنی مریض اور مسافر کے لئے رخصت بدستور قائم ہے، یہ سہولت منسوخ نہیں کی گئی۔

جاننا چاہئے کہ قرآن کریم میں احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، تذکیر کی، ترغیب و ترہیب کی اور خاصہ کی آیات میں تکرار ہوتا ہے، کیونکہ ان کا مقصد رنگ چڑھانا ہے اور احکام کی آیات کا مقصد مسائل بتلانا ہے۔ اس لئے صرف دو جگہ احکام کی آیات میں تکرار ہے اور اس کی مصلحت ہے جیسے یہاں کی مصلحت بیان کی گئی۔

غرض آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ منسوخ ہے مگر بعض افراد میں منسوخ ہے، تمام افراد میں منسوخ نہیں، صرف وہ لوگ جن کے لئے روزہ رکھنا تھا کہ ہائے اہل روزہ کیسے رکھیں گے ان کے حق میں آیت منسوخ ہے، اور شیخ فانی جس کے لئے روزہ رکھنا واقعی دشوار ہے اس کے حق میں حکم باقی ہے، اس لئے آیت تلاوت میں باقی رکھی گئی ہے کہ حکم بعض افراد میں باقی ہے۔

حدیث: سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ لَذِيَّةٌ طَعَامٌ مَسْكِينٍ﴾ نازل ہوئی تو اختیار تھا کہ جو روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھے اور جو نہ دے دے۔ یہاں تک کہ وہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے یعنی ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ پس اس نے سابقہ آیت کو منسوخ کر دیا (ناخ آیت ایک وقت کے بعد نازل ہوئی تھی)

[۷۴] باب ماجاء ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾

[۷۸۹] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَابِغَةُ بْنُ مُصَرَّةٍ، عَنْ غَيْرِ بْنِ الْعَارِثِ، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَنْكُوَعِ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَنْكُوَعِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ لَذِيَّةٌ طَعَامٌ مَسْكِينٍ﴾ كَانَ مَنْ أَرَادَ مِنَّا أَنْ يُلْطِطَ وَيَقْتَدِيَ، حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي بَعَلَهَا فَتَسَخَّرَهَا، قَالَ أَبُو عَمْرِو: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ، وَيَزِيدُ: هُوَ ابْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَنْكُوَعِ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ أَكَلَ ثُمَّ خَرَجَ يَزِيدُ مَسْفَرًا

کیا رمضان میں سفر شروع کرنے سے پہلے رخصت حاصل ہوتی ہے؟

پہلے یہ مسئلہ آیا ہے کہ جس شخص کا رمضان میں سفر کا ارادہ ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس دن صبح ہی سے روزہ

نہ رکھے اور اگر روزہ رکھ لیا تو سفر شروع کرنے سے پہلے اس کو توڑنا جائز نہیں، ورنہ قضا اور کفارہ دونوں واجب ہو گئے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ سفر شروع کرنے کے بعد رمضان کا روزہ توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ حجاز کے قائل ہیں، باقی فقہاء کے نزدیک سفر شروع کرنے کے بعد بھی رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی توڑ دے تو بالاتفاق صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

حدیث: محمد بن کعب کہتے ہیں: میں رمضان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جبکہ آپ سفر میں چلنے کا ارادہ کر رہے تھے، ان کے لئے اونٹ (کجاوہ وغیرہ باندھ کر) تیار کر دیا گیا تھا اور انھوں نے سفر کے کپڑے بھی پہن لئے تھے (اب لوگ سفر نہاد ہو کر اچھے کپڑے پہن کر کرتے ہیں پہلے معاملہ الٹا تھا، لوگ سفر میل خورے کپڑے پہن کر کرتے تھے تاکہ بار بار کپڑے دھونے کی ضرورت پیش نہ آئے) پس آپ نے کھانا منگوایا اور کھایا۔ میں نے پوچھا: یہ سنت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں سنت ہے، پھر اونٹ پر سوار ہو کر سفر شروع کر دیا۔

تشریح: یہ حدیث عبد اللہ بن جعفر کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر چونکہ محمد بن جعفر ان کے متابع ہیں اور وہ ثقہ ہیں، اس لئے عبد اللہ کے ضعف سے حدیث پر اثر نہیں پڑے گا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اگر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا تو بھی اعتراف وارد ہوگا، اور اگر روزہ رکھا تھا اور سفر شروع کرنے سے پہلے توڑ دیا تو بھی اعتراف وارد ہوگا، پس جواب یہ ہے کہ حدیث کی دلالت محکم نہیں، اس لئے کہ احتمال ہے: حضرت انسؓ نے گھر سے سفر شروع نہ کیا ہو، بلکہ سفر میں کہیں قیام کیا ہو اور وہاں سے سفر شروع کیا ہو، جیسے ایک شخص بمبئی جانے کے لئے دیوبند سے نکلا اور دلی میں رک گیا، دلی سے ممبئی گاڑی ہے، پس وہ کھا کر سفر شروع کر سکتا ہے، کیونکہ اس نے روزہ نہیں رکھا ہے، اسی طرح ممکن ہے حضرت انسؓ مسافر ہوں، اور انھوں نے کسی جگہ قیام کیا ہو، جب وہاں سے روانہ ہوئے تو چونکہ ان کا روزہ نہیں تھا اس لئے کھانا کھا کر سفر شروع کیا۔ نیز حدیث میں سنت کے معروف معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے، اور سنت بمعنی جائز بھی ہو سکتا ہے محاورات میں سنت بمعنی جائز بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کے احوال کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ صحابہ کبھی اپنے مجتہدات کے لئے بھی سنت کا لفظ استعمال کرتے تھے، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بار نماز جنازہ میں جہراً فاتحہ پڑھی اور فرمایا: میں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے تاکہ تم جاؤ کہ یہ سنت ہے (مشکوۃ حدیث ۱۶۵۴) یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اپنی رائے تھی جس کو انھوں نے سنت سے تعبیر کیا ہے۔ نبی ﷺ سے جنازہ کی نماز میں فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، غرض حدیث محکم الدلالة نہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ سفر میں جو نمازوں میں قصر کی رخصت ملتی ہے وہ سفر شروع کرنے کے بعد ملتی ہے، پس جو افطار کی سہولت ملتی ہے وہ بھی سفر شروع کرنے کے بعد ملے گی، جب تک سفر شروع نہیں کرے گا رخصت حاصل نہیں ہوگی۔

[۷۵] باب ماجاء فی من اکل ثم خرج یزید سفراً

[۷۹۰] - حدثنا قتيبة، قال: نا عبد الله بن جعفر، عن زید بن أسلم، عن محمد بن المنكدر، عن محمد بن كعب، أنه قال: أتيت أنس بن مالك في رمضان، وهو يزید سفراً، وقد رُحلت له راحلته، وليس لياب السفر، فدعا بطعام فأكل، فقلت له: سنة؟ فقال: سنة، ثم ركب.

[۷۹۱] - حدثنا محمد بن إسماعيل، ناسع بن أبي مرزوم، نا محمد بن جعفر، قال حدثني زید بن أسلم، قال حدثني محمد بن المنكدر، عن محمد بن كعب، قال: أتيت أنس بن مالك في رمضان فذكر نحوه.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، ومحمد بن جعفر: هو ابن أبي كثير، مديني ثقة، وهو أخو إسماعيل بن جعفر، وعبد الله بن جعفر: هو ابن نجیح والد علي بن المديني، وكان يحيى بن معين يثق به.

وقد ذهب بعض أهل العلم إلى هذا الحديث، وقال: للمسافر أن يفطر في بيته قبل أن يخرج، وليس له أن يقصر الصلاة حتى يخرج من جدار المدينة أو القرية، وهو قول إسحاق بن إبراهيم.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: محمد بن جعفر کے دادا کا نام ابو کثیر ہے۔ یہ مدنی ہیں اور ثقہ ہیں، اور اسماعیل بن جعفر کے بھائی ہیں اور عبد اللہ بن جعفر کے دادا کا نام نجیح ہے اور وہ علی بن المديني کے والد ہیں، نجیح بن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ اور بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں: مسافر کے لئے جائز ہے کہ وہ سفر میں نکلنے سے پہلے اپنے گھر میں روزہ نہ رکھے اور اس کے لئے نماز میں قصر جائز نہیں، جب تک شہر یا گاؤں کی حدود سے نہ نکلے اور یہ اسحاق کا قول ہے (اور ائمہ اربعہ کے نزدیک دونوں کا حکم یکساں ہے جس طرح سفر شروع کرنے سے پہلے قصر کی اجازت نہیں انظار کی بھی اجازت نہیں)

باب ماجاء فی تحفة الصائم

روزہ دار کو کیا تحفہ پیش کیا جائے؟

جب مہمان آتا ہے تو اس کے سامنے کچھ نہ کچھ پیش کرنے کا رواج ہے، پس اگر مہمان روزے سے ہو تو تقریب بہر ملاقات کیا ہونی چاہئے؟ ظاہر ہے اس کے سامنے کھان پان پیش نہیں کیا جاسکتا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: ”روزہ دار کا تحفہ عطر اور دھونی ہے“ یعنی مہمان کو ہدیہ یا لگانے کے لئے عطر پیش کیا جائے یا دھونی کی انگلیش لائی

جائے، ہمارے یہاں دھونی کا رواج نہیں ہے، عربوں کے یہاں آج بھی اس کا رواج ہے، جب مہمان آتا ہے تو دھونی لاتے ہیں، مگر روزے دار کے سامنے انگلیشی اس طرح پیش نہیں کرنی چاہئے کہ دھواں منہ میں چلا جائے، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور جاننا چاہئے کہ باب میں جو حدیث ہے وہ نہایت ضعیف ہے، سعد بن طریف پر لے درجہ کا ضعیف راوی ہے، بلکہ واضح حدیث قرار دیا گیا ہے مگر مسئلہ عقلی ہے۔

[۷۶] باب ماجاء فی تحفة الصائم

[۷۹۲-] حدثنا أحمد بن منيع، نا أبو معاوية، عن سعد بن طريف، عن عُمَيْرِ بْنِ مَأْمُونٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَحْفَةُ الصَّائِمِ اللَّحْنُ وَالْمِجْمَرُ"
قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، ليس إسناده بذلك، لأنَّه إِلا مِنْ حَدِيثِ سَعْدِ بْنِ طَرِيفٍ، وَسَعْدٌ يَضَعُفٌ، وَيَقَالُ عُمَيْرُ بْنُ مَأْمُونٍ أَيْضًا.

ترجمہ: عیمر کے باپ کا نام بعض مأمون لیتے ہیں اور بعض مأموم۔

باب ماجاء فی الفطر والأضحی متى یكون؟

عید الفطر اور عید الاضحی کب ہوتی ہیں؟

یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کہ اگر کسی حکم شرعی میں مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہو جائے اور اس غلطی کا وقت گزر جانے کے بعد پتہ چلے اور اصلاح کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ غلطی معاف ہے، اس باب میں بھی یہی مسئلہ ہے۔

فائدہ: یہ ابواب الاحکاف چل رہے ہیں، درمیان میں کچھ غیر متعلق ابواب آ گئے ہیں، آگے پھر ابواب الاحکاف آئیں گے، پہلے کتاب الصلوٰۃ ابواب السجود میں بھی ایسا ہوا ہے، وہاں اس کی وجہ بیان کی تھی، یہاں بھی اسی قسم کی کوئی وجہ سوچنی چاہئے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عید الفطر وہ دن ہے جس دن لوگ عید منائیں اور عید الاضحی وہ دن ہے جس دن لوگ قربانی کریں"

[۷۷] باب ماجاء فی الفطر والأضحی متى یكون؟

[۷۹۳-] حدثنا يحيى بن موسى، نا يحيى بن الهيثم، عن معمر، عن محمد بن المنكدر، عن عائشة، قالت: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْفِطْرُ يَوْمٌ يُفْطِرُ النَّاسُ، وَالْأَضْحَى يَوْمٌ"

يُضَعَى النَّاسُ

قال أبو عيسى: سألت محمداً، قلت له: محمد بن المنكدر سمع من عائشة؟ قال: نعم، يقول في حديثه: سمعت عائشة، قال أبو عيسى: وهذا حديث حسن صحيح من هذا الوجه.

وضاحت: محمد بن المنکدر کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ہے اور دلیل یہ ہے کہ وہ ایک حدیث میں سمعت عائشہ کہتے ہیں، یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اور جب ایک جگہ سماع کی صراحت آگئی تو ہر جگہ سماع ثابت ہو گیا۔

باب ماجاء فى الاعتكاف إذا خرج منه

متكلف اگر اعتكاف توڑ دے تو کیا حکم ہے؟

مذاہب فقہاء: اگر کوئی شخص اعتکاف شروع کر کے توڑ دے خواہ وہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہو یا ایسا لعل اعتکاف ہو جس میں وقت کی تعیین کر کے مثلاً چوبیس گھنٹے کی نیت کر کے اعتکاف شروع کیا ہو، اور اسے پورا کرنے سے پہلے توڑ دے تو کیا حکم ہے؟ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک قضا واجب ہے، اور امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قضا واجب نہیں، اور اختلاف کی بنیاد نقطہ نظر کا اختلاف ہے، پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لعل عمل جس طرح شروع کرنے سے پہلے نفل ہوتا ہے، شروع کرنے کے بعد بھی نفل رہتا ہے، پس اگر کوئی لعل عبادت پوری نہ کرے تو ان کے نزدیک قضا واجب نہیں، البتہ وہ حضرات حج اور عمرہ کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ کرتے ہیں، اور احناف کے نزدیک لعل عبادت شروع کرنے نہ کرنے کا تو بندے کو اختیار ہے مگر شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہے، اگر توڑ دے گا تو قضا واجب ہوگی، احناف نے سورہ محمد آیت ۳۳ ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ سے استدلال کیا ہے۔ نقطہ نظر کا یہی اختلاف یہاں اثر انداز ہوا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اعتکاف توڑنے کی صورت میں قضا واجب نہیں مگر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قضا واجب ہے، انھوں نے حج اور عمرہ کی طرح اس مسئلہ کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اور بخاری کی حدیث (۲۰۴) بڑے دو اماموں کی مؤید ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دیدی، انھوں نے مسجد نبوی میں اپنا خیمہ لگایا ان کے دیکھا دیکھی تین اور ازواج نے بھی خیمے لگائے، نبی ﷺ نے سب کے خیمے اکٹروادے اور خود بھی اعتکاف سے نکل گئے، پھر شوال کے آخری عشرہ میں دس دن کا اعتکاف کیا۔

مسائل:

(۱) دو یا زیادہ دنوں کا اعتکاف کیا جائے تو ہر دن کا اعتکاف مستقل عبادت ہے، پس جو شخص اعتکاف توڑ دے گا

اس پر صرف چوبیس گھنٹے کی قضا واجب ہوگی، مثلاً ایک شخص نے تین دن کا نفل اعتکاف کیا اور دوسرے دن اعتکاف توڑ دیا یا رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کیا اور پچیسویں دن اعتکاف توڑ دیا تو صرف چوبیس گھنٹے کی قضا واجب ہوگی، اس لئے کہ گذشتہ ایام کے اعتکاف صحیح ہو گئے اور آئندہ کا اعتکاف شروع نہیں ہوا، پس جس دن کا اعتکاف توڑا ہے اسی کی قضا واجب ہوگی، جیسے نفل نماز دو دو رکعتیں ہیں، پس اگر کوئی چار، چھ، یا آٹھ رکعت کی نیت کرے، پھر تیسری رکعت میں نماز توڑ دے تو صرف اسی شفعہ کی قضا واجب ہوگی، کیونکہ جو شفعہ پڑھ چکا ہے وہ صحیح ہو گیا، اور اگلا شفعہ شروع نہیں ہوا، پس جو شفعہ توڑا ہے اسی کی قضا واجب ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہر دن کا اعتکاف مستقل ہے۔

(۲) اور اگر کوئی ٹھیک غروب کے وقت اعتکاف سے اٹھ جائے تو پھر کوئی قضا واجب نہیں۔ جیسے مذکورہ مثال میں کسی بھی شفعہ پر سلام پھیر دے تو کوئی قضا واجب نہیں۔

(۳) اور قضا اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور اگر کوئی رمضان میں قضا کرے تو رمضان کا روزہ کافی ہے۔

(۴) اور اگر نفل اعتکاف میں وقت کی تعیین نہ کی ہو تو مسجد سے نکلے ہی اعتکاف منتہی ہو جائے گا، اس کی کوئی قضا واجب نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے، آپؐ نے ایک سال اعتکاف نہیں کیا تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔

تشریح: یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے اس لئے کہ آپؐ نے یہ اعتکاف توڑا نہیں تھا، بلکہ آپؐ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے، اس لئے اعتکاف نہیں کیا تھا، پھر آپؐ نے اگلے سال بیس دن کا اعتکاف کیا اس میں دس دن گذشتہ اعتکاف کا بدل تھا، قضا نہیں تھی، جیسا کہ آپؐ جب تہجد نہیں پڑھتے تھے تو طلوع شمس کے بعد بارہ رکعت نفل پڑھتے تھے اور یہ تہجد کا بدل ہوتا تھا، قضا نہیں ہوتی تھی۔

[۷۸] باب ماجاء فی الاعتکاف إذا خرج منه

[۷۹۴] - حدثنا محمد بن بشر، نا ابن أبي عدي، أنبأنا حُمَيْد الطَوِيل، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَكَبَّفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَلَمَّ يَتَكَبَّفُ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ اغْتَكَبَ عَشْرِينَ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب صحيح من حديث أَنَسِ.

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَتَكَبَّفِ إِذَا قَلَعَ اغْتِكَافَهُ قَبْلَ أَنْ يَتِمَّ عَلَى مَا نَوَى: فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا نَقَضَ اغْتِكَافَهُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ، وَاسْتَحْجَوا بِالْحَدِيثِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَرَجَ مِنْ اغْتِكَافِهِ فَاغْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَالٍ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ.
 وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ نَذْرٌ اغْتِكَافٍ، أَوْ شَيْءٌ أَوْجَبَهُ عَلَى نَفْسِهِ، وَكَانَ مُنْتَظَرًا، فَخَرَجَ
 فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ أَنْ يَقْضِيَ، إِلَّا أَنْ يُحِبَّ ذَلِكَ اخْتِيَارًا مِنْهُ، وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ عَلَيْهِ؛ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.
 قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَكُلُّ عَمَلٍ لَكَ أَنْ لَا تَدْخُلَ فِيهِ، فَإِذَا دَخَلْتَ فِيهِ فَخَرَجْتَ مِنْهُ، فَلَيْسَ عَلَيْكَ أَنْ
 تَقْضِيَ إِلَّا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ.
 وَلِی الْبَاب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ترجمہ: علماء کا محکمہ کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ وہ اعتکاف کو جتنے دن کی اس نے نیت کی ہے اسے پورا کرنے سے پہلے توڑ دے، بعض علماء کہتے ہیں: جب اعتکاف توڑ دے گا تو اس پر قضا واجب ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف سے نکل گئے، پس آپ نے شوال میں دس دن کا اعتکاف کیا (یہ حدیث بخاری میں ہے) اور یہ امام مالکؒ (اور امام اعظمؒ) کا قول ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں: اگر اس کے ذمے نذر کا اعتکاف نہ ہو یا ایسا اعتکاف جسے اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہو (عطف تفسیری ہے) اور وہ نفل اعتکاف کرنے والا ہو، پس وہ اعتکاف سے نکل جائے تو اس پر قضا واجب نہیں، مگر یہ کہ وہ اپنی مرضی سے قضا کرے، اور اس پر قضا واجب نہیں، اور یہ شافعیؒ (اور احمدؒ) کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ عمل جس کو شروع کرنے نہ کرنے کا تجھے اختیار ہے پس جب تو اسے شروع کرے پھر اس سے نکل جائے تو تیرے ذمے قضا نہیں، سوائے حج اور عمرہ کے ان دونوں کو شروع کرنے کے بعد توڑ دے گا تو قضا واجب ہوگی، کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ [البقرہ ۱۹۶] اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے، پس اگر پورا نہیں کیا تو قضا واجب ہے، حالانکہ ایسا ہی ارشاد سورہ محمد میں ہے: ﴿وَلَا تَطْلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ پس ہر نفل عمل کو پورا کرنا ضروری ہے، اگر اس کو توڑ دے گا تو قضا واجب ہوگی۔

بَابُ الْمُغْتَكِفِ يَخْرُجُ لِحَاجَتِهِ أَمْ لَا؟

محکم ضروریات کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے

چھوٹے بڑے استنجے کے لئے محکم کا مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ نبی ﷺ انسانی ضرورت کے لئے مسجد سے نکلا کرتے تھے اور محکم جمعہ پڑھنے کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جامع مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا وہاں اعتکاف کرنا جائز نہیں، اور احتاف کے نزدیک جمعہ پڑھنے کے لئے نکلنا جائز ہے، البتہ محکم کو چاہئے کہ وہ مسجد سے کم سے کم غیر حاضر ہے، جمعہ کے بالکل قریب مسجد سے نکلے اور جمعہ پڑھ کر فوراً واپس آجائے اور سنتیں اپنی مسجد میں پڑھے، اور

دیگر حاجات شرمیہ مثلاً مریض کی عیادت کے لئے، جنازہ پڑھنے کے لئے یا سبق میں حاضر ہونے کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کی اجازت نہیں، جب جمعہ پڑھنے کے لئے نکلنا جائز نہیں تو ان کاموں کے لئے بدرجہ اولیٰ نکلنا جائز نہیں۔ اور حنفیہ اور حنبلیہ کے نزدیک اگر محکف نے اعتکاف کرتے وقت ان کاموں کا استثناء کیا ہے تو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ مگر احناف عام طور پر اس پر فتویٰ نہیں دیتے تاکہ لوگ اعتکاف کو تماشا بنالیں۔

فائدہ: اگر محکف عذر کے بغیر مسجد سے نکل گیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک فوراً اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک: اگر اکثر دن مسجد سے باہر رہا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور آدھے دن سے پہلے ٹوٹ آیا تو اعتکاف باقی رہے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کو قیاس کے مطابق اور امام ابو یوسف کے قول کو منجائش والا قول قرار دیا ہے، لہذا لوگوں کو امام اعظمؒ کے قول کے مطابق مسئلہ بتانا چاہئے، لیکن اگر کوئی مسجد سے نکل گیا اور نصف یوم سے پہلے واپس آ گیا تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دینا چاہئے اور آئندہ کے لئے مسجد سے نہ نکلنے کی تاکید کرنی چاہئے۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کرتے تھے تو اپنا سر مجھ سے قریب کر دیتے تھے، میں سر میں تیل کٹکھا کر دیا کرتی تھی، اور آپؐ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر انسانی ضرورت کے لئے۔ تشریح: نبی ﷺ کے سر مبارک پر بڑے بال تھے اور جس کے بال بڑے ہوتے ہیں اسے وقفہ وقفہ سے نہا کر یا سر کو اچھی طرح دھو کر ان میں تیل لگانا ضروری ہوتا ہے ورنہ سر میں کھجلی ہو جاتی ہے، اور محکف کے لئے نہانے یا سر دھونے کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، اس لئے نبی ﷺ مسجد سے سر مبارک باہر نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کا حجرہ مسجد سے متصل تھا کوئی بڑا برتن رکھ کر اس میں سر مبارک دھو دیتی تھیں اور تیل لگا کر کٹکھا کر دیا کرتی تھیں، اس مقصد کے لئے آپؐ مسجد سے نہیں نکلتے تھے، یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ محکف جمعہ کا غسل کرنے کے لئے یا گرمی میں غسل کرنے کے لئے مسجد سے نہیں نکل سکتا، البتہ جب محکف استنجے جائے اور استنجے جانا واقعی ہو جیلہ نہ ہو اور واپسی میں نہا کر آئے تو منجائش ہے، اور دوسرا مسئلہ یہ نکلا کہ اگر محکف مسجد میں رہتے ہوئے تیل کٹکھا کرے یا نہائے تو جائز ہے، بشرطہ کہ مسجد آلودہ نہ ہو مثلاً متعلقین بڑا غب مسجد میں کسی کنارے پر رکھ دیں اور محکف اس میں بیٹھ کر نہالے پھر لوگ پانی باہر پھینک دیں تو یہ جائز ہے۔

فائدہ: تو جیل کا مفہوم ہے: تیل کٹکھا کرنا، یعنی پہلے سر کو صابن وغیرہ سے اچھی طرح دھویا جائے پھر تیل ڈالا جائے، پھر کٹکھا کیا جائے، یہ سب تریل کے مفہوم میں شامل ہے اور شامل تریل میں جو حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے روزانہ تیل کٹکھا کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے، روزانہ صرف کٹکھی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس

میں وقت خرچ نہیں ہوتا، شدہ بے ضرورت ٹیپ ٹاپ ہے۔

فائدہ: اس حدیث کو ابن شہاب زہری سے امام مالک اور امام لیث بن سعد مصری دونوں روایت کرتے ہیں۔ پھر امام مالک کی روایت میں ابن شہاب زہری حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عمرہ بنت عبد الرحمن سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، یہ سند موطا مالک کتاب الاعکاف میں اور مسلم شریف کتاب الجہیز باب سوم میں ہے، اور امام لیث کی سند میں ابن شہاب زہری عروہ اور عمرہ دونوں سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام لیث کی سند بخاری شریف (حدیث ۲۰۲۹) کتاب الاعکاف میں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری سند کو یعنی امام لیث کی سند کو صحیح کہا ہے، مگر ہمارے خیال میں اس کی ضرورت نہیں، دونوں ہی سندیں صحیح ہیں، راوی کبھی استاذ بھائی سے بھی روایت کرتا ہے، حضرت عروہ نے کبھی عمرہ سے بھی روایت کی ہوگی۔

ملاحظہ: ترمذی شریف میں امام مالک کی سند میں عن عروہ وعمرہ صحیف ہے، میں نے عن عروہ عن عمرہ کر دیا ہے، یہ صحیح موطا مالک اور مسلم شریف سے کی ہے، کیونکہ اسی صورت میں امام لیث کی سند سے امتیاز ہوتا ہے۔

[۷۹] باب المعتكف يخرج لحاجته أم لا؟

[۷۹۵] - حدثنا أبو مَصْعَبٍ الْمَدِينِيُّ قَرَأَهُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عُمَرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَفَ أَذْنِي إِلَى رَأْسِهِ فَأَرْجَلَهُ، وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، هكذا رواه غير واحد عن مالك بن أنس، عن ابن شهاب، عن عروة، عن عُمَرَةَ، عن عائشة. والصحيح عن عروة، وعُمَرَةَ، عن عائشة، هكذا روى الثَّوْبِيُّ عَنْ سَعْدٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وعُمَرَةَ، عن عائشة، حدثنا بذلك قُتَيْبَةُ، عن اللَّيْثِ. والعمل على هذا عند أهل العلم: إِذَا اغْتَسَفَ الرَّجُلُ أَنْ لَا يَخْرُجَ مِنْ أَصْغَاةِهِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ، وَأَجْمَعُوا عَلَى هَذَا: أَنَّهُ يَخْرُجُ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ الْفَاطِيَةِ وَالْبَوْلِ.

ثم اختلف أهل العلم في عِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وشهود الجمعة والجنائز للمعتكف: فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ يَشْهَدَ الْمَرِيضَ وَيَشْهَدَ الْجَنَازَةَ وَيَشْهَدَ الْجُمُعَةَ إِذَا اشْتَرَطَ ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ سَهْبَانَ الْقُرَيْشِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ.

وقال بعضهم: لَيْسَ لَهُ أَنْ يَفْعَلَ شَيْئًا مِنْ هَذَا، وَرَأَوْا لِلْمُعْتَكِفِ إِذَا كَانَ فِي مَضْرٍ يَجْمَعُ فِيهِ، أَنْ لَا يَغْتَسِفَ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ، لِأَنَّهُمْ كَرِهُوا لَهُ الْخُرُوجَ مِنْ مُعْتَكِفِهِ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَلَمْ يَرَوْا لَهُ أَنْ يَتْرَكَ الْجُمُعَةَ، فَقَالُوا: لَا يَغْتَسِفُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ، حَتَّى لَا يَخْرُجَ إِلَى أَنْ يَخْرُجَ مِنْ

مُعْتَكِفٌ لِغَيْرِ قَضَاءِ حَاجَةِ الْإِنْسَانِ، لِأَنَّهُ خُرُوجُهُ لَغَيْرِ قَضَاءِ حَاجَةِ الْإِنْسَانِ قَطَعَ عَنْهُمْ لِلَاغِتِ كَاتِبٌ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ.

وَقَالَ أَحْمَدُ: لَا يَتَوَدَّ الْمَرِيضُ وَلَا يَتَّبِعُ الْجَنَازَةَ عَلَى حَدِيثِ عَائِشَةَ. وَقَالَ إِسْحَاقُ: إِنْ اشْتَرَطَ ذَلِكَ فَلَهُ أَنْ يَتَّبِعَ الْجَنَازَةَ وَيَتَوَدَّ الْمَرِيضَ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح یعنی ابو مصعب مدینی کی طرح اس حدیث کو متعدد حضرات نے امام مالک سے روایت کیا ہے، وہ ابن شہاب سے، وہ عروہ سے، وہ عمرہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں (یہاں سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی نسخہ میں تصحیف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کی سند میں عن عروہ و عمرہ صحیح نہیں، صحیح عن عروہ عن عمرہ ہے) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح سند عن عروہ و عمرہ عن عائشہ ہے، امام لیث بن سعد اسی طرح روایت کرتے ہیں امام لیث کی سند قتیہ کی روایت سے بخاری شریف (حدیث ۲۰۲۹ کتاب الاعتکاف) میں ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے جب کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھے تو ضروریات انسانی ہی کے لئے اعتکاف سے نکل سکتا ہے اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ پیشاب پاخانہ کی ضرورت کے لئے نکل سکتا ہے۔ پھر اہل علم میں اختلاف ہے کہ بیمار پرسی کے لئے، نماز جمعہ اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے محکف نکل سکتا ہے یا نہیں؟ صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر اس نے بوقت اعتکاف ان باتوں کی شرط کی ہے، یعنی استثناء کیا ہے تو وہ بیمار پرسی کے لئے نکل سکتا ہے اور جنازہ کے ساتھ جاسکتا ہے اور جمعہ کی نماز میں بھی حاضر ہو سکتا ہے، سفیان ثوری اور ابن المبارک کی یہی رائے ہے — دیگر حضرات کہتے ہیں: محکف کے لئے ان کاموں میں سے کوئی کام جائز نہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ اگر محکف ایسے شہر میں ہو جہاں جمعہ ہوتا ہے تو وہ جامع مسجد ہی میں اعتکاف کرے، ان حضرات کے نزدیک محکف کا اپنی مسجد سے جمعہ کے لئے نکلنا مکروہ ہے اور اس کے لئے جمعہ چھوڑنا بھی جائز نہیں پس وہ جامع مسجد ہی میں اعتکاف کرے تاکہ اپنی مسجد سے حاجت انسانی کے علاوہ کے لئے نکلنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس لئے کہ اگر محکف حاجت انسانی کے علاوہ کے لئے اپنی مسجد سے نکلے گا تو ان علماء کے نزدیک اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے ہے — اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: محکف بیمار پرسی کے لئے نہ جائے اور جنازہ کے ساتھ بھی نہ جائے جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں آیا ہے (کہ نبی ﷺ انسانی حاجت ہی کے لئے گھر میں تشریف لاتے تھے) اور امام اسحاق فرماتے ہیں: اگر محکف نے اس کی شرط کی ہے تو جنازہ کے ساتھ جاسکتا ہے اور بیمار پرسی بھی کر سکتا ہے (یعنی جو رائے سفیان ثوری اور ابن المبارک کی تھی وہی امام اسحاق کی بھی ہے)

باب ماجاء فی قیام شهر رمضان

تراویح کا بیان

اس باب میں تراویح کا بیان ہے۔ تراویح دور مابعد کی اصطلاح ہے اس کا پرانا نام ”قیام رمضان“ ہے۔ حدیثوں میں یہی لفظ آیا ہے، قیام رمضان کا لفظی ترجمہ ہے: رمضان میں کھڑا ہونا، اور اصطلاحی معنی ہیں: رمضان میں عشاء کے بعد سونے سے پہلے نفلیں پڑھنا۔ تمام امت متفق ہے کہ رمضان میں عشاء کے بعد سونے سے پہلے جماعت کے ساتھ نفلیں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اگرچہ رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، مگر چاروں فقہوں میں مثنیٰ بہ قول یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، مالکیہ کا ایک قول و ترویہ سمیت اکتالیس رکعتوں کا بھی ہے اور دوسرا قول و ترویہ کے علاوہ چھتیس رکعتوں کا ہے۔ اگر اس میں و ترویہ کی تین رکعتیں اور بعد کی دو سنتیں شامل کر لی جائیں تو مجموعہ اکتالیس رکعتیں ہو جائے گا۔ لیکن مالکیہ کے یہاں بھی فتویٰ اور عمل بیس رکعت پر ہے، دوسرے اقوال کی بنیاد رشک تھی، مکہ والے ترویہ میں طواف کرتے تھے، مدینہ والوں نے ترویہ میں انفراداً چار نفلیں پڑھنا شروع کر دیں، تاکہ ثواب میں وہ پیچھے نہ رہیں، اس طرح چھتیس رکعتیں ہو گئیں۔

اس کے بعد چند باتیں ذہن نشین کرنی چاہئیں:

پہلی بات: نبی ﷺ قیام رمضان کی صرف ترغیب دیتے تھے، آپ کے زمانہ میں باجماعت تراویح کا نظام نہیں رہا تھا۔ ملت کی تنظیم کے لئے یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تراویح کی ترغیب دیتے تھے تاکہ (وجوب) کے ساتھ حکم دیئے بغیر، چنانچہ آپ فرماتے تھے: ”جو شخص یقیناً اور ثواب کی امید کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھے گا اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے“ (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۹۶) اس لئے لوگ اپنے گھروں میں اور مسجد نبوی میں نوافل میں مشغول رہتے تھے، ایک رات اچانک آپ ﷺ سے مختلف سے یعنی بورے کے اس حجرہ سے جو آپ کے لئے مسجد نبوی میں تیار کیا جاتا تھا اور جس میں آپ دوران اعتکاف قیام فرماتے تھے باہر تشریف لائے اور مسجد میں موجود لوگوں سے فرمایا: ”آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں“ صبح جب اس بات کا چرچا ہوا تو اگلی رات بہت لوگ جمع ہو گئے، بایں امید کہ شاید آج بھی آپ کو نوافل پڑھائیں، چنانچہ آپ حسب امید نکلے اور نوافل پڑھائیں، اب تو لوگوں کا غالب گمان ہو گیا کہ آپ اسی طرح ہر رات نوافل پڑھائیں گے، چنانچہ تیسری یا چوتھی رات مسجد میں بل و دھرنے کی جگہ نہ رہی، مگر آپ تشریف نہ لائے، لوگوں نے خیال کیا کہ شاید آگے لگ گئی ہے، اس لئے کسی نے کھنکرا، کسی نے حجرے کی چٹائی پر کنکری ڈالی کہ آواز سے آپ کی آنکھ کھل جائے، مگر آپ تشریف نہ لائے۔ لوگ مایوس ہو کر منتشر ہو گئے، صبح آپ نے فرمایا: ”میں رات برابر تمہارا عمل دیکھتا رہا، یہاں تک کہ

مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض کر دی جائے اور اگر یہ نماز تم پر فرض کر دی گئی تو تم اس کو نباہ نہ سکو گے۔ (بخاری حدیث ۲۰۱۲) اس کے بعد آپؐ نے وفات تک تراویح نہیں پڑھائی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی حال رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی چھ سالوں میں بھی یہی طریقہ رہا، کیونکہ وہ سال سخت آزمائش کے ساتھ، مسلمان بیک وقت دو سپر پاوروں سے یعنی روم اور ایران سے جنگوں میں مصروف تھے، جب یہ دونوں طاقتیں ٹوٹیں اور گونہ سکون نصیب ہوا تو حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت کے آخری چھ سالوں میں ملک و ملت کی تنظیم سے متعلق بہت سے کام کئے ہیں ان میں سے ایک کام باقاعدہ تراویح کا نظام بنانا ہے، الدر المنثور سورۃ القدر کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے مشورے سے باجماعت تراویح کا نظام بنایا ہے۔

دوسری بات: جب تراویح کا باقاعدہ نظام بنایا گیا تو شروع میں امام آٹھ رکعت پڑھا تھا اور سحری کے وقت تک پڑھا تا تھا، موطا میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا، جن سے لوگ نجر سے کچھ ہی دیر پہلے فارغ ہوتے تھے (موطا مالک ص: ۴۰) اس وقت یہ خیال تھا کہ یہ تہجد کی نماز ہے۔ پھر آپؐ نے رکعتوں کی تعداد بڑھا کر بیس کر دی اور قراءت ہلکی کرنے کا حکم دیا، کیونکہ بعد میں یہ بات سامنے آئی کہ نبی ﷺ نے جو دو یا تین دن نماز پڑھائی تھی وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں اور وہ تہجد کی نماز نہیں تھی، بلکہ مستقل نماز تھی۔ پھر جب سے حضرت عمرؓ نے نظام بدلا آج تک شرقاً غرباً یہی نظام چل رہا ہے، صرف غیر مقلدین اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں مگر گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا، فتح الباری شرح صحیح البخاری (۲: ۴۲۰) میں ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس تراویح کی بیس رکعتوں کے لئے آنحضرت ﷺ کی جانب سے کوئی عہد تھا؟ امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا: حضرت عمرؓ اپنی طرف سے ایجاد کرنے والے نہیں تھے، یعنی یقیناً ان کے پاس اس کا ثبوت تھا۔

اور بیہقی، طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے جو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا اور جس کو تہجد کے وقت تک جاری رکھا جاتا تھا اس کا مدار تہجد کی روایت پر تھا مگر بعد میں یہ بات واضح ہوئی کہ رمضان میں بھی تہجد اپنی جگہ پر ہے اور قیام رمضان (تراویح) اس کے علاوہ نماز ہے، چنانچہ آپؐ نے اس روایت کی بناء پر جس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے: رکعتوں کی تعداد بڑھا دی اور قراءت میں تخفیف کر دی تاکہ لوگ تراویح سے فارغ ہو کر سو جائیں اور آخر شب میں اٹھ کر حسب معمول تہجد ادا کریں، رہا ابن عباسؓ کی روایت کا ضعف تو اس کی حلائی تعامل سے ہو جاتی ہے، بلکہ تعامل کی موجودگی میں روایت کی سرے سے ضرورت باقی نہیں رہتی، مثلاً کلمہ اسلام: لا اِلهَ اِلاَ اللہ محمد رسول اللہ کسی روایت سے ثابت نہیں اگرچہ اس کے دونوں اجزاء قرآن کریم میں آئے ہیں مگر دونوں کا مجموعہ

کلمہ اسلام ہے یہ بات کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔ مگر چونکہ پوری امت مسلمہ کا اس پر تعامل ہے اور اجماع قوی دلیل ہے اس لئے سند کی مطلق حاجت نہیں۔

تیسری بات: بخاری شریف (حدیث ۲۰۱۰) میں ہے کہ اس نئے نظام کے شروع ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، لوگوں کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: بَغَمْتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَاللّٰی تَنَامُونَ عَنْهَا الْفَضْلُ مِنَ الْغَىِّ تَقْوَمُونَ۔ یعنی یہ نہایت عمدہ نئی بات ہے اور جس نماز سے تم سوتے رہتے ہو، وہ اس سے جس کو تم ادا کرتے ہو افضل ہے۔

اس ارشاد کا پس منظر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

ایک: یہ کہ جب تراویح کا باقاعدہ نظام بنایا گیا تو لوگوں میں چہ گوئیاں ہوئیں کہ یہ کیا نئی بات شروع ہوئی، جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی پختہ بنائی تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تو کسری کا محل تعمیر ہو گیا۔ دوسری: یہ کہ تہجد کی نماز کو آخر شب کے بجائے شروع رات میں کیوں کر دیا گیا؟ آخر شب تو افضل وقت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مذکورہ ارشاد میں دونوں باتوں کا جواب دیا ہے:

پہلی بات کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر یہ نئی چیز ہے تو نہایت شاندار نئی چیز ہے، کیونکہ اس کی اصل موجود ہے اور وہ آپ کا دودن یا تین دن باجماعت نوافل پڑھنا ہے۔ آپ نے لفظ بدعت اس کے لغوی معنی میں استعمال کیا ہے اور بالفرض کلام کیا ہے، لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت: بدعت حسنة بھی ہوتی ہے اور سیئہ بھی، اور بدعت اصطلاحی صرف بدعت سیئہ ہوتی ہے وہ حسنة نہیں ہوتی۔ اور دوسری بات کا جواب: آپ نے یہ دیا ہے کہ یہ تہجد کی نماز نہیں ہے، تہجد اپنی جگہ برقرار ہے جس سے لوگ غفلت برتتے ہیں، سحری کے لئے اٹھتے ہیں مگر تہجد نہیں پڑھتے حالانکہ وہ تراویح سے افضل ہے۔ پس آپ کے اس ارشاد سے صاف معلوم ہوا کہ تراویح: تہجد کی تقدیم نہیں ہے بلکہ یہ مستقل نماز ہے اور اس کی باجماعت ادائیگی بھی بدعت نہیں ہے، کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے التلخیص الحبر فی تخریج احادیث الواقعی الکبیر (۱۱۹:۱) میں یہ روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودن باجماعت سے جو نماز پڑھائی تھی وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی محنت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث یہی (۲۹۶:۲) میں ہے کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۱ میں گذری ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے وہ روایت قیام رمضان (تراویح) سے متعلق نہیں ہے، بلکہ صلاۃ اللیل (تہجد) سے متعلق ہے، پس غیر مقلدین کا اس حدیث کی بنا پر تراویح کی

آٹھ رکعت کی بات کہنا صحیح نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ یہ آٹھ رکعتیں سال بھر پڑھتے تھے اور تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، پس جن اکابر علماء نے حضرت عائشہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں موازنہ کیا ہے اور حضرت عائشہ کی روایت کو اصح قرار دیا ہے یہ موازنہ درست نہیں، موازنہ ایک باب کی روایتوں میں کیا جاتا ہے دو الگ الگ بابوں کی روایتوں میں نہیں کیا جاتا۔

علاوہ ازیں ہمیں رکعت تراویح پر چاروں ائمہ، تمام صحابہ و تابعین اور تمام علماء کا اجماع ہے اور اگر بالفرض حضرت عائشہ کی اس حدیث کو تراویح سے متعلق کیا جائے تو غیر مقلدین سے عرض ہے کہ آنحضور ﷺ اس نماز کو سال بھر پڑھتے تھے، آپ بھی سال بھر پڑھیں تو ہم جانیں کہ آپ ”اہل حدیث“ ہیں، یہ کیا کہ بیٹھا بیٹھا ہپ، کڑوا کڑوا تھو تھو! اور اگر وہ کہیں کہ نبی ﷺ نے صرف تین دن یا دو دن رمضان میں باجماعت پڑھی ہے اس لئے ہم اس پر عمل کرتے ہیں تو سنیں: اس حدیث پر عمل کرنا ہے تو تراویح جماعت کے ساتھ صرف دو دن یا تین دن پڑھو، پھر مسجدوں سے دفع ہو جاؤ تا کہ فتنہ ختم ہو اور وہ بھی مہینے کی آخری تاریخوں میں تا کہ پورا رمضان مسجدوں میں سکون رہے (اس سلسلہ میں کچھ کلام کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۱ میں بھی گذر چکا ہے)

حدیث: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (رمضان کے) روزے رکھے، پس آپؐ نے ہمیں (رمضان کی راتوں میں) نوافل (تراویح) نہیں پڑھائے، یہاں تک کہ سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی پہلی بار ۲۳ ویں شب میں تراویح پڑھائی) پس آپؐ نے ہمیں نوافل پڑھائے یہاں تک کہ رات کا ایک تہائی حصہ گذر گیا، پھر (آخر سے) چھٹی رات میں (۲۴ ویں شب میں) نوافل نہیں پڑھائے، اور پانچویں (۲۵ ویں) شب میں آدمی رات تک نماز پڑھائی۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاش آپؐ ہمیں رات کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس میں بھی نوافل پڑھاتے، آپؐ نے فرمایا: جس نے امام کے ساتھ عشاء پڑھی یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر پلٹا تو اس کے لئے پوری رات نفلیں پڑھنے کا ثواب لکھا جائے گا (یعنی وہ حکماً پوری رات نفلیں پڑھنے والا شمار ہوگا) پھر آپؐ نے ہمیں نوافل نہیں پڑھائے یہاں تک کہ مہینے میں تین راتیں باقی رہ گئیں (یعنی ۲۶ ویں شب میں نوافل نہیں پڑھائے) اور آپؐ نے ہمیں (آخر سے) تیسری رات میں (یعنی ۲۷ ویں شب میں) نوافل پڑھائے اور اپنے گھر والوں کو اور اپنی عورتوں کو (یہ عطف تفسیری ہے) نماز میں حاضر رہنے کے لئے فرمایا۔ پس آپؐ نے ہمیں نوافل پڑھائے یہاں تک کہ سحری کا وقت نکل ہو گیا۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا: فلاح سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا: سحری!

تشریح: سحری کا وقت نکل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبح صادق سے دس چندہ منٹ پہلے تک تراویح پڑھائی بلکہ سحری کے لئے عورتیں کھانا پکاتی ہیں، سونے والوں کو اٹھاتی ہیں اور لوگ سحری کھاتے ہیں، یہ سب سحری کا وقت ہے،

پس حدیث میں جو ہے کہ عمری کا وقت تنگ ہو گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مردوزن مسجد نبوی میں جماعت میں شریک ہیں نماز ختم ہونے کے بعد وہ گھر جائیں گے، کھانا پکائیں گے، اور عمری کھائیں گے اس سب کے لئے وقت تنگ ہو گیا۔

[۸۰] باب ماجاء فی قیام شهر رمضان

[۷۹۶-] حدثنا هناد، نا محمد بن الفضل، عن داود بن ابی هند، عن الولید بن عبد الرحمن الجریفی، عن جویہ بن نفیر، عن ابی ذر، قال: صُفْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتَّى يَبْقَى مَسْعٌ مِنَ الشَّهْرِ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِي السَّادِسَةِ، وَقَامَ بِنَا فِي السَّابِعَةِ حَتَّى ذَهَبَ خَطَرُ اللَّيْلِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ تَقَلْنَا بِقِيَّةِ لَيْلِنَا هَذِهِ؟ فَقَالَ: "إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامٌ لَيْلَةٍ" ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتَّى يَبْقَى ثَلَاثٌ مِنَ الشَّهْرِ، وَصَلَّى بِنَا فِي الثَّالِثَةِ، وَدَعَا أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ، قُلْتُ لَهُ: وَمَا الْفَلَاحُ؟ قَالَ السُّخُورُ. قَالَ أَبُو عَمْسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ، فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يُصَلِّيَ إِحْدَى وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً مَعَ الْوُفْرِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عَنْهُمْ بِالْمَدِينَةِ، وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرِينَ رَكْعَةً، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهَكَذَا أَذْرَكْتُ بِلَيْلِنَا بِمَكَّةَ، يُصَلُّونَ عَشْرِينَ رَكْعَةً، وَقَالَ أَحْمَدُ: رَوَى فِي هَذَا آثَرَانِ لَمْ يَقْضِ فِيهِ بَشْيٌ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: بَلْ نَخْتَارُ إِحْدَى وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً، عَلَى مَا رَوَى عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ، وَاخْتَارَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ الصَّلَاةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، وَاخْتَارَ الشَّافِعِيُّ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ إِذَا كَانَ قَارِئًا.

ترجمہ: علماء کا قیام رمضان میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: آدمی وتر کے ساتھ اکتالیس رکعت پڑھے۔ اور یہ عینہ والوں کا قول ہے، اور اس قول پر اہل مدینہ کا عمل ہے، اور اکثر علماء کا عمل اس روایت پر ہے جو حضرت علی، حضرت عمر اور ان کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت کے سلسلہ میں مروی ہے (مالکیہ کے نزدیک بھی یہی مفتی ہے) اور یہ ثوری، ابن المبارک اور شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح پایا ہے (یعنی اہل مکہ کا معمول بیس رکعت پڑھنے کا تھا) اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: تراویح کے سلسلہ میں مختلف روایتیں مروی ہیں، انھوں نے ان میں کوئی فیصلہ نہیں کیا (امام احمد کے نزدیک بھی بیس رکعت کی روایت رائج ہے اور اسی پر فتویٰ ہے،

(معارف) اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: بلکہ ہمیں اکتا لیس رکعتوں والا قول پسند ہے، اس وجہ سے کہ یہ بات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (کہ وہ اکتا لیس رکعتیں پڑھاتے تھے) اور ابن المبارک، احمد اور اسحاق نے ماہ رمضان میں امام کے ساتھ نوافل پڑھنے کو پسند کیا ہے اور امام شافعی نے اس کو پسند کیا ہے کہ اگر آدمی حافظ ہو تو عشاء نماز پڑھے۔

تشریح:

۱- مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں، نہ قوی اور نہ ضعیف جس میں ابی بن کعب سے تراویح کی اکتا لیس رکعتیں پڑھانا مروی ہو، اور نہ میں حفاظ حدیث میں سے کسی کو جانتا ہوں جس نے یہ بات کہی ہو (معارف)

۲- مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، البتہ حافظ ایک سامع کو ساتھ لے کر الگ تراویح پڑھے تو جائز ہے تاکہ اس کا حفظ باقی رہے، مگر ان کے لئے بھی عشاء باجماعت مسجد میں پڑھنی ضروری ہے، کیونکہ ایسے حفاظ سیکڑوں ہو سکتے ہیں، پس اگر سب اپنی اپنی جگہ عشاء پڑھیں گے تو مسجد کی جماعت کی شان باقی نہیں رہے گی، اسی طرح ہر حافظ کئی کئی آدمی ساتھ لے جائے گا تو بھی تراویح کی جماعت متاثر ہوگی اس لئے صرف ایک سامع لے جاسکتا ہے۔

باب ماجاء فی فضل من فطّر صائِمًا

روزہ افطار کرانے کا ثواب

فطر: کے معنی ہیں: روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلانا، عربوں کا طریقہ ہم سے مختلف تھا، ہمارے یہاں طریقہ یہ ہے کہ غروب کے بعد تھوڑا سا کھا لیتے ہیں، پھر نماز سے فارغ ہو کر پیٹ بھر کر کھاتے ہیں، اور عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب وہ روزہ کھولتے تھے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے تھے، پھر مغرب کے بعد نہیں کھاتے تھے، اس لئے فطر کا مفہوم پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے، اس باب میں یہ بیان ہے کہ اگر روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا جائے تو اس کا کیا ثواب ہے؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کو روزہ دار کے مانند ثواب ملے گا۔ اور روزہ دار کے ثواب میں سے کچھ کم نہیں ہوگا، یعنی یہ ثواب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عنایت فرمائیں گے، روزہ دار کے ثواب میں سے کوئی کر کے نہیں دیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص روزہ دار کو افطار کرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا: ایک گھونٹ دودھ، ایک گھونٹ پانی

اور ایک کھجور پر بھی اللہ تعالیٰ یہ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔ صحابہ کا یہ سوال دلیل ہے کہ فطر کے اصل معنی ہیں: پیٹ بھر کر کھلانا اگر فطر کا یہ مفہوم نہ ہوتا تو صحابہ کو سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی نظیر پہلے گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو صلوة التیمم سکھائی اور اس کے فوائد بتائے تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ نماز روز کون پڑھ سکتا ہے؟ حالانکہ آپؐ نے روز پڑھنے کے لئے نہیں فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ فضائل کی حدیثوں میں ذائم، ثابت اور اظہار کی قید ملحوظ ہوتی ہے، خواہ وہ قید مذکور ہو یا نہ ہو، اسی طرح یہاں صحابہ کا سوال دلیل ہے کہ فطر کا مفہوم پیٹ بھر کر کھلانا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر پیٹ بھر کر کھلانے کی استطاعت نہ ہو تو بقدر استطاعت افطار کرانے پر بھی اللہ تعالیٰ یہ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

[۸۱] باب ماجاء فی فضل من فطر صائما

[۷۹۷-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ فَطَرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا"
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

باب الترغيب في قيام شهر رمضان وما جاء فيه من الفضل

رمضان کی راتوں میں سونے سے پہلے نفلوں کی ترغیب اور اس کا ثواب

پہلے یہ بات آچکی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں تراویح جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی تھی، البتہ آپؐ تاکید (وجوب) کے ساتھ حکم دیئے بغیر اس کی ترغیب دیتے تھے اور اس کا ثواب بیان کرتے تھے اور صحابہ فرداً فرداً یہ نماز پڑھتے تھے۔ تراویح کا باقاعدہ نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بنا ہے اور اس وقت سے آج تک شرفاغر باجماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح پڑھنے کا تعامل چلا آرہا ہے۔

[۸۲] باب الترغيب في قيام شهر رمضان، وما جاء فيه من الفضل

[۷۹۸-] حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِعَزِيمَةٍ، وَيَقُولُ: "مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" فَتَوَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرَ عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ

بن الخطاب علی ذلك.

ولی الباب: عن عائشة، هذا حديث صحيح، وقد روى هذا الحديث أيضا عن الزهري عن عروة عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم.

﴿آخر أبواب الصوم﴾

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے لوگوں کو تاکید کے ساتھ حکم دیے بغیر اور فرماتے تھے: ”جو شخص رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ سونے سے پہلے نوافل پڑھے گا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے“ پس رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور یہی طریقہ رہا (یعنی جماعت کے ساتھ تراویح کا نظام شروع نہیں ہوا) پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی یہی طریقہ رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں یہی طریقہ رہا۔ اس حدیث کی ابن شہاب سے اوپر دو سندیں ہیں: ایک: عن ابی سلمة، عن ابی ہریرة اور دوسری: عن عروة، عن عائشة۔

تشریح: ایمان و یقین کے معنی تو سب جانتے ہیں، اور احتساب کے معنی ہیں ثواب کی امید رکھنا، جو کام کسی وجہ سے دشوار ہوتا ہے حدیثوں میں جب اس کا حکم دیا جاتا ہے تو ایمان و احتساب کی قید لگائی جاتی ہے، اور عطف تفسیری ہوتا ہے اور ایمان سے مراد بھی ثواب کا یقین ہے، پس ایمان و احتساب کے معنی ایک ہیں، یہ ایک فارمولہ ہے عمل کو آسان بنانے کا، جب عمل کا ثواب پیش نظر ہوتا ہے تو شوق سے عمل وجود میں آتا ہے، ورنہ بیکار معلوم ہوتا ہے۔ رمضان میں طویل تغلیب پڑھنا، اور شب قدر میں تغلیب پڑھنا چونکہ دشوار عمل تھا اس لئے یہ قید لگائی، تراویح کا ثواب سابقہ گناہوں کی بخشش ہے، جب مؤمن یہ ثواب پیش نظر رکھے گا تو اس کے لئے تغلیب پڑھنا آسان ہوگا۔

نوٹ: اردو میں احتساب کے معنی ہیں: جانچ پڑتال کرنا۔ بعض حضرات نے حدیث میں یہ معنی لئے ہیں کہ آدمی عمل کرتے وقت اپنے نفس کا جائزہ لے کہ نیت میں کھوٹ تو نہیں، یہ بات اگرچہ درست ہے مگر اس حدیث کی شرح میں یہ معنی لینا ٹھیک نہیں۔

الحمد للہ! کتاب الصوم کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبوابُ الحجِّ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حج کا بیان

باب ما جاء في حُرْمَةِ مَكَّةَ

حرم محترم کا بیان

حَجَّ (ن) حَجَّجَا کے لغوی معنی ہیں: قصد کرنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: کعبہ شریف کی زیارت کا قصد کرنا۔ اور اعْتَمَرَ الْمَسْكَاةَ کے معنی بھی قصد کرنا اور زیارت کرنا ہیں، اور اسی سے ”عمرہ“ ہے۔ اور ان عبادتوں کے نام حج اور عمرہ اس لئے ہیں کہ دونوں میں بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا جاتا ہے۔ پس عمرہ چھوٹا حج ہے اور حج بڑا حج ہے، مگر جب چھوٹے حج کے لئے عمرہ کی اصطلاح بن گئی تو اب حج کے لئے ”اکبر“ کی قید ضروری نہیں رہی، البتہ اگر دونوں کے لئے حج ہی کا لفظ استعمال کریں گے تو پھر حج کے ساتھ ”اکبر“ اور عمرہ کے ساتھ ”اصغر“ کی قید لگائیں گے۔ سورہ توبہ آیت ۳ میں الحج الاکبر سے حج اصغر یعنی عمرہ سے احتراز مقصود ہے کہ برأت کا اعلان حج کے موقع پر مٹی میں کیا جائے۔ اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اگر کوئی الحجہ جمعہ کا دن ہو تو وہ حج اکبری ہے، یہی اصطلاح ہے، نصوص میں اس کی کچھ اصل نہیں۔

اور عمرہ علیحدہ کرنا بھی درست ہے اور حج کے ساتھ ملا کر کرنا بھی جائز ہے، حج کے ساتھ ملا کر کریں گے تو اس کا نام ”قرآن“ ہے اور حج سے علیحدہ کریں گے اور حج کے سفر میں کریں گے تو اس کا نام ”تمتع“ ہے، اور عمرہ پورے سال ہو سکتا ہے صرف پانچ دنوں میں یعنی نو ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ممنوع ہے۔

عمرہ کرنے کا طریقہ: عمرہ کرنے والا اگر آفاقی ہے تو میقات سے عمرہ کی نیت سے احرام باندھے۔ حج اور عمرہ کا احرام ایک ہی طرح کا ہے صرف نیت کا فرق ہے۔ اور اگر جلی ہے تو اپنے گھر سے یا حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھے۔ اور اگر حرنی ہے تو حرم سے باہر نکلے اور حل سے احرام باندھے تاکہ یک گونہ

سفر متحقق ہو جائے — پھر طواف اور سعی کرے اور احرام کھول دے یعنی سر منڈا دے یا زلفیں بنوائے عمرہ مکمل ہو گیا^(۱)

فائدہ: حرم: بیت اللہ کے ارد گرد مخصوص جگہ کا نام ہے جس کی نشان لگا کر نشاندہی کر دی گئی ہے جو مدینہ کی جانب تین میل، عراق کی جانب سات میل، ہجراندہ کی جانب نو میل، اور جدہ کی جانب دس میل ہے (حاشیہ بخاری ۲۱۶:۱ بحوالہ قسطلانی) اور حرم سے باہر اور میقات کے اندر کی جگہ حل کہلاتی ہے، میقات پانچ ہیں: ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل، یلملم اور ذات عرق۔

ذوالحلیفہ: اہل مدینہ کا میقات ہے، مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پر پڑتا ہے، یہاں سے مکہ مکرمہ تقریباً دو سو میل ہے بلکہ آج کل کے راستہ سے تو تقریباً ڈھائی سو میل ہے۔

جحفہ: یہ شام اور مغربی علاقوں سے آنے والوں کی میقات ہے اور مکہ معظمہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے، مکہ معظمہ سے تقریباً ۳۵ میل مشرق میں نجد کے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذات عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق کے راستہ پر واقع ہے، یہ مکہ معظمہ سے پچاس میل کی دوری پر واقع ہے۔

یلملم: یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ تہامہ کی ایک معروف پہاڑی ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً چالیس میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔

اور حج کی تین قسمیں ہیں: افراد، تمتع اور قرآن، جو مکہ کا باشندہ ہے وہ تمتع اور قرآن نہیں کر سکتا، وہ صرف حج افراد کرے گا اور اس پر قربانی اور طواف و دایع واجب نہیں اور آفاقی اور حلی تینوں قسم کا حج کر سکتے ہیں۔

حج کرنے کا طریقہ: حج کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک: مکہ کے باشندوں کے لئے، خواہ وہ مکہ کے اصلی باشندے ہوں یا حج تمتع کی نیت سے باہر سے آئے ہوں اور عمرہ کا احرام کھول کر مکہ میں مقیم ہو گئے ہوں، دوسرا: آفاقی کے لئے یعنی میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے۔

مکہ سے حج کرنے کا طریقہ: حاجی مکہ ہی سے احرام باندھے، خواہ مگر میں باندھے یا مسجد حرام میں باندھے، اور احرام میں ان امور سے اجتناب کرے: (۱) جماع اور اس کے اسباب (بوس و کنار) سے (۲) سر منڈانے سے اور

(۱) آفاقی: مواقیط سے باہر کارہنے والا — حلی: حرم شریف اور مواقیط کے درمیان میں رہنے والا — حری: حرم شریف کے اندر کا باشندہ ۱۲

بدن کے کسی بھی حصہ کے بال کٹوانے سے (۳) ناخن ترشوانے سے (۴) سلاہوا کپڑا پہننے سے (۵) سر ڈھانکنے سے (۶) خوشبو لگانے سے (۷) شکار کرنے سے (۸) اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح کرنے سے، یہ آٹھ باتیں ممنوعات احرام کہلاتی ہیں، پھر آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ جائے وہاں ظہر سے نو ذی الحجہ کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھے، پھر نو ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے عرفہ کے لئے روانہ ہو، منیٰ کا یہ قیام ضروری نہیں، صرف سنت ہے، پس اگر کوئی مکہ سے نو ذی الحجہ کو سیدہ عارفہ چلا جائے تو بھی درست ہے۔ اور میدان عرفہ میں ۹ ذی الحجہ کی شام تک رکا رہے، یہاں مسجد نمرہ میں ظہر و عصر، ظہر کے وقت میں ایک ساتھ پڑھے، اور نماز سے فارغ ہو کر عرفہ کے کاموں میں یعنی ذکر و اذکار اور دعائیں لگ جائے۔ اسی کا نام وقوف عرفہ ہے اور یہ حج کا سب سے اہم رکن ہے۔ اور عرفہ کے کاموں میں سب سے اہم دعائیں مشغول ہونا ہے، پھر وہاں سے غروب آفتاب کے بعد لوٹے اور ابھی مغرب نہ پڑھے، مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ایک ساتھ ادا کرے اور مزدلفہ میں رات گزارے، فجر کی نماز کے بعد وقوف مزدلفہ کرے یعنی ذکر و اذکار اور دعائیں مشغول ہو، پھر وہاں سے طلوع آفتاب سے کچھ پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے اور منیٰ میں پہنچ کر جمرہ عقبہ کی رمی کرے، پھر قربانی اگر ساتھ ہو تو اس کو ذبح کرے یہ قربانی (مفرد کے لئے) سنت ہے پھر احرام کھول دے خواہ سر منڈوائے یا بال ترشوائے۔ اب بیوی کے علاوہ سب چیزیں حلال ہو گئیں (البتہ خوشبو لگانے میں اختلاف ہے تفصیل آگے آرہی ہے) پھر طواف زیارت کرے (یہ حج کا دوسرا رکن ہے اور فرض ہے) اس کے بعد بیوی اور خوشبو بھی حلال ہو جاتی ہے، اور طواف زیارت کا وقت: دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے تک ہے، البتہ حائضہ جب بھی پاک ہو طواف زیارت کرے، اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے (اور اگر حج کا احرام باندھ کر نفل طواف کیا ہے اور اس کے بعد سعی بھی کر لی ہے تو اب طواف زیارت کے بعد سعی نہ کرے) پھر منیٰ میں قیام کرے اور روزانہ تینوں جمرات کو ٹنگریاں مارے، بارہ کی رمی کے بعد حج مکمل ہو گیا پھر اگر کسی ہے تو اس پر طواف وداع نہیں اور آفاقی ہے تو روانگی کے وقت طواف وداع کرے، یہ طواف واجب ہے مگر جو عورت واپسی کے وقت ماہواری میں ہو اس پر واجب نہیں وہ طواف وداع کئے بغیر بھی وطن لوٹ سکتی ہے۔

آفاق سے حج کرنے کا طریقہ: میقات سے حج کا احرام باندھے پھر اگر سیدہ عارفہ چلا جائے تو اس پر طواف قدم نہیں اور اگر وقوف عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہو تو طواف قدم کرے۔ یہ طواف سنت ہے اور اس میں رمل کرے اور اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے مگر سعی اسی وقت واجب نہیں، اس کو مؤخر بھی کر سکتا ہے، یعنی طواف زیارت کے بعد بھی سعی کر سکتا ہے پھر حالت احرام میں رہے یہاں تک کہ وقوف عرفہ کرے اور دس ذی الحجہ کو رمی کرے اور سر منڈا کر یا بال ترشوا کر احرام کھول دے اس کے بعد طواف زیارت کرے اور اس میں رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے (لیکن اگر طواف قدم کے بعد سعی نہیں کی تو طواف زیارت میں رمل اور طواف کے بعد سعی بھی کرے)

حج تمتع کا طریقہ: آفاقی حج کے مہینوں میں یعنی شوال کا چاند نظر آنے کے بعد عمرہ کا احرام باندھے پھر مکہ پہنچے اور اپنا عمرہ پورا کرے اور احرام کھول دے، پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رکا رہے یعنی وطن و لوٹے پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے، تمتع پر قربانی واجب ہے۔

حج قرآن کا طریقہ: آفاقی میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے پھر احٹاف کے نزدیک: مکہ پہنچ کر پہلے طواف قدم کرے یہ سنت ہے پھر عمرہ کا طواف کرے اور اس کے بعد عمرہ کی سعی کرے یہ افعال عمرہ ہیں، پھر احرام کی حالت میں مکہ میں ٹھہرا رہے اور نفل طواف وغیرہ عبادتیں کرتا رہے، پھر حج کرے اور وقف عزدہ کے بعد طواف زیارت کرے اور اس کے بعد حج کی سعی کرے یہ حج کا طواف اور سعی ہیں، پس قارن پر احٹاف کے نزدیک دو طواف اور دو سعی لازم ہیں، ایک عمرہ کا طواف اور سعی دوسرا حج کا طواف اور سعی۔

اور ائمہ حلاشہ کے نزدیک قارن مکہ میں پہنچ کر صرف طواف قدم کرے یہ سنت طواف ہے پھر احرام کی حالت میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے اور دس ذی الحجہ کو طواف کرے اور اس کے بعد سعی کرے، یہ طواف و سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں، ائمہ حلاشہ کے نزدیک دونوں کے افعال میں تاخیر ہو جاتا ہے اور قارن پر بھی قربانی واجب ہے۔
نوٹ: آگے چونکہ پوری کتاب الحج میں حج و عمرہ کے ارکان و افعال متفرق بیان ہوئے ہیں اس لئے یہاں حج و عمرہ کا مکمل طریقہ ایک ساتھ بیان کر دیا تاکہ ان کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حرم کے احکام دیگر جگہوں سے مختلف ہیں، وہاں شکار کرنا جائز نہیں جو پالتو جانور ہیں جیسے بکری، گائے، مرغی وغیرہ ان کو ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، مگر جو شکار ہیں جیسے کبوتر اس کو حرم میں مارنا جائز نہیں، اگر کوئی ان کو ذبح کرے گا تو وہ مردار ہو جائے گا، چاہے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں اور جزاء (بدلہ) واجب ہے، البتہ اس حکم سے پانچ جانور مستثنیٰ ہیں (تفصیل آگے آرہی ہے) اور یہ حکم محرم غیر محرم سب کے لئے ہے، اسی طرح حرم کی خورد و گھاس اور جنگلی درخت کا ٹٹا جائز نہیں، البتہ جو درخت ایسا ہے جس کو انسان اگا تا ہے جیسے: آم، سیب، کیلا، گیہوں وغیرہ ان کو کاٹنا جائز ہے، خواہ خود اگا ہو یا کسی نے اگایا ہو، اسی طرح خورد و گھاس یا درخت یا اس کی کوئی ٹہنی جب سوکھ جائے تو اس کو کاٹ سکتے ہیں اور تر گھاس اور تر درخت کو کاٹنے میں جزاء واجب ہوتی ہے۔ اور حرم کی گھاس اور درخت اگر جانور خود چرسے تو مضائقہ نہیں، مگر گھاس کو کاٹ کر یا پتے توڑ کر جانور کو کھلانا جائز نہیں، ورنہ جزاء واجب ہوگی۔

اور جاننا چاہئے کہ حرم میں خورد و گھاس یا درخت شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں، وہاں پتھری پتھریں، گھاس کا نام و نشان نہیں، البتہ اب حکومت اس کی طرف متوجہ ہے اس نے درخت لگائے ہیں مگر وہ انسان کے اگائے ہوئے ہیں، اس لئے ان کو کاٹنا جائز ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگر کوئی شخص جنایت کر کے حرم میں گھس جائے تو اسے وہاں سزا دی جائے گی یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اگر اس نے کوئی مالی جرم کیا ہے، جیسے کسی کا مال غصب کیا ہے یا بالقد تصد تلف کیا ہے یا کوئی مادون انفس جرم کیا ہے مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ کر حرم میں پناہ لی ہے تو اسے بالاجماع وہیں سزا دی جائے گی اور غصب کیا ہوا مال واپس لیا جائے گا، اور اگر فی انفس جرم کیا ہے یعنی عدا کسی کو قتل کیا ہے تو اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے بھی وہیں قصاص لیا جائے گا، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ البتہ اس کا کھانا پانی بند کر دیا جائے گا تا آنکہ وہ مجبور ہو کر باہر نکلے یا بھوک سے مر جائے۔ احناف کی دلیل سورہ آل عمران آیت ۹۷ ہے، ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ جو حرم میں داخل ہو گیا وہ مامون ہو گیا۔ اس آیت کے عموم سے بالاجماع دو شخص خاص ہیں: مالی جرم کرنے والا اور مادون انفس جنایت کرنے والا، اب اگر عدا قتل کرنے والے کی بھی تخصیص کی جائے گی تو آیت کا کچھ مصداق باقی نہیں رہے گا، جیسے: متروک التسمیہ نسیاً بالاجماع حلال ہے اور امام شافعی کے نزدیک عاملاً بھی حلال ہے۔ احناف کہتے ہیں: اگر متروک التسمیہ محمدؐ ابھی حلال ہوگا تو آیت: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْثَلًا لَّمْ يَذْكُرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (سورہ الانعام آیت ۱۲۱) کا کچھ مصداق باقی نہیں رہے گا۔ آیت ایسی سوگ بھلی ہو جائے گی جس میں دانہ نہیں، اس لئے احناف کہتے ہیں کہ جب نص کا ایک فرد باقی رہ جائے تو اب تخصیص جائز نہیں، اسی طرح ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ میں مالی جرم کی اور مادون انفس جنایت کی سب نے تخصیص کی ہے، اب اگر قتل عدا کی بھی تخصیص کی جائے گی تو آیت کا کچھ مصداق نہیں رہے گا، اس لئے احناف کے نزدیک فی انفس جنایت کرنے والا آیت کا مصداق ہے اسے حرم میں قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

جب یزید بادشاہ بنا تو عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، وہ مکہ چلے گئے اور وہاں اپنے لئے بیعت لی، یزید نے مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید کو لکھا کہ وہ یزید کو بیعت پر مجبور کرے، چنانچہ اس نے مکہ لشکر روانہ کیا جب وہ لشکر روانہ کر رہا تھا تو ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور اسے یہ حدیث سنائی: حدیث: ابوشریح عدویؓ سے مروی ہے: انھوں نے عمرو بن سعید سے کہا جبکہ وہ مکہ مکرمہ لشکر روانہ کر رہا تھا: اے امیر! آپ مجھے اجازت دیجئے میں آپ سے وہ بات بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن اپنی تقریر میں بیان کی تھی جس کو میرے کانوں نے سنا ہے اور جس کو میرے دل نے محفوظ کیا ہے اور آپ کو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں جب آپ تقریر فرما رہے تھے، آپ نے اللہ کی تعریف اور اس کی شایان کی پھر فرمایا: بیشک مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے اس کو کسی آدمی نے محترم قرار نہیں دیا، پس کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے: جائز نہیں کہ وہ حرم میں خون بہائے یا حرم کے کسی درخت کو کاٹے، پس اگر کوئی نبی ﷺ کے حرم میں قتال کرنے سے جواز پر استدلال کرے (فتح مکہ کے دن نبی ﷺ مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے

تھے، وہاں جنگ کی فوج نہیں آئی تھی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ زیریں حصہ سے داخل ہوئے تھے وہاں کچھ لوگوں نے مزاحمت کی تھی ان میں سے کچھ لوگ مارے گئے تھے) پس تم اس سے کہو: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی اور تجھے اجازت نہیں دی۔ اور میرے لئے بھی حرم میں قتال کی اجازت دن کے ایک خاص حصہ میں تھی (نبی ﷺ کے لئے طلوع شمس سے عصر تک قتال کی اجازت تھی، ساعة سے یہی وقت مراد ہے) اور آج اس کی حرمت لوٹ آئی ہے، گزشتہ کل کی حرمت کی طرح (یعنی اب میرے لئے بھی حرم میں قتال جائز نہیں) اور چاہئے کہ حاضرین غائبین تک یہ بات پہنچادیں۔

ابوشریح رضی اللہ عنہ سے طالب علموں نے پوچھا: عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: اس نے کہا: اے ابوشریح! میں یہ مسائل آپ سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا اور نہ خون کر کے بھاگے ہوئے کو پناہ دیتا ہے اور نہ جنایت کر کے بھاگے ہوئے کو پناہ دیتا ہے (ایک روایت میں بخونہ ہے یعنی جو رسوائی کا کام کر کے حرم میں پناہ لے اس کو حرم پناہ نہیں دیتا) — اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ طالب علموں نے پوچھا: جب عمرو بن سعید نے یہ بات کہی تو آپ نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: میں نے اس سے کہا: جب حضور ﷺ نے یہ تقریر فرمائی تھی میں وہاں موجود تھا اور تو نہیں تھا۔ اور نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ حاضرین غائبین تک بات پہنچائیں سو میں نے پہنچادی اور یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔

تشریح: عمرو بن سعید کے نزدیک عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حکومت کے باغی تھے، اس وجہ سے وہ ان کے خلاف لشکر کشی کو جائز قرار دے رہا تھا حالانکہ ابن الزبیر نے یزید کے ہاتھ پر بیعت ہی نہیں کی تھی، پس اس سے بغاوت کیسی؟ اگر وہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے پھر اپنے لئے بیعت لیتے تو نافرمان ہوتے، اور نہ انھوں نے کوئی جنایت کی تھی اور نہ کسی کو قتل کیا تھا پس ان کے خلاف لشکر کشی کا کوئی جواز نہیں تھا۔

جاننا چاہئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کے ارشاد: ولا یحل لاموی یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسفلک بہادما سے استدلال کیا ہے اور فرمایا ہے: جو کسی کو عہد اُقتل کر کے حرم میں چلا جائے اُسے وہاں قتل نہیں کیا جائے گا، ورنہ حرم میں خون بہانا لازم آئے گا۔ اور ائمہ ثلاثہ نے عمرو بن سعید کے قول: ولا فارقا ہدم سے استدلال کیا ہے اس کی نظیر: حدیث ۲۹۹ ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے اور احناف کے نزدیک واجب یا سنت مؤکدہ اشد تاکید۔ وہاں یہ بات بتائی گئی ہے کہ شیخ الہند قدس سرہ نے فرمایا: ائمہ ثلاثہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے جس کو سن کر صحابہ ڈر گئے تھے اور حنفیہ کا استدلال اس ارشاد سے ہے جس کی وجہ سے صحابہ کو اطمینان نصیب ہوا تھا۔ یہاں بھی حنفیہ نے حضور ﷺ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ نے عمرو بن سعید کے قول سے استدلال کیا ہے، یہیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا!

فائدہ: عمرو بن سعید کے دو لقب تھے، ایک: اشراق (منہ بھٹ) دوسرا: الطیم الشیطان (شیطان کا تھپڑ مارا ہوا) ان لقبوں سے اس کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے بعد میں اسی حکومت نے جس کے لئے وہ اوندھاسیدھا کر رہا تھا، عبدالملک بن مروان نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

أَبْوَابُ الْحَجِّ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱] باب ماجاء في حرمة مكة

[۷۹۹-] حدثنا قتيبة بن سعيد، نا الليث بن سعد، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبي شريح العدوي، أنه قال لعمر بن سعيد وهو يبعث البعوث إلى مكة: يئذن لي أيها الأمير أحدلك قولاً قام به رسول الله صلى الله عليه وسلم الغد من يوم الفتح، سمعته أذنأي ووعاه قلبي وأبصرته عيناي حين تكلم به، إنه حمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "إن مكة حرمها الله تعالى، ولم يحرمها الناس، ولا يحل لأمرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دمًا، أو يعصدها بشجرة، فإن أحد ترخص لقتال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها فقولوا له: إن الله أذن لرسوله صلى الله عليه وسلم ولم يأذن لك، وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار، وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس، وليبلغ الشاهد الغائب" فقبل لأبي شريح: ما قال لك عمرو بن سعيد؟ قال: قال: أنا أعلم منك بذلك يا أبا شريح، إن الحرم لا يعبد عاصياً ولا فاراً بدم ولا فاراً بخربة، قال أبو عيسى: ويروى بخربة.

وفي الباب: عن أبي هريرة، وابن عباس، قال أبو عيسى: حديث أبي شريح حديث حسن صحيح، وأبو شريح الخزاعي: اسمه خويلد بن عمرو العدوي الكعبي. ومعنى قوله: ولا فاراً بخربة يعني جنابة، يقول من جنى جنابة أو أصاب دمًا ثم جاء إلى الحرم فإنه يقام عليه الحد.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عمرو بن سعید کے قول ولا فاراً بخربة میں خربہ کے معنی جنایت کے ہیں اور اس کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جو جنایت کرے یا خون بہائے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس پر وہیں حد لگائی جائے گی۔

لغات: البعث: فوج، ہر وہ جماعت جو کہیں بھیجی جائے، جمع بعوث..... سفك (ض) سفكاً الدم أو المال:

خون یا پانی بہانا..... غَضَدَ (مَضَ) غَضَدَا الشجرۃ: درخت کو ہنسیا سے کاٹنا..... قَرَّ خَصَّ فِي الْأَمْرِ: کسی معاملہ میں رخصت پر عمل کرنا..... لِقَتَانِ: میں لام اجل یہ ہے ای لا اجل قتال: لڑنے کی وجہ سے..... نَحْرَبَةُ: کے یہاں معنی ہیں: عیب، لغزش، جنایت اور خیریت: کے معنی ہیں: رسوا کن کام، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حج اور عمرہ کا ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حج اور عمرہ پے درپے کرو (یعنی سال میں ایک حج اور ایک عمرہ الگ الگ سفر میں کرو) کیونکہ وہ دونوں محتاجی اور گناہوں کو دور کرتے ہیں، جیسے بھی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو ختم کرتی ہے۔ اور حج مبرور کا ثواب سوائے جنت کے کچھ نہیں!“

تشریح: ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کرنا یعنی حج تمتع یا حج قرآن کرنا جائز ہے مگر جو استطاعت رکھتا ہو اسے حج کے لئے الگ سفر کرنا چاہئے اور عمرہ کے لئے الگ۔ نبی ﷺ نے اس کے دو فائدے بیان کئے ہیں: ایک: یہ کہ اس سے غریبی دور ہوتی ہے یہ بات تقریر سے نہیں سمجھائی جاسکتی اس کا تعلق تجربہ سے ہے، سفر حج اور عمرہ میں اگرچہ بڑی رقم خرچ ہوتی ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ اس سے غریبی دور ہوتی ہے جو چاہے تجربہ کر کے دیکھے، میں نے تو تجربہ کر لیا ہے اور حج پایا ہے۔ اور دوسرا فائدہ: اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں یہ مؤمن کے لئے بدیہی بات ہے، جیسے میلا لوہا، میلا سونا اور میلی چاندی آگ میں تپائی جاتی ہے تو آگ اس کے میل کو کھاجاتی ہے اور خالص لوہا، سونا اور چاندی نکل آتی ہے۔ اسی طرح حج اور عمرہ کے سفر کی مشقت گناہوں کو بھسم کر دیتی ہے اور آدمی صاف ستھرا ہو جاتا ہے اس کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

اور حدیث میں حج مقبول کا ثواب یہ بیان کیا ہے کہ جس خوش نصیب کا حج مقبول ہو گیا اس کے لئے جنت ہے، حج مقبول کی ایک ظاہری علامت ہے اور ایک باطنی۔ ظاہری علامت یہ ہے کہ حج کے جو فرائض و واجبات، سنن و مستحبات ہیں ان پر پوری طرح عمل پیرا ہو، اور جو ممنوعات ہیں ان سے پوری طرح اجتناب کرے، اور اس کی باطنی علامت: علماء نے یہ لکھی ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی بدل جائے، اگر وہ حج سے پہلے ڈاڑھی منڈاتا تھا، کاروبار میں لاسیدھا کرتا تھا، گالی گلوچ کرتا تھا تو حج کے بعد اس کی زندگی بدل جائے اور وہ نیک صالح بن جائے اور اپنی بری زندگی کا ورق پلٹ دے۔ اور اگر وہ پہلے سے نیک تھا تو حج کے بعد اس کے صلاح و تقویٰ میں اضافہ ہو جائے، اگر یہ علامت پائی جائے تو سمجھنا چاہئے کہ اسے حج مقبول حاصل ہوا، اور اگر حاجی کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئے، پہلے ہی کی طرح شتر بے مہار ہے اب بھی گالی گلوچ کرتا ہے، نمازوں سے غافل ہے، کاروبار میں غیر محتاط ہے تو یہ

علامت ہے کہ اس کا حج مقبول نہیں ہوا اسے چاہئے کہ دوبارہ حج کرے اور زندگی کو درست کرے۔

اور جانا چاہئے کہ بظاہر حج صحیح ہونے سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، جیسے شرائط کا لحاظ کر کے نماز پڑھی جائے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے مگر قبولیت کا درجہ اوپر ہے، اسی طرح یہاں بھی دو درجے ہیں: اگر حج تمام ارکان و شرائط کے ساتھ کیا ہے اور منوعات سے بچا رہا ہے تو ذمہ فارغ ہو گیا، لیکن حج کے اثرات جب زندگی پر مرتب ہو گئے تب حج مقبول ہوگا۔ حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے حج کیا پس نہ رفق کیا نہ فسوق تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے“

تشریح: حاجی کے لئے رفق، فسوق اور جدال سے بچنا لازم ہے، سورہ بقرہ آیت ۱۹۷ میں ہے: ﴿فَمَنْ فُوتَهُ﴾ **فِيهِنَّ الْحَجُّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ** ترجمہ: پس جو شخص حج کے مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھے تو نہ فحش بات جائز ہے نہ بے حکمی اور نہ جھگڑا۔

رفث: میاں بیوی کے درمیان زنا و شوئی سے تعلق رکھنے والی باتیں رفق کہلاتی ہیں۔ حالت احرام میں جماع اور دوامی جماع کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، زنا و شوئی کی باتیں یعنی میاں بیوی کے درمیان جو مذاق کی باتیں ہوتی ہیں ان کی بھی گنجائش نہیں، البتہ اگر بیوی ساتھ نہیں ہے اور احرام میں کوئی عشقیہ بات بولی یا عشقیہ شعر پڑھا تو وہ حنفیہ کے نزدیک رفق نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی رفق ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حالت احرام میں یہ شعر پڑھا ہے:

وَهُنَّ بِمَشِينٍ بَنَاتُ هَمِيمَا ﴿﴾ إِنَّ يَصْطَفِي الطَّيْرُ نِكَاحِيْمَا

آپ سے کہا گیا: آپ احرام کی حالت میں رفق کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: رفق اس وقت ہوتا ہے جب عورت ساتھ ہو۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم احرام کی حالت میں عشقیہ اشعار پڑھتے تھے (صحیح اللہ پر: ۲: ۳۳۵) مگر جب ائمہ ثلاثہ اس کو بھی رفق کہتے ہیں تو اس سے بھی بچنا چاہئے۔

فسق اور فسوق: دونوں مصدر ہیں اور ان کے معنی ہیں: حق و صلاح کے راستہ سے ہٹ جانا اور مادے کے اصل معنی ہیں: کسی چیز سے نکل جانا کہتے ہیں: فَسَقْتُ الرُّطْبَ عَنْ قَشْرِهِ: کھجور اپنے گاہے سے نکل آئی۔ اسلام کا بھی ایک سرکل (دائرہ) ہے ارشاد ہے: ﴿يُنْفِقُ حُدُودَ اللَّهِ﴾: یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور گناہ چار ہیں، دو گناہ: ذنب اور خطیہ سرکل کے اندر ہیں اور دو گناہ: سیدہ اور معصیت سرکل سے باہر ہیں، پس جو بندہ سیدہ یا معصیت کا ارتکاب کرتا ہے وہ فاسق ہے یعنی ذمہ داری کے دائرہ سے باہر ہو گیا اس لئے حج میں فسق یعنی سیدہ اور معصیت سے بچنا ضروری ہے، ورنہ حج مقبول نہ ہوگا۔

فائدہ: تقریر مرتب کرتے وقت میں نے حضرت الاستاذ سے سرکل (دائرہ) کی تفصیل دریافت کی تو فرمایا: دین

دو چیزوں کا مجموعہ ہے، اصول اور فروع کا، اور دونوں کے دو دائرے ہیں، مگر دونوں کا آخری دائرہ ایک ہے، فروع کا چھوٹا دائرہ جس سے نکلنے والے کو فاسق کہتے ہیں وہ فرائض و واجبات پر عمل کا اور کبیرہ گناہوں سے احتراز کا دائرہ ہے جو شخص فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہے اور کبار سے بچتا ہے وہ نیک مومن ہے، اور جو فرائض یا واجبات کا تارک ہے یا کبار کا مرتکب ہے، وہ چھوٹے دائرہ سے باہر ہے اور فاسق ہے۔

پھر فروعات کے ضمن میں اصول بھی آتے ہیں جیسے ایک نماز پڑھنا ہے، یہ عملی چیز ہے اور دوسرا نماز کو فرض ماننا ہے، یہ اصولی بات ہے۔ اسی طرح زنا نہ کرنا فرعی چیز ہے اور زنا کو حرام ماننا اصولی بات ہے، یہ بڑا دائرہ ہے جو اس سے بھی باہر ہو جائے گا یعنی فرض کو فرض نہیں مانے گا اور قطعی حرام کو حرام نہیں مانے گا: اس کا حکم اصولی دائرے کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اور اصول یعنی دین اسلام کی بنیادی باتوں کے بھی دو دائرے ہیں، چھوٹا دائرہ اور بڑا دائرہ۔ کیونکہ اصول دو طرح کے ہیں: بدیہی اور نظری، جو نظری اصول کا انکار کرے گا وہ چھوٹے دائرہ سے باہر ہو جائے گا اور اس کا نام ضلال (گمراہی) ہے کبھی اس پر کفر کا بھی اطلاق کر دیتے ہیں مگر یہ کفر دوں کفر ہے حقیقی کفر نہیں جس سے آدمی مسلمان باقی نہیں رہتا، اور بڑا دائرہ ضروریات دین کا ہے یعنی دین کی وہ باتیں جن کو عام مسلمان بھی جانتے ہیں جیسے توحید، رسالت، قیامت، ختم نبوت، ارکان اربعہ کی فریضیت اور قرآن کریم کا کتاب اللہ ہونا وغیرہ، یہ وہ موٹی باتیں ہیں جن کو ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ دین اسلام سے ہیں، پس جو شخص ان کا انکار کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور وہ قطعاً مرتد ہوگا۔

اور نظری اصول وہ ہیں جن پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے صحابہ کا معیار حق ہونا، اجماع کا حجت ہونا، خواہ وہ قطعی ہو یا ظنی اور تقلید و قیاس کا حجت ہونا نظری مسائل ہیں، اور استدلال کے محتاج ہیں۔ جو شخص ان نظری اصول کا انکار کرے یا ضروریات دین کا انکار قائل لحاظ تاویل کے ساتھ کرے یا انکار کا اقرار نہ کرے تو وہ اصول کے چھوٹے دائرہ سے تو باہر قرار دیا جائے گا مگر اس کو مرتد نہیں کہیں گے، اسی اصول سے غیر مقلدین، مودودیوں اور بریلویوں کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے، اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ بعض حضرات تو شیعوں کو بھی گمراہ کہتے ہیں، کافر نہیں کہتے، کیونکہ وہ ضروریات دین کا اگرچہ انکار کرتے ہیں، مگر اس انکار کا اقرار نہیں کرتے، اور التزام کفر: کفر ہے، لزوم کفر: کفر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ فسق کا استعمال فروعات میں ہوتا ہے اور لفظ ضلال کا استعمال اصول میں ہوتا ہے اور دونوں کا آخری دائرہ ایک ہے یعنی ضروریات دین کا قائل لحاظ تاویل کے بغیر صاف انکار کرنا آدمی کو اسلام کے دائرہ سے باہر کر دیتا ہے۔ اللہم احفظنا منہ (آمین)

جدال: ساتھیوں سے لڑنا، جھگڑنا، حج کے دوران اس سے چٹا بھی ضروری ہے، حج کے سفر میں معمولی باتوں پر جھگڑا ہو جاتا ہے، پس اس سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے جو ان تین چیزوں سے بچے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور وہ گناہوں سے ایسا صاف ہو کر لوٹے گا جیسے ابھی اس کی ماں نے جنا ہے۔

[۲] باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرة

[۸۰۰] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشْجِيُّ، قَالَا: نَا أَبُو خَالِدٍ الْأَخْمَرُ، عَنْ غَيْرِ بْنِ قَلْبَسٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَاللُّبُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِبَرُ غَبَتَ الْحَبْلَ وَاللَّحَبَ وَالْفُتَّةَ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ"

وفی الباب: عن عمرو، وعامر بن زبينة، وأبي هريرة، وعبد الله بن حنيس، وأم سلمة، وجابر. قال أبو عيسى: حديث ابن مسعود حديث حسن صحيح غريب من حديث عبد الله بن مسعود. [۸۰۱] - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَزَلْ وَلَمْ يَفْسُقْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، وأبو حازم ثوري، وهو الأشجعي، واسمُهُ: سَلْمَانٌ مَوْلَى عُرَّةَ الْأَشْجَعِيَّةِ.

وضاحت: غریب من حدیث عبد اللہ بن مسعود کا مطلب یہ ہے کہ باب میں جن صحابہ کا تذکرہ ہے ان کی روایت سے تو یہ حدیث معروف ہے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث میں یہ حدیث انجائی ہے اسی کو کتاب العلل میں غریب بحال الإسناد کہا ہے۔

باب ماجاء من التغليب فی ترك الحج

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا بڑا گناہ ہے

تغلیظ: بمعنی تشدید ہے، یعنی وعید۔ مگر تغلیظ بھاری لفظ ہے، جہاں سخت وعید ہوتی ہے تشدید کے بجائے تغلیظ استعمال کرتے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص زاد (توشہ) اور ایسے راحلہ (سواری) کا مالک ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکتے ہوں پھر بھی حج نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے (لا کے بعد خروج اللہ تک پہنچا سکتے ہوں پھر بھی حج نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے)۔

اور اُن سے پہلے ہی پوشیدہ ہے، تقدیر عبارت ہے: ﴿لَا حَرَجَ عَلَيْهِ لِيْ اَنْ يَمُوْتُ﴾ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ”اور لوگوں کے ذمے اللہ کے واسطے بیت اللہ کا قصد کرنا لازم ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو حکم نہ مانے تو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں (استدلال آیت کے اس آخری کلمے سے ہے جو کتاب میں رہ گیا ہے)“

تشریح: اس حدیث کی سند میں ہلال بن عبد اللہ متروک اور حارث اعور ضعیف راوی ہیں۔ اس لئے ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوعات میں لیا ہے، مگر ان کی رائے صحیح نہیں، یہ حدیث نہایت ضعیف ہے، موضوع نہیں، اور یہ حدیث زاد اور احوالہ کے شرط ہونے سے بھی متعلق ہے، یہ مسئلہ اگلے باب میں آ رہا ہے۔

فائدہ (۱): اس حدیث میں یہودی یا عیسائی ہو کر مرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ حج نہ کرنے پر وعید ہے، جیسے سورۃ الکہف آیت ۲۹ میں ہے: ﴿قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ یعنی کہہ دو یہ دین حق تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، پس جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے، یہ کفر کی اباحت نہیں ہے بلکہ دھمکی ہے اور قرینہ اگلا نکلا ہے، فرمایا: ﴿اِنَّا نَعْتَذِرُ لِّلْظَالِمِيْنَ نَارًا﴾ یعنی بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے یعنی اس دین کا انکار کرنے والوں کے لئے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔

فائدہ (۲): اس حدیث سے میں نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ حج کرنے سے ایمان پر مہر لگ جاتی ہے، اب اس کے ارتداد کا خطرہ ٹل جاتا ہے اور جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ معرض فتن میں رہتا ہے وہ کسی بھی وقت فتنہ کا شکار ہو سکتا ہے، بلکہ اسلام ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے ایسا بھی ممکن ہے، پس جس میں استطاعت ہو اسے پہلی فرصت میں حج کر لینا چاہئے تاکہ اس کے ایمان پر مہر لگ جائے۔ واللہ الموفق۔

[۳] باب ما جاء من التغليظ في ترك الحج

[۸۰۲-] حدثنا محمد بن يحيى القطعي البصري، نا مسلم بن إبراهيم، نا هلال بن عبد الله: مؤلف ربيعة بن عمرو بن مسلم الباهلي، نا أبو إسحاق الهمداني، عن الحارث، عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاجِلَةً تُلَفُّهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا، وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾“

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه، وفي إسناده مقال، وهلال بن عبد الله مجهول، والحارث يضاعف في الحديث.

باب ماجاء فی إيجاب الحج بالزاد والراحلة

حج کی فرضیت کے لئے زاد و راحلہ شرط ہیں

تمام ائمہ متفق ہیں کہ حج کی فرضیت کے لئے استطاعت بدنی شرط ہے اور یہ بات قرآن کریم میں ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلٌ﴾ یعنی اللہ کے لئے لوگوں کے ذمے بیت اللہ کا حج کرنا لازم ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو (آل عمران ۹۷) اس آیت کی وجہ سے استطاعت بدنی میں کوئی اختلاف نہیں، تندرستی، بدن کا درست ہونا، استطاعت بدنی ہے، اور استطاعت مالی میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص پیدل مکہ مکرمہ تک پہنچ سکتا ہے اور راستہ میں کما کر کھا سکتا ہے، چاہے مالک کر کھانا پڑے: اس پر حج فرض ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک فرضیت حج کے لئے زاد و راحلہ شرط ہیں، یعنی ایسی سواری ہو جو اسے مکہ تک پہنچائے، خواہ کوئی بھی سواری ہو اور زاد یعنی مکہ جا کر واپس آنے تک کا خرچہ اس کے پاس ہو اور جن لوگوں کا خرچہ اس کے ذمہ ہے ان کا بھی خرچہ دے کر جائے، جب یہ دونوں باتیں میسر ہوگی تب استطاعت مالی تحقق ہوگی، اور حج فرض ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک بات مفقود ہو تو حج فرض نہیں ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں اور پر جو روایت گزری ہے وہ بھی نہایت ضعیف ہے اور یہ روایت بھی ابراہیم بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لئے امام مالک زاد و راحلہ کو شرط نہیں کہتے، کیونکہ باب کی کوئی روایت استدلال کے قابل نہیں اور شرط کا درجہ فرض کا درجہ ہے، اس کے ثبوت کے لئے نہایت مضبوط دلیل درکار ہے۔ مگر دیگر ائمہ کہتے ہیں: ان روایات سے استطاعت کی فرضیت ثابت نہیں کرنی، وہ تو قرآن سے ثابت ہے، مگر قرآن میں جو من استطاع ہے وہ مجمل ہے ان روایات نے اس کی وضاحت اور تفسیر کی ہے اور اشتراط ثابت کرنے کے لئے تو روایت کا اعلیٰ درجہ کا ہونا ضروری ہے، مگر مجمل کی تفسیر کے لئے یہ بات ضروری نہیں، ضعیف روایتوں سے بھی تفسیر ہو سکتی ہے۔

فائدہ: ابراہیم بن یزید نہایت درجہ ضعیف راوی ہے مگر امام ترمذی کا اس کے بارے میں گمان اچھا ہے، ان کے خیال میں اس کا صرف حافظہ خراب تھا چنانچہ آپ نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے، کیونکہ اگر راوی متهم بالکذب نہیں ہوتا تو امام ترمذی اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں، مگر دیگر محدثین کے نزدیک یہ راوی نہایت درجہ ضعیف ہے۔ امام احمد اور امام نسائی نے اس کو متروک قرار دیا ہے، اور ابو زرہ، ابو حاتم اور دارقطنی نے منکر الحدیث کہا ہے (تہذیب: ۱۸۰:۱)

[۴] باب ماجاء فی إيجاب الحج بالزاد والراحلة

[۸۰۳] - حدثنا يونس بن عيسى: نا وكيع، نا ابراهيم بن يزيد، عن محمد بن عباد بن جعفر،

عن ابن عمر قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله: ما يوجب الحج؟ قال: "الزاد والراحلة"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، والعمل عليه عند أهل العلم: أن الرجل إذا ملك زاداً وراحلةً وجب عليه الحج، وإبراهيم بن يزيد: هو الخواري المكي، وقد تكلم فيه بعض أهل العلم من قبل حفظه.

ترجمہ: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! حج کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: "زاد اور احلہ" اس حدیث پر علماء کا عمل ہے: آدمی جب زاد اور احلہ کا مالک ہو تو اس پر حج فرض ہے، اور ابراہیم بن یزید الخواری المکی کے بارے میں بعض علماء نے حافظہ کی جانب سے کلام کیا ہے۔

باب ما جاءكم فرض الحج؟

حج زندگی میں کتنی مرتبہ فرض ہے؟

حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے اس سے زائد کوئی کرے تو وہ نفل ہے اور جو شخص حج فرض ہونے کے بعد ادا کرے اس کا فرض ادا ہو گیا اور جو فرض ہوئے بغیر حج کرے اس کا بھی فرض ادا ہو گیا، مثلاً ایک غریب آدمی ہے اس کا آقا اس کو ساتھ لے گیا اور اس نے حج کر لیا تو اس کا فرض حج ادا ہو گیا، کیونکہ ایام حج میں جو بھی مکہ میں ہوگا اس پر حج فرض ہو جائے گا، البتہ تا بالغ یا غلام حج کریں تو ان کا حج فرض ادا نہیں ہوگا، بالغ ہونے اور آزاد ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ہوگا، اور یہ مسائل اجماعی ہیں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آیت: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج کرنا ضروری ہے؟ آپ خاموش رہے، پھر (اسی وقت یا دوسری مجلس میں) صحابہ نے دوبارہ پوچھا: کیا ہر سال حج کرنا ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں (اور مسلم میں ہے کہ تیسری مرتبہ میں یہ جواب دیا اور فرمایا) اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا۔ راوی کہتا ہے: اسی طرح کے سوالات کے بارے میں سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۱ نازل ہوئی ہے جس کا ترجمہ ہے: اے مسلمانو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں اور اگر تم ان باتوں کو پوچھو گے ایسے وقت میں جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ احکام کی تشریح کی ایک صورت یہ ہے کہ پیغمبر اور امت دونوں کسی حکم کو چاہیں تو وہ حکم لازم کر دیا جاتا ہے اور اگر کوئی ایک بھی پیچھے ہٹ جائے تو وہ حکم لازم نہیں کیا جاتا، جیسے روایات سے

آنحضور ﷺ کی شدید خواہش معلوم ہوتی ہے کہ ہر نماز سے پہلے مسواک کی جائے، آپؐ نے اپنی اس خواہش کا لوگوں کے سامنے اظہار بھی کیا، مگر لوگوں نے سرد مہری دکھائی، ان کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا تو مسواک لازم نہیں ہوئی، اور تراویح کے معاملہ میں لوگوں کی طرف سے انتہائی رغبت دیکھنے میں آئی مگر نبی ﷺ پیچھے ہٹ گئے، اس لئے یہ نماز بھی لازم نہیں ہوئی۔ یہاں بھی بار بار سوال امت کے اشتیاق کی دلیل ہے، مگر نبی ﷺ نے ہاں نہیں کی اس لئے ہر سال حج فرض نہیں ہوا، اگر آپؐ کی طرف سے صادر ہو جاتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، چنانچہ حدیث کے آخر میں آپؐ نے ہدایت دی کہ جب تک میں خود کسی معاملہ میں حکم نہ دوں لوگ سوال نہ کریں، اور وجہ یہ بتائی کہ گزشتہ ایشیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ اپنے نبیوں سے سوالات کرتی تھیں پھر ان کے احکامات کی خلاف ورزی کرتی تھیں اس لئے فرمایا: جب میں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تمہارے بس میں ہو اس کی تعمیل کرو اور جب میں تم کو کسی چیز سے روک دوں تو اس کو چھوڑ دو (مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۲۵۰۵)

[۵] باب ماجاء کم فِرَاضِ الْحَجِّ؟

[۸۰۴-] حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، نَا مَنْصُورُ بْنُ وَرْدَانَ، كُوفِيٌّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حَكَابٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ كُلُّ عَامٍ؟ فَسَكَتَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ كُلُّ عَامٍ؟ قَالَ: "لَا: وَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجِبَتْ" فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلُكُمْ قَسُومُكُمْ﴾
وفى الباب: عن ابن عباس، وأبي هريرة، قال أبو عيسى: حديث عليّ حديث حسن غريب من هذا الوجه، واسم أبي البختريّ سعيد بن أبي عمران، وهو سعيد بن قيرور.

وضاحت: عبد الاعلیٰ بن عامر العلوی کی امام احمد اور امام نسائی نے تضعیف کی ہے۔ حافظ قرماتے ہیں: صدوق یہم (تقریب) اور ابوالبختری کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، اور منصور بن وردان سے اوپر حدیث کی یہی ایک سند ہے۔

باب ماجاء کم حجّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

نبی ﷺ نے کتنے حج کئے ہیں؟

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تین حج کئے ہیں، دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد (سن ۱۰ ہجری میں) اس حج کے ساتھ عمرہ بھی تھا۔ اور آپ (مدینہ سے) ۶۳ اونٹ ساتھ

لے گئے تھے، باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے (آپؐ نے حجۃ الوداع میں سواونٹ ذبح کئے ہیں) ان میں ابو جہل کا اونٹ بھی تھا (جو بدر کی غنیمت میں آپؐ کے حصہ میں آیا تھا) اس کی ناک میں چاندی کا حلقہ تھا، آپؐ نے ان کو ذبح کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹنے کا حکم دیا، پس وہ پکایا گیا اور آپؐ نے ان کا شوربہ نوش فرمایا۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے اور ہجرت سے پہلے کتنے حج کئے ہیں؟ یہ بات صحیح روایات میں مروی نہیں، ظاہر یہ ہے کہ آپؐ ہر سال حج کرتے ہوئے کیونکہ مکہ میں رہتے ہوئے حج نہ کرنے کا کوئی سوال نہیں۔ علاوہ انہیں حج کے اجتماع میں آپؐ دعوتی کام بھی کیا کرتے تھے۔ اور مذکورہ حدیث حضرت محمد باقرؑ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں یہ ایک طویل حدیث ہے جس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے متفرق ابواب میں روایت کیا ہے۔ اس میں جو مضمون ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے دو حج کئے ہیں یہ صرف زید بن حباب بیان کرتے ہیں، دوسرا کوئی راوی یہ مضمون بیان نہیں کرتا، اور زید بنی نفسہ ٹھیک ہیں، مگر ثوری کی حدیثوں میں غیر معتبر اور کثیر الخطاء ہیں (تہذیب ۴: ۴۰۳) اسی طرح یہ مضمون کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں ابو جہل کا اونٹ قربان کیا تھا یہ بھی زید بن حباب کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ اونٹ آپؐ نحرہ قضا میں لے گئے تھے تاکہ کفار کو غصہ آئے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر تو مکہ میں کفار نہیں تھے، اس وقت کفار کو غصہ دلانے کے لئے ابو جہل کا اونٹ لے جانے کا کیا موقعہ تھا!

۲- حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں سواونٹ اس لئے ذبح کئے تھے کہ سب حاجیوں کو گوشت پہنچے، اس سفر میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ ساتھ تھے اور اکثر غریب تھے، ان کو گوشت پہنچے اس مقصد سے آپؐ نے یہ قربانیاں کی تھیں اور آپؐ تریسٹھ اونٹ مدینہ منورہ سے لے گئے تھے، باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے خرید کر لائے تھے، آپؐ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح کئے، پھر آپؐ تھک گئے تو باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے اور آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ ہر اونٹ میں سے ایک بوٹی کاٹی جائے، پھر ان کو پکایا گیا اور آپؐ نے شوربہ نوش فرمایا۔ اس طرح سب قربانیوں میں سے کھایا، کیونکہ اپنی قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ کو مدینہ منورہ میں صرف تریسٹھ اونٹ کا ملنا اور تریسٹھ اونٹ ذبح کر کے آپؐ کا تھک جانا اس میں اشارہ تھا کہ آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوگی اور اس سے زیادہ عجیب اشارہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ۶۳ دیں سورت سورۃ المنافقین کی آخری آیت ہے: ﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾ ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی کو جب اس کا وقت آپؐ پہنچے گا۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوگی مگر یہ اشارہ امت کی سمجھ میں

بعد میں آیا۔

حدیث (۲): قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نے کتنے حج کئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک حج کیا اور چار عمرے کئے: ایک عمرہ ذوالقعدہ میں کیا اور عمرہ حدیبیہ، اور ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا اور ایک عمرہ ہجرانہ سے کیا جہاں (اذ بحتی حث ہے) آپ نے حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حقیقہً اور حکماً چار عمرے کئے ہیں اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے ہیں، پہلا عمرہ سن ۶ ہجری میں کیا یہ عمرہ ناتمام رہا، کیونکہ مکہ والوں نے آپ کو حدیبیہ سے آگے جانے نہیں دیا، پھر آپ نے آئندہ سال اس عمرہ کی قضا کی، یہ قضا بھی ذوالقعدہ میں کی، تیسرا عمرہ حج کے ساتھ کیا، آپ نے حجۃ الوداع میں قرآن کیا تھا اور پچیس ذوالقعدہ میں ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا، اس عمرہ کے ارکان اگرچہ ذوالحجہ میں کئے تھے مگر احرام ذوالقعدہ میں باندھا تھا اس لئے یہ عمرہ بھی ذوالقعدہ میں شمار کیا گیا، اور چوتھا اور آخری عمرہ ہجرانہ سے کیا تھا، فتح مکہ کے بعد آپ نے مکہ میں انیس دن قیام فرمایا تھا، پھر حنین تشریف لے گئے تھے، وہاں سے طائف گئے اس کا ایک ماہ تک محاصرہ کیا، پھر لوٹ کر ہجرانہ میں آئے وہاں حنین کی غنیمت تقسیم کی اور وہاں سے عمرہ کیا یہ عمرہ بھی ذوالقعدہ میں کیا تھا۔

[۶] باب ماجاء کم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

[۸۰۵] - حدثنا عبدُ اللَّهِ بنُ أَبِي زَيْدٍ، نا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عن سُفْيَانَ، عن جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عن أَبِيهِ، عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ ثَلَاثَ حَجَجٍ: حَجَّجَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَهَاجِرَ، وَحَجَّةً بَعْدَ مَا هَاجَرَ، مَعَهَا عُمْرَةٌ، فَسَاقَ ثَلَاثًا وَسِتِّينَ بَدَنَةً، وَجَاءَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبَقَرَتَيْهَا، فَبَيَّعَهَا جَمَلًا لِأَبْنَى جَهْلٍ فِي آفِيهِ بَرَّةٌ مِنْ لُصُصَةٍ، فَتَعَرَّهَا، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَطْنَةٍ، فَطَبَّحَتْ فَشَرِبَ مِنْ مَرَقِهَا.

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب من حديث سُفْيَانَ، لا يُعْرَفُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ حُبَابٍ، وَرَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ فِي كُتُبِهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي زَيْدٍ، وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذَا فَلَمْ يُعْرِفْهُ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَأَيْتُهُ لَا يُعَدُّ هَذَا الْحَدِيثَ مَحْفُوظًا، وَقَالَ، إِنَّمَا يُرَوَّى عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُجَاهِدٍ مُرْسَلٌ.

[۸۰۶] - حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، نا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ، نا هَمَّامٌ، نا قَتَادَةُ، قال: قُلْتُ لِأَتَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَمْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ حَجَّةٌ وَاحِدَةٌ، وَاعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ: عُمْرَةٌ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةٌ الْحُدَيْبِيَّةِ، وَعُمْرَةٌ مَعَ حَجَّتِهِ، وَعُمْرَةُ الْجَعْرَانَةِ، إِذْ قَسَمَ غَنِيمَةَ حَنِينٍ.

قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن صحیح، وجب أن یُنَیْلَ: أبو حَبِیبٍ الْبَصْرِيُّ، هو جَلِيلٌ لَقَّةٌ، وَثَقَّةٌ یَحییٰ بنُ سَعیدٍ الْقَطَّانُ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث سفیان ثوری کی حدیث سے غریب ہے، ہم اس کو نہیں جانتے مگر زید بن حباب کی سند سے (یعنی ثوری کے شاگردوں میں سے زید کے علاوہ کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا) اور میں نے عبد اللہ بن عبد الرحمن (امام داری) کو دیکھا انھوں نے عبد اللہ بن ابی زیاد کی سند سے یہ حدیث اپنی کتاب میں لکھی (یعنی امام داری کے پاس بھی اس حدیث کی اور کوئی سند نہیں تھی) اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے یہ حدیث ثوری عن جعفر، عن أبیہ، عن جابر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے نہیں پہچانی، اور میں نے ان کو دیکھا انھوں نے اس سند کو محفوظ شمار نہیں کیا۔ اور فرمایا: یہ حدیث ثوری، عن ابی اسحاق، عن مجاہد کی سند سے مرسل مروی ہے۔

باب ماجاء کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

نبی ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کئے: عمرہ حدیبیہ اور دوسرا عمرہ: آئندہ سال ذوالقعدہ میں عمرہ قصاص یعنی عمرہ قضا کیا اور تیسرا عمرہ حرانہ سے کیا اور چوتھا عمرہ وہ ہے جو حج کے ساتھ تھا۔
تشریح: نبی ﷺ نے ۷ ہجری میں جو عمرہ کیا تھا اس کے تین نام ہیں: عمرہ قصاص، عمرہ قضیہ اور عمرہ قضا۔ عمرہ قصاص نام اس لئے ہے کہ اس سفر میں آیت قصاص ﴿الشَّهْرَ الْحَرَامَ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتِ قِصَاصٌ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۶) نازل ہوئی تھی، آیت قصاص سے سورہ بقرہ آیت ۸۷ امر آئیں، اور عمرہ قضیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قضیہ کے معنی ہیں: معاملہ، فیصلہ، گزشتہ سال کفار مکہ نے آپ کو عمرہ سے روک دیا تھا اور یہ فیصلہ ہوا تھا کہ امسال واپس جائیں، آئندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت ہے، اور عمرہ القضا کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ گزشتہ سال جو عمرہ توڑا تھا یہ عمرہ اس کی قضا تھا۔
جاننا چاہئے کہ اگر احصار کی وجہ سے حج یا عمرہ توڑنا پڑے تو ائمہ ملاح کے نزدیک اس کی قضا نہیں اور احناف کے نزدیک قضا ہے، اس کا عمرہ قضا نام احناف کی دلیل ہے کہ احصار کی وجہ سے توڑے ہوئے عمرہ کی قضا ہے، تفصیل آگے آئے گی۔

[۷] باب ماجاء کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

[۸۰۷] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا ذَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَطَّارُ، عَنْ عُمَرُو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ

عباس: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرَى: عُمَرَا الْحُدَيْبِيَّةِ، وَعُمَرَا الثَّانِيَةِ مِنْ قَابِلِ عُمَرَا الْقِصَاصِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمَرَا الثَّالِثَةِ مِنَ الْجِعْرَانَةِ، وَالرَّابِعَةَ الَّتِي مَعَ حَبِيبِهِ.

وفي الباب: عن النسي، وعبد الله بن عمرو، وابن عمر، قال أبو عيسى: حدثني ابن عباس حدثني هريب، وزياد بن عبيدة هذا الحديث عن عمرو بن دينار، عن عكرمة: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرَى، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُخَزُومِيُّ، نَا سُهَيْلُ بْنُ عُبَيْدَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَكَرْمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَذَكَرَ نَحْوَهُ.

وضاحت: مذکورہ حدیث کو داؤد بن عبد الرحمن الطار اور سفیان بن عیینہ دونوں عمرو بن دينار سے روایت کرتے ہیں اور داؤد کی حدیث میں ابن عباس کا تذکرہ ہے اور ابن عیینہ کی حدیث میں ان کا تذکرہ نہیں۔ مگر مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے چار عمرے کئے۔ اور کتاب میں عن عکرمة عن النبیؐ ہے صحیح اُن النبیؐ ہے

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ أَحْرَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

نبی ﷺ نے احرام کہاں سے باندھا ہے؟

آنحضور ﷺ نے جب ۱۰ ہجری میں حج کا ارادہ فرمایا تو جزیر العرب میں اعلان کیا گیا کہ آپؐ اس سال حج فرمائیں گے، پس جو حج میں مکہ پہنچ سکتا ہے ضرور پہنچے، چنانچہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ حج میں شریک ہوئے، ان میں سے بہت سے اپنے وطنوں سے براہ راست مکہ پہنچے تھے اور بیشتر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے تاکہ شروع سے آپؐ کے ساتھ رہیں اور حج کے مسائل سیکھیں۔ نبی ﷺ ۲۵ ذی القعدہ کو طہر کی نماز کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں رک گئے، یہ اہل مدینہ کی میقات ہے اور مدینہ منورہ سے تقریباً پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں آپؐ نے عصر تا فجر چار نمازیں ادا کیں۔ اس قیام کا مقصد یہ تھا کہ سب رفقاء جمع ہو جائیں۔ اور آگے سفر ساتھ ہو، اگلے دن طلوع شمس کے بعد آپؐ نے ذوالحلیفہ میں ایک درخت کے قریب احرام کا دو گانہ ادا کیا اور تلبیہ پڑھ کر احرام شروع فرمایا۔ مگر اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہوا جو وہاں موجود تھے، پھر جب اونٹنی آپؐ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپؐ نے تلبیہ پڑھا (احرام باندھنے کے بعد وقفہ وقفہ سے تلبیہ پڑھا جاتا ہے اور بحالت احرام تلبیہ افضل ذکر ہے) پس کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی انھوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے اب احرام شروع کیا، پس انھوں نے یہی روایت کیا، پھر جب اونٹنی آپؐ کو لے کر بیداء نامی ٹیلے پر چڑھی تو آپؐ نے تلبیہ پڑھا، پس جن لوگوں نے یہی تلبیہ سنا انھوں نے اسی کو پہلا تلبیہ سمجھا

اور یہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ آپؐ نے بیدار سے احرام باندھا مگر صحیح بات یہ ہے کہ آپؐ نے درخت کے قریب مسجد کے پاس احرام شروع کیا ہے (ابوداؤد حدیث ۱۷۷۰)

[۸] باب ماجاء فی ائی موضع أحرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

[۸۰۸] - حدثنا ابنُ اَبی عُمَرَ، نا سُفْیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبیہِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: لَمَّا اَرَادَ النَبِیُّ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم الْحَجَّ اَذَّنَ فِی النَّاسِ فَاجْتَمَعُوا، فَلَمَّا اَتَى الْبَيْدَاءَ اَحْرَمَ. وَفِی الْبَابِ: عَنْ اَبی عُمَرَ، وَانَسٍ، وَالْمُسَوِّرِ بنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ أَبُو عِیْسَى: حَدِیثُ جَابِرٍ حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

[۸۰۹] - حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ، نا حَالِمْ بنُ اِسْمَاعِیْلَ، عَنْ مُوسَى بنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ عُمَرَ، عَنْ اَبی عُمَرَ، قَالَ: الْبَيْدَاءُ الَّتِی تَكْذِبُونَ فِیْہَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، وَاللّٰہُ مَا اَهْلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ، مِنْ عِنْدِ الشُّجْرَةِ. قَالَ أَبُو عِیْسَى: هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

ترجمہ: جب نبی ﷺ نے حج کا ارادہ کیا تو لوگوں میں اس کا اعلان کیا گیا، پس لوگ جمع ہوئے، پس آپؐ بیدار پر آئے تو آپؐ نے احرام باندھا اور حضرت ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ کے لئے چلے اور بیداء ٹیلے پر چڑھے تو فرمایا: یہی بیداء ہے جس کے بارے میں تم رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہو، بخدا! آپؐ نے احرام نہیں باندھا مگر مسجد کے پاس سے، درخت کے پاس سے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى اَحْرَمَ النَّبِيُّ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم؟

نبی ﷺ نے احرام کب باندھا ہے؟

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کے بعد تلبیہ پڑھ لی یعنی احرام شروع کیا۔ تشریح: احرام شروع کرنے سے پہلے دو گانہ احرام سنت ہے، اور دو گانہ ادا کرنے کے بعد فوراً احرام شروع کرتا (تلبیہ پڑھنا) ضروری نہیں، اگر تلبیہ پڑھنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں، میرا معمول یہ ہے کہ جہاز میں سوار ہونے سے پہلے دو گانہ پڑھ لیتا ہوں اور جہاز روانہ ہونے کے بعد تلبیہ پڑھتا ہوں۔ اور دو گانہ احرام شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نیت ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے اس کو ایک ایسے عمل کے ذریعہ جو اللہ کے لئے خاص ہے اور جو اللہ کی عبادت کے اہتمام پر دلالت کرنے والا ہے: متعین و منضبط کیا گیا ہے تاکہ نفس کے لئے یہ

بات خوب واضح ہو جائے کہ وہ ایک اہم عمل شروع کر رہا ہے۔

[۹] باب ماجاء متی أحرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

[۸۱۰] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، نَا عَبْدَ السَّلَامِ بْنِ خُوْبٍ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَ فِي ذُبْرِ الصَّلَاةِ. قَالَ أَبُو عَمَسٍ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُ أَحَدًا زَوَّاهُ غَيْرَ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ خُوْبٍ، وَهُوَ الَّذِي يَسْتَجِبُهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ يُحْرِمَ الرَّجُلُ فِي ذُبْرِ الصَّلَاةِ.

وضاحت: اس حدیث کی عبد السلام بن حرب سے اوپر ایک ہی سند ہے اور اس کا استاذ خصیف بن عبد الرحمن الجزری صدوق سنی المخطوط اور مرجعہ تھا (تقریب)

باب ماجاء فی إفراد الحج

حج افراد کا بیان

پہلے یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ حج کے تین طریقے ہیں: افراد: یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھ کر مکہ جانا اور حج کرنا، تمتع: یعنی میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ جانا اور افعال عمرہ کر کے احرام کھول دینا، پھر مکہ ہی میں رکے رہنا اور آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے حج کا احرام باندھنا اور حج کرنا۔ اور قرآن: یعنی حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھنا اور عمرہ ادا کر کے احرام کی حالت میں مکہ میں رکے رہنا اور حج کے دنوں میں حج کرنا۔

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے مگر روایات میں اختلاف ہے، سترہ صحابہ سے عمدہ سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے قرآن کیا تھا اور پانچ صحابہ سے تمتع کرنا مروی ہے اور چار صحابہ سے افراد کرنا مروی ہے، اور سب روایتیں ٹھیک ہیں (معارف السنن ۲: ۲۷۶)

اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ذوالحلیہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا اس لئے کہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آ رہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور شریعت کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے آپ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا^(۱) افراد کی روایات کا محمل یہی ہے یعنی ان روایت نے

(۱) جاننا چاہئے کہ حج حضرت امیر اہم علیہ السلام کے طریقہ پر کیا جاتا تھا مگر اس میں فساد در آیا تھا اور جب تک وحی کے ذریعہ اس کی اصلاح نہ ہوئی طریقہ پر حج کرنا تھا اور چونکہ پہلے سے یہ تصور چلا آ رہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ ہے اور نیا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے ذوالحلیہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، یہاں طلبہ ایک غلطی ←

آپؐ کی ابتدائی حالت کا تذکرہ کیا ہے۔۔۔ پھر مکہ پہنچنے ہی یا حکم یہ آیا کہ لوگ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں یعنی نیت بدل دیں اور افعال عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ جب آپؐ نے لوگوں کو یہ حکم سنایا اور جن کے پاس ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ آٹھ ذوالحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھیں تو لوگوں پر یہ حکم شاق گذرا کیونکہ حج میں کنتی کے چند دن باقی رہ گئے تھے، نبی ﷺ چار ذوالحجہ کو مکہ پہنچے تھے اور احرام کھولنے کا مطلب تھا بیویوں سے فائدہ اٹھانا اور پہلے سے جو تصور چلا آ رہا تھا وہ ذہنوں پر مسلط تھا۔ اس لئے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس حال میں حج کریں گے کہ ہماری شرمگاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی! نبی ﷺ نے تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو کہ میں تم میں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، تم سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والا اور تم سے زیادہ خیر کا طالب ہوں، اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی عمرہ کر کے احرام کھول دیتا (مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۲۵۵۹) اس تقریر کے بعد صحابہ کے ذہنوں سے بوجھ ہٹ گیا اور جو لوگ ہدی ساتھ نہیں لائے تھے انھوں نے ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا۔ اور آپؐ کے لئے مجبوری یہ تھی کہ آپؐ قربانیاں ساتھ لائے تھے جب تک وہ ذبح نہ ہوں آپؐ احرام نہیں کھول سکتے تھے اس لئے آپؐ نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت کر لی۔ اب آپؐ قارن ہو گئے، قرآن کی روایات اس آخری حالت کے اعتبار سے ہیں۔۔۔ اور تمتع سے لغوی معنی: فائدہ اٹھانا مراد ہیں۔ چونکہ آپؐ نے بھی ایک سفر میں حج و عمرہ بصورت قرآن ادا فرمایا تھا اس لئے روایت نے اس کو تمتع سے تعبیر کر دیا۔

نفاہب فقہاء: تمام ائمہ کے نزدیک تینوں طریقوں پر حج کرنا جائز ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن افضل ہے، پھر تمتع، پھر افراد۔ اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے یعنی سب سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع، پھر قرآن۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ تمتع ہے جس میں ہدی ساتھ نہ لایا ہو، پھر افراد، پھر قرآن۔ اور وہ تمتع جس میں ہدی ساتھ لایا ہو وہ مکرم قرآن ہے، کیونکہ قرآن کی طرح اس تمتع میں بھی احرام نہیں کھلتا۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ دو اماموں نے حضور ﷺ کی ابتدائی حالت کا اعتبار کیا، آپؐ نے ذوالحجہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، اور انھوں نے تمتع کو دوسرے نمبر پر رکھا کہ وہ افراد کے مشابہ ہے اس میں عمرہ الگ ادا کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے تصور میں مطلقاً اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ تھا، یہ بات صحیح نہیں بلکہ ان کا گمان یہ تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا گناہ ہے، لیکن اگر کسی کو حج نہیں کرنا تو وہ اشہر حج میں عمرہ کر سکتا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے چاروں عمرے اشہر حج یعنی ذوالقعدہ میں کئے ہیں۔ اور اشہر حج ڈھائی مہینے ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ، اور نوتا حیرہ ذوالحجہ پانچ دن ایام حج ہیں۔ اور اشہر حج کا مطلب یہ ہے کہ شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا ممنوع ہے، شوال کا چاند نظر آنے کے بعد کسی بھی وقت حج کا احرام باندھ سکتے ہیں ۱۲

کیا جاتا ہے اور حج الگ، اور امام اعظمؒ نے آخری حالت کا اعتبار کیا، کیونکہ قاعدہ ہے: **الجهنم بالخوائیم** اور ان کے نزدیک تہج دوسرے نمبر پر اس وجہ سے ہے کہ وہ قرآن کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں میں ایک سفر میں حج اور عمرہ مکے جاتے ہیں، اور امام احمدؒ کا نظریہ یہ ہے کہ نہ ابتدائی حالت کی رعایت کی جائے نہ آخری حالت کی، بلکہ آپؐ نے جو تمنا اور خواہش کی تھی اس کا لحاظ کیا جائے آپؐ نے تمنا کی تھی: **لو استغفرت من اموی ما استغفرت لم امشي الهدى و لا خلعت** یعنی اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ آگے یہ حکم آئے گا تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا، پس وہ تہج جس میں ہدی ساتھ نہ لایا ہوا افضل ہے، پھر اس کے مشابہ افراد ہے، کیونکہ تہج میں حج ملحدہ کیا جاتا ہے اس کو عمرہ کے ساتھ ملایا نہیں جاتا، پس اس کی افراد کے ساتھ مشابہت قوی ہے، لہذا افراد دوسرے نمبر پر ہے۔

اور ائمہ خلاصہ نے قرآن کو جو افضل نہیں کہا اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ائمہ خلاصہ کے نزدیک قرآن میں حج اور عمرہ کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے، ان کے نزدیک طواف زیارت اور اس کے بعد کی سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہے، اور احتاف کے نزدیک عمرہ کا طواف اور سعی الگ ہیں اور حج کا طواف اور سعی الگ ہیں، چونکہ ائمہ خلاصہ کے نزدیک قرآن میں افعال کم ہو جاتے ہیں اس لئے وہ اس کو افضل نہیں کہہ سکتے، اور اسی وجہ سے وہ قارن اور متتابع پر جو قربانی واجب ہے اس کو دم جبر کہتے ہیں، دم شکر نہیں کہتے، دم شکر میں سے مالدار اور غریب سب کھا سکتے ہیں اور دم جبر کا گوشت صرف غریبوں کے لئے ہے، قربانی کرنے والا اور مالدار اس میں سے نہیں کھا سکتے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ دم: دم جبر ہے، ان کے نزدیک جو افعال اور سفر میں کی ہو گئی ہے اس کی طمانی کے لئے یہ دم ہے، اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک دم شکر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک سفر میں دو کام کرنے کی جو توفیق مرحمت فرمائی اس کے شکر یہ میں یہ قربانی ہے اور دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں سوا دس ذبح کئے تھے اور ہر اونٹ میں سے ایک بوٹی کافی تھی، پھر اس کو پکا کر آپؐ نے شور بہ نوش فرمایا تھا۔ اُن ۱۰۰ اونٹوں میں آپؐ کی حج کی قربانی بھی تھی، آپؐ نے اس کو ملحدہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، پس معلوم ہوا کہ متتابع اور قارن کی قربانی دم شکر ہے دم جبر نہیں۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک جو حج افراد افضل ہے تو وہ حج افراد افضل ہے جس کے بعد حاجی وطن واپس لوٹنے سے پہلے مکہ (حل) سے ایک عمرہ بھی کرے، اگر وہ صرف حج کر کے لوٹے گا تو وہ افراد افضل نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ حج و عمرہ جو دو الگ الگ سفر میں کئے گئے ہوں — خواہ پہلے حج کیا ہو یا عمرہ — وہ سب سے افضل ہے حج قرآن سے بھی وہ افضل ہے۔

[۱۰] باب ما جاء في أفراد الحج

[۸۶۱-] حدثنا أبو مضعب قِراءَة عن مَالِك بن أَنَسٍ، عن عبد الرحمن بن القَاسِمِ، عن أبيهِ، عن

عائشة: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ.

وفى الباب: عن جابر، وابن عمر، قال أبو عيسى: حديث عائشة حديث حسن صحيح وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[۸۱۲]- وَرَوَى عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ، وَأَفْرَدَ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُفْمَانُ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ الصَّائِلُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ بِهِذَا.

قال أبو عيسى: وقال الثوري: إِنْ أَفْرَدْتَ الْحَجَّ فَحَسَنٌ، وَإِنْ قَرَنْتَ فَحَسَنٌ، وَإِنْ تَمَتَّعْتَ فَحَسَنٌ، وقال الشافعي: مِثْلُهُ، وقال: أَحَبُّ إِلَيْنَا الْإِفْرَادُ، ثُمَّ التَّمَتُّعُ، ثُمَّ الْقِرَانُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج افراد کیا (یہ بات ابتدائی حالت کے اعتبار سے فرمائی ہے)۔ اس پر بعض علماء کا عمل ہے اور ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے افراد کیا اور ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی افراد کیا، اس کے بعد ابن عمر کی حدیث کی سند ہے۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں: اگر آپ حج افراد کریں تو ٹھیک ہے اور حج قرآن کریں تو بھی ٹھیک ہے اور حج تمتع کریں تو بھی ٹھیک ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے، اور فرمایا: مجھے زیادہ پسند افراد ہے پھر تمتع پھر قرآن۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حج اور عمرہ کو ایک ساتھ کرنے کا یعنی قرآن کا بیان

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: لَيْسَ بِكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ۔ تشریح: حج اور عمرہ کا تلبیہ ایک ہے اور تلبیہ میں حج یا عمرہ کا ذکر ضروری نہیں، نیت کرنا کافی ہے اور آپ نے اپنے تلبیہ میں حج و عمرہ دونوں کا ذکر اس لئے کیا تا کہ صحابہ کو صورت حال کا پتا چل جائے کہ آپ نے حج قرآن کیا ہے۔

[۱۱] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

[۸۱۳]- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَيْسَ بِكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ"

وفى الباب: عن عمر، وعمران بن حصين، قال أبو عيسى: حديث أنس حديث حسن صحيح، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا، وَاخْتَارَهُ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ.

باب ماجاء فی التمتع

جمع تمتع کا بیان

حدیث (۱): محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں: انہوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) اور ضحاک بن قیس (یہ تابعی ہیں اور اسلامی تاریخ کی اہم شخصیت ہیں جنگوں میں ان کے بڑے کارنامے ہیں) دونوں کو سنا اور انہیں کہ وہ حج کے ساتھ عمرہ سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں گفتگو کر رہے تھے (یعنی دونوں کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کر سکتے ہیں یا نہیں؟) ضحاک نے کہا: یہ کام وہی کرتا ہے جو اللہ کے دین سے ناواقف ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: بھتیجے! آپ نے نہایت بری بات کہی، ضحاک نے کہا: حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس کو کیا ہے اور آپؐ کے ساتھ ہم نے بھی اس کو کیا ہے (آپؐ نے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں کئے ہیں اور آپؐ کے ساتھ صحابہؓ نے بھی کئے ہیں) پس آپؐ کا کیا خیال ہے: حضور ﷺ بھی اللہ کا دین نہیں جانتے تھے اور ہم بھی اللہ کے دین سے ناواقف تھے! ضحاک لا جواب ہو گئے، مگر حضرت عمرؓ نے منع کیوں کیا تھا یہ بات حضرت سعدؓ نے نہیں کھولی، کیونکہ وہ ایک راز تھا اس کو کھول دیا جاتا تو مصلحت فوت ہو جاتی۔

حدیث (۲): حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنے سے منع کیا، مگر ان کی مخالفت ہوئی، ایک شخص شام سے ابن عمرؓ کے پاس آیا اس کا خیال تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے منع کرتے تھے اس لئے ابن عمرؓ بھی یہی بات کہیں گے اور اس کو حضرت معاویہؓ کے قول کی دلیل مل جائے گی کہ ابن عمرؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے لیکن ابن عمرؓ نے اس کی خواہش کے مطابق جواب نہیں دیا۔ سالم بن عبد اللہ کہتے ہیں: شام کے ایک آدمی نے ابن عمرؓ سے حج کے ساتھ عمرہ سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں پوچھا۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا: جائز ہے، شامی نے کہا: آپ کے ابا منع کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بتا! اگر میرے ابا منع کریں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو کیا ہو تو تو میرے ابا کی پیروی کرے گا یا رسول اللہ ﷺ کی؟ شامی نے کہا: نبی ﷺ کی پیروی کی جائے گی، ابن عمرؓ نے فرمایا: پس سن! اس کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی یہ بات نہیں کھولی کہ حضرت عمرؓ نے کیوں منع کیا تھا۔

حدیث (۳): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی تمتع کیا اور وہ پہلا شخص جس نے تمتع سے تمتع کیا حضرت معاویہؓ ہیں۔

تشریح:

۱۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کے ساتھ عمرہ کرنے سے تمتع کیا تھا تو کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی تھی اور

جب یہی بات امیر معاویہؓ نے کہی تو لوگوں نے ان کی مخالفت کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس سے مصلحت منع کیا تھا اور حضرت معاویہؓ نے مسئلہ کے طور پر منع کیا تھا، اور ظاہر ہے جو کام نبی ﷺ نے کیا ہو وہ ممنوع کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں یہ حکم نافذ کیا تھا کہ کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ نہ کرے، عمرہ کے لئے مستقل سفر کرے اور اس میں جو مصلحت تھی وہ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو بتادی تھی، عوام کو نہیں بتائی تھی، ورنہ ممانعت بے فائدہ ہو جاتی، اور وہ مصلحت یہ تھی کہ حج کے علاوہ دنوں میں بیت اللہ غیر آباد رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اللہ کا گھر پورے سال آباد ہو جائے، پورے سال وہاں لوگوں کا تائبہ ہمارا ہے اور ہر وقت طواف جاری رہے اس لئے حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا تھا، چنانچہ کعبہ شریف سال بھر آباد ہو گیا، دن بہ دن عمرہ کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ روزانہ دس ہزار آدمی عمرہ کرنے آتے ہیں اور اتنے ہی عمرہ کر کے واپس جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ حکم نافذ کیا تو اندیشہ تھا کہ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوں گی، اہتمام سے اگر کوئی حکم جاری ہو اور وہ طلبہ کے لئے ہماری ہو تو چہ میگوئیاں ہوتی ہیں مگر اس صورت میں طلبہ براہ راست مہتمم صاحب کے پاس نہیں جاتے اساتذہ سے رجوع کرتے ہیں، پس اگر مہتمم صاحب نے پہلے سے اساتذہ کو مصلحت بتا رکھی ہے تو اساتذہ طلبہ کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو مصلحت بتادی تھی، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو مطمئن کر دیا اور لوگ حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کرنے لگے اور کعبہ شریف آباد ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد رفتہ رفتہ دو بات ختم ہو گئی اور لوگ حج کے ساتھ بھی عمرہ کرنے لگے، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہی بات مسئلہ کے طور پر کہی تو لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا، کیونکہ جب حضور ﷺ نے اور خلفائے ثلاثہ نے حج اور عمرہ ایک ساتھ کئے ہیں تو وہ ناجائز کیسے ہو سکتا ہے!

[۱۲] باب ماجاء فی التمتع

[۸۱۴] - حدثنا فضیلة بن سعید، عن مالک بن انس، عن ابن شہاب، عن محمد بن عبد اللہ بن الحارث بن نوفل: انہ سمع سعید بن أبی وقاص، والضحاك بن قیس: وهما یذکران التمتع بالعمرة إلى الحج، فقال الضحاك بن قیس: لا یصنع ذلک إلا من جهل أمر اللہ تعالیٰ، فقال سعید: بنس ما قلت یا ابن أبی! فقال الضحاك: فإن عمر بن الخطاب قد نهی عن ذلک، فقال سعید: قد صنعها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصنعناها معہ، وهذا حدیث صحیح.

[۸۱۵] - حدثنا عبد بن حمید، أنبأنا یحییٰ بن عقیل بن إبراهيم بن سعید، نا أبی، عن صالح بن کيسان، عن ابن شہاب، أن سألہ بن عبد اللہ حدیثہ انہ سمع رجلاً من أهل الشام، وهو یسأل عبد

اللہ بن عمر عن التمتع بالعمرة إلى الحج، فقال عبد الله بن عمر: هي حلال، فقال الشافعي: إن أباك قد نهى عنها، فقال عبد الله بن عمر: أرايت إن كان أبي نهى عنها وصنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال الرجل: بل أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لقد صنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم، هذا حديث حسن صحيح. [۸۱۶-] حدثنا أبو موسى محمد بن المثنى، نا عبد الله بن إفرانس، عن ليث، عن طاووس، عن ابن عباس، قال: تمتع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر وعثمان، وأول من نهى عنه معاوية.

وفي الباب: عن علي، وعثمان، وجابر، وسعيد، وأسماء ابنة أبي بكر، وابن عمر. قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن، واختار قوم من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم التمتع بالعمرة. والتمتع: أن يدخل الرجل بعمرة في أشهر الحج، ثم يؤم حتى يحج، فهو متمتع، وعليه دم ما استيسر من الهدي، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج وسبعة إذا رجع إلى أهله. ويستحب للمتمتع إذا صام ثلاثة أيام في الحج أن يصوم في العشر، ويكون آخرها يوم عرفة، فإن لم يصم في العشر: صام أيام التشريق، في قول بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، منهم ابن عمر، وعائشة، وبه يقول مالك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق. وقال بعضهم: لا يصوم أيام التشريق، وهو قول أهل الكوفة. قال أبو عيسى: وأهل الحديث يختارون التمتع بالعمرة في الحج، وهو قول الشافعي، وأحمد وإسحاق.

ترجمہ اور وضاحت: صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض حضرات نے عمرہ کے ساتھ فائدہ اٹھانے کو پسند کیا ہے اور تمتع یہ ہے کہ آدمی اشہر حج میں عمرہ کرے پھر مکہ میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے تو وہ تمتع کرنے والا ہے (یعنی تمتع میں شوال کا چاند نظر آنے کے بعد عمرہ کرنا ضروری ہے، اگر کوئی رمضان میں عمرہ کر لے پھر مکہ میں ٹھہرا رہے اور حج کرے تو وہ تمتع نہیں، اسی طرح جو شخص اشہر حج میں عمرہ کر کے وطن واپس آ جائے پھر اسی سال حج کرے تو وہ بھی تمتع نہیں۔ تمتع میں اشہر حج میں عمرہ کر کے حج تک مکہ میں ٹھہرنا ضروری ہے، البتہ مدینہ جانا جائز ہے، پھر جب مدینہ سے لوٹے تو خواہ عمرہ کا احرام باندھ کر لوٹے یا حج کا بہر صورت تمتع ہوگا) اور تمتع پر وہ قربانی ہے جو اسے باسانی میسر آئے (کم از کم ایک بکری ذبح کرنا ضروری ہے اس سے چھوٹے جانور کی قربانی درست نہیں، ہاں

بڑا جانور پورا کرے تو سبحان اللہ اور جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ حج سے پہلے تین روزے رکھے اور سات روزے گھر لوٹنے کے بعد رکھے، اور متمتع کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب وہ حج کے ایام میں تین روزے رکھے تو عشرۃ ذی الحجہ میں روزے رکھے اور ان میں سے آخری روزہ عرفہ کے دن ہو (اگر متمتع کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو، نہ جانور خریدنے کے لئے پیسے ہوں تو اس کو دس روزے رکھنے ہونگے، تین حج سے پہلے اور سات گھر واپس لوٹ کر اور جو تین روزے حج سے پہلے رکھنے ہیں وہ اشہر حج میں رکھنے ہیں، مگر مستحب یہ ہے کہ سات تا نو ذی الحجہ کے روزے رکھے) پس اگر وہ عشرۃ ذی الحجہ میں روزے نہ رکھ سکے تو بعض صحابہ کے قول میں ایام تشریق میں بھی روزے رکھ سکتا ہے، ان میں سے ابن عمر اور حضرت عائشہ ہیں، اور مالک، شافعی، احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں، اور بعض کہتے ہیں: ایام تشریق میں روزے نہیں رکھے گا اور یہ کو فہ والوں کا قول ہے (یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کہ اگر کسی نے یوم عرفہ تک وہ روزے نہیں رکھے، خواہ تینوں نہیں رکھے یا ایک دو روزے نہیں رکھے تو امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ اس کے لئے ایام تشریق میں روزے رکھنا جائز نہیں، اب اسے بہر حال قربانی کرنی ہوگی۔ اور امام مالک اور امام احمد کا مذہب اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ وہ ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے) امام ترمذی کہتے ہیں: اور محدثین (حجازی مکتب فکر کے علماء) اشہر حج میں عمرہ کے ذریعہ فائدہ اٹھانے کو پسند کرتے ہیں اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے (یہ اجماعی مسئلہ ہے)

باب ماجاء فی التلبیۃ

تلبیہ کا بیان

احرام تلبیہ سے شروع ہوتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک کوئی بھی ذکر تلبیہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے یعنی حج یا عمرہ کی نیت کرنے کے بعد کوئی بھی اللہ کا ذکر کیا جائے مثلاً الحمد للہ کہا یا سبحان اللہ کہا تو احرام شروع ہو گیا، یہ ذکر تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا یعنی گویا اس نے تلبیہ پڑھ لیا۔

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا تلبیہ یہ تھا: ”میں بار بار حاضر ہوں خداوند اتیرے حضور میں، بار بار حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں آپ کے حضور میں بار بار حاضر ہوں، تمام حمد و ثنا آپ ہی کے لئے سزاوار ہے، اور ساری نعمتیں آپ ہی کے لئے ہیں اور فرماں روائی بھی آپ ہی کے لئے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں“

تشریح: آنحضرت ﷺ حج اور عمرہ میں یہی تلبیہ پڑھتے تھے اس تلبیہ میں چار جگہ وقف مستحب ہے، عبارت میں علامت وقف کے ذریعہ اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے، اور تلبیہ میں یہ الفاظ اس لئے پسند کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے مولیٰ کی بندگی پر برقرار رہنے کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کو یہ بات بھی یاد دلاتے ہیں کہ اب وہ بندگی کے لئے کمر

ہستہ ہے، پس اس کو عبادت کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہئے، اور تلبیہ میں دوسرے لاشریک لک شامل کیا گیا ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اپنے بتوں کی تعظیم کرتے تھے اور تلبیہ میں ان کا بھی تذکرہ کرتے تھے، وہ کہتے تھے: لاشریک لک إلا شریکنا ہو لک فعلیکہ وعا فلک یعنی آپ کا کوئی شریک نہیں، مگر وہ شریک جو آپ کا ہے جس کے آپ مالک ہیں اور وہ مالک نہیں، چنانچہ مشرکین کی تردید کے لئے اور مسلمانوں کے تلبیہ کو مشرکوں کے تلبیہ سے جدا کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ میں یہ جملہ بڑھایا ہے۔

حدیث (۲): ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھنا شروع کیا، وہ کہہ رہے تھے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ - اِلٰی - لاشریک لک، نافع کہتے ہیں: ابن عمرؓ مارتے تھے: یہ نبی ﷺ کا تلبیہ ہے، اور ابن عمرؓ اپنی طرف سے نبی ﷺ کے تلبیہ کے بعد بڑھاتے تھے: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِیْ يَدَيْكَ، لَبَّيْكَ وَالرُّغْبَىٰ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ (الرُّغْبَىٰ اور الرُّغْبَةُ دونوں مترادف لفظ ہیں ترجمہ: میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ کی عبادت کو نیک ختمی تصور کرتا ہوں، اور بھلائی آپ کے اختیار میں ہے، میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور پوری رغبت آپ کی طرف ہے اور عمل بھی آپ کے لئے ہے)

تشریح: حضور ﷺ کا جو تلبیہ تھا اس کو پڑھنا بہتر ہے اور اگر کوئی ابن عمرؓ نے جو جملے بڑھائے ہیں وہ یا اپنی طرف سے کوئی اور جملہ بڑھائے جس میں اللہ کی تعظیم ہو تو جائز ہے۔

[۱۳] باب ما جاء في التلبیة

[۸۱۷] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ تَلْبِيَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشْرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنُّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَاشْرِيكَ لَكَ.

[۸۱۸] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ أَهْلٌ فَأَنْطَلَقَ يَهْلُ، يَقُولُ: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشْرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنُّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَاشْرِيكَ لَكَ، قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَقُولُ: هَذِهِ تَلْبِيَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ يَزِيدُ مِنْ عِنْدِهِ فِي إِبْرَ تَلْبِيَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِیْ يَدَيْكَ، لَبَّيْكَ وَالرُّغْبَىٰ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

قال أبو عيسى: وفي الباب: عن ابن مسعود، وجابر، وعائشة، وابن عباس، وأبي هريرة، قال أبو عيسى: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح.

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ شُفَّيَّانَ الْقَوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَاحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: فَإِنْ زَادَ زَائِدٌ فِي التَّلْبِيَةِ شَيْئًا مِنْ تَعْظِيمِ اللَّهِ فَلَا بَأْسَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَنْقُصَ عَلَى تَلْبِيَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَإِنَّمَا قُلْنَا: لَا بَأْسَ بِزِيَادَةِ تَعْظِيمِ اللَّهِ فِيهَا: لِمَا جَاءَ عَنِ ابْنِ عُمرَ، وَهُوَ حَفِظَ التَّلْبِيَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ زَادَ ابْنُ عُمرَ فِي تَلْبِيَتِهِ مِنْ قَبْلِهِ: "لَيْلِكَ وَالرُّغْبَى إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ"

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر کوئی تلبیہ میں کچھ بڑھائے جو اللہ کی تعظیم کے قبیل سے ہو تو ان شاء اللہ کچھ مضائقہ نہیں۔ اور مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تلبیہ پر اکتفا کرے، امام شافعی فرماتے ہیں: اور ہم نے تلبیہ میں اللہ کی تعظیم کے قبیل سے الفاظ بڑھانے کی اجازت اس لئے دی کہ ابن عمرؓ آپ کے تلبیہ کے بعد اضافہ کرتے تھے درحالیکہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا تلبیہ یاد تھا، پھر ابن عمرؓ نے آپ کے تلبیہ میں اپنی جانب سے یہ اضافہ کیا ہے: لیلک والرغبی الیہ والعمل۔

لغت: لیلک میں لئی: مصدر منصوب ہے (لَبَّ کے معنی ہیں: القامۃ، وحضور، ولزوم) اس کو تاکید کے لئے شنیہ بنا کر کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف کیا ہے یعنی اے اللہ! میں آپ کے سامنے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں بار بار حاضر ہوں۔

باب ماجاء فی فضل التَّلْبِيَةِ والتَّخْرِ

تلبیہ اور قربانی کی فضیلت

احرام کی حالت میں زیادہ سے زیادہ تلبیہ پڑھنا چاہئے، محرم کے اعمال میں اللہ کو سب سے زیادہ پسند تلبیہ اور قربانی ہیں، چونکہ اس حدیث میں قربانی کا بھی ذکر ہے اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں کو ساتھ بیان کر دیا ورنہ قربانی کا ذکر آگے آئے گا۔

حدیث (۱): نبی ﷺ سے پوچھا گیا: کونسا حج بہتر ہے؟ اس سوال کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ افراد جمع اور قرآن میں سے کونسا حج زیادہ فضیلت والا ہے، مگر یہاں یہ مطلب نہیں، بلکہ پوچھنا یہ ہے کہ اعمال حج میں کونسا عمل سب سے بہتر ہے (اور قرینہ جواب ہے) آپؐ نے فرمایا: "جہراً تلبیہ پڑھنا اور خون بہانا"

تشریح: القحج کے معنی ہیں: کوئی بھی بات باواز بلند بولنا، شور مچانا، چیخا چلانا، عَجَّ الی اللہ بالندعاء: اللہ سے باواز بلند دعا کی۔ یہاں زور سے تلبیہ پڑھنا مراد ہے، آئندہ باب میں حدیث آرہی ہے کہ حجۃ الوداع میں صحابہ سر

تلبیہ پڑھ رہے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ سے کہا: آپ صحابہ کو حکم دیں کہ وہ تلبیہ زور سے پڑھیں، مگر زور سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کان پڑی سنائی نہ دے بلکہ ہلکا جہر مراد ہے، ایک سفر میں صحابہ بہت بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے، نبی ﷺ نے فرمایا: یا ایہا الناس اوبعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غاباً انکم تدعون سمیعاً بصیراً: لوگو! اپنے اوپر رحم کرو تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے، تم اس کو پکار رہے ہو جو سچ و بصیر ہے (مشکوٰۃ حدیث ۲۳۰۳) غرض تلبیہ کا آواز بلند پڑھنا چاہئے مگر ہلکا جہر کرنا چاہئے۔

اور الفیج: کے معنی ہیں: بہنا، بہانا فیج الماء/ الماء: پانی کا بہنا/ بہانا۔ حج میں یہ دو عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، پس متمتع اور قارن تو قربانی کرتے ہی ہیں، مفرد کو بھی قربانی کرنی چاہئے، اگرچہ اس پر قربانی ضروری نہیں۔
 ملحوظہ: اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے، محمد بن المنکدر کا عبد الرحمن بن یزید سے سماع نہیں، وہ ایک دوسری حدیث عبد الرحمن سے ان کے بڑے سعید کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، اور ابو یوسف ضرار بن ضرار اس حدیث کی سند میں ابن المنکدر اور ابن یزید کے درمیان جو سعید کا واسطہ بڑھاتے ہیں وہ صحیح نہیں، چنانچہ امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ نے اس سند کو رد کر دیا ہے۔ تفصیل عبارت کے بعد آئے گی۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بھی مسلمان (میں زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے) تلبیہ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ وہ چیزیں تلبیہ پڑھتی ہیں جو اس کے دائیں بائیں ہیں، یعنی پتھر یا درخت یا ڈھیلے، یہاں تک کہ یہاں سے اور یہاں سے زمین کی آخری حد آ جاتی ہے (اور آپؐ نے دائیں بائیں اشارہ کیا)
 تشریح: اس حدیث میں تلبیہ کی فضیلت کا بیان ہے۔ تلبیہ ہر مخلوق کو اتنا پسند ہے کہ وہ تلبیہ پڑھنے والے کی موافقت کرتی ہے، جیسے داد علیہ السلام کی ذکر میں پہاڑ اور پرندے ہموائی کرتے تھے (سورہ سبا آیت ۱۰) یہاں یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ جب زمین گول ہے تو وہ کہیں ختم نہ ہوگی، پس آپؐ کے قول: ”تا آنکہ زمین ختم ہو جاتی ہے“ کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دائیں بائیں اشارہ کیا ہے پس جہاں دونوں اشارے ملیں گے وہاں زمین منقطع ہو جائے گی۔

ملحوظہ: اس حدیث میں اسماعیل بن عیاش ہیں اور پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگر اسماعیل کا استاذ شامی ہو تو روایت معتبر ہے اور اگر استاذ حجازی یا عراقی ہو تو روایت غیر معتبر ہے، یہاں استاذ عمارۃ مدنی حجازی ہے، پس یہ روایت ٹھیک نہیں، مگر اس کا متابع موجود ہے۔ عبیدہ بن حمید بھی یہ حدیث عمارۃ سے روایت کرتے ہیں، پس ضعف رفع ہو گیا۔

[۱۴] باب ماجاء فی فضل التلبیۃ والنحر

[۸۱۹-] حدثنا محمد بن زافع، نا ابن ابی قُدیلک ح: وحدنا إسحاق بن منصور، نا ابن ابی قُدیلک، عن الضحاك بن عُفَمان، عن مُحمَّد بن المُنْکَدِر، عن عبد الرحمن بن یزید، عن ابی یحْیٰ

الصَّنْبِي: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "الْعَجُّ وَالْفَجُّ"

[۸۲۰-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ

سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَلْتَمِسُ إِلَّا لَيْسَ مِنْ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ:

مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَلَمَرٍ، حَتَّى يَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هَهُنَا وَهَهُنَا"

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّعْفَرَانِيُّ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسْوَدِ أَبُو عَمْرٍو الْبَصْرِيُّ، قَالَا: نا عُبَيْدَةُ

بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَحْوَ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ.

وفى الباب: عن ابن عمر، وجابر.

قال أبو عيسى: حديث أبي بكر حديث غريب، لا تعرفه إلا من حديث ابن أبي فليلك، عن الضحاك

بن عثمان، ومحمد بن المنكدر لم يسمع من عبد الرحمن بن يربوع، وقد روى محمد بن المنكدر

عن سعيد بن عبد الرحمن بن يربوع، عن أبيه عن هذا الحديث، ورؤى أبو نعيم الطحاوي خزاز بن مرد

هذا الحديث عن ابن أبي فليلك، عن الضحاك بن عثمان، عن محمد بن المنكدر، عن سعيد بن عبد

الرحمن بن يربوع، عن أبيه، عن أبي بكر، عن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وأخطأ فيه خزاز.

قال أبو عيسى: سمعت أحمد بن الحسن يقول: قال أحمد بن حنبل: من قال في هذا الحديث

عن محمد بن المنكدر، عن ابن عبد الرحمن بن يربوع، عن أبيه، فقد أخطأ، قال: وسمعت

محمدًا يقول: وذكرته له حديث خزاز بن مرد، عن ابن أبي فليلك، فقال: هو خطأ، فقلت: قد

روى غيره عن ابن أبي فليلك أيضًا مثل روايته، فقال: لأشئ، إنما رواه عن ابن أبي فليلك، ولم

يذكروا فيه عن سعيد بن عبد الرحمن، ورايته يضعف خزاز بن مرد.

والعج: هو رفع الصوت بالقلبية، والشج: هو نحو البدن.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے مگر ابن ابی
فدیک عن الضحاک بن عثمان کی سند سے (یعنی ابن ابی فدیہ سے اوپر یہی ایک سند ہے) اور محمد بن المنکدر کا عبد الرحمن
سے سماع نہیں، محمد بن المنکدر نے اس کے علاوہ ایک حدیث سعید بن عبد الرحمن سے، انھوں نے اپنے والد سے
روایت کی ہے (یعنی ابن المنکدر نے ایک اور حدیث سعید بن عبد الرحمن کے واسطے سے روایت کی ہے، یہ دلیل ہے کہ
ان کا عبد الرحمن سے سماع نہیں) اور ابوفصیم طحان خزاز بن مرد نے (یہ ضعیف راوی ہے) اس حدیث کو ابن ابی فدیہ
سے، انھوں نے ضحاک بن عثمان سے، انھوں نے محمد بن المنکدر سے، انھوں نے سعید بن عبد الرحمن سے، انھوں نے

اپنے والد عبدالرحمن سے، انھوں نے ابوبکر صدیق سے، انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے (یعنی سند میں سعید کا واسطہ بڑھایا ہے) مگر اس میں ضرار نے غلطی کی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: میں نے احمد بن الحسن سے سنا کہ امام احمد نے فرمایا: جس نے اس حدیث میں عن ایہ بڑھایا ہے (یعنی سعید کا واسطہ بڑھایا ہے) اس نے غلطی کی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا (مقولہ فاصلہ سے آ رہا ہے) اور میں نے ان کے سامنے ضرار بن مرد کی حدیث ذکر کی جو وہ ابن ابی فدیہ سے روایت کرتے ہیں تو امام بخاری نے فرمایا: اس نے غلطی کی ہے (سعید کا واسطہ صحیح نہیں) میں نے کہا: ابونعیم کے علاوہ بھی ابن ابی فدیہ سے ابونعیم کی حدیث کے مانند روایت کرتے ہیں (یعنی بعض دیگر راوی بھی سعید کا واسطہ بڑھاتے ہیں) امام بخاری نے فرمایا: وہ کچھ نہیں (اکثر) روایت جو اس حدیث کو ابن ابی فدیہ سے روایت کرتے ہیں وہ اس میں سعید بن عبدالرحمن کا ذکر نہیں کرتے، اور میں نے امام بخاری کو دیکھا وہ ضرار بن مرد کو ضعیف قرار دیتے تھے (اور ثقہ کی زیادتی تو معتبر ہوتی ہے مگر غیر ثقہ کی زیادتی معتبر نہیں، پس ابونعیم نے جو واسطہ بڑھایا ہے اس کا اعتبار نہیں) اور العج کے معنی ہیں: بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا اور التلح کے معنی ہیں: اونٹ ذبح کرنا (چھوٹا جانور ذبح کیا جائے تو وہ بھی ٹلح ہے مگر چونکہ بڑے جانور میں خون زیادہ نکلتا ہے اس لئے یہ لفظ اس کے لئے خاص ہے)

باب ما جاء في رفع الصوت بالتلبية

تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا بیان

عورتیں تلبیہ سر اُپر دھیں اور سر سے دل میں پڑھنا مرد نہیں، بلکہ حروف کی ادائیگی کے ساتھ اس طرح تلبیہ پڑھیں کہ ان کا پڑھنا ان کے کان سنیں، اور مرد بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں، مگر چلائیں نہیں۔ حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے اصحاب کو حکم دوں کہ وہ تلبیہ کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کریں یعنی زور سے تلبیہ پڑھیں۔ وضاحت: یہ سائب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے بعض روایت اس کی سند زید بن خالد پر پہنچاتے ہیں وہ سند صحیح نہیں، اور باب میں حضرت زید کی حدیث ہے مگر اس کی سند دوسری ہے۔

[۱۵] باب ما جاء في رفع الصوت بالتلبية

[۸۲۱] - حدثنا أحمد بن منيع، نا شفيان بن عيينة، عن عبد الله بن أبي بكر، عن عبد الملك بن أبي بكر بن عبد الرحمن، عن خلاد بن السائب، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أنا نبي جبرئيل فأمرني أن أمر أصحابي أن يرفعوا أصواتهم بالإلهال أو: بالتلبية"

قال أبو عیسیٰ: حدیث خلاد عن أبیہ حدیث حسن صحیح، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ خَلَادِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يَصِحُّ، وَالصَّحِيحُ هُوَ خَلَادُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ، وَهُوَ خَلَادُ بْنُ السَّائِبِ بْنِ خَلَادٍ بْنِ سُوَيْدِ الْأَنْصَارِيِّ.

وفی الباب: عن زید بن خالد، وأبی هريرة، وابن عباس.

باب ماجاء فی الاغتسال عند الإحرام

احرام سے پہلے غسل کرنے کا بیان

احرام باندھنے سے پہلے نہانا سنت ہے اس لئے کہ احرام شعار اللہ میں سے ہے، اس کے ذریعہ توحید کا شہرہ پھیلتا ہے، پس نہا کر احرام باندھنے میں اس کی تعظیم ہے، جیسے قرآن شعار اللہ میں سے ہے پس با وضو قرآن کو ہاتھ لگانے میں اس کی تعظیم ہے اور اگر نہانے کا موقع نہ ہو تو بغیر نہانے بھی احرام باندھنے میں کچھ حرج نہیں، جیسے آج کل ہوائی جہاز سے سفر ہوتا ہے اور ایرپورٹ پر نہانے کا انتظام نہیں ہوتا، پس گھر سے روانہ ہوتے وقت نہالینا کافی ہے۔

حدیث: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپؐ نے (جب احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا تو) سلعے ہوئے کپڑے اتار دیئے اور غسل فرمایا (پھر احرام کی دو چادریں پہن لیں)

[۱۶] باب ماجاء فی الاغتسال عند الإحرام

[۸۲۲-] حدثنا عبد الله بن أبي زياد، نا عبد الله بن يعقوب المذلي، عن ابن أبي الزناد، عن أبيه، عن خارجة بن زيد بن ثابت، عن أبيه: أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِأَهْلَالِهِ وَانْغَسَلَ.

قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن غریب، وَقَدْ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْإِغْتِسَالَ عِنْدَ الْإِحْرَامِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

باب ماجاء فی مَوَاقِيتِ الإحرام لِأَهْلِ الْآفَاقِ

دور سے آنے والے احرام کہاں سے باندھیں؟

پہلے یہ بات بتائی گئی ہے کہ ایک ”حرم“ ہے، اس کے بعد ”حل“ ہے اس کے بعد ”میقات“ ہیں ان سے باہر ساری دنیا ہے، میقات سے باہر کی دنیا کو ”آفاق“ اور اس کے باشندوں کو ”آفاقی“ کہتے ہیں، اور میقات پانچ ہیں، تفصیل کتاب الحج کے شروع میں گذر چکی ہے۔

آفاقی اگر حل میں جائے تو احرام ضروری نہیں اور حرم میں جانے کے لئے احرام شرط ہے اور اگر آفاقی کی نیت حل میں جانے کی تھی، چنانچہ وہ بغیر احرام کے میقات سے بڑھ گیا پھر اس کی نیت بدل گئی اور وہ حرم میں جانا چاہتا تو حرم شروع ہونے سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: اگر حج یا عمرہ کی نیت ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اور اگر کسی اور مقصد سے حرم میں جائے تو احرام باندھنا مستحب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، خواہ کسی مقصد سے حرم میں جائے اگر احرام باندھے بغیر حرم شریف میں پہنچ گیا تو دم واجب ہوگا۔

اور اگر کوئی بغیر احرام کے میقات سے بڑھ گیا تو حرم شروع ہونے سے پہلے واپس لوٹ کر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اور حرم میں داخل ہو گیا تو دم واجب ہے، آج کل کلمہ باری لوگ اور نیکی والے مدینہ اور مکہ کے درمیان اور جدہ اور مکہ کے درمیان آتے جاتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک جدہ میقات سے باہر ہے، اور ہر بار عمرہ کا احرام باندھ کر لوٹنا بڑا دشوار ہے اس لئے سب لوگ امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں اس کے بغیر چارہ نہیں، ائمہ کے اختلاف سے بھی امت کے لئے منجائش نکلتی ہے۔

حدیث: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم احرام کہاں سے باندھیں؟ آپؐ نے فرمایا: مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والے جحفہ سے اور نجد (ریاض کی طرف سے آنے) والے قرن المنازل سے اور یمن والے یلملم سے (اور مشرق یعنی عراق کی طرف سے آنے والے ذات عرق اور عقیق سے احرام باندھیں، یہ دو جگہوں کے نام ہیں اور دونوں قریب قریب ہیں)

تشریح: آنحضور ﷺ کے عہد میں عراق کی طرف سے حج و عمرہ کے لئے آنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ وہاں مسلمان آباد نہیں تھے، اس لئے اہل مشرق کی میقات ذات عرق جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی تھی لوگوں سے مخفی رہی۔ لوگ چار ہی میقاتوں کو جانتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا اور وہاں سے لوگ حج و عمرہ کے لئے آنے لگے تو آپؐ سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ احرام کہاں سے باندھیں؟ آپؐ نے ذات عرق سے ان کو احرام باندھنے کا حکم دیا، کیونکہ نبی ﷺ نے خود اہل مشرق کے لئے یہ میقات متعین فرمائی تھی اور یہ بات حضرت عمرؓ جانتے تھے، بعد میں جن لوگوں کے پاس اس سلسلہ کی حدیثیں تھیں وہ انھوں نے بیان کیں۔

مسائل:

۱- اگر کوئی شخص ایسے راستہ سے مکہ آئے جس راستہ میں یکے بعد دیگرے دو میقات پڑتے ہوں تو پہلی میقات سے احرام باندھنا بہتر ہے اور دوسری میقات سے احرام باندھنا بھی جائز ہے۔

۲- اگر کوئی ایسے راستے سے مکہ آئے جس میں کوئی میقات نہیں تو دو میقاتوں کی محاذات کا اعتبار ہوگا، دائیں بائیں جو دو میقات ہیں ان کے درمیان خط کھینچا جائے جب آدمی اس خط پر پہنچے تو وہاں سے احرام باندھے، یہی راستے ہے، پہلے مسئلہ یہ تھا کہ جب آدمی کے دائیں بائیں کندھے پر کوئی میقات آجائے تو محاذات متحقق ہوگئی، وہیں سے احرام باندھے، چنانچہ پہلے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے لوگ پانی کے جہاز سے سفر کرتے تھے جب وہ یلملم کی محاذات سے گزرتے تھے تو احرام باندھ لیتے تھے، یلملم ان کے دائیں کندھے پر آتا تھا اس کے دو دن کے بعد جہاز جدہ پہنچتا تھا مگر اب مولانا شیر محمد صاحب سندھی نے محاذات کا مطلب وہ لکھا ہے جو پہلے گذرا، پس جدہ میقات سے باہر ہو گیا، کیونکہ اس کی ایک طرف یلملم ہے اور دوسری طرف جُحْفَةُ ہے، ان کے درمیان خط کھینچا جائے تو وہ نحرہ سے گذرتا ہے، جو جدہ سے قریباً سات آٹھ کلومیٹر کے بعد ہے، پس اس تحقیق کے مطابق جدہ سے احرام باندھ سکتے ہیں، اور مولانا سندھی کی یہ بات یوں قوی ہے کہ حدود حرم پر جو چار نشانات (پتھر) لگائے گئے ہیں ان کے درمیان بھی خط کھینچا جاتا ہے، پس یہاں بھی خط کھینچا جائے گا اور وہی محاذات ہوگی۔ مگر میں پرانی رائے پر عمل کرتا ہوں، ہوائی جہاز میں ایک وقت گزرنے کے بعد تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کر دیتا ہوں، لیکن اگر کوئی جدہ سے احرام باندھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۳- کاروباری لوگوں کے لئے اور ٹیکسی والوں کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے مگر عام لوگوں کے لئے جن کے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں جب مدینہ یا جدہ جائیں تو احرام باندھ کر لوٹیں۔

[۱۷] باب ماجاء فی مواقیت الإحرام لأهل الآفاق

[۸۲۳-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: مِنْ أَيْنَ نَهْلُ رَسُولِ اللَّهِ؟ فَقَالَ: "نَهْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَأَهْلِ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَأَهْلُ تَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ" قَالَ: "وَأَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلْمَلَمَ"

وفی الباب: عن ابن عباس، وبتأیید بن عبد الله، وعبد الله بن عمرو، قال أبو عیسی: حدیث ابن عمر حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند أهل العلم.

[۸۲۴-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَتْ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقِ.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اہل مشرق (عراق والوں) کے لئے عقیق (ذات عرق) متعین فرمایا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَا لَا يَجُوزُ لِلْمَحْرَمِ لِبَسُهُ

محرم کے لئے کون سے کپڑے پہننے جائز نہیں

ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: ہم احرام میں کیا کپڑے پہن سکتے ہیں؟ سائل نے ثبٹ پہلو سے سوال کیا تھا، مگر آپ نے منفی پہلو سے جواب دیا کہ یہ یہ کپڑے نہیں پہن سکتے، اور آپ نے جواب کا طریقہ اس لئے بدلا کہ جو کپڑے احرام میں پہن سکتے ہیں وہ بے شمار ہیں اور جو ممنوع ہیں وہ محدود ہیں اس لئے ان کو بیان فرمایا۔ وہ کپڑے جو محرم کے لئے ممنوع ہیں:

۱۲- کرتا اور پانچاماہ: محرم ان کو نہیں پہن سکتا اور یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، وہ احرام کی حالت میں قمیص اور شلوار پہن سکتی ہیں، اور علماء نے تنقیح مناط کر کے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ”جو کپڑا بدن کی وضع (ساخت) پر سیا گیا ہو یا بنا گیا ہو وہ محرم کے لئے جائز نہیں“ مثلاً کرتا، جبہ، پانچاماہ، چٹون، بنیان، چڈی، ٹیکر، جاتنگہ وغیرہ محرم نہیں پہن سکتا، اور وہ کپڑا جو بدن کی ساخت پر نہیں سیا گیا جیسے لگی بدن کی ساخت پر نہیں سی جاتی بلکہ اس کے دو کنارے ملا کر سی دیتے ہیں اس لئے محرم اس کو پہن سکتا ہے۔

۱۳- بُرئس اور پگڑی: ان کو بھی محرم نہیں پہن سکتا، بُرئس وہ ٹوپی ہے جو جبہ کے ساتھ سی ہوئی ہوتی ہے جب ضرورت پڑتی ہے سر پر چڑھا لیتے ہیں اور جب ضرورت نہیں رہتی تو پیچھے ڈال دیتے ہیں۔ کرتے سے علحدہ ٹوپی کا بھی یہی حکم ہے۔ اور تنقیح مناط کر کے علماء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ احرام میں مرد کے لئے سر ڈھانکنا منع ہے اسی طرح چہرہ ڈھانکنا بھی منع ہے، جب احرام کی حالت میں عورت کے لئے چہرہ ڈھانکنا منع ہے تو مرد کے لئے تو بدرجہ اولیٰ منع ہوگا، مرد کا احرام سر اور چہرہ میں ہے، اور عورت کا احرام صرف چہرے میں ہے، عورت کے لئے سر چھپانا جائز ہے، البتہ اگر سونے کی حالت میں بے خبری میں کوئی چادر کھینچ لے اور سر ڈھانپ لے تو مضافاً نہیں۔ حدیث میں ہے: رَفَعَ الْقَلَمُ عَنِ النَّاسِ حَتَّى يَسْتَهْطَطَ۔ اور محترمی سے سنا کہ سر ڈھانکنا نہیں، کیونکہ اس کے اور سر کے درمیان فاصلہ رہتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے چھت کے نیچے رہنا بالاتفاق جائز ہے۔

۵- چڑے کے موزے پہننا: بھی جائز نہیں یعنی عیروں میں بھی احرام ہے اور چونکہ چمبل کے بغیر چلتا دشوار ہے اس لئے تگے اور کھنیں (خنوں) سے نیچے ڈھانک سکتے ہیں البتہ مخنئے کھلے رکھنے ضروری ہیں اور مخنئے دو ہیں، ایک: وہ جہاں تک وضو میں پاؤں دھونا ضروری ہے، یعنی پیر کی دونوں جانبوں میں ابھری ہوئی ہڈی دوسرے: پاؤں کا اوپری حصہ جہاں بال اگتے ہیں وہ بھی مخنئے ہیں، دونوں مخنئے کھلے رکھنے ضروری ہیں۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: اگر کسی کے پاس چمبل نہ ہوں تو کیا وہ نطنیں پہن سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نطنیں کو خنوں سے نیچے کاٹ لے پھر پہنے، معلوم ہوا کہ

پاؤں کے تلوے اور کعبین سے نیچے کا حصہ احرام میں داخل نہیں، اس کو ڈھانک سکتے ہیں، پس محرم جوتی پہن سکتا ہے وہ کانٹے ہوئے خف کی طرح ہوتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے چپل پہنے جس کے تسمے چوڑے نہ ہوں۔

۶۔ وہ کپڑا جو عفران یا درس میں رنگا ہوا ہو: محرم نہیں پہن سکتا اور یہ مسئلہ مردوزن سب کے لئے ہے اور علماء نے تنقیح مناط کر کے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ہر وہ کپڑا جو خوشبو دار رنگ میں رنگا گیا ہو یا خوشبو میں بسایا گیا ہو محرم نہیں پہن سکتا، نہ مرد پہن سکتا ہے نہ عورت، اور ممانعت کی وجہ خوشبو ہے رنگ نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام کی حالت میں معصر (زرور رنگ میں رنگا ہوا) کپڑا پہنا ہے اور حضرت جابر کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ محرم معصر کپڑا پہن سکتا ہے (بخاری باب ما یلبس المحرم من الثياب إلخ) اس معصر کپڑے کی خوشبو ختم ہو گئی تھی، صرف رنگ رہ گیا تھا۔

حدیث میں دو مسئلے اور بھی ہیں مگر وہ مرفوع نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتوے ہیں، بخاری میں یہ حدیث دس جگہ آئی ہے مگر امام بخاریؒ نے کسی جگہ یہ مسئلہ ذکر نہیں کئے، صرف حدیث نمبر ۱۸۳۸ میں ان کو ذکر کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ یہ مدرج ہیں۔

پہلا مسئلہ: عورت احرام کی حالت میں چہرے پر نقاب نہ ڈالے، کیونکہ عورت کے چہرے میں احرام ہے پس جتنا حصہ وضو میں دھویا جاتا ہے عورت کے لئے احرام میں اتنا حصہ کھلا رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نقاب جو چہرے سے لگے ڈالنا جائز نہیں مگر پردہ کرنا ضروری ہے اور پردہ کرنے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، مثلاً پنکھا ہاتھ میں رکھ لے اور بس وغیرہ میں چہرے کے سامنے پنکھا کر کے بیٹھی رہے یا ایسا نقاب ڈالے جو چہرے سے دور رہے۔

دوسرا مسئلہ: احرام میں عورت ہاتھوں میں دستانے نہ پہنے: مردوزن دونوں کے لئے حالت احرام میں دستانے پہننا مکروہ ہے۔

حدیث: ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں احرام میں کیا کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: قمیص، شلوار، بُرُس، پگڑی اور موزے نہ پہنو، مگر یہ کہ کسی کے پاس چپل نہ ہوں تو چاہئے کہ وہ خضین پہنے اور ان کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے (یہ بخاری کی حدیث ہے وہاں ولیقطعہما أسفل من الکعبین ہے، ہم نے وہاں سے کتاب کی تصحیح کی ہے) اور آپ کوئی ایسا کپڑا نہ پہنیں جس کو زعفران اور درس نے چھو یا ہو (یعنی جو کپڑا ان میں رنگا گیا ہو) اور عورت احرام میں نقاب نہ ڈالے اور دستانے نہ پہنے (یہ دونوں مسئلے مدرج ہیں)

تشریح: اس حدیث کا شان و رود کیا ہے؟ یہ بات معلوم نہیں، لیکن خیال یہ ہے کہ حجرانہ پر ایک واقعہ پیش آیا تھا جو آئندہ آرہا ہے کہ ایک اعرابی نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور جبہ بھی پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگا رکھی تھی اس سلسلہ میں آپؐ سے پوچھا گیا تو وحی نازل ہوئی اور اس کو جواب دیا کہ جبہ نکال دے اور خوشبو ڈھو ڈال میرا خیال ہے کہ اس موقع پر کسی نے یہ مسئلہ بھی پوچھا ہوگا کہ احرام میں کیا کپڑے پہن سکتے ہیں واللہ اعلم۔

[۱۸] باب ماجاء فی مالا يجوز للمحرم لبسه

[۸۲۵-] حدثنا قتيبة، نا الليث، عن نافع، عن ابن عمر: أَنَّهُ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ فِي الْحَرَمِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَلْبَسِ الْقَمِيصَ، وَلَا السَّرَاوِيلَ، وَلَا الْبُرَّاسَ، وَلَا الْعِمَامَةَ، وَلَا الْخِفَافَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الرُّعْفَرَانِ، وَلَا الْوَرَسُ، وَلَا تَتَنَبَّ الْمَرْأَةُ الْحَرَامَ، وَلَا تَلْبَسِ الْفَقَازِينِ"
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، والعمل عليه عند أهل العلم.

باب ماجاء فی لبس السراويل والخفين للمحرم إذا لم يجد الإزار والنعلين

محرم کے پاس لنگی اور چپل نہ ہوں تو وہ شلوار اور خفین پہن سکتا ہے

اگر کسی شخص کے پاس لنگی اور چپل نہ ہوں تو کیا وہ احرام میں پانجامہ اور خفین (چوڑے کے موڑے) پہن سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایسے شخص کے لئے پانجامہ اور خفین پہننا جائز ہے، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ایسا شخص خفین ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہنے اور پانجامہ پھاڑ کر اس کی لنگی بنا کر پہنے، اگر بغیر کانٹے خفین یا پانجامہ پہنے گا تو جناہت ہوگی (جس کا حکم فقہ کی کتابوں میں جنایات کے باب میں ہے)
حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "محرم جب لنگی نہ پائے تو چاہئے کہ وہ پانجامہ پہنے، اور جب چپل نہ پائے تو چاہئے کہ وہ خفین پہنے"

تشریح: اس حدیث سے چھوٹے دو اماموں نے استدلال کیا ہے کہ حدیث مطلق ہے اس میں خفین کو کانٹے کا ذکر نہیں، نہ شلوار کو پھاڑنے کا ذکر ہے، پس خفین اور شلوار کو دونوں طرح پہن سکتا ہے اور بڑے دو امام کہتے ہیں: اس حدیث میں اگرچہ قید نہیں مگر ابن عمرؓ کی اس حدیث میں جو اوپر گزری خفین کو کانٹے کا ذکر ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں قید ہوتی ہے اور دوسری حدیث میں نہیں ہوتی پس وہاں قید بڑھائی جاتی ہے، کیونکہ حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور شلوار کو بڑے دو اماموں نے خفین پر قیاس کیا ہے، اس کو پھاڑ کر لنگی بنانے کی کوئی روایت نہیں ہے۔

[۱۹] باب ماجاء فی لبس السراويل والخفين للمحرم، إذا لم يجد الإزار والنعلين

[۸۲۶-] حدثنا أحمد بن عبد الله القسبي البصري، نا يزيد بن زريع، نا أيوب، نا عمرو بن دينار، عن جابر بن زيد، عن ابن عباس، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المُحْرِمُ إِذَا

لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ، وَإِذَا لَمْ يَجِدِ الثَّغْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَيْنِ“

حدیثنا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ لُحَوَّةٍ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ الْإِزَارَ لَبَسَ السَّرَاوِيلَ، وَإِذَا

لَمْ يَجِدِ الثَّغْلَيْنِ لَبَسَ الْخُفَيْنِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَلَى حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا لَمْ يَجِدِ الثَّغْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَهُوَ قَوْلُ

سُهَيْبَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: اگر محرم کے پاس لنگی نہ ہو تو وہ پانچجامہ پہنے، اور اگر چپل نہ ہو تو وہ خفین پہنے، اور یہ امام احمد کا قول ہے، اور بعض علماء ابن عمرؓ کی جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے ہے اس کے مطابق کہتے ہیں کہ اگر محرم کے پاس چپل نہ ہو تو چاہئے کہ وہ خفین پہنے، اور ان کو خنثوں سے نیچے کاٹ لے اور یہ سفیان ثوری اور شافعی کا قول ہے (یہ امام شافعیؒ کی کوئی روایت ہوگی ورنہ عام طور پر کتابوں میں ان کا وہی مذہب لکھا ہے جو امام احمدؒ کا ہے)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُحْرِمُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ

اگر محرم قمیص یا جبہ پہن لے تو کیا حکم ہے؟

جو کپڑے احرام میں پہننے ممنوع ہیں اگر محرم ان کو پہنے تو جنایت ہوگی اور جنایات کے احکام فقہ کی کتابوں میں باب الجنایات میں ہیں، بوقت ضرورت اس کی طرف رجوع کیا جائے، یہاں بالا، جمال یہ بات جان لینی چاہئے کہ احرام میں جو کپڑے ممنوع ہیں ان کو پہننے سے جنایت ہوتی ہے، حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی کو دیکھا جس نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا اور جبہ بھی پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگا رکھی تھی، آپؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا، آپؐ پر وحی کے آثار شروع ہوئے، جب آپؐ پر وحی کے آثار شروع ہوتے تھے تو جو بھی موقعہ پر موجود ہوتا وہ آپؐ کو کوئی کپڑا اوڑھا دیتا تھا۔ جب وحی پوری ہوئی تو آپؐ نے اعرابی سے فرمایا: ”جبہ نکال دو اور خوشبو دھوؤ الو“ اور اس کو جنایت قرار نہیں دیا یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، چونکہ آج پہلی بار اس سلسلہ میں حکم آیا ہے اس لئے اس جنایت سے صرف نظر کیا گیا، لیکن اگر اب کوئی ایسی حرکت کرے تو جنایت ہوگی۔

اور اس حدیث میں یہ واقعہ بھی ہے کہ یحییٰ بن امیہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہہ رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کس

طرح آتی ہے: مجھے دیکھنا ہے اگر کوئی موقع ملے تو مجھے دکھانا، چنانچہ حضرت عمرؓ تلاش کر کے یحییٰ بن امیہ کو لائے اور ان کو چادر کے نیچے گھسایا اور کہا: دیکھو جی آ رہی ہے، یہ واقعہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔

[۲۰] باب ماجاء فی الذی یُحرّم وعلیہ قمیص أو جبة

[۸۲۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أُمَيَّةَ، قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْرَابِيًّا قَدْ أَخْرَمَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْزِعَهَا.

حدثنا ابنُ أبي عُمرٍ، نَا سُلَيْمَانُ، عَنْ عُمَرُو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

قال أبو عيسى: وهذا أصحُّ، وفي الحديث قصة، وهكذا رَوَى قَتَادَةُ وَالْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أُمَيَّةَ، وَالصُّحَيْحِيُّ مَا رَوَى عُمَرُو بْنُ دِينَارٍ، وَابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: اس حدیث کو عبد الملک بن ابی سلیمان اور عمرو بن دینار دونوں روایت کرتے ہیں، پھر عبد الملک: عطاء بن یسار کا براہ راست یحییٰ بن امیہ سے روایت کرنا بیان کرتے ہیں، اور قتادہ اور حجاج بن ارطاة ان کے متابع ہیں اور عمرو بن دینار: یحییٰ کے صاحب زادے حضرت صفوان کا واسطہ بڑھاتے ہیں اور ان کے متابع ابن جریج ہیں، اور صحیحین میں واسطہ والی روایت ہی لی گئی ہے، اس لئے امام ترمذی نے عمرو بن دینار کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے، مگر عبد الملک کی حدیث کو غیر اصح کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ عطاء بن یسار کی بہت سے صحابہ سے ملاقات ہوئی ہے، پس ممکن ہے کہ انہوں نے یہ حدیث حضرت صفوان سے بھی سنی ہو اور ان کے ابا یحییٰ سے بھی براہ راست سنی ہو، پس واسطہ والی روایت کو مزید فی متصل الاسناد کہیں گے اور دونوں سندیں صحیح ہوگی، ترجیح قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

باب ماجاء ما يقتل المَحْرَم من الذَّوَابِّ؟

محرم کن کن جانوروں کو مار سکتا ہے؟

کتاب الحج کے شروع میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ حرم کا شکار کرنا جائز نہیں، نہ محرم کے لئے نہ غیر محرم کے لئے، البتہ پانچ جانور مستثنیٰ ہیں: محرم اور غیر محرم ان کو مار سکتا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”پانچ شریر جانور حرم میں مارے جائیں (یعنی ان کو مارنے سے جزاء واجب

نہ ہوگی) چوہا، بچھو، کوا، چیل اور کٹ کھنا کتا۔“

تشریح: امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث کی تنقیح مناسبات کی ہے: ان کے نزدیک: ہر وہ جانور جس کا گوشت حرام ہے اس کو حرم میں مار سکتے ہیں، یہ پانچوں غیر ماکول اللحم جانور ہیں، اور جب حرم میں مارنا جائز ہے تو احرام کی حالت میں بھی مار سکتے ہیں، اور امام مالکؒ نے ضابطہ بتایا ہے: موذی کو مارنا جائز ہے یعنی جو بھی جانور ستاتا ہے اسے حرم میں اور احرام میں مار سکتے ہیں، مذکورہ پانچوں جانور کیا ستاتے ہیں؟ چوہا اتانج کھا جاتا ہے، دودھ پی جاتا ہے اور کھڑے کتر دیتا ہے، اور بچھو اور کٹ کھنے کتے کا پریشان کرنا ظاہر ہے، اور کوا: جب اونٹ کی کوہان زخمی ہوتی ہے جب اس کا تماشہ دیکھنا چاہئے، زخم میں چونچیں مارتا ہے اس کو منڈل ہی نہیں ہونے دیتا، اور چیل مرغی کے چوڑے جھپٹ لیتی ہے۔ غرض یہ پانچوں موذی جانور ہیں اس لئے امام مالکؒ نے یہ ضابطہ بتایا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ نے موذی اور حشرات الارض (زمین کے کیڑوں) کا ضابطہ بتایا ہے، پس جو جانور ستاتا ہے اسی طرح زمین کے کیڑے مثلاً سانپ، بچھو، چھپکلی وغیرہ کو حرم میں اور احرام میں مار سکتے ہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: محرم حملہ آور درندے کو، کٹ کھنے کتے کو، چوہے کو، بچھو کو، چیل کو اور کوا کو مار سکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں لفظ محرم ہے پس محرم حرم میں بھی مذکورہ جانوروں کو مار سکتا ہے اور حل میں بھی۔ اور اس حدیث سے فقہاء نے یہ ضابطہ بتایا ہے کہ جو جانور ایذا پہنچاتا ہے یا انسان پر یا اس کے مال پر حملہ کرتا ہے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور انسان پر یا اس کے مال پر حملہ نہیں کرتا اور نہ ستاتا ہے اس کو قتل کرنا درست نہیں اگر قتل کرے گا تو جزاء واجب ہوگی۔

[۲۱] باب ما جاء في ما يقتل المحرم من الدواب

[۸۲۸-] حدثنا محمد بن عبد الملك بن أبي الشوارب، نا يزيد بن زريع، نا مغمز، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خمس فواصق يقتلن في الحرم: الفأرة، والعقرب، والغراب، والحذأة، والكلب العقور"

وفي الباب: عن ابن مسعود، وابن عمر، وأبي هريرة، وأبي سعيد، وابن عباس، قال أبو عيسى: حديث عائشة حديث حسن صحيح.

[۸۲۹-] حدثنا أحمد بن منيع، نا هشيم، نا يزيد بن أبي زياد، عن ابن أبي نعيم، عن أبي سعيد، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "يقتل المنحرم السبع العادي، والكلب العقور، والفأرة، والعقرب، والحذأة، والغراب"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، والعمل على هذا عند أهل العلم، قالوا: الْمُحْرَمُ يَقْتُلُ السَّبْعَ
الْعَادِيَّ، وَالْكَلْبَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَمْلِكُ سَبْعَ عَدَا عَلَى النَّاسِ
أَوْ عَلَى ذَوَابَّهُمْ فَلِلْمُحْرَمِ قَتْلُهُ.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے وہ کہتے ہیں: محرم حملہ آور درندے کو اور کٹ کھنے کتے کو مار سکتا ہے، اور یہ ثوری اور شافعی
کا قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ہر وہ درندہ جو لوگوں پر یا ان کے چوپایوں پر حملہ کرے محرم اس کو قتل کر سکتا ہے۔

باب ماجاء في الحجامة للمحرم

احرام میں پچھنے لگوانے کا حکم

احرام کی حالت میں پچھنے لگوا سکتے ہیں، البتہ سر میں یا کسی ایسی جگہ جہاں بال ہوں نہیں لگوا سکتے، کیونکہ پچھنے
لگوانے سے پہلے بال موٹنے پڑیں گے اور احرام میں بدن کے کسی بھی حصہ کے بال موٹنا جائز نہیں، اور اگر سخت
مجبوری ہو مثلاً سر میں پھوڑا ہے یا شدید درد ہے اور پچھنے لگوانا تاگزیر ہے تو جائز ہے، اور جو بال موٹنے سے گا اس کا فدیہ
دینا ہوگا، اور فدیہ ہے: تین روزے یا چھ مٹا جوں کو کھانا کھلانا یا ایک قربانی۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۹۶ میں اس کا ذکر ہے۔
نبی ﷺ نے احرام اور روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں اور یہ اجتماعی مسئلہ ہے، صرف امام مالک رحمہ اللہ فرماتے
ہیں: بے ضرورت پچھنے نہ لگوائے مگر بے ضرورت کون لگواتا ہے، اس لئے یہ اختلاف بس اختلاف ہے۔

[۲۲] باب ماجاء في الحجامة للمحرم

[۸۳۰-] حدثنا فضيلة، نا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، وَعَطَاءٍ، عَنْ ابْنِ
عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرَمٌ.

وفي الباب: عن أنس، وعبد الله بن عُيَيْنَةَ، وَجَابِرٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ
حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرَمِ، وَقَالُوا: لَا يَخْلُقُ شَعْرًا، وَقَالَ مَالِكٌ:
لَا يَخْتَجِمُ الْمُحْرَمُ إِلَّا مِنْ ضَرُورَةٍ، وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ: لَا بَأْسَ أَنْ يَخْتَجِمَ الْمُحْرَمُ،
وَلَا يَنْزِعَ شَعْرًا.

ترجمہ: بعض علماء نے محرم کو پچھنے لگوانے کی اجازت دی ہے اور وہ کہتے ہیں: محرم بالوں کو نہ موٹے، اور امام

مالک کہتے ہیں: محرم بچنے نہ لگوائے مگر ضرورت سے، اور ثوری اور شافعی کہتے ہیں: بچنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں اور وہ بالوں کو نہ اکھاڑے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَزْوِيجِ الْمُحْرَمِ

حالت احرام میں نکاح پڑھنا پڑھانا منوع ہے

یہ دو باب ہیں، ان میں یہ مسئلہ ہے کہ احرام کی حالت میں اپنا نکاح پڑھنا یا قاضی بن کر دوسرے کا نکاح پڑھانا یا اپنی متغنی بھیجنا جبکہ متغنی بھیجنے والا احرام میں ہو یا جس کی متغنی بھیجی جا رہی ہے وہ احرام میں ہو یا دونوں احرام میں ہوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں حجازی اور عراقی مکاتب فکر میں اختلاف ہے۔ پس یہ معرکہ الآراء مسئلہ ہے مگر عملی اعتبار سے بے نتیجہ ہے، کیونکہ احرام کی حالت میں کوئی نکاح نہیں کرتا مگر چونکہ حدیثوں میں اختلاف ہے اس لئے یہ مسئلہ اہم ہو گیا ہے۔

عراقی مکتب فکر یعنی حنفیہ وغیرہ کے نزدیک احرام میں یہ چاروں کام مکروہ ہیں البتہ اگر کوئی احرام کی حالت میں نکاح پڑھ لے یا دوسرے کا نکاح پڑھادے تو نکاح صحیح ہو جائے گا، مگر جماع یا دوائی جماع کی مطلق منجائش نہیں، وہ حرام ہیں۔ اور ائمہ حلاوت کے نزدیک احرام کی حالت میں اپنی متغنی بھیجنا یا جولہ کی یا لڑکا احرام میں ہے اس کی متغنی بھیجنا مکروہ ہے اور محرم کا خود اپنا نکاح پڑھنا یا قاضی بن کر دوسرے کا نکاح پڑھانا حرام ہے اور نکاح باطل اور کالعدم ہے۔ اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں، ایک قولی روایت ہے اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ الْمُحْرِمَ لَا يَنْكِحُ وَلَا يُنْكَحُ**: محرم نہ اپنا نکاح پڑھے اور نہ دوسرے کا نکاح پڑھائے۔ اور مسلم میں اسی حدیث میں یہ اضافہ ہے: **وَلَا يَخْطُبُ**: اور متغنی نہ بھیجے (مسلم: ۴۵۳۱) اور صحیح ابن حبان میں یہ اضافہ ہے: **وَلَا يُخْطَبُ** علیہ (حدیث ۳۱۱۲) یعنی محرم کی متغنی نہ بھیجی جائے۔ اور دوسری روایت فعلی ہے، اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ حالت احرام میں تھے۔ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

اور اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے عمرہ قضا کا ارادہ فرمایا تو ایک مقصد کے تحت مکہ میں شادی کرنے کا ارادہ کیا، آپ نے حضرت ابورافع اور حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہما کو نکاح کا پیغام دیکر حضرت میمونہ کے پاس (جو حضرت ابن عباس کی خالہ ہیں) مکہ بھیجا، حضرت میمونہ بیوہ ہو گئی تھیں اور وہ مکہ میں مقیم تھیں، جب حضرت میمونہ کے پاس پیغام پہنچا تو انھوں نے حضرت عباس کو نکاح کا وکیل بنایا، جو ان کے بہنوئی تھے اس وقت حضرت میمونہ کے اولیاء سفر میں تھے (یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت میمونہ کا نکاح ہوا اس وقت ان کا

کوئی ولی موجود نہیں تھا اور حضرت عباس ولی نہیں تھے، وہ حضرت میمونہ کے بہنوئی تھے، معلوم ہوا کہ حدیث: لا نکاح الا بولی کا ائمہ ثلاثہ نے جو مطلب سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ تفصیل کتاب النکاح میں آئے گی) غرض جب نبی ﷺ مکہ کے قریب پہنچے تو خاندان کے لوگ آپ کا استقبال کرنے کے لئے مکہ سے باہر مقام سرف تک آئے، جو مکہ سے قریب اوس میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت عباس نے یہیں حضرت میمونہ کا آپ سے نکاح پڑھا، مگر اس بات کا علم چند ہی حضرات کو ہوا، آپ ذوالحلیہ سے احرام باندھ کر آئے تھے، بخاری (حدیث ۱۶۹۳) میں اس کی صراحت ہے، مکہ پہنچ کر آپ نے عمرہ ادا کیا اور احرام کھول دیا، پھر کفار کے پاس (جو معاہدہ کے مطابق تین دن کے لئے مکہ سے باہر چلے گئے تھے) پیغام بھیجا کہ میں نے مکہ میں شادی کی ہے اور میں سب کو ولیمہ کھانا چاہتا ہوں اور آپ لوگ معاہدہ کی رو سے تین دن تک مکہ میں نہیں آ سکتے، پس مجھے ایک دن زائد مکہ میں رہنے کی اجازت دو اور سب آ کر میرے ولیمہ کی دعوت کھاؤ، پھر میں چلا جاؤں گا، مگر انھوں نے دعوت قبول نہ کی اور جواب دیا کہ ہمیں دعوت نہیں کھانی، آپ معاہدہ کے مطابق تین دن میں مکہ خالی کر دیں۔ اس وقت سب کو پتا چلا کہ آپ نے یہاں نکاح فرمایا ہے۔

اور آپ کے ذہن میں پلان یہ تھا کہ جب کفار آئیں گے تو چونکہ صحابہ اور وہ سب رشتہ دار ہیں اس لئے ایک دوسرے سے ملیں گے اور ان کو دین کی دعوت دیں گے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سوں کو ہدایت دیدیں، پس آپ نے ملی مصلحت سے یہ نکاح فرمایا تھا (۱) مگر جب کفار نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ کا جو پلان تھا وہ ٹل ہو گیا، چنانچہ آپ مکہ میں تین دن گزار کر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے اور حضرت میمونہ کو ساتھ لے لیا۔ پہلا پڑاؤ مقام سرف میں ہوا، وہیں زفاف عمل میں آیا، پھر آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا عمرہ کی غرض سے مکہ آئیں، واپسی میں سرف میں پڑاؤ کیا اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا، اور جس جگہ نبی ﷺ کا خیمہ تھا اور آپ نے فاف فرمایا تھا اسی جگہ دفن ہوئیں۔ یہ واقعہ کی صحیح نوعیت ہے۔

مگر ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: جب آپ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے، مگر لوگوں کو اس کا علم اس وقت ہوا جب آپ احرام میں تھے حالانکہ تاریخی طور پر اس کی کوئی صورت نہیں بنتی اس لئے کہ یہ طے ہے کہ آپ نے (۱) آنحضور ﷺ نے حضرت خدیجہ پھر حضرت سودہ کے علاوہ تمام نکاح ملی، ملکی اور شخصی مصلحت سے کئے ہیں، مثلاً حضرت زینب سے نکاح لے پاک کی رسم توڑنے کے لئے کیا ہے، یہ ملی مصلحت ہے، اور حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح ملکی مصلحت سے کیا ہے، تاریخ کا ہر طالب عالم جانتا ہے کہ بدر کے بعد اسلام کے خلاف تمام جنگوں میں کمان ابو سفیان کے ہاتھ میں رہی ہے، مگر ام حبیبہ سے نکاح کے بعد انھوں نے کوئی اہم فوج کشی نہیں کی، یہ اس نکاح کا فائدہ تھا، اور حضرت صفیہ سے نکاح حضرت عمرؓ کی دلجوئی کے لئے کیا ہے، یہ شخصی مصلحت ہے، غرض سبھی نکاح آپ نے انہی مقاصد ثلاثہ سے کئے ہیں، کوئی نکاح آپ نے اپنی ضرورت سے نہیں کیا، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۹۹:۵ میں ہے۔

عمرہ ادا کرنے سے پہلے مقام سرف میں نکاح پڑھا ہے اور بخاری میں صراحت ہے کہ آپؐ نے ذوالحلیہ سے احرام باندھا تھا، پس یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ آپؐ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح پڑھا ہو؟ یہ بات کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتی۔ اس لئے صحیح بات وہ ہے جو احناف کہتے ہیں کہ آپؐ نے بحالت احرام نکاح پڑھا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے۔ اور جب آپؐ نے عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا اور کفار کو دلیہ کی دعوت دی تب لوگوں کو اس نکاح کا علم ہوا۔

غرض ائمہ ثلاثہ نے حضرت عثمان کی قولی روایت کو لیا ہے اور اس کے ساتھ ابو رافعؓ اور یزید بن الاعم (یہ بھی حضرت میمونہ کے بھائی ہیں) اور خود حضرت میمونہ کی حدیثوں کو ملایا ہے، ان تینوں کی حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ نبی ﷺ کا نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہوا تھا، اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے صرف نظر کیا ہے حالانکہ وہ باب کی صحیح ترین روایت ہے، اور بخاری اور مسلم میں ہے، اور پندرہ اکابر تابعین ان سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، اور ابو رافعؓ، یزید بن الاعم اور حضرت میمونہ کی حدیثوں میں کلام ہے۔

اور حنفیہ نے ابن عباسؓ کی حدیث پر مسئلہ کا مدار رکھا ہے، اور حدیث: لَا نِكَاحَ وَلَا بَيْعَ فِيهِمْ میں لافنی کمال کا لیا ہے، یعنی نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ فعل زیبا نہیں اور ممانعت سد ذرائع کے لئے ہے، جیسے روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ یہ سلسلہ کہیں آگے نہ بڑھ جائے۔ اسی طرح یہاں بھی ممانعت سد ذرائع کے لئے ہے، کیونکہ احرام کی حالت میں اگر نکاح کیا گیا تو ممکن ہے یہ سلسلہ آگے بڑھ جائے اور بات جہاد یا دوائی جہاد تک پہنچ جائے جو احرام میں قطعاً ممنوع اور حرام ہیں، اور قرینہ یہ ہے کہ لَا يَخْطُبُ اور لَا يَخْطُبُ عَلَيْهِمْ میں بالاتفاق کمال کی نفی ہے، کیونکہ اگر احرام میں منگنی بھیجی گئی پھر حلال ہونے کے بعد نکاح ہوا تو یہ نکاح بالاتفاق درست ہے مگر احرام کی حالت میں منگنی بھیجنا بالاتفاق مکروہ ہے، پس یہ ایک قرینہ ہے کہ حدیث کے پہلے دو جملوں میں بھی کمال کی نفی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے مشددات پر نظر: حضرت ابو رافعؓ کی حدیث مرسل ہے یا مسند؟ صرف حماد بن زید اس کو مسند کرتے ہیں، مگر اس کا مرسل (منقطع) ہونا اصح ہے اس لئے کہ سلیمان بن یسار کا حضرت ابو رافعؓ سے سماع ممکن ہی نہیں، ابو رافعؓ کا انتقال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند دن بعد ہوا ہے اور شہادت عثمان کا واقعہ سن ۳۵ ہجری میں پیش آیا ہے، اور سلیمان کی پیدائش میں دو قول ہیں: ۳۳ ہجری اور ۲۹ ہجری، پس پہلے قول کے مطابق سلیمان کی حضرت ابو رافعؓ کے انتقال کے وقت عمر ایک ڈیڑھ سال کی رہی ہوگی، اور دوسرے قول کے مطابق پانچ چھ سال کی ہوگی، اور اس عمر کا سماع معتبر نہیں، چنانچہ امام مالک اور سلیمان بن بلال نے اس کو مرسل روایت کیا ہے۔

اور یزید بن الاعم کی اور حضرت میمونہ کی روایت ایک ہے، بعض روایت یزید پر سند روک دیتے ہیں، یعنی مرسل بیان کرتے ہیں اور بعض مسند بیان کرتے ہیں یعنی حضرت میمونہ کا ذکر کرتے ہیں، اور یزید بن الاعم حضرت میمونہ

کے بھانجے ہیں اور وہ صحابی نہیں ہیں تابعی ہیں، اور ثقہ ہیں مگر ابن عباسؓ کے مقابلہ میں پیش کئے جانے کے لائق نہیں معارف السنن (۳۵۶:۶) میں یہ واقعہ ہے کہ عمرو بن دینار اور ابن شہاب کے درمیان تزویج محرم کا مسئلہ چھڑا تو عمرو بن دینار نے ابن عباسؓ کی حدیث پیش کی اور ابن شہاب نے یزید بن الاسم کی، پس عمرو بن دینار نے کہا: اَنْجَعْلُ اَعْرَابِيَا بَوَالَا عَلٰی عَقِيْبِهِ اِلٰی اِبْنِ عَبَّاسٍ؟ آپ ابن عباسؓ کے مقابلہ میں یزید کی روایت پیش کرتے ہیں جو بدو ہے اور جسے پیشاب کرنے کا بھی سلیقہ نہیں؟ ابن شہاب خاموش ہو گئے، علاوہ ازیں طبقات ابن سعد (۹۵:۸) میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے میمون بن مہران کو لکھا کہ یزید سے پوچھو: نبی ﷺ نے جب حضرت میمون سے نکاح کیا تو آپ احرام میں تھے یا حلال تھے؟ یزید بن الاسم نے جواب دیا: عَطَبَهَا وَهُوَ حَلَالٌ، وَبَنِيَّ بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ: جب منگنی بھیجی اس وقت حلال تھے اور جب زفاف فرمایا، اس وقت حلال تھے، حالانکہ تزویج کے وقت کی حالت پوچھی گئی تھی، مگر انھوں نے منگنی کے وقت کی اور زفاف کے وقت کی حالت بیان کی، معلوم ہوا کہ اگر تزویج کے وقت آپ حلال ہوتے تو یزید اس کو ضرور بیان کرتے (معارف: ۳۵۷:۶)

[۲۳] باب ماجاء فی کراهیة تزویج المَحْرَمِ

[۸۳۱]- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، لَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَلِيٍّ، لَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهَبٍ، قَالَ: أَرَادَ ابْنُ مَعْمَرٍ أَنْ يُنِكَحَ ابْنَتَهُ، فَبَعَثَنِي إِلَى أَبِيهَا بِنِ عَثْمَانَ، وَهُوَ أَمِيرُ الْمُؤَسِّمِ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ أَخَاكَ يُرِيدُ أَنْ يُنِكَحَ ابْنَتَهُ، فَأَحَبُّ أَنْ يُشْهِدَكَ ذَلِكَ، فَقَالَ: لَا أَرَاهُ إِلَّا أَغْرَابِيَا جَائِعًا، إِنَّ الْمَحْرَمَ لَا يُنِكَحُ وَلَا يُنِكَحُ أَوْ كَمَا قَالَ، ثُمَّ حَدَّثَ عَنْ عَثْمَانَ مِثْلَهُ يَرْفَعُهُ.

وفی الباب: عَنْ أَبِي رَافِعٍ، وَمِثْمُونَةَ.

قال أبو عيسى: حديث عثمان حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، منهم عمر بن الخطاب، وعلي بن أبي طالب، وابن عمر، وهو قول بعض الفقهاء التابعين، وبه يقول مالك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق: لا يزوجون أن يتزوج المحرم، وقالوا: إن نكح فبغائه باطل.

[۸۳۲]- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، لَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بَسَّارٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ، وَبَنِيَّ بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ، وَكُنْتُ أَلَا الرَّسُولَ فِيمَا بَيْنَهُمَا.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ،

عَنْ رِبْعَةَ، وَرَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ رِبْعَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ، وَرَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا، وَرَوَاهُ أَيْضًا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ رِبْعَةَ مُرْسَلًا.
 قَالَ أَبُو عَمْسٍ: وَرَوَى عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حَلَالٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ.
 قَالَ أَبُو عَمْسٍ: وَيَزِيدُ بْنُ الْأَصَمِّ: هُوَ ابْنُ أُخْتِ مَيْمُونَةَ.

ترجمہ: ربعہ بن وہب کہتے ہیں: ابن معمر نے (دوران حج) اپنے بیٹے کا نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے مجھے ابان بن عثمان کے پاس بھیجا اور وہ امیر موسم تھے (یعنی امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نائب بن کر حج کرانے آئے تھے) میں ان کے پاس گیا اور کہا: آپ کے بھائی (ابن معمر) اپنے لڑکے کا نکاح کرنا چاہتے ہیں اور وہ مجلس نکاح میں آپ کی شرکت کے متحنی ہیں، ابان نے فرمایا: نہیں گمان کرتا میں اس کو مگر اجتہد دیہاتی، پبلک محرم نہ نکاح کرتا ہے اور نہ نکاح کراتا ہے، یا جیسا فرمایا، پھر حضرت عثمان کی روایت سے اس کے مانند بیان کیا وہ اس کو مرفوع کر رہے تھے یعنی پہلے مسئلہ بتلایا، پھر حضرت عثمان کی مرفوع حدیث سنائی جس میں یہی مضمون تھا۔

اور اس پر بعض صحابہ کا عمل ہے، ان میں سے عمر، علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین میں سے بعض فقہاء کا یہی قول ہے اور مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، وہ محرم کے لئے نکاح کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں: اگر محرم نکاح کرے گا تو اس کا نکاح باطل ہے۔۔۔ ابورافع کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ميمونہ سے نکاح کیا در انحالیکہ آپ حلال تھے اور ان کے ساتھ زفاف عمل میں آیا در انحالیکہ آپ حلال تھے، اور میں اس معاملہ میں دونوں کے درمیان سفیر تھا۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس حدیث کو مسند کیا ہو سوائے حماد بن یزید کے، وہ مطر الوراق سے، وہ ربیعہ سے (وہ سلیمان بن یسار سے وہ ابورافع سے مسند روایت کرتے ہیں) اور امام مالک نے ربیعہ سے، انھوں نے سلیمان بن یسار سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ميمونہ سے نکاح کیا در انحالیکہ آپ حلال تھے، اور اس حدیث کو امام مالک نے مرسل بیان کیا ہے۔ اور سلیمان بن بلال نے بھی ربیعہ سے مرسل روایت کیا ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: اور یزید بن الامم ميمونہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: مجھ سے نبی ﷺ نے نکاح کیا در انحالیکہ آپ حلال تھے (یہ روایت مسند ہے) اور بعض نے یزید بن الامم سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت ميمونہ سے نکاح کیا در انحالیکہ آپ حلال تھے (یہ روایت مرسل ہے، اس میں حضرت ميمونہ کا ذکر نہیں اور یہ روایت اس کے باب کے آخر میں سند کے ساتھ آ رہی ہے) امام ترمذی کہتے ہیں: یزید بن الامم حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

حالت و احرام میں نکاح کے جواز کا بیان

یہ باب عراقیوں کے لئے ہے اور اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا در انحالیکہ آپ احرام میں تھے، امام ترمذی نے حدیث ابن عباس کی تین سندیں پیش کی ہیں، دو حضرت عکرمہ کی ہیں اور تیسری ابو الششاء کی ہے، پھر باب کے آخر میں حضرت میمونہ کی روایت لائے ہیں، جس کا گذشتہ باب کے آخر میں تذکرہ کیا تھا۔

[۲۴] بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

[۸۳۳] - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، نَا سُفْيَانُ بْنُ حَيْبٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَالِشَةَ، قَالَتْ أَبُو عَيْسَى: حَدَّثْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدِيثَ حَسَنٍ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَأَهْلُ الْكُوفَةِ.

[۸۳۴] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

[۸۳۵] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَقَارِيُّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الشَّعْثَاءِ، يُحَدِّثُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

قَالَ أَبُو عَيْسَى: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو الشَّعْثَاءِ: اسْمُهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ:

وَاخْتَلَفُوا فِي تَزْوِيجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا فِي طَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: تَزَوَّجَهَا حَلَالًا، وَظَهَرَ أَمْرُ تَزْوِيجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ، ثُمَّ بَنَى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرَفٍ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ، وَمَاتَتْ مَيْمُونَةُ بِسَرَفٍ حَيْثُ بَنَى بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَلَّلْتُ بِسَرَفٍ.

[۸۳۶] - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، نَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا قُرَازَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ مَيْمُونَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنَى بِهَا حَلَالًا، وَمَاتَتْ بِسَرَفٍ، وَذَلَّلَهَا فِي الظِّلَّةِ الَّتِي بَنَى بِهَا فِيهَا.

قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث غریب، وروى غیر واحد هذا الحدیث عن یزید بن الأصم مؤسلاً
أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج ميمونة وهو حلال.

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے نکاح کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، کیونکہ آپ نے ان سے مکہ کے راستہ میں نکاح کیا ہے، پس بعض علماء کہتے ہیں: ان سے نکاح ہوا حلال ہونے کی حالت میں اور نکاح کی بات ظاہر ہوئی دراصل ایک آپؐ محرم تھے (لیکن اس کی صورت تجویز کرنا بہت مشکل ہے) پھر ان سے مکہ کے راستہ میں مقام سرف میں زفاف عمل میں آیا دراصل ایک آپؐ حلال تھے، اور حضرت میمونہ کا سرف میں انتقال ہوا جہاں ان کے ساتھ زفاف عمل میں آیا تھا، اور وہ سرف میں مدفون ہوئیں۔ اور حضرت میمونہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے نکاح کیا دراصل ایک آپؐ حلال تھے، اور ان سے حلال ہونے کی حالت میں زفاف ہوا، اور سرف میں ان کا انتقال ہوا اور ان کو اسی سائبان میں دفن کیا گیا جس میں ان کے ساتھ زفاف عمل میں آیا تھا۔ امام ترمذی کہتے ہیں: متعدد حضرات نے اس حدیث کو یزید بن الأصم سے مرسل روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا دراصل ایک آپؐ حلال تھے۔

باب ماجاء فی اكل الصيد

محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر محرم نے بذات خود شکار کیا ہے تو وہ مردار ہے، اسے کوئی نہیں کھا سکتا، نہ محرم اور نہ غیر محرم۔ اسی طرح اگر محرم کے اشارہ سے، محرم کے تعاون سے، محرم کی دلالت (راہ نمائی) سے اور محرم کے حکم سے کسی حلال نے شکار کیا ہے تو بھی مردار ہے، اسے کوئی نہیں کھا سکتا، اور اگر کسی حلال نے شکار کیا اور محرم کو کھلانے کا کوئی تصور نہیں تھا تو محرم اس شکار کے گوشت کو کھا سکتا ہے۔ اور ایک مسئلہ میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی حلال آدمی شکار کرے اور اس کے دل میں محرم کو کھلانے کی نیت ہو تو محرم اس شکار کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نہیں کھا سکتا، کیونکہ یہ جیئہ یا جلیہ ہے یعنی محرم کی خاطر شکار کیا گیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہ جیئہ یا جلیہ نہیں ہے، پس اس کو کھا سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں تین حدیثیں ہیں، ایک قولی اور دو فعلی:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے لئے شکاری کا شکار حلال ہے دراصل ایک تم احرام میں ہو، جب تک تم نے خود اس کو شکار نہ کیا ہو یا جب تک وہ تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو“

تشریح: ائمہ ثلاثہ نے یضد لکم کے عموم میں اس شکار کو بھی لیا ہے جو حلال نے محرم کو کھلانے کی نیت سے کیا ہے، اور احناف کہتے ہیں: یہ شکار یضد لکم کا مصداق نہیں، نہ صید لاجلہ کا مصداق ہے۔ یضد لکم اور صید لاجلہ کی صورت یہ ہے کہ سیٹھ (جو محرم ہے) حکم دے اور نوکر شکار کریں — اور جو شکار حلال نے خود کیا ہے، اس میں محرم کا نہ اشارہ ہے نہ تعاون، نہ دلالت نہ امر، بس اتنی بات ہے کہ حلال نے محرم کو کھلانے کی نیت کی ہے تو وہ شکار صید لاجلہ کا مصداق نہیں، کیونکہ دوسرے کی نیت پر آدمی کا اختیار نہیں وہ جو چاہے نیت کرے — اور اگر اس صورت کو بھی صید لاجلہ کا مصداق بنائیں گے تو اس کا ابوقادہ کی حدیث سے (جو آگے آرہی ہے) تعارض ہو جائے گا — نیز یہ حدیث منقطع ہے، مطلب کا حضرت جابر سے لقاء و سماع نہیں، اور ابوقادہ کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، پس تعارض کی صورت میں اصح مانی الباب کو لیا جائے گا۔

دوسری حدیث: حجۃ الوداع میں روانہ ہونے سے پہلے آنحضور ﷺ نے حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ کو حل کے کسی گاؤں میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، انھوں نے زکوٰۃ وصول کیں اور غریبوں میں تقسیم کر دیں، پھر اس راستہ پر آ گئے جہاں سے آپ کا قافلہ گزرنے والا تھا، اور وہ غیر محرم تھے، کیونکہ مدینہ سے چلتے وقت ان کی نیت حل میں جانے کی تھی اور پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ جس کی نیت حل میں جانے کی ہو اس کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں، پھر جب وہ حرم میں جانے کا ارادہ کرے گا تو حرم شروع ہونے سے پہلے احرام باندھ لے گا، اور یہ بات کہ آپ نے ان کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حل میں بھیجا تھا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے جو بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے۔ غرض وہ حضور ﷺ کے قافلہ کے ساتھ مل گئے، پھر وہ ایک موقع پر چند اصحاب کے ساتھ قافلہ سے پیچھے رہ گئے، اچانک انھوں نے ایک گور خر دیکھا چونکہ وہ حلال تھے اس لئے تیزی سے اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے تاکہ شکار کریں، مگر ان کا بھالا نیچے رہ گیا، انھوں نے ساتھیوں سے بھالا اٹھا کر دینے کے لئے کہا، مگر ساتھی سب محرم تھے انھوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ خود گھوڑے سے اترے اور بھالا لیا، پھر ان کا کوڑا رہ گیا، وہ بھی ساتھیوں نے نہیں دیا، انھوں نے خود اتر کر لیا، اور شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور گور خر کو مار کر اور ذبح کر کے لائے، اور ساتھیوں سے کہا: ”کھاؤ“ بعض نے کھایا اور بعض نے کھانے سے انکار کیا اور کہا: ہم پہلے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھیں گے، جب آپ سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”یہ ایک لقمہ (کھانا) ہے جو اللہ نے تمہیں کھلایا ہے“ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اگر گوشت بچا ہو تو ہمیں بھی دو“

تشریح: ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے شکار کیا تھا، ساتھیوں کو کھلانے کی ان کی نیت نہیں تھی، پس وہ کھا سکتے تھے، چنانچہ سب نے بشمول نبی ﷺ اس کو کھایا۔ اور احناف کہتے ہیں: بظاہر حضرت ابو قادہ نے ساتھیوں کو کھلانے کی نیت کی تھی، کیونکہ سفر میں کوئی شخص گائے جتنا بڑا جانور تھا اپنے لئے شکار نہیں کرتا،

ساتھیوں کو کھلانے کی نیت ضرور ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے آتے ہی ساتھیوں سے کھانے کو کہا تھا، یہ قرینہ ہے کہ شکار کرتے وقت حضرت ابو قتادہؓ نے ساتھیوں کو کھلانے کی نیت کی تھی۔ تیسری حدیث آئندہ باب میں آ رہی ہے۔

[۲۵] باب ماجاء فی اکل الصيد للمُحْرَم

[۸۳۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرِو، عَنِ الْمُطَّلِبِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَيْدُ الْبَرِّ لَكُمْ حَلَالٌ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ، مَا لَمْ تَصِيدُوهُ أَوْ يُصْطَلَكُمْ" وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، وَطَلْحَةَ، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ مُقَسَّرٌ، وَالْمُطَّلِبُ لَا تَعْرِفُ لَهُ سَمَاعًا مِنْ جَابِرٍ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَزُولُ بِأَكْلِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرَمِ بَأْسًا إِذَا لَمْ يَصْطَلْهُ أَوْ يُصْطَلَّ مِنْ أَجْلِهِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: هَذَا أَحْسَنُ حَدِيثٍ رَوَى فِي هَذَا الْبَابِ وَأَقْبَسُ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

[۸۳۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ تَغَلَّفَ مَعَ أَصْحَابِ لَهُ مُحْرَمِينَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرَمٍ، فَرَأَى جِمَارًا وَحَشِيًّا فَاسْتَوَى عَلَى قَرْبِهِ، فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَازِلُوهُ سَوِيكَةً فَأَبَوْا، فَسَأَلَهُمْ رَمَحَةً فَأَبَوْا عَلَيْهِ، فَأَخَذَ فَشَدَّ عَلَى الْجِمَارِ، فَفَقَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَى بَعْضُهُمْ فَأَذْرَكُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: "إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللَّهُ"

[۸۳۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ: فِي جِمَارِ الْوَحْشِ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي النَّضْرِ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "هَلْ مِنْكُمْ مَنْ لَحِمِهِ شَيْءٌ؟" قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث واضح ہے (حالانکہ یُصْطَلَّ لکم کے مفہوم میں اختلاف ہے) اور ہم مطلب کا حضرت جابرؓ سے سنا نہیں جانتے، اور اس پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ محرم کے لئے شکار کھانے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے، جبکہ محرم نے بذات خود جانور کو شکار نہ کیا ہو، اور نہ اس کے لئے شکار کیا گیا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب سے اچھی حدیث ہے جو اس باب میں روایت کی گئی ہے اور قواعد شرعیہ کے

بالکل مطابق ہے (یہ دونوں دعوے محل نظر ہیں، یہ حدیث تو منقطع ہے اور ابو قتادہ کی حدیث متفق علیہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے: لا تزد وازدہ وازدہ انوری پس شکار کرنے والے نے جو عمر کو کھلانے کی نیت کی ہے اگر وہ گناہ ہے تو وہ اس کا فعل ہے، عمر کا اس میں کیا قصور ہے؟ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ذہن میں کیا قاعدہ ہے وہ ہمیں معلوم نہیں) اور اس پر عمل ہے اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ جب وہ مکہ کے راستہ کے کسی حصہ میں تھے تو وہ نبی ﷺ کے چند صحابہ کے ساتھ جو حالت احرام میں تھے پیچھے رہ گئے، اور ابو قتادہ حلال تھے، انھوں نے ایک گور خر دیکھا، پس وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے درخواست کی کہ وہ ان کو ان کا گور خرا دیں، ساتھیوں نے گور خرا اٹھا کر دینے سے انکار کیا۔ پس ان سے اپنا نیزہ مانگا تو انھوں نے اس کا بھی انکار کیا تو انھوں نے خود لیا اور گور خر کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور اس کو قتل کیا، پس اس میں سے بعض اصحاب نے کھایا اور بعض نے کھانے سے انکار کیا، پس انھوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی اور مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ”یہ ایک لقمہ ہے جو اللہ نے جنہیں کھلایا“ اور زید بن اسلم نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے پوچھا: ”کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہے؟“

باب ماجاء فی کراهیۃ لعم الصید للمحرم

محرم کے لئے شکار کا گوشت ممنوع ہے

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے اس میں یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ (عمرہ قضایا ج کے لئے) مکہ معظمہ تشریف لے جا رہے تھے اور احرام میں تھے، جب آپؐ ابواویہ و ذان نامی جگہ سے گزرے تو صاحب بن جنامہ بغرض ملاقات حاضر ہوئے، وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے (۱) وہ ایک زندہ گور خر لے کر آئے تاکہ آپؐ کو بطور ہدیہ پیش کریں، آپؐ نے وہ ہدیہ واپس کر دیا، حضرت صعبؓ کو ناگوار ہوا، آپؐ کو ان کی ناگواری کا احساس ہوا تو آپؐ نے ہدیہ قبول نہ کرنے کی وجہ بتائی کہ ہم احرام میں ہیں، اس لئے ہدیہ قبول نہیں کر سکتے، لفظی ترجمہ: بیشک شان یہ ہے کہ نہیں ہے ہمارے ساتھ تم پر پھیرنا یعنی ہم کسی ناخوشی کی وجہ سے ہدیہ رد نہیں کر رہے، بلکہ اس وجہ سے رد کر رہے ہیں کہ ہم احرام میں ہیں، یعنی یہ ہدیہ ہمارے کسی کام کا نہیں اس لئے لوٹا رہے ہیں۔

(۱) قبیلہ کا سردار جب کسی سردار سے ملتا ہے تو خالی ہاتھ نہیں ملتا، اور شکار کا گوشت عربوں کے نزدیک پسندیدہ چیز ہے اور نبی ﷺ کس دن یہاں سے گزریں گے یہ بات معلوم نہیں تھی، اور شکار ذبح کر دیا جائے تو گوشت سڑ جائے گا، اس لئے حضرت صعبؓ نے قبیلہ کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک گور خر زندہ پکڑیں، گور خر بڑا جانور ہے اس میں کافی گوشت ہوتا ہے جو پورے قافلہ کے لئے کافی ہو سکتا ہے، چنانچہ جوانوں نے ایک زندہ گور خر پکڑ لیا اور اسے باندھ رکھا۔ جب آپؐ یہاں سے گزرے تو وہ زندہ لے کر حاضر ہوئے ۱۲

تشریح: حضرت صعب بن جثامہؓ نے وہ گور خر آنحضور ﷺ کے لئے ہی پکڑا تھا اور زندہ پکڑا تھا تا کہ جب آپؐ کا وہاں سے گذر ہو تو بطور ہدیہ پیش کریں، مگر چونکہ وہ زندہ تھا اس لئے شکار تھا، اور محرم شکار مانتیں سکتا اس لئے آپؐ نے ہدیہ قبول نہیں کیا، اگر آپ قبول کر لیتے تو اس کو چھوڑ دینا واجب ہو جاتا، اور قبول نہیں کریں گے تو حضرت صعب واپس لے جائیں گے اور کھائیں گے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ اگر محرم کو زندہ شکار ملے تو وہ اس کے لئے جائز نہیں، اس کو آزاد کر دینا واجب ہے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے گور خر کا گوشت پیش کیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: وہ حدیث محفوظ نہیں، یعنی واقعہ ذبح کئے ہوئے گور خر کا نہیں ہے بلکہ زندہ پیش کرنے کا ہے۔

[۲۶] باب ماجاء فی کراهیۃ لحم الصيد للمحرم

[۸۴۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَامَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ بِالْأَنْبَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ، فَأَهْدَى لَهُ جِمَارًا وَخَشِيًّا، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَ: "إِنَّهُ لَيْسَ بِنَارَةٍ عَلَيْكَ، وَلَكِنَّا حَرَّمْ"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ، وَكَوْهُوا أَكْلَ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ. وقال الشافعي: إِنَّمَا وَجَّهَ هَذَا الْحَدِيثَ عِنْدَنَا: إِنَّمَا رَدُّهُ عَلَيْهِ لِمَا ظَنَّ أَنَّهُ صَيْدٌ مِنْ أَجْلِهِ، وَتَرَكَهُ عَلَى التَّنْزِهِ.

وَقَدْ رَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ الزُّهْرِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ، وَقَالَ: أَهْدَى لَهُ لَحْمُ جِمَارٍ وَخَشٍ، وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ. وفي الباب: علي بن علي، وزيد بن أرقم.

ترجمہ: صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور وہ محرم کے لئے شکار کھانے کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اس گور خر کو نبی ﷺ نے اس لئے لوٹایا تھا کہ آپؐ نے گمان کیا کہ وہ آپؐ کی خاطر شکار کیا گیا ہے، اور آپؐ نے اس سے احتراز فرمایا اس سے بچتے ہوئے (یعنی چونکہ وہ صیّد لاجل المحرم تھا اس لئے وہ آپؐ کے لئے حرام تھا اس لئے آپؐ نے قبول نہیں کیا، مگر حنفیہ کے نزدیک قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زندہ تھا، آپؐ کے کسی کام کا نہیں تھا، اگر آپ قبول

کر لیتے تو آزاد کر دینا واجب ہو جاتا، اس لئے آپؐ نے اسے واپس کر دیا اور زہری کے بعض تلامذہ امام زہری رحمہ اللہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حضور ﷺ کو گور خرا کا گوشت پیش کیا گیا اور یہ روایت محفوظ نہیں۔

باب ماجاء فی صید البحر للمحرم

محرم کے لئے سمندر کا شکار حلال ہے

سورہ مائدہ آیت ۹۶ میں صراحتاً یہ مسئلہ ہے کہ محرم کے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کو کھانا جائز ہے، اور جب مسئلہ قرآن میں آگیا تو اب حدیثوں میں نہیں آئے گا، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں رہی، اور یہاں جو حدیث ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حج یا عمرہ کے سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، لوگوں کے سامنے ایک ٹڈی ڈل آگیا، لوگ کوڑوں اور لاشیوں سے مارنے لگے، آپؐ نے فرمایا: ”اس کو کھاؤ وہ سمندری جانوروں میں سے ہے“ تشریح: ٹڈی حقیقت میں سمندر کا جانور نہیں ہے اور ابن ماجہ میں جو حدیث ہے کہ ٹڈی سمندر کی ایک خاص قسم کی مچھلی کی چھینک سے پیدا ہوتی ہے، یہ حدیث بس دسکی ہی ہے۔ ابن ماجہ نے اس کی تخریج کی ہے (ابن ماجہ حدیث ۱۲۳۱۱ باب الصيد) سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوعات میں لیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا ایک راوی موسیٰ متروک۔ اور ارشاد پاک: فإِنَّهُ مِنَ صَيْدِ الْبَحْرِ کہیں مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) جس طرح محرم کے لئے سمندر کا جانور شکار کرنا اور اس کو کھانا جائز ہے، محرم کے لئے ٹڈی کا شکار کرنا اور اس کو کھانا جائز ہے (۲) جس طرح سمندر کا مردار یعنی مری ہوئی مچھلی حلال ہے اسی طرح مری ہوئی ٹڈی بھی حلال ہے، کیونکہ اس میں بھی ذبح شرط نہیں (۳) جس طرح محرم پر سمندر کا شکار کرنے کی وجہ سے جزا واجب نہیں، اسی طرح ٹڈی مارنے سے بھی جزا واجب نہیں۔

مگر ائمہ اربعہ کے نزدیک حدیث کا صرف دوسرا مطلب صحیح ہے، پہلا اور تیسرا مطلب صحیح نہیں، چنانچہ ان کے نزدیک اگر محرم ٹڈی مارے گا تو جزا واجب ہوگی، اور ایک ٹڈی کی جزا ایک کھجور بہت ہے، مشہور مقولہ ہے: تَغْوَرَةُ غَيْرَةٍ مِثْنُ جَوَاقِدِةٍ أَيْکَ کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے، اس میں مسئلہ کا بیان ہے کہ ایک ٹڈی کی جزا ایک کھجور ہے اور وہ بہت ہے، یعنی ایک کھجور کافی سے زیادہ جزا ہے، اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ ابوالمحرم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صراحت نہیں کہ مکہ جاتے ہوئے ٹڈی ذل ملا تھا یا مکہ سے لوٹتے ہوئے۔ دونوں احتمال ہیں، جاتے ہوئے لوگ احرام میں ہوتے ہیں، واپسی میں احرام نہیں ہوتا، پس ممکن ہے یہ واپسی کا واقعہ ہو، اور قرینہ ثقلوہ ہے، اس میں صاف اشارہ ہے کہ آپؐ نے تشبیہ مردار ہونے میں دی ہے کہ جس طرح سمندر کا مردار حلال ہے ٹڈی کا مردار بھی حلال ہے، جزا نہ ہونے میں تشبیہ نہیں ہے۔

[۲۷] باب ماجاء فی صید البحر للمحرم

[۸۴۱-] حدثنا أبو ثریب، نا وکیع، عن حماد بن سلمة، عن أبي المہزم، عن أبي هريرة، قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في حج أو عمرة، فاستقبلنا رجل من جرادة فجعلنا نضربه بأسيافنا وعصيانا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "كلوه فإنه من صيد البحر"

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث أبي المہزم، عن أبي هريرة، وأبو المہزم: اسمه يزيد بن سفيان، وقد تكلم فيه شعبه. وقد رخص قوم من أهل العلم للمحرم أن يصيد الجرادة فكل، ورأى بعضهم أن عليه صدقة إذا اصطاده أو أكله.

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، کیونکہ تجا ابوالمہزم اس کو روایت کرتا ہے اور اس کا نام یزید بن سفیان ہے اور وہ ضعیف ہے۔ شعبہ نے اس میں کلام کیا ہے، اور بعض علماء محرم کو بی شکار کرنے کی پھر اس کو کھانے کی اجازت دیتے ہیں (یعنی جزاء واجب نہیں کرتے اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: اس پر صدقہ واجب ہے جب وہ اس کو شکار کرے یا اس کو کھائے (ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور امام احمد کا راجح قول یہی ہے)

باب ماجاء فی الصبیح یصیبھا المحرم

محرم اگر بچہ مارے تو کیا حکم ہے؟

حدیث: ابن ابی عمار کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا جو شکار ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا میں اس کو کھاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پوچھا: کیا یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں (بچہ: ایک گوشت خوردہ ہے، جو دن بھر تل میں گھسا رہتا ہے اور رات میں باہر نکلتا ہے) تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث جلد ثانی کے صفحہ اول پر بھی اسی سند سے اور انہی الفاظ سے تحریر فرمائی ہے، اور یہ استدلال کیا ہے کہ بچہ کھانا جائز ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں، اور یہاں یہ استدلال کیا ہے کہ بچہ درندہ ہونے کے ساتھ شکار بھی ہے، پس اگر وہ انسان پر یا انسان کے مال پر حملہ کرے تو وہ الشیخ العادی (حملہ کرنے والا درندہ) ہے، اس کو مارنا جائز ہے، کوئی جزاء واجب نہیں، اور اگر حملہ آور نہ ہو تو شکار ہے اس کو قتل کرنے سے جزاء واجب ہوگی، دو دیندار معتبر آدمی جو قیمت طے کریں وہ غرباء کو دینی ہوگی۔ البتہ بچہ کی قیمت بکری کی قیمت

سے زیادہ نہیں لگائی جائے گی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ بگو شکار ہے اور اس کی جزاء واجب ہے: یہ مسئلہ تو اجماعی ہے، البتہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حنفیہ نے ایک دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ترمذی میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر ہر کھلی دار درندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے: **نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ** (مشکوٰۃ حدیث ۴۰۸۹) اور بگو کی بھی کتے کی طرح کچلیاں ہوتی ہیں، پس وہ بھی اس حدیث کی رو سے حرام ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو مضمون ہیں: پہلا مرفوع ہے اور دوسرا موقوف یعنی حضرت جابر کا اجتہاد ہے، بگو شکار ہے یہ کثرا مرفوع ہے اور نعم کا تعلق اسی سے ہے اور اس کے کھانے کا جواز یہ حضرت جابر کا اجتہاد ہے اور دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے اس میں صرف پہلا مضمون ہے، دوسرا مضمون نہیں ہے، اور حضرت جابر کا یہ قول حضرت علیؑ کے قول سے معارض ہے، موطا میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گواہ اور بگو کھانے سے منع فرمایا، چونکہ حضرت علیؑ کا یہ قول حدیث مرفوع نہیں عن کل ذی نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ کے موافق ہے اس لئے حنفیہ نے اس کو ترجیح دی ہے (تفصیل کے لئے دیکھیں اعلام السنن ۱: ۶۳ باب ماجاء فی الضبع کتاب اللہایح)

[۲۸] باب ماجاء فی الضبع یُصَيَّبُهَا الْمُحَرَّمُ

[۸۴۲] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، نَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثَيْدٍ، عَنْ عُمَيْرٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ، قَالَ: قُلْتُ لِحَبَابٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: الضُّبُعُ أَصَبَدُ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: قُلْتُ: أَكُلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: قُلْتُ: أَقَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ يَحْيَى: رَوَى جُرَيْجٌ عَنْ حَازِمٍ هَذَا الْحَدِيثَ، فَقَالَ: عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عُمَرَ، وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ أَصَحُّ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْمُحَرَّمِ إِذَا أَصَابَ ضَبْعًا أَنَّ عَلَيْهِ الْحَزَاءَ.

وضاحت: مذکورہ حدیث کی سند میں جریر بن حازم نے جابر بن عبد اللہ کے بعد حضرت عمرؓ کا تذکرہ کیا ہے، مگر وہ صحیح نہیں، صحیح: ابن جریج کی حدیث ہے یعنی یہ حضرت جابر کی حدیث ہے، حضرت عمرؓ کی حدیث نہیں اور وہ قولی

احمد و اسحاق بے موقعہ آیا ہے، معلوم نہیں کھانے کا مسئلہ مراد ہے یا جزاء کا؟ اور اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے جب محرم بجاؤ تو قتل کرے تو اس پر جزاء واجب ہے۔

باب ماجاء فی الاغتسال لدخول مكة

مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا مسنون ہے

۲ غرضور ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ دس دن میں پہنچتے تھے، اور سارا علاقہ ریتلا تھا، ہوائیں چلتی تھیں گرد و غبار اڑتا تھا اور آدمی کا برا حال ہو جاتا تھا، اس لئے سنت یہ ہے کہ جب مکہ قریب آئے تو نہائے وضوئے اور احرام کی صاف ستھری چادریں پہنے پھر مکہ میں داخل ہو اور طواف کرے، اس میں کعبہ شریف کی تعظیم ہے، لیکن اب صورت حال مختلف ہے، لوگ بسوں میں سفر کرتے ہیں اور بے بس ہوتے ہیں، اس لئے موقعہ ہو تو جدہ میں نہالے ورنہ مکہ پہنچ کر نہائے، وہاں نہانے کا معقول انتظام ہے۔

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے فتح نامی جگہ میں غسل فرماتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث غیر محفوظ ہے، واقعہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے جاتے تھے تو پہلے ذوطوی نامی جگہ میں ٹھہرتے تھے اور نماز فجر ادا کر کے غسل کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی ﷺ بھی ایسا کرتے تھے (بخاری حدیث ۱۵۵۳) یعنی یہ حدیث موقوف ہے، ابن عمر کا عمل ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرتے تھے، اس حدیث میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے گڑبڑ کی ہے اور وہی اس حدیث کو مرفوع کرتا ہے، اور یہ راوی ضعیف ہے، امام احمد اور ابن المدینی رحمہما اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

[۲۹] باب ماجاء فی الاغتسال لدخول مكة

[۸۴۳-] حدثنا يحيى بن موسى، أخبرني هارون بن صالح، نا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن ابن عمر، قال: اغتسل النبي صلى الله عليه وسلم لدخول مكة بفتح. قال أبو عيسى: هذا حديث غير محفوظ، والصحيح ما روى نافع عن ابن عمر أنه كان يفتسل لدخول مكة. وبه يقول الشافعي، يستحب الاغتسال لدخول مكة، وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف في الحديث، ضعفه أحمد بن حنبل وعلى بن المديني وغيرهما، ولا تعرف هذا مرفوعاً إلا من حديثه.

باب ماجاء فی دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکة من أعلاها وخروجہ من أسفلها

نبی ﷺ مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے اور زیریں حصہ سے نکلے

مکہ معظمہ کی مشرقی اور مغربی جانبوں میں پہاڑی سلسلہ ہے جو بہت دور تک چلا گیا ہے اور ان کے بیچ میں وادی مکہ ہے، آنحضور ﷺ جب جتہ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے مکہ سے قریب ذی طوی میں قیام فرمایا اور اگلے دن ۴ ذی الحجہ کی صبح میں غسل کیا، پھر مکہ شریف کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے، بیت اللہ سے منی کی جانب بالائی حصہ ہے اور مکہ کا مشہور قبرستان نجون اسی طرف ہے۔ اور جب حج سے فارغ ہوئے اور عید منورہ کی طرف مراجعت فرمائی تو مکہ کے زیریں حصہ (مسفلہ) سے نکلے اور راستہ بدلنے کی وجہ یہ تھی کہ منی سے لوگ مکہ آرہے تھے، اگر آپ محسوس راستہ سے آئے تھے اسی راستہ سے مراجعت فرماتے تو منی سے آنے والوں کے ساتھ مزاحمت ہوتی، اور دوسری وجہ وہی ہے جو عیدین میں راستہ بدلنے کی ہے، یعنی دونوں ہی راستوں میں مسلمانوں کی شان و شوکت کا اظہار مقصود تھا، اور امراء کے لئے حفاظت کا سامان بھی کرتا تھا۔

حدیث: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ مکہ آئے تو اس کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے، اور اس کے زیریں حصہ سے واپس لوٹے۔

[۳۰] باب ماجاء فی دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مكة من أعلاها وخروجہ من أسفلها

[۸۴۴-] حدثنا أبو موسى محمد بن المثنى، نا سفيان بن عيينة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن

عائشة، قالت: لما جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلى مكة دخلها من أعلاها، وخارج من أسفلها.

وفی الباب: عن ابن عمر، قال أبو عيسى: حديث عائشة حديث حسن صحيح.

باب ماجاء فی دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم مكة نهاراً

نبی ﷺ مکہ میں دن میں داخل ہوئے ہیں

آنحضور ﷺ دن میں مکہ میں داخل ہوئے تھے اور اس کی متعدد وجوہ تھیں: (۱) آپ کے ساتھ ساتھ ستر ہزار کا قافلہ تھا، اگر آپ رات میں مکہ شریف میں داخل ہوتے تو سارے مکہ کی نیند حرام ہو جاتی (۲) سکون قلبی سے مکہ شریف میں داخل ہونا پیش نظر تھا، ماعمر کی حالت میں داخل ہوتے تو اللہ کے جلال و عظمت کا خوب دھیان نہ کیا جاسکتا

(۳) آپ بیت اللہ کا پہلا طواف لوگوں کے روبرو کرنا چاہتے تھے تاکہ لوگ مناسک سیکھیں اس لئے آپ مکہ سے باہر رک گئے، تاکہ جو لوگ پیچھے ہیں وہ اکٹھا ہو جائیں اور وہاں سے اعمال حج کا ذہن بنا کر چلیں اور مکہ میں پہنچ کر آپ کے ساتھ طواف وغیرہ اعمال میں شریک ہوں تاکہ مناسک سیکھیں۔

[۳۱] باب ماجاء فی دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکة نهاراً

[۸۴۵] - حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَمِيٍّ، نَاوُكَيْعٌ، نَا الْعَمَرِيُّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ نَهَارًا.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن.

باب ماجاء فی كراهية رفع اليدين عند رؤية البيت

بیت اللہ نظر پڑنے پر رفع یدین مکروہ ہے

جب مسجد حرام میں داخل ہوا اور کعبہ شریف پر نظر پڑے تو تین مرتبہ اللہ اکبر اور تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اور اس وقت رفع یدین کرے یا نہ کرے؟ رفع یدین کی دو شکلیں ہیں: ایک: جب کعبہ شریف پر نظر پڑے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتا جس طرح تکبیر تحریرہ کے وقت اٹھائے جاتے ہیں، دوسری: ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا، یہ بھی رفع یدین ہے۔ احناف کے نزدیک: نہ تکبیر تحریرہ میں رفع کی طرح ہاتھ اٹھائے، نہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، البتہ اس موقع پر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا ضرور کرے وہ قبولیت دعا کا موقع ہے، یہی مذہب امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہئے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا جب آدمی کی نظر (پہلی بار) بیت اللہ پر پڑے تو رفع یدین کرے؟ (یہ سوال رفع یدین کی دونوں صورتوں کو شامل ہے) انھوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا تو ہم نے اس کو کیا تھا یعنی ہم نے حج میں رفع یدین کیا تھا۔

[۳۲] باب ماجاء فی كراهية رفع اليدين عند رؤية البيت

[۸۴۶] - حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَمِيٍّ، نَا وَكَيْعٌ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي قُرْعَةَ الْبَاهِلِيِّ، عَنْ الْمُهَاجِرِ

الْمَكِّيِّ، قَالَ: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ: أَبْرَفَعَ الرَّجُلُ يَدَيْهِ إِذَا رَأَى الْبَيْتَ؟ فَقَالَ: حَجَجْنَا مَعَ رَسُولِ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا نَفْعَلُهُ.

قال أبو حمسى: رَفَعَ الْبَلَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَا النَّبِيِّ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي قُرْعَةَ، وَاسْمُ أَبِي قُرْعَةَ سُؤَيْدُ بْنُ حُنْجَرٍ.

ترجمہ اور وضاحت: امام ترمذی کہتے ہیں: بیت اللہ پر نظر پڑنے کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کی روایت ہم صرف شعبہ کی سند سے جانتے ہیں جو ابو قرعہ سے مروی ہے، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حدیث کی صحیح عبارت: فَكُنَّا نَفْعَلُهُ ہے، مگر مصری نسخہ میں الْفَعْلُ ہے؟ اور ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا پس ہم نے اس کو کیا تھا؟ یعنی اس موقع پر ہم نے رفع یدین نہیں کیا تھا۔ اور ابوداؤد (حدیث ۱۸۷۰) سے اس نسخہ کی تائید ہوتی ہے، ابوداؤد میں حدیث کے الفاظ ہیں: مَا كُنْتُ أَرَى أَحَدًا يَفْعَلُ هَذَا إِلَّا الْيَهُودَ، وَقَدْ حَجَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُنْ يَفْعَلُهُ، یعنی میرے خیال میں تو یہ کام یہودی کرتے ہیں، اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا، پس آپ نے اس کو نہیں کیا، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ترمذی کی عبارت میں تصحیف ہے کیونکہ باب رفع کی کراہیت کا باندھا ہے جو اَلْكَفَا نَفْعَلُهُ ہی سے ثابت ہو سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ تَكْنِيفُ الطَّوَافِ

طواف کا طریقہ

طواف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کعبہ شریف کے پاس پہنچ کر سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کرے یعنی اس کو چھوئے پھر دائیں جانب چلے اور سات پھر لگائے، یہ ایک طواف ہوا اور ہر پھر میں حجر اسود کا استلام کرے، اور اڑدھام ہو تو حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو کر ہاتھ سے یا لکڑی وغیرہ سے چھوئے اور اس کو چومے، اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف اشارہ کرے اور بگیر کہے، اور شروع کے تین پھروں میں رَمَلَ کرے یعنی چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر کندھے بلاتا ہوا ذرا حیر چلے جس طرح پہلوان اکھاڑے میں چلتا ہے اور رمل صرف اس طواف میں کرے جس کے بعد سعی کرتی ہے، پھر طواف کے بعد مقام ابراہیم پر آئے اور طواف کا دو گنا نہ پڑھے یہ دو گنا نہ واجب ہے۔ اور اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیم اور کعبہ دونوں سامنے آجائیں مگر قبلہ کعبہ شریف ہے مقام ابراہیم قبلہ نہیں ہے۔ اور اڑدھام کی صورت میں جہاں بھی آسانی ہو دو گنا نہ ادا کرے، طواف کے دو گنا نہ سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام کرے پھر صفا و مردہ کی سعی کے لئے لٹکے اور سعی صفا سے شروع کرے، صفا سے مردہ تک ایک پھر ہوگا اور مردہ سے صفا تک دوسرا پھر ہوگا، اس طرح صفا اور مردہ کے درمیان سات پھر لگائے، سعی صفا سے شروع کرے اور مردہ پر ختم کرے، اور سعی میں دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑے، یہ سنت ہے۔

حدیث: نبی ﷺ جب مکہ پہنچے تو مسجد میں داخل ہوئے، پس حجر اسود کو ہاتھ لگایا اور اس کو چوما پھر دائیں جانب چلے اور تین چکروں میں رمل کیا، اور چار چکروں میں عادت کے مطابق چلے، پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور آیت کریمہ: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی﴾ پڑھی یعنی تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ پس آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں دراصل مکہ مقام ابراہیم آپؐ کے اور کعبہ شریف کے درمیان تھا، پھر طواف کا دو گنا ادا کر کے حجر اسود پر تشریف لائے اور اس کو ہاتھ لگایا اور چوما پھر صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے (حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میرا خیال ہے کہ آپؐ نے وہاں یہ آیت تلاوت کی: ﴿إِنَّ الصُّفَا وَالْعُرْوَةَ مِنْ شَعَابِی اللہ﴾ یعنی صفا و مرہ اللہ کے دین کی امتیازی نشانیاں ہیں۔

تشریح:

۱- کعبہ شریف جس کا طواف کرتے ہیں درحقیقت مسجد ہے اور آیت کریمہ: ﴿فَوَلَّی وَخَهِتَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں مسجد حرام سے کعبہ شریف مراد ہے، اس کے ارد گرد جو جگہ ہے وہ مطاف کہلاتی ہے، پہلے کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھی جاتی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کے دو دروازے بنائے تھے اور دونوں زمین سے لگے ہوئے تھے، بعد میں قریش نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے ایک دروازہ کر دیا اور اس کو قد آدم اونچا کر دیا تاکہ جسے چاہیں داخل ہونے دیں، پھر باہر نماز ہونے لگی، اور مطاف کو بلکہ اس کے بعد جو مسجد بنی ہے اس کو مسجد حرام کہنے لگے، دراصل مسجد کعبہ شریف ہے۔

۲- نبی ﷺ نے عمرہ القضاء میں رمل اس لئے کیا تھا کہ مشرکین مرعوب ہوں ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے لاغر و نحیف کر دیا ہے وہ ایک جگہ سے طواف کا منظر دیکھ رہے تھے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اکڑ کر چلیں، چنانچہ مشرکین طواف کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کہنے لگے: کون کہتا ہے کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں، یہ تو ہر لون کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہیں، اور کوڈ کوڈ کر طواف کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس وقت کعبہ کے صرف اس حصہ میں رمل کیا تھا جہاں سے طواف کا منظر مشرکین کو نظر آ رہا تھا اور اوٹ میں آپؐ حسب معمول چلتے تھے، جب مشرکین ہٹ گئے تو باقی چکر حسب معمول چل کر پورے کئے، ان میں رمل نہیں کیا۔ مگر حجۃ الوداع میں آپؐ نے پورے تین چکروں میں رمل کیا تھا جبکہ وہاں کوئی مشرک نہیں تھا، پس شروع میں رمل کا مقصد چاہے کچھ رہا ہو مگر اب وہ مناسک میں داخل ہے، جیسے آپؐ نے جب سعی کی تھی تو صفا اور مرہ کے درمیان ایک مخصوص حصہ میں دوڑے تھے، اس کا مقصد بھی جلادت (قوت) کا مظاہرہ تھا، مگر جب آپؐ وہاں دوڑے تو وہ مکمل مناسک میں شامل ہو گیا، اب اس مخصوص حصہ میں جس کی دوہرے نشانوں سے نشاندہی کر دی گئی ہے دوڑنا سنت ہے (وہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا دوڑنا بھی ایک وجہ ہے)

۳۔ آپؐ نے مقام ابراہیم پر پہنچ کر آیت کریمہ: ﴿وَاصْلُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی﴾ تلاوت کی تھی اور طواف کا دو گانہ ادا فرمایا تھا۔ یہاں آیت تلاوت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ اس کی عملی تفسیر کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقام ابراہیم کو مصلیٰ (نماز پڑھنے کی جگہ) بنانے کا حکم دیا ہے وہ حکم سب نمازوں کے لئے نہیں ہے صرف طواف کا دو گانہ یہاں پڑھنے کا حکم ہے اور اپنی نماز میں مقام ابراہیم اور کعبہ شریف دونوں کو سامنے لے کر اشارہ کیا کہ قبلہ صرف کعبہ شریف ہے، مقام ابراہیم قبلہ نہیں ہے، اور مقام ابراہیم پر دو گانہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشانات ہیں اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر آپؐ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی اور وہ پتھر جنت سے اتارا گیا تھا، جیسے حجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے۔ اس لئے مقام ابراہیم مسجد حرام کی بزرگ ترین جگہ ہے اور اللہ کی قدرت کی وہ نشانی ہے جو حضرت خلیل اللہ پر ظاہر ہوئی ہے اور حج میں انہی امور کو یاد کرنا مقصود ہے، اس لئے کہ اس یادگار مقام پر دو گانہ طواف پڑھنا مستحب ہے۔

دو گانہ طواف کی وجہ: ہر طواف کے بعد دو رکعتیں بیت اللہ کی تعظیم کی تکمیل کے لئے پڑھی جاتی ہیں، بیت اللہ کا طواف بھی اس کی تعظیم ہے، مگر کمال تعظیم یہ ہے کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے، اور یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ کعبہ شریف معبود نہیں ہے، وہ صرف معظم و محترم جگہ ہے، اس لئے اس کا طواف کیا جاتا ہے اور نمازوں میں اس کی طرف رخ کیا جاتا ہے، جیسے مقام ابراہیم محترم پتھر ہے اس لئے اس کی طرف رخ کیا جاتا ہے وہ بھی معبود نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کعبہ کو بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ خود معبود نہیں ہے اور جب کوئی شخص کسی کے گھر کا ارادہ کرتا ہے تو مقصود صاحب مکان ہوتا ہے مگر انتساب کی وجہ سے مکان کو بھی عظمت کا ایک درجہ حاصل ہو جاتا ہے، اور چونکہ اللہ کی ذات غیر مرئی ہے اس لئے ملت کی شیرازہ بندی کے لئے نمازوں میں اس کے گھر کا رخ کیا جاتا ہے اور جذبہ احترام و عقیدت کے اظہار کے لئے اس کے گھر کے چکر لگائے جاتے ہیں۔

۴۔ اس کے بعد آپؐ صفا پہاڑی کی طرف لٹکے جب آپؐ اس کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آیت کریمہ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم صفا سے اس لئے سعی شروع کر رہے ہیں کہ اللہ پاک نے آیت میں صفا کا ذکر پہلے کیا ہے اور واد اگر مطلق جمع کے لئے ہے اس میں تعقیب کا مفہوم نہیں ہوتا مگر یہاں آیت تلاوت فرما کر آپؐ نے اشارہ کیا کہ آیت میں صفا کی تقدیم محض اتفاقی نہیں ہے بلکہ مذکور کو شروع کے ساتھ موافق کرنے کے لئے ہے یعنی اس پر عمل کرنے کے لئے ہے، چنانچہ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ صفا سے سعی شروع کرنا واجب ہے، اگر کوئی مردہ سے سعی شروع کرے گا تو مردہ اور صفا کے درمیان کا ایک چکر بے کار جائے گا۔

[۳۳] باب ماجاء كيف الطواف؟

[۸۴۷-] حدثنا محمود بن غيلان، نا يحيى بن آدم، نا سفيان، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جابر، قال: لما قديم النبي صلى الله عليه وسلم مكة دخل المسجد فامسك الحجر، ثم مضى على يمينه، فركل ثلاثاً ومشى أربعاً ثم أتى المقام فقال: ﴿وَالْعَجَلُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ فصلى ركعتين، والمقام بينة وبين البيت، ثم أتى الحجر بعد الركعتين فاستلمه ثم خرج إلى الصفا، أكله قال: ﴿وَالصفا والمروة من شعائر الله﴾.

وفي الباب: عن ابن عمر، قال أبو عيسى: حديث جابر حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم.

باب ماجاء في الرمي من الحجر إلى الحجر

طواف کے پورے چکر میں رمل کرنا مسنون ہے

گذشتہ باب میں یہ بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرۃ القضا میں طواف کے ابتدائی تین چکروں میں رمل کیا تھا، مگر پورے چکر میں رمل نہیں کیا تھا بلکہ جہاں سے مشرکین کو طواف نظر آ رہا تھا صرف اسی حصہ میں رمل کیا تھا لیکن حجۃ الوداع میں آپ نے ابتدائی تین چکروں میں پورے چکروں میں رمل کیا تھا، اس لئے اب پورے چکر میں رمل کرنا مسنون ہے، اور رمل یہ ہے کہ سینہ تان کر کندھے ہلاتے ہوئے ذرا تیز قدموں سے چلے جیسے پہلوان جب وہ اکھاڑے میں اترتا ہے تو چلتا ہے، اور رمل صرف مرد کریں گے عورتیں رمل نہیں کریں گی، اور اگر کوئی شخص بالقصد رمل نہ کرے یا بھڑکی وجہ سے رمل نہ کرے تو اس پر کچھ واجب نہیں، اس لئے کہ رمل سنت ہے، اور بعض علماء کے نزدیک کئی پر رمل نہیں، خواہ وہ مکہ کے اصل باشندے ہوں یا تنسح کی نیت سے باہر سے آئے ہوں اور عمرہ کا احرام کھول کر مکہ میں مقیم ہو گئے ہوں۔ پھر مکہ سے حج کا احرام باندھا ہو تو وہ رمل نہیں کرے گا، مگر احتناف کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ جس طواف کے بعد سعی ہے اس میں رمل ہے اور جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں رمل نہیں، عمرہ کے طواف کے بعد چونکہ سعی ہے اس لئے عمرہ کے طواف میں رمل کریں گے، اور حج میں اگر طواف قدوم کے بعد سعی کرنے کا ارادہ ہے تو رمل کریں گے، پھر طواف زیارت میں رمل نہیں کریں گے، کیونکہ حج کی سعی طواف قدوم کے بعد کی جا چکی ہے پس طواف زیارت کے بعد سعی نہیں کرے گا اس لئے رمل بھی نہیں کرے گا۔ اور اگر طواف قدوم کے بعد سعی کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو اس طواف میں رمل نہیں کرے گا، بلکہ طواف زیارت میں رمل کرے گا، اور یہ قاعدہ کلیہ کی اور آفاقی سب کے لئے ہے۔

[۳۴] باب ماجاء فی الرمل من الحجر إلى الحجر

[۸۴۸-] حدثنا علی بن خنسم، نا عبد اللہ بن وہب، عن مالک بن انس، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جابر: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رمل من الحجر إلى الحجر ثلاثاً، ومشى أربعاً. وفي الباب: عن ابن عمر، قال أبو عیسی: حدث جابر حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم.

قال الشافعی: إذا ترك الرمل عمداً فقد أساء ولا شیء علیه، وإذا لم يرمل في الأسواط الثلاثة لم يرمل فيما بقي، وقال بعض أهل العلم: ليس على أهل مكة رمل ولا على من أحرّم منها.

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص بالقصد رمل ترک کر دے تو اس نے برا کیا اور اس پر کچھ واجب نہیں، اور جب اس نے ابتدائی تین چکروں میں رمل نہ کیا تو باقی چکروں میں رمل نہیں ہے یعنی بعد کے چکروں میں خطائی مافات نہیں ہو سکتی۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اہل مکہ پر رمل نہیں اور نہ اس شخص پر رمل ہے جس نے مکہ سے احرام باندھا ہے (ائمہ اربعہ کا یہ مذہب نہیں)

باب ماجاء فی استلام الحجر والرکن الیمانی ذون مایسواہما

صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام مسنون ہے کعبہ کے دوسرے کونوں کا استلام مسنون نہیں کعبہ شریف کے چار کونے ہیں، ایک کونے میں حجر اسود لگا ہوا ہے اس کا استلام بھی ہے اور تقبیل بھی، یعنی اس کو چھونا بھی ہے اور چومنا بھی، اور کعبہ شریف کے جو دو کونے حطیم کی طرف ہیں جو رکن شامی کہلاتے ہیں ان کو نہ چھونا ہے نہ چومنا ہے اور رکن یمانی کا صرف استلام ہے اس کو چومنا نہیں ہے، اور شامی کونوں کا استلام اس لئے نہیں ہے کہ وہاں سے مڑنا نہیں ہوتا بلکہ آگے حطیم سے گزر کر مڑنا ہوتا ہے کیونکہ حطیم کعبہ کا حصہ ہے، پس اگر ہر شخص وہاں استلام کرنے کے لئے رکے گا تو طواف رک جائے گا۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ یہ دونوں کونے اپنی اصلی جگہ پر نہیں ہیں، جب نبی ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ برس کی تھی، اس وقت قریش نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا، کعبہ شریف بوسیدہ ہو گیا تھا۔ آپ خود بتائے کعبہ میں شریک تھے اس وقت تعمیر کعبہ کے لئے چندہ کیا گیا تھا اور شرط یہ رکھی گئی تھی کہ صرف حلال وطیب مال ہی چندہ میں دیا جائے، چنانچہ چندہ تھوڑا ہوا اس لئے قریش نے کعبہ چھوٹا بنایا اور حطیم کی طرف کا حصہ کعبہ سے باہر نکال دیا۔ غرض حطیم کعبہ کا جزء ہے اور شامی کنارے اپنی اصلی جگہ پر نہیں ہیں اس لئے ان کا استلام نہیں کیا جاتا۔ حدیث: ابو الطفیل کہتے ہیں: ہم ابن عباسؓ کے ساتھ تھے (یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ

ہے) اور حضرت معاویہؓ کعبہ کے ہر کونے کا استلام کرتے تھے ان سے ابن عباسؓ نے کہا: نبی ﷺ نے صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: بیت اللہ کا کوئی حصہ متروک نہیں، یعنی کعبہ کا ہر جز برکت والا ہے، پس چاروں کولوں کا استلام کرنا چاہئے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی ہے وہ نص کے خلاف ہے، اور نص کے خلاف صحابہ کا قول و فعل حجت نہیں، چر جائے کہ ائمہ مجتہدین کا، اور دلیل عقلی یہ ہے کہ بیشک کعبہ کا ہر جز بابرکت ہے مگر استلام اسی جزء کا کیا جائے گا جس کا استلام ثابت ہے، ورنہ تو کعبہ کی دیوار پر ہاتھ گھسیٹتے ہوئے طواف کرنا چاہئے، کولوں ہی کی کیا تفصیص ہے؟

[۲۵] باب ماجاء فی استلام الحجر والرکن الیمانی، دون ماسواهما

[۸۴۹] - حدثنا محمود بن غیلان، نا عبد الرزاق، نا سفیان، ومعمّر، عن ابن عثیم، عن ابی الطفیل، قال: کنا مع ابن عباس، ومعاویة لأیمر برکنی إلا استلمته، فقال له ابن عباس: إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یستلم إلا الحجر الأسود والرکن الیمانی، فقال معاویة: لیس خیر من النبت منہوزاً.

وفی الباب: عن حمز، قال أبو عسی: حدث ابن عباس حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند اکثر أهل العلم أن لا یستلم إلا الحجر الأسود والرکن الیمانی.

باب ماجاء أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف مضطجعاً

نبی ﷺ نے طواف میں اضطجاع کیا تھا

جب آنحضور ﷺ نے طواف کیا تو اضطجاع بھی کیا اور اضطجاع کے معنی ہیں: دائیں بغل کے نیچے سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ یہ حالت رمل میں سہولت کے لئے ہے، اور رمل آپؐ نے طواف کے شروع کے تین چکروں میں کیا تھا مگر اضطجاع آخر تک باقی رکھا تھا اور اضطجاع اس طواف میں مسنون ہے جس میں رمل ہے اور رمل اس طواف میں ہے جس کے بعد سہی ہے۔

[۲۶] باب ماجاء أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف مضطجعاً

[۸۵۰] - حدثنا محمود بن غیلان، نا قیس، عن سفیان، عن ابن جریج، عن عبد الحمید، عن ابی یعلی، عن أبیہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: طاف بالنبت مضطجعاً وعلیہ برء.

قال أبو حمسى: هذا حديث الثوري عن ابن جريج، لا تعرفه إلا من حديثه، وهو حديث حسن صحيح، وعبد الحميد: هو ابن جابر بن خصة، عن ابن يعلی، عن أبيه: وهو يعلی بن أمية.

باب ماجاء في تقبيل الحجر

حجر اسود کو چومنے کا بیان

مسئلہ یہ ہے کہ جب بھی طواف کرنے والا حجر اسود کے پاس سے گزرے اس کو چومے اور چومے اور اڑھام ہو اور چومنا مشکل ہو تو اسے ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومے اور یہ بھی دشوار ہو تو اس کی طرف ہاتھ سے یا کسی چیز سے اشارہ کرے اور تکبیر کہے۔ نبی ﷺ نے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا تھا، پس جب آپ حجر اسود کے سامنے سے گزرتے تو چھڑی سے اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے تھے، خیال رہے کہ ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنے کی صورت میں ہاتھ کو نہیں چومے گا، اسی طرح حجر اسود کی طرف گھومنا بھی ضروری نہیں، صرف استقبال (منہ کرنا) کافی ہے۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، بڑا مجمع آپ کے ساتھ تھا، جب طواف کے لئے کعبہ کے پاس پہنچے تو حجر اسود کو چوما اور (لوگوں کے سامنے حجر اسود سے) فرمایا: میں تجھے چوم رہا ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے یعنی تو معبود نہیں ہے اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔

تشریح:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح یہ کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تقبیل حجر سے لوگوں کو روکنے کا ارادہ فرمایا، پھر ان پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ جب نبی ﷺ نے حجر اسود کو چوما ہے تو ضرور اس کی کوئی وجہ ہوگی اس لئے آپ نے ارادہ بدل دیا۔ لوگوں کو منع نہیں کیا بلکہ خود بھی بوسہ دیا۔ مگر اس سے ابھی تشریح وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد اور عمل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جو حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہو اس کو چون چرا کے بغیر مان لینا چاہئے، خواہ اس کی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، حجر اسود بالیقین ایک پتھر ہے اس میں معبودیت کی شان نہیں ہے مگر جب نبی ﷺ نے اس کو چوما ہے تو ہم بھی چومیں گے اگرچہ اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہ آئے۔

دین کا مدار ثبوت پر ہے حکم شرعی عقل کی سہائی میں آئے یا نہ آئے، اس پر دین کا مدار نہیں۔ ابو داؤد میں روایت ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر دین میں رائے کا دخل ہوتا تو موزوں کے چمچے اور پر کی بہ نسبت اولیٰ تھا“

کیونکہ گردوغبار نیچے لگتا ہے مگر چونکہ اوپر سرخ منصوص ہے اس لئے عقل کو بالائے طاق رکھ دیا جائے گا اور موزوں کے اوپر سرخ کیا جائے گا۔ اس سے بھی یہ اصل ثابت ہوئی کہ احکام شرع پر عمل کرنا حکمت (وجہ) جاننے پر موقوف نہیں، احکام شرعیہ کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ اس سے بڑی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، دیگر تمام وجوہ ثانوی درجہ کی چیزیں ہیں مثلاً یہ وجہ کہ حجر اسود ایک متبرک پتھر ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے اتارا گیا ہے، پس وہ پروردگار سے قریب العہد یعنی نیا آیا ہوا ہے اس لئے اس کو تبرک چوما جاتا ہے تعظیم و عبادت کے طور پر نہیں چوما جاتا وغیرہ حکمتیں ہیں، اور علت معلوم نہیں۔

فائدہ: محبت اور تبرک کے طور پر کسی چیز کو چومنے میں کوئی حرج نہیں، جیسے قرآن کریم کو چومنا، حتیٰ کہ دروازوں میں دست بوسی اور قدم بوسی کا بھی تذکرہ آیا ہے، دو واقعات میں نو مسلم حضرات خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے اور انھوں نے دست بوسی اور قدم بوسی کی تھی۔ ان میں سے ایک روایت ابوداؤد میں ہے جو مشکوٰۃ میں بھی آئی ہے، یہ دونوں روایتیں اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں مگر وہ چوما چونکہ تبرک کے طور پر تھا اس لئے منجائش تھی، پھر جب بات آگے بڑھی اور لوگ بڑوں کو تعظیم کے طور پر چومنے لگے تو علماء نے دست بوسی کو تو ناپسند کیا اور قدم بوسی کو ناجائز قرار دیا، کیونکہ وہ زمین بوسی کے مشابہ تھی اور زمین بوسی سجدہ کے مشابہ ہے، اور علماء نے یہ بات قیام تعظیص کی جو ممانعت آئی ہے کہ تم اپنے بڑوں کے لئے ایسا قیام نہ کرو جیسا انھیں اپنے بڑوں کے لئے کرتے ہیں اس سے مطلقاً تعظیصاً دست بوسی اور قدم بوسی کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ تعظیم جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ عبادت اور پوجا تک پہنچ جاتی ہے اس لئے سد باب کے طور پر قدم بوسی کو تو مطلقاً ناجائز کہا اور دست بوسی کو نامناسب قرار دیا، اگر محبت میں چومنا ہے تو پیشانی چومے، یہی سنت ہے۔ اور تجربات سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ غلو محترم شخصیات میں پیدا ہوتا ہے دیگر چیزوں میں لوگ غلو نہیں کرتے جیسے قرآن کو جب بھی کوئی چومتا ہے تو برکت ہی کے لئے چومتا ہے یہی حال حجر اسود کا ہے اس لئے اس کا چومنا مشروع ہوا۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب ہے کہ میں سنت کی پیروی میں تجھے چوم رہا ہوں۔

[۳۷] باب ماجاء فی تقبیل الحجر

[۸۵۱-] حدثنا هناد، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن عاصم بن ربيعة، قال: رأيت عمر بن الخطاب يقبل الحجر ويقول: إني أقبلك وأعلم أنك حجر، ولولا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلك لم أقبلك.

وفی الباب: عن ابن بکر، وابن عمر، قال أبو عیسی: حدیث عمر حدیث حسن صحیح. والعمل علی هذا عند أهل العلم يستعبرون تقبیل الحجر، فإن لم یمكنه أن یصل إلیه استلمه یدیه وقبل یدیه، وإن لم یصل إلیه استقبله إذا خاضی به، وتکبر، وهو قول الشافعی.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ حجر اسود کے چومنے کو پسند کرتے ہیں، پس اگر اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو اس کو اپنے ہاتھ سے چھوئے اور اپنے ہاتھ کو چومے، اور اگر اس تک نہ پہنچ سکے (یعنی ہاتھ نہ لگا سکے) تو اس کی طرف منہ کرے جب اس کے مقابل ہو اور تکبیر کہے، اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِالضَّفَا قَبْلَ الْعُرْوَةِ

سعی صفا سے شروع کرنی چاہئے

حدیث: نبی ﷺ جب مکہ آئے تو آپ نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے، پھر مقام ابراہیم پر آئے اور آیت کریمہ: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضَلًّى﴾ پڑھی پھر مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کا دو گانہ ادا فرمایا، پھر حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر فرمایا: ہم سعی وہاں سے شروع کریں گے جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے، پس آپ نے سعی صفا سے شروع کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ الضَّفَا وَالْعُرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾

تشریح: یہ حدیث باب ۳۳ میں گذر چکی ہے تفصیل وہاں بیان کی گئی ہے، یہاں دو باتیں جان لینی چاہئیں:

پہلی بات: زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر اسراف اور نالائقی دو بت رکھے ہوئے تھے، لوگ جب سعی کرتے تھے تو ان بتوں کو ہاتھ لگاتے تھے اور ان سے حرم حاصل کرتے تھے، جب اسلام آیا تو وہاں سے وہ بت ہٹا دیئے گئے اور آپ نے آیت تلاوت کر کے اشارہ کیا کہ سعی ان بتوں کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں، یعنی سعی اس انعام کی یادگار کے طور پر مناسک میں شامل کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر کیا تھا، مگر یہ عمل بھی درحقیقت اللہ ہی کو یاد کرنے کے لئے ہے۔ حدیث میں ہے کہ حمرات کی رمی اور صفا و مروہ کی سعی اللہ کے ذکر کو برپا کرنے کے لئے ہے اور یہ چیز دیدنی ہے شنیدنی نہیں، صفا و مروہ کے درمیان رات دن ذکر کا وہ زمزمہ بلند ہوتا ہے اور وہ انوار نازل ہوتے ہیں جو بس چشم بصیرت سے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ الفاظ ان کا نقش نہیں کھینچ سکتے!

دوسری بات: شَعَائِرُ: شَجْعْرَةٌ کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں: علامت، خاص نشانی، اور قرآن وحدیث کی اصطلاح میں شعائر وہ چیزیں ہیں جو کسی مذہب کی مخصوص علامت ہوتی ہیں، جن کو دیکھتے ہی سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق فلاں مذہب سے ہے، مثلاً جہاں بھی مندر نظر پڑتا ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ہنود کی عبادت گاہ ہے اور صلیب عیسائیوں کا شعار ہے، جب کسی کے گلے میں صلیب پڑی ہوئی دیکھتے ہیں تو ہر شخص سمجھ جاتا ہے کہ یہ عیسائی ہے اور ثانی صلیب کی نقل ہے، مہذب عیسائی گلے میں صلیب لگانا پسند نہیں کرتے اور ان کے مذہب میں صلیب پہننا ضروری ہے، اس لئے انھوں نے صلیب کی جگہ ثانی باندھنی شروع کی، اور ناواقف مسلمانوں نے اس کو فیشن کے طور پر باندھنا شروع کیا، حالانکہ وہ صلیب کی نقل ہے اس لئے ثانی باندھنا ٹھیک نہیں، وہ عیسائیوں کا شعار ہے، جیسے مسجد،

مسجد کے منارے، اذان اور قرآن اسلام کے شعائر ہیں، اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، نبی، کعبہ اور نماز۔ ان کے علاوہ بھی اسلام کے بہت سے شعائر ہیں ان میں سے صفا و مروہ ہیں۔ کیونکہ یہاں خاص مناسک ادا کئے جاتے ہیں، اور حج اسلام کا شعار ہے پس حج کے ارکان کی ادائیگی کی جگہیں بھی شعائر ہیں۔

فائدہ: احناف کے نزدیک حج میں سعی واجب ہے، پس اگر کوئی شخص سعی کے بغیر وطن لوٹ جائے تو جب تک مکہ قریب ہے اس پر مکہ واپس لوٹنا اور سعی کرنا ضروری ہے، اور اگر دور آگیا تو دم واجب ہے، دم دینے سے سعی کی طہانی ہو جائے گی۔ اور ائمہ غلامہ کے نزدیک سعی فرض ہے، پس جس کی سعی رہ گئی اس کو بہر حال مکہ واپس لوٹنا اور سعی کرنا ضروری ہے، دم سے کام نہیں چلے گا۔

[۳۸] باب ما جاء أنه يبدأ بالصفا قبل المروة

[۸۵۲] - حدثنا ابن أبي عمير، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جابر: أن النبي صلى الله عليه وسلم حين قديم مكة، فطاف بالبيت منبأ، وأتى المقام فقرأ: "هو التعلوا من مقام إبراهيم مصلى" فصلى خلف المقام، ثم أتى الحجر فاستلمه، ثم قال: "بدأ بما بدأ الله به" فبدأ بالصفا وقرأ: "إن الصفا والمروة من شعائر الله".

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. والعمل على هذا عند أهل العلم أنه يبدأ بالصفا قبل المروة، فإن بدأ بالمروة قبل الصفا لم يجزه، ويبدأ بالصفا.

واختلف أهل العلم في من طاف بالبيت، ولم يطف بين الصفا والمروة حتى رجع، فقال بعضهم: أهل العلم: إن لم يطف بين الصفا والمروة حتى يخرج من مكة، فإن ذكر وهو قريب منها رجع، فطاف بين الصفا والمروة، وإن لم يذكر حتى أتى بلاداً أجزأه، وعليه دم، وهو قول سفیان الثوري. وقال بعضهم: إن ترك الطواف بين الصفا والمروة حتى رجع إلى بلاده فإنه لا يجزئه، وهو قول الشافعي، قال: الطواف بين الصفا والمروة واجب لا يجوز التحج إلا به.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے کہ آدمی سعی کو صفا سے شروع کرے، مروہ سے پہلے، پس اگر اس نے مروہ سے سعی شروع کی صفا سے پہلے تو یہ درست نہیں (مروہ سے صفا تک کا ایک چکر محسوب نہ ہوگا) اور شروع کرے وہ صفا سے۔

اور علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے بیت اللہ کا طواف کیا مگر صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی اور لوٹ گیا، پس بعض علماء کہتے ہیں: اگر اس نے صفا و مروہ کی سعی نہیں کی یہاں تک کہ مکہ سے نکل گیا پھر اگر اسے سعی نہ کرنا یاد آیا دراصل مکہ وہ مکہ کے قریب ہے تو واپس آئے اور صفا و مروہ کی سعی کرے، اور اگر یاد نہ آیا یہاں تک کہ

وہ اپنے گھر آگیا تو اس کا حج درست ہو گیا اور اس پر دم واجب ہے۔ اور یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اگر صفا و مروہ کی سعی کو چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اپنے وطن لوٹ آیا تو اس کا حج درست نہیں ہوا (اسے واپس لوٹ کر سعی کرنی ہوگی) اور یہ شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صفا و مروہ کی سعی واجب ہے یعنی فرض ہے اس کے بغیر حج درست نہیں ہوگا۔

باب ماجاء فی السعی بین الصفا والمروة

دوہرے نشانوں کے درمیان دوڑنے کا بیان

صفا و مروہ کے درمیان دوہرے نشان ہیں ان کے درمیان دوڑنا سنت ہے اور عورتوں، بوڑھوں اور بیماروں کے لئے دوڑنا نہیں ہے اور یہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یادگار ہے جسے مناسک میں شامل کیا گیا ہے، وہ جگہ جو دوہرے نشانوں کے درمیان ہے پہلے وہاں نالہ تھا یہ کعبہ شریف تعمیر ہونے سے پہلے کی بات ہے اور مکہ کی ایک جانب اونچی ہے، جب بارش ہوتی ہے تو بالائی حصہ کا پانی اسی نالے سے زیریں حصہ میں آتا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے جب پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کے چکر لگائے تھے تو وہ اس ڈھلان میں دوڑ کر اترتی تھیں اور دوڑ کر سامنے چڑھ جاتی تھیں، ان کا یہ دوڑنا اللہ تعالیٰ کو پسند آیا، چنانچہ اس کو مناسک میں لے لیا گیا، اس کے علاوہ وہاں دوڑنے کی ایک وجہ اور بھی ہے جو درج ذیل حدیث میں ہے:

حدیث (۱): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت اس لئے دوڑے تھے کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں۔

تشریح: جب نبی ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے تو مشرکین مسلمانوں کا طواف اور سعی دیکھنے کے لئے جبل قریعہ پر جمع ہو گئے تھے کیونکہ ان کو خبر پہنچی تھی کہ مدینہ کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہ کو طواف میں رمل کرنے کا حکم دیا۔ جب مشرکین نے مسلمانوں کو اکڑ کر طواف کرتے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے اور یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے کہ کون کہتا ہے: مسلمان کمزور ہو گئے ہیں؟ پھر جب آپؐ سعی کے لئے صفا پر تشریف لے گئے تو کچھ اور مشرکین جنہوں نے طواف کا منظر نہیں دیکھا تھا اس پہاڑ پر آ بیٹھے، وہاں سے دوہرے نشانوں کے درمیان کا حصہ نظر آتا تھا، چنانچہ آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس حصہ میں دوڑیں، جب کفار نے مسلمانوں کو اس حصہ میں دوڑتے دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ مسلمان صفا و مروہ کے درمیان پورا چکر دوڑتے ہوئے سعی کرتے ہیں پس وہ حیران رہ گئے، کیونکہ صفا و مروہ کے درمیان کا فاصلہ کچھ کم نہیں ہے، یہ بھی دوہرے نشانوں کے درمیان دوڑنے کی وجہ۔ پھر جب آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے تو آپؐ نے طواف میں رمل بھی کیا

اور آپ دوہرے نشانوں کے درمیان دوڑے بھی، جبکہ مکہ میں کوئی مشرک نہیں تھا، پس معلوم ہوا کہ میلین اخضرین کے درمیان جو دوڑا جاتا ہے وہ اب مناسک کا حصہ ہے۔ اور ایک چیز کی "علت" تو ایک ہوتی ہے مگر "حکمتیں" متعدد ہو سکتی ہیں، میلین اخضرین کے درمیان دوڑنے کی یہ دوسری حکمت ہے، پہلی حکمت: حضرت ہاجرہ کی یادگار تھی۔

حدیث (۲): کثیر بن جہان کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مسی (دوہرے نشانوں کے درمیان) میں چلتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا: آپ صفا و مروہ کے درمیان مسی میں چل رہے ہیں؟ ابن عمر نے فرمایا: اگر میں دوڑوں تو (دوڑنا بھی جائز ہے کیونکہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسی میں دوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور اگر میں چلوں تو (یہ بھی جائز ہے کیونکہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسی میں چلتے ہوئے دیکھا ہے، اس جملہ کا مطلب واضح نہیں، اس لئے کہ آنحضور ﷺ سے دوہرے نشانوں کے درمیان چلنا ثابت نہیں، اس لئے شاید یہ مطلب ہو کہ جب نبی ﷺ ہرے نشانوں کی دونوں جانب میں چلے ہیں تو ان کے درمیان چلنا بھی جائز ہے، پس یہ ابن عمر کا قیاس (استہاد) ہے۔۔۔ (اس کے بعد ابن عمر نے اپنا تذریعہ بیان کیا) اور میں بوڑھا ہوں (دوڑنا میرے بس کی بات نہیں، اس لئے چل رہا ہوں، معلوم ہوا کہ بوڑھے، مریض اور عورت کے لئے ہرے نشانوں کے درمیان چلنے کا حکم ہے)

فائدہ: حضرت ابن عمرؓ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، بدن موٹا ہو گیا تھا اور گھٹنوں میں تکلیف ہو گئی تھی اس لئے قعدہ میں بھی چارزانو بیٹھتے تھے، بڑھاپے کے اسی عذر کی وجہ سے آپ مسی میں چلے ہیں۔

[۳۹] باب ماجاء فی السعی بین الصفا والمروة

[۸۵۳] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُمَرُو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِذَا سَعَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيُرِيَ الْمُشْرِكِينَ قُوَّتَهُ.

قال: وفي الباب: عن عائشة، وابن عمر، وجابر، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح. وهو الذي يستحبه أهل العلم أن يسعى بين الصفا والمروة، فإن لم يسع ومشى بين الصفا والمروة رأوة جائزاً.

[۸۵۴] - حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عِيسَى، نَا ابْنُ فَضَالٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ جُهْمَانَ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَمْشِي فِي الْمَسْعَى، فَقُلْتُ لَهُ: أَلَمْ يَسْعَ فِي الْمَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ؟ فَقَالَ: لَيْنُ سَعَيْتَ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعَى، وَلَيْنُ مَشَيْتَ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي، وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. وقد روى سعيد بن جبيرة، عن ابن عمر نحوه هذا.

ترجمہ: اور علماء اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی صفا و مروہ کے درمیان دوڑے (مراد دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑنا ہے) پس اگر نہ دوڑے اور وہ صفا و مروہ کے درمیان چلے تو وہ اس کو جائز سمجھتے ہیں (مسمیٰ میں دوڑنا سنت ہے واجب نہیں)

باب ماجاء فی الطوافِ رَاکِبًا

سوار ہو کر طواف کرنے کا بیان

مذاہب فقہاء: امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک طواف زیارت پیدل کرنا ضروری ہے، اگر عذر کے بغیر سوار ہو کر طواف زیارت کرے گا تو دم واجب ہوگا، اور سوار ہو کر طواف کرنے کی آج کل تین شکلیں ہیں: اول: حرم شریف کے باہر کچھ لوگ رہتے ہیں جو چارپائی پر بٹھا کر طواف کراتے ہیں اور وہ اجرت پر یہ کام کرتے ہیں۔ دوم: ویل چیر پر طواف کرنا۔ سوم: کوئی چڈی کرے یعنی پیٹھ پر لا د کر طواف کرائے۔ یہ تینوں صورتیں سوار ہو کر طواف کرنے کی ہیں، اور بلا عذر ایسا کرنے سے بڑے دو اماموں کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک پیدل طواف زیارت کرنا سنت ہے، پس اگر کوئی عذر کے بغیر بھی سوار ہو کر طواف کرے تو جائز ہے۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا، جب آپ حجر اسود کے قریب آتے تو اس کی طرف (چھڑی سے) اشارہ کرتے تھے۔

تشریح: چھوٹے دو امام کہتے ہیں: آنحضور ﷺ کو کوئی عذر نہیں تھا پھر بھی آپؐ نے سوار ہو کر طواف کیا، معلوم ہوا کہ پیدل طواف زیارت کرنا ضروری نہیں، سوار ہو کر بھی کر سکتے ہیں۔ اور بڑے دو امام کہتے ہیں: یہاں عذر ہے اور وہ یہ ہے کہ مجمع بہت بڑا تھا اور سب آپؐ کو طواف کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے، اس لئے اگر آپؐ پیدل طواف کرتے تو سب نہ دیکھ سکتے اس عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہوا ہے۔ اور بڑے دو اماموں کی دلیل مشہور حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے، البتہ طواف میں بات چیت جائز ہے اور نماز زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے، پس طواف بھی پیدل کرنا ضروری ہے۔

[۴۰] باب ماجاء فی الطوافِ رَاکِبًا

[۸۵۵-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ هَلَالٍ الصُّوْفِيُّ، نَا عَبْدَ الْوَارِثِ، وَعَبْدَ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتَيْهِ، فَإِذَا انْتَهَى إِلَى الرُّمْحَيْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ.

ولی الباب: عن جابر، وأبی الطفیل، وأُمّ سلمة، قال أبو عیسی: حدیث ابن عباس حدیث حسن صحیح. وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَطُوفَ الرَّجُلُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصُّفَا وَالْمَرْوَةِ رَاكِبًا إِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: بعض علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں کہ آدمی بیت اللہ کا طواف اور سعی سوار ہو کر کرے مگر عذر کی وجہ سے اور یہ شافعی کا قول ہے (یہ بڑے دو اماموں کا مذہب ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک بلا عذر بھی سوار ہو کر طواف سعی کرنا جائز ہے، پس ممکن ہے یہ حضرت امام شافعی کی کھٹی روایت ہو)

باب ماجاء فی فضل الطواف

طواف کے ثواب کا بیان

حرم شریف میں سب سے افضل عبادت طواف ہے، نوافل، ذکر و اذکار اور قرآن کی تلاوت وغیرہ دوسرے نمبر پر ہیں، پس جو شخص توفیق الہی حرم شریف میں پہنچے اسے وہاں زیادہ سے زیادہ طواف کرنے چاہئیں، حدیث میں پچاس طوافوں کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس تعداد میں نفل، فرض، واجب سب طواف شامل ہیں۔ نیز یہ پچاس طواف ایک سفر میں کرنے ضروری نہیں، پوری زندگی کے طوافوں کا مجموعہ اگر پچاس ہو جائے تو بھی اس فضیلت کا مستحق ہوگا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بیت اللہ کے پچاس طواف کئے تو وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جائے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا، یعنی جس طرح آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو چھوٹے بڑے سب گناہوں سے پاک ہوتا ہے اسی طرح پچاس طوافوں کی برکت سے سب گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔

تشریح: یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے یعنی ایک سند سے یہ ابن عباس کا قول ہے، مگر ظاہر ہے کہ ثواب مدرک بالقیاس نہیں، پس حدیث حکما مرفوع ہوگی، اور اس کی سند میں شریک ہیں جو کثیر الخطاء ہیں مگر یہ کوئی بڑی خرابی نہیں اور مجموعی اعتبار سے حدیث ٹھیک ہے۔

اس حدیث پر ایک اشکال یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی دیگر نصوص سے ثابت ہے کہ کھائے کے لئے توبہ شرط ہے اور یہاں یہ ہے کہ پچاس طوافوں کی برکت سے آدمی گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے، یعنی چھوٹے بڑے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پس یہ تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ توبہ کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی۔ قولی توبہ تو ظاہر ہے اور فعلی توبہ یہ ہے کہ آدمی زندگی کا ورق پلٹ دے، گناہوں سے بالکل بیزار ہو جائے اور غلط کاموں کی طرف سے اس کا دھیان جٹ جائے، یہ فعلی توبہ

جب پچاس طوافوں کے ساتھ مل جائے گی تو مذکورہ فضیلت حاصل ہوگی۔ واللہ اعلم

[۴۱] باب ماجاء فی فضل الطواف

[۸۵۶-] حدثنا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، نَا يَحْيَى بْنُ الْيَمَانِ، عَنْ شَرِيكَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدٍ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ طَافَ بِالنَّبِيِّ خَمْسِينَ مَرَّةً خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَخُرُوجِ كَلْبٍ مِنْ دَلْوَةٍ أَمَةٍ"

قال: وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَابْنِ عُمَرَ، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدَّثْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدِيثَ عَرَبٍ، سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ: إِنَّمَا يُرَوَّى هَذَا عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ.

حدثنا ابنُ أبي عمَرَ، نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، قَالَ: كَانُوا يَقُولُونَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ بْنُ جُبَيْرٍ أَفْضَلُ مِنْ أَبِيهِ، وَلَهُ أَخٌ يُقَالُ لَهُ: عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ سَعِيدٍ بْنُ جُبَيْرٍ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ أَيْضًا.

وضاحت: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں اور وہ آخری آدمی ہیں جن کو حجاج بن یوسف ثقفی نے ظلماً قتل کیا ہے۔ قتل ہونے سے پہلے انھوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اس کئے کو میرے بعد کسی اور پر مسلمانہ فرما! چنانچہ اس کے بعد حجاج بیمار پڑا اور مر گیا۔ اور ان کے صاحب زادے عبد اللہ والد سے بھی بڑے بزرگ سمجھے جاتے تھے، ایوب سختیابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم عبد اللہ بن سعید کو ان کے والد سے افضل سمجھتے تھے، اور ان کے ایک بھائی عبد الملک ہیں وہ بھی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

باب ماجاء فی الصلوة بعد الغضر وبعْد الصُّبْحِ فِی الطَّوْفِ لِمَنْ يُطَوِّفُ

عصر اور فجر کے بعد دو گانہ طواف پڑھنے کا بیان

مذاہب فقہاء: عصر اور فجر کے بعد طواف کا دو گانہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اس سے قطع نظر کہ طواف کب کیا ہے؟ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں: اوقات ثلاثہ میں ہر نماز کی اور عصر اور فجر کے بعد نوافل کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، اور طواف کا دو گانہ اگرچہ واجب ہے مگر وہ واجب الغیرہ ہے یعنی طواف کی وجہ سے واجب ہوا ہے، ورنہ فی نفسہ نفل ہے، پس بعد العصر اور بعد الفجر طواف کا دو گانہ پڑھنا مکروہ ہے، طلوع شمس کے بعد جب مکروہ وقت گزر جائے اور غروب شمس کے بعد پڑھے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف طواف کا دو گانہ ہی نہیں بلکہ حرم شریف میں ہر وقت ہر نماز پڑھ سکتے ہیں، یعنی ان اماموں کے نزدیک دو استثناء ہیں: ایک حرم شریف کا: اس میں اوقات ممنوعہ نہیں ہیں، وہاں ہر نماز ہر وقت پڑھ سکتے ہیں، دوسرا: طواف کے دو گانہ

کا: اس کو ہر جگہ ہر وقت پڑھ سکتے ہیں۔

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ باب میں دو روایتیں ہیں، ایک: مرفوع حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبد مناف! یہ بیت اللہ کے متولی تھے اور عبد مناف: نبی ﷺ کے چوتھے والد ہیں، ان کا خاندان شعی خاندان کہلاتا تھا۔ نبی ﷺ نے جب فتح مکہ کے موقع پر کعبہ شریف کے اندر سے اور باہر سے ساری مورتیاں ہٹا دیں اور جو تصویریں تھیں وہ ہٹا دیں اور کعبہ شریف کو دھو کر پاک صاف کر دیا اور اس کے چاروں کونوں میں بکیر کبھی اور دو نفل پڑھے، اور باہر تشریف لائے تو جس سے چابی لی تھی اسی کو چابی واپس کی، اور ارشاد فرمایا: ”رات اور دن کی جس گھڑی میں کوئی بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے یا وہاں نماز پڑھنا چاہے تو تم اس کو روکو گے نہیں“ یہ حدیث چھوٹے دو اماموں کا مستدل ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے حرم شریف میں ہر وقت نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور بنو عبد مناف کو ہدایت دی ہے کہ رات دن کی کسی گھڑی میں بھی لوگوں کو نماز پڑھنے سے نہ روکیں، معلوم ہوا کہ حرم شریف میں اوقات ممنوعہ نہیں ہیں (یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے البتہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں إلا بمعک کا استثناء آیا ہے وہ ضعیف ہے دیکھیں: دارقطنی ص: ۱۶۳ اور مسند احمد ۵: ۱۶۵)

دوسرا واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، وہ ایک مرتبہ اپنی خلافت کے زمانہ میں مکہ معظمہ آئے واپسی کے وقت حرم شریف میں فجر کی نماز پڑھائی اور بیت اللہ کا طواف کیا اور طواف کا دو گنا نہ نہیں پڑھا، جب ڈوٹوئی پہنچے تو سورج نکل کر بلند ہو چکا تھا، وہاں طواف کا دو گنا نہ پڑھا۔ اگر فجر کے بعد طواف کا دو گنا نہ پڑھنا جائز ہوتا تو آپ مقام ابراہیم پر پڑھتے، مقام ابراہیم کی فضیلت ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں عصر اور فجر کے بعد نوافل کی ممانعت آئی ہے اس میں طواف کا دو گنا نہ بھی شامل ہے۔ یہ بڑے دو اماموں کی دلیل ہے۔

اور حدیث مرفوع کا جواب یہ ہے کہ اس میں اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس میں کعبہ شریف کے متولیوں کو ان کی ڈیوٹی بتائی گئی ہے اور یہ شریعت کی گفتگو کا ایک انداز ہے، تفصیل تحفۃ الائمى ۱: ۳۹۳ کتاب الصلوٰۃ باب ۲۲ میں گزر چکی ہے۔

[۴۲] باب ماجاء فی الصلوٰۃ بعد العصر وبعد الصبح فی الطواف لمن يطوف

[۸۵۷] - حدثنا أبو عمار، وعلي بن حشرم، قالا: نا سفيان بن عيينة، عن أبي الزبير، عن عبد الله بن باباة، عن جبير بن مطعم: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "يا بني عبد مناف! لا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ، وَصَلَّى آيَةً سَاعَةً شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ"

وفى الباب: عن ابن عباس، وأبي ذر، قال أبو عيسى: حديث جبير بن مطعم حديث حسن صحيح

وَقَدْ رَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَابَةَ أَيْضًا.

وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ بِمَكَّةَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يَأْسُ بِالصَّلَاةِ وَالطَّوَافِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَاجْتَهَزُوا بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا طَافَ بَعْدَ الْعَصْرِ لَمْ يُصَلِّ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَكَذَلِكَ إِنْ طَافَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ أَيْضًا لَمْ يُصَلِّ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَاجْتَهَزُوا بِحَدِيثِ عُمَرَ أَنَّ طَافَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمْ يُصَلِّ، وَخَرَجَ مِنْ مَكَّةَ حَتَّى تَزُلْ بِذِي طَوًى، فَصَلَّى بَعْدَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ.

ترجمہ: اور علماء کا عصر اور فجر کے بعد مکہ میں نوافل پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: عصر اور فجر کے بعد طواف کا دو گانہ اور دیگر نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور انہوں نے نبی ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے — اور بعض کہتے ہیں: جب عصر کے بعد طواف کرے تو دو گانہ نہ پڑھے تا آنکہ سورج غروب ہو جائے اور اسی طرح اگر فجر کے بعد طواف کرے تو دو گانہ نہ پڑھے تا آنکہ سورج طلوع ہو جائے اور انہوں نے حضرت عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حضرت عمرؓ نے فجر کے بعد طواف کیا اور دو گانہ نہیں پڑھا اور مکہ سے نکل گئے، یہاں تک کہ ذوطوی میں اترے، پس سورج طلوع ہونے کے بعد دو گانہ پڑھا اور یہ ثوری اور مالک کا قول ہے۔

نوٹ: باب میں مصری نسخہ میں فی الطواف نہیں ہے۔

باب ماجاء ما يقرأ في ركعتي الطواف؟

دو گانہ طواف میں کوئی سورتیں پڑھے؟

ہر طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے، مگر وہ رکعتیں طواف سے متصل پڑھنا ضروری نہیں دو چار طواف کر کے سب کے دو گانے ایک ساتھ بھی پڑھ سکتا ہے، البتہ ہر طواف کے بعد حصلاً اس کا دو گانہ پڑھ لینا بہتر ہے اور دو گانہ طواف کی وجہ اور اس کی حکمت باب ۳۳ میں گذر چکی ہے اور یہ دو گانہ مختصر پڑھنا مسنون ہے۔ نبی ﷺ ان میں اخلاص کی دو سورتیں یعنی سورہ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھتے تھے، سورہ کافرون میں اخلاص فی العبادت کا بیان ہے اور قل هو الله أحد میں اخلاص فی الاعتقاد کا بیان ہے، اس لئے دونوں سورتیں اخلاص کی سورتیں کہلاتی ہیں، اور دو گانہ طواف مختصر پڑھنا مسنون اس لئے ہے کہ مقام ابراہیم پر لوگ انتظار میں کھڑے رہتے ہیں ان کا نمبر آئے اس

لئے دوگانہ مختصر پڑھنا چاہئے۔

[۴۳] باب ماجاء ما یقرأ فی رکعتی الطواف؟

[۸۵۸] - حدثنا أبو مُصْعَبٍ قَرَأَهُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عِمْرَانَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيْ الطَّوَّافِ بِسُورَتِي الْإِنْخِلَاصِ: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ.

[۸۵۹] - حدثنا هُثَايَةُ بْنُ وَكِيعٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ كَانَ يَسْتَجِيبُ أَنْ يَقْرَأَ فِي رَكْعَتَيْ الطَّوَّافِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ.

قال أبو عَمْسَى: وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عِمْرَانَ، وَحَدِيثِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ فِي هَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عِمْرَانَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ.

وضاحت: عبد العزیز بن عمران نے جعفر بن محمد سے اس حدیث کو مسند روایت کیا ہے، اور سفیان: جعفر سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے مرسل حدیث کو اصح قرار دیا ہے، کیونکہ عبد العزیز ضعیف راوی ہے۔

باب ماجاء فی کُراہیۃ الطَّوَّافِ عُزَّانًا

نیکی طواف کرنا ممنوع ہے

مذاہب فقہاء: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طواف میں ستر عورت شرط ہے، اور حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور نماز میں بالا جماع ستر عورت شرط ہے۔ ناف سے گھٹنے تک عورت ہے، اگر کسی عضو کا ایک چوتھائی کھل جائے اور اس حالت میں نماز پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوتی، وہی حکم طواف کا ہے، اگر کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھلا ہو اور اس حالت میں طواف زیارت کیا جائے تو طواف نہیں ہوگا، البتہ حنفیہ کے نزدیک دم دینے سے طوافی ہو جائے گی، کیونکہ ان کے نزدیک ستر عورت واجب ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرط ہے اس لئے ان کے نزدیک دم دینے سے طوافی نہیں ہوگی۔ دوبارہ طواف زیارت کرنا ہوگا ورنہ اس کا حج نہیں ہوگا۔

حدیث: زید کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کن باتوں کے ساتھ آپ بھیجے گئے تھے؟ (یعنی سن ۹ ہجری میں حج کے موقع پر کیا اعلان کرنے کے لئے آنحضور ﷺ نے آپ کو بھیجا تھا؟) حضرت علیؑ نے فرمایا: چار اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا: (۱) جنت میں صرف مؤمن جائے گا (کفار جو حج کرتے تھے وہ جنت میں

جانے کے لئے کرتے تھے اس اعلان سے ان کی غلط فہمی دور کی گئی کہ ایمان لائے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں) (۲) کوئی نیکے بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا (زمانہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آ رہا تھا کہ ماورزادنگا ہو کر طواف کرتا بڑا ثواب کا کام ہے، چنانچہ کفار نیکے کعبہ شریف کا طواف کرتے تھے اس احتفانہ تصور پر بندش لگائی گئی ہے) (۳) اس سال کے بعد مسلمان اور مشرکین ایک ساتھ حج نہیں کریں گے (یعنی آئندہ سال سے صرف مسلمان حج کے لئے آئیں گے، کسی کافر کو حج کے لئے آنے کی اجازت نہیں ہوگی) (۴) جن قبائل کے ساتھ نبی ﷺ کا کوئی میعاد میعادہ ہے وہ معاہدہ مقررہ وقت پر پورا ہوگا اور جن قبائل کے ساتھ معاہدے کی مدت متعین نہیں ان کی مدت چار ماہ ہے (اس کے بعد معاہدہ کا لحدم ہے)

تشریح:

۱- حج سن ۸ ہجری میں فرض ہوا ہے اور ۹ ہجری میں مسلمانوں نے پہلا حج کیا ہے، نبی ﷺ اس سال حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حج کرایا تھا ان کے مکہ روانہ ہونے کے بعد سورہ براءت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تھیں جن میں حج کے موقعہ پر اعلان براءت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے مکہ بھیجا اور ہدایت کی کہ منی کے دنوں میں یہ اعلان کیا جائے اور حضرت ابو ہریرہ اور کچھ دوسرے صحابہ کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ اس موقعہ پر جو چار اعلانات کئے گئے تھے ان میں سے ایک اعلان معاہدوں کے بارے میں تھا کہ جن قبائل کے ساتھ آنحضور ﷺ کا میعاد میعادہ ہے وہ معاہدہ اس کی مدت تک باقی رہے گا اور جن قبائل کے ساتھ معاہدہ تو ہے مگر اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ان کو چار مہینے تک مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد کسی بھی وقت ان پر حملہ ہو سکتا ہے اور اس زمانہ کا دستور یہ تھا کہ معاہدوں کا اعلان یا تو خود بادشاہ کرتا تھا یا اس کے خاندان کا کوئی فرد کرتا تھا اس لئے دستور کے مطابق اعلان کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

۲- یہ اعلان کہ ”کوئی بیت اللہ کا نیکے طواف نہیں کرے گا“ زمانہ جاہلیت کی رسم پر پابندی لگانے کے لئے تھا، طواف میں ستر عورت شرط ہے یا واجب؟ اس مسئلہ سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں اور حدیث میں ہے: الطواف بالبيت صلوۃ فاعلموا من الکلام (نسائی: ۵: ۲۲۲ ممری) یعنی بیت اللہ کا طواف نماز ہے، پس طواف میں بات چیت کم کرو، اس حدیث میں نبی ﷺ نے طواف کو نماز کہا ہے اور زیادہ کلام کی ممانعت کی ہے، مگر نماز میں تو کلام کی مطلقاً گنجائش نہیں اور طواف میں اس کی گنجائش ہے مگر زیادہ گفتگو کرنے سے احتراز کرنے کا حکم ہے۔ اب ائمہ میں اختلاف ہوا: ائمہ ثلاثہ نے جس طرح نماز میں ستر عورت شرط ہے یہاں بھی اس کو شرط قرار دیا۔ اور احناف نے اس کو ایک درجہ نیچے اتارا اور واجب قرار دیا، کیونکہ جب حدیث میں استثناء کیا گیا اور کچھ کلام کی گنجائش رکھی گئی تو معلوم ہوا کہ نماز اور طواف کے احکام ایک نہیں ہیں، ان میں درجہ جاتی فرق ہے۔

[۴۴] باب ماجاء فى كراهية الطواف غريانا

[۸۶۰-] حدثنا علي بن عشم، نا سفیان بن عیینة، عن ابى إسحاق، عن زید بن أتیع، قال: سألت علیاً بائى شىء بعث؟ قال: بأربع: لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَلَا یَطُوفُ بِالْبَيْتِ غَرِيبًا، وَلَا یَجْتَمِعُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا، وَمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَعَهْدُهُ إِلَى مُلْتِهِ، وَمَنْ لَا مُلَّةَ لَهُ فَأَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ.

وفى الباب: عن ابى هريرة، قال أبو عیسی: حدیث علی حدیث حسن.

حدثنا ابن أبی عمَرَ، وَنَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ، قَالَا: نا سفیان بن عیینة، عن ابی إسحاق نُحْوَةَ، وَقَالَا: زَیْدُ بْنُ أَتِیْعٍ، وَهَذَا أَصَحُّ. قال أبو عیسی: وَشُعْبَةُ وَهَمَّ فِيهِ فَقَالَ: زَیْدُ بْنُ أَتِیْلٍ.

وضاحت: زید کے والد کے نام میں اختلاف ہے، صحیح نام ہفتع ہے۔ اور شعبہ رحمہ اللہ نے جو اٹیل کہا ہے وہ ان کا وہم ہے۔

باب ماجاء فى دخول الكعبة

کعبہ شریف میں داخل ہونے کا بیان

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ میرے پاس سے اس حال میں لکے کہ آپ ٹھنڈی آنکھ اور خوش دل (ہشاش بٹاش) تھے، مگر جب میرے پاس واپس آئے تو غمگین تھے، میں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: میں کعبہ شریف کے اندر گیا اور مجھے بعد میں خیال آیا کہ (حج کے موقع پر) مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنے بعد اپنی امت کو مشقت میں ڈال دیا یعنی ہر شخص حج کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہونا چاہے گا اور وہ مشقت میں پڑے گا (اس حدیث کی بناء پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ کعبہ شریف کے اندر جانا مناسک حج میں شامل نہیں)

[۴۵] باب ماجاء فى دخول الكعبة

[۸۶۱-] حدثنا ابن أبی عمَرَ، نا وَكِيعٌ، عن إسماعيل بن عبد الملك، عن ابن أبی مُلَيْكَةَ، عن عائشة، قالت: خرج النَّبِیُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِي، وَهُوَ قَرِيرُ الْعَيْنِ طَلِبُ النَّفْسِ، فَرَجَعَ إِلَيَّ وَهُوَ حَزِينٌ، فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: "إِنِّي دَخَلْتُ الْكَعْبَةَ، وَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ لَقَلْتُ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ

أَكُونُ أَتَمَّتْ أَتَمَّتْ مِنْ بَعْدِي

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح

باب ماجاء في الصلوة في الكعبة

کعبہ شریف میں نماز پڑھنے کا بیان

نبی ﷺ مکہ کے موقع پر کعبہ شریف میں ایک مرتبہ اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مرتبہ تشریف لے گئے ہیں، اور جبہ الوداع میں صرف ایک مرتبہ تشریف لے گئے ہیں، جب آپ کعبہ میں تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں نماز پڑھی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ نے کعبہ شریف کے چاروں کونوں میں تکبیر کی تھی، وہاں نماز نہیں پڑھی تھی۔ حضرت ابن عباس اس موقع پر آنحضور ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، ان سے جیسا کسی نے بیان کیا انہوں نے بیان کر دیا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ تھے ان کا بیان ہے کہ آپ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی، وہ باقاعدہ جگہ متعین کر کے بتاتے تھے کہ آپ نے فلاں فلاں ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ تھے اور وہ انکار کرتے ہیں، مگر اس کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ آنحضور ﷺ نے کعبہ شریف کو غسل دیا تھا اور حضرت اسامہ کی ڈیوٹی زمزم لانے کی اور عسالہ باہر لے جانے کی تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی اندر تھی، اس لئے ممکن ہے جب حضرت اسامہ پانی پھینکنے یا لینے کے لئے باہر گئے ہوں اس وقت آپ نے نماز پڑھی ہو۔ غرض تمام محدثین نے حضرت بلال کی حدیث کو ترجیح دی ہے، وہ آنحضور ﷺ کا کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنا ثابت مانتے ہیں۔

مذاہب فقہاء: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کعبہ شریف کے اندر صرف نفل نماز پڑھنا جائز ہے، فرض، واجب، دو گناہ طواف اور فجر کی سنتیں کعبہ کے اندر پڑھنا جائز نہیں، دیگر تینوں ائمہ فرض و نفل کے درمیان فرق نہیں کرتے ان کے نزدیک کعبہ شریف کے اندر سب نمازیں پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ جب نبی ﷺ سے کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنا ثابت ہے اور طہارت اور استقبال قبلہ میں نفل و فرض کا حکم ایک ہے تو کعبہ شریف کے اندر فرض بھی پڑھ سکتے ہیں۔

[۴۶] باب ماجاء في الصلوة في الكعبة

[۸۶۲-] حدثنا قتيبة، نا حماد بن زيد، عن عمرو بن دينار، عن ابن عمر، عن بلال: أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى في جوف الكعبة، قال ابن عباس: لم يصل وليكنه تكبر. وفي الباب: عن أسامة بن زيد، والفضل بن عباس، وعفان بن ملحان، وحبة بن عثمان، قال

ابو عیسیٰ: حدیث بلال حدیث حسن صحیح
وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا يَزُولُونَ بِالصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ بَأْسًا، وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ: لَا بَأْسَ
بِالصَّلَاةِ النَّافِلَةِ فِي الْكَعْبَةِ، وَكَرِهَ أَنْ يُصَلَّى الْمَكْتُوبَةُ فِي الْكَعْبَةِ.
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا بَأْسَ أَنْ يُصَلَّى الْمَكْتُوبَةُ وَالطُّغْرُوعُ فِي الْكَعْبَةِ، لِأَنَّهُ حُكِمَ النَّافِلَةُ وَالْمَكْتُوبَةُ فِي
الطَّهَارَةِ وَالْقِبْلَةِ مَوَاقِعًا.

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی، ابن عباس کہتے ہیں: آپؐ نے نماز نہیں پڑھی، بلکہ بگیر کئی — اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں: کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کعبہ میں فرض اور نفل نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ نفل اور فرض کا حکم طہارت اور استقبال قبلہ میں یکساں ہے۔

باب ماجاء فی کسر الکعبۃ

کعبہ کی تعمیر نو کا بیان

کعبہ شریف کے لئے لفظ کُسر (توڑنا) استعمال کیا ہے اور حدیث میں هَضَمْتُ (ڈھانسا) آیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ لفظ استعمال کرنا درست ہے، ہم لوگ مسجد شہید کرنا کہتے ہیں یہ آداب میں مبالغہ ہے اور آداب کی اصل سورۃ الحج کی آیت ۳۰ ہے، فرمایا: ﴿وَمَنْ يُعْظَمْ خُومَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ حرمت اللہ یعنی قابل احترام چیزیں اور ان کی تعظیم یعنی ان کا پاس و لحاظ رکھنا خود آدمی کے مفاد میں ہے مگر کبھی لوگ آداب بڑھا کر اتنے کر دیتے ہیں کہ ان کو یاد رکھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن الزبیر نے اپنے دور خلافت میں اسود بن یزید سے پوچھا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے چپکے سے کیا حدیث بیان کرتی تھیں؟ اسود نے کہا: مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیرے باپ کی قوم کے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو ڈھانسا، اور اس کو بنائے ابراہیمؑ پر تعمیر کرتا، اور میں اس کے دو دروازے رکھتا یعنی مکہ کے لوگ نئے مسلمان ہوئے ہیں اگر اس وقت میں کعبہ کی تعمیر نو کروں گا تو ممکن ہے وہ لوگوں کی تعمیر کا سبب بن جائے، پھر ابن الزبیر نے کعبہ کی تعمیر نو کی اور منشا نبوی کے مطابق اس کے دو دروازے رکھے (مگر حجاج نے پھر اس کو حسب سابق کر دیا)

تشریح: کعبہ کی اصل شکل دائیں قدم کی تھی، انگوٹھے کی جگہ حجر اسود لگایا گیا ہے اور چھوٹی انگلی کی جگہ رکن یمانی ہے اور حطیم کی طرف کعبہ ایڑی کی طرح گول تھا اور اس کے دو دروازے تھے، ایک سے لوگ داخل ہوتے تھے، دوسرے سے نکلتے تھے اس وقت لوگ نماز کعبہ کے اندر پڑھتے تھے، نبوت سے پہلے جب آپ کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی قریش نے کعبہ دوبارہ تعمیر کیا تھا اور حطیم کی طرف کا کچھ حصہ کعبہ سے باہر نکال دیا تھا اور کعبہ چھوٹا تعمیر کیا تھا اور ایک دروازہ بند کر دیا تھا اور دوسرے دروازے کو قد آدم اونچا کر دیا تھا تاکہ اپنی اجارہ داری قائم رکھ سکیں، فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے اپنا یہ ارادہ ظاہر فرمایا مگر اس کی تعمیل نہیں کی۔ عبد اللہ بن الزبیر نے اس کی تعمیل کی، جب حجاج نے ان کو شکست دی تو ان کا نام باقی نہ رہا اس لئے کعبہ کو بحالہ کر دیا۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ ضابطہ نکلا کہ جو کام استحباب کے درجہ کا ہو اگر وہ فتنہ کا باعث بن سکتا ہو تو وہ کام نہیں کرنا چاہئے، پہلے ماحول سازگار کرنا چاہئے پھر وہ کام کرنا چاہئے۔ کعبہ شریف کو بنائے ابراہیم پر تعمیر کرنا استحباب کے درجہ کا کام تھا اس لئے کہ کعبہ بہر حال کعبہ ہے خواہ وہاں سرے سے کوئی عمارت نہ ہو، اور اسے منہدم کر کے بنائے ابراہیم پر تعمیر کرنے میں جو لوگ نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے بدکنے کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضور ﷺ نے یہ کام نہیں کیا مگر صدیقہ کے سامنے خواہش کا اظہار کیا تاکہ جب یہ اندیشہ باقی نہ رہے یہ کام کیا جائے۔ ابن الزبیر کے زمانہ میں وہ اندیشہ باقی نہ رہا تو انھوں نے فشا نبوی کے مطابق کعبہ شریف تعمیر کر دیا، مگر برا ہو حجاج کا اس نے پھر حسب سابق کر دیا، مگر حجاج نے صرف حطیم کی طرف کی دیوار بنائی ہے اور ایک دروازہ کر دیا ہے اور اونچا کر دیا ہے، باقی تعمیر ابن الزبیر ہی کی ہے۔

[۴۷] باب ماجاء فی کسر الکعبۃ

[۸۶۳-] حدثنا محمود بن غیلان، نا أبو داود، عن شعبۃ، عن ابی إسحاق، عن الأسود بن یزید، أن ابن الزبیر قال لہ: حَدَّثَنِي بِمَا كَانَتْ تَفْضِي إِلَيْكَ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةُ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا: "لَوْلَا أَنَّ قَوْلَكَ حَدِيثٌ عَهْدٌ بِالْجَاهِلِيَّةِ لَهْتَمَّتُ الْكَعْبَةَ وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ" فَلَمَّا مَلَكَ ابْنُ الزُّبَيْرِ هَلَمَهَا، وَجَعَلَ لَهَا بَابَيْنِ.
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

باب ماجاء فی الصلوة فی الجحجر

حطیم میں نماز پڑھنے کا بیان

جحجر کے معنی ہیں: گھیرا ہوا، اسی سے حجرہ ہے۔ بیت اللہ کا جو حصہ خارج کر دیا گیا ہے اس کا ایک نام حجر ہے

دوسرا نام حطیم ہے۔ حطیم کے معنی ہیں: توڑا ہوا اور جتنا حصہ چار دیواری سے گھرا ہوا ہے وہ سب بیت اللہ کا جز نہیں ہے، بلکہ دیوار سے چھ ہاتھ تک کعبہ کا جز ہے۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ پورا حصہ بیت اللہ کا جز ہے، اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ کعبہ کی وضع دائیں پیر کی وضع پر ہے، پس پیچھے سے ایڑی کی طرح گول ہونا چاہئے۔

اور حطیم کا کعبہ کا جز ہونا اخبار آحاد سے ثابت ہے، قرآن میں یہ بات نہیں ہے، پس صرف حطیم کا استقبال کرنے سے نماز نہ ہوگی ﴿قَوْلُ وَجْهَكَ ضَرْبُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حطیم کا بیت اللہ کا جز ہونا صرف اخبار آحاد سے ثابت ہے جو مفید ظن ہیں لیکن حطیم میں نماز پڑھنے سے وہ فضیلت حاصل ہوگی جو کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کی ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ اگرچہ خبر واحد سے جبکہ وہ اعلیٰ درجہ کی ہو کتاب اللہ پر زیادتی جائز کہتے ہیں، مگر یہاں انھوں نے اپنا اصول ترک کر دیا ہے۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میری خواہش تھی کہ میں کعبہ کے اندر جاؤں اور وہاں نماز پڑھوں (جب میں نے اپنی خواہش کا آنحضرت ﷺ سے تذکرہ کیا تو) رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر میں لے گئے اور فرمایا: ”حجر میں نماز پڑھ لیا کرو جب بھی تمہارا رادہ بیت اللہ کے اندر جا کر نماز پڑھنے کا ہو، پس وہ بیت اللہ ہی کا جز ہے، لیکن تیری قوم نے چندے کو کم سمجھا جس وقت انھوں نے کعبہ تعمیر کیا پس انھوں نے حطیم کو کعبہ سے باہر نکال دیا“ وضاحت: مذکورہ حدیث میں یہاں بھی اور نسائی میں بھی یہ ہے کہ علقمہ بن ابی علقمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ان کے والد کی نہیں بلکہ ان کی والدہ کی روایت ہے، علقمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام مر جانہ ہے۔ واللہ اعلم

[۴۸] باب ماجاء فی الصلاة فی الحجر

[۸۶۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، لَاعِبُ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عُلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عُلْقَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ فَأُصَلِّيَ فِيهِ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَأَدْخَلَنِي الْحِجْرَ وَقَالَ: ”صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِنْ أَرَدْتَ دُخُولَ الْبَيْتِ، فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ، وَلَكِنْ قَوْمًا اسْتَفْصَرُوهُ مِنْ بَنِي الْكَعْبَةِ فَأَخْرَجُوهُ مِنَ الْبَيْتِ“
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وعلقمة بن أبي علقمة: هو علقمة بن بلال.

باب ماجاء فی فضل الحجر الأسود والركن والمقام

حجر اسود اور مقام ابراہیم کی فضیلت

حجر اسود اور رکن ایک ہیں، واو عطف تفسیری ہے اور حجر اسود کا نام رکن اس وجہ سے ہے کہ وہ کعبہ شریف کے ایک

کونہ میں لگا ہوا ہے۔ اور اسود کی وجہ تسمیہ حدیث میں آ رہی ہے۔ اور مقام سے مقام ابراہیم مراد ہے اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔

باب میں دو حدیثیں ہیں، اور دونوں امام ترمذی رحمہ اللہ کے افرو میں سے ہیں، یعنی یہ حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں دیگر کتب خمسہ میں یہ حدیثیں نہیں ہیں، اور پہلی حدیث صحیح ہے، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے جبکہ وہ جریری عطاء بن السائب سے روایت ہے، اور جریر نے عطاء سے ان کا حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے، مگر صحیح ابن خزیمہ میں اس کا شاہد موجود ہے اور اس کی سند قوی ہے (معارف) اور نسائی (۵: ۲۲۶: ۵) میں یہ حدیث حماد کے طریق سے اختصار کے ساتھ ہے: "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ" اور حماد نے عطاء سے ان کا حافظہ بگڑنے سے پہلے پڑھا ہے اور دوسری حدیث ضعیف ہے اس کے مرفوع و موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

حدیث (۱): نُبِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فرمایا: حجر اسود جنت سے اتر آیا ہے اور اس وقت وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، پس اس کو انسانوں کی خطاؤں نے میلا کر دیا۔

تشریح: حجر اسود کب جنت سے اتارا گیا ہے؟ اور کیوں اتارا گیا ہے؟ یہ بات قطعیت سے معلوم نہیں، تاریخی روایات میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو جنت کی نشانی کے طور پر ان کو وہ پتھر دیا گیا تھا، پھر وہ کعبہ کے ایک کونہ میں لگا دیا گیا۔ البتہ اتنی بات صحیح روایت سے ثابت ہے کہ یہ پتھر جنت سے اتر آیا ہے اور اس وقت وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پھر جب انسانوں نے اس کا استعمال کیا تو چونکہ سب انسان فرشتے نہیں ہوتے، بعض بندے گناہ گار بھی ہوتے ہیں اس لئے ان کے گناہوں کا اس پر اثر پڑا اور وہ میلا ہو گیا، کالا بمعنی میلا ہے، اسود: محاورہ میں بمعنی میلا استعمال ہوتا ہے۔

سوال: نیک لوگوں کی نیکیوں نے پتھر کو اور سفید کیوں نہیں کیا؟ گنہ گاروں کے گناہوں نے اس کو کالا کیوں کیا؟
یعنی نیکیوں کا اس پر اثر کیوں نہیں پڑا؟

جواب: نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، اگر دودھ میں پیشاب کا قطرہ گر جائے تو وہ دودھ نہیں بن جاتا بلکہ دودھ پیشاب بن کر ناپاک ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں: کسی چیز کو لوگ مسلسل ہاتھ لگاتے رہیں تو بھی جگہ میلی ہو جاتی ہے، کوہ نور کو لوگ دس ہزار سال تک مسلسل چھوتے رہیں تو وہ بھی میلا ہو جائے گا، یہ ایک فطری بات ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے پتھروں میں سے دو پتھر ہیں۔ اللہ نے ان کی روشنی ماند کر دی ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کی روشنی ماند نہ کرتے تو وہ دونوں مغرب و مشرق کے درمیان کی ہر چیز کو روشن کر دیتے (جس طرح سورج کی روشنی سے ہر چیز چمک جاتی ہے)

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے جیۃ اللہ الباقیہ میں محمد بن الحنفیہ کا قول تحریر فرمایا ہے کہ یہ

دونوں پھر اسی دنیا کے پھر ہیں، محمد بن الحنفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والا جازدی علم صاحب زادے ہیں، مگر جب میں نے حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ لکھی تو محمد بن الحنفیہ کا یہ قول بہت تلاش کیا مگر مجھے یہ قول کسی کتاب میں نہیں ملا، مگر چونکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے اس لئے اس سے صرف نظر بھی نہیں کی جاسکتی، البتہ چونکہ یہ محمد بن الحنفیہ کا قول ہے اس لئے حدیث مرفوعہ کے مقابلہ میں اس کو نہیں رکھا جاسکتا، صحیح حدیث سے حجر اسود کا جنت کا پتھر ہونا ثابت ہے۔

[۴۹] باب ماجاء فی فضل الحجر الأسود والوکن والمقام

[۸۶۵-] حدثنا قتيبة، ناجي، عن عطاء بن السائب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لَوْلَا الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ، لَسَوَدَّتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ"

وفى الباب: عن عبد الله بن عمرو، وأبي هريرة، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح.

[۸۶۶-] حدثنا قتيبة، لا يزيد بن رزيم، عن رجاء بن يحيى، قال: سمعت مسافعًا الحاجب يقول: سمعت عبد الله بن عمرو يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إِنَّ الْوُكُنَ وَالْمَقَامَ يَأْقُوتَانِ مِنَ يَأْقُوتِ الْجَنَّةِ، طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا، وَلَوْ لَمْ يَطْمَسْ نُورُهُمَا لَأَضَاءَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ"

قال أبو عيسى: هذا يروى عن عبد الله بن عمرو مؤولفًا لقوله، وفيه عن أنس أيضًا وهو حديث غريب.

وضاحت: عبد اللہ بن عمرو کی حدیث کا موقف ہونا صبح ہے اور اس کو رجاء بن یحییٰ الحرشی نے مرفوع کیا ہے یہ اس کی لفظی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے (تقریب)

باب ماجاء فی الخروج إلى منى والمقام بها

منی کو جانا اور وہاں قیام کرنا

منی (بکسر الهم) اور منی (بضم الهم) دونوں طرح درست ہے۔ آنحضرت ﷺ آٹھ ذی الحجہ کو منی تشریف لے گئے اور ظہر تا فجر پانچ نمازیں وہاں پڑھیں، پھر نو ذی الحجہ کی صبح کو عرفات تشریف لے گئے، منی کے اس قیام کا

مناسک میں بہت زیادہ دخل نہیں، اگر کوئی مکہ سے یا میقات سے سیدھا عرفات چلا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ آپؐ نے منیٰ میں قیام اس لئے فرمایا تھا کہ سب لوگ مکہ سے یہاں آکر جمع ہو جائیں اور ۹ ذی الحجہ کو سب ایک ساتھ عرفہ جائیں، اگر آپؐ مکہ سے سیدھے عرفات جاتے تو شام تک لوگ آتے رہتے اور بہت سے لوگ شام تک بھی نہ پہنچ سکتے، اس لئے آپؐ آٹھ تاریخ کو منیٰ تشریف لے گئے تاکہ سب وہاں جمع ہو جائیں، اور یہ ایسی ہی مصلحت ہے جس کے تحت آپؐ نے ذوالحلیفہ میں رات گزار دی، ہے، پس اگر کوئی منیٰ نہ جائے اور ۱۰ ذی الحجہ کو سیدھا عرفات چلا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

حدیث (۱): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پڑھائیں، پھر ۹ کی صبح عرفات تشریف لے گئے۔

وضاحت: یہ حدیث اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر یہ مضمون کہ آٹھ ذی الحجہ میں پورے دن آپؐ نے منیٰ میں قیام فرمایا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر تا فجر پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھیں پھر نو کی صبح عرفات تشریف لے گئے۔

وضاحت: اس حدیث میں انقطاع ہے اس لئے کہ حکم بن حمیہ نے قسم سے صرف پانچ حدیثیں سنی ہیں اور یہ حدیث ان میں نہیں ہے، اور وہ پانچ حدیثیں جو حکم نے قسم سے سنی ہیں: وتر، قنوت، حرم میں شکار کرنے کی جزاء، طلاق کا ارادہ کرنے اور حاکم سے محبت کرنے کا گناہ اور اس کے کفارہ کے سلسلہ میں ہیں (تہذیب: ۲/۴۳۳)۔

[۵۰] باب ماجاء فی الخروج إلى منی والمقام بها

[۸۶۷-] حدثنا أبو سعيد الأشج، نا عبد الله بن الأجلح، عن إسماعيل بن مسلم، عن عطاء، عن ابن عباس قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى الظهر، والعصر، والمغرب، والعشاء، والفجر، ثم غدا إلى عرفات.

قال أبو عيسى: وإسماعيل بن مسلم قد تكلم فيه.

[۸۶۸-] حدثنا أبو سعيد الأشج، نا عبد الله بن الأجلح، عن الأعمش، عن الحكم، عن ميسم، عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بمنى الظهر والفجر ثم غدا إلى عرفات.

وفي الباب: عن عبد الله بن الزبير، والنس.

قال أبو عيسى: حديث مقسم عن ابن عباس: قال علي بن المديني، قال: يعني: قال شعبه: لم يسمع الحكم من مقسم إلا خمسة أشياء، وغلها، وليس هذا الحديث فيما عدا شعبه.

باب ما جاء أن منى مناخ من سبق

منی میں جو پہلے پہنچے وہ اس کی جگہ ہے

جذہ الوداع میں صحابہ کرام نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ منی میں تین چار دن قیام فرمائیں گے۔ پس کیوں نہ ہم آپ کے لئے منی میں کوئی پختہ عمارت بنادیں جہاں آپ ٹھہریں؟ آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا: ”منی اس شخص کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جو وہاں پہلے پہنچے“ چنانچہ آپ کے لئے منی میں پہلے سے کوئی انتظام نہیں کیا گیا جہاں جگہ مل گئی وہاں آپ کا خیمہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس حدیث کی وجہ سے آج بھی منی میں عمارت بنانے کا رواج نہیں۔ معلم وقتی طور پر خیمے کھڑے کر دیتے ہیں اور حجاج ان میں قیام کرتے ہیں، اور بے شمار مخلوق ادھر ادھر اور راستوں میں پڑھی رہتی ہے اور پولیس والے ان کو ٹپس ہٹاتے، کیونکہ حدیث ہے: منی مناخ من سبق اور جو لوگ راستوں میں پڑے رہتے ہیں ان کی وجہ سے نظام خراب ہو جاتا ہے اور ہر سال منی میں جو حاجی مرتے ہیں اس کا سبب وہی بنتے ہیں، حالانکہ منی مناخ من سبق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انتظام درست کرنے کے لئے بھی ان کو نہ ہٹایا جائے، نظام صحیح اور درست رکھنے کے لئے اور جانوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے راستوں سے لوگوں کو ہٹانا جائز ہے، بلکہ ضروری ہے۔

[۵۱] باب ما جاء أن منى مناخ من سبق

[۸۶۹-] حدثنا يونس بن عيسى، ومحمد بن أنان، قالان: نا وكيع، عن إسرائيل، عن إبراهيم بن مهاجر، عن يوسف بن مازك، عن أمه مسيكة، عن عائشة قالت: قلنا يا رسول الله! ألا تبنى لك بناء يُطْلَقُ بِعَنَى؟ قال: ”لا: منى مناخ من سبق“
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن.

وضاحت: مسیکہ مجھولہ ہیں اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو صرف حسن کہا ہے مگر مصری نسخہ میں صحیح بھی ہے اور وہی نسخہ صحیح ہے اس لئے کہ صحابہ سے روایت کرنے والے تابعین کے پہلے طبقہ کے احوال اگر پردہ خفا میں رہ جائیں تو اس سے صرف نظر کی جاتی ہے، چنانچہ خود امام ترمذی نے سورہ ہرہ کے باب میں جو حدیث ہے اس کو حسن صحیح کہا ہے حالانکہ اس میں حمیدہ اور کثیر مجھولہ ہیں۔

باب ماجاء فی تفصیر الصلاة بونی

منی میں نمازیں قصر پڑھنے کا بیان

مذاہب فقہاء: ایام حج میں منی، عرفات اور مزدلفہ میں رباعی نمازیں قصر پڑھی جائیں گی یا پوری؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے بھی حج کا احرام باندھا ہے وہ رباعی نمازیں قصر پڑھے گا۔ خواہ مسافر ہو یا مقیم، امام مالک کے نزدیک حج کے دنوں میں قصر: مناسک میں شامل ہے، باقی فقہاء کے نزدیک قصر: مناسک میں شامل نہیں، پس قصر کا جو اصول ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، جو شخص مسافر ہے وہ قصر کرے گا اور جو مقیم ہے وہ پوری نماز پڑھے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے منی وغیرہ میں رباعی نمازیں قصر پڑھائی تھیں، اور کسی نماز میں اعلان نہیں کیا تھا کہ ”امام مسافر ہے، مقیم اپنی نماز پوری کر لیں“ حالانکہ ایسا اعلان کرنے کا معمول تھا، پس یہ قرینہ ہے کہ قصر: حج کی وجہ سے تھا، ائمہ ثلاثہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں تین دن نمازیں قصر پڑھائی تھیں اور وہاں اعلان ہوا تھا، اس لئے لوگ مسئلہ جان گئے تھے اور امام کا حال بھی جان گئے تھے اس لئے بار بار اعلان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں منی وغیرہ میں نماز پوری پڑھانی شروع کی اور لوگوں میں بے چینی پیدا ہوئی تو انھوں نے یہ عذر بیان کیا کہ ”میں نے مکہ کے قریب نکاح کر لیا ہے، میں مدینہ سے سیدھا سسرال آتا ہوں، پھر وہاں سے ایک ماہ کے بعد مکہ آتا ہوں اس لئے میں مسافر نہیں ہوتا“ یہ عذرت دلیل ہے کہ منی وغیرہ میں قصر: سفر کی وجہ سے ہے، مناسک میں داخل نہیں۔

فائدہ (۱): حرمین شریفین کی حکومت مالکیہ کی رعایت میں امیر الحج مسافر کو بتاتی ہے، وہ عرفات اور مزدلفہ میں نمازیں قصر پڑھاتا ہے پیچھے مقتدیوں کو جو سمجھتا ہے سمجھیں، یہ بہت اچھی بات ہے، مگر رمضان میں وتر میں احناف کی رعایت نہیں کرتے، احناف کے نزدیک وتر کی تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھنی ضروری ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک رکعت علیحدہ پڑھنا صرف افضل ہے، تینوں رکعتیں ایک سلام بھی جائز ہیں، پس حرمین کے ائمہ کو یہ چاہئے کہ احناف کی رعایت میں ایک سلام سے وتر پڑھیں تاکہ احناف کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو، اب تو احناف کو یہ پریشانی ہے کہ حرم شریف کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں تو ان کے وتر صحیح نہیں ہوتے اور بیٹھے رہتے ہیں تو مسلمانوں کا کلمہ متفرق ہوتا ہے، اور اعادہ کرنا ہر کسی کے لئے دشوار ہے، پس کیا اچھا ہو کہ حرم کے ائمہ اپنے مذاہب کے افضل کو چھوڑ کر ایک سلام سے وتر کی تینوں رکعتیں پڑھیں تاکہ سب کو سہولت ہو جائے جیسا کہ وہ حج میں کرتے ہیں۔

فائدہ (۲): آج کل ایک مسئلہ یہ بھی زیر بحث ہے کہ منی: مکہ میں داخل ہے یا خارج؟ چند سال پہلے مکہ مکرمہ میں

مدرسہ مولتیہ میں ہندوپاک کے چند اکابرین کا اجتماع ہوا اور اس میں طے کیا گیا کہ اب منی: مکہ میں داخل ہو چکا ہے، پس مقیم و مسافر ہونے میں نزول منی سے پہلے مکہ کی مدت اقامت ہی کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ منی، عرفات اور منی کا قیام اور اس کے بعد مکہ کے قیام کا مجموعہ دیکھا جائے گا، اگر ۱۵ دن ہو جائے تو حاجی مقیم ہو گیا، ورنہ نہیں۔ اور اس فیصلہ کا مدار دو باتوں پر تھا: ایک ابیہ: مکہ کا منی کے ساتھ اتصال، دوسری: منی کا مکہ کی فناء ہونا۔ مگر دوسری رائے یہ ہے کہ ابیہ کا اتصال ابیہ کے ساتھ ہونا چاہئے، جبکہ منی صحراء ہے اور منی: مکہ کی فناء نہیں ہو سکتا، کیونکہ فناء وہ جگہ ہے جو شہر کی مصالح کے لئے ہو، اور منی، مزدلفہ اور عرفات: مناسک کی جگہیں ہیں، وہ مکہ کے مصالح کے لئے نہیں ہیں، اس لئے چاہے ابیہ کا اتصال ہو گیا ہو، سفر و اقامت میں ان کا قیام محسوب نہیں ہوگا، میری ناقص رائے یہی ہے۔

[۵۲] باب ماجاء فی تقصیر الصلاة بمنی

[۸۷۰-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ خَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى آمِنَ مَا كَانَ النَّاسُ وَأَكْثَرُهُ رُكْعَتَيْنِ.
وفی الباب: عن ابن مسعود، وابن عمر، وأنس، قال أبو عيسى: حديث خارثة بن وهب حديث حسن صحيح.

[۸۷۱-] وَرَوَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى رُكْعَتَيْنِ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَمَعَ عُمَرَ، وَمَعَ عُثْمَانَ رُكْعَتَيْنِ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ.

وَلَقَدْ اختلف أهل العلم في تقصير الصلاة بمنى لأهل مكة: فقال بعض أهل العلم: ليس لأهل مكة أن يقصروا الصلاة بمنى إلا من كان بمنى مسافراً، وهو قول ابن جريج، وسفيان الثوري، وريحان بن سعيد القطان، والشافعي وأحمد، وإسحاق، وقال بعضهم: لأهل مكة أن يقصروا الصلاة بمنى، وهو قول الأوزاعي، ومالك، وسفيان بن عيينة، وعبد الرحمن بن مهدي.

ترجمہ: حضرت حارثہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منی میں (رباعی نمازیں) دو دور کعتیں پڑھیں جبکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ الطہینان حاصل تھا اور لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں تھے (یعنی کسی کافر کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا، لوگ نہایت الطہینان سے تھے اور ایک لاکھ سے زائد جمع تھے جن کو کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منی میں دو دور کعتیں پڑھیں، اور ابو بکرؓ کے ساتھ اور عمرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کے ساتھ ان کی خلافت کے شروع کے سالوں میں دو دور کعتیں پڑھیں۔ اور مکہ کے باشندے منی میں قصر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: اہل مکہ کے لئے منی

میں قصر کرنا جائز نہیں، ہاں جو شخص منی میں مسافر ہو (وہ نماز قصر کرے) اور یہ ابن جریج، ثوری، یحییٰ تظان، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں: اہل مکہ کے لئے بھی منی میں قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ اوزاعی، مالک، ابن عیینہ اور ابن مہدی کا قول ہے۔

باب ماجاء فی الوقوف بعرفات والدعاء فیہا

وقوف عرفہ اور اس میں دعا کا بیان

۹ ذی الحج کو عرفات میں جانا ہوتا ہے، وہاں زوال تک کوئی کام نہیں۔ زوال کے بعد امام ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھاتا ہے اس کے بعد وقوف شروع ہوتا ہے لوگ عرفہ کے کاموں میں یعنی ذکر و اذکار، نوافل و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور عرفہ کے کاموں میں سب سے اہم دعا ہے۔

وقوف عرفہ کا وقت ذی الحج کی نو تاریخ کے زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک ہے، پھر امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ پورا وقت یکساں ہے جو شخص نو کے زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک کسی بھی وقت حج کا احرام باندھ کر عرفات میں آگیا اس کا حج ہو گیا، اور دیگر ائمہ کے نزدیک دن کے ساتھ رات کا ایک حصہ ملانا بھی ضروری ہے اور رات کی دن سے زیادہ اہمیت ہے، پھر احتلاف اور شوافع کے نزدیک اگر کسی نے صرف دن کا وقوف کیا اور رات کا کوئی حصہ اس کے ساتھ نہیں ملایا یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکل آیا تو اس پر دم واجب ہے، اور اگر رات میں وقوف کیا اور دن کا کوئی حصہ اس کے ساتھ نہیں ملایا تو کچھ واجب نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر صرف دن میں وقوف کیا، اور غروب سے پہلے عرفات سے نکل آیا تو اس کا حج نہیں ہوا، اور اگر صرف رات میں وقوف کیا اور دن میں وقوف نہیں کیا تو حج صحیح ہو گیا مگر دم واجب ہے۔

حدیث (۱): یزید بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس ابن مرثد الانصاری آئے، ہم عرفات میں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، عمرو بن عبد اللہ نے اس جگہ کو دور بتایا یعنی جہاں حضرت شیبان ٹھہرے ہوئے تھے وہ جگہ آنحضور ﷺ کی جائے قیام سے دور تھی، ابن مرثد الانصاری نے آکر کہا: میں آپ لوگوں کے پاس اللہ کے رسول ﷺ کا بھیجا ہوا ہوں، آپ فرما رہے ہیں کہ آپ لوگ مشاعر کے قریب آئیں (مشاعر اور مناسک مترادف لفظ ہیں، یعنی حج کی جگہیں ہیں وہاں آکر ٹھہریں) اس لئے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے طریقوں میں سے ایک طریقہ پر ہو۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے عرفات میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھائی تھیں، جہاں آپ نے نماز پڑھائی تھی وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے جس کا نام مسجد نمرقہ ہے، نماز سے فارغ ہو کر آپ اونٹ پر سوار ہو کر جبل رحمت کے پاس تشریف لے گئے، اور اس کے دامن میں وقوف فرمایا اور غروب تک اونٹ ہی پر تشریف فرما رہے، لوگوں کو مختلف ہدایتیں دینا، غریبوں کی

ضرورتیں پوری کرنا، لوگوں کو مسائل بتانا سب کام اونٹ پر ہی کر رہے تھے اور ساتھ ہی ذکر و دعا میں بھی مشغول تھے، یزید بن شیبان اور ان کے ساتھی کہیں دور ٹھہرے ہوئے تھے، عرفات کا میدان بہت وسیع ہے اور پورا میدان موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے مگر جبل رحمت کے قریب وقوف کرنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حج کیا تھا تو وہ جبل رحمت کے دامن میں ٹھہرے تھے اور حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہوتا ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے بھی وہیں وقوف کیا تھا، آپ نے ابن مریم انصاری کو یزید بن شیبان وغیرہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ وہ جبل رحمت کے قریب آئیں، اس لئے کہ حج موردنی عبادت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا۔

حدیث (۲): قریش اور وہ لوگ جو قریش کے دھرم پر تھے ”حمس“ کہلاتے تھے، وہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے، عرفہ میں نہیں جاتے تھے اور کہا کرتے تھے: ”ہم اللہ کے گھر کے باسی ہیں“ اور دوسرے لوگ عرفہ میں جاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”پھر تم لوگوں جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں“

تشریح: زمانہ جاہلیت میں حج میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ قریش اور جو لوگ قریش کے دین پر تھے وہ منی سے چل کر مزدلفہ میں رک جاتے تھے، وہ عرفات میں نہیں جاتے تھے، باقی سب لوگ عرفات میں جا کر واپس لوٹتے تھے، قریش کہتے تھے: ہم خمس (دین میں ٹھوس مضبوط) ہیں اور ہم قطین اللہ (اللہ کے گھر کے باسی) ہیں پس ہم حرم سے نہیں نکلیں گے (حالانکہ وہ تجارت کے لئے شام اور یمن کے سفر کرتے تھے) چنانچہ یہ رسم ختم کرنے کے لئے سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۹ نازل ہوئی اور حکم دیا گیا: ”پھر تم وہاں سے لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں“ چنانچہ آپ ﷺ منی سے عرفات گئے، وہاں سے مزدلفہ پھر منی واپس آئے۔

[۵۳] باب ماجاء فی الوقوف بعرفات والدعاء فیہا

[۸۷۲] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَاسِيفَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَفْوَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ شَيْبَانَ، قَالَ: أَتَانَا ابْنُ مَرْثَعٍ الْأَنْصَارِيُّ، وَنَحْنُ بِالْمَوْقِفِ، مَكَانًا يُبَاعِدُهُ عَمْرُو، فَقَالَ: إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ، يَقُولُ: ”كُونُوا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ فَلَا تُكَلِّمُوا عَلَى إِذِثْ مِنْ إِبْرَاهِيمَ“

وفی الباب: عن علی، وعائشة، وجبیر بن مطعم، والشرید بن سُوید الثقفی.

قال أبو عیسی: حدیث ابن مَرْثَعٍ حدیث حسن، لَا تَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، وَابْنِ مَرْثَعٍ: اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ مَرْثَعٍ الْأَنْصَارِيُّ، وَإِنَّمَا يُعْرَفُ لَهُ هَذَا الْحَدِيثُ الْوَاحِدُ.

[۸۷۳] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنَعَانِيُّ الْبَصْرِيُّ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الطُّفَاوِيُّ، نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ كَانَ عَلَى دِينِهَا، وَهُمْ الْخُمْسُ،

يَقْفُونَ بِالْمُزْدَلِجَةِ، يَقُولُونَ: نَحْنُ قَطِيعُ اللَّهِ، وَكَانَ مِنْ مِوَاهِمٍ يَقْفُونَ بِعَرَفَةَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿لَكُمْ أَلْيَظُنُّوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ كَانُوا لَا يَخْرُجُونَ مِنَ الْحَرَمِ، وَعَرَفَاتٍ خَارِجٍ مِنَ الْحَرَمِ، فَأَهْلُ مَكَّةَ كَانُوا يَقْفُونَ بِالْمُزْدَلِجَةِ وَيَقُولُونَ نَحْنُ قَطِيعُ اللَّهِ يَعْنِي سُكَّانُ اللَّهِ، وَمِنْ مِوَاهِمٍ أَهْلُ مَكَّةَ كَانُوا يَقْفُونَ بِعَرَفَاتٍ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿لَكُمْ أَلْيَظُنُّوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ وَالْحُمْسُ: هُمْ أَهْلُ الْحَرَمِ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: ان میں سے کسی حدیث کو ہم نہیں جانتے مگر ابن عیینہ کی سند سے، یعنی عمرو بن دینار سے روایت کرنے والے تمام ابن عیینہ ہیں اور ابن مرلیح کا نام یزید بن مرلیح انصاری ہے اور ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ حرم سے نہیں نکلتے تھے اور عرفات حرم سے باہر ہے، اور اہل مکہ مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور کہا کرتے تھے: ہم اللہ کے گھر کے رہنے والے ہیں اور اہل مکہ کے سوا سب لوگ عرفات میں جاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: پھر تم لوگو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔ اور حمس حرم والے ہیں (یہ مصداق بیان کیا ہے حمس کے لغوی معنی بیان نہیں کئے اس کے معنی ہیں: دین میں شغول اور مضبوط)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ

عرفہ کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے

عرفہ بہت وسیع میدان ہے اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس پورے میدان میں کہیں بھی وقوف کیا جاسکتا ہے، مگر اصل موقف جبل رحمت ہے اس لئے کہ حج موثری عبادت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل رحمت کے دامن میں وقوف کیا تھا اور ان کی اتباع میں آنحضور ﷺ نے بھی وہیں وقوف کیا تھا اور یزید بن شیبان وغیرہ وہاں سے کچھ دور ٹھہرے تھے تو آپؐ نے آدمی بھیج کر ان کو قریب بلا لیا تھا، مگر اب چونکہ ہر سال لاکھوں آدمی حج کرتے ہیں اور وہ سب جبل رحمت کے قریب نہیں ٹھہر سکتے اس لئے پریشانی سے بچنے کے لئے اور عبادت میں یکسوئی حاصل کرنے کے لئے میں تو جبل رحمت کے قریب جانے کی کوشش نہیں کرتا، خیمہ ہی میں وقوف کرتا ہوں تاکہ دلجمعی کے ساتھ عرفہ کے کاموں میں مشغول رہ سکوں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ میں (جبل رحمت کے دامن میں) وقوف کیا اور فرمایا: ”یہ عرفہ ہے اور یہ وقوف کرنے کی جگہ ہے اور پورا عرفہ وقوف کرنے کی جگہ ہے“ پھر آپ عرفہ سے واپس لوٹے جبکہ سورج غروب ہو گیا (لغاض کے لغوی معنی ہیں: لوٹا، مگر یہ لفظ عرفہ سے لوٹنے کے لئے خاص ہو گیا

ہے) اور حضرت اسامہؓ کو (اونٹ پر) اپنے پیچھے بٹھالیا، اور آپؐ دست مبارک سے اشارہ کرتے تھے کہ باطمینان چلو (ہینہ کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے، بہتر ہینہ ہے) اور لوگ دائیں بائیں اونٹوں کو مار رہے تھے (تا کہ جلدی مزدلفہ پہنچیں) آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور زبان مبارک سے فرماتے تھے: لوگو! سکینے کو لازم پکڑو، پھر آپؐ مزدلفہ میں آئے (لفظ جمع مزدلفہ کے لئے خاص ہے) اور وہاں لوگوں کو مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھائیں (نماز پڑھ کر آپؐ سو گئے اور اس رات آپؐ نے بالقصد تہجد نہیں پڑھا) پھر جب صبح ہوئی تو (اول وقت میں فجر کی نماز پڑھائی اور) جبل قریح کے پاس آئے اور اس کے دامن میں وقوف کیا یعنی وہاں دعائیں وغیرہ کیں اور فرمایا: ”یہ جبل قریح ہے اور یہ موقف ہے اور مزدلفہ کا پورا میدان موقف ہے“ پھر (جب طلوع شمس میں پانچ دس منٹ باقی رہ گئے تو) آپؐ (منی کی طرف) واپس لوٹے، یہاں تک کہ وادی عسٹر میں پہنچ گئے، پس آپؐ نے اونٹنی کو تیز کر دیا، پس اونٹنی ہلکی ہلکی دوڑنے لگی یہاں تک کہ آپؐ وادی سے نکل گئے (جب آپؐ وادی سے نکلے تو دیکھا کہ فضل بن عباسؓ پیدل جا رہے ہیں) آپؐ نے اونٹنی بٹھائی اور فضل کو پیچھے بٹھالیا، پھر جرہ عقبہ پر پہنچے اور اس کو کنکریاں ماریں، پھر قربان گاہ میں آئے اور فرمایا: ”یہ قربان گاہ ہے اور منی پورا قربان گاہ ہے“ (بلکہ پورا حرم قربان گاہ ہے کہیں بھی قربانی کی جاسکتی ہے) اور آپؐ سے قبیلہ غنم کی ایک لوجوان عورت نے مسئلہ پوچھا، اس نے کہا: میرے ابا بوڑھے ہو گئے ہیں اور ان کو اللہ کے فریضہ نے پایا ہے (یعنی ان پر حج فرض ہو گیا ہے مگر اب ان میں حج کرنے کی استطاعت نہیں، ہی تو) کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ”تم اپنے باپ کی طرح سے حج کرو“ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور آپؐ نے فضل بن عباس کی گردن کو پھیر دیا (جب وہ عورت مسئلہ پوچھ رہی تھی تو فضل بھی اس کو دیکھ رہے تھے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اس لئے آپؐ نے ہاتھ سے فضل کا چہرہ دوسری جانب گھما دیا تا کہ اس کو نہ دیکھیں) حضرت عباس رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، کسی موقع پر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے اپنے بھتیجے کی گردن کیوں پھیر دی تھی؟ آپؐ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ لڑکا بھی جوان ہے اور لڑکی بھی، پس مجھے دونوں پر شیطان کا اندیشہ ہوا (اس لئے میں نے گردن پھیر دی تا کہ شیطان ان کا حج خراب نہ کرے) پھر آپؐ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے حلق کروانے سے پہلے طواف زیارت کر لیا، آپؐ نے فرمایا: ”کوئی حرج نہیں اب حلق کرلو“ یا فرمایا: ”کوئی بات نہیں اب ہال کمر والو“ راوی کہتا ہے: اور ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے جرہ عقبہ کی رمی سے پہلے قربانی کر لی آپؐ نے فرمایا: ”کوئی بات نہیں اب رمی کرلو“ راوی کہتا ہے: پھر آپؐ کعبہ شریف کے پاس آئے اور اس کا طواف کیا (یہ طواف زیارت تھا) پھر زمزم کے کنویں پر آئے، اور فرمایا: ”اے بنو عبدالمطلب! (سقاہ کی خدمت آپؐ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سپرد کی تھی وہ خود اور ان کی اولاد اور ان کے غلام حاجیوں کو کنویں سے کھینچ کھینچ کر زمزم پلاتے تھے) اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے تو میں خود کنویں سے زمزم کھینچ کر پیتا“ (یعنی اگر میں ایسا کروں

کا تو میری اتباع میں سب لوگ خود کھینچ کر پانی پینے کی کوشش کریں گے اور تمہیں جو خدمت سپرد کی گئی ہے وہ تمہارے ہاتھ سے چلی جائے گی، اس لئے میں خود کھینچ کر زمزم نہیں پی رہا تمہیں مجھے پلاؤ

تشریح

۱- مزدلفہ کی طرف سے جب عرفات کے میدان میں داخل ہوتے ہیں تو پہلے ایک برساتی نالہ آتا ہے یہ طعن غرنہ کہلاتا ہے اس کے بعد عرفہ کا میدان ہے طعن غرنہ میں وقوف کرنا جائز نہیں، اگر کوئی وہاں وقوف کرے گا توجہ نہیں ہوگا، اور مزدلفہ سے منی کی طرف آتے ہوئے درمیان میں ایک میدان ہے اس کا نام وادی محسر ہے اس میں بھی وقوف کرنا جائز نہیں اور وادی محسر سے آنحضور ﷺ تیزی کے ساتھ کیوں گزرے تھے؟ اس کی وجہ معلوم نہیں اور جو مشہور ہے کہ اصحاب قبل یہاں ہلاک ہوئے ہیں: یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ اصحاب قبل حرم میں داخل نہیں ہوئے تھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیئے گئے تھے اور منی، مزدلفہ اور وادی محسر سب حرم میں ہیں۔

۲- اس حدیث سے چند مسئلے نکلتے ہیں:

(الف) عورت احرام میں چہرہ نہیں چھپائے گی اس کا احرام چہرے میں ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔
(ب) عورت کے لئے اگر مجبوری ہو اور وہ پردہ نہ کر سکتی ہو تو مرد پر پردہ کرنا یعنی نظریں پھیر لینا واجب ہے، آنحضور ﷺ نے اسی وجہ سے حضرت فضل کی گردن پھیری تھی۔

(ج) وہ مرد جس سے معاملہ متعلق ہے عورت کو دیکھ سکتا ہے مثلاً عورت بیمار ہے اور وہ ڈاکٹر کو اپنے بدن کا وہ حصہ جسے چھپانا ضروری ہے دکھا رہی ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور ڈاکٹر بھی دیکھ سکتا ہے اس کے لئے بھی مجبوری ہے، مگر وہاں جو دوسرے لوگ بیٹھے ہیں ان کے لئے کوئی مجبوری نہیں، پس ان پر نظریں پھیر لینا واجب ہے۔

(د) احرام میں اگر بیوی ساتھ ہے تو زن و شوکی کے معاملات کا تصور بھی دل میں نہیں لانا چاہئے یہ بھی ایک درجہ میں رخصت ہے اس سے بھی حج میں نقصان آتا ہے اور غیر عورت کے بارے میں دل میں کوئی خیال لانا تو نہایت سخت بات ہے۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے حضرت فضلؓ کا چہرہ پھیر دیا کیونکہ دونوں جوان تھے، شیطان کسی کے بھی دل میں کوئی وسوسہ ڈال سکتا تھا۔

(ه) آپؐ نے جو حضرت فضلؓ کا چہرہ گھما دیا تھا تو حضرت عباسؓ نے اس کی وجہ پوچھی تھی، کیونکہ احکام کو سمجھ کر اخذ کرنا ضروری ہے، قرآن میں ہے: ﴿وَعَلَّمَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ حکمت سے مراد احکام کی سبکی مصلحتیں ہیں۔

۳- دس ذی الحجہ کو حاجی کو چار کام کرنے ہوتے ہیں، اول: حجرۃ عقبہ کی رمی، دوم: اگر حاجی قارن یا متمتع ہے تو قربانی کرنا (مفرد پر قربانی واجب نہیں، مستحب ہے) سوم: حلق یا قصر کرنا، چہارم: طواف زیارت کرنا۔ طواف زیارت میں اور باقی تین کاموں میں ترتیب بالاجماع سنت ہے واجب نہیں، اور باقی تین کاموں میں ترتیب واجب

ہے یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے، پس اگر کوئی ان میں تقدیم و تاخیر کر دے تو کوئی حرج نہیں، اور احناف کے نزدیک ترتیب واجب ہے اگر آگے پیچھے کر دے گا تو دم واجب ہوگا، اور حدیث باب میں جو دو مسئلے ہیں ان میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ طواف زیارت پہلے کر لیا، حلق بعد میں کیا تو بالا جماع اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ طواف زیارت میں اور باقی تین کاموں میں بالا جماع ترتیب سنت ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پہلے قربانی کر لی، پھر رمی کی تو یہ بھی اختلافی مسئلہ نہیں ہے جبکہ مسائل مفرد ہو، البتہ اگر مسائل قارن یا مجتمع ہو تو اس پر قربانی واجب ہے، مگر اب یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ مسائل مفرد تھا یا مجتمع یا قارن اس لئے اس حدیث سے بھی وجوب ترتیب کے قائلین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، مزید تفصیل آئے گی۔

۴۔ قصر کا مفہوم سر کے تھوڑے تھوڑے بال کٹوانا نہیں ہے، اگرچہ اس سے بھی احرام کھلا ہے بلکہ قصر کا مطلب ہے: پٹھے کٹوانا، ذلیفیں بنوانا یعنی پیچھے سے بال کٹوانا، قصر میں لمبائی میں کم از کم ایک انسلہ اور مقدار میں چوتھائی سر کے برابر بال کٹنے ضروری ہیں، اس سے کم بال کٹوانے سے احرام نہیں کھلے گا، اور عورت کے لئے حلق کرنا حرام ہے وہ قصر کرائے گی اور اس کے لئے بھی لمبائی میں ایک انسلہ اور مقدار میں ربع راس کے بال کٹنے ضروری ہیں، بعض عورتوں کی چوٹی آخر میں پتلی ہو جاتی ہے ان کو تھوڑے اوپر سے بال کاٹنے چاہئیں کیونکہ کٹے ہوئے بال اگر چوتھائی سر کے برابر نہیں ہیں تو احرام نہیں کھلے گا۔

۵۔ مذکورہ حدیث میں عبد الرحمن بن الحارث مداح حدیث ہیں ان سے اوپر ایک ہی سند ہے اور ان سے سفیان ثوری روایت کرتے ہیں اور ثوری سے روایت کرنے والے بہت ہیں۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں تہجد نہیں پڑھا تھا کیونکہ آپ بہت سے مستحب امور مجمع عام میں چھوڑ دیتے تھے تاکہ لوگ ان کو لازم نہ سمجھ لیں، جیسے آپ کا ہر فرض نماز کے لئے نئی وضو کرنے کا معمول تھا مگر فتح مکہ کے موقع پر آپ نے پانچ نمازیں: فجر تا عشاء ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں، اور جب حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آج آپ نے وہ کام کیا جو آپ کبھی نہیں کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: ”عمر! قصد امیں نے ایسا کیا ہے“ (یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے) اور اس ترک مستحب میں بھی حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ نو اور دس دونوں دن اعمال سے پُر ہیں اور جسم کا بھی ایک حق ہے جو مزدلفہ کی رات میں پورا کرنا چاہئے۔

[۵۴] باب ماجاء ان عرفۃ کُلُّھا مَوْقِفٌ

[۸۷۴] - حدثنا محمد بن بشر، نا أبو أحمد الزُّبَيْرِيُّ، عن عبد الرحمن بن الحارث بن عَاصِيٍّ، عن أبي رَبيعَةَ، عن زيد بن عليٍّ، عن أبيه، عن عُبَيْدِ اللَّهِ بن أَبِي زَائِعٍ، عن عليٍّ بن أبي طالبٍ، قال: وَقَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ، فَقَالَ: ”هَذِهِ عَرَفَةُ وَهِيَ الْمَوْقِفُ، وَعَرَفَةُ

کُلُّهَا مَوْقِفٌ“ ثُمَّ أَقَامَ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَأَزْدَقَ أَسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، وَجَعَلَ يُشِيرُ يَدِهِ عَلَى هَيْتِهِ، وَالنَّاسُ يَضْرِبُونَ يَمِينًا وَشِمَالًا، يَلْتَفِتُ إِلَيْهِمْ وَيَقُولُ: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْلَمُوا أَنَّ السَّكِينَةَ“ ثُمَّ أَتَى جَمْعًا فَصَلَّى بِهِمُ الصَّلَاتَيْنِ جَمِيعًا، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى لُزَحَ وَوَقَّفَ عَلَيْهِ، وَقَالَ: ”هَذَا لُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمَعَ كُلُّهَا مَوْقِفٌ“ ثُمَّ أَقَامَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى وَادِي مُحَسَّرٍ فَفَرَعَ نَاقَتَهُ، فَخَبَثَ حَتَّى جَاوَزَ الْوَادِي، فَوَقَّفَ وَأَزْدَقَ الْفَضْلَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ أَتَى الْمُنَحَرَ، فَقَالَ: ”هَذَا الْمُنَحَرُ وَمِنْهُ كُلُّهَا مَنْحَرٌ“ وَاسْتَفْتَتْ جَارِيَةٌ شَابَّةٌ مِنْ خَتَمِهِ فَقَالَتْ: إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ قَدْ أَذْرَسْتَهُ فَرِيضَةَ اللَّهِ فِي الْحَجِّ، أَفَلْجَزَيْ أَنْ أُحْجَّ عَنْهُ؟ قَالَ: ”خُجِّي عَنْ أَبِيكَ“ قَالَ: وَلَوْ عَنِّي الْفَضْلُ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَارَسُولَ اللَّهِ لِمَ لَوَيْتَ عَنِّي ابْنَ عَمِّكَ؟ قَالَ رَأَيْتُ شَابًا وَشَابَةً، فَلَمْ آمَنِ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِمَا، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَقْضَيْتُ قَبْلَ أَنْ أُحْلِقَ، قَالَ: ”أَحْلِقْ وَلَا حَرَجَ أَوْ: قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ“ قَالَ: وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللَّهِ إِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أُرْمِيَ؟ قَالَ: ”أَرْمِ وَلَا حَرَجَ“ قَالَ: ثُمَّ أَتَى الْبَيْتَ فَطَافَ بِهِ، ثُمَّ أَتَى زَمْزَمَ فَقَالَ: ”يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَوْلَا أَنْ يَغْلِبَكُمْ عَلَيْهِ النَّاسُ لَنَزَعْتُ“

وفي الباب: عن جابر، قال أبو عيسى: حديث عليّ حديث حسن صحيح، لأنّ قوله من حديث عليّ إلّا من هذا الوجه من حديث عبد الرحمن بن الحارث بن عياض، وقد رواه غير واحد عن الثوري مثل هذا.

والمعمل على هذا عند أهل العلم قد رأوا أن يجمع بين الظهري والعصري بقرّة في وقت الظهري، وقال بعض أهل العلم: إذا صلى الرجل في رحله، ولم يشهد الصلاة مع الإمام: إن شاء جمع هو بين الصلاتين مثل ما صنع الإمام. وزيد بن عليّ: هو ابن حسين بن عليّ بن أبي طالب.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ عرفات میں ظہر اور عصر کے درمیان جمع کیا جائے اور بعض علماء کہتے ہیں: جب آدمی اپنے خیمہ میں نماز پڑھے اور وہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حاضر نہ ہو تو اگر وہ چاہے تو ظہرین کے درمیان جمع کرے امام کے کرنے کی طرح، اور زید بن علی حضرت حسینؑ کے پوتے اور حضرت علیؑ کے پر پوتے ہیں۔ اور یہی وہ زید ہیں جن کی طرف شیعوں کا زیدی فرقہ منسوب ہے، شیعوں میں بہت فرقے ہیں اور یہ فرقہ اہل السنہ والجملة سے اقرب ہے۔ نسل الاوطار کے معنی علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا تعلق اس زیدی فرقہ سے تھا۔

تشریح: عرفات میں ظہرین کو جمع کرنے کے لئے بالاجماع احرام شرط ہے اور امیر المومنین کی اقتداء میں نماز ادا کرنا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک یہ بھی شرط ہے، لہذا جو شخص مسجد نمرہ میں امام کے

پچھے نماز ادا کرے گا وہی جمع بین الصلواتین کر سکتا ہے اور جو مردوزن اپنے خیموں میں نماز پڑھیں گے خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں یا تنہا پڑھیں ان کے لئے جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان کے لئے ہر نماز اس کے وقت میں پڑھنے میں، کوئی دشواری نہیں اور مسجد نمرة میں جمع بین الصلواتین کا حکم اس وجہ سے ہے کہ وہاں مجبوری ہے، اگر لوگ پہلے ظہر کی نماز مسجد میں ادا کریں گے پھر جبل رحمت پر وقوف کرنے کے لئے جائیں گے، پھر عصر کے وقت میں دوبارہ مسجد میں آکر عصر ادا کریں گے پھر جبل رحمت پر جا کر وقوف کریں گے تو سارا وقت آنے جانے میں خرچ ہو جائے گا، اس لئے شریعت نے مسجد نمرة میں جمع بین الصلواتین کی اجازت دی، اور جو اپنے خیمے میں نماز پڑھ رہا ہے اس کے لئے کیا مجبوری ہے؟ پس اس کے لئے جمع کرنے کی اجازت نہیں، دیگر فقہاء کے نزدیک ہر صورت میں جمع بین الصلواتین کرنا جائز ہے، خواہ امیر المومنین کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا اپنے خیمے میں جماعت کے ساتھ پڑھے یا تنہا پڑھے ہر صورت میں جمع کر سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِقَاضَةِ مِنْ عُرْفَاتٍ

عرفات سے ٹوٹنے کا بیان

گزشتہ باب میں جو طویل حدیث آئی ہے اس میں عرفات سے لوٹنے کا ذکر ہے، اور اس باب کی حدیث میں اگرچہ عرفات سے لوٹنے کا ذکر نہیں، مگر یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، اور اس کے دیگر طرق میں یہ بات مذکور ہے، اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دادی مختر میں سواری تیز کر دی (أَوْضَحَ لِبِضَاعَاكَ مَعْنَى هِیَ: الإِسْرَاعُ فِی السَّیْرِ تِیْزَ جَلْنَا۔ سورۃ توبہ آیت ۴۷ میں ہے: ﴿وَلَا تَضَعُوا بِأَعْقَابِكُمْ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾) (وہ گھوڑے دوڑاتے ہیں تم میں، چاہتے ہیں تمہارے درمیان فتنہ ڈالنا) اور حدیث میں بشر نے اضافہ کیا ہے (امام ترمذی کے استاذ الاستاذ تین ہیں، ان میں سے بشر حدیث میں یہ اضافہ کرتے ہیں) ”اور مزدلفہ سے لوٹے درانحالیکہ آپ پُر سکون تھے اور آپ کو گوں کو پر سکون رہنے کی تلقین کر رہے تھے“ اور اس حدیث میں ابو نعیم (تیسرے استاذ) نے یہ اضافہ کیا ہے: ”اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ رمی کریں۔ غلیل کے غلہ جیسی کنکری سے“ (الْغُلْفُفُ کے اصل معنی ہیں: انگلیوں کے درمیان کنکری پکڑ کر پھینکنا، پھر گوپھن میں اور غلیل میں رکھ کر جو کنکری پھینکتے ہیں اس کو بھی مجازاً غذف کہنے لگے، ایسی کنکری جو غلیل کے غلہ جیسی ہو یعنی نہ بہت چھوٹی ہو اور نہ بڑا پتھر ہو ایسی کنکری سے رمی جواز کرنا مسنون ہے) اور آپؐ نے فرمایا: ”شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں“ (پس مناسب اچھی طرح سیکھ لو، اس جملہ میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی وفات قریب ہے)

[۵۵] باب ماجاء فى الإفاضة من عرفات

[۸۷۵] - حدثنا محمود بن غيلان، نا وكيع، وبشر بن السري، وأبو نعيم، قالوا: نا سفیان بن عيينة، عن أبي الزبير، عن جابر: أن النبي صلى الله عليه وسلم أوضع فى رادى محسر، وزاد فيه بشر: وأفاض من جمع وعليه السكينة وأمرهم بالسكينة، وزاد فيه أبو نعيم: وأمرهم أن يرموا بمثل حصا الخذف، وقال: "لعلى لا أراكم بعد عامي هذا"
وفى الباب: عن أسامة بن زيد، قال أبو عيسى: حديث جابر حديث حسن صحيح.

باب ماجاء فى الجمع بين المغرب والعشاء بالمزدلفة

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھنا

جس نے بھی حج کا احرام باندھ رکھا ہے وہ مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھے گا۔ عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں، اور جس کا حج کا احرام نہیں وہ مغرب کو مغرب کے وقت میں پڑھے گا اور عشاء کو عشاء کے وقت میں، اس کے لئے جمع بین الصلوٰتین کرنا جائز نہیں۔ اور مزدلفہ میں عشاء تکین کو جمع کرنے کے لئے امام المسلمین کی اقتداء میں پڑھنا بالاجماع شرط نہیں۔ ہر حاجی کے لئے عشاء تکین کو جمع کرنا جائز ہے خواہ وہ امام المسلمین کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا اپنے ڈیرے میں یا جماعت پڑھے یا تنہا پڑھے۔

اور عرفات اور مزدلفہ میں امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی اذان نہیں، البتہ دونوں جگہ دونوں نمازوں کے لئے تکبیریں کہی جائیں گی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عرفات میں بھی اور مزدلفہ میں بھی ایک اذان اور دو تکبیریں ہیں۔ اور احتاف میں سے امام طحاوی اور ابن الہمام رحمہما اللہ نے امام شافعی کے قول کو اختیار کیا ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک عرفات میں ایک اذان اور دو تکبیریں ہیں اور مزدلفہ میں صرف ایک اذان اور ایک تکبیر ہے۔

حدیث: عبد اللہ بن مالک سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مزدلفہ میں نماز پڑھی اور دو نمازوں کو تکبیر کے ذریعہ جمع کیا، اور فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اس جگہ ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اس جملہ سے حدیث مرفوع ہوگئی۔

تشریح: جو حضرات مزدلفہ میں صرف ایک تکبیر کے قائل ہیں انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ابن عمر نے ایک اقامت سے دو نمازیں جمع کیں مگر حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ابن عمر نے الگ جماعت کی اور اذان نہیں کہی، کیونکہ مزدلفہ کی مسجد میں اذان ہوگئی تھی، وہ سب کے لئے کافی تھی، صرف اقامت سے دو نمازیں پڑھیں۔ غرض یہاں اقامۃ کا مطلب: بإقامة واحدة نہیں ہے بلکہ مطلب ہے: بإقامة فقط اور

ابن عمرؓ نے اپنے عمل کو نبی ﷺ کے عمل کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے وہ تشبیہ صرف دو نمازیں ایک ساتھ جمع کرنے میں ہے ہر چیز میں تشبیہ نہیں ہے۔

نوٹ: حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ حدیث کی دو سندیں ہیں۔ پہلی سند: سفیان ثوری روایت کرتے ہیں ابواسحاق سے، وہ عبد اللہ بن مالک سے، اور وہ ابن عمرؓ سے۔ دوسری سند: اسماعیل بن ابی خالد روایت کرتے ہیں ابواسحاق سے، وہ سعید بن جبیر سے، اور وہ ابن عمرؓ سے۔ یحییٰ قطان نے اور امام ترمذیؒ نے سفیان کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے کیونکہ اسرائیل ان کے متابع ہیں اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کو سعید بن جبیر نے بھی ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے اور وہ سند بھی صحیح ہے مگر وہ سند دوسری ہے، اور ابواسحاق صرف عبد اللہ اور ان کے بھائی خالد سے روایت کرتے ہیں، سعید بن جبیر سے روایت نہیں کرتے، سعید بن جبیر سے روایت کرنے والے سلمہ بن کہیل ہیں۔

[۵۶] باب ماجاء فی الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفة

[۸۷۶-] حدثنا محمد بن بشار، أخبرنا يحيى بن سعيد القطان، أخبرنا سفیان الثوري، عن أبي إسحاق، عن عبد الله بن مالك: أن ابن عمر رضي الله عنهما، فجمع بين الصلوتين بإقامة، وقال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل مثل هذا في هذا المكان.

حدثنا محمد بن بشار، نا يحيى بن سعيد، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن أبي إسحاق، عن سعيد بن جبيرة، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله: قال محمد بن بشار، قال يحيى: والصواب حديث سفیان.

ولی الباب: عن علی، وأبی ایوب، وعبد اللہ بن مسعود، وجابر، وأسماء بن زید.

قال أبو عيسى: حديث ابن عمر بن رواية سفیان أصح من رواية إسماعيل بن أبي خالد، وحديث سفیان حديث حسن صحيح، قال: ورؤی اسرائیل هذا الحديث عن أبي إسحاق، عن عبد الله وخالد ابني مالك، عن ابن عمر. وحديث سعيد بن جبيرة، عن ابن عمر: هو حديث حسن صحيح، رواه سلمة بن كهيل، عن سعيد بن جبيرة. وأما أبو إسحاق فإنه روى عن عبد الله وخالد ابني مالك، عن ابن عمر.

والعمل عليه عند أهل العلم أنه لا يصلي صلاة المغرب دون جمع، فإذا أتى جمعا وهو المزدلفة جمع بين الصلوتين بإقامة واحدة، ولم يتطوع فيما بينهما، وهو الذي اختاره بعض أهل العلم وذهبوا إليه، وهو قول سفیان الثوري.

قال سفیان: وإن شاء صلى المغرب ثم نسي ووضعت يديه ثم أقام فصلى العشاء.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ، يُؤَكِّدُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَيُثَبِّتُ وَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ، ثُمَّ يَتِمُّ وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: ابن عمرؓ کی روایت سے ہے وہ صبح ہے، اسماعیل بن ابی خالد کی روایت سے۔ اور سفیان کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور فرماتے ہیں: اسرائیل نے یہ حدیث ابواسحاق سے، انھوں نے عبد اللہ اور خالد سے جو مالک کے لڑکے ہیں روایت کی ہے، وہ دونوں ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور سعید بن جبیر کی حدیث جو ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ بھی حسن صحیح ہے اس کو سلمہ بن کہیل نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے، رہے ابواسحاق تو انھوں نے مالک کے دونوں بیٹوں عبد اللہ اور خالد سے، اور انھوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور اس پر علماء کا عمل ہے کہ حاجی مزدلفہ کے علاوہ کسی جگہ مغرب کی نماز نہیں پڑھے گا۔ پس جب وہ مزدلفہ میں پہنچے تو دو نمازوں کو جمع کرے، ایک اقامت کے ساتھ، اور ان کے درمیان نقلیں نہ پڑھے، اور یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ سفیان کہتے ہیں: اور اگر چاہے تو مغرب پڑھے پھر شام کا کھانا کھائے اور اپنے کپڑے رکھے یعنی اونٹ پر سے سامان اتارے، پھر اقامت کہے اور عشاء کی نماز پڑھے (یعنی مغرب کے بعد فوراً عشاء پڑھنا ضروری نہیں، درمیان میں ضروری کام انجام دے سکتا ہے اور کھانا وغیرہ کھا سکتا ہے، البتہ اگر مغرب و عشاء کے درمیان فاصلہ ہو جائے تو عشاء سے پہلے بھی تعبیر کہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: مزدلفہ میں عشاء تک کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع کرے، وہ (پہلے) مغرب کے لئے اذان کہے اور اقامت کہے، پھر مغرب پڑھے، پھر اقامت کہے اور عشاء پڑھے۔ اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے (امام طحاویؒ اور ابن الہمامؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے)

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ أَذْرَكَ الْإِمَامَ بِجَمْعٍ فَقَدْ أَذْرَكَ الْحَجَّ

جس نے امام کو مزدلفہ میں پالیا اس نے حج پالیا

حدیث (۱): عبد الرحمن بن یزید سے مروی ہے کہ نجد کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے در انھما کہ آپ عرفہ میں وقوف فرماتے، انھوں نے آپ سے بیان کیا: (وہ نجد سے سیدھے عرفہ آئے ہیں، وقت تنگ تھا اس لئے کہ نہیں مجھے ان کا حج ہوا یا نہیں؟ آپ نے ان کو مسئلہ بتایا پھر منادی کروائی تاکہ کسی اور کو یہی صورت پیش آئی ہو تو وہ بھی مسئلہ جان لے) پس منادی کرنے والے نے پکارا: ”عرفہ ہی حج ہے“ (یعنی حج کا اہم ترین رکن وقوف عرفہ ہے، حج میں دو رکن ہیں: طواف زیارت اور وقوف عرفہ، اور طواف زیارت ایسا رکن ہے جس میں تقدیم و تاخیر بھی ہو سکتی ہے

اور دم سے تاخیر کی تلافی بھی ہو سکتی ہے مگر وقوف عرفہ میں نہ تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے اور نہ دم سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے اس لئے فرمایا کہ عرفہ ہی حج ہے۔ جو شخص مزدلفہ کی رات میں صبح صادق سے پہلے (عرفہ میں) داخل ہو گیا: اس نے حج پایا۔ وقوف عرفہ کا وقت نو تاریخ کے زوال سے دس کی صبح صادق تک ہے اور یہی رات مزدلفہ کی رات بھی ہے مٹی کے دن تین ہیں: (گیارہ تا تیرہ) پس جو شخص دو دن رمی کر کے چل دے اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص تاخیر کرے (یعنی تیرہ کی بھی رمی کرے) اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اور یحییٰ نے اپنی حدیث میں یہ بڑھایا ہے: اور آپؐ نے ایک آدمی کو (حضرت اسامہ کو) اونٹ پر بیٹھے، بٹھالیا، تاکہ وہ یہ اعلان کرتا رہے۔

تشریح: یہ حدیث مختصر اور نہایت جامع ہے، پورے حج کا اس میں نچوڑ اور خلاصہ آگیا ہے۔ کعب رحمہ اللہ نے اس کو "ام الناسک" کہا ہے اور ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سفیان ثوریؒ نے یہ بہت شاندار حدیث بیان کی ہے، ابواب الناسک میں اتنی جامع کوئی دوسری حدیث نہیں۔

جاننا چاہئے کہ امام ترمذیؒ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص مزدلفہ کی رات میں امام المسلمین کو مزدلفہ میں پالے خواہ اس نے وقوف عرفہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کو حج مل گیا۔ یہ بات صحیح نہیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس نے مزدلفہ کی رات میں صبح صادق سے پہلے وقوف عرفہ کر لیا پھر خواہ اس نے مزدلفہ میں امام المسلمین کو پایا یا نہیں پایا یعنی وہ مزدلفہ گیا یا نہیں گیا اس کو حج مل گیا، اور جس نے مزدلفہ میں امام المسلمین کو تو پایا مگر اس نے وقوف عرفہ نہیں کیا تو اس کا حج نہیں ہوا۔

حدیث (۲): حضرت عروہ بن مضرؓ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس مزدلفہ میں آیا جس وقت آپؐ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے خیمہ سے نکل رہے تھے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں قبیلہ طی کے دو پہاڑوں (جبل سلمیٰ اور جبل آجا) کے پاس سے آ رہا ہوں، میں نے اپنی سواری کو تھکا دیا اور میں خود بھی تھک گیا ہوں، قسم بخدا! میں نے کوئی پہاڑ (اور ایک نسخہ میں حنبلؒ ہے یعنی کوئی تودہ) نہیں چھوڑا جس پر میں نے وقوف نہ کیا ہو (یعنی راستے میں جتنے پہاڑ اور مٹی کے تودے ملے سب پر ٹھہرتا ہوا آ رہا ہوں) پس کیا میرا حج ہوا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو ہمارے ساتھ اس نماز میں شریک ہوا اور ہمارے ساتھ وقوف کیا تا آنکہ (مزدلفہ سے) نکلنے کا وقت ہو گیا اور اس نے اس سے پہلے رات میں یا دن میں وقوف عرفہ کر لیا تو اس کا حج ہو گیا اور اس کا احرام کھولنا درست ہو گیا (اس حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: وقوف عرفہ کے سلسلہ میں رات اور دن یکساں ہیں)

وضاحت: عروہ بن مضرؓ کا تعلق قبیلہ طی سے ہے یہ یمن کا قبیلہ ہے، حاتم طائی اسی قبیلہ کا تھا اور نَفْت کے اصل معنی ہیں: میل کچیل، اور یہاں وہ کام مراد ہیں جو محرم احرام کھولتے وقت کرتا ہے یعنی سر منڈانا، نہانا، بدن سے میل صاف کرنا وغیرہ۔ اور اس جملہ کا مفہوم ہے: اس کا احرام کھولنا درست ہو گیا۔

[۵۷] باب ماجاء من أدرك الإمام بجمع فقد أدرك الحج

[۸۷۷-] حدثنا محمد بن بشر، قال: نا يحيى بن سعيد، وعبد الرحمن بن مهدي، قالا: نا سفيان، عن بكير بن عطاء، عن عبد الرحمن بن يعمر: أن ناساً من أهل نجد أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بعرفة، فسألوه، فأمر منادياً فنادى: "الحج عرفة، من جاء ليلة جمع قبل طلوع الفجر فقد أدرك الحج، أيام منى ثلاثة: فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه، ومن تأخر فلا إثم عليه" قال محمد: وزاد يحيى: وأردف رجلاً فنادى به.

حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان بن عيينة، عن سفيان الثوري، عن بكير بن عطاء، عن عبد الرحمن بن يعمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه بمعناه، قال: وقال ابن أبي عمير: قال سفيان بن عيينة: وهذا أجود حديث رواه سفيان الثوري.

قال أبو عيسى: والعمل على حديث عبد الرحمن بن يعمر عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: أنه من لم يقف بعرفات قبل طلوع الفجر فقد فاته الحج، ولا يجزئ عنه إن جاء بعد طلوع الفجر، ويحفلها عمره، وعليه الحج من قابل، وهو قول الثوري والشافعي وأحمد وإسحاق.

وقد روى شعبه عن بكير بن عطاء نحوه حديث الثوري، قال: وسيعت الجارود يقول: سمعت ركباً يقول: ورؤى هذا الحديث، فقال: هذا الحديث أم المناسك.

[۸۷۸-] حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان، عن داود بن أبي هند، وإسماعيل بن أبي خالد، وزكريا بن أبي زائدة، عن الشعبي، عن عروة بن مضر بن أوس بن حارثة بن لام الطائي، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمزدلفة حين خرج إلى الصلاة، فقلت: يا رسول الله إني جئت من جبلتي طيء، أكلت راحلتى وأتيت نفسي، والله ما تركت من جبل إلا وقفت عليه، فهل لي من حج؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من شهد صلاتنا هذه، وقفت معنا حتى نذبح، وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلاً أو نهاراً، فقد تم حجه وقضى تقته" قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: عبدالرحمن بن یعمر (یہ لیل الروایہ صحابی ہیں) کی حدیث پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے کہ جس نے صبح صادق سے پہلے عرفات میں وقوف نہیں کیا اس کا حج فوت ہو گیا۔ اگر وہ عرفات میں صبح صادق کے بعد داخل

ہو تو اس کا حج صحیح نہیں ہوا، وہ اپنے حج کو عمرہ کر دے (یعنی ارکان عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے) اور اس پر آئندہ سال حج واجب ہے، یعنی قضا واجب ہے، اور یہ ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور شعبہ نے بکر بن عطاء سے سفیان ثوری کی حدیث کے مانند روایت کیا ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: میں نے جارد سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے وکیع سے سنا، وہ کہتے ہیں (انھوں نے پہلے یہ حدیث بیان کی پھر فرمایا) یہ حدیث ام المناسک ہے، کیونکہ اس میں پورے حج کا نچوڑ اور خلاصہ آگیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْدِيمِ الضَّعْفَةِ مِنْ جَمْعِ بَلَلٍ

کمزوروں کو عرفہ سے سیدھا منی بھیج دینا جائز ہے

مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے اور صبح صادق کے بعد وقوف مزدلفہ واجب ہے، مگر ایسا واجب ہے جو عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، حج میں چھ واجبات ایسے ہیں جو عذر سے ساقط ہو جاتے ہیں، ایک کا ذکر پہلے آیا ہے (سوار ہو کر طواف زیارت کرنا) اور دوسرا واجب یہ ہے۔ پس عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کو عرفہ سے سیدھا منی بھیج دینا جائز ہے، ان پر منی میں رات گزارنا اور وقوف مزدلفہ کرنا واجب نہیں۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی تمام ازواج کو اور خاندان کے بچوں کو سامان کے ساتھ عرفہ سے سیدھا منی بھیج دیا تھا۔ ابن عباس بھی اس وقت پہنچے تھے اس لئے وہ بھی منی بھیج دیئے گئے تھے۔ دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے رمی نہ کی جائے، دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق تک رہتا ہے۔ اس درمیان میں کسی بھی وقت رمی کی جاسکتی ہے اور نبی ﷺ نے جو ہدایت دی ہے کہ سورج نکلنے کے بعد رمی کی جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اندھیرے میں رمی کرنے میں دشواری ہے، جیسے رات میں قربانی کرنے کو علماء نے مکروہ کہا ہے، کیونکہ اندھیرے میں قربانی کرنے میں دشواری بھی ہے اور فطی کا بھی احتمال ہے، مگر اب بجلی کا زمانہ ہے، پوری روشنی ہو تو رات میں قربانی کرنا بلا کراہیت جائز ہے، اسی طرح اب جمرات پر دن جیسا ماحول ہوتا ہے پس صبح صادق کے بعد رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ مزدلفہ کی رات آدمی گذر جانے کے بعد رمی جائز ہے۔

فائدہ: حج میں چھ واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے (۱) طواف زیارت پیدل کرنا واجب ہے مگر بیماری کی صورت میں سوار ہو کر بھی جائز ہے (۲) وقوف مزدلفہ واجب ہے مگر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے واجب نہیں، وہ وقوف مزدلفہ چھوڑ سکتے ہیں (۳) حج کی سعی پیدل کرنا واجب ہے، مگر بیماری کے عذر سے سوار ہو کر بھی کر سکتے ہیں (۴) طواف زیارت کا وقت بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے تک ہے، مگر حیض و نفاس کے عذر کی وجہ سے تاخیر بھی جائز ہے (۵) حاجی پر طواف وداع واجب ہے مگر روانگی کے وقت اگر کوئی عورت حیض یا نفاس

میں ہو تو اس پر واجب نہیں (۶) احرام کھولنے کے لئے سر کے بال منڈوانا یا کترانا واجب ہے، لیکن اگر بال نہ ہوں یا سر میں زخم ہو تو واجب نہیں۔

[۵۸] باب ماجاء فی تقدیم الضعفة من جمع بلیل

[۸۷۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرَمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَنِي

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَقَلِي مِنْ جَمْعِ بَلِيلٍ.

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَائِشَةَ، وَأُمِّ حَبِيبَةَ، وَأَسْمَاءَ، وَالْفَضْلِ.

قَالَ أَبُو عَمَسٍ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ: "بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَقَلِي مِنْ جَمْعِ

بَلِيلٍ" حَدِيثٌ صَحِيحٌ، رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ، وَرُوِيَ شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ مُشَاشٍ، عَنْ عَطَاءٍ،

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَّمَ ضَعْفَةَ أَهْلِيهِ مِنْ جَمْعِ بَلِيلٍ،

وَهَذَا حَدِيثٌ غَطَاً أَخْطَأَ فِيهِ مُشَاشٌ، وَزَادَ فِيهِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَرُوِيَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَغَيْرُهُ هَذَا

الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ.

[۸۸۰-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا وَكِيعٌ، عَنِ الْمُسَوِّدِيِّ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنْ ابْنِ

عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَّمَ ضَعْفَةَ أَهْلِيهِ، وَقَالَ: "لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ

الشَّمْسُ"

قَالَ أَبُو عَمَسٍ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ

الْعِلْمِ، لَمْ يَرَوْا بَأْسًا أَنْ يَطْلُبُوا الضَّعْفَةَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بَلِيلٍ، يَصِيرُونَ إِلَى مَنَى.

وَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ لَا يَرْمُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ،

وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي أَنْ يَرْمُوا بَلِيلًا، وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ

قَوْلُ الْقَوَرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے بوجھ کے ساتھ (یعنی سامان اور عورتوں کے ساتھ) مزدلفہ کی رات میں (منی) بھیج دیا تھا۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ابن عباس کی یہ حدیث کہ "مجھے نبی ﷺ نے بوجھ کے ساتھ مزدلفہ کی رات میں منی بھیج دیا تھا" صحیح حدیث ہے، ان سے متعدد سندوں سے مروی ہے اور شعبہ نے اس حدیث کو مشاش سے، انھوں نے عطاء سے، انھوں نے ابن عباس سے اور انھوں نے فضل بن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے خاندان کے کمزوروں کو مزدلفہ کی رات میں پہلے ہی منی بھیج دیا تھا، مگر یہ سند غلط ہے (یعنی

فضل بن عباس کا واسطہ غلط ہے، ابن عباس خود صاحب واقعہ ہیں وہ اس حدیث کو اپنے بھائی سے کیوں روایت کریں گے؟ اس میں معاش نے غلطی کی ہے اور اس میں فضل بن عباس کا واسطہ بڑھایا ہے، اور ابن جریج وغیرہ نے اس حدیث کو عطاء سے، انھوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور انھوں نے اس حدیث میں فضل بن عباس کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔۔۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے خاندان کے کمزوروں کو منیٰ میں پہلے بھیج دیا تھا اور فرمایا تھا: ”رمی نہ کرنا یہاں تک کہ سورج نکل آئے“۔۔۔ اور اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ اس میں کوئی تنگی نہیں پاتے کہ کمزور مزدلفہ سے رات ہی میں منیٰ چلے جائیں۔۔۔ اور اکثر علماء اس حدیث کی وجہ سے کہتے ہیں کہ لوگ رمی نہ کریں یہاں تک کہ سورج نکل آئے۔ اور بعض علماء نے اجازت دی ہے کہ مزدلفہ کی رات میں رمی کر سکتے ہیں اور عمل حدیث پر ہونا چاہئے اور یہ ثوری اور شافعی کا قول ہے۔

باب

دس ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے رمی کس وقت کی تھی؟

دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے مگر نبی ﷺ نے چاشت کے وقت رمی کی تھی، کیونکہ آپؐ مزدلفہ سے طلوع شمس کے وقت چلے گئے اور چاشت کے وقت جرات پر پہنچے تھے، باقی تین دنوں میں آپؐ نے زوال کے بعد رمی کی ہے۔ ان دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہو کر اگلی تاریخ کی صبح صادق تک رہتا ہے، البتہ حیرہ تاریخ کی رمی امام اعظم کے ایک قول میں زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔
نوٹ: مصری نسخہ میں یہاں یہ باب ہے: باب ما جاء في رمي يوم النحر ضحى۔

باب [۵۹]

[۸۸۱-] حدثنا علي بن عثرم، نا عيسى بن يونس، عن ابن جريج، عن أبي الزبير، عن جابر، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يرمي يوم النحر ضحى، وأما بعد ذلك فبعد زوال الشمس. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم أنه لا يرمي بعد يوم النحر إلا بعد الزوال.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ دس ذی الحجہ کو چاشت کے وقت رمی کیا کرتے تھے اور رہے بعد کے دن تو آپؐ نے زوال کے بعد رمی کی ہے۔۔۔ اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے کہ حاجی یوم النحر کے بعد رمی نہ کرے مگر زوال کے بعد۔

باب ماجاء أن الإفاضة من جمع قبل طلوع الشمس

مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہونا چاہئے

مشرکین مزدلفہ سے اس وقت لوٹتے تھے جب سورج نکل آتا تھا، مزدلفہ میں وقوف جبل قروح کے دامن میں کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہیں وقوف کیا تھا، یہ پہاڑ مشرقی جانب میں ہے، سورج اس کی اوٹ میں نکلتا ہے اس لئے نظر نہیں آتا پشت پر خمیر نامی پہاڑ ہے جب اس کی چوٹی پر دھوپ ظاہر ہوتی تھی تو مشرکین مزدلفہ سے منی کی طرف روانہ ہوتے تھے اور کہتے تھے: أَشْرَقَ لَيْلِي لَيْكِي نَفِيًّا: خمیر چمک تا کہ ہم روانہ ہوں۔ جب نبی ﷺ نے حج فرمایا تو آپ سورج نکلنے سے پہلے ہی مزدلفہ سے روانہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے اپنے عمل سے مشرکین کی مخالفت کی یعنی مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے میں تبدیلی کر دی تھی، نبی ﷺ نے اس کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا۔

[۶۰] باب ماجاء أن الإفاضة من جمع قبل طلوع الشمس

[۸۸۲] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَاضَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ.

وفى الباب: عن عُمَرَ، قَالَ أَبُو عَمِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ حَدِيثَ حَسَنٍ صَحِيحٌ، وَإِنَّمَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَنْتَظِرُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ يُفِضُونَ.

[۸۸۳] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: أَنَبَانَا شُعْبَةُ، عَنِ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ وَبَنَ مَيْمُونَةَ يَقُولُ: كُنَّا وَفَوْقًا بِجَمْعٍ لِقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَكَانُوا يَقُولُونَ: أَشْرَقَ نَفِيًّا، وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالَفَهُمْ، فَأَفَاضَ عُمَرُ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ.

قَالَ أَبُو عَمِيٍّ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: زمانہ جاہلیت کے لوگ انتظار کرتے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا تھا پھر وہ لوٹتے تھے۔ عمر بن مایمون کہتے ہیں: ہم مزدلفہ میں وقوف کئے ہوئے تھے (یہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے) پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک مشرکین نہیں لوٹتے تھے تا آنکہ سورج نکل آتا تھا وہ کہا کرتے تھے: خمیر چمک جا، اور بیشک نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی، پس حضرت عمرؓ سورج طلوع ہونے سے پہلے لوٹ گئے۔

باب ماجاء أن الجِمارَ التي تُرمى مثل حصی الخذف

غلہ جیسی کنکری سے رمی کرنی چاہئے

انگلیوں میں پکڑ کر جو کنکری مارتے ہیں اس کا نام خذف ہے، پھر غلیل میں جو کنکری رکھ کر مارتے ہیں اس کو بھی خذف کہتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے مزدلفہ میں لوگوں کو ہدایت دی تھی کہ کل جو رمی کرنی ہے اس کے لئے یہاں سے کنکریاں لے لو اور وہ غلیل کے غلہ (مٹی کی گولی) جیسی ہوں یعنی نہ بہت چھوٹی ہوں اور نہ بہت بڑی، دوپٹے کے دانوں کے بقدر ہوں۔

[۶۱] باب ماجاء أن الجِمارَ التي تُرمى مثل حصی الخذف

[۸۸۴-] حدثنا محمد بن بشار، نا يحيى بن سعيد القطان، نا ابن جريج، عن أبي الزبير، عن جابر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمي الجِمارَ بمثل حصی الخذف. وفي الباب: عن سليمان بن عمرو بن الأخوص عن أمه، وهي أم جندب الأزدي، وابن عباس، والفضل بن عباس، وعبد الرحمن بن عثمان التميمي، وعبد الرحمن بن معاذ، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وهو الذي اختاره أهل العلم أن تكون الجِمارُ التي تُرمى بها مثل حصی الخذف.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ غلیل کے غلہ جیسی کنکری سے رمی کرتے تھے۔ اور اسی کو علماء نے پسند کیا ہے جس کنکری کے ذریعہ رمی کی جائے وہ غلیل کی کنکری کے برابر ہو۔

باب ماجاء في الرمي بعد زوال الشمس

رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے

نبی ﷺ نے یوم النحر کو تو چاشت کے وقت رمی کی تھی مگر منی کے باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کی تھی اس حدیث کی بناء پر سب ائمہ متفق ہیں کہ ایام منی میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک باقی رہتا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ تیرہ کی رمی زوال سے پہلے بھی کر سکتے ہیں۔

[۶۲] باب ماجاء في الرمي بعد زوال الشمس

[۸۸۵-] حدثنا أحمد بن عبد الله بن عيسى البصري، نا يزيد بن عبد الله، عن الحجاج، عن الحكم، عن مقسم، عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمي الجِمارَ إذا زالت الشمس. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن.

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمَى الْجِمَارِ رَاكِبًا

سوار ہو کر رمی کرنے کا بیان

مصری نسخہ میں راکبا و ماشیا ہے اور وہ نسخہ زیادہ بہتر ہے۔ آنحضور ﷺ مزدلفہ سے اونٹ پر سیدھے حجرہ عقبہ پر تشریف لائے تھے اور اونٹ پر سے ہی آپ نے رمی کی تھی تاکہ سب لوگ آپ کی رمی دیکھیں اور رمی کرنے کا طریقہ سیکھیں۔ باقی دونوں میں چونکہ آپ کا قیام جمرات کے قریب تھا اس لئے آپ ظہر پڑھ کر پیدل رمی کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور پیدل ہی واپس لوٹتے تھے، پس آپ نے راکبا بھی رمی کی ہے اور ماشیا بھی، اس لئے دونوں طرح رمی جائز ہے۔ اور حنفیہ نے یہ اصول بنایا ہے کہ جس رمی کے بعد رمی ہے وہ پیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد رمی نہیں ہے وہ سوار ہو کر کرنا افضل ہے، مگر اب سب پیدل ہی رمی کرتے ہیں، چنانچہ سوار ہو کر رمی کرنے کی اب کوئی صورت نہیں۔

[۶۳] بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمَى الْجِمَارِ رَاكِبًا

[۸۸۶] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا يَحْيَى بْنُ زَكْرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، نَا الْحَجَّاجُ، عَنْ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ رَاكِبًا.

وَهِيَ الْهَابُ: عَنْ جَابِرٍ، وَقَدْ أَمَّاهُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَأُمُّ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْأَخْوَصِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَاخْتَارَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَمْشِيَ إِلَى الْجِمَارِ، وَوَجَّهَ الْحَدِيثُ عِنْدَنَا: أَنَّهُ رَكِبَ فِي بَعْضِ الْأَيَّامِ لِيَقْتَدَى بِهِ فِي فِعْلِهِ، وَكَلَّا الْحَدِيثَيْنِ مُسْتَعْمَلٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[۸۸۷] - حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عِيسَى، نَا ابْنُ لُحَيْمٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَمَى الْجِمَارَ مَشَى إِلَيْهِ ذَاهِبًا وَرَاجِعًا.

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ وَلَمْ يَرْفَعَهُ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يَرْكَبُ يَوْمَ النَّحْرِ، وَيَمْشِي فِي الْأَيَّامِ الَّتِي

بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَكَأَنَّ مَنْ قَالَ هَذَا إِنَّمَا أَرَادَ الْبَاقِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي فِعْلِهِ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَكِبَ يَوْمَ النَّحْرِ، حَيْثُ ذَهَبَ يَوْمَ الْجِمَارِ، وَلَا يَوْمَ يَوْمِ النَّحْرِ إِلَّا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

ترجمہ: بعض علماء نے اس کو پسند کیا ہے کہ جمرات کی طرف پیدل جائے اور اس حدیث کی وجہ (جس میں آپؐ کا سوار ہو کر رمی کرنا مروی ہے) ہمارے نزدیک یہ ہے کہ بعض ایام میں آپؐ نے سوار ہو کر اس لئے رمی کی تھی کہ آپؐ کے فعل کی پیروی کی جائے، اور دونوں حدیثیں علماء کے نزدیک معمول بہ ہیں (یعنی دونوں طرح رمی کرنا جائز ہے) — ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب جمرات کی رمی کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو پیدل جاتے تھے اور پیدل واپس آتے تھے — اور بعض روایات اس حدیث کو عبید اللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس کو مرفوع نہیں کرتے (یعنی اس کو ابن عمرؓ کا فعل بتاتے ہیں کہ وہ جمرات کی رمی کے لئے پیدل جاتے تھے اور پیدل لوٹتے تھے) اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے اور بعض علماء کہتے ہیں: دس ذی الحجہ میں سوار ہو کر رمی کرے اور یوم النحر کے بعد باقی دنوں میں پیدل رمی کرے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور گویا جس نے یہ بات کہی ہے اس نے نبی ﷺ کے فعل کی پیروی کرنے ہی کا ارادہ کیا ہے اس لئے کہ نبی ﷺ کے بارے میں یہی روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے یوم النحر میں سوار ہو کر رمی کی تھی جب آپؐ رمی کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور یوم النحر میں صرف جمرہ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے (پس وہی سوار ہو کر مسنون ہے)

بَابُ تَكْيُفِ تَوَمِّي الْجَمَارِ

رمی کرنے کا طریقہ

جمرات کی رمی چاروں طرف سے درست ہے مگر نبی ﷺ نے میدان کے بیچ میں سے رمی کی تھی اور رمی کرنے کے لئے آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ کعبہ شریف آپؐ کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں جانب، مگر اب وہاں نہ وادی ہے نہ اس کا بیچ، البتہ رمی کا راستہ سنت کا لحاظ کر کے بنایا گیا ہے، خیال رہے کہ ترمذی کی حدیث میں غلطی ہے صحیح تعبیر بخاری میں ہے۔

حدیث (۱): عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب (رمی کرنے کے لئے) جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے تو آپؐ وادی کے پیٹ میں کھڑے ہوئے اور کعبہ شریف کو سامنے کر لیا (یہ غلطی ہے اس لئے کہ بطن وادی سے رمی کرنے کی صورت میں کعبہ شریف کی طرف منہ نہیں ہو سکتا، صحیح تعبیر بخاری (حدیث ۱۷۲۸) میں ہے کہ جب ابن مسعودؓ نے جمرہ کبریٰ کی رمی کی تو آپؐ وادی میں کھڑے ہوئے اور کعبہ کو اپنی بائیں طرف اور منیٰ کو اپنی دائیں جانب کر لیا) اور کنکری مارنے کے لئے دائیں بھنڈوں سے نشانہ باندھا (اس لئے کہ دایاں بہتر ہے) پھر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہہ رہے تھے (کنکیر کہنا سنت ہے اور اگر کوئی بھڑ میں حواس باختہ ہو جائے اور کنکیر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں) پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! اس ہستی نے جس پر سورۃ بقرہ نازل ہوئی ہے یہیں

سے رمی کی ہے — سورہ بقرہ کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ حج کے اکثر احکام اسی سورت میں ہیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے اس جگہ سے رمی کی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جمرات کو کنکریاں مارتا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اللہ کا ذکر برپا کرنے کے لئے ہی مقرر کیا گیا ہے۔

تشریح: جمرہ کے معنی ہیں: پتھر، اسی سے استحصار ہے جس کے معنی ہیں: استیفاء کے لئے پتھر تلاش کرنا، منی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے تین جگہوں میں پتھر کے تین ستون بنے ہوئے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں، ان ستونوں پر کنکریاں مارتا بھی اعمال حج میں شامل ہے اور اس کی دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت: یہ عمل ذکر اللہ کی گرم بازاری کے لئے ہے، منی کے ایام میں ان جمرات پر دو پہر سے لے کر رات تک ذکر اللہ کا وہ غلغلہ بلند ہوتا ہے جو بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے، ہزاروں آدمی جب ایک ساتھ اللہ کی بڑائی کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں تو وہ منظر اہل بصیرت کے لئے ایک ایمان افروز عمل ہوتا ہے۔

فائدہ: اللہ کا ذکر کنکریاں مارے بغیر بھی ہو سکتا ہے مگر ذکر کے اہتمام کے لئے کوئی تعین ضروری ہے اور تعین کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ذکر کا وقت اور جگہ متعین کر دی جائے اور ساتھ ہی کوئی ایسی چیز بھی لگا دی جائے جو ذکر کی تعداد کی نگہبانی کرے اسی مصلحت سے ہر یکمیر کے ساتھ ایک کنکری پھینکنے کا عمل تجویز کیا گیا ہے۔

سوال: جب رمی کا عمل اللہ کا ذکر برپا کرنے کے لئے ہے تو پھر سات کنکریوں پر بس کیوں کیا جاتا ہے؟ مناسب یہ تھا کہ لوگ وہاں دیر تک کنکریاں مارتے رہیں اور ذکر کرتے رہیں۔

جواب: ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں:

ایک: وہ ذکر ہے جس کا مقصد یہ اعلان کرنا ہے کہ ذکر اللہ کے دین کا تابعدار ہے اس نوع کے ذکر کے لئے مجموعوں کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ ذکر تنہائی میں نہیں کیا جاتا، اور اس نوع کے ذکر میں تکثیر مطلوب نہیں ہوتی، چند بار نعرہ لگانے پر اکتفا کیا جاتا ہے، چنانچہ منی میں بھی تنہائی میں ذکر کرنا کافی نہیں بلکہ جمرات کے پاس مجمع میں ذکر کرنا ضروری ہے، اور اس موقع پر ذکر کی تکثیر کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ سات مرتبہ یکمیر کے ساتھ کنکریاں مارنے کو کافی قرار دیا گیا۔

دوسری نوع: وہ ذکر ہے جس سے مقصود نفس کی تربیت ہوتی ہے یعنی اس کے ذریعہ نفس کی توجہ خدائے قدوس کی طرف موڑنا مقصود ہوتا ہے اس نوع کے ذکر میں تکثیر مطلوب ہوتی ہے اور تنہائی میں کیا جاتا ہے۔

فائدہ: رمی اور سعی میں سات کی تعداد کی وجہ یہ ہے کہ طاق عدد ایک مبارک عدد ہے اور ایک امام الادار ہے اور تین اور سات اس کے خلیفہ وصی اور قائم مقام ہیں۔ اور یہاں یہ تعداد کافی تھی پس اس سے تجاوز مناسب نہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ (۱۹۴:۲-۱۹۸)

دوسری حکمت: بعض تاریخی اور تفسیری روایات میں یہ بات آئی ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم الہی کی تعمیل سے روکنے کی کوشش کی تھی اور ہر بار آپ نے اسے سات کنکریاں مار کر دفع کیا تھا، مٹی میں آج تک انہی مقامات میں یہ محبوب عمل دہرایا جاتا ہے کیونکہ اکابر کے ایسے بابرکت عمل کی نقل کرنے سے نفس کو نہایت قوی تنبیہ ہوتی ہے کہ اسے بھی اپنے اوپر شیطان کا داؤ نہیں چلنے دینا چاہئے۔

اور سنی میں بھی دو حکمتیں ہیں: ایک: یہ یادگاری عمل ہے۔ دوسری: یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے لئے ہے اور اس سلسلہ میں کچھ کلام کتاب الحج باب ۳۸ میں گذر چکا ہے، تفصیل کے لئے رحمۃ اللہ (۲۱۲:۴) دیکھیں۔

[۶۴] باب کَيْفَ تَرْمِي الْجِمَارُ

[۸۸۸-] حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، نَا وَكِيعٌ، نَا الْمُسَوِّدِيُّ، عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ أَبِي صَخْرَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: لَمَّا أَتَى عَبْدُ اللَّهِ جُمُرَةَ الْعَقَبَةِ اسْتَبْطَنَ الْوَادِيَّ، وَاسْتَقْبَلَ الْكَعْبَةَ، وَجَعَلَ يَرْمِي الْجُمُرَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ رَمَى بِسَبْعِ خَصِيَّاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ خَصَاةٍ، ثُمَّ قَالَ: وَاللَّهِ الْإِدْيَ لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مِنْ هَهُنَا رَمَى الْإِدْيَ أَنْزَلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ. حَدَّثَنَا هَذَا، نَا وَكِيعٌ، عَنِ الْمُسَوِّدِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

قال: وفي الباب: عن الفضل بن عباس، وابن عباس، وابن عمر، وجابر، قال أبو عيسى: حديث ابن مسعود حديث حسن صحيح.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ أَنْ يَرْمِيَ الرَّجُلُ مِنَ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ خَصِيَّاتٍ وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ خَصَاةٍ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنْ لَمْ يُمَكِّنْهُ أَنْ يَرْمِيَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي: رَمَى مِنْ حَيْثُ قَدَّرَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يُكُنْ فِي بَطْنِ الْوَادِي.

[۸۸۹-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْظِيُّ، وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، قَالَا: نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي زَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّمَا جُعِلَ رَمَى الْجِمَارِ وَالسُّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِأَنَّهُمَا ذِكْرُ اللَّهِ". قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی وادی کے اندر سے سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ اگر اس کے لئے وادی کے اندر سے رمی کرنا ممکن نہ ہو تو جہاں سے اس کو آسانی ہو وہاں سے رمی کرے اگرچہ وہ جگہ وادی کے اندر نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طَرْدِ النَّاسِ عِنْدَ رَمِي الْجِمَارِ

جمرات کی رمی کے وقت لوگوں کو ہٹانا مکروہ ہے

حدیث: قد امة بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو ان کی اونٹنی پر سوار ہو کر جمرات پر کنکریاں مارتے دیکھا، اس وقت نہ کسی کو مارا گیا نہ کسی کو دھکا دیا گیا اور نہ ٹو بھکی آواز لگائی گئی۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے پہلے دن اونٹ پر سوار ہو کر رمی کی تھی اور باقی دنوں میں پروانوں کے جھر مٹ میں رمی کی تھی، آپ کے لئے رمی کرنے کا الگ سے کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ آج تک یہی طریقہ ہے، سعودی حکومت کے ارباب طواف میں تو بادشاہوں اور وزراء کے لئے کچھ اہتمام کرتے ہیں اور وہ اہتمام بھی ایسا ہوتا ہے کہ طواف کرنے والوں کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی، طواف برابر جاری رہتا ہے مگر جمرات پر کوئی انتظام نہیں کیا جاتا حتیٰ کہ اپنے بادشاہ کے لئے بھی کوئی انتظام نہیں کیا جاتا، اس لئے کہ نبی ﷺ نے مجمع میں رمی کی تھی، آپ کے لئے حفاظتی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

[۶۵] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طَرْدِ النَّاسِ عِنْدَ رَمِي الْجِمَارِ

[۸۹۰-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَاوِرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ نَابِلٍ، عَنْ قُذَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ عَلَى نَاقَتِهِ، لَيْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ، وَلَا إِلَيْكَ إِلَيْكَ. وَهِيَ الْبَابُ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خُظَلَةَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ قُذَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَإِنَّمَا يُعْرَفُ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَهُوَ حَدِيثُ أَنَسِ بْنِ نَابِلٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِشْتِرَاكِ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ

اونٹ اور گائے بھینس میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟

اونٹ اور گائے بھینس کی قربانی میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص تنہا بڑے جانور کا مالک ہو، اور وہ اپنی فیملی کی طرف سے قربانی کرے تو سب کی طرف سے قربانی صحیح ہے اگرچہ اس کی فیملی میں سات سے زیادہ افراد ہوں۔ اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

اس باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی۔ اور دوسری حدیث صحیح تو ہے مگر صریح نہیں،

یعنی اس کی دلالت محکم نہیں۔

پہلی حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے حدیبیہ کے سال گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کی۔

تشریح: حدیبیہ میں جب احصار واقع ہوا تو سب نے قربانی کی اور احرام کھول دیا، کیونکہ احصار کی صورت میں احرام کھولنے کے لئے قربانی شرط ہے اور احصار کی قربانی کا جو مسئلہ ہے وہی عید کی قربانی کا ہے، پس یہ حدیث دو ٹوک ہے کہ اونٹ میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

دوسری حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، پس عید الاضحیٰ کا دن آیا تو ہم گائے میں سات آدمی شریک ہوئے، اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔

تشریح: اس حدیث سے امام اسحاق رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں، مگر ان کا استدلال تام نہیں، کیونکہ اس موقع پر جو جانور ذبح کئے گئے تھے وہ عید الاضحیٰ کی قربانی بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ خوشی کے موقع پر کھانے کے لئے ذبح کئے گئے ہوں، کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں، پس یہ حدیث صریح نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ لشکر میں جانور امیر کی نگرانی میں ذبح ہوتے ہیں پھر فوجیوں میں گوشت تقسیم ہوتا ہے لیکن عید کے دن آپؐ نے گوشت کے بجائے جانور تقسیم کئے تاکہ لوگ خود ذبح کر کے کھائیں، پکنک (Picnic) منائیں، کیونکہ وہ خوشی کا دن تھا، پس گائے سات آدمیوں کو دی اور اونٹ دس کو، کیونکہ اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ اور قربانی کر کے لئے تقسیم کئے ہوں یہ بھی احتمال ہے۔ پس حدیث کی دلالت قطعی نہیں، اس لئے استدلال درست نہ ہوگا۔ اور پہلی حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی اس لئے اس کو لینا ضروری ہے۔

[۶۶] باب ماجاء فی الاشتراك فی البدنة والبقرة

[۸۹۱-] حدثنا قتيبة، نا مالك بن أنس، عن أبي الزبير، عن جابر، قال: لحزننا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الحديبية البقرة عن سبعة والبدنة عن سبعة.
وفى الباب: عن ابن عمر، وأبي هريرة، وعائشة، وابن عباس، قال أبو عيسى: حديث جابر حديث حسن صحيح.

والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، يرون الجزور عن سبعة والبقرة عن سبعة، وهو قول سفیان الثوري والشافعي وأحمد.

وَرَوَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ الْبَقْرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُورَ عَنْ عَشْرَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ إِسْحَاقَ، وَاسْتَجْتَبَ بِهَذَا الْحَدِيثِ، وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّمَا نَعَرَفَهُ مِنْ وَجْهِ وَاحِدٍ.

[۸۹۲-] حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ خُرَيْبٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: لَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ عَلِيَّ بْنِ أَحْمَرَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحَى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقْرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْجَزُورِ عَشْرَةً.

قَالَ أَبُو عَمَسٍ: هَذَا حَدِيثُ حَسَنٍ شَرِيفٍ، وَهُوَ حَدِيثُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کامل ہیں وہ اونٹ کو سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے دیکھتے ہیں (جزور: قصائی کے اونٹ کو کہتے ہیں، وہ مال برڈاری اور سواری کے کام نہیں آتا صرف کھانے کے کام آتا ہے) اور یہ سفیان ثوری، شافعی اور احمد کا قول ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ گائے سات کی طرف سے ہے اور اونٹ دس کی طرف سے، اور یہ اسحاق کا قول ہے، اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور ابن عباس کی حدیث کو ہم صرف ایک سند سے جانتے ہیں، اس کے بعد ابن عباس کی حدیث سند کے ساتھ لائے ہیں، اور حسین بن واقد مدار حدیث ہیں ان سے اوپر ایک سند ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشْعَارِ الْبُذْنِ

اونٹ کا اشعار کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے

آنحضور ﷺ جبہ النوداع میں مدینہ منورہ سے تریٹھ اونٹ ساتھ لے گئے تھے۔ ذوالحلیفہ میں اپنے دست مبارک سے ان کا اشعار فرمایا تھا، لفظ اشعار کے معنی ہیں: علامت لگانا۔ اور آپ نے اشعار اس طرح کیا تھا کہ اونٹ کی کوہان کی دائیں جانب میں ذرا سی کھال کاٹی اور جو خون نکلا اس کو پونچھ ڈالا۔ اور ان کے گلوں میں چیلوں کا ہار ڈالا، اور حضرت ناجیہ خواجی رضی اللہ عنہ اور دیگر چند حضرات کے ساتھ ان کو مکہ روانہ کیا۔

اور آپ نے اشعار اس لئے فرمایا تھا کہ یہ علامت لگانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے متواتر چلا آ رہا تھا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں غارت گری اور لوٹ کھسوٹ بہت ہوتی تھی مگر وہ لوگ ہدیوں کا احترام کرتے تھے، نہ صرف یہ کہ لوٹنے نہیں تھے بلکہ ان کی خدمت کرتے تھے اور ملک میں ابھی تک پوری طرح امن قائم نہیں ہوا تھا اور ہدی کے یہ اونٹ ساتھ نہیں تھے، حضرت ناجیہ کے ساتھ الگ سے مکہ بھیجے گئے تھے، اس لئے یہ علامت قائم کی گئی تھی تاکہ راستہ میں کوئی ان کو نہ لوٹے۔

مذاہب فقہاء: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اشعار سنت ہے اور حضرت ابراہیم خلی اور امام اعظم رحمہما اللہ

فرماتے ہیں: اشعار بدعت اور مثله ہے۔ مثله: حضرت ابراہیم خلیؑ کی تعبیر ہے اور بدعت: امام اعظمؒ کی۔ ابراہیم خلیؑ رحمہ اللہ کا زمانہ تو مقدم ہے مگر جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اشعار کو بدعت کہا تو سب نے ان پر اعتراضات کی جو چار کردی کہ جو چیز نبی ﷺ سے ثابت ہے امام ابو حنیفہ اس کو بدعت کہتے ہیں! لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جس طرح صلوٰۃ الاستقامہ میں اور خرص کے مسئلہ میں امام اعظمؒ کے قول کو صحیح نہیں سمجھا گیا، یہاں بھی غلط نہیں ہوئی ہے۔ امام اعظمؒ نے مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا بلکہ ان کے زمانہ میں جس طرح لوگ بے دردی سے اشعار کرتے تھے اس کو بدعت کہا ہے۔ آنحضور ﷺ نے تو اپنے دست مبارک سے اشعار فرمایا تھا اور ذرا سی کھال کاٹی تھی اور خون پونچھ ڈالا تھا اور عرب کا ملک گرم خشک ہے دو چار دن میں زخم خشک ہو جائے گا اور اشعار کی علامت کو ہاں پر باقی رہ جائے گی، بعد میں لوگ شیخ (سیف) بن گئے، نوکروں کو اشعار کرنے کا حکم دیتے تھے، ان کو کیا پڑی تھی وہ بے دردی سے اشعار کرتے تھے، جس میں کھال کے ساتھ گوشت بھی کاٹ دیتے تھے اور عراق کا علاقہ مرطوب تھا، چنانچہ زخم میں کیڑے پڑ جاتے تھے۔ امام اعظمؒ نے اس اشعار کو بدعت کہا ہے، مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا۔ اور امام اعظمؒ کے قول کا یہ مطلب نام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے جو مذہب خفی کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔

[۶۷] باب ماجاء فی اشعار البدن

[۸۹۳] - حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا وكيع، عن هشام الدستوائي، عن قتادة، عن أبي حسان الأعرج، عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم قلّد ثعلباً، وأشعر الهذلي في الشق الأيمن يدي الحليفة، وأماط عنه اللثم.

قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح. وأبو حسان الأعرج: اسمه مسلم. والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: يروون الإشعار، وهو قول الثوري، والشافعي، وأحمد، وإسحاق.

قال: سمعت يوسف بن عيسى، يقول: سمعت وكيعاً يقول: حين روى هذا الحديث، فقال: لا تنظروا إلى قول أهل الرأي في هذا، فإن الإشعار سنة، وقولهم بدعة.

قال: وسمعت أبا السائب يقول: سنا عند وكيع فقال لي رجل ممن ينظر في الرأي: أشعر رسول الله صلى الله عليه وسلم، ويقول أبو حنيفة: هو مثله؟ قال الرجل: فإنه قد روى عن إبراهيم النخعي أنه قال: الإشعار مثله، قال: فرأيت وكيعاً غضب غضباً شديداً، وقال: القول لك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ويقول: قال إبراهيم ما أحقك بأن تحبس ثم لا تخرج حتى تنزع عن قولك هذا.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دو جوتوں کا ہار پہنایا اور ہری کی دائیں جانب میں

اشعار کیا ذوالخلیفہ میں اور اس پر سے خون صاف کیا۔۔۔ اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے، وہ اشعار کو سنت کہتے ہیں اور یہ ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: میں نے یوسف بن عیسیٰ سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے وکیع سے سنا، جب انھوں نے یہ حدیث بیان کی تو فرمایا: ”آپ لوگ اس مسئلہ میں اہل الرائے کے قول کی طرف دھیان نہ دیں بیشک اشعار سنت ہے اور اہل الرائے کا قول بدعت ہے“ امام ترمذی کہتے ہیں: میں نے ابو السائب سے سنا وہ کہتے ہیں: ہم وکیع کے پاس تھے پس انھوں نے ایک ایسے شخص سے جو رائے (فقہ) میں دیکھتا تھا یعنی فقہ کا طالب علم تھا فرمایا: ”نبی ﷺ نے اشعار کیا ہے اور ابوحنیفہ کہتے ہیں: یہ مثلہ ہے (پس بتا کس کا قول لیا جائے گا؟ وہ طالب علم ہوشیار تھا اس نے بات الاردی، اس نے کہا: ابوحنیفہ نے یہ بات ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ اشعار مثلہ ہے۔ وکیع لا جواب ہو گئے اور کھسیانی ملی کھبانو چے، انھوں نے اس آدمی کو بہت ڈانٹا) ابو السائب کہتے ہیں: میں نے وکیع کو دیکھا وہ سخت غصہ ہوئے اور فرمایا: میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کا قول بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے: ابراہیم نے یہ کہا تو اس کا زیادہ حق دار ہے کہ قید کر دیا جائے، پھر تجھے قید سے اس وقت تک نہ نکالا جائے جب تک تو اپنے قول سے رجوع نہ کرے۔

تشریح: حضرت وکیع رحمہ اللہ بڑے پایہ کے محدث، بزرگ اور اللہ والے تھے، کوفہ کے رہنے والے تھے، جب انھوں نے طلبہ سے ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث بیان کی تو فرمایا: اس حدیث سے نبی ﷺ کا اشعار کرنا ثابت ہوتا ہے، اور اہل الرائے جو کہتے ہیں کہ اشعار بدعت ہے ان کا قول غلط ہے، یہاں تک تو بات ٹھیک تھی، ہر محدث حدیث پڑھاتے وقت جو اس کی رائے ہو اس کو بیان کرتا ہے، مگر ان کا امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کو نبی ﷺ کے فضل کے مقابلہ میں پیش کرنا اور وہ بھی اس طالب علم کو چڑانے کے لئے جو امام اعظم کے قول سے متفق تھا: ایک نازیبا اور زائد بات تھی، اس لئے کہ مجتہدین کے بارے میں یہ دوسرے دل میں لانا کہ انھوں نے بالتقصد نبی ﷺ کی سنت کے مخالفت کی ہے: نہایت سخت بات ہے، بہر حال طالب علم سمجھ دار تھا اس نے کہا: اشعار مثلہ ہے یہ بات صرف امام اعظم نے نہیں کہی، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے، پس جسے برسا ہو ابراہیم نخعی پر بر سے، بیچارے ابوحنیفہ ہی پر یہ عنایت کیوں؟ ابراہیم نخعی کا کوفہ میں بڑا مقام تھا، ان کے خلاف اگر کوئی بات زبان سے نکالی جاتی تو شامت آ جاتی۔ اس لئے وکیع اس طالب علم پر برس پڑے اور کہا: میں نبی ﷺ کا قول پیش کر رہا ہوں اور تو کہہ رہا ہے کہ ابراہیم نخعی نے یہ بات کہی ہے، تجھے قید خانہ میں بھیج دینا چاہئے، اور جب تک تو توبہ نہ کرے رہائی نہیں دینی چاہئے! مگر ان کی ہمت نہ ہوئی کہ ابراہیم نخعی کے بارے میں کچھ کہتے، باقی امام اعظم کے قول کی حقیقت وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور وکیع کی ”سنت سے محبت“ کی حقیقت اس واقعہ سے عیاں ہے جو وہابی نے سیر اعلام النبلاء (۱۶۰:۹) میں بیان کیا ہے۔ وکیع رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بنی کا منقطع قول بیان کیا تھا کہ وفات کے بعد نبی ﷺ کا بیٹ پھول گیا تھا اور چھوٹی انگلی مڑ گئی تھی۔ یہ بے سرو پا روایت بیان

کرنے پر حاکم مکہ نے کعبہ کو سولی دینے کا فیصلہ کر دیا، اور سولی حرم سے باہر کھڑی بھی کر دی گئی، مگر سفیان بن عیینہ نے سفارش کی اور بڑی مشکل سے ان کو بچایا۔ یہ واقعہ متعدد تاریخوں میں مذکور ہے۔

باب

نبی ﷺ نے ہدی کے اونٹ کہاں سے خریدے تھے؟

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ہدیاں نجد سے خریدی تھیں۔
تشریح: یہ حدیث ترمذی کے افراد میں سے ہے باقی کتب خمسہ میں نہیں ہے اور یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے نجد (جودینہ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) سے ہدیاں خریدی تھیں غلط ہے۔ آپ مدینہ منورہ سے ہدیاں ساتھ لائے تھے اور ذوالحلیفہ میں ان کا اشجار فرمایا تھا جیسا کہ گذشتہ باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گذری ہے، اور یہ حدیث درحقیقت مقوف ہے یعنی یہ ابن عمر کا عمل ہے انھوں نے مقام نجد سے ہدی خریدی تھی۔ بخاری (حدیث ۱۶۹۳) میں اس کی صراحت ہے، اور اس حدیث کو مرفوع کرنے میں یحییٰ بن ایسان نے غلطی کی ہے وہ اس حدیث کو تنہا ثوری سے روایت کرتا ہے اور وہ صدوق ہے مگر کثیر الخطاء ہے (تقریب) امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی تصحیف کی ہے (تہذیب ۳۰۶: ۱۱)

باب [۶۸]

[۸۹۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشْجَعُ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ الْيَمَانِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عُثَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى هَذِيئَةً مِنْ قُذَيْبٍ.
قَالَ أَبُو عَمَسٍ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ الْيَمَانِ، وَزَوَّي عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ اشْتَرَى مِنْ قُذَيْبٍ، قَالَ أَبُو عَمَسٍ: وَهَذَا أَصَحُّ.

باب ماجاء في تقليد الهذلي للمقيم

کوئی ہدی بھیجے اور حج یا عمرہ کے لئے نہ جائے تو وہ محرم نہیں ہوتا

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کی ہدی کے جانوروں کے ہار خود بٹے ہیں، پھر آپ نہ محرم ہوئے اور نہ آپ نے کوئی کپڑا ترک کیا۔

تشریح: نبی ﷺ نے سن ۹ ہجری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سو بکریاں برائے قربانی مکہ بھیجی تھیں اور آپ مدینہ منورہ میں حلال رہے، یعنی حالت احرام میں جو چیزیں حرام ہوتی ہیں، مثلاً سلا ہوا کپڑا، پگڑی، خوشبو

وغیرہ آپؐ نے ترک نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ صرف ہدی بھیجنے سے آدمی محرم نہیں ہوتا جب تک وہ احرام نہ باندھے، اور اس میں اسرار بجز کا اتفاق ہے۔ بخاری (حدیث ۱۷۰۰) میں ہے زیاد بن ابی سفیان نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص ہدی بھیجے اس پر احرام سے متعلق تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: ایسا نہیں ہے، میں نے خود آنحضور ﷺ کی ہدی کے ہار اپنے ہاتھ سے بٹے ہیں، پھر آپؐ نے خود ہار پہنائے ہیں اور ان کو میرے والد کے ساتھ بھیجا ہے، اس کے باوجود کوئی چیز آپؐ پر حرام نہیں ہوئی تھی۔

[۶۹] باب ماجاء فی تقلید الہدی للمقیم

[۸۹۵-] حدثنا قتیبہ، نا اللیث، عن عبد الرحمن بن القاسم، عن أبيه، عن عائشة، أنها قالت: قلت لفلان هذا هدي رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم لم يُحرم، ولم يترك شيئاً من الثياب. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم، قال: إذا قلّد الرجل الهدي وهو يريد الحج لم يحرم عليه شيء من الثياب والطيب حتى يحرم، وقال بعض أهل العلم: إذا قلّد الرجل الهدي فقد وجب عليه ما وجب على المَحْرُوم.

ترجمہ: اس پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب آدمی نے ہدی کو قلاوہ پہنایا اور انحالیکہ اس کا حج کا ارادہ ہے تو اس پر بکریوں اور خوشبوئیں سے کچھ حرام نہیں ہوتا تا آنکہ وہ احرام باندھے، اور بعض علماء کہتے ہیں: جب آدمی نے ہدی کو قلاوہ پہنایا تو اس پر وہ چیزیں واجب ہو گئیں جو محرم پر واجب ہوتی ہیں۔

باب ماجاء فی تقلید النعم

بکریوں کو ہار پہنانے کا بیان

مذاہب فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اونٹوں کی طرح بکریوں کو بھی ہار پہنانا سنت ہے، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ہار پہنانا اونٹ اور گائے کے ساتھ خاص ہے بکریوں کو ہار پہنانا شروع نہیں۔ حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نبی ﷺ کی تمام بکریوں کے لئے ہار بنا کرتی تھی پھر آپؐ محرم نہیں ہوتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث چھوٹے دو اماموں کی دلیل ہے اور بڑے دو اماموں کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں بکریوں کا تذکرہ اسود بن یزید کا تفرد ہے، اور نبی ﷺ سے بکریاں لے جانا ثابت نہیں، چنانچہ متعدد تابعین: عروہ بن الزبیر، عمرہ بنت عبد الرحمن، قاسم، ابو ظباب، مسروق اور اسود بن یزید رحمہم اللہ حضرت عائشہؓ سے اس

حدیث کو روایت کرتے ہیں، اور سوائے اسود بن یزید کے کوئی اس حدیث میں بکریوں کا تذکرہ نہیں کرتا (دیکھئے مسلم ۳۲۵:۱ باب استعجاب بعث الہدی الی الحرم) مگر صحیح بات یہ ہے کہ اسود ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے، اور نبی ﷺ اگرچہ حجۃ الوداع میں اپنے ساتھ اونٹ لے کر گئے تھے مگر سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جو ہدیاں بھیجی تھیں وہ سب بکریاں تھیں، مذکورہ حدیث میں اسی کا بیان ہے اور آپؐ نے ان کو ہار پہنایا تھا، البتہ ان کا ہار جوتوں کا نہیں تھا، بلکہ وہ اون کے ہار تھے، بکری کمزور جانور ہے وہ جوتوں کے ہار کا تحمل نہیں کر سکتی، اور امام اعظمؒ وغیرہ سے جو تقلید غنم کا انکار مروی ہے وہ چیلوں کے ہار کا انکار ہے، مطلق ہار کا انکار نہیں۔

[۷۰] باب ماجاء فی تقلید الغنم

[۸۹۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَمْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَقْبِلُ فَلَا يَذْهَبُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهَا غَنَمًا، ثُمَّ لَا يُحْرِمُ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم يروون تقليد الغنم.

باب ماجاء إذا عطب الہدی ما یصنع بہ؟

اگر ہدی راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو کیا کرے؟

اگر واجب ہدی یعنی نذری ہدی راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو اس کے بدلہ میں دوسرا جانور قائم مقام کر دے، اور قریب المرگ ہدی کو ذبح کر دے، پھر جو چاہے کرے، خواہ خود کھائے یا غنی و فقیر کو کھلائے یا فروخت کر دے، کیونکہ وہ جانور ہدی سے نکل گیا۔ اور اگر ہدی نقلی ہے تو وہ صرف غرباء کا حق ہے اس کو ذبح کر دے اور گوشت غرباء کو بانٹ دے، خود مالک اور اغنیاء اس میں سے نہ کھائیں اور اگر وہاں آدمی نہ ہوں تو ہدی کے گلے کا چمچل خون میں تر کر کے کوہان پر چھاپ مار دے اور اس کو لوگوں کے لئے چھوڑ دے، غرباء اس کو کھالیں گے۔

اور نقل ہدی میں سے کھانا اس لئے ممنوع ہے کہ احناف کے نزدیک نقل ہدی ذبح کے لئے متعین ہو جاتی ہے، اب اس کو قربت ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے، اور قربت حرم میں اہراق دم ہے اور حرم کے علاوہ میں فقراء کو کھلاتا ہے، اغنیاء کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ پس اگر مالک نے یا غنی نے اس میں سے کھالیا تو گوشت کی قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔ اور واجب ہدی متعین نہیں ہوتی اس لئے اس کی جگہ دوسرا جانور قائم مقام کرنا ضروری ہے، پس اس کا

تصدق بھی ضروری نہیں، حنفیہ کے علاوہ امام احمد کا اور مالکیہ میں سے ابن القاسم کا یہی مسلک ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر ہدی نفل ہے تو مالک کو اس میں ہر قسم کے تصرف کا حق ہے اور اگر وہ نذر کی ہے تو ذبح کرتے ہی اس کی ملکیت سے نکل گئی، اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے۔

حدیث: ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ (جن کے ہمراہ آپؐ نے ہدیاں مکہ بھیجی تھیں) کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر (راستہ میں) کوئی ہدی ہلاک ہونے لگے تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اس کو ذبح کر دینا، پھر اس کے نفل کو اس کے خون میں بھگو کر (جگہ جگہ) ٹھپا لگا دینا، پھر لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان چھوڑ دینا، لوگ اس کو کھالیں گے۔

تشریح: یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے کہ نفل ہدی ذبح کر کے غریبوں کے لئے چھوڑ دی جائے، خود مالک اس میں سے نہیں کھا سکتا، نہ کوئی مالدار اس کو کھا سکتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ کی ہدیاں بظاہر نفل تھیں اتنی ساری ہدیاں واجب نہیں ہو سکتیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جو بات فرمائی ہے وہ ان کے اصول پر مبنی ہے کہ نفل عبادت شروع کرنے کے بعد بھی نفل رہتی ہے اور احناف کے نزدیک شروع کرنے سے پہلے تو نفل ہوتی ہے مگر شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے۔

[۷۱] باب ماجاء إذا عَطِبَ الْهَدْيُ مَا يَصْنَعُ بِهِ؟

[۸۹۷-] حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، نَاعِبُهُ بْنُ سَلِيمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَاجِيَةِ الْخَزَاعِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْهَدْيِ؟ قَالَ: "الْخَرُّهَا ثُمَّ اغْمِسْ تَلْعَلَهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَأْكُلُوهَا"

وفی الباب: عن ذُوْنَيْبٍ، وَأَبْنَى قَبِيصَةَ الْخَزَاعِيِّ، قَالَ أَبُو عَمِيْسٍ: حَدَّثَنِي نَاجِيَةُ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا فِي هَذِي التَّلْوِْعِ: إِذَا عَطِبَ لَا يَأْكُلُ هُوَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ رُفْقَتِهِ، وَيُخْلَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُوْنَهُ، وَقَدْ أَجْزَأَ عَنْهُ. وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَاحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَقَالُوا: إِنْ أَكَلَ مِنْهُ شَيْئًا غَرِمَ مَقْدَارَ مَا أَكَلَ مِنْهُ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا أَكَلَ مِنْ هَذِي التَّلْوِْعِ شَيْئًا فَقَدْ ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اس پر علماء کا عمل ہے وہ نفل ہدی کے بارے میں کہتے ہیں: جب وہ ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے تو نہ وہ خود اسے کھائے اور نہ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی کھائے اور اس کو اپنے اور لوگوں کے درمیان چھوڑ دے تاکہ وہ اس کو کھائیں، اور وہ اس کی طرف سے کافی ہے (یعنی بدلہ میں دوسری قربانی کرنی ضروری نہیں) اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے (امام شافعی کی یہ کوئی روایت ہوگی ورنہ ان کا مذہب علامہ نووی نے یہ بیان کیا ہے کہ نفل ہدی میں

مالک کو تصرف کا کامل اختیار ہے) اور وہ کہتے ہیں: اگر اس میں سے کچھ کھالیا تو اس میں سے جتنا کھایا ہے اس کے بقدر رمضان دے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: اگر نفل ہدی میں سے کچھ کھائے گا تو ضمان واجب ہوگا۔

باب ماجاء فی رُكُوبِ الْبَدَنَةِ

ہدی کے اونٹ پر سواری کرنا

تمام ائمہ متفق ہیں کہ ہدی کے جانور پر سواری کرنا یا اس کا دودھ استعمال کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ہدایا قائل احترام ہیں، اور ان سے انتفاع میں ان کی ہنک ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ البتہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ضرورت (حاجت) کے وقت انتفاع جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک اضطرار (مجبوری) کی حالت میں انتفاع جائز ہے، مثلاً سواری کا جانور مر گیا اور وہ چلنے سے قطعاً محذور ہے اور دوسری کوئی سواری میسر نہیں تو ہدی کے اونٹ پر سواری کر سکتا ہے یا سخت بھوک لگی ہے اور کچھ کھانے کو موجود نہیں تو ہدی کے جانور کا دودھ پی سکتا ہے۔ حنفیہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، فرمایا: ارکبھا بالمعروف إذا لاحت إليها حتى تجد ظهراً ملتحقاً بدنه، پراچھی طرح سے سواری کرو جب تم اس کی طرف مجبور ہو جاؤ یعنی اس پر سوار ہوئے بغیر چارہ نہ رہے تا آنکہ سواری کے لئے دوسرا جانور پاؤ (مسلم ۳۲۶۱ باب جواز رُكُوبِ الْبَدَنَةِ إلخ)

[۷۲] باب ماجاء فی رُكُوبِ الْبَدَنَةِ

[۸۹۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً، فَقَالَ لَهُ: ارْكَبْهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا بَدَنَةٌ، فَقَالَ لَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ: ارْكَبْهَا وَيَنْحَلْ أَوْ: وَبَلَكَ:

وفی الباب: عن علی، وأبی هريرة، وجابر، قال أبو عیسی: حدیث أنس حدیث صحیح حسن. وقد رخص قوم من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم في رُكُوبِ الْبَدَنَةِ إذا احتاج إلى ظهرها، وهو قول الشافعي، وأحمد، وإسحاق. وقال بعضهم: لا يركب ما لم يضره إلخ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اونٹ کو ہانک رہا تھا، آپ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! یہ ہدی ہے، آپ نے اس سے تیسری مرتبہ میں یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا: تیرا اس ہو اسوار ہو جاؤ (وَبَلَكَ) فرمایا یَا وَنَحْلُکَ فرمایا۔ دونوں مترادف لفظ ہیں اور بطور تمکیہ کلام کے استعمال ہوتے ہیں ان کے ذریعہ دشمن یا برا کہنا مقصود نہیں ہوتا)۔ اور صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض نے اونٹ پر سوار ہونے کی اجازت دی ہے جبکہ اس پر سوار

ہونے کی ضرورت ہو، اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اس وقت تک سوار ہونا جائز نہیں جب تک کہ وہ اس پر مجبور نہ ہو جائے۔

باب ماجاء بِأَيِّ جَانِبِ الرَّأْسِ يَبْدَأُ فِي الْحَلْقِ

کوئی جانب سے سر منڈانا شروع کرے

پہلے دائیں طرف کے سر کا حلق کرائے پھر بائیں طرف کا، اور یہ افضل ہے۔ اور جائز یہ ہے کہ کسی بھی جانب سے حلق کرائے۔ اور حلق کا دایاں مرا دائیں بلکہ مخلوق کا دایاں مرا وہ ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ نے حجرہ عقبہ کی رمی کر لی تو اپنی قربانی ذبح کی، پھر حلق کو اپنے سر کی دائیں جانب دی اس نے اس کو موٹا، آپؐ نے وہ بال حضرت ابوطالبہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دیئے، پھر حلق کو سر مبارک کی بائیں جانب دی، اس نے وہ بال کاٹے، آپؐ نے وہ بال بھی ابوطالبہؓ کو دیئے اور فرمایا: ان کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔

تشریح: یہ حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثیں تبرکات کی اصل ہیں، بخاری (کتاب الوضوء باب الوضوء الذی یغسل بہ شعر الإنسان) میں ابن سیرین سے مروی ہے: قَالَ: قُلْتُ لِعُبَيْدَةَ: عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَصْبَنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ، أَوْ: مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ، فَقَالَ: لِأَن تَكُونَ عِنْدِي شَعْرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ابْنُ سِيرِينَ كَقَوْلِهِ: مِمَّنْ نَعْبُدُ (بروزن کریمہ) بن قیس سے کہا: ہمارے پاس موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، یا کہا: حضرت انسؓ کے خاندان کی جانب سے پہنچے ہیں، عبیدہ نے کہا: اگر میرے پاس ان میں سے ایک بال بھی ہوتا تو وہ مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ پسند تھا۔ ایسی ہی روایات تبرک کی اصل ہیں۔

اور حدیث باب سے متبادر یہ ہے کہ آپؐ نے دائیں جانب کے بال حضرت ابوطالبہؓ کو دیدیئے تھے اور بائیں جانب کے بال تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے، اور مسلم (۳۷۱:۱) میں ہے کہ دائیں جانب کے بال آپؐ نے خود لوگوں میں تقسیم فرمائے اور بائیں طرف کے بال ابوطالبہؓ کو دیئے، اور مسلم ہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ام سلمہؓ کو دیئے، علامہ یعنی رحمہ اللہ نے اس تغارض کو اس طرح حل کیا ہے کہ دراصل دونوں جانبوں کے بال نبی ﷺ نے حضرت ابوطالبہؓ کو دیئے تھے، پھر دائیں جانب کے بال حضرت ابوطالبہؓ نے نبی ﷺ کے حکم سے لوگوں میں تقسیم کر دیئے تھے اور بائیں جانب کے بال آپؐ کے حکم سے اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ کو دیدیئے تھے (عمدة القاری ۳: ۳۸۸)

[۷۳] باب ماجاء بِأَيِّ جَانِبِ الرَّأْسِ يَبْدَأُ فِي الْحَلْقِ

[۸۹۹-] حَدَّثَنَا أَبُو عُمَارٍ، نَاسِقِبَانُ بْنُ عُثَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ، عَنْ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ

مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا رَمَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ نَحَرَ نُسْجَهُ، ثُمَّ نَازَلَ الْحَالِقَ شِقَّةَ الْأَيْمَنِ، فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا حَلْحَلَةَ، ثُمَّ نَازَلَهُ شِقَّةَ الْأَيْسَرِ فَحَلَقَهُ، فَقَالَ: "أَقْسِمُ بَيْنَ النَّاسِ" حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَاسُفِيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ نَحْوَهُ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

باب ماجاء في الحلق والتقصير

سرمنڈوانے اور بال کتروانے کا بیان

حج اور عمرہ کے ارکان ادا کرنے کے بعد احرام کھولنے کے لئے سرمنڈانا یا بال ترشوانا ضروری ہے، قصر میں بال لمبائی میں ایک انسل کے بقدر اور مقدار میں چوتھائی سر کے بقدر کٹوانا ضروری ہے، اور عورتوں کے لئے حلق کرنا حرام ہے وہ صرف بال ترشوائیں گی۔ اور بعض عورتوں کی چوٹی آخر سے پتلی ہو جاتی ہے ان پر ذرا اوپر سے بال کا ثنا ضروری ہے، تاکہ چوتھائی سر کے برابر بال کٹ جائیں ورنہ احرام نہیں کھلے گا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پورے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، ایک بال بھی رہ گیا تو احرام نہیں کھلے گا، اور صاحبین کے نزدیک آدھے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین بال کاٹنے سے بھی احرام کھل جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی سر کا حلق یا قصر ضروری ہے غرض مسح رأس میں جو اختلاف ہے وہی اختلاف یہاں بھی ہے۔

حدیث: (حجۃ الوداع میں) نبی کریم ﷺ نے سرمنڈایا اور آپ کے اصحاب میں سے بڑی جماعت نے سر منڈایا اور بعض نے بال ترشوائے۔ ابن عمر کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سرمنڈانے والوں پر رحم فرمائیں، ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یہ دعا دی، پھر فرمایا: اور بال ترشوانے والوں کی بھی (جب آپ نے سرمنڈانے والوں کو دعا دی تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بال ترشوانے والوں کو بھی دعا میں شامل فرمائیں، آپ نے تیسری مرتبہ قصر کرانے والوں کو بھی دعا میں شامل کیا)

تشریح: سرمنڈانے والوں کے لئے تین بار اور قصر کرانے والوں کے لئے ایک بار دعا کرنے سے حلق کی فضیلت ثابت ہوئی، اور سرمنڈا کر احرام کھولنا دو وجہ سے افضل ہے۔

پہلی وجہ: جب لوگ بادشاہوں کے دربار میں جاتے ہیں تو صفائی کا خوب اہتمام کرتے ہیں، حجاج بھی احرام کھول کر طواف زیارت کے لئے دربار خداوندی میں جائیں گے، پس ان کو بھی خوب صاف ہو کر حاضر ہونا چاہئے۔ اور سرمنڈانے سے سر کا میل کچیل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے اس لئے یہ افضل ہے۔

دوسری وجہ: سرمنڈا کر احرام کھولنے کا اثر کئی روز تک باقی رہتا ہے، جب تک بال بڑھ نہیں جائیں گے ہر دیکھنے والا محسوس کرے گا کہ اس نے حج کیا ہے، پس اس سے حج کی شان بلند ہوگی اس لئے حلق افضل ہے۔

فائدہ: احرام کھولنے کا افضل طریقہ حلق ہے اور قصر کرنا بھی جائز ہے اور احرام کھولنے کے لئے یہ طریقہ دو وجہ سے تجویز کیا گیا ہے۔

اول: احرام سے نکلنے کا یہ ایک مناسب طریقہ ہے جو متانت کے منافی نہیں، اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو وہ احرام سے نکلنے کے لئے معلوم نہیں کیا کیا طریقے اختیار کریں گے، کوئی جماع سے احرام کھولے گا کوئی کچھ اور کرے گا۔
دوم: حلق کرانے سے سر کا میل کچیل خوب صاف ہو جاتا ہے اس لئے یہ طریقہ افضل ہے (مزید تفصیل رحمۃ اللہ ۲۰۷: ۳ میں ہے)

فائدہ: جب آدمی حج یا عمرہ کے تمام ارکان سے فارغ ہو جائے تو خود اپنا سر بھی موٹہ سکتا ہے اور دوسرے ایسے شخص کا بھی سر موٹہ سکتا ہے جو ارکان سے فارغ ہو گیا ہے، اس میں کوئی جنايت نہیں، جیسے میاں بیوی دونوں تمام ارکان سے فارغ ہو گئے، پس مرد: عورت کی چوٹی کاٹ سکتا ہے، اور عورت خود بھی اپنی چوٹی کاٹ سکتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، ۲۷۳۳ کتاب الشروط) میں یہ مسئلہ صراحتاً مذکور ہے، اور اگر حلق یا مخلوق یا دونوں کے ارکان پورے نہیں ہوئے تو حلق پر صدقہ واجب ہے اور مخلوق پر دم (زبدۃ المناسک ص ۶۷ مولانا شیر محمد صاحب)

[۷۴] باب ماجاء فی الحلق والتقصیر

[۹۰۰] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَلَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَلَّقَ طَائِفَةً مِنْ أَصْحَابِهِ، وَقَصَّرَ بَعْضَهُمْ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "رَجِمَ اللَّهُ الْمُحَلِّقِينَ" مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: "وَالْمَقْصُرِينَ"
وفی الباب: عن ابن عباس، وابن أم الحُصَيْنِ، وعَارِبِ، وأبِي سَعِيدٍ، وأبِي مَرْثَمٍ، وَحُبَيْشِ بْنِ جُنَادَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ لِلرُّجُلِ أَنْ يَحْلِقَ رَأْسَهُ، وَإِنْ قَصَرَ يَزُونُ أَنَّ ذَلِكَ يُجْزَى عَنْهُ، وَهُوَ قَوْلُ سَفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے وہ آدمی کیلئے حلق کرانے کو پسند کرتے ہیں، اور اگر قصر کرائے تو وہ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلْقِ لِلنِّسَاءِ

عورتوں کے لئے سر منڈانا حرام ہے

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈانے سے منع فرمایا۔

تشریح: عورتوں کے لئے احرام کھولتے وقت سر منڈانا دو وجہ سے ممنوع ہے: ایک: اس سے عورت کی شکل بگڑ جاتی ہے اور مشابہت یعنی صورت بگاڑنا مطلقاً ممنوع ہے۔ اور دوسری وجہ: یہ ہے کہ اس سے عورت: مرد کی ہم شکل بن جاتی ہے اور عورتوں کے لئے مردوں کی شکل اختیار کرنا بھی مطلقاً ممنوع ہے۔

نوٹ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ترمذی کے افراد میں سے ہے اور اس میں اضطراب بھی ہے کہ یہ حضرت علی کی حدیث ہے یا حضرت عائشہ کی؟ ہمام نے حضرت علی تک اس کی سند پہنچائی ہے اور حماد نے حضرت عائشہ تک، اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ حدیث مسند ہے یا منقطع؟ یعنی غلاس بن عمرو کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ جانا چاہئے کہ غلاس بن عمرو ثقہ ہیں، صحاح ستہ میں ان کی روایتیں ہیں، اور حضرت عائشہ، حضرت عمار اور ابن عباس سے ان کا سماع ثابت ہے، لیکن حضرت علی سے سماع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے (تہذیب) مگر حدیث کے ضعف سے مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا، کیونکہ باب میں صحیح احادیث موجود ہیں، ابن عباس سے یہ حدیث مروی ہے کہ: ”عورتوں پر حلق نہیں، صرف بال ترشواتا ہے“ (مشکوٰۃ حدیث ۲۶۵۳)

[۷۵] باب ماجاء فی کراهیۃ الخلق للنساء

[۹۰۱] - حدثنا محمد بن موسى الجعفی البصری، نا ابو داود الطیالسی، نا همام، عن قتادة، عن یحییٰ بن عمار، عن علی، قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن تخلق المرأة رأسها. حدثنا محمد بن بشر، نا ابو داود، عن همام، عن یحییٰ بن عمار، عن علی، قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن تخلق المرأة رأسها. أبو عیسی: حدیث علی فیہ اضطراب.

[۹۰۲] - وَرَوَى هذا الحديث عن حماد بن سلمة، عن قتادة، عن عائشة، أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی أن تخلق المرأة رأسها. والعمل على هذا عند أهل العلم لا یروون على المرأة خلقاً، ویروون أن علیها التقصیر.

باب ماجاء فی من خلق قبل أن یذبح أو نحو قبل أن یروی

قربانی سے پہلے حلق کرانا یا رمی سے پہلے قربانی کرنا

۱۰ اذی الحجہ کو منیٰ میں چار کام کرنے ہوتے ہیں: پہلے رمی، پھر قربانی، پھر سر منڈا کر یا زلفیں بنوا کر احرام کھولنا، پھر طواف زیارت کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ مناسک اسی ترتیب سے ادا فرمائے ہیں اور یہی ترتیب صحابہ کرام کو بتائی گئی تھی، اب اختلاف ہے کہ ان میں ترتیب واجب ہے یا سنت؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قارن اور متمتع پر رمی، ذبح اور طلق میں ترتیب واجب ہے، تقدیم و تاخیر کی صورت میں دم واجب ہوگا، اور طواف زیارت میں ترتیب واجب نہیں، البتہ مسنون یہ ہے کہ مناسک ثلاثہ کے بعد طواف زیارت کرے اور مفرد پر چونکہ قربانی واجب نہیں اس لئے اس پر صرف رمی اور طلق میں ترتیب واجب ہے۔ احناف کے یہاں فتویٰ اسی پر ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مذکورہ چاروں مناسک میں ترتیب سنت ہے، پس تقدیم و تاخیر سے کوئی دم واجب نہیں۔

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ نبی میں رسول اللہ ﷺ سے مناسک کی تقدیم و تاخیر کے سلسلہ میں متعدد سوالات ہوئے ہیں مثلاً: (۱) کسی نے قربانی سے پہلے سرمند الیا (۲) کسی نے رمی سے پہلے قربانی کر ڈالی (۳) کسی نے رمی سے پہلے سرمند الیا (۴) کسی نے شام کو رمی کی (۵) کسی نے سرمندانے سے پہلے طواف زیارت کر لیا۔ آپؐ نے سب کو یہی جواب دیا ہے کہ افععل ولاخروج کوئی بات نہیں، آگے کا کام کرو (یہ سب روایات مشکوٰۃ باب التحلل الخ میں ہیں) آپؐ نے کسی کو دم دینے کا حکم نہیں دیا اور حاجت کے موقع پر خاموشی بیان ہوتی ہے، یعنی اگر کفارہ واجب ہوتا تو آپؐ اس کی وضاحت فرماتے۔ خاموشی کا صاف مطلب یہ ہے کہ دم واجب نہیں، پس ثابت ہوا کہ مناسک اربعہ میں ترتیب سنت ہے، یہ جمہور کا استدلال ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لاخروج والی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے (رواہ البخاری، مشکوٰۃ حدیث ۲۶۵۶) پھر ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے: مَنْ قَدَّمَ شَيْئًا مِنْ حَجِّهِ أَوْ آخَرَهُ فَلْيُهِرِقْ لِدَلِكْ ذَمًّا یعنی جو مناسک میں تقدیم و تاخیر کر دے اس کو چاہئے کہ دم دے، اور حضرت ابراہیم خضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے قربانی کرنے سے پہلے سرمند الیا تو دم واجب ہے، پھر آپؐ نے دلیل میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ پڑھی: هُوَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَذَىٰ مَجْلَدٌ یعنی اپنے سروں کو اس وقت تک مت مند الیا جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے (یہ دونوں روایتیں ابن ابی شیبہ نے سند صحیح سے روایت کی ہیں اعلاء السنن ۱۰: ۱۵۹) اور سورۃ الحج کی آیات ۲۶-۲۹ سے بھی طلق پر قربانی کی تقدیم صاف مفہوم ہوتی ہے اور طواف کی ترتیب پر دلالت کرنے والا کوئی حرف نہیں اور رمی کی تقدیم سب مناسک پر فعل نبوی اور ارشاد: تَحْلِقُوا مِنْ مَنَاسِلِكُمْ سے ثابت ہے۔

اور لاخروج والی روایات میں تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، جب کوئی نیا مسئلہ بتایا جاتا ہے تو جو فوری البھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے اور دلیل حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو آگے باب فی الذبیح بعد الصلوٰۃ میں آ رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ماموں کو ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کی اجازت دی تھی، اور فرمایا تھا: لَا تَنْجِزُوا جَذْعَةً بَعْدَ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ سہولت صرف تمہارے لئے ہے، اوروں کے لئے نہیں یہی تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، چونکہ یہ حج کا پہلا موقع تھا اور لوگوں کو اگرچہ مناسک کی ترتیب سمجھادی گئی تھی مگر

عدم مزاوت کی وجہ سے خلاف ورزی ہوگئی، اس لئے آپ نے درگزر کیا اور کفارہ کا حکم نہیں دیا۔

اور دلیل یہ ہے کہ ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ایک صاحب نے طواف زیارت سے پہلے سعی کر لی تو آپ نے فرمایا: لَا خَرَجَ کوئی بات نہیں (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ حدیث ۲۶۵۸) حالانکہ اس صورت میں بالاجماع دم واجب ہے۔

اور ترتیب کے وجوب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ منی میں سوال کرنے والوں کا ہجوم ہو گیا تھا، لوگ گھبرائے ہوئے مسائل دریافت کر رہے تھے، وہ اسی وجہ سے تھا کہ مناسک میں ترتیب واجب تھی۔ اور یہ بات صحابہ کو بتا بھی دی گئی تھی اگر ترتیب محض سنت ہوتی تو صحابہ کے لئے پریشانی کی کیا بات تھی؟ پس بیان کے موقع پر سکوت کی بات یہاں بر محل نہیں، کیونکہ صحابہ کو یہ بات پہلے سے بتائی جا چکی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

[۷۶] باب ماجاء فى من حلق قبل أن يذبح، أو نحر قبل أن يرمى

[۹۰۳] - حدثنا معمر بن عبد الرحمن المزني، وابن أبي عمير، قالوا: نا سفيان بن عيينة، عن الزهري، عن عيسى بن طلحة، عن عبد الله بن عمرو: أن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: حلفت قبل أن أذبح، فقال: "اذبح ولا حرج" وسأله آخر، فقال: نحرْتُ قبل أن أرمي قال: "ارم ولا حرج"

وفى الباب: عن علي، وجابر، وابن عباس، وابن عمر، وأسامة بن شريك، قال أبو عيسى: حديث عبد الله بن عمرو حديث حسن صحيح.

والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم، وهو قول أحمد وإسحاق، وقال بعض أهل العلم: إذا قُتِمَ نُسُكًا قبل نُسُكٍ فعليه دم.

ترجمہ: ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: میں نے قربانی سے پہلے سرمٹا لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، اب قربانی کرلو، اور آپ سے دوسرے شخص نے پوچھا: میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی آپ نے فرمایا: کوئی بات نہیں، اب رمی کرلو۔ اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب ایک کام کو دوسرے کام پر مقدم کرے تو اس پر دم واجب ہے۔

باب ماجاء فى الطيب عند الإحلال قبل الزيارَةِ

حلال ہونے کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانے کا حکم

نہا جب فقہاء: جب عمر سرمٹا کر احرام کھول دے تو اس کے لئے بیوی کے علاوہ تمام ممنوعات حلال ہو جاتے

ہیں اور بیوی طواف زیارت کے بعد حلال ہوتی ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، البتہ طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانا بلا کر اہیت جائز ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ عدم جواز کے قائل ہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ اور بعض حضرات نے امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے، مگر ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں۔ امام محمدؒ نے موطا محمد باب ما یحرم علی الحاج بعد رمی جمرة العقبة یوم النحر میں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر تحریر کیا ہے کہ ”جس نے جرہ عقبہ کی رمی کر لی اس کے لئے تمام منوعات احرام حلال ہو جاتے ہیں، علاوہ عورت اور خوشبو کے“ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث لکھی ہے: ”میں نے خود اپنے ہاتھوں سے نبی ﷺ کو طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگائی ہے“ پھر امام محمدؒ فرماتے ہیں: وبہذا نأخذ فی الطیب قبل زیارة البیت، وندع ما روی عمر وابن عمر، وهو قول ابی حنیفة والعامۃ من فقہائنا یعنی ہم اس کو یعنی حضرت عائشہؓ کی روایت کو لیتے ہیں طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانے کے مسئلہ میں اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے جو مروی ہے اس کو نہیں لیتے، یہی امام ابو حنیفہ اور ہمارے سبھی علماء کا قول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ جمہور کے ساتھ ہیں (موطا محمد ص: ۲۳۱)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے اور طواف زیارت سے پہلے ایسی خوشبو لگائی جس میں مشک شامل تھی۔

تشریح: یہ حدیث جمہور کا مستدل ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے جو اوپر مذکور ہوا، اور ابن الزبیر کی حدیث سے ہے جو مستدرک حاکم میں ہے: فلذا رمی الجمرة الکبری حل لہ کل شیء حرّم علیہ إلا النساء والطیب حتی یزور البیت: جب جرہ عقبہ کی رمی کر لی تو تمام منوعات احرام حلال ہو گئے، علاوہ عورت اور خوشبو کے، یہاں تک کہ وہ طواف زیارت کرے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو علی شرط الشیخین بتایا ہے (مستدرک حاکم ۴: ۱۱۱ فضیلة الحج ماشیا) ان روایات کا جواب یہ ہے کہ اقوال صحابہ: فعل نبوی کی موجودگی میں حجت نہیں، پس ان کو اس پر محمول کریں گے کہ ان کے علم میں یہ فعل نبوی نہیں ہوگا، پس انھوں نے خوشبو کو دوائی جماع میں شمار کر کے منوع کہا ہوگا یا یہ کہیں گے کہ انھوں نے سد ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی ہوگی۔

فائدہ: حدیث شریف میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں: احرام سے پہلے ہر قسم کی خوشبو لگانا بلا کر اہیت جائز ہے، خواہ وہ دیر تک باقی رہنے والی خوشبو ہو یا جلدی اڑ جانے والی خوشبو ہو، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو احرام سے پہلے مشک ملی ہوئی خوشبو لگائی تھی جو دیر پا ہوتی ہے۔ اور امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر

احرام کے بعد بھی باقی رہے۔ جانتا چاہئے کہ جمہور احرام کے کپڑوں پر خوشبولگانے کے جواز کے قائل نہیں، اسی طرح کانوں میں عطر کا پھا ہار کتنا بھی جائز نہیں، صرف بدن پر خوشبولگانا جائز ہے۔

[۷۷] باب ماجاء فی الطیب عند الإحلال قبل الزیارة

[۹۰۴] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا هُشَيْمٌ، نَا مَنْصُورُ بْنُ زَادَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَلِمَتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُعْخَرَمَ، وَيَوْمَ النُّحْرِ قَبْلَ أَنْ يَكُوفَ بِالنَّيْتِ، بِطِيبٍ فِيهِ مِنْكَ.

وفی الباب: عن ابن عباس، قال أبو عیسی: حدیث عائشة حدیث حسن صحیح. والعمل علی هذا عند اکثر أهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و غیرہم یرون أن المَحْرَمَ إِذَا رَمَى جُمُرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النُّحْرِ وَذَبَحَ وَحَلَّقَ أَوْ قَصَرَ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِ إِلَّا النِّسَاءَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

[۹۰۵] - وَقَدْ رَوَى عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ: حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيبَ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ.

ترجمہ: اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء کا عمل ہے وہ کہتے ہیں: محرم جب یوم النحر میں حجرہ عقبہ کی رمی کر لے اور قربانی ذبح کر دے اور سر منڈا دے یا بال تراش دے تو اس کے لئے ہر وہ چیز حلال ہو جاتی ہے جو اس پر حرام تھی، علاوہ عورت کے۔ اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور حضرت عمرؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کے لئے ہر چیز حلال ہے، علاوہ عورت اور خوشبو کے۔ اور صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء اس اثر کی طرف گئے ہیں، اور یہ اہل کوفہ کا قول ہے (مگر یہ احناف کا قول نہیں، کوفہ کے دیگر مجتہدین کا قول ہوگا)

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ فِي الْحَجِّ؟

حج میں تلبیہ کب بند کرے؟

حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ افضل ذکر ہے پس احرام کی حالت میں خوب تلبیہ پڑھنا چاہئے، پھر جب دس ذی الحجہ کو حجرہ کی رمی کرے اس وقت تلبیہ بند کر دے اور عمرہ میں جب طواف کے لئے کعبہ کے پاس پہنچے اور حجرہ اسود کو پوسدے اس وقت تلبیہ بند کر دے، یہ جمہور کا مذہب ہے، اور اس میں امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا اختلاف۔

[۷۸] باب ماجاء متى يقطع التلبية في الحج؟

[۹۰۶-] حدثنا محمد بن بشر، نا يحيى بن سعيد القطان، عن ابن جزي، عن عطاء، عن ابن عباس، عن الفضل بن عباس، قال: أُرْدِئْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم من جمعٍ إلى منى، فلم يزل يلبّي حتى رمى جمرَةَ العقبة.

وہی الباب: عن علی، وابن مسعود، وابن عباس، قال أبو عیسی: حدیث الفضل حدیث حسن صحیح.

والعملُ على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم أن الحاج لا يقطع التلبية حتى يرمى الجمرَةَ، وهو قولُ الشافعي، وأحمد وإسحاق.

ترجمہ: فضل بن عباس کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ سے منی تک اپنی اونٹنی کے پیچھے بٹھالیا، آپ برابر تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ جمرہ عقبہ کی رمی کی — اور اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ کاعمل ہے کہ حاجی تلبیہ بند نہ کرے، یہاں تک کہ جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور یہ شافعی، احمد، اسحاق (اور امام اعظم) کا قول ہے۔

باب ماجاء متى يقطع التلبية في العمرة؟

عمرہ میں تلبیہ کب بند کرے؟

عمرہ کرنے والا تلبیہ کب ختم کرے؟ امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حجر اسود کا استلام کرے اس وقت تلبیہ ختم کر دے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک افتتاح طواف پر تلبیہ ختم کرے۔ یہ دونوں قول ایک ہی ہیں، اس لئے کہ استلام کے بعد فوراً طواف شروع ہوتا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر احرام میقات سے باندھا ہے تو حدود حرم میں داخل ہوتے ہی تلبیہ بند کر دے، اور اگر حل سے یعنی حرا نہ یا نجیم سے احرام باندھا ہے تو جب مکہ کی آبادی میں داخل ہو یا مسجد حرام میں داخل ہو اس وقت تلبیہ بند کر دے۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور وہ حدیث کو مرفوع کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عمرہ میں تلبیہ ختم کر دیا کرتے تھے جب آپ حجر اسود کو چھوتے تھے اور چومتے تھے۔

تشریح: یہ فعلی حدیث ہے اور ابوداؤد میں اسی سند سے قولی حدیث مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: معتمر تلبیہ کہتا رہے تا آنکہ حجر اسود کا استلام کرے (حدیث ۱۸۷۱) اور فعلی حدیث کی سند میں ابن ابی لیلیٰ صغیر ہیں جو ضعیف راوی ہیں، مگر امام ترمذی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں: عبد الملک بن ابی سفیان اور ہمام نے

بواسطہ عطاء ابن عباس سے اس حدیث کو موقوف روایت کیا ہے اور اس باب میں عبد اللہ بن عمرو کی حدیث بھی ہے اور وہ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے تین عمرے کئے اور سب ذی قعدہ میں کئے، آپ برابر تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ حجر اسود کا استلام کیا۔

[۷۹] باب ماجاء متى يقطع التلبية في العمرة؟

[۹۰۷-] حدثنا هناد، نا هشيم، عن ابن أبي ليلى، عن عطاء، عن ابن عباس، قال — يرفع الحديث: — كان يُمسِكُ عن التلبية في العمرة إذا استلم الحجر. وفي الباب: عن عبد الله بن عمرو، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس، حديث صحيح. والعمل عليه عند أكثر أهل العلم، قالوا: لا يقطع التلبية حتى يستلم الحجر، وقال بعضهم: إذا انتهى إلى بؤبؤ مكة قطع التلبية، والعمل على حديث النبي صلى الله عليه وسلم، وبه يقول شافئ، والشافعي، وأحمد، وإسحاق.

ترجمہ: اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: عمرہ کرنے والا تلبیہ ختم نہ کرے، یہاں تک کہ حجر اسود کا استلام کرے اور بعض علماء کہتے ہیں: جب مکہ کے گمروں تک پہنچے تلبیہ ختم کر دے اور عمل نبی ﷺ کی حدیث کے مطابق ہونا چاہئے اور اسی کے سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق قائل ہیں۔

باب ماجاء في طواف الزيارة بالليل

رات میں طواف زیارت کرنے کا بیان

حج کا دوسرا رکن طواف زیارت ہے اور اس کا وقت ۱۰-۱۲ ذی الحجہ ہے، اس درمیان میں ہر وقت، رات میں بھی اور دن میں بھی طواف زیارت کرنا جائز ہے اور اگر بارہ کے غروب تک کوئی شخص طواف زیارت نہ کر سکا تو اس پر دم واجب ہوگا اور اسے طواف بھی کرنا ہوگا، اور اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

اور نبی ﷺ نے طواف زیارت دن میں کیا تھا یا رات میں؟ اس میں روایات میں اختلاف ہے، اور تمام محدثین و فقہاء متفق ہیں کہ آپ نے طواف زیارت دن میں کیا تھا اور اکثر روایتوں میں بھی یہی بات مروی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ طواف زیارت کے لئے آپ ظہر سے پہلے تشریف لے گئے تھے یا ظہر کے بعد؟ اور آپ نے ظہر کہاں پڑھی تھی، منی میں یا مکہ میں؟ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ نے رات تک طواف زیارت مؤخر کیا تھا۔ علماء نے اس کی متعدد توجہیں کی ہیں، سب سے شاندار بات وہ ہے جو ابن حبان نے فرمائی ہے

کہ آپؐ یوم النحر میں منی میں ظہر پڑھا کر مکہ تشریف لے گئے تھے اور اونٹ پر سوار ہو کر طواف زیارت کیا تھا اور عصر سے پہلے منی میں لوٹ آئے تھے، پھر عشاء پڑھا کر دوبارہ مکہ تشریف لے گئے تھے اور نفل طواف کیا تھا جس کو غلط فہمی سے طواف زیارت سمجھ لیا گیا (عمدة القاری ۱۰: ۶۸ باب الزيارة يوم النحر) اور علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپؐ نے منی کی ہر رات میں نفل طواف کیا ہے (عمدة)

[۸۰] باب ماجاء فی طواف الزيارة باللیل

[۹۰۸-] حدثنا محمد بن بشير، نا عبد الرحمن بن مهدي، نا سفيان، عن أبي الزمير، عن ابن عباس، وعائشة: أن النبي صلى الله عليه وسلم أتم طواف الزيارة إلى الليل. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، وقد رخص بعض أهل العلم في أن يؤخر طواف الزيارة إلى الليل، واستحب بعضهم أن يزور يوم النحر، ورخص بعضهم أن يؤخر ولو إلى آخر أيام منى.

ترجمہ: بعض علماء طواف زیارت کورات تک مؤخر کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اور بعض نے یوم النحر میں طواف زیارت کرنے کو پسند کیا ہے اور بعض نے اس کو منی کے آخری دن تک (بارہوی الحججک) مؤخر کرنے کی گنجائش رکھی ہے (اگر بارہ کا سورج غروب ہو گیا اور کسی نے طواف زیارت نہیں کیا تو بالاجماع دم واجب ہوگا اور طواف بھی کرنا ہوگا، اور حالانکہ پاک ہو کر طواف کرے گی اور اس پر کوئی دم نہیں ہوگا)

باب ماجاء فی نزول الأنطح

انطح میں اترنے کا بیان

آنحضرت ﷺ جب تیرہ کی رمی کر کے منی سے لوٹے تو مکہ سے باہر انطح^(۱) نامی میدان میں پڑاؤ کیا تھا، ظہر تو منی میں ادا فرمائی تھی، عصر تا عشاء چار نمازیں یہاں انطح میں ادا فرمائیں اور عشاء کے بعد طواف وداع کر کے آدمی رات کے قریب مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے (بخاری حدیث ۱۷۶۳) آپؐ کا پڑاؤ انطح میں عادت سے طے پر تھا یا عبادت (۱) انطح، بلعام، نقشب اور حنیف بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں اور یہ وہی میدان ہے جہاں قریش نے قسمیں کھائی تھیں اور آپؐ کا ابو طالب کا، بنو ہاشم کا اور بنو عبد المطلب کا بایکٹ کیا تھا کہ جب تک وہ نبی کریم ﷺ کو ہمیں نہ سوچ دیں گے ان کے ساتھ کوئی راہ درم نہیں رکھی جائے گی، نہ شادی بیاہ کے معاملات ہو سکتے، نہ خرید و فروخت ہوگی، چنانچہ تین سال آپؐ نے اور آپؐ کے خاندان نے مشقت کے ساتھ گزارے تھے، پھر آپؐ نے اطلاع دی کہ قریش نے جس عہد نامہ کو خانہ کعبہ میں لٹکایا ہے اس کو دیکھنے کے لئے چاہا ہے تب جا کر قید سے چھٹکارا ملا اور بایکٹات ختم ہوا۔

کے طور پر؟ یعنی یہ نزول مناسک میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عمرؓ اس کو سنت کہتے ہیں، اور ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ اس کو محض راستہ کی ایک منزل قرار دیتے ہیں، مناسک میں شامل نہیں کرتے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپؐ نے وہاں پڑاؤ اس لئے کیا تھا کہ سب ساتھی وہاں جمع ہو جائیں اور وہاں سے ایک ساتھ واپسی عمل میں آئے (یہ حدیث اگلے باب میں آ رہی ہے)

اور بخاری شریف میں ایک روایت (حدیث ۱۵۹۰) ہے کہ آپؐ نے منی کے ایام میں فرمایا تھا: ہم کل خیفہ بنی کنانہ میں پڑاؤ کریں گے جہاں قریش اور کنانہ نے باہم قسمیں کھائی تھیں یعنی رسول اللہ ﷺ کے بایکٹ کا فیصلہ کیا تھا۔ اس روایت سے بعض حضرات نے یہ بات سمجھی ہے کہ آپؐ کا اٹلّٰح میں نزول ارادی تھا، دین کی رفعت شان کے لئے آپؐ وہاں اترے تھے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ نزول مناسک میں شامل نہیں، جیسے آپؐ حج کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے مگر اس میں اتفاق ہے کہ وہ مناسک میں شامل نہیں۔ غرض ائمہ اربعہ کے نزدیک تھیب (اٹلّٰح میں اترنا) مناسک میں داخل نہیں مگر چونکہ آپؐ اور حضرات شیخین وہاں اترتے تھے اس لئے بیشتر علماء کے نزدیک تھیب مستحب ہے (مگر اب وہاں مکانات بن گئے ہیں، وہاں نزول کی اب کوئی صورت نہیں)

[۸۱] باب ماجاء فی نزول الانبطح

[۹۰۹] - حدثنا إسحاق بن منصور، قال: حدثنا عبد الرزاق، نا عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر وعثمان ينزلون الانبطح. وفي الباب: عن عائشة، وأبي رافع، وابن عباس، قال أبو عيسى: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح غريب، إنما نعرفه من حديث عبد الرزاق، عن عبيد الله بن عمر. وقد استحب بعض أهل العلم نزول الانبطح من غير أن يروا ذلك واجبا، إلا من أحب ذلك: قال الشافعي: ونزول الانبطح ليس من التسلك في شيء، إنما هو منزل نزلة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

[۹۱۰] - حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان، عن عمرو بن دينار، عن عطاء، عن ابن عباس، قال: ليس التخصيب بشيء، إنما هو منزل نزلة رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال أبو عيسى: التخصيب نزول الانبطح، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: ابن عمرؓ کی حدیث کو ہم صرف عبد الرزاق کی سند سے جانتے ہیں۔ اور بعض علماء اٹلّٰح میں اترنے کو مستحب کہتے ہیں اس کو واجب جانے بغیر، ہاں جو شخص اس کو پسند کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اور اٹلّٰح میں اترنا مناسک میں

داخل نہیں، وہ صرف ایک منزل تھی جہاں رسول اللہ ﷺ اترے تھے۔ التحصیب کے معنی ہیں: ابلح میں اترنا۔

باب [۸۶]

[۹۱۱] - حدثنا محمد بن عبد الأعلى، نا يزيد بن زريع، نا حبيب المصنف، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، قالت: إنما نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم الأبطح لأنه كان أسمع لغروجه. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان، عن هشام بن عروة نحوه.

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ ابلح میں صرف اس لئے اترے تھے کہ وہاں سب لوگ ہو، یعنی سب لوگ وہاں اکٹھے ہو جائیں پھر ایک ساتھ مدینہ کے لئے چلیں۔

باب ماجاء فی حج الصبی

بچے کے حج کا بیان

تمام ائمہ متفق ہیں کہ نابالغ بچے پر حج فرض نہیں، لیکن اگر وہ حج کرے تو اس کا حج صحیح ہے، البتہ وہ فرض حج کے قائم مقام نہیں ہوگا، بالغ ہونے کے بعد بشرط استطاعت دوبارہ حج کرنا ہوگا۔ پھر اگر بچہ سمجھدار ہے تو وہ ارکان حج خود ادا کرے گا اور اگر نا سمجھ ہے تو ولی یا سرپرست اس کی طرف سے ارکان ادا کرے گا، اور اس بچہ کو بھی احرام پہنانا اور عرفات لے جانا ضروری ہے۔ اور ولی اور سرپرست جس نے بچہ کی طرف سے ارکان ادا کئے ہیں وہ ثواب کا مستحق ہوگا، یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی مذہب ہے، اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم (۴۳۲:۱) میں جو لکھا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بچہ کا حج صحیح نہیں: یہ انتساب صحیح نہیں۔

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک عورت نے اپنا بچہ اٹھا کر نبی ﷺ کو دکھایا اور دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا اس بچہ کا حج ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور تجھے ثواب ملے گا (کیونکہ تو بچہ کی طرف سے ارکان ادا کرے گی)

حدیث (۲): سائب بن یزید کہتے ہیں: حجۃ الوداع میں میرے ابا نے مجھے ساتھ لے کر نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا (معلوم ہوا کہ سمجھدار بچہ کا حج صحیح ہے اور وہ ارکان خود ادا کرے گا)

حدیث (۳): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا تو ہم عورتوں کی طرف سے تبلیہ پڑھتے تھے اور بچوں کی طرف سے رمی کرتے تھے۔

تشریح: حضرت جابرؓ کی یہ حدیث غریب بھی ہے اور ضعیف بھی ہے، اس حدیث ضعیف راوی ہے اور ابوالزیر مدلس ہیں، اور مدلس کا معنی معتبر نہیں اور ابن ماجہ، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: حَجَّجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ النِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانَ فَلَبَّيْنَا عَنِ الصَّبِيَّانِ وَرَمَيْنَا عَنْهُمْ يَمْنًا نَبِيٍّ ﷺ کے ساتھ حج کیا اور ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے تھے پس ہم نے بچوں کی طرف سے تلبیہ پڑھا اور ان کی طرف سے رمی کی۔ حدیث کے یہ الفاظ اشبہ بالصواب ہیں، کیونکہ تمام ائمہ متفق ہیں کہ عورت خود تلبیہ پڑھے گی، تلبیہ میں نیابت جائز نہیں، اور یہاں جو حدیث ہے اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ عورتوں کی طرف سے رفع صوت میں نیابت مراد ہے یعنی عورتیں آہستہ تلبیہ پڑھتی تھیں اور ہم ان کی طرف سے زور سے تلبیہ پڑھتے تھے۔ اور بچے کی طرف سے تلبیہ اور رمی میں نیابت اس وقت جائز ہے جبکہ بچہ سمجھتا ہو اگر کچھ سمجھدار ہو تو وہ خود تلبیہ پڑھے گا اور خود رمی کرے گا۔

[۸۳] باب ما جاء في حج الصبي

[۹۱۲] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوَيْدَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: رَأَيْتُ امْرَأَةً صَبِيًّا لَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَيْذَا حَجَّ؟ قَالَ: "نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ"

وفی الباب: عن ابن عباس، حدیث جابر حدیث غریب.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا قُرْعَةُ بْنُ سُوَيْدٍ، الْبَاهِلِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَقَدْ رَوَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّبِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

[۹۱۳] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، نَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُونُسَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: حَجَّ بَنِي أَبِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنَّ الصَّبِيَّ إِذَا حَجَّ قَبْلَ أَنْ يُذْرِكَ فَقَلْبُهُ الْحَجَّ إِذَا أَدْرَكَ، لَا يُجْزَى عَنْهُ بَلَدُ الْحَجَّةِ عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ، وَكَذَلِكَ الْمَمْلُوكُ إِذَا حَجَّ فِي رَقَبَةٍ، ثُمَّ أُعْتِقَ فَقَلْبُهُ الْحَجَّ إِذَا وَجَدَ إِلَى ذَلِكَ سَبِيلًا، وَلَا يُجْزَى عَنْهُ مَا حَجَّ فِي حَالِ رَقَبَةٍ. وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّالِبِيِّ، وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.

[۹۱۴] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ نُمَيْرٍ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سَوَّادٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا إِذَا حَجَّجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا نَلْبِي عَنِ النِّسَاءِ وَتَرْمِي عَنِ الصَّبِيَّانِ.

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه، وقد أجمع أهل العلم أن المرأة لا يلبس عنها غيره، بل هي تلبس ويكفر لها رفع الصوت بالغلبة.

وضاحت: پہلی حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غریب ہے، محمد بن المنکدر سے اوپر ایک سند ہے، مگر تمام راوی ثقہ ہیں اور محمد بن سوقة جو صحاح ستہ کے راوی ہیں حدیث کو مستند روایت کرتے ہیں، اور قزعة بن سوید باہلی ان کے متابع ہیں مگر وہ ضعیف راوی ہے اور بعض روایات محمد بن المنکدر سے اس کو مرسل روایت کرتے ہیں یعنی آخر میں حضرت جابر کا تذکرہ نہیں کرتے۔

ترجمہ: اور علماء کا اتفاق ہے کہ اگر بچہ بالغ ہونے سے پہلے حج کرے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض ہوگا، بچپن میں کیا ہوا حج فرض شمار نہیں ہوگا، ایسے ہی غلام، غلامی کے زمانہ میں حج کرے پھر آزاد ہو جائے تو اس پر حج فرض ہوگا جبکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، یعنی اس کے پاس زاد وراحہ ہو اور جو حج اس نے غلامی کے زمانہ میں کیا ہے وہ کافی نہیں۔

اور تیسری حدیث بھی غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے مگر اس سند سے، اور علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی طرف سے کوئی تلبیہ نہیں پڑھے گا بلکہ وہ خود تلبیہ پڑھے گی، البتہ عورت کے لئے زور سے تلبیہ پڑھنا مکروہ ہے۔

باب ما جاء في الحج عن الشيخ الكبير والعميت

شيخ فاني اور میت کی طرف سے حج بدل کا بیان

تمام ائمہ متفق ہیں کہ عبادت بدنی میں نیابت جائز نہیں، اور عبادت مالی میں مطلقاً نیابت جائز ہے۔ اور جو عبادت بدن اور مال سے مرکب ہے اور ایسی عبادت صرف حج ہے، اس میں حالت اضطرار میں نیابت جائز ہے اور حالت اختیار میں جائز نہیں، البتہ اضطرار کی حالت کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف موت اضطرار کی حالت ہے، پس زندہ شخص خواہ وہ بوڑھا ہو یا کوئی اور عذر ہو، حج بدل نہیں کر سکتا بلکہ اس پر حج بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے اور وصیت تمہائی ترکہ میں نافذ ہوگی۔ باقی تینوں فقہاء کے نزدیک موت کے علاوہ بوڑھا یا وغیرہ بھی عذر ہیں، پس جو شخص بوڑھا پے کی وجہ سے، یا لنگڑا، لولا، اندھا اور اپانچ ہونے کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتا تو اس کا حج بدل کرنا جائز ہے۔

چند مسائل:

(۱) اگر میت پر حج فرض تھا اور اس نے حج بدل کی وصیت کی، اور تمہائی ترکہ سے حج بدل کیا جاسکتا ہے، یا سب

ورثاء عاقل بالغ ہیں اور وہ سب تہائی ترکہ سے زیادہ سے حج بدل کرانے کی اجازت دیتے ہیں یا جو عاقل بالغ ہیں وہ اپنے حصہ میں سے حج کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو زیادہ سے بھی حج کیا جاسکتا ہے، اور یہ حج بدل میت کے حق میں محسوب ہوگا، گویا اس نے خود حج کیا۔

(۲) اور اگر میت نے وصیت نہیں کی اور کوئی اس کی طرف سے اپنے پیسے سے حج بدل کرے تو اللہ کے فضل سے امید باندھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میت کے حساب میں لے لیں، یقین سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ وہ حج میت کے حساب میں محسوب ہوگا۔

(۳) اور اگر میت نے وصیت کی ہے، مگر تہائی ترکہ ناکافی ہے اور ورثاء زیادہ سے حج کی اجازت نہیں دیتے تو استحساناً میت کو فریضہ سے سبکدوش کرنے کے لئے اس جگہ سے حج کرایا جائے گا جہاں سے ٹکٹ مال سے حج ہو سکتا ہے (بدائع الصنائع ۲: ۴۷۰ و اما یہاں حکم طوات الحج)

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میت کے ذمہ حج فرض تھا یا نذر کی وجہ سے اس کے ذمہ حج لازم ہوا ہے تو اس کی حیثیت قرضہ کی ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے، پس خواہ وہ وصیت کرے یا نہ کرے، اس کی طرف سے حج بدل کرنا ورثاء کی ذمہ داری ہے، اور وہ حج جمع ترکہ سے ہوگا۔

حدیث: قبیلہ غنم کی ایک عورت نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ کو اللہ کے فریضہ حج نے پالیا ہے اور وہ بہت بوڑھے ہیں، اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھنے کی سکت نہیں رکھتے (تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟) آپؐ نے فرمایا: ”تم ان کی طرف سے حج کرو“

تشریح: استطاعت بدنی نفس وجوب حج کے لئے شرط ہے یا وجوب اداء کے لئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک نفس وجوب کے لئے شرط ہے، پس اگر کوئی شخص بہت بوڑھا ہے، سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، نہ ارکان حج ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور ایسی حالت میں زاد و راحلہ کا مالک ہو تو اس پر حج کرنا یا حج بدل کرنا یا حج کی وصیت کرنا فرض نہیں، کیونکہ جب اس میں حج ادا کرنے کی طاقت ہی نہیں تو اس پر حج فرض کرنا تکلیف مالا یطاق ہے، ہاں اگر اُسے استطاعت مالی کے ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل تھی، مگر حج میں تاخیر کی یہاں تک کہ قدرت اور قوت ختم ہوگئی تو بالاتفاق اس پر حج فرض ہے، اگر خود نہ کر سکے تو حج بدل کرائے یا وصیت کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک استطاعت بدنی وجوب اداء کے لئے شرط ہے، نفس وجوب کے لئے شرط نہیں۔ پس جسے استطاعت مالی کے ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل ہو اس پر تو خود حج کرنا فرض ہے وہ حج بدل نہیں کر سکتا، اور جسے استطاعت بدنی حاصل نہیں اور وہ زاد و راحلہ کا مالک ہو تو اس پر حج بدل کرنا یا وصیت کرنا ضروری ہے، اور حدیث باب سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ سائلہ کے باپ پر شیخ کبیر ہونے کی حالت میں حج فرض ہوا ہے، پس اس سے صاحبین کے قول کی

تائید ہوتی ہے، مگر یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حج فرض ہونے کے بعد شیخ فانی ہو گیا ہو پس وہ جمہور کے موافق ہوگی۔

لحوظ: مذکورہ حدیث ابن عباسؓ سے چار طرح سے مروی ہے (۱) فضل بن عباس کے واسطے سے (۲) حصین بن عوف کے واسطے سے (اس سند کا ذکر مصری نسخہ میں ہے) (۳) سنان بن عبد اللہ اور ان کی پھوپھی کے واسطے سے (۴) براہ راست ابن عباسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے امام بخاریؒ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو انھوں نے فضل بن عباس کے واسطے والی حدیث کو اصح قرار دیا، کیونکہ آپؐ سے یہ سوال مزولفہ اور منی کے راستہ میں کیا گیا تھا، اس وقت آنحضور ﷺ کے رفیق حضرت فضلؓ تھے اور ابن عباسؓ سامان کے ساتھ عرفہ سے سیدھے مٹی بھیج دیئے گئے تھے، مگر امام بخاریؒ نے دیگر اسانید کو بھی صحیح کہا ہے کیونکہ ممکن ہے ابن عباسؓ نے حصین بن عوف سے اور ابن عبد اللہ اور ان کی پھوپھی سے بھی یہ حدیث سنی ہو، پھر کبھی مرسل بھی روایت کی ہو یعنی درمیان کے واسطوں کو حذف کر کے براہ راست نبی ﷺ کی طرف نسبت کی ہو۔

فائدہ: امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب میں میت کا ذکر بطریق دلالتہ اخص کیا ہے، جب شیخ فانی جو ابھی حیات ہے حج بدل کر اسکا ہے تو میت کا عذر تو اس سے قوی ہے پس اس کی طرف سے بھی بدرجہ اولیٰ حج بدل کرانا جائز ہے۔

[۸۴] باب ماجاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیت

[۹۱۵-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، لَا ابْنَ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَتَمِهِ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ ابْنِي أَذْرَكُهُ فَرِيضَةُ اللَّهِ فِي الْحَجِّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى ظَهْرِ الْبَعِيرِ؟ قَالَ: "حُجِّي عَنْهُ"

وفی الباب: عن علی، وبریذة، وحصین بن عوف، وابی رزین العقیلی، وسودة، وابی عباس، قال ابو عیسی: حدیث الفضل بن عباس حدیث حسن صحیح، وروی عن ابی عباس [عن حصین بن عوف المزنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وروی عن ابی عباس] عن سنان بن عبد اللہ الجہنی، عن عمته، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وروی عن ابی عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فسألت محمداً عن هذه الروایات، فقال: أصحُّ شيء في هذا ما روى ابن عباس، عن الفضل بن عباس، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال محمد: ويَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَسْعُومًا مِنَ الْفَضْلِ وَغَيْرِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَوَى هَذَا [عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ] فَأَرْسَلَهُ، وَلَمْ يَذْكُرِ الَّذِي مَسَعَمَهُ مِنْهُ.

قال أبو عيسى: وقد صحَّ عن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الباب غير حديث، والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، وبه يقول الثوري، وابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق: يزون أن يحج عن الميت، وقال مالك: إذا أوصى أن يحج عنه حج عنه، وقد رخص بعضهم أن يحج عن الحي إذا كان كبيراً، وبحال لا يقدر أن يحج، وهو قول ابن المبارك، والشافعي.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عباس یہ حدیث فضل سے روایت کرتے ہیں اور [حصین کے واسطے سے] اور مسنان بن عبد اللہ سے بھی روایت کرتے ہیں، وہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں، وہ نبی ﷺ سے۔ اور ابن عباسؓ براہ راست بھی نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، پس میں نے امام بخاریؒ سے ان اسانید کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا: ان میں سب سے زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جو ابن عباس نے فضل بن عباس سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔ اور امام بخاری نے فرمایا: اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ابن عباسؓ نے اس حدیث کو فضل بن عباس سے اور ان کے علاوہ سے مرسل (منقطع) روایت کیا ہو، یعنی جن سے یہ حدیث سنی ہے ان کا تذکرہ نہ کیا ہو، امام ترمذیؒ کہتے ہیں: نبی ﷺ سے اس باب میں متعدد صحیح حدیثیں مروی ہیں اور اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے، اور ثوری، ابن السبارک، شافعی، احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ وہ سب میت کی طرف سے حج کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب میت نے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کی ہو تو اس کی طرف سے حج کیا جائے گا، اور بعض علماء زندہ کی طرف سے بھی حج کرنے کی اجازت دیتے ہیں، جبکہ وہ بوڑھا ہو اور اس حال میں ہو کہ حج کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ ابن السبارک اور شافعی کا قول ہے۔

باب مِثْنَة

دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کا بیان

حدیث (۱): ابو رزین عقیلی سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! بچک میرے والد بہت بوڑھے ہیں، نہ حج کی طاقت رکھتے ہیں نہ عمرہ کی، اور نہ وہ جانور پر سواری کرنے کی طاقت رکھتے ہیں (الظن) عین کے فتح اور سکون کے ساتھ) کے لغوی معنی ہیں: اونٹ پر سواری کرنا، پھر مطلقاً سواری کرنے کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا) آپؐ نے فرمایا: ”تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر کی طرف سے عمرہ بھی کیا جاسکتا ہے اور اس میں معذور ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ عمرہ فرض نہیں اور جب زندہ کی طرف سے عمرہ کیا جاسکتا ہے تو میت کی طرف سے بھی بدرجہ اولیٰ

کیا جاسکتا ہے۔

حدیث (۲): حضرت زیدؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: بیشک میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ”ہاں تم اس کی طرف سے حج کرو“ (غالباً یہ کوئی اور عورت ہے، قبیلہ خثعم کی عورت نہیں ہے جس کا سوال گذشتہ باب میں آیا ہے)

[۸۵] بَابُ مِنْهُ

[۹۱۶] - حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَمِيٍّ، نَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ سَالِمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ، عَنْ أَبِي زَرْبٍ الْعَقِيلِيِّ: أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَثِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الطَّعْنَ، قَالَ: ”حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ“
 قَالَ أَبُو عَمِيٍّ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَإِنَّمَا ذُكِرَتِ الْعُمْرَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: أَنَّ يَعْتَمِرَ الرَّجُلُ عَنْ ظَهْرِهِ، وَأَبُو زَرْبٍ الْعَقِيلِيُّ: اسْمُهُ لَقِيطُ بْنُ عَامِرٍ.
 [۹۱۷] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مُفِيَّانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: ”نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا“
 قَالَ أَبُو عَمِيٍّ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کے سلسلہ میں مرفوع روایت بس یہی ایک ہے (البتہ حج بدل کی روایات متعدد ہیں)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ أَوْ اجِبَتْ هِيَ أَمْ لَا؟

کیا عمرہ واجب ہے؟

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حج کی طرح زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ بھی واجب (بمعنی فرض) ہے اور حج کے ساتھ عمرہ کرنے سے بھی یہ واجب ادا ہو جاتا ہے اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے واجب نہیں، اور باب میں جو حدیث ہے وہ بڑے دو اماموں کی دلیل ہے، مگر وہ حجاج بن ارطاة کی وجہ سے ضعیف ہے اس کے باوجود امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور ان کی اصل دلیل عدم دلیل ہے، عمرہ کا وجوب ثابت کرنے والی کوئی نص موجود نہیں، اور آیت پاک: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ سے نہ توجہ کی فرضیت

ثابت ہوتی ہے اور نہ عمرہ کی، حج کی فرضیت: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ سے ثابت ہوتی ہے اور عمرہ کے بارے میں نہ کوئی دوسری آیت ہے اور نہ حدیث، مگر چونکہ آپؐ نے عمرے کے ہیں اس لئے عمرہ کا زیادہ سے زیادہ سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور چھوٹے دو اماموں کی دلیل ابن عمر اور ابن عباس کے اقوال ہیں وہ عمرہ کو واجب کہتے تھے (بخاری اوائل کتاب العمرة)

[۸۶] باب ماجاء فی العمرة: أواجبة هي أم لا؟

[۹۱۸-] حدثنا محمد بن عبد الأعلى الصنعائي، ثنا عمرو بن علي، عن الحجاج، عن محمد بن المنكدر، عن جابر: أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن العمرة: أواجبة هي؟ قال: "لا، وأن يعتَمِرُوا هُوَ أَفْضَلُ"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: الْعُمْرَةُ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ، وَكَانَ يُقَالُ: هُمَا حَجَّانِ: الْحَجُّ الْأَكْبَرُ يَوْمَ النُّحُرِ، وَالْحَجُّ الْأَصْغَرُ الْعُمْرَةُ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْعُمْرَةُ سُنَّةٌ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَخَّصَ فِي تَرْكِهَا، وَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ ثَابِتٌ بِأَنَّهَا تَطْلُوعُ، قَالَ: وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ، لَا تَقْوَمُ بِمِثْلِهِ الْحُجَّةُ، وَقَدْ بَلَّغْنَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ يُوجِبُهَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ واجب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، اور لوگ عمرہ کریں یہ اچھی بات ہے"۔ اور یہ بعض علماء کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: عمرہ واجب نہیں اور کہا جاتا تھا کہ یہ دو حج ہیں: حج اکبر یوم النحر کو ہوتا ہے اور حج اصغر عمرہ ہے، یعنی شریعت کی اصطلاح میں حج و عمرہ دونوں حج ہیں اور فرق کرنے کے لئے اصغر اکبر کی قید بڑھاتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمرہ سنت ہے (ای ثابت بالسنۃ) ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے عمرہ ترک کرنے کی اجازت دی ہو، اور ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے عمرہ کا نفل ہونا ثابت ہوتا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور یہ (یعنی عمرہ کا نفل ہونا) نبی ﷺ سے مروی ہے مگر وہ حدیث ضعیف ہے اس جیسے مسئلہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور ہمیں ابن عباس سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ عمرہ کو واجب کہا کرتے تھے۔

تشریح: امام شافعی کا استدلال عجیب ہے، عمرہ کے سنت و نفل ہونے کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اس کے لئے بس اتنی بات کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمرے کئے ہیں، ہاں وجوب ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور وجوب پر دلالت کرنے والی کوئی نص نہیں، پس عدم دلیل ہی عمرہ کے عدم وجوب کی دلیل ہے۔

باب منہ

کیا اشہرج میں عمرہ کرنا جائز ہے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عمرہ حج میں قیامت کے دن تک داخل ہو گیا!

تشریح: زمانہ جاہلیت کا یہ تصور تھا کہ جس شخص کو جس سال حج کرنا ہو اس سال وہ اشہرج میں عمرہ نہیں کر سکتا اس حدیث سے یہ تصور ختم کیا گیا ہے۔ اب عمرہ حج میں داخل ہو گیا، پس اشہرج میں بھی عمرہ کیا جاسکتا ہے اور حج کے سفر میں بھی عمرہ ہو سکتا ہے اور حج کے ساتھ ملا کر قرآن بھی کیا جاسکتا ہے۔ حدیث کا یہی مطلب ہے اور بعض حضرات نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قارن پر عمرہ کے افعال الگ سے واجب نہیں، حج کے طواف و سعی سے عمرہ کے طواف و سعی بھی ہو جاتے ہیں مگر حدیث کا یہ مطلب نہیں، پہلا مطلب ہی صحیح ہے، اور قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے یا دو طواف اور دو سعی: یہ مسئلہ آگے آ رہا ہے۔

فائدہ: میقات دو ہیں: میقات مکانی اور وہ پانچ ہیں: تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور میقات زمانی اور وہ ڈھائی مہینے ہیں، شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا عشرہ اولیٰ۔ اور حج و عمرہ کا احرام میقات مکانی سے پہلے باندھنا مستحب ہے اور میقات زمانی یعنی شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے۔

[۸۷] باب منہ

[۹۱۹] - حدثنا أحمد بن عتبة الطائي، ثنا زياد بن عبد الله، عن يزيد بن أبي زياد، عن مجاهد، عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "دَخَلْتُ الْعُمْرَةَ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" وفي الباب: عن سُرَّاقَةَ بْنِ مَالِكٍ بْنِ جُعْشَمٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ: أَنَّ لَا بَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، وَهَكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ وَاحْمَدُ وَإِسْحَاقُ. وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ: أَنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا لَا يَخْتَمِرُونَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ، قَالَ: "دَخَلْتُ الْعُمْرَةَ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" يَعْنِي لَا بَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ.

وَأَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرَتَا ذِي الْحِجَّةِ: لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَهْلَ بِالْحَجِّ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ.

وَأَشْهُرُ الْحُرْمِ: رَجَبٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، هَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ

مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور شافعی، احمد اور اسحاق یہی بات کہتے ہیں، اور اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا کرتے تھے، پس جب اسلام آیا تو نبی ﷺ نے اس کی اجازت دیدی اور فرمایا: ”عمرہ حج میں داخل ہو گیا قیامت کے دن تک“ یعنی اب اشہر حج میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اشہر حج: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہیں، کسی آدمی کے لئے حج کا احرام باندھنا مناسب نہیں، مگر اشہر حج میں — اور اشہر حرم (محترم مہینے) رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ صحابہ اور ان کے علاوہ متعدد علماء سے یہی مروی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ فَضْلِ الْعُمْرَةِ

عمرہ کے ثواب کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے ان گناہوں کا جو درمیان میں ہوئے ہیں۔ اور حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے“
تشریح: شعائر اللہ (بیت اللہ) کی تعظیم اور رحمت الہی کے سُنَد میں غوطہ زن ہونا گناہوں کو مٹاتا ہے اور جنت میں پہنچاتا ہے اور حج مبرور کی فضیلت سے بہرہ ور ہونے کے لئے حج کے سفر میں رفق فسوق اور جدال سے احتراز ضروری ہے، تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

[۸۸] بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ فَضْلِ الْعُمْرَةِ

[۹۲۰-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ تَكْفُرُ مَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ“
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ مِنَ التَّعْظِيمِ

تعظیم سے عمرہ کرنے کا بیان

حجۃ الوداع میں جب مکہ میں پہنچنے کے بعد وحی آئی کہ جن کے پاس ہدی نہیں ہے وہ حج کے احرام کو عمرہ کا احرام

کردیں اور ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے دوبارہ حج کا احرام باندھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حج کے احرام کو عمرے کا احرام کر دیا مگر وہ حالت حیض میں تھیں اس لئے عمرہ کے ارکان ادا نہیں کر سکیں، ابھی انھوں نے ارکانِ عمرہ ادا نہیں کئے تھے کہ یوم الترویہ آیا گیا۔ نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ کا احرام توڑ دیں اور فرمایا: تمہارا سر میں کنگھی کر کے حج کا احرام باندھ لو، چنانچہ انھوں نے عمرہ کا احرام توڑ دیا اور حج کا احرام باندھ لیا اور منی، عرفات وغیرہ گئیں، پھر مزدلفہ کی رات میں وہ پاک ہوئیں، تیرہ ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے ان کے بھائی عبدالرحمن کو حکم دیا کہ وہ اپنی بہن کو محتمم لے جائیں اور وہاں سے عمرہ کرائیں، پھر قلاں مقام میں آ کر قافلہ میں مل جائیں وہاں میں انتظار کروں گا۔ غرض حضرت عائشہ نے مقام محتمم سے عمرہ کیا ہے اور یہ جگہ کعبہ شریف سے قریب ترین محل ہے، تقریباً تیل میل کے فاصلہ پر ہے اور اب وہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے، اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر عورت نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور حیض کی وجہ سے ارکانِ عمرہ ادا نہ کر سکے اور آٹھ ذی الحجہ آجائے تو وہ عمرے کا احرام توڑ دے اور حج کا احرام باندھ لے، پھر حج کے بعد عمرہ کی قضا کرے۔

[۸۹] باب ماجاء فی العمرة من التعميم

[۹۲۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَا: لَا سَهْلَانَ بِنُ عَيْتَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ أَنْ يُعْمِرَ عَائِشَةَ مِنَ التَّعْمِيمِ.
قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بابُ ماجاء فی العمرة من الجعرة

حجراتہ سے عمرہ کرنے کا بیان

فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے مکہ معظمہ میں انیس دن قیام فرمایا ہے، پھر حنین تشریف لے گئے، وہاں سے طائف گئے اور ایک مہینے تک اس کا محاصرہ کیا، پھر حراتہ میں آ کر حنین کی غنیمت تقسیم کی، اس لئے یہاں کئی دن قیام رہا، پھر جب مدینہ لوٹنے کا وقت آیا تو آپ نے ایک رات حراتہ سے عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ ادا کر کے صبح سے پہلے حراتہ لوٹ آئے، اس لئے اکثر لوگوں سے یہ عمرہ چلی رہا، پھر اگلے دن زوال کے بعد مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی، میدانِ سرف کے بیچ میں سے جو راستہ گذرتا ہے آپ اس پر چلے اور جہاں مکہ کے بالائی اور زیریں حصوں کے راستے ملتے ہیں اس پر آ کر مدینہ کے روڈ پر چلے۔

ملاحظہ: آج کل تعیم سے جو عمرہ کیا جاتا ہے اس کو چھوٹا عمرہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ جگہ کعبہ سے نزدیک ہے اس میں خرچ کم ہوتا ہے اور ہجرانہ سے جو عمرہ کیا جاتا ہے اس کو بڑا عمرہ کہتے ہیں اس میں خرچ زیادہ ہوتا ہے وہ مکہ سے بعید ترین محل کی جگہ ہے (اور یہ لفظ جِعْرَانَة اور جِعْرَانَة دونوں طرح درست ہے)

[۹۰] باب ماجاء فی العمرة من الجِعْرَانَة

[۹۲۲-] حَلَّتْنَا مُحَمَّدٌ بْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيَىٰ بْنَ سَعِيدٍ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ مُزَاجِمِ بْنِ أَبِي مُزَاجِمٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ مُخَوَّشٍ الْكُفَيْيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْجِعْرَانَةِ لَيْلًا مُعْتَمِرًا، فَدَخَلَ مَكَّةَ لَيْلًا، فَقَضَىٰ عُمْرَتَهُ، ثُمَّ خَرَجَ مِنْ لَيْلَتِهِ، فَأَصْبَحَ بِالْجِعْرَانَةِ كَتَابِتٍ، فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْقَدِّ خَرَجَ فِي بَطْنٍ سَرِفٍ حَتَّى جَاءَ مَعَ الطَّرِيقِ، طَرِيقِ جَمْعٍ بَيْنَ سَرِفٍ، فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ خَفِيتْ عُمْرَتُهُ عَلَى النَّاسِ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب، ولا نعرف لمُخَوَّشٍ الْكُفَيْيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ.

ترجمہ: محرش کعبی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہجرانہ سے رات میں عمرہ کا احرام باندھ کر نکلے اور مکہ میں رات میں داخل ہوئے اور عمرہ کے ارکان ادا کئے، پھر مکہ سے رات ہی میں نکلے اور ہجرانہ میں اس طرح صبح کی کہ گویا آپؐ نے یہیں رات گزاری ہے، پھر جب اگلے دن سورج ڈھلا تو آپؐ سرف کے بیچ میں سے جو راستہ جاتا ہے اس پر چلے یہاں تک کہ روز پر آگئے یعنی ہائے دے پر آگئے جو مقام سرف کے بیچ سے گذرتا ہے۔ پس اسی وجہ سے آپؐ کا یہ عمرہ لوگوں پر مخفی رہ گیا۔ — محرش الکعبی قلیل الروایہ صحابی ہیں، ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

باب ماجاء فی عُمْرَةِ رَجَبٍ

رجب میں آپؐ نے عمرہ نہیں کیا

نبی ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں اور چاروں حقیقتاً یا حکماً ذوالقعدہ میں کئے ہیں، رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا، مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایسا یاد رہ گیا کہ آپؐ نے ایک عمرہ رجب میں بھی کیا ہے اس لئے انھوں نے طلبہ کے سامنے یہی بات بیان کی، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے فرمایا: اللہ ابو عبد الرحمن (یہ ابن عمر کی کنیت ہے) کو معاف فرمائیں! رسول اللہ ﷺ نے جتنے عمرے کئے ہیں سب میں ابن عمرؓ آپؐ کے ساتھ تھے، مگر آپؐ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا (ابن عمرؓ یہ سن کر خاموش رہے، ان کو اپنے تسامح کا احساس ہو گیا)

[۹۱] باب ماجاء فی عمرۃ رجب

[۹۲۳] - حدثنا أبو کثیر، نا یحییٰ بن آدم، عن ابی بکر بن عیاض، عن الأعمش، عن حبيب بن أبي ثابت، عن عروۃ، قال: سئل ابن عمر فی أی شهر اعتمر رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ فقال فی رجب، قال: فقلت عائشة: ما اعتمر رسول الله صلی الله علیه وسلم إلا وهو معه، فعنی ابن عمر، وما اعتمر فی شهر رجب قط.

قال أبو عیسی: هذا حدیث غریب، سمعت محمداً یقول: حبيب بن أبي ثابت لم یسمع من عروۃ بن الزبیر.

[۹۲۴] - حدثنا أحمد بن منیع، نا الحسن بن موسى، نا شیبان، عن منصور، عن مجاهد، عن ابن عمر: أن النبی صلی الله علیه وسلم اعتمر أربعاً إحداهن فی رجب. قال أبو عیسی: هذا حدیث غریب حسن صحیح.

ترجمہ: ابن عمر سے پوچھا گیا: رسول اللہ ﷺ نے کس مہینے میں عمرہ کیا؟ آپ نے فرمایا: رجب میں، عروہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے کوئی عمرہ نہیں کیا مگر ابن عمر آپ کے ساتھ تھے اور آپ نے ماہ رجب میں کبھی عمرہ نہیں کیا۔ اس حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ حبیب بن ابی ثابت کا حضرت عروہ سے سماع نہیں۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کئے ان میں سے ایک عمرہ رجب میں کیا ہے (یہی وہ روایت ہے جس پر حضرت عائشہ نے نقد کیا ہے)

باب ماجاء فی عمرۃ ذی القعدة

ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا بیان

نبی ﷺ نے چاروں عمرے ذی قعدہ میں کئے ہیں، حدیبیہ کے سال بھی ذی قعدہ میں عمرہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، مگر مشرکین نے جانے نہیں دیا، پس یہ ایک عمرہ ہوا۔ پھر آئندہ سال ذی قعدہ میں اس کی قضا کی، اور حرانہ سے جو عمرہ کیا تھا وہ بھی ذی قعدہ میں کیا تھا اور حج کے ساتھ جو عمرہ کیا تھا اس کا احرام بھی ذی قعدہ میں باندھا تھا۔

[۹۲] باب ماجاء فی عمرۃ ذی القعدة

[۹۲۵] - حدثنا القاسم بن محمد النوری، نا إسحاق بن منصور السلولی، عن إسماعیل،

عن أبی إسحاق، عن النبأ: أن النبى صلی الله علیه وسلم اغتَمَرَ فی ذی القعدة.
قال أبو عوسی: هذا حدیث حسن صحیح.

باب ماجاء فی عُمرة رَمَضَانَ

رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت

آنحضرت ﷺ نے رمضان میں کوئی عمرہ نہیں کیا، البتہ رمضان میں عمرہ کی فضیلت بیان کی ہے کہ وہ حج کے برابر ہے، یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ جب رمضان کے عمرہ کی یہ فضیلت ہے تو آپ نے رمضان میں عمرہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے بعد ایک خاص موقع پر یہ بات فرمائی تھی مگر اس کے بعد آپ کو رمضان نہیں ملا، ربیع الاول میں انتقال ہو گیا، اس لئے آپ نے رمضان میں عمرہ نہیں کیا۔

اور اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک خاتون ام معقل رضی اللہ عنہا ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا اور آپ کے ساتھ حج کرنے کی ان کی بڑی آرزو تھی، چنانچہ انھوں نے اونٹ وغیرہ خرید کر تیاری کر لی تھی مگر وہ حضور ﷺ کے ساتھ حج میں نہیں جاسکیں، جب آپ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تو وہ ملاقات کے لئے آئیں، آپ نے پوچھا: ام معقل! تم نے توجج کی پوری تیاری کر رکھی تھی، پھر حج میں کیوں نہیں آئیں؟ انھوں نے شکستہ دل سے جواب دیا: یا رسول اللہ! آرزو تو بہت تھی مگر کیا کرتی ابو معقل کو چپک لکل آئی اس لئے دل مسوں کر رہ گئی! آپ نے فرمایا: ”رمضان میں عمرہ کر لینا میرے ساتھ حج کرنے کا ثواب مل جائے گا“

اس حدیث میں سب سے پہلی بات غور طلب یہ ہے کہ یہ فضیلت اس رمضان کے ساتھ خاص تھی یا قیامت تک کے رمضانوں کے لئے ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ فضیلت صرف ام معقل کے لئے ہے یا ہر شخص کے لئے ہے؟ حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت ام معقل ہی کے لئے تھی اور اس مخصوص رمضان کے لئے تھی، لیکن پوری امت متفق ہے کہ یہ فضیلت عام ہے، ام معقل کے ساتھ خاص نہیں، اور اس مخصوص رمضان کے لئے بھی نہیں، ہر رمضان میں عمرہ کرنے کی یہ فضیلت ہے۔ پس جب پوری امت کی رائے یہ ہے تو ہماری بھی رائے یہی ہے، البتہ ایک حدیث میں لفظ معی آیا ہے یعنی رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب نبی ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے ثواب کے برابر ہے، اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ لفظ معی میں اول تو راوی کو شک ہے پھر لفظ معی کو علماء نے عام نہیں کیا، ام معقل کے ساتھ خاص رکھا ہے، کیونکہ انھوں نے آپ کے ساتھ حج کی پوری تیاری کر لی تھی، مگر شوہر کی خدمت کے لئے رک گئیں، اس لئے ان کو یہ صلہ ملا۔ چنانچہ علماء بس اتنی بات کہتے ہیں کہ رمضان میں عمرہ کرنے سے حج کا ثواب ملتا ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ حج کرنے کا ثواب ملتا ہے یہ بات کوئی نہیں کہتا۔

فائدہ: عمرہ چھوٹا حج ہے کیونکہ حج میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں: ایک: شعار اللہ کی تعظیم، دوسری: لوگوں کا اجتماعی طور پر اللہ کی رحمت کو طلب کرنا، اور عمرہ میں صرف پہلی بات پائی جاتی ہے اس لئے اس کا درجہ حج سے کم ہے، مگر رمضان کے عمرہ میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں، رمضان میں نیکو کاروں کے انوار ایک دوسرے پر پڑتے ہیں اور روحانیت کا نزول ہوتا ہے اور اب تو رمضان کے عمرہ میں حج جیسا منظر ہوتا ہے، لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے اس لئے رمضان کے عمرہ کو جو حج کے برابر گردانا گیا ہے وہ خوب سمجھ میں آ جاتا ہے۔

[۹۲] باب ماجاء فی عمرۃ رمضان

[۹۲۶-] حدثنا نصر بن علی، نا أبو أحمد الزبیری، حدثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن الأُمَوِیِّ بن یزید، عن ابنِ أمِّ مَعْقِلٍ، عن أمِّ مَعْقِلٍ، عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "عُمْرَةٌ فِی رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً"

وفی الباب: عن ابنِ عباس، وجابر، وأبی ہریرۃ، والنس، وَوَهَب بنِ خَنْبَشٍ، قال أبو عیسی: وَیَقَالُ هَرَمُ بنِ خَنْبَشٍ: قال بیان وجابر عن الشَّعْبِیِّ: عن وَهَب بنِ خَنْبَشٍ، وَقَالَ دَاوُدُ الْأَوْدِیُّ، عن الشَّعْبِیِّ: عن هَرَم بنِ خَنْبَشٍ، وَوَهَب أَصَحُّ: وَحَدِثُ أمِّ مَعْقِلٍ حَدِثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

وقال أحمد وإسحاق: قد ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أن عُمْرَةً فِی رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً، قال إسحاق: معنی هذا الحديث مثل ما رَوَى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ قَرَأَ لَيْلٌ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فَقَدْ قَرَأَ ثَلَاثَ الْقُرْآنِ"

ترجمہ: باب میں جن صحابہ کی حدیثوں کا حوالہ ہے ان میں ایک صحابی وہب بن خنوش ہیں، ان کے نام میں اختلاف ہے، بیان بن بشر اور جابر بھی: وہب بن خنوش کہتے ہیں اور داؤد اودی: ہرم بن خنوش کہتے ہیں۔ صحیح نام وہب ہے (ہرم نہیں) — امام احمد اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے، اسحاق کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب ایسا ہی ہے جیسا سورۃ اخلاص کی فضیلت میں مروی حدیث کا ہے، آپؐ نے فرمایا: جس نے سورۃ اخلاص پڑھی اس نے تہائی قرآن پڑھا (یعنی سورۃ اخلاص پڑھنے سے تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، مذکورہ حدیث بھی اسی انداز پر ہے، یعنی رمضان میں عمرہ کرنے کا فضلی (انعامی) ثواب حج کے اصلی ثواب کے برابر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حج کی ضرورت نہیں، اس کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے اس لئے کہ حج کا اصلی اور فضلی ثواب بے حساب ہے۔ تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۵۲ میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُهْلُ بِالْحَجِّ فَيُكْسَرُ أَوْ يَغْرُجُ

جو شخص حج کا احرام باندھے پھر اس کی ہدی ٹوٹ جائے یا نلکڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

کسی شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا، پھر کوئی حادثہ پیش آیا اور نلکڑا ہو گیا یا ایک سیڈنٹ ہو اور ہڈیاں ٹوٹ گئیں، یا کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گیا یا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے جیل میں چلا گیا یا سب مال و اسباب چوری ہو گیا اور سفر کے اسباب نہ رہے یا دشمن نے روک دیا تو ان سب صورتوں میں احناف کے نزدیک احصار متحقق ہوگا۔ اور ائمہ خلافت کے نزدیک احصار صرف دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے دیگر اعذار کی وجہ سے احصار متحقق نہیں ہوتا۔

اور احصار میں ائمہ خلافت کے نزدیک: جہاں احصار ہوا ہے محض وہ ہیں قربانی کر کے اور سرمٹا کر احرام کھول دے گا، اور اس پر اس حج یا عمرہ کی قضاء واجب نہیں، اور چونکہ ائمہ خلافت کے نزدیک دشمن کے علاوہ اعذار کی صورت میں احصار متحقق نہیں ہوتا اس لئے ان اعذار کی صورت میں اُسے بہر حال مکہ پہنچنا ہوگا، پھر عمرے کا احرام تو ارکانِ عمرہ ادا کرنے سے کھلتا ہے اور حج کا احرام ارکانِ حج ادا کرنے سے بھی کھلتا ہے اور حج کے دن گزر چکے ہوں تو عمرہ کے افعال کرنے سے بھی کھل جائے گا۔ اور اس حج کی قضاء واجب ہوگی، اس کے علاوہ ان کے نزدیک احرام سے نکلنے کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

اور احناف کے نزدیک: ہر عذر سے احصار متحقق ہوتا ہے اور احرام ختم کرنے کے لئے ہدی (قربانی) حرم میں بھیجی ضروری ہے، جب وہاں ہدی ذبح ہوگئی تو احرام کھل گیا، اور اس حج یا عمرہ کی قضاء واجب ہوگی، اور احرام کھولنے کے لئے سرمٹا نا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ائمہ خلافت کی طرح باقاعدہ سرمٹا کر احرام کھولنا ضروری ہے، اور طرفین کے نزدیک جب حرم میں ہدی ذبح ہوگئی تو خود بخود احرام کھل گیا، سرمٹا لانے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں تین دلائل ہیں جن پر مسائل کا مدار ہے: ایک قرآن کریم کی آیت ہے، دوسرا نبی ﷺ کا واقعہ ہے اور تیسری حدیثِ باب ہے، جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اگرچہ ہمارے نسخوں میں صرف حسن ہے مگر مصری نسخہ میں صحیح بھی ہے۔

واقعہ اور آیت: سن ۶ ہجری میں نبی ﷺ نے ایک خواب دیکھا جس کا تذکرہ سورۃ الفتح (آیت ۲۷) میں ہے کہ آپ صبح اصحاب مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور سب نے باطمینان عمرہ ادا کیا، اس خواب کی وجہ سے (نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) آپ کا اور اصحاب کا اشتیاق بڑھ گیا، چنانچہ آپ ۱۵۰۰ صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، خیال رہے کہ کعبہ شریف سب کی مشترک عبادت گاہ تھی، وہاں حج یا عمرے کے لئے آنے والوں کو روکنے کا کسی کو حق نہیں

تھا، مگر جب یہ قافلہ حدیبیہ پہنچا تو اطلاع ملی کہ مکہ والوں کا ارادہ ٹھیک نہیں، وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چنانچہ آپ حدیبیہ میں رک گئے، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، عمرہ کرنے آئے ہیں، پھر مکہ سے یکے بعد دیگرے کئی وفد آئے بالآخر صلح ہو گئی کہ آپ اور صحابہ امسال واپس جائیں، اس موقع پر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ نازل ہوئی: ﴿وَأَبِئُوا الْحَاجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ، فَإِنْ أُخْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَسْمَرَ مِنَ الْهَاجِزِ، وَلَا تَحْلِفُوا رُؤُسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَاجِزُ مَبْلَغَهُ﴾ ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے، پس اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر قربانی ہے جو تمہیں سہولت میسر آئے، اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اس کی جگہ پہنچ جائے۔ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانیاں کر کے احرام کھول دو، مگر صحابہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا، انہیں اب بھی امید تھی کہ عمرہ کریں گے آپ کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا، اس لئے انھوں نے قربانیاں نہیں کیں، آپ خیمہ میں تشریف لے گئے اس سفر میں ام سلمہؓ ساتھ تھیں، آپ نے ان سے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا: ”تیرے باپ کی قوم میری بات نہیں مانتی!“ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہے لوگ غلط ہیں، پس آپ کسی سے کچھ نہ کہیں، اپنی قربانی ذبح کر کے سرمندہ کر احرام کھول دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا، جب آپ کا احرام کھل گیا تو صحابہ کی امید پر پانی پھر گیا، انھوں نے بھی قربانیاں کر کے احرام کھول دیئے۔

حدیث شواب: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا (تو اس کا احرام کھل گیا، اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے۔

ائمہ ثلاثہ: نے شان نزول والے واقعہ کو اصل قرار دیا اور فرمایا کہ اس واقعہ میں احصار دشمن کی طرف سے تھا اور نبی ﷺ نے اور سب صحابہ نے حدیبیہ ہی میں قربانیاں کی تھیں، حرم میں قربانیاں روانہ نہیں کی تھیں اور سرمندہ کر احرام کھولا تھا، اس لئے احصار صرف دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے اور جہاں احصار ہو وہیں قربانی کر کے احرام کھولا جائے گا اور باقاعدہ سرمندہ اتنا ضروری ہے، اور دیگر اعذار شان نزول والے واقعہ کے درجہ کے نہیں ہیں، اس لئے ان سے احصار نہیں ہوگا، جیسے ایک صحابی نے رمضان میں بیوی سے محبت کر کے روزہ توڑ دیا تھا اور آپ نے قضا اور کفارہ کا حکم دیا تھا، پس جو محبت کر کے روزہ توڑے اس پر تو بالاجماع قضا اور کفارہ واجب ہونگے اور جو کھاپی کر روزہ توڑے اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ چھوٹے دو اماموں کے نزدیک اس میں کفارہ واجب نہیں، وہ

(۱) جانتا چاہئے کہ فعل لازم کا بھی کبھی مجہول آتا ہے اور یہ قاعدہ کہ فعل لازم کا مجہول اور مفعول نہیں آتے یہ اکثری قاعدہ ہے، بلکہ مفعول تو بر فعل کا ہوتا ہے خواہ فعل لازم ہو یا متعدی، پس اتنا فرق ہے کہ فعل متعدی کے فاعل و مفعول الگ الگ ہوتے ہیں اور فعل لازم کا جو فاعل ہوتا ہے وہی مفعول بھی ہوتا ہے جیسے: مجلس زینہ: اس میں فعل جلوس خود پید پر واقع ہوا ہے اور اجلس عموماً میں جلوس عمرو پر واقع ہوا ہے ۱۲

فرماتے ہیں کہ اکل و شرب: جراح کے معنی میں نہیں، جراح میں بہت زیادہ مزہ ہے، اکل و شرب میں وہ مزہ نہیں، پس یہ دونوں جراح کے درجہ میں نہیں، اسی طرح دشمن کی طرف سے جو احصار ہوتا ہے اس کی نوعیت الگ ہے اور دیگر اعذار کی وجہ سے جو احصار ہوتا ہے اس کی نوعیت الگ ہے پس ان کا حکم بھی الگ ہے۔ اور باب کی حدیث سے انھوں نے صرف نظر کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل: حدیث اشتراط ہے جو اگلے باب میں آ رہی ہے، وہ کہتے ہیں: اگر احصار ہر عذر سے ہوتا ہے تو اشتراط کی کیا ضرورت ہے؟

اور حنفیہ کہتے ہیں: جو احصار دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے اس کے لئے لفظ حَصْر (مجرد) آتا ہے اور جو احصار دیگر موانع سے ہوتا ہے اس کے لئے باب افعال سے احصار آتا ہے، اکثر اہل لغت نے یہی فرق لکھا ہے اور آیت میں اُحْصُوا نَمَ (باب افعال) سے ہے جبکہ حدیبیہ میں دشمن کی طرف سے احصار ہوا تھا، یعنی آیت میں دیگر موانع سے احصار کا ذکر ہے۔ اور آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے احرام کھول دیا تھا، کیونکہ آیت کا حکم احصار کی اقوی صورت کو بھی شامل ہے جیسے: ﴿وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اف﴾ سے ضرب و شتم اور ہر طرح کی ایذا رسانی کی حرمت دلالت الہیہ سے ثابت ہوتی ہے، اسی طرح دلالت الہیہ سے دشمن کے احصار کا حکم بھی آیت سے معلوم ہو گیا پس آیت اور واقعہ کے مجموعہ سے ثابت ہوا کہ احصار ہر صورت میں ہوتا ہے۔ اور دوسری دلیل باب کی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کے علاوہ دیگر اعذار کی وجہ سے بھی احصار ہوتا ہے۔

اور حنفیہ جو کہتے ہیں کہ قربانی حرم میں ذبح کرنی ضروری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت پاک میں دو مرتبہ لفظ ہدی آیا ہے اور ہدی کی تعریف ہے: مَا يُهْدَى إِلَى الْحَوْمِ: وہ جانور جو حرم میں ذبح کیا جائے، اور ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَا تَحْلِفُوا رُؤُسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ یعنی جب تک ہدی اس کی جگہ میں نہ پہنچ جائے ممنوعات احرام سے بچو، محلہ سے حرم مراد ہے، پس ثابت ہوا کہ قربانی حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، جہاں احصار پیش آیا ہے وہاں جانور ذبح کرنا جائز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حل میں ہے اور ایک حصہ حرم میں، آپ کا قائلہ تو حل میں رکھا مگر قربانیاں حرم میں کی گئی تھیں۔

اور ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک احصار کی صورت میں سرمنڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے اور طرفین کے نزدیک قربانی ذبح ہوتے ہی خود بخود احرام کھل جائے گا سرمنڈا کر احرام کھولنا ضروری نہیں، اس مسئلہ میں جمہور کی دو دلیلیں ہیں: اول: حدیبیہ میں نبی ﷺ نے اور صحابہ نے باقاعدہ سرمنڈا کر احرام کھولا تھا۔ دوم: آیت پاک: ﴿وَلَا تَحْلِفُوا رُؤُسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ہدی ذبح ہونے کے بعد سرمنڈاؤ، اور طرفین فرماتے ہیں: اول تو مفہوم مخالف معتبر نہیں، ثانیاً آیت میں احرام کھولنے کا بیان نہیں ہے بلکہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب تک حرم میں قربانی ذبح نہ ہو جائے ممنوعات احرام کا ارتکاب نہ کرو، کیونکہ آیت منفی ہے، اگر احرام کھولنے کا

طریقہ بیان کرنا مقصود ہوتا تو آیت مثبت ہوتی: واحلقوا رؤسکم اذا بلغ الہدی محلہ فرمایا جاتا یعنی جب قربانی اس کی جگہ پہنچ جائے تو سر منڈاؤ مگر آیت منہی ہے یعنی اس میں احرام کھولنے کا طریقہ بیان نہیں کیا گیا بلکہ قربانی ذبح ہونے تک ممنوعات احرام سے بچنے کا حکم ہے، اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ کے مشورہ پر سر منڈایا تھا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا احرام کھل گیا، تاکہ آپ کی اتباع میں سب احرام کھول دیں، غرض آپ نے علامت کے طور پر سر منڈایا تھا اور صحابہ نے آپ کی اتباع میں سر منڈایا تھا، احرام کھولنے کے لئے سر نہیں منڈایا تھا، وہ تو خود بخود کھل گیا تھا۔

اور عصر پر حج یا عمرہ کی قضا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضا واجب نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک قضا واجب ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ آپ نے عمرہ حدیبیہ کی قضا کی تھی، چنانچہ آپ نے اگلے سال جو عمرہ کیا تھا اس کا ایک نام عمرۃ القضاء بھی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا نام صرف عمرۃ القضیہ ہے یعنی باہمی معاہدہ کے مطابق آپ نے اگلے سال عمرہ کیا تھا وہ گذشتہ عمرہ کی قضا نہیں تھی، اور احناف کے نزدیک وہ عمرۃ القضیہ بھی تھا اور عمرۃ القضاء بھی۔ اور دوسری دلیل باب کی حدیث ہے، آپ نے فرمایا: ”جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا تو اس کا احرام کھل گیا اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے“

فائدہ: دو راویوں میں جب تابعین کسی سے کوئی حدیث سنتے تھے تو اکابر صحابہ کو وہ حدیث سناتے تھے، حضرت عمرہ نے باب کی حدیث جب حجاج بن عمرو سے سنی تو چونکہ وہ قلیل الروایہ صحابی ہیں اس لئے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کو وہ حدیث سنائی، دونوں نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے، اور عمرہ اور حجاج بن عمرو کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ اس میں یحییٰ بن ابی کثیر کے علاوہ میں اختلاف ہے، حجاج العواف کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے اور معمر اور معاویہ بن سلام: عبد اللہ بن رافع کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے حجاج بن العواف کی توثیق کی ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے معمر اور معاویہ کی حدیث کو جس میں واسطہ ہے اصح قرار دیا ہے، ہمارے نزدیک دونوں سندیں صحیح ہیں اور امام بخاری کے قول کا مطلب یہ ہے کہ واسطہ والی سند مزید فی متصل الاستاد ہے۔

[۹۴] باب ماجاء فی الذی یہل بالحج لیکسر أو یعرج

[۹۲۷-] حدثنا إسحاق بن منصور، نا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، نا حَبَّاجُ الصَّرَافِ، نا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عن عِكْرَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْحَبَّاجُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ كَسَرَ أَوْ عَرَجَ فَلَقَدْ حَلَّ، وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرَى“ فَلَا تَكُوثُ ذَلِكَ لِأَيِّ هَرَبَةٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَا: صَدَقَ. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، نا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ، عن الْحَبَّاجِ جَدِّهِ، قَالَ: وَسَوَّغَتْ

رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوله.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، وهكذا رواه غير واحد عن الحجاج الصواف نحو هذا الحديث، وزوى معمر ومعاوية بن سلام هذا الحديث عن يحيى بن أبي كثير، عن عكرمة، عن عبد الله بن رافع، عن الحجاج بن عمرو، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وحجاج الصواف لم يذكر في حديثه عبد الله بن رافع، وحجاج لقة حافظ عند أهل الحديث، ومنعت محمداً يقول: رواية معمر ومعاوية بن سلام أصح.

حدثنا عبد بن حميد، نا عبد الرزاق، نا معمر، عن يحيى بن أبي كثير، عن عكرمة، عن عبد الله بن رافع، عن الحجاج بن عمرو، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح متعدد حضرات نے حجاج الصواف سے (واسطہ کے بغیر) روایت کیا ہے۔ اور معمر اور معاویہ بن سلام نے اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر سے، انھوں نے عکرمة سے، انھوں نے عبد اللہ بن رافع سے، انھوں نے حجاج بن عمرو سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے اور حجاج الصواف نے اپنی حدیث میں عبد اللہ بن رافع کا ذکر نہیں کیا اور حجاج الصواف محدثین کے نزدیک ثقہ اور حافظ حدیث ہیں۔ اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ معمر اور معاویہ بن سلام کی حدیث اصح ہے، اس کے بعد واسطہ والی حدیث ذکر کی ہے۔

باب ما جاء في الاشتراط في الحج

حج میں شرط لگانے کا بیان

حدیث: حضرت شہداء نبی ﷺ کے پاس آئیں۔ یہ حضرت زبیر بن العوام کی صاحبزادی اور آپ کی پھوپھی زاد بہن ہیں، یہ کمزور دل کی تھیں، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری خواہش آپ کے ساتھ حج کرنے کی ہے لیکن میرا دل دھڑکتا ہے پس کیا میں شرط بدلوں؟ یعنی شرط لگا لوں؟ آپ نے فرمایا: پند لو! کہنے لگیں: یا رسول اللہ! جب میں شرط بدلوں تو کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: اس طرح کہو: اللھم لیکن لی من الارض حیث تحبسنی یعنی تبلیہ میں یہ جملہ بڑھا دو کہ ”میرے احرام کھولنے کی جگہ وہ ہے جہاں آپ مجھے روک دیں“ پھر وہ آپ کے ساتھ حج میں شریک ہوئیں اور حج کر کے بعافیت لوٹ آئیں، یعنی کوئی مانع پیش نہیں آیا۔

اس حدیث کی وجہ سے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: حج اور عمرہ کے احرام میں شرط لگانا جائز ہے، اور اس صورت میں دشمن کے علاوہ دیگر موانع سے بھی احصار ہوگا، خواہ کوئی عذر پیش آئے وہ قربانی کر کے احرام کھول سکتا ہے۔ اب ارکان عمرہ یا ارکان حج ادا کر کے ہی احرام کھولنا ضروری نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ نے احصار کے مسئلہ میں جو

دیگر موانع کو عذر قرار نہیں دیا تو ان کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر دشمن کے علاوہ موانع سے احصار ہوتا ہے تو اشراط کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت شہابہ کو جہاں بھی عذر پیش آتا جانور ذبح کرنے کے احرام کھول دیتیں۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک: اشراط باطل ہے، امام مالک اصل مسئلہ میں تو دو چھوٹے اماموں کے ساتھ ہیں مگر یہاں علیحدہ ہو گئے، وہ فرماتے ہیں: اشراط کی وجہ سے احرام کھولنا جائز نہیں اور ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جو آئندہ باب میں آ رہی ہے، ابن عمرؓ نے شرط بدنے پر نکیر کی ہے اور فرمایا ہے: کیا تمہارے لئے نبی ﷺ کی سنت کافی نہیں؟! یعنی حدیبیہ کے سال آپؐ کو اور صحابہ کو یقین نہیں تھا کہ وہ ضرور عمرہ کریں گے، یہ احتمال تھا کہ کفار مکہ میں داخل نہ ہونے دیں، پھر بھی آپؐ نے اور صحابہ نے احرام میں کوئی شرط نہیں لگائی، اگر اشراط جائز ہوتا تو حدیبیہ کے سال آپؐ کوئی شرط ضرور لگاتے۔

اور حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ حضرت شہابہ کو شرط بدنے کے لئے نبی ﷺ نے نہیں فرمایا بلکہ یہ بات انھوں نے خود کہی ہے اور لیلۃ القدر کی روایات میں امام شافعی کا یہ قول گدرا ہے کہ نبی ﷺ کبھی صحابہ کو ان کے رجحان کے مطابق جواب دیتے تھے، امام شافعیؒ نے فرمایا: جب کوئی نبی ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھتا تو آپؐ اس کا ذہن پڑھتے اور جس طرف اس کا رجحان ہوتا اس رات میں شب قدر تلاش کرنے کا حکم دیتے، یہاں بھی جب حضرت شہابہ نے شرط بدنے کی بات کہی تو آپؐ نے فرمایا: بدلو! آپؐ نے منع نہیں کیا۔

سوال: جب اشراط لا حاصل ہے تو حضور ﷺ نے فعل عبث کی اجازت کیوں دی؟ اور نہ صرف اجازت دی بلکہ طریقہ بھی سکھایا ایسا کیوں کیا؟

جواب: اشراط میں فی الجملہ (کچھ نہ کچھ) فائدہ ہے دل کی دھڑکن رک جائے گی اور ایک گونہ اطمینان حاصل ہو جائے گا، اس لئے آپؐ نے اشراط کی اجازت دی، یعنی اس میں حضرت شہابہ کا ذاتی فائدہ تھا اگرچہ مسئلہ کی رو سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

[۹۵] باب ماجاء فی الاشراط فی الحج

[۹۲۸-] حدثنا زِيَادُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ، نا عَبْدُ بْنُ الْعَوَّامِ، عن هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عن عِكْرَمَةَ، عن ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ ضَبَاعَةَ بِنْتَ الزُّبَيْرِ أَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ أَفَأَشْرَطُ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَتْ: كَيْفَ أَقُولُ؟ قَالَ: قُولِي: تَبَّكَ اللَّهُمَّ تَبَّكَ، مَجْلَى مِنَ الْأَرْضِ حَيْثُ تَحْبِسُنِي.

وفى الباب: عن جَابِرٍ، وَأَسْمَاءَ، وَعائِشَةَ، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدَّثَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَدِيثَ حَسَنٍ صَحِيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرْوَنَ الْإِشْتِرَاطَ فِي الْحَجِّ، وَيَقُولُونَ: إِنْ اشْتَرَطَ فَعَرَضَ لَهُ مَرَضٌ أَوْ عَذْرٌ فَلَهُ أَنْ يَجْلُ وَيَخْرُجَ مِنْ إِحْرَامِهِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَلَمْ يَرَوْا بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ الْإِشْتِرَاطَ فِي الْحَجِّ، وَقَالُوا: إِنْ اشْتَرَطَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ إِحْرَامِهِ، وَيَرْوَنَهُ كَمَنْ لَمْ يَشْتَرَطْ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے وہ حج میں شرط لگانے کو جائز کہتے ہیں، اور کہتے ہیں: اگر شرط لگائی پھر اس کو بیماری یا کوئی اور عذر پیش آیا تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے، اور وہ اپنے احرام سے نکل سکتا ہے۔ اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء حج میں شرط لگانے کو جائز نہیں کہتے، وہ کہتے ہیں: اگر شرط لگائی تو بھی اس کے لئے احرام سے نکلنا جائز نہیں۔ وہ اس کو اس شخص کی طرح قرار دیتے ہیں جس نے شرط نہیں لگائی یعنی ان کے نزدیک اشتراط باطل ہے۔

[۹۶] بَابُ مِنْهُ

[۹۶۹] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ كَانَ يُنْكَرُ الْإِشْتِرَاطَ فِي الْحَجِّ، وَيَقُولُ: أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةُ نَبِيِّكُمْ؟ قَالَ أَبُو عَمِيٍّ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج میں شرط لگانے پر تکبر کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: کیا تمہارے لئے تمہارے نبی ﷺ کی سنت کافی نہیں؟! یعنی نبی ﷺ نے حدیبیہ کے سال احرام باندھتے وقت کوئی شرط نہیں لگائی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِقَاضَةِ

طواف زیارت کے بعد عورت کو حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟

حاجی پر طواف وداغ واجب ہے، مگر حائضہ پر بالاجماع طواف وداغ واجب نہیں، یعنی رواجی کے وقت اگر عورت حالت حیض میں ہو تو طواف کئے بغیر لوٹ سکتی ہے۔

مسئلہ: اگر حاجی نے طواف زیارت کے بعد کوئی بھی نفل طواف کیا ہے پھر وہ طواف وداغ کئے بغیر لوٹ گیا تو وہ نفل طواف طواف وداغ کے قائم مقام بن جائے گا، پس اس پر دم واجب نہیں ہوگا، مگر افضل یہ ہے کہ رخصت ہوتے

وقت طواف وداع کی نیت سے طواف کر کے لوٹے۔

حدیث: منیٰ کے ایام میں نبی ﷺ خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، آپ نے خیال فرمایا کہ شاید انھوں نے طواف زیارت نہیں کیا اس لئے رو رہی ہیں، آپ نے فرمایا: ”کیا صفیہ! ہمیں روک دیں گی؟“ یعنی ان کی وجہ سے پورے قافلہ کو رک جانا پڑے گا؟ دیگر ازواج نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انھوں نے طواف زیارت کر لیا ہے (اس کے بعد ایام شروع ہوئے ہیں، اور وہ طواف وداع نہ کر سکتی پر رو رہی ہیں) آپ نے فرمایا: فلا إذا! پس تب تو نہیں، یعنی اگر وہ طواف زیارت کر چکی ہیں تو قافلہ کو نہیں رکتا پڑے گا، کیونکہ حاکمہ کے ذمہ طواف وداع نہیں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کو وقفہ عرفہ کے بعد ماہواری شروع ہو جائے اور وہ طواف زیارت نہ کر سکی ہو تو اسے رکتا پڑے گا، طواف زیارت کئے بغیر وطن نہیں لوٹ سکتی، اور بالفرض ساتھی نہ رک سکتے ہوں تو وہ اچھی طرح کپڑے باندھ کر اسی حالت میں طواف کر لے اور بد نہ (بڑے جانور) کا دم دے۔ اور یہ محتاج اش صرف فقہ حنفی میں ہے۔

[۹۷] باب ماجاء فی المرأة تحيض بعد الإفاضة

[۹۳۰] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نا اللَّيْثُ، عن عبيد الرحمن بن القاسم، عن أبيه، عن عائشة، قالت: ذُكِرَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُحَيْيٍ حَاضَتْ فِي أَيَّامِ مِنَى، فَقَالَ: ”أَحَابِسْتُنَا هِيَ؟“ قَالُوا: إِنَّهَا قَدْ أَقَامَتْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”فَلَا إِذَا“

ولی الباب: عن ابنِ عمرَ، وابنِ عباسٍ، قال أبو عیسیٰ: حدیث عائشة حدیث حسن صحیح. والعمل علی هذا عند أهل العلم: أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا طَافَتْ طَوَافَ الْإِفَاضَةِ ثُمَّ حَاضَتْ فَلِإِنَّهَا تَنْفِرُ، وَلَيْسَ عَلَيْهَا شَيْءٌ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَاحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

[۹۳۱] - حَدَّثَنَا أَبُو عَمَارٍ، نا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عن عُبيدِ اللَّهِ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عمرَ، قال: مَنْ حَجَّ النَّبَيْتِ فَلْيَكُنْ آخِرَ عَهْدِهِ بِالنَّبَيْتِ، إِلَّا الْحَيْضَ، وَرَخَّصَ لَهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قال أبو عیسیٰ: حدیث ابنِ عمرَ حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند أهل العلم.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے کہ عورت جب طواف زیارت کر لے پھر اسے حیض آجائے تو وہ منیٰ سے سیدھی وطن لوٹ سکتی ہے (النفر: منیٰ سے لوٹنے کے لئے خاص ہے، پھر بارہ تاریخ کو لوٹیں تو النفور الاول ہے اور تیرہ میں لوٹیں تو النفور الثانی ہے) اور اس پر کچھ (دم یا قدیر) واجب نہیں، اور یہ ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول

ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: جو شخص بیت اللہ کا حج کرے، پس چاہے کہ اس کی سب سے آخری ملاقات بیت اللہ سے ہو، یعنی طواف وداع کر کے لوٹے مگر حائضہ مستثنا ہے اس کو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے۔

باب ماجاء ما تقضى الحائض من المناسك

حائضہ کیا کیا ارکان ادا کر سکتی ہے؟

حائضہ حج کا ہر رکن ادا کر سکتی ہے صرف طواف زیارت نہیں کر سکتی اور چونکہ سعی طواف زیارت کے بعد ہوتی ہے اس لئے سعی بھی نہیں کر سکتی۔ خیال رہے کہ سعی آج بھی مسجد سے خارج ہے، پس اگر کسی عورت نے طواف زیارت کر لیا اور سعی نہ کی تو وہ سعی کر سکتی ہے، اور حیض کی حالت میں طواف زیارت جائز نہ ہونے کی وجہ شرح وقایہ میں یہ لکھی ہے کہ طواف کے لئے مسجد میں جانا ہوگا اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی، مگر صحیح وجہ یہ ہے کہ طواف زیارت کے لئے طہارت شرط ہے جو حائضہ کو حاصل نہیں۔

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے ایام چل رہے تھے، پس آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں حج کے تمام ارکان ادا کروں، سوائے بیت اللہ کے طواف کے۔

تشریح: حضرت عائشہؓ مکہ پہنچنے سے پہلے حائضہ ہو گئی تھیں اور یوم الترویہ تک وہ پاک نہیں ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان کو عمرہ توڑ کر حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ وہ حج کے تمام ارکان ادا کریں، البتہ طواف زیارت پاک ہونے کے بعد کریں۔ معلوم ہوا کہ حائضہ تمام ارکان حیض کی حالت میں ادا کرے گی، صرف طواف زیارت کو پاک ہونے تک مؤخر کرے گی۔ اس حدیث کی سند میں جابر بن یزیدؓ مٹھی مشہور کذاب راوی ہے، مگر اس کی تصحیح سند بخاری (حدیث ۱۶۵۰) میں ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: نفاس والی عورت اور حائضہ غسل کریں اور احرام باندھیں اور حج کے تمام ارکان ادا کریں مگر وہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں تا آنکہ وہ پاک ہو جائیں۔ یہ حدیث ضعیف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[۹۸] باب ماجاء ما تقضى الحائض من المناسك؟

[۹۳۶] - حدثنا علي بن حجر، نا شريك، عن جابر، وهو ابن يزيد الجعفي، عن عبد الرحمن بن الأسود، عن أبيه، عن عائشة، قالت: حضت فأمرني النبي صلى الله عليه وسلم أن أقضي المناسك كلها إلا الطواف بالبيت.

قال أبو عیسیٰ: والقَمَلُ علی هذا الحدیث عند أهل العلم أَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِی الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا مَا عَدَلَ الطَّوَافَ بِالنَّيْتِ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ أَيْضًا.

[۹۳۳-] حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَبِي نُبَيْتٍ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ شُعَاعٍ الْجَزَوِيِّ، عَنْ عُصَيْفٍ، عَنْ جُكْرَمَةَ، وَمُجَاهِدٍ، وَعَطَاءٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَفَعَ الْحَدِيثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ النُّفْسَاءَ وَالْحَائِضَ، تَقْضِی وَتُحْرَمُ وَتَقْضِی الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفَ بِالنَّيْتِ حَتَّى تَطْهَرَ"

هذا حدیث حسنٌ غریبٌ من هذا الوجه.

باب ماجاء من حج أو اعتمر فلیکن آخر عہدہ بالیبت

جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات کعبہ شریف سے ہونی چاہئے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ طواف وداع صرف حاجی پر واجب ہے، معتمر پر طواف وداع واجب نہیں، اگرچہ اس کے لئے بھی افضل یہ ہے کہ جب وطن لوٹے تو سب سے آخر میں طواف وداع کرے۔ اور باب میں حارث بن عبد اللہ کی جو حدیث ہے اس میں او اعتمر بھی ہے، اس وجہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب میں او اعتمر بڑھایا ہے یعنی معتمر پر بھی طواف وداع واجب ہے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، اور یہ حدیث حجاج بن ارطاة اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے اور ابوداؤد (حدیث ۲۰۰۳) میں بھی حدیث دوسری سند سے ہے، اس میں عمرہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہاں حدیث مختصر ہے اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ حارث بن عبد اللہ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: اگر عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کی سب سے آخری ملاقات کعبہ شریف سے ہونی چاہئے، یعنی وہ مکہ میں ٹھہری رہے اور پاک ہونے کے بعد طواف وداع کر کے لوٹے، حضرت حارثؓ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے یہ بات پوچھی تھی آپؐ نے بھی یہی جواب دیا تھا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور فرمایا: تو اپنے ہاتھوں کے بل کرے (یہ محاورہ ہے) جب تو نے نبی ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا تو مجھ سے کیوں پوچھا؟ کیا تیرا ارادہ ہے کہ میں نبی ﷺ کے خلاف جواب دوں! — غرض اس واقعہ میں عمرہ کا ذکر نہیں ہے، یہاں اختصار کرنے کی وجہ سے مضمون بدل گیا ہے، اور حالانکہ عورت طواف وداع کے بغیر لوٹ سکتی ہے یہ بات صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جیسا کہ گذشتہ باب میں گذرا۔

[۹۹] باب ماجاء من حج أو اعتمر فلیکن آخر عہدہ بالیبت

[۹۳۴-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْكُوفِيُّ، عَنْ الْمُخَارِبِيِّ، عَنْ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةٍ، عَنْ عَبْدِ

الْمَلِکِ بْنِ مُعِیْرَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْبَلَمَانِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ، عَنْ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ، فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ" لَقَالَ لَهُ عَمْرُو: غَرَرْتُ مِنْ يَدَيْكَ! سَمِعْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ تُخْبِرْنَا بِهِ؟

وفی الباب: عن ابن عباس، قال أبو عیسی: حدیث الحارث بن عبد اللہ بن اوس حدیث غریب، وهكذا روى غیر واحد عن الحجاج بن أرطاة مثل هذا، وقد خولف الحجاج فی بعض الإسناد.

ترجمہ: حارث بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات بیت اللہ سے ہونی چاہئے، پس حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: تو ہاتھوں کے بل گرے! تو نے یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی پھر ہمیں نہیں بتلائی؟ — امام ترمذی کہتے ہیں: اسی طرح متعدد حضرات نے حجاج بن ارطاة سے ایسا ہی روایت کیا ہے اور حجاج کی بعض اسناد میں مخالفت کی گئی ہے (یعنی حجاج کے استاذ عبد الملک کے دیگر تلامذہ کی سند اس سے مختلف ہے اور آخر: اگر مکان کا اسم ہے تو بالبیست خبر ہے اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقَارِنَ يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا

قارن حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کرے

قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے، یا دو طواف اور دو سعی؟ یعنی قرآن میں افعال حج اور افعال عمرہ میں تداخل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اور یہ محرکہ الآراء مسئلہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تداخل ہوتا ہے، پس قارن صرف ایک طواف اور ایک سعی کرے گا۔ یعنی دس ذی الحجہ کو طواف زیارت اور اس کے بعد سعی کرے گا، یہ طواف اور سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں، عمرہ کے لئے الگ سے طواف و سعی کرنے کی حاجت نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک تداخل نہیں ہوتا، پس قارن عمرہ کے لئے طواف و سعی الگ کرے گا اور حج کے لئے الگ، یعنی قارن کے ذمہ دو طواف اور دو سعی ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قارن جب مکہ پہنچے گا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف طواف قدم کرے گا، جو سبت ہے اور اس کے بعد سعی نہیں کرے گا، پھر توفہ عرفہ کے بعد طواف اور سعی کرے گا، یہی حج کا طواف زیارت ہے اور یہی عمرہ کا طواف ہے اور سعی حج کی بھی سعی ہے اور عمرہ کی بھی۔ اور احناف کے نزدیک: قارن مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ کا طواف

وسعی کرے گا، پھر احرام نہیں کھولے گا، پھر طوافِ قدم کرے گا اس کے بعد اگر چاہے توجع کی سعی کر سکتا ہے، اور اگر چاہے توسعی مؤخر بھی کر سکتا ہے، پھر وقوفِ عرفہ کے بعد طوافِ زیارت کرے گا اور اس کے بعد حج کی سعی کرے گا اگر طوافِ قدم کے بعد سعی نہیں کی، اور اگر پہلے طوافِ قدم کے بعد حج کی سعی کر لی ہے تو اب طوافِ زیارت کے بعد سعی نہیں کرے گا۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ ائمہ ثلاثہ کے پاس متعدد دلائل ہیں ان میں سے دو حدیثیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں اور احناف کے پاس بھی متعدد دلائل ہیں مگر وہ امام ترمذی نے پیش نہیں کئے اور دونوں کی حدیثوں میں تھوڑا تھوڑا کلام ہے۔ اور اختلاف کی بنیاد نصِ فقہی کا اختلاف ہے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ نبی ﷺ نے حج کے موقعہ پر تین طواف کئے تھے، ایک طوافِ آپؐ نے مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا تھا، دوسرا طوافِ زیارت کیا تھا اور تیسرا طوافِ وداع کیا تھا، اب اختلاف اس میں ہے کہ پہلا طواف جو آپؐ نے مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا تھا وہ طوافِ قدم تھا یا طوافِ عمرہ؟ ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے کہ وہ طوافِ قدم تھا، چنانچہ فرماتے ہیں: آپؐ نے دس ذی الحجہ کو جو طواف کیا تھا وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے تھا اور اس کے بعد جو سعی کی تھی وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے تھی۔ اور احناف کا خیال ہے کہ پہلا طواف طوافِ عمرہ تھا، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے اس کے بعد سعی بھی کی تھی، جبکہ طوافِ قدم کے بعد سعی نہیں ہے۔ قاضی شام اللہ پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں: بعض صحیح حدیثوں میں آپؐ کا راکبا سعی کرنا مروی ہے اور بعض حدیثوں میں ماشیا اور وہ بھی صحیح ہیں۔ اور رفعِ تعارض کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ کہا جائے: آپؐ نے دو سعیاں کی ہیں۔ ایک راکبا اور ایک ماشیا (تفسیر مظہری: ۲۳۰)

غرض حدیثوں میں ایک طواف اور ایک سعی بھی مروی ہے اور ان میں کلام بھی ہے اور وہ مؤول بھی ہیں۔ اور دو طواف اور دو سعی بھی مروی ہیں اور ان میں بھی کلام ہے مگر ان کی کوئی تاویل ممکن نہیں (تفصیل کے لئے اعلام السنن دیکھیں) حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حج اور عمرہ کو ملایا یعنی قرآن کیا اور دونوں کے لئے ایک طواف کیا۔

تشریح: اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاة مشہور ضعیف راوی ہے۔ اور طوافِ لہما کا جو مطلب ائمہ ثلاثہ لیتے ہیں وہ بھی ہو سکتا ہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے طوافِ عمرہ میں طوافِ قدم کا تذخل کیا یعنی انگ سے طوافِ قدم نہیں کیا، بلکہ طوافِ عمرہ میں طوافِ قدم کی بھی نیت کر لی، جس طرح مسجد میں داخل ہونے والا سنتوں یا فرضوں میں تحیۃ المسجد کی بھی نیت کر سکتا ہے، اور یہ مطلب اس لئے رائج ہے کہ اس صورت میں روایتوں میں تعارض ختم ہو جائے گا۔ غرض حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ حکم الدلالة نہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا اس کے لئے دونوں کی

طرف سے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے، یہاں تک کہ وہ ان دونوں سے ایک ساتھ حلال ہو۔ یعنی قارن دس ذی الحجہ میں جو طواف سعی کرے گا وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہو گئے، اور اس طواف سعی کے بعد دونوں کا ایک ساتھ احرام کھل جائے گا۔

تشریح: یہ حدیث عبدالعزیز بن محمد در اور دی کی عبید اللہ بن عمر عری سے روایت ہے۔ اور وہ صدوق ہیں، مگر عبید اللہ عری کی روایتوں میں اتفاق ضعیف ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث عن عبید اللہ العمری منکر: اس کی عبید اللہ عری سے روایتیں نہایت ضعیف ہوتی ہیں۔ اور حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ دوسروں کی کاہلوں سے حدیثیں نقل کرتے تھے اور غت ربوہ بھی کرتے تھے (تقریباً: ۳۵۸) اور ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا یصح بہ۔ اور ابوزرعة فرماتے ہیں: ہو مستعی المحفظ (میزان: ۲/۶۳۳) اور امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: العروادی عن عبید اللہ لا یصح بہ (طحاوی: ۱۹۷: ۱۹) علاوہ ازیں اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے، عبید اللہ کے دوسرے سب شاگرد اس حدیث کو موقوف بیان کرتے ہیں، یعنی یہ ابن عمر کا فتویٰ ہے، نبی ﷺ کا ارشاد نہیں ہے۔ صرف در اور دی اس کو مرفوع کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث موقوف کو اصح قرار دیا ہے اور مرفوع حدیث کو بھی حسن صحیح کہا ہے، حالانکہ جب موقوف حدیث اصح ہے تو مرفوع حدیث خود بخود در گئی، وہ حسن صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟ مگر چونکہ یہ حدیث امام ترمذی کے اسمہ کی دلیل ہے اس لئے ہزار خرابیوں کے باوجود حسن صحیح ہے!

[۱۰۰] باب ماجاء أن القارن يطوف طوافاً واحداً

[۹۳۵] - حدثنا ابن أبي عمير، نا أبو معاوية، عن الخجاج، عن أبي الزبير، عن جابر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرن الحج والعمرة، فطاف لهما طوافاً واحداً.

وفي الباب: عن ابن عمر، وابن عباس، قال أبو عيسى: حديث جابر حديث حسن.

والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم قالوا: القارن يطوف طوافاً واحداً، وهو قول الشافعي وأحمد وإسحاق.

وقال بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: يطوف طوافين، ويسمى سعيين، وهو قول الثوري وأهل الكوفة.

[۹۳۶] - حدثنا خلاد بن أسلم البغدادي، نا عبد العزيز بن محمد، عن عبید اللہ بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أحرَمَ بالحج والعمرة أجزاءً

طَوَافٌ وَاحِدٌ وَسَعَى وَاحِدٌ مِنْهُمَا، حَتَّى يَجْعَلَ مِنْهُمَا جَمِيعًا“

قال ابو عیسی: هذا حدیث حسنٌ غریبٌ صحیح، تفرد به الذراوردی علی ذلک اللفظ، وقد رواه غیر واحد عن عبید اللہ بن عمرو، ولم یرفعه، وهو أصح.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: قارن ایک طواف کرے گا اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء کہتے ہیں: قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا، اور یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ابن عمر کی حدیث حسن غریب اور صحیح ہے اور اس کو نہ کورہ الفاظ کے ساتھ روایت کرنے میں دراوردی متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کو عبید اللہ بن عمرو سے متعدد حضرات نے روایت کیا ہے اور وہ اس کو مرفوع نہیں کرتے اور وہی اصح ہے۔

باب ماجاء أن مکث المهاجر بمكة بعد الصدر ثلاثاً

مہاجر: منی سے لوٹ کر صرف تین دن مکہ میں قیام کرے

طواف واداع کا دوسرا نام طواف صدر بھی ہے، صدر کے معنی ہیں: حج سے فارغ ہو کر منی سے لوٹا، منی سے لوٹنے کے لئے دو لفظ ہیں: النفر اور الصدر۔ نبی ﷺ نے مہاجرین کو یہ حکم دیا کہ وہ ایام منی کے بعد مکہ میں زیادہ سے زیادہ تین دن ٹھہریں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں، اور یہ حکم خاص ان مہاجرین کے لئے تھا جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی اور وجہ یہ تھی کہ وطن کی محبت فطری چیز ہے کسی نے حدیث گڑھی ہے حب الوطن من الإيمان اس لئے اندیشہ تھا کہ کوئی مکہ میں رک جائے اور اس کی ہجرت باطل ہو جائے۔ اس لئے آپ نے تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے کی ممانعت کر دی، اب ایسا کچھ نہیں، حج کے بعد جتنا چاہے مکہ میں رہ سکتا ہے۔

[۱۰۱] باب ماجاء أن مکث المهاجر بمكة بعد الصدر ثلاثاً

[۹۳۷]— حدثنا أحمد بن منيع، ناسفیان بن عیث، عن عبد الرحمن بن حمید، سمعت السائب بن یزید، عن العلاء بن الحضرمی، یحیی مرفوعاً، قال: ”مکث المهاجر بعد قضاء نسکِهِ بمكة ثلاثاً“ قال ابو عیسی: هذا حدیث حسنٌ صحیح. وقد روى من غیر هذا الوجه بهذا الإسناد مرفوعاً.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: مہاجر ارکان حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن ٹھہرے (زیادہ نہ ٹھہرے) یعنی مرفوعاً یعنی یہ حدیث مرفوع ہے اگرچہ حضرت علماء نے قال رسول اللہ نہیں کہا اور دیگر اسانید سے تو یہ صراحۃً

مرفوع آئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْقُفُولِ مِنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟

حج اور عمرہ سے واپسی میں کیا ذکر کرے؟

جب آدمی حج یا عمرہ کرنے کے لئے جاتا ہے تو تلبیہ پڑھتا ہوا جاتا ہے اور دیگر اذکار بھی کرتا ہے، مگر واپسی میں گھر کی محبت اور بیوی بچوں سے ملاقات کا شوق غالب آ جاتا ہے اور ذکر سے غافل کر دیتا ہے، حالانکہ اللہ کے ذکر سے غفلت محرومی ہے۔ نبی ﷺ جب سفر میں جاتے تھے تو بھی ذکر کرتے تھے اور جب واپس لوٹتے تھے تب بھی ذکر کرتے تھے۔ ابن عمر فرماتے ہیں: جب آپ غزوہ سے یا حج سے یا عمرہ سے واپس لوٹتے اور زمین کے کسی تودے پر چڑھتے یا کسی بھی بلند جگہ پر چڑھتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر فرماتے: ترجمہ: کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں، سوائے اللہ کے، جو یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے فرمانروائی ہے اور وہی تعریفوں کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اب ہم واپس لوٹ رہے ہیں اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرنے والے ہیں اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رب کے لئے سیر و سیاحت کرنے والے ہیں، اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی (نبی ﷺ مراد ہیں) مدد فرمائی، اور جنہوں کو (غزوہ خندق کے جتنے مراد ہیں) تنہا شکست دی۔

[۱۰۲] بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْقُفُولِ مِنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟

[۹۳۸-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خُنَيْرٍ، نا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبرَاهِيمَ، عن أَيُّوبَ، عن نَافِعٍ، عن ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوَةٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ قَعَلًا فَلَقْدًا مِنَ الْأَرْضِ أَوْ خَرَفًا: تَكْبِيرٌ فَلَا تُمْ قَالَ: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آمِينَ" تَابِعُونَ عَابِدُونَ سَابِقُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللَّهُ وَعْدُهُ، وَلَنَصْرَ عَبْدُهُ، وَهَزَمَ الْأَخْزَابَ وَحْدَهُ" وَفِي الْبَابِ: عن البراء، والنس، وجابر، قال أبو حمزة: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَحْرَمِ يَمُوتُ فِي إِحْرَامِهِ

جس کا حالت احرام میں انتقال ہو اس کی تجہیز و تکفین کا طریقہ

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جس کا حالت احرام میں انتقال ہو اس کا مرنے کے بعد بھی احرام باقی

رہتا ہے، پس اس کی تجمیر و تکفین میں احرام کی رعایت کی جائے گی، یعنی اس کا سر اور چہرہ کھلا رکھیں گے اور اسے خوشبو نہیں لگائیں گے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک موت کے بعد احرام ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے: اذا مات الإنسان القطع عنہ عملہ یعنی موت پر اعمال ختم ہو جاتے ہیں پس محرم کی تجمیر و تکفین عام اموات کی طرح کی جائے گی۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے اونٹ سے گر گیا تھا اور اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس کا انتقال ہو گیا تھا، دراصل ایک وہ محرم تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو بیری کے پتوں کے پانی سے نہلاؤ اور اس کو اسی کے دونوں کپڑوں میں کفن دو اور اس کے سر کو (ابوداؤد میں ہے: اور چہرے کو) مت ڈھانکو، پس بیٹک یہ قیامت کے دن تبلیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا۔

تشریح: یہ حدیث چھوٹے دو اماموں کا مستدل ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اس میت کا سر اور چہرہ ڈھانکنے سے منع فرمایا۔ معلوم ہوا اس کا احرام باقی ہے، پس اس کی تجمیر و تکفین میں احرام کی رعایت کی جائے گی۔ اور بڑے دو اماموں کی دلیل ابن عمر کا واقعہ ہے ان کے صاحبزادے واقعہ کا بحالت احرام انتقال ہوا، ابن عمر نے عام اموات کی طرح ان کو کفن پہنایا، یعنی ان کے سر اور چہرہ کو چھپایا اور فرمایا: ہم تجھے خوشبو بھی لگاتے مگر ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم احرام میں ہیں، خوشبو کو ہاتھ نہیں لگا سکتے (سوطا مالک میں: ۱۲۶)۔

اور باب کی حدیث میں بھی اشارہ ہے کہ موت کے بعد احرام ختم ہو گیا تھا، چنانچہ آپ نے بیری کے پتوں سے نہلانے کا حکم دیا جو بمنزلہ صابن ہے اور احرام میں صابن اور اس کے مانند چیزیں استعمال نہیں کر سکتے، اور آپ نے اس میت کا سر اور چہرہ ڈھانکنے سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ اسے اس کی احرام کی چادروں میں کفن دیا گیا تھا اس کے پاس زائد کپڑے نہیں تھے۔ اور احرام کی چادریں عام طور پر اتنی بڑی نہیں ہوتیں کہ سارا جسم ڈھک جائے، اس لئے آپ نے چہرہ اور سر کھلا رکھنے کے لئے فرمایا، کیونکہ ان کی موت بے سرو سامانی، غریب الوطنی اور لا چاری کی حالت میں ہوئی تھی، جس کا ان کو صلہ ملا کہ وہ قیامت کے دن تبلیہ پڑھتے ہوئے انھیں گے۔ جیسے احادیث میں پچاس سے زائد لوگوں کو شہید کہا گیا ہے، ان کو یہ فضیلت ان کی لا چاری اور حاذقائی موت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

فائدہ: اصل ضابطہ ایسی صورت میں یہ ہے کہ سر ڈھانکا جائے گا اور پیروں کو کسی چیز سے چھپایا جائے گا، جیسے حضرت حمزہ کے ساتھ کیا گیا تھا، مگر خلاف ضابطہ اس میت کا سر کھلا رکھا گیا، یہ اس کے احرام کی برکت تھی، جیسے اصل ضابطہ یہ ہے کہ شہداء کو دفن کیا جائے، مگر آپ نے حضرت حمزہ کو ویسے ہی چھوڑ دینے کا ارادہ فرمایا تھا، یہ خلاف ضابطہ بات تھی، اور اگر آپ ایسا کرتے تو وہ حضرت حمزہ کی شہادت کی اہمیت کی بناء پر ہوتا۔

[۱۰۳] باب ماجاء فی المحرم یموت فی إحرامه

[۹۳۹-] حدثنا ابنُ أبی عمَرَ، نا سُفیانُ بنُ عُیینةَ، عن عمرو بنِ دینارٍ، عن سعیدِ بنِ جبیرٍ، عن ابنِ عباسٍ، قال: کُنّا معَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرٍ، فرأى رجلاً سقطَ عن بعیرِهِ، فَوَقَصَ لَمَاتٍ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فقال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اغسلوه بِماءٍ وِسْدِرٍ، وَکَفَنُوهُ فی ثَوْبِهِ، وَلَا تُحْمَرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ یُعْثُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِهَلْ أُرِ: یَلْسَى"

قال ابو عیسی: هذا حدیث حسنٌ صحیح. وهو قولُ سُفیان الثَّوْرِیِّ وَالشَّافِعِیِّ وَاحْمَدُ وَإِسْحاقُ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا مَاتَ الْمُحْرِمُ انْقَطَعَ إِحْرَامُهُ، وَیُصْنَعُ بِهِ مَا یُصْنَعُ بِغَیْرِ الْمُحْرِمِ.

ترجمہ: بعض علماء کہتے ہیں: جب محرم کا انتقال ہو جائے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ کیا جا۔
گا جیسا غیر محرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

باب ماجاء أَنَّ الْمُحْرِمَ یَشْتَكِي عَيْنَهُ فَيَضْمُهَا بِالصَّبْرِ

اگر محرم کی آنکھیں دکھیں تو وہ ایلوے کا لپ کرے

صبر کے معنی ہیں: ایلو: ایک کڑوا پودا اور اس کا عرق، جب آنکھیں دکھتی ہیں تو ایلوے کا لپ کرتے ہیں، محرم کے لئے یہ لپ کرنا بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہوتی، اور لپ کرنے سے جو چہرہ چھپتا ہے اس کو عرف میں چہرہ چھپانا نہیں کہتے جیسے حائضہ اگر باہر کھڑی ہو کر مسجد میں سے کوئی چیز لپے تو جائز ہے، کیونکہ عرف میں اس کو مسجد میں داخل ہونا نہیں کہتے۔ اسی طرح آنکھوں کے ارد گرد ایلوے کا لپ کرنا چہرے کو چھپانا نہیں ہے اس لئے جائز ہے، اور یہی حکم دوسری دواؤں کا ہے۔ البتہ اگر دوا میں خوشبو ہو تو اس کو نہیں لگا سکتے، کیونکہ محرم کے لئے خوشبو ممنوع ہے اور کس میں میرے نزدیک بدبو ہے محرم اسے لگا سکتا ہے۔

[۱۰۴] باب ماجاء أَنَّ الْمُحْرِمَ یَشْتَكِي عَيْنَهُ فَيَضْمُهَا بِالصَّبْرِ

[۹۴۰-] حدثنا ابنُ أبی عمَرَ، نا سُفیانُ بنُ عُیینةَ، عن أيُّوبَ بنِ مُوسَى، عن نُبَیْہِ بنِ وَهَبٍ: أَنَّ عُمَرَ بنَ عَبیدِ اللہ بنِ مَعْمَرٍ اشْتَكَى عَيْنَهُ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَسَأَلَ أَبَاكَ بنَ عُثْمَانَ، فَقَالَ: اضْمِمْهَا بِالصَّبْرِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ عُثْمَانَ بنَ عَفَّانٍ یَذْكُرُهُ عن رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یقول: "اضْمِمْهَا بِالصَّبْرِ"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون بأساً أن يتداوى المَحْرُومُ بدواءٍ مَالَمْ يَكُنْ فِيهِ طِبٌّ.

ترجمہ: نبیہ کہتے ہیں: عمر بن عبد اللہ کی آنکھیں دکھنے آئیں، جبکہ وہ محرم تھے، انھوں نے ابان بن عثمان سے مسئلہ پوچھا: (وہ امیر المومنین تھے) انھوں نے فرمایا: ”آنکھوں پر ایلوے کا لپ کرؤ“ بیشک میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ”محرم آنکھوں پر ایلوے کا لپ کرنے“ — اس پر علماء کا عمل ہے وہ اس بات میں کچھ حرج نہیں سمجھتے کہ آدمی ایسی دوا کے ذریعہ علاج کرے جس میں خوشبود ہو۔

باب ماجاء فی المَحْرُومِ یَخْلُقُ رَأْسَهُ فِی إِحْرَامِهِ مَا عَلَیْهِ؟

محرم اگر عذر کی وجہ سے سرمندانے تو کیا حکم ہے؟

حدیبیہ کے میدان میں نبی ﷺ حضرت کعب بن عجرہ کے پاس سے گذرے، وہ ہانڈی پکار رہے تھے، آپؐ نے دیکھا: ان کے سر سے جوئیں جھڑ رہی ہیں، آپؐ نے پوچھا: ”کیا تمہیں یہ کیڑے پریشان کرتے ہیں؟“ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! بہت پریشان کرتے ہیں! پس آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۶) ترجمہ: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ سرمندانے کر اس کا فدیہ دیدے: روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے ان سے فرمایا: سرمندانے دو اور فدیہ دیدو، کیونکہ جب تک سر نہیں منڈائے گا بالوں کی جڑوں میں سے میل ختم نہیں ہوگا اور جوؤں کی پیدائش بند نہیں ہوگی — اور فدیہ تین چیزیں ہیں: تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا جانور ذبح کرے، تینوں میں سے جو چاہے کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرے تو اس پر فدیہ واجب ہے اور فدیہ یہی ہے: تین روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھانا، یا قربانی کرنا۔ آدمی کو تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے، اور بغیر عذر کے ممنوعات احرام کا ارتکاب کرے تو دم واجب ہوگا۔ اب روزے رکھنے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کام نہیں چلے گا، قربانی ہی کرنی ہوگی۔

[۱۰۵] باب ماجاء فی المَحْرُومِ یَخْلُقُ رَأْسَهُ فِی إِحْرَامِهِ مَا عَلَیْهِ؟

[۹۴۱] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، وَابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، وَحَمِيدُ الْأَعْرَجِ،

وَعَبْدُ الْكَرِيمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

علیه وسلم مَرَّ بِهِ وَهُوَ بِالْحَدِيثِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَهُوَ يُوقِفُ تَحْتَ قِنَرٍ، وَالْقِنَرُ يَنْهَافُ عَلَى وَجْهِهِ، فَقَالَ: "أَتُوذْنُكَ هَؤُلَاءِ هَذِهِ؟" فَقَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ "أَخْلَقُ، وَأُطْعِمُ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةٍ مَسَاكِينَ" وَالْفَرَقُ: ثَلَاثَةُ أَصْعٍ "أَوْ صُمُّ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ انْسُلُكَ نَسِيكَةً" قَالَ ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ: "أَوْ أَذْبَحَ شَاةً"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم أن المَحْرَمَ إِذَا خَلَقَ أَوْ لَبَسَ مِنَ الثِّيَابِ مَا لَا يَنْتَهِي لَهُ أَنْ يَلْبَسَ فِيهِ إِحْرَامَهُ أَوْ تَطَلَّبَ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ بِمِثْلِ مَا رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے در انحالیکہ وہ حدیبیہ میں تھے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اور وہ محرم تھے اور وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں، آپؐ نے پوچھا: کیا آپ کو یہ کیڑے ستاتے ہیں، انھوں نے کہا: ہاں، پس آپؐ نے فرمایا: سر منڈا دو اور ایک فرق چھ مسکینوں کو کھلاؤ اور ایک فرق: تین صاع کا ہوتا ہے، یا تین دن کے روزے رکھو یا کوئی قربانی کرو، ابن جریج کے الفاظ ہیں: اذبح شاة یعنی بکری ذبح کرو۔ اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے کہ محرم جب سر منڈائے یا ایسے کیڑے پہنے جن کو احرام کی حالت میں پہننا جائز نہیں یا خوشبو لگائے تو اس پر کفارہ (فدیہ) واجب ہے اس کے مانند جو نبی ﷺ سے مروی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلرُّعَاةِ أَنْ يُرْمُوا يَوْمًا وَيَدْعُوا يَوْمًا

چرواہوں کے لئے رخصت ہے کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن نہ کریں

پہلا مسئلہ: منیٰ کی راتیں منیٰ میں گزارنا امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہے، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے، پھر امام مالکؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص ایک رات بھی منیٰ میں نہیں گزارے گا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک منیٰ میں ایک رات نہ گزارنے سے ایک درہم، دو راتیں نہ گزارنے سے دو درہم، اور تینوں راتیں نہ گزارنے سے دم واجب ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: ایام منیٰ میں ہر دن کی رمی اسی دن کرنی ضروری ہے، بصورت دیگر دم واجب ہوگا اور اس پر اجماع ہے، البتہ اونٹوں کے چرواہوں کو یہ اجازت ہے کہ وہ منیٰ میں راتیں نہ گذاریں۔ اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ وہ دو دنوں کی رمی ایک ساتھ کریں، البتہ وہ جمع تاخیر کریں، جمع تقدیم جائز نہیں۔

عرب کی صورت حال یہ ہے کہ ہر طرف پہاڑی پہاڑ اور ریت ہی ریت ہے نہ ہریالی ہے نہ گھاس پھوس، کہیں کہیں درخت ہیں، چرواہے جب اونٹوں کو چرانے جاتے ہیں تو دور تک نکل جاتے ہیں۔ کبھی دس میل تک دور جانا پڑتا ہے اس لئے منی میں راتیں گزارنے میں اور روزانہ کی رمی روزانہ کرنے میں ان کے لئے دشواری ہے، چنانچہ ان کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ دس تاریخ کی رمی کریں اور اگر کان حج ادا کر کے اونٹ لے کر چرانے نکل جائیں اور گیارہ کو نہ لوٹیں، گیارہ اور بارہ دونوں دنوں کی رمی ایک ساتھ بارہ میں کر لیں یا دس اور گیارہ کو گیارہ کی رمی کر کے چلے جائیں اور بارہ کو نہ لوٹیں تیرہ میں آکر بارہ اور تیرہ دونوں دنوں کی رمی کر لیں، غرض شریعت نے اونٹوں کے چرواہوں کو یہ سہولتیں دی ہیں اور یہ اجتماعی مسئلہ ہے۔

[۱۰۶] باب ماجاء فی الرخصة للرعاة أن يرموا يومًا ويدعوا يومًا

[۹۴۲] - حدثنا ابن أبي عمير، نا شفيان، عن عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، عن أبيه، عن أبي البزاح بن عدي، عن أبيه: أن النبي صلى الله عليه وسلم رخص للرعاة أن يرموا يومًا ويدعوا يومًا.

قال أبو عيسى: هكذا روى ابن عيينة، وروى مالك بن أنس، عن عبد الله بن أبي بكر، عن أبيه، عن أبي البزاح بن عاصم بن عدي، عن أبيه، ورواية مالك أصح، وقد رخص قوم من أهل العلم للرعاة أن يرموا يومًا ويدعوا يومًا وهو قول الشافعي.

[۹۴۳] - حدثنا الحسن بن علي الخلال، نا عبد الرزاق، نا مالك بن أنس، قال حدثني عبد الله بن أبي بكر، عن أبيه، عن أبي البزاح بن عاصم بن عدي، عن أبيه، قال: رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم لرعاة الإبل في البيوت: أن يرموا يوم النحر ثم يجمعوا رمي يومين بعد يوم النحر، فيرمون في أحدهما، قال مالك: ظننت أنه قال: في الأول منهما، ثم يرمون يوم النحر. وهذا حديث حسن صحيح، وهو أصح من حديث ابن عيينة، عن عبد الله بن أبي بكر.

ترجمہ اور وضاحت: نبی ﷺ نے چرواہوں کو اجازت دی کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن رمی نہ کریں۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ابن عیینہ نے حدیث اسی طرح روایت کی ہے یعنی سند کے ایک راوی کا نام ابوالبزاح بن عدی لیا ہے اور امام مالک نے اس کا نام ابوالبزاح بن عاصم بن عدی لیا ہے۔ اور امام مالک کی روایت اصح ہے، یعنی صحیح نام: ابوالبزاح بن عاصم بن عدی ہے۔ اور بعض علماء نے چرواہوں کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن رمی نہ کریں، اور یہ شافعی کا قول ہے۔

(حدیث ۹۴۳) رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو مٹی میں راتیں گزارنے کے سلسلہ میں سہولت دی
 بایں طور کہ وہ یومِ آخر (دس ذی الحجہ) میں رمی کریں پھر یومِ آخر کے بعد دو دن کی رمی جمع کریں (یعنی یومِ آخر کی رمی تو
 اس کے وقت میں کریں، پھر گیارہ بارہ کی یا بارہ تیرہ کی رمی ایک ساتھ کریں) پس رمی کریں وہ ان دونوں میں سے
 ایک میں (یعنی بارہ میں گیارہ بارہ دونوں کی رمی کریں یا تیرہ میں بارہ اور تیرہ دونوں کی رمی کریں جمع تقدیم کا کوئی
 قائل نہیں) امام مالکؒ کہتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ استاذ نے یہ لفظ بولا تھا: فی الاول منہما یعنی دونوں میں سے
 پہلے دن میں پھر یومِ آخر کو (یعنی مٹی سے لوٹنے کے دن) رمی کریں (اس عبارت سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ امام
 مالکؒ کے نزدیک بارہ کی رمی گیارہ میں کی جاسکتی ہے یعنی جمع تقدیم کر سکتے ہیں مگر یہ امام مالکؒ کا مذہب نہیں۔ موطا
 مالک (ص: ۱۵۹) میں اس حدیث کی وضاحت خود امام مالکؒ نے یہ فرمائی ہے کہ بارہ میں گیارہ اور بارہ دونوں دنوں
 کی رمی کریں۔ بارہ کی رمی گیارہ میں کرنا جائز نہیں اور یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ ابن عیینہ کی روایت سے
 اصح ہے (یعنی راوی کا صحیح نام ابو البدر بن عامر بن عدی ہے اور یہ معنوی بات نہیں ہے، عن ابیہ کے مصداق کی
 تعین میں یہ بڑی اہم بات ہے کہ صحابی کا کیا نام ہے جن کی یہ حدیث ہے)

باب [ما جاء فی الاحرام المہتم]

گول مول احرام باندھنے کا بیان

حجۃ الوداع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تھے اور نبی ﷺ کے لئے ۳۳ اونٹ لے کر آئے تھے،
 آپؐ نے ان سے پوچھا: احرام شروع کرتے وقت تم نے کیا نیت کی تھی، میرے ساتھ تمہاری اہلیہ ہیں؟ انھوں نے
 عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے یہ نیت کی تھی کہ جیسا نبی ﷺ کا احرام ہے ویسا میرا ہے، آپؐ نے فرمایا: میرے
 ساتھ قربانیاں ہیں اس لئے میرا احرام نہیں کھل سکتا، پس تمہارا بھی نہیں کھل سکتا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کو اپنی قربانوں
 میں شریک کر لیا اور انھوں نے بھی قرآن کیا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص گول مول احرام باندھے تو درست ہے مگر اس کو طواف شروع کرنے سے پہلے حج یا عمرہ کی
 تعین کرنی ہوگی، اگر تعین کئے بغیر طواف شروع کر دے گا تو وہ خود بخود عمرہ کا احرام ہو جائے گا۔

[۱۰۷] باب [ما جاء فی الاحرام المہتم]

[۹۴۴] - حدثنا عبد الوارث بن عبد الصمد بن عبد الوارث، قال حدثني أبي، ناسليهم بن حيان،
 قال: سمعت مروان الأصغر، عن أنس بن مالك: أن علياً قديم على رسول الله صلى الله عليه وسلم
 من اليمن، فقال: "بما أهلت؟" قال: أهلت بما أهل به رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال:

”لَوْلَا أَنْ مَعِيَ هَذَا لَأَخْلَلْتُ“

قال أبو عیسی: هذا حديث حسن غریب من هذا الوجه.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس یمن سے آئے، آپؐ نے پوچھا: تم نے کیا احرام باندھا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے دیباہی احرام باندھا ہے جیسا نبی ﷺ نے باندھا ہے، آپؐ نے فرمایا: اگر میرے ساتھ قربانیاں نہ ہوتیں تو میں (عمرہ کر کے) احرام کھول دیتا۔
نوٹ: یہ باب میں نے باندھا ہے، مصری نسخہ میں بھی باب خالی ہے۔

باب [ما جاء في يوم الحج الأكبر]

حج اکبر کا دن: کونسا ہے؟

شریعت کی اصطلاح میں حج اکبر حج کا نام ہے جو یوم النحر کو ہوتا ہے اور عمرہ: حج اصغر ہے، اس باب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سن ۹ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج اکبر کے دن چار اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا تو انھوں نے دریافت کیا تھا: یا رسول اللہ! حج اکبر کا دن کونسا ہے؟ یعنی حج کے پانچ دن ہیں مجھے اعلان کس دن کرنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: قربانی کے دن یعنی دس ذی الحج حج اکبر کا دن ہے اس دن یہ اعلانات کرنا۔

[۱۰۸] باب [ما جاء في يوم الحج الأكبر]

[۹۴۵-] حدثنا عبد الوارث بن عبد الصمد بن عبد الوارث، نا أبي، عن أبيه، عن محمد بن إسحاق، عن أبي إسحاق، عن العمار، عن علي قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يوم الحج الأكبر؟ فقال: "يوم النحر"

[۹۴۶-] حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان بن عيينة، عن أبي إسحاق، عن العمار، عن علي، قال: يوم الحج الأكبر: يوم النحر، ولم يرفعه، وهذا أصح من الحديث الأول، ورواية ابن عيينة موقوفاً أصح من رواية محمد بن إسحاق مرفوعاً.

قال أبو عیسی: هكذا روى غير واحد من الحفاظ عن أبي إسحاق عن العمار عن علي مرفوعاً.

وضاحت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع؟ ابو اسحاق ہمدانی کے علاوہ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحاق مرفوع بیان کرتے ہیں اور ابن عیینہ موقوف۔ امام ترمذی نے حدیث موقوف کو اصح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ابو اسحاق سے متحد حفاظ ابن عیینہ کی طرح اس کو موقوف روایت کرتے ہیں۔

نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

باب [ما جاء في استلام الركبتين]

حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانے کی فضیلت

حدیث: عبید بن عمر کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کے دو کونوں (حجر اسود اور رکن یمانی) پر بھیڑ میں پڑتے تھے یعنی ان کو ہاتھ لگا کر ہی آگے بڑھتے تھے، میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! آپ ان دو کونوں پر بھیڑ میں پڑتے ہیں، ایسا بھیڑ میں پڑنا کہ میں نے صحابہ میں سے کسی کو اس طرح بھیڑ میں پڑتے نہیں دیکھا، یعنی دیگر صحابہ اگر موقع ہوتا ہے تو استلام کرتے ہیں اور اگر موقع نہیں ہوتا تو اشارہ کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ استلام کرنے کے لئے بھیڑ میں نہیں پڑتے اس کی کیا وجہ ہے؟ ابن عمر نے فرمایا: میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: ”ان دونوں کونوں کو ہاتھ لگانے سے یقیناً گناہ معاف ہو جاتے ہیں“ — پھر انھوں نے ایک اور حدیث سنائی کہ جو شخص کعبہ کے سات چکر لگائے اور ان کو شمار کرے، یعنی اچھی طرح یاد رکھے تو وہ ایک غلام آزاد کرنے والے کی طرح ہوگا، یعنی ایک طواف کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے — پھر تیسری حدیث سنائی کہ ”طواف کرنے والا جو بھی قدم رکھتا ہے اور جو بھی قدم اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایک غلطی معاف فرماتے ہیں اور اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھتے ہیں، یعنی ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

فائدہ: جریر اور حماد بن زید دونوں اس حدیث کو عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں اور دونوں کی حدیثوں میں یہ فرق ہے کہ جریر سند کے آخر میں عن ابیہ کا اضافہ کرتے ہیں اور حماد بن زید یہ واسطہ نہیں بڑھاتے، اور پہلے یہ بات بتائی ہے کہ جریر نے عطاء بن السائب سے حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے اور حماد نے پہلے پڑھا ہے اس لئے حماد کی حدیث اصح ہے۔

نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

[۱۰۹] باب [ما جاء في استلام الركبتين]

[۹۴۷] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ ابْنِ عُثَيْمٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاجِمُ عَلَى الرُّكَّتَيْنِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ إِنَّكَ تَزَاجِمُ عَلَى الرُّكَّتَيْنِ رِجَالًا مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاجِمُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِنْ أَفْعَلْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”إِنْ مَسَحْتَهُمَا كَفَّارَةُ الْخَطَايَا“ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ”مَنْ طَافَ بِهَذَا النَّبْتِ سُبُوحًا فَأَحْصَاهُ كَانَ كَمَنْ قَبَضَ رَقَبَةً“ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ”لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرَى إِلَّا حَطَّ اللَّهُ عَنْهَا

عَطِئَتْ، وَتُحِبُّ لَهَا بِهَا حَسَنَةً.

قال أبو عيسى: وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ ابْنِ عُثَيْدٍ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ، وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

باب [ما جاء في الكلام في الطواف]

طواف میں بات چیت کرنا جائز ہے

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کعبہ شریف کا طواف نماز کی طرح ہے“ پس جو چیزیں نماز کے لئے شرط ہیں مثلاً طہارت، ستر عورت، طواف میں بھی شرط ہیں مگر بعض چیزوں میں فرق ہے۔ مثلاً طواف میں استقبال قبلہ نہیں ہے بلکہ حول کعبہ گھومنا ہے اسی طرح نماز میں بات چیت کی گنجائش نہیں، مگر طواف میں بات چیت کر سکتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ فضول باتیں کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خیر کی بات کہنی پڑے تو کہہ سکتے ہیں، اسی طرح طواف کرتے ہوئے کوئی جان پہچان کامل جائے تو دعا سلام اور مصافحہ کر سکتے ہیں، کسی کو مسئلہ بتا سکتے ہیں، کسی سے مسئلہ پوچھ سکتے ہیں طواف کے دوران یہ خیر کے کام کرنے کی گنجائش ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”بیت اللہ کے ارد گرد گھومنا نماز کی طرح ہے مگر تم طواف میں بات چیت کر سکتے ہو، پس جو شخص دوران طواف بات چیت کرے وہ خیر کے علاوہ کوئی دوسری بات نہ کرے“

فائدہ: یہ حدیث درحقیقت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے، عطاء بن السائب نے غلطی سے اس کو مرفوع کر دیا ہے، ان کا حافظہ آخری عمر میں بگڑ گیا تھا اور جریر نے حافظہ بگڑنے کے بعد ان سے پڑھا ہے، چنانچہ دوسرے روایت طحاوی کے صاحبزادے سے اس حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں۔

[۱۱۰] باب [ما جاء في الكلام في الطواف]

[۹۴۸-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، نا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الطَّوْافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ، إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ، فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ"

قال أبو عيسى: وَقَدْ رَوَى عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ وَغَيْرِهِ عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا، وَلَا نَعْرِفُهُ مَوْقُوفًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَعْبِهُونَ أَنَّ لَا يَتَكَلَّمُ الرَّجُلُ فِي الطَّوْافِ إِلَّا لِحَاجَةٍ أَوْ يَذْكُرُ اللَّهَ تَعَالَى، أَوْ مِنَ الْعِلْمِ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: اور ابن طاہر اس سے علاوہ سے روایت کیا گیا ہے، وہ طاہر اس سے اور وہ ابن عباسؓ سے موقوف روایت کرتے ہیں، اور ہم اس حدیث کو مرفوع نہیں جانتے مگر عطاء بن السائب کی حدیث سے، اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی دوران طواف بات چیت نہ کرے، مگر کسی ضرورت سے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا کوئی علمی بات کرے یعنی کسی کو کوئی دینی بات بتائے یا پوچھے۔
نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

باب [ما جاء فى الحجر الأسود]

حجر اسود کی خصوصیت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: قسم بخدا! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود کو اس شان سے نئی زندگی دیں گے کہ اس کی دوا آنکھیں ہوگی، جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا، اور اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے برحق طور پر اس کو چھو یا ہے، یعنی حجر اسود دیکھنے میں اگرچہ پتھر ہے مگر اس کی ایک خصوصیت ہے، وہ اس شخص کو پہچانتا ہے جو بنیستہ تعظیم اس کا اسلام کرتا ہے اور قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گا۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: ہم نے آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بیت اللہ شریف گویا روحانیت سے بھرا ہوا ہے اور حجر اسود اس کا ایک جز ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کو آخرت میں وہ چیز دی جائے جو زندوں کی خاصیت ہے یعنی آنکھیں اور زبان دی جائے کیونکہ جو پتھر مدت مدید تک الطاف الہی کا مورد رہا ہو، اگر وہ آخرت میں ذی عقل مخلوق بن جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سگ اصحاب کہف روزے چند ۞ بچے نیکاں گرفت: مردم لحد

نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

[۱۱۱] باب [ما جاء فى الحجر الأسود]

[۹۴۹-] حدثنا قتيبة، نا جريز، عن ابن خثيم، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الحجر: "والله ليعقنه الله يوم القيامة، له عينان ينصرون بهما، ولسان ينطق به، يشهد على من استلمه بحق" قال ابو عيسى: هذا حديث حسن.

باب [ما جاء فی الذَّهْنِ غَیْرِ الْمُقْتَبِ]

احرام میں بغیر خوشبو کا تیل لگا سکتے ہیں؟

حدیث: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حالتِ احرام میں بغیر خوشبو کا زیتون کا تیل لگایا۔
تشریح: حالتِ احرام میں سر یا بدن پر کسی بھی قسم کا تیل لگانا جائز نہیں، نہ خوشبودار اور نہ بے خوشبو، اور اس پر اتفاق ہے، کیونکہ تیل لگانا زینت ہے اور محرم کو زینت سے بچنا ہے۔ اور حدیثِ بابِ تہا فرقہ سنی روایت کرتا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ — مُقْتَبِ کے معنی ہیں: مُطَبِّب: خوشبودار کیا ہوا، اور تیل کو خوشبودار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بے خوشبو کے تیل میں گلاب کے پتے مثلاً ذال کر پکائیں یہاں تک کہ وہ پتے جل جائیں پھر چھان کر تیل نکال لیں تو وہ خوشبودار ہو جائیگا۔
نوٹ: باب کا عنوان میں نے بڑھایا ہے، مصری نسخہ میں بھی باب خالی ہے۔

باب [۱۱۲] [ما جاء فی الذَّهْنِ غَیْرِ الْمُقْتَبِ]

[۹۵۰-] حَدَّثَنَا هَنَادٌ، نَا وَكِيعٌ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ فَرْقِدِ السَّبْخِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْهَنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحَرَّمٌ غَیْرِ الْمُقْتَبِ.
قال أبو عيسى: مُقْتَبٌ، مُطَبَّبٌ، هذا حديثٌ غریبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ فَرْقِدِ السَّبْخِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بِخَبَرِ بْنِ سَعِيدٍ فِي فَرْقِدِ السَّبْخِيِّ، وَرَوَى عَنْهُ النَّاسُ.

باب [ما جاء فی ماء زَمْزَم]

ماءِ زمزم کی فضیلت

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب مدینہ لوٹی تھیں تو زمزم ساتھ لے جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نبی ﷺ بھی زمزم ساتھ لے جاتے تھے۔
تشریح: اس حدیث کی وجہ سے تمام حجاج اپنے ساتھ زمزم لاتے ہیں۔ زم زم کی فضیلت میں بہت روایات ہیں۔ ابن ابیہام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں زم زم کی فضیلت کا باب قائم کر کے سب روایات جمع کی ہیں۔
نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

باب [۱۱۳] [ما جاء فی ماء زَمْزَم]

[۹۵۱-] حَدَّثَنَا أَبُو ثَوْرٍ، نَا حَلَّادُ بْنُ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ، نَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ،

عن أبيه، عن عائشة: أنها كانت تحمِلُ مِنْ مَاءٍ زَمَزَمَ، وتُخْبِرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْمِلُهُ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه.

باب [ما جاء في نزول الأبطح]

أبطح میں اترنا مناسک میں شامل نہیں

حدیث: عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں: میں نے حضرت انسؓ سے کہا: آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتائیں اگر آپ کو صحیح یاد ہو کہ آپؐ نے یوم الترویہ کو ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟ حضرت انسؓ نے کہا: مٹی میں، عبد العزیز نے پوچھا: اور یوم النفر (تیرہ ذی الحجہ) میں عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ انھوں نے فرمایا: ابطح میں، پھر حضرت انسؓ نے فرمایا: تمہارے امراء جو کرتے ہیں وہ کرو۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد میں امراء کا طریقہ بدل گیا تھا اس لئے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ امراء جو کرتے ہیں وہ کرو، کیونکہ ابطح میں اترنا مناسک میں شامل نہیں۔

نوٹ: باب کا عنوان میں نے بڑھایا ہے، مصری نسخہ میں بھی باب خالی ہے۔

[۱۱۴] باب [ما جاء في نزول الأبطح]

[۹۵۲-] حدثنا أحمد بن منيع، ومحمد بن الوائلي، المعنى واحد، قال: لا إسحاق بن يوسف الأزرق، عن سليمان، عن عبد العزيز بن رفيع، قال: قلت لأنس: حدثني بشي عقلت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: أين صلى الظهر يوم التروية؟ قال: بمى، قال: قلت: وأين صلى الفجر يوم النفر؟ قال: بالأبطح، ثم قال: الفل كما يفعل أمراؤك.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، يستفرب من حديث إسحاق الأزرق عن الثوري.

﴿آخر أبواب الحج﴾

الحمد لله کتاب الحج کی تقریری کی ترتیب پوری ہوئی

أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوَابِلِ الْمَرَضِ

بیماری کا ثواب

حدیث (۱): آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب بھی کسی مؤمن کو کوئی کائنات چھتا ہے یا اس سے معمولی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بڑھاٹے ہیں اور اس کی وجہ سے اس کا ایک گناہ مٹاتے ہیں۔

تشریح

۱- جب آدمی بیمار پڑتا ہے تو بحیثیت کمزور ہوتی ہے اس لئے برائیوں کا ازالہ ہوتا ہے اور دنیا کی طرف سے کچھ دل اکھڑتا ہے اور آخرت کی طرف مائل ہوتا ہے، اس لئے بیماری سے گناہ جھڑتے ہیں، اور اس حدیث کے عموم میں مرض موت بھی داخل ہے، اس کی وجہ سے بھی سیئات معاف ہوتے ہیں اور درجات بڑھتے ہیں، آئندہ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ کو کسی بندے کے ساتھ خیر منظور ہوتی ہے تو اسے دنیا ہی میں مزا دیدیتے ہیں“ اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب کسی بندے کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور اعمال خیر سے اس کا دامن خالی ہوتا ہے جو گناہوں کے لئے کفارہ بن سکیں تو اللہ تعالیٰ اس کو موت سے پہلے مصائب میں مبتلا کرتے ہیں اور وہ جو فقی الہی اس پر صبر کرتا ہے اور اللہ کی تعریف کرتا ہے تو وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور وہ اس دن کی طرح ہو جاتا ہے جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا (مشکوٰۃ حدیث ۱۵۸۰ و ۱۵۷۹)

اور بدکردار کی اچانک موت کو اللہ کے غصہ کی پکڑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ باقی رکھتے ہیں تاکہ قیامت کے دن اس کا حساب چکائیں (مشکوٰۃ حدیث ۱۵۶۵)

غرض موت سے پہلے کی تکالیف میں بندوں کا فائدہ ہے اور کونسا مرض کفارہ سیئات بنتا ہے اور کس مرض میں درجات بلند ہوتے ہیں؟ اس کی علامت علماء نے یہ لکھی۔ ہے کہ اگر بندہ مرض پرشاکي ہو، ہر کسی کے سامنے بیماری کا

روتا روئے تو مرض کفارہ سینات ہوتا ہے، اور اگر بندہ مرض پر صابر ہو اور ہر حال میں اللہ کی تعریف کرے تو اس مرض سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

۲- جب تک آدمی کے ثلہ اعمال میں سینات ہیں بیماری سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور درجات بھی بڑھتے ہیں اور جب گناہ باقی نہیں رہتے تو صرف درجات بلند ہوتے ہیں۔

۳- قولہ: فَمَا فَوْقَهَا: فوقیت کبھی بڑا ہونے میں ہوتی ہے اور کبھی چھوٹا ہونے میں، ارشاد پاک ہے: ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَنْحِيہٗ أَنْ يُضَرِّبَ مَثَلًا مَّا يَخُوضُ فَمَا فَوْقَهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ پھر یا اس سے بھی چھوٹی مخلوق کی مثال بیان کرنے سے شرماتے نہیں، اس آیت میں اور اس حدیث میں فوقیت فی الصغر مراد ہے، پس جب کاٹنے کی تکلیف اور اس سے معمولی تکلیف کفارہ سینات بنتی ہے تو مرض کی تکلیف تو اس سے کہیں زیادہ ہے اس لئے وہ ضرور کفارہ بنتے گی۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جو بھی چیز مؤمن کو پہنچتی ہے خواہ ٹھکن ہو یا غم ہو یا بیماری ہو (الْوَضْبُ کے معنی ہیں: بیماری، دائمی مرض، جسم کی لاغری اور کبھی سستی اور ٹھکن کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے) حتیٰ کہ سوچ و چار (ٹینشن) جو آدمی کو پریشانی میں مبتلا کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بھی اس کی سیمات کو مٹاتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کے راوی امام وکیع رحمہ اللہ ہیں، انھوں نے علامہ سے یہ حدیث بیان کر کے فرمایا: یہ بات کہ پریشان کن سوچ و چار بھی کفارہ بنتے ہیں، اسی حدیث میں آئی ہے، دوسری کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں آیا۔

أبواب الجنائز

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱] باب ما جاء في ثواب الممرض

[۹۵۳] - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَالِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا غَطِيَّةٌ"

وفي الباب: عن سعد بن أبي وقاص، وأبي عبيدة بن الجراح، وأبي هريرة، وأبي أمامة، وأبي سعيد، وأبي، وعبد الله بن عمرو، وأسد بن كرز، وجابر، وعبد الرحمن بن أزهر، وأبي موسى. قال أبو عيسى: حديث عائشة حديث حسن صحيح.

[۹۵۴] - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ وَكِيعٍ، نَا أَبِي، عَنْ أَسَمَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ

عطاء بن یسار، عن ابن مسعود الخدری قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا حَزَنٍ وَلَا وَصَبٍ، حَتَّى الْهَمُّ يَهْمُهُ، إِلَّا يَكْفُرَ اللَّهُ بِهِ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ"
 قال أبو عیسی: هذا حديث حسن في هذا الباب. قال: وَسَمِعْتُ الْجَارُودَ يَقُولُ مَسْمُوعًا وَكَيْفًا، يَقُولُ: إِنَّهُ لَمْ يُسْمَعْ فِي الْهَمِّ أَنَّهُ يَكُونُ كَفَّارَةً إِلَّا فِي هَذَا الْحَدِيثِ، وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ ابْنِ مَرْزُوقَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے جارود سے سنا کہ کچھ فرماتے ہیں: بیشک ہم (سوج و چار، ٹینشن) کے بارے میں یہ بات کہ وہ کفارہ سینات ہوتی ہے صرف اس حدیث میں آئی ہے، اور بعض روایات نے اس حدیث کی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچائی ہے (بخاری حدیث ۵۶۲۳ و ۵۶۲۴)

باب ماجاء فی عیادة العریض

بیمار پر پی کا ثواب

بیمار پر پی حقوق اسلام میں سے ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: ان میں سے ایک حق مریض کی عیادت کرنا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۱۵۲۵)
 اور عیادت کا فائدہ یہ ہے کہ مریض کو سکون ملتا ہے وہ خود کو بے سہارا محسوس نہیں کرتا، نیز اس سے رشتہ الفت استوار ہوتا ہے اس لئے اس میں اجر و ثواب رکھا گیا ہے۔
 حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پر پی کرتا ہے تو وہ برابر جنت کے چنیدہ میوؤں میں رہتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عیادت کرنا دخول جنت کا سبب ہے، کیونکہ جنت کے میوے جنت میں داخل ہونے کے بعد ہی ملیں گے، پس عیادت کرنے والے کا جنت میں داخل ہونا یقینی ہے۔

فائدہ: ابو قلابہ نے ابو اسلمہ رحمہ اللہ سے ان کی تمام روایات براہ راست سنی ہیں، مگر یہ حدیث ابوالاحنفہ کے واسطے سے سنی ہے اور جو لوگ ابوالاحنفہ کا واسطہ ذکر نہیں کرتے ان کی سند صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی واسطہ والی حدیث کو اصح قرار دیا ہے۔

حدیث (۲): ابو فاختہ سعید بن علاقہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: آؤ حسین بنی عیادت کرائیں، پس ہم نے ان کے پاس ابو موسیٰ اشعری کو پایا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا: اے ابو موسیٰ! آپ عیادت

کے لئے آئے ہیں یا ملاقات کے لئے؟ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ عیادت کے لئے آیا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو بھی مسلمان دوسرے مسلمان کی صبح میں عیادت کرتا ہے تو اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعائیں کرتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے صبح تک دعائیں کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں جو دوسرا مضمون ہے کہ عیادت کرنے والے کو جنت میں باغ ملتا ہے یہ مضمون تو اوپر والی حدیث میں آگیا (لم یزل فی خوفۃ الجنة) اور چونکہ دونوں حدیثوں کے راوی الگ الگ ہیں، اس لئے ایک دوسرے کے لئے شاہد ہے مگر پہلا مضمون صرف اسی روایت میں آیا ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے، ثور پر لے درجہ کا ضعیف راوی ہے۔

[۲] باب ماجاء فی عیادة المریض

[۹۵۵] - حدثنا حمید بن مسعدة، نا یزید بن زریع، نا خالد الخدّاء، عن ابی قلابۃ، عن ابی اسماء الرّحبی، عن ثوبان، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِی غُرْفَةِ الْجَنَّةِ"

وفی الباب: عن علی، وابی موسیٰ، والبراء، وابی ہریرۃ، وأنس، وجابر.

قال أبو عیسیٰ: حدیث ثوبان حدیث حسن، وزوّی أبو غفّار، وعاصم الأخول، هذا الحدیث عن ابی قلابۃ، عن ابی الأشعث، عن ابی اسماء، عن ثوبان، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه، قال: وَسمعتُ محمداً یقول: مَنْ رَوَى هذا الحدیث عن ابی الأشعث عن ابی اسماء فهو أصحّ، قال محمد: وَأحدیث ابی قلابۃ إنّما هی عن ابی اسماء إلا هذا الحدیث، وهو عندی عن ابی الأشعث عن ابی اسماء.

[۹۵۶] - حدثنا محمد بن الوزیر الواسطی، نا یزید بن ہارون، عن عاصم الأخول، عن ابی قلابۃ، عن ابی الأشعث، عن ابی اسماء، عن ثوبان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه وزاد فیہ: فیل: ما خوفۃ الجنة؟ قال: "جنّاتها"

حدثنا أحمد بن عبدۃ الضبی، نا حماد بن زید، عن ایوب، عن ابی قلابۃ، عن ابی اسماء، عن ثوبان، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه حدیث خالد، ولم یدکر فیہ عن ابی الأشعث، وزوّی بعضهم هذا الحدیث عن حماد بن زید، ولم یرفعہ.

[۹۵۷] - حدثنا أحمد بن منیع، نا الحسن بن محمد، نا اسرائیل، عن ثور، عن ابیہ قال: أخذ

عَلِيٌّ بَيْدَى فَقَالَ: الطَّلِقُ بِنَا إِلَى الْحُسَيْنِ نَعُوذُ، فَوَجَدْنَا عِنْدَهُ أَبَا مُوسَى، فَقَالَ عَلِيٌّ: أَعَابِدَا جَنَّتْ يَا أَبَا مُوسَى أَمْ زَايَرَا؟ فَقَالَ: لَا، بَلْ عَابِدَا، فَقَالَ عَلِيٌّ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ مَسَّ يَمِينَهُ يَمِينًا غَدَوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُغَسِّقَ، وَإِنْ عَادَهُ غَسِيقَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ، وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ" قَالَ أَبُو عَمْسٍ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْ عَلِيٍّ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ وَقَفَهُ وَلَمْ يَرْفَعَهُ، وَاسْمُ أَبِي فَاحِشَةَ: سَعِيدُ بْنُ عِلَاقَةَ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو غفار اور عاصم الاحول نے اس حدیث کو ابو قلابہ سے، انھوں نے ابو الاشعث سے، انھوں نے ابواسماء سے، انھوں نے ثوبان سے، اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے (یعنی ابو الاشعث کا واسطہ ذکر کیا ہے) امام ترمذی کہتے ہیں: میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ جس نے اس حدیث کو ابو الاشعث کے واسطہ سے روایت کیا ہے وہ اصح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور ابو قلابہ کی حدیثیں ابواسماء ہی سے ہیں، یعنی ابو قلابہ نے تمام حدیثیں براہ راست ابواسماء سے سنی ہیں علاوہ اس حدیث کے، پس وہ میرے نزدیک ابو الاشعث کے واسطہ سے ہے۔ اس کے بعد عاصم الاحول کی سند ہے جس میں واسطہ ہے، اور اس میں یہ مضمون زائد ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خرقۃ الجنۃ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جنت کے پکے ہوئے میوے (خرف: غیر معروف لفظ تھا اس لئے صحابہ نے وضاحت چاہی، آپ نے معروف لفظ جنت سے وضاحت فرمائی۔ یہ لفظ سورہ رحمن آیت ۵۴ میں آیا ہے وَجَنَّاتُ الْجَنَّةِ ذَاتُ الْأُكْحَامِ یعنی دونوں باغوں کے پکے ہوئے میوے جھکنے والے ہیں) اس کے بعد ابوب سختیانی کی سند ہے وہ بھی خالد الخذاء کی طرح واسطہ کے بغیر روایت کرتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے اس حدیث کو حماد بن زید سے روایت کیا ہے مگر مرفوع نہیں کیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور بعض روایات نے اس کو موقوف بیان کیا ہے اور ترمذی کے والد کا نام سعید بن علاقہ ہے اور کنیت ابو فاختہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّمَنِّيِ لِلْمَوْتِ

موت کی تمنا کرنے کی ممانعت

کبھی زندگی میں آخر وقت میں اتنی شدید پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ آدمی موت کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس لئے کہ موت کی تمنا ہی خودکشی کا سبب بنتی ہے، پس یہ ممانعت سد اللذرائع ہے، البتہ دل کی بھڑاس نکالنے کی اجازت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دعا کرے: ”اے اللہ! جب تک میرے لئے خیر مقدر ہے

مجھے زندہ رکھ اور جب دنیا میں میرے لئے خیر نہ رہے تو مجھے موت دیدے۔ اس سے دل کی بجز اس نکل جائے گی اور عقلاً بھی موت کی تمنا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ جو شخص یقین سے جانتا ہے کہ اس کی آئندہ زندگی خوشگوار ہے تو وہ موت کی تمنا کرے، مگر یہ بات کسے معلوم ہے؟ ممکن ہے آگے اس سے بھی زیادہ پریشانی پیش آئے، پس یہیں رہنا بہتر ہے۔

[۳] باب ماجاء فی النهی عن التمنی للموت

[۹۵۸] - حدثنا محمد بن بشر، نا محمد بن جعفر، نا شعبة، عن أبي إسحاق، عن حارثة بن مضروب، قال: دخلت على خباب وقد اکتوى في بطنه فقال: ما أعلم أحدًا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم لقي من البلاء ما لقيت، لقد كنت وما أجد ذرهما على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولي ناحية بنتي أربعون ألفاً، ولولا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهاننا أو: نهى أن يتمنى الموت: لتمنيت.

وفی الباب: عن أبي هريرة، وأنس، وجابر، قال أبو عيسى: حديث خباب حديث حسن صحيح. [۹۵۹] - وقد روى عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "لا يتمنن أحدكم الموت لضر نزل به، ولقول: اللهم أحيني ما كانت الحياة خيراً لي، وتوفني إذا كانت الوفاة خيراً لي" حدثنا بذلك علي بن حجر، نا إسماعيل بن إبراهيم، نا عبد العزيز بن صهيب، عن أنس بن مالك، عن النبي صلى الله عليه وسلم بذلك، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: حارثہ کہتے ہیں: میں حضرت خبابؓ کے پاس گیا جبکہ انھوں نے پیٹ کی بیماری کی وجہ سے لوہا گرم کر کے دھویا تھا، انھوں نے فرمایا: میں نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو نہیں جانتا جس کو اتنی آزمائش پہنچی ہوں جتنی مجھے پہنچی ہیں، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنے پاس ایک درہم بھی نہیں پاتا تھا اور آج میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں (مگر زندگی سے اتنا بیزار ہوں کہ) اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی تمنا کرنے سے نہ روکا ہوتا یا فرمایا: موت کی تمنا کرنے سے نہ روکا ہوتا تو میں موت کی تمنا کرتا (نہانا اور نہی کا فرق واضح کیا ہے ایک میں ضمیر نا ہے دوسرے میں نہیں ہے) — حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اس مصیبت کی وجہ سے جو اس پر نازل ہوئی ہے، اور چاہئے کہ یہ دعا کرے: اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لئے زندہ رہنے میں خیر ہے، اور مجھے موت دیدے جب میرے لئے مرنے میں خیر ہے۔

تشریح: عربوں میں علاج کا ایک طریقہ ٹخی تھا یعنی لوہا گرم کر کے پھوڑوں اور دیگر زخموں کو داغیتے تھے، نبی

ﷺ نے اس کو پسند بھی کیا ہے اور اس سے منع بھی کیا ہے۔ بخاری میں حدیث ہے کہ تین چیزوں میں شفا ہے: حجامت، شہد اور نخی میں۔ مگر میں نے اپنی امت کو دغوانے سے منع کیا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۳۵۱۶) معلوم ہوا کہ بدرجہ مجبوری نخی کے ذریعہ علاج کرایا جاسکتا ہے۔ غزوہ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی رگ کٹ گئی تھی، آپؐ نے اس جگہ خود داغ لگایا تھا تا کہ خون بند ہو جائے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی بدرجہ مجبوری پیٹ پر داغ لگوایا تھا اور کئی مرتبہ دغوا یا تھا، جس کی وجہ سے نہایت تکلیف تھی اور زندگی سے طبیعت اچاٹ ہو گئی تھی، مگر چونکہ نبی ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے انھوں نے موت کی آرزو نہیں کی۔

مسئلہ: دنیوی مصائب کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا حرام ہے لیکن اگر دین پر کوئی آفت آئے تو موت کی تمنا کر سکتا ہے اور میجر آپریشن کا معاملہ نخی جیسا ہے، ضرورت شدیدہ کے بغیر اس پر اقام نہیں کرنا چاہئے۔

باب ما جاء في التَّعَوُّذِ لِلْمَرِيضِ

مریض پر دم کرنے کی دعائیں

نبی ﷺ نے چند کامل اور نام جھاڑیں اور دعائیں بتلائی ہیں جو اللہ کے ذکر پر مشتمل ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ سے استعانت کی گئی ہے، اس لئے کد زمانہ جاہلیت میں ایسی جھاڑوں اور منترؤں کا رواج تھا، جن میں شیطانی طاقتوں سے استعانت کی جاتی تھی۔ پس لوگوں کو اس سے روکنا ضروری تھا، اس لئے علاج بالمثل کے طور پر ان ناجائز منترؤں کی جگہ بہترین اور مفید دعائیں سکھائیں ہیں، تاکہ لوگ ان شرکانہ طریقوں سے بچ جائیں۔

حدیث (۱): حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: کیا آپؐ کی طبیعت ناساز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جی ہاں! حضرت جبرئیل نے آپؐ کو اس دعا سے جھاڑا: ”میں اللہ کے نام سے آپؐ کو جھاڑتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپؐ کو تکلیف پہنچا رہی ہے، ہر نفس کی برائی سے اور ہر جلنے والی آگ سے، اللہ تعالیٰ آپؐ کو شفا بخشیں، اللہ کے نام سے میں آپؐ کو جھاڑتا ہوں، اللہ آپؐ کو شفا بخشیں (پھر دم کرے)“

حدیث (۲): عبدالعزیز بن مسیب کہتے ہیں: میں اور ثابت بنانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ثابت نے عرض کیا: اے ابو حمزہ! میری طبیعت ناساز ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا: کیا میں تجھے نبی ﷺ کی جھاڑ سے نہ جھاڑوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! یعنی ضرور جھاڑیے۔ پس حضرت انسؓ نے اس دعا سے جھاڑا: ”اے اللہ! اے انسانوں کے پروردگار! تکلیف کو دور فرما اور شفا عطا فرما، آپ ہی شفا دینے والے ہیں اور آپ ہی کی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا جو بالکل بیماری نہ چھوڑے“

فائدہ: احادیث شریفہ میں اور بھی دعائیں آئی ہیں جو ترجمہ اور وضاحت کے ساتھ رحمۃ اللہ الواسعہ (۲۲۳:۳)

میں درج کی گئی ہیں ان دعاؤں کو تین، پانچ یا سات مرتبہ پڑھ کر مریض پر دم کرے، اور دم کرنے کا طریقہ یہ ہے اس طرح پھونکے کہ ہوا کے ساتھ تھوک کے چھکے ذرات بھی جائیں، اس کا نام نفث ہے ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفَثِ فِي الْعَقْدِ﴾ اور اگر کسی خاص حصہ میں درد ہو تو دعا پڑھتے وقت اپنا دایاں ہاتھ مریض کے جسم پر پھیرے اور دم کرے۔ ان جھاڑوں سے خود اپنے اوپر بھی دم کر سکتا ہے اس صورت میں ضمیریں بدلیں گی مثلاً حضرت جبرئیل کا رقیہ اس طرح پڑھے گا: بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ كُلِّ نَفْسٍ وَعَيْنٍ حَاسِدَةٍ، بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ واللہ یشفی۔

[۴] باب ماجاء فی التعوذ للمریض

[۹۶۰] - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هَلَالٍ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ، نَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَشْتَكَيْتَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "بِسْمِ اللَّهِ أَرْقِيْكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَعَيْنٍ حَاسِدَةٍ، بِسْمِ اللَّهِ أَرْقِيْكَ، وَاللَّهُ يَشْفِيْكَ"

[۹۶۱] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَنَائِبُ الْبُنَائِي عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَقَالَ نَائِبٌ: يَا أَبَا حَمْرَةَ أَشْتَكَيْتَ، فَقَالَ أَنَسٌ: أَفَلَا أَرْقِيْكَ بِرُقِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، مُذهِبِ النَّاسِ، اشفِ اَنْتَ الشَّافِي، لَا شَافِيَ إِلَّا اَنْتَ، شِفَاءً لَا يَبْغَادِرُ سَقَمًا"

وفی الباب: عن أَنَسٍ، وعائشة، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِثَ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. قَالَ: وَمَا لْتُ أَبَا زُرْعَةَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ، فَقُلْتُ لَهُ: رِوَايَةُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَصَحُّ أَوْ حَدِيثُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ؟ قَالَ: كِلَاهُمَا صَحِيحٌ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ.

وضاحت: حدیث انس کی سند بعض حضرات حضرت ابوسعید خدریؓ تک پہنچاتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ابو زرہؒ سے پوچھا: دونوں میں سے کوئی سند اصح ہے، حضرت انسؓ کی یا ابوسعید خدریؓ کی؟ انھوں نے فرمایا: دونوں سندیں صحیح ہیں، عبدالعزیز بن صہیب نے اس دعا کو براہ راست حضرت انسؓ سے بھی روایت کیا ہے اور ابونضرہؒ کے واسطے سے ابوسعیدؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ آخر میں ابو زرہؒ نے اپنی سند بیان کی ہے۔

باب ماجاء فی الحث علی الوصیة

وصیت کرنے کی ترغیب

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں کہ وہ دو راتیں گزارے درانحالیکہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس میں وصیت کرنی چاہئے مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے“
 تشریح: زندگی ایک بلبلہ ہے، کب ٹوٹ جائے پتہ نہیں، اس لئے آدمی کو ہمیشہ یادداشت لکھ رکھنی چاہئے یا ضروری باتیں دوسرے کو بتادینی چاہئیں، تاکہ اگر اچانک موت آجائے تو متعلقین معاملات سلجھا سکیں، ورنہ حقوق ذمہ پر باقی رہ جائیں گے۔ اور داد و دغاہری کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے، مگر دیگر فقہاء فرماتے ہیں: اگر ذمہ پر کوئی واجب حق ہے مثلاً کسی سے قرض لیا ہے یا نماز روزے باقی ہیں تو وصیت واجب ہے اور اگر کوئی واجب حق نہیں ہے تو وصیت کرنا مستحب ہے۔

حدیث کی ترکیب: ما: اور الا: نفی اور اثبات: کلمات حصر ہیں جو جملہ اسمیہ خبریہ پر داخل ہوتے ہیں اور مضمون کو محصور کرتے ہیں، جیسے: زیدہ قائم میں کہیں گے: ما زیدہ الا قائم: نہیں ہے زید مگر کھڑا، یعنی زید کھڑا ہی ہے، الا: نفی کو باطل کرتا ہے۔ اور حق: کے معنی ہیں: امر ثابت، اور امر لازم: کہا جاتا ہے: حق الا فموت: ثابت اور واجب ہونا ما: نے حق کی نفی کی ہے الا: اس کو ثابت کرے گا، یعنی مسلمان آدمی پر لازم ہے۔ امر حیا: مضاف الیہ ہے مسلم: اس کی صفت ہے، یعنی مسلمان آدمی پر لازم ہے، مسلمان کے معنی ہیں حکم شرعی کا فرمانبردار۔ ظاہر ہے جو حکم مانے گا اسی پر وصیت کرنا لازم ہوگا، دوسرا تو شتر بے مہار ہوگا وہ اس حکم شرعی کی کیا پرواہ کرے گا؟ پس گویا اس پر لازم نہیں۔ بیہیت لیلین: جملہ فعلیہ امر: کی صفت ہے اور صفت قید ہوتی ہے دو راتیں گزارے یعنی تھوڑا وقت گزرے کیونکہ فوراً ہر بات لکھ لینا دشوار ہوتا ہے، لیکن لمبے وقت تک یوم و فردا کرنا بھی مناسب نہیں، کچھ وقت مثلاً دو راتیں گزرتے گزرتے یادداشت لکھ لینی چاہئے۔ لہ شیعی یوصی فیہ: جملہ حالیہ ہے بیہیت: کے قائل سے حال ہے اور یوصی فیہ: جملہ فعلیہ شیعی: کی صفت ہے، یعنی اس کے پاس کوئی قائل وصیت چیز ہو تو اسے لکھ لینا چاہئے، ہر ہر بات لکھنا ضروری نہیں، کیونکہ اس میں دشواری ہے وصیت: مبتدا مکتوبہ: خبر، عندہ: ظرف: خود بھی جملہ اسمیہ خبریہ ہے جو محصور ہوا ہے۔

[۵] باب ماجاء فی الحث علی الوصیة

[۹۶۲] - حدثنا إسحاق بن منصور، نا عبد الله بن نمير، نا عبيد الله بن عمرو، عن نافع، عن ابن

عَمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، وَلَهُ شَيْءٌ يُوصِي بِهِ، إِلَّا وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ"

وہی الباب: عن ابن ابی اوفی، قال ابو عیسی: حدیث ابن عمر حدیث حسن صحیح.

باب ماجاء فی الوصیة بالثلث والرابع

تہائی یا چوتھائی کی وصیت کرنا

آدمی کو اپنے مال میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے، لیکن زندگی کے آخری لمحات میں یعنی مرض موت میں مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس لئے مرض موت میں زیادہ سے زیادہ تہائی ترکہ میں تبرع (تفلی خیرات، ہبہ وغیرہ) کر سکتا ہے اس سے زیادہ تبرع کرنے کا حق نہیں، اگر زیادہ کی وصیت کرے گا تو وصیت صرف تہائی مال میں نافذ ہوگی، اسی طرح مریض خود بھی زیادہ سے زیادہ تہائی مال خیرات کر سکتا ہے، البتہ مرض موت میں کوئی چیز خریدنا یا بیچنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں مال باقی رہے گا جو جس بدل جائے گی۔

اور کیا کسی صورت میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں ہو سکتی؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر صورت زائد کی وصیت باطل اور کالعدم ہے، اور احناف کے نزدیک دو صورتوں میں زیادہ کی وصیت معتبر ہے، ایک: میت کا کوئی وارث نہ ہو، دوسری: ورثاء عاقل بالغ ہوں اور زائد وصیت نافذ کرنے پر راضی ہوں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ میت کا کوئی وارث ہو یا نہ ہو اور خواہ تمام ورثاء راضی ہوں تو بھی صرف تہائی ترکہ میں وصیت نافذ ہوگی، باقی دو تہائی ترکہ بیت المال میں جائے گا یا ورثاء کو ملے گا۔ اور احناف کہتے ہیں: تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ورثاء کے حق کی وجہ سے ممنوع تھی پس اگر ورثاء نہ ہوں یا راضی ہوں تو زائد کی وصیت بھی درست ہے، ہاں بیچے اور تاکھنے کی اجازت اس کے حصہ میں معتبر نہیں، بالغ ورثاء اپنے حصوں میں زائد کی اجازت دے سکتے ہیں۔

فائدہ: جس طرح عام طور پر لوگ دور کی جگہوں میں خرچ کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں اور قریب کی جگہوں میں خرچ نہیں کرتے اسی طرح لوگ تبرع یعنی خیرات وغیرہ کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں اور ورثاء کے لئے مال چھوڑنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے حالانکہ اس میں زیادہ ثواب ہے، پس جب یہ بات ہے تو اگرچہ آدمی کو تہائی میں وصیت کرنے کا حق ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ پورے تہائی کی وصیت نہ کرے، بلکہ چوتھائی کی یا اس سے بھی کم کی وصیت کرے تاکہ ورثاء کے لئے زیادہ سے زیادہ بیچے، اگر میت پورے تہائی کی وصیت کر دے گا تو اس نے ورثاء کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ باقی دو تہائی تو شریعت نے ان کے لئے متعین کر دیئے ہیں اس میں میت کا کیا احسان ہے؟!

حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (فتح مکہ کے موقع پر یا حجة الوداع میں) مکہ میں بیمار ہو گئے، ان

کا خیال تھا کہ وہ جائز نہ ہو سکیں گے اس لئے انھوں نے اپنے کل ترکہ کی فی سبیل اللہ وصیت کر دی۔ نبی ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے، آپؐ نے پوچھا: کیا تم نے وصیت کی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپؐ نے پوچھا: کتنے مال کی وصیت کی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: کل مال کی راہِ خدا میں (جہاد میں) خرچ کرنے کی وصیت کی ہے، آپؐ نے فرمایا: اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑا؟ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک بیٹی ہے جو شادی شدہ ہے اور اچھے حال میں ہے، یعنی کھاتے پیتے گھر میں اس کی شادی ہوئی ہے اس لئے اس کو مال کی حاجت نہیں (جواب معقول تھا، مگر) آپؐ نے فرمایا: ترکہ میں سے دسویں حصہ کی وصیت کرو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں: میں برابر آپؐ سے کھینچا تانی کرتا رہا یعنی آپؐ گھٹاتے رہے اور میں زیادہ کی اجازت مانگتا رہا^(۱) یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: تہائی ترکہ کی وصیت کرو اور تہائی بھی بہت زیادہ ہے (اور ایک روایت میں بجائے کھیر کے کھیر ہے) اور بخاری (حدیث ۲۷۴۲) میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”تم اپنے درہم کو مالدار چھوڑ دو یہ بہتر ہے، اس سے کہ ان کو اس حال میں چھوڑ دو کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پیریں“ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ تم میرے بعد تک زندہ رہو گے اور ایک قوم تم سے فائدہ اٹھائے گی اور ایک قوم نقصان اٹھائے گی، ہاں قاتل رحمہ سعد بن خولہ ہیں (انھوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی پھر مکہ میں بیمار پڑے اور مکہ میں ان کا انتقال ہو گیا آپؐ نے ان کے لئے دعاء مغفرت کی۔ اور سعد بن ابی وقاص تندرست ہو گئے اور آپؐ کے بعد طویل عرصہ تک زندہ رہے، عراق کے فاتح آپ ہی ہیں) ابو عبد الرحمن کہتے ہیں: پس ہم پسند کرتے ہیں کہ آدمی تہائی سے کم کی وصیت کرے نبی ﷺ کے ارشاد: والثلث کبیر کی وجہ سے۔

نوٹ: مذکورہ حدیث جریر کی عطاء سے ہے اور جریر نے عطاء سے حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے مگر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ حدیث کی اور سندیں بھی ہیں۔

[۶] باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث والرُّبع

[۹۶۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَاجِرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: عَادَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيضٌ، فَقَالَ: ”أَوْصَيْتَ؟“ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: ”بِكُمْ؟“ قُلْتُ: بِمَالِي كُلِّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَالَ: ”لَمَّا قَرَأْتُ لَوْلَاكَ؟“ قَالَ: هُمْ أَغْنِيَاءُ بِخَيْرٍ، فَقَالَ: ”أَوْصِ بِالْعَشِيرِ“ قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَنْقِصُهُ حَتَّى قَالَ: ”أَوْصِ بِالْثُلُثِ، وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ“ قَالَ أَبُو عَبْدِ

(۱) قولہ اَنَا قُصِّصُ: بغیر نقطہ کی ص کے ساتھ بھی مروی ہے اور نقطہ والی ص کے ساتھ بھی مروی ہے، پہلی صورت میں طبری رحمہ اللہ نے حدیث کے معنی کئے ہیں: لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَنْقُصَ فِي التَّقْصَانِ أَيْ أَعَدَّ مَا يَتَخَرَّجُ نَاقِصًا وَدُورًا فِي صُورَةٍ فِي ابْنِ الْمَلِكِ لَمْ يَسْمَعْ كَيْفَ جَاءَ: مَا زِلْتُ أَنْقِصُ النَّسَبَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنَ الْمُنَاقِصَةِ أَيْ يَنْقُصُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَوْلَا، وَأَنْقُصُ قَوْلَهُ، أَرَادَ بِهِ الْمَوَاجِعَةَ، جُزْأً عَلَى الزِّيَادَةِ (مرقات شرح مشکوٰۃ ۲: ۱۸۳ باب الوصایا)

الرحمن: فَتَحْنُ نَسْتَحِبُّ أَنْ يُنْقَضَ مِنَ الثَّلَاثِ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالثَّلَاثُ كَثِيرٌ"
 وفي الباب: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثٌ مَعْنَاهُ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَى مِنْ
 غَيْرِهِ وَجْهٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ "كَثِيرٌ" وَيُرْوَى "كَثِيرٌ".
 والعمل على هذا عند أهل العلم لَا يَبْرُونَ أَنْ يُوصِيَ الرَّجُلُ بِأَكْثَرِ مِنَ الثَّلَاثِ، وَيَسْتَحِبُّونَ أَنْ
 يُنْقَضَ مِنَ الثَّلَاثِ، وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ: كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ فِي الْوَصِيَّةِ الْخُمْسَ ذُونَ الرَّبْعِ، وَالرَّبْعَ
 ذُونَ الثَّلَاثِ، وَأَنْ أُوصِيَ بِالثَّلَاثِ فَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا، وَلَا يَجُوزُ لَهُ إِلَّا الثَّلَاثُ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور اس حدیث میں کثیر بھی روایت کیا گیا
 ہے اور کثیر بھی، اور اس پر علماء کا عمل ہے، وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ آدمی تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے اور وہ
 ثلث سے کم کی وصیت کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور ثورثی فرماتے ہیں: چوتھائی سے پانچویں کی وصیت بہتر ہے اور
 تہائی سے چوتھائی کی، اور جس نے تہائی کی وصیت کر دی تو اس نے (اپنے حق میں سے) کچھ نہیں چھوڑا، اور آدمی کے
 لئے صرف تہائی مال کی وصیت جائز ہے اس سے زیادہ کی جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلْقِينِ الْمَرِيضِ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَالذَّعَاءِ لَهُ

سکرات میں کلمہ کی تلقین اور مریض کو دعا دینا

اس باب میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: جو شخص سکرات میں ہوا سے کلمہ کی تلقین کرنی چاہے، اور تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص
 مریض کے پاس بیٹھ کر اتنے جہر سے کہ مریض سنے: کلمہ پڑھے، جب مریض کلمہ سنے گا تو وہ خود پڑھے گا۔ مریض کو
 کلمہ پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے، کبھی سکرات میں سخت تکلیف ہوتی ہے پس ممکن ہے مریض جھلا کر کلمہ پڑھنے سے
 انکار کر دے، اور جب مریض ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو تلقین بند کر دے، پھر اگر وہ کوئی دینی بات بولے یا ذکر کرے تو
 کوئی حرج نہیں، اور اگر دنیوی بات بولے مثلاً استنجاء کرنے کے لئے کہے یا کسی سے ملنے کے لئے یا کچھ کھانے پینے
 کے لئے کہے تو دوبارہ تلقین کی جائے۔ ابن المبارک رحمہ اللہ کو بوقت نزع کسی نے کلمہ کی تلقین کی، آپؐ نے روز سے
 کلمہ پڑھا پھر بھی تلقین کرنے والا تلقین کرتا رہا تو آپؐ نے فرمایا: "جب تیرے کلمہ پڑھنے پر میں نے کلمہ پڑھ لیا تو یہ
 میرا آخری کلام ہے" امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن المبارکؒ نے ایک حدیث کی شرح کی ہے: مَنْ كَانَ آخِرُ
 كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ كَمَا مَطْلَبُ بَيَانٍ كَمَا هُوَ، وَاللَّهُ وَالْوَلَوْنَ كَمَا بَعْضُ حَالَاتٍ هِيَ، نَزْعٌ فِيهِ بَعْضُ هَوَشٍ كَمَا

یہ عالم ہے کہ لوگوں کو حدیث کا مطلب سمجھا رہے ہیں اور مسئلہ کی وضاحت کر رہے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ حضرت ابو زرعرہ رحمہ اللہ کا ہے، بوقت نزاع ان کے پاس بڑے بڑے محدثین (ان کے شاگرد) حاضر تھے، کوئی کلمہ کی تلقین کرنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا، ہر ایک سوچ رہا تھا کہ اتنے بڑے محدث کو کلمہ کی تلقین کیسے کریں؟ ایک صاحب کو ایک ترکیب سوچی، انھوں نے حدیث سنائی: حدثنی هذا الشيخ (اور ابو زرعرہ کی طرف اشارہ کیا) قال: نا فلان، نا فلان: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کان آخر کلامہ..... یہ کہہ کر رک گئے، حضرت ابو زرعرہؓ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ، اور اسی کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔

دوسری بات: جب کسی کا انتقال ہو جائے تو جو لوگ تعزیت یا جنازہ میں شرکت کے لئے آئیں وہ میت کے حق میں کلمہ خیر کہیں اور اپنے لئے بھی اور میت کے لئے بھی مغفرت طلب کریں، اس لئے کہ اس وقت کی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ لوگ اس موقع پر یہ غلطی کرتے ہیں کہ میت کے لئے تو دعا کرتے ہیں مگر خود کو بھول جاتے ہیں، حالانکہ اس وقت کی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں، پس پہلے اپنے لئے مغفرت طلب کرنی چاہئے، پھر میت کے لئے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو ان کے شوہر ابو سلمہ کی وفات پر جو دعا سکھلائی تھی اس میں پہلے اپنے لئے پھر میت کے لئے دعائے مغفرت تھی۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ”اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو“

تشریح

۱- بریلویوں کے نزدیک اس حدیث میں موتی سے حقیقی مردے مراد ہیں، چنانچہ ان کے یہاں تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی تدفین سے فارغ ہو کر ایک شخص سرہانے یا پائنتی کھڑا ہوتا ہے اور اس کا نام لے کر کہتا ہے: اے فلاں! یاد کرو تو مسلمان تھا اور لا الہ الا اللہ کا قائل تھا۔ باقی امت متفق ہے کہ حدیث میں مجاز مایوں ہے، یعنی جس شخص کا نزع شروع ہو چکا ہو، جو تھوڑی دیر کے بعد مرنے والا ہے: اس کو کلمہ کی تلقین کی جائے، یعنی مردے سے قریب المرگ مراد ہے۔

۲- کیا محمد رسول اللہ کی بھی تلقین کی جائے؟ پہلے میری رائے تھی کہ لا الہ الا اللہ عنوان تعبیری ہے، مراد پورا کلمہ یعنی شہادتین ہیں درمختار میں بھی یہی لکھا ہے، مگر اب میری رائے بدل گئی ہے، صرف لا الہ الا اللہ کی تلقین بھی کافی ہے، ہدایہ، نقایہ، وقایہ اور کنز کی تعبیرات اسی طرف مشیر ہیں، مگر لا الہ الا اللہ میں محمد رسول اللہ شامل ہونا چاہئے، پس عیسائیوں اور یہودیوں کا لا الہ الا اللہ کافی نہیں، کیونکہ ان کے لا الہ الا اللہ میں محمد رسول اللہ شامل نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقائد کو پھیلاؤں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں چھیا لیس عقیدے مذکور ہیں، مگر ان کا نچوڑ سات عقیدے ہیں جو ایمان مفصل میں آئے ہیں، ان سات کا بھی خلاصہ دو عقیدے ہیں: اللہ کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی

رسالت، کلمہ طیبہ میں یہی دو عقیدے لئے گئے ہیں، پھر ان کا مرجع پہلا عقیدہ لا الہ الا اللہ ہے، باقی سب عقیدے اس میں شامل ہیں، اس لئے صرف لا الہ الا اللہ پڑھنا بھی کافی ہے، مگر وہ لا الہ الا اللہ پڑھنا ضروری ہے جس میں محمد رسول اللہ بھی ہو، اگر عیسائی لا الہ الا اللہ پڑھے تو کافی نہیں کیونکہ اس کے کلمہ کے پہلے جزء میں عیسیٰ کلمۃ اللہ ہے، محمد رسول اللہ نہیں ہے، اسی طرح یہودیوں کے کلمہ میں موسیٰ کلیم اللہ ہے، عیسیٰ کلمۃ اللہ اور محمد رسول اللہ نہیں ہے اور مسلمانوں کے کلمہ میں موسیٰ کلیم اللہ بھی ہے، عیسیٰ کلمۃ اللہ بھی ہے اور محمد رسول اللہ بھی، اور اسی کلمہ پر نجات موقوف ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم مریض یا فرمایا: میت کے پاس جاؤ تو بھلی بات کہو، اس لئے کہ ملائکہ اس بات پر جو تم بولو گے آمین کہیں گے۔ ام سلمہ کہتی ہیں: جب ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو میں نبی ﷺ کے پاس گئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسلمہ کا انتقال ہو گیا ہے (میں کیا کہوں؟) آپ نے فرمایا: یہ کہو: ”اے اللہ! میری اور ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور مجھے ان کا اچھا عوض عطا فرما“ ام سلمہ کہتی ہیں: میں نے یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ کے عوض میں وہ ہستی عطا فرمائی جو ابوسلمہ سے بہتر ہے، مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

تشریح: ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اپنے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی نہایت محبت و عظمت تھی وہ خود فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھائی تو میں سوچتی تھی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ مگر میں نے یہ دعا کی۔ جب عدت کے بعد نبی ﷺ کا نکاح کا پیغام آیا تو سمجھ میں آیا کہ ابوسلمہ سے بھی بہتر کوئی شوہر ہو سکتا ہے۔

[۷] باب ماجاء فی تلقین المریض عند الموت، والدعاء له

[۹۶۴] - حدثنا أبو سلمة يحيى بن خلف البصري، نا بشر بن المفضل، عن عمارة بن غزوة، عن يحيى بن عمارة، عن أبي سعيد الخدري، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "لَقِّنُوا مَوْتَانَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ"

وفی الباب: عن أبي هريرة، وأم سلمة، وعائشة، وجابر، وسعدى المري، وهى امرأة طلحة بن عبيد الله، قال أبو عيسى: حديث أبي سعيد حديث غريب حسن صحيح.

[۹۶۵] - حدثنا هناد، نا أبو معاوية، عن الأعمش، عن ضيفي، عن أم سلمة، قالت: قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيضَ أَوْ: الْمَيِّتَ فَقُولُوا خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَوْمَئِذٍ يَوْمُونَ عَلَى مَا تَقُولُونَ" قالت: فَلَمَّا مَاتَ أَبُو سَلَمَةَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا سَلَمَةَ مَاتَ، قَالَ: لَقُولِي: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلَهُ، وَأَعِزَّنِي مِنْهُ عَقَبِي حَسَنَةً" قالت: فَقُلْتُ، فَأَعِزَّنِي اللَّهُ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قال ابو عیسیٰ: شقیق: هو ابن سلمة، أبو وإیل الأسدی، قال ابو عیسیٰ: حدثت أم سلمة
حدثت حسن صحیح.

وقد كان یستحب أن یلقن المریض عند الموت قول لا إله إلا الله، ولان بعض اهل العلم: إذا
قال ذلك مرة فمالم یتكلم بعد ذلك فلا یتبخی أن یلقن، ولا یكفر علیه فی هذا، وروی عن ابن
المبارک: أنه لما حضرته الوفاة جعل رجل یلقنه لا إله إلا الله، وكفر علیه، فقال له عبد الله: إذا
قلت مرة، قلنا على ذلك، مالم یتكلم بكلام، وإنما معنی قول عبد الله: إنما أراد ما روى عن النبی
صلی الله علیه وسلم: من كان آخر قوله لا إله إلا الله دخل الجنة.

ترجمہ: اور پسند کیا جاتا ہے کہ مریض کو مرتے وقت کلمہ طیبہ کی تلقین کی جائے، اور بعض علماء کہتے ہیں: جب
مریض نے یہ کلمہ ایک مرتبہ کہہ لیا تو اس کے بعد جب تک وہ کوئی (دنیوی) بات نہ کرے (دوبارہ) تلقین کیا جانا
مناسب نہیں اور اس سلسلہ میں اس پر زیادتی نہ کی جائے یعنی بار بار کلمہ نہ کہلایا جائے، اور ابن المبارک کے بارے میں
مروی ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو ایک شخص ان کو لا إله إلا الله کی تلقین کرنے لگا اور وہ بار بار تلقین کرتا رہا تو
ابن المبارک نے کہا: جب میں نے ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیا تو میں اسی پر ہوں (یعنی وہ میرا آخری کلام ہے) اور عبد الله
بن المبارک کے قول کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اس حدیث کی شرح کی ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے کہ: ”جس
فخص کا آخری کلام لا إله إلا الله ہو وہ جنت میں داخل ہوگا“

باب ما جاء فی التشلید عند الموت

موت کے وقت سختی کا پیش آنا

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جبکہ جان کنی کا وقت تھا، آپ کے
پاس ایک پیالہ رکھا تھا جس میں پانی تھا، آپ اپنا ہاتھ پیالے میں ڈالتے تھے اور بیٹھا ہوا ہاتھ چہرہ پر پھیرتے تھے اور
فرماتے تھے: ”اے اللہ! موت کی سختیوں میں میری مدد فرما! (معری نسخہ میں اوہے راوی کو شک ہے کہ آپ نے لفظ
عَمَرَات فرمایا یا سَکَرَات، دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی سختیاں)

تشریح: آنحضور ﷺ کی بے چینی اور وعادیل ہے کہ آپ کو جان کنی کے وقت سخت تکلیف تھی جبکہ کائنات
میں آپ سے افضل کوئی نہیں، پس موت کے وقت کی تکلیف خراہ کتنی ہی سخت ہو، آدمی کے گزہ گار ہونے کی دلیل نہیں
شدائد الموت کی اور بھی مصلحتیں ہوتی ہیں اس کا محبوبیت و مغنویت سے کچھ تعلق نہیں۔

نوٹ: اس حدیث کا ایک راوی موسیٰ بن سر جس مجہول ہے اس سے روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہے، اس

لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب بمعنی ضعیف کہا ہے۔

حدیث (۲): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں کسی پر موت کی آسانی کی وجہ سے رشک نہیں کرتی جب۔ سر میں نے نبی ﷺ کی وفات کے وقت کی سخت دیکھی ہے، یعنی اگر کسی کی موت آسانی سے چٹ پٹ ہو جاتی ہے تو یہ کوئی قابل رشک بات نہیں، کیونکہ موت کی آسانی محبوبیت کی دلیل اور سختی مبغوضیت کی دلیل نہیں ہے، پس موت خواہ آسانی سے آئے یا سختی سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ موت کی سختی کبھی رفع درجات کے لئے ہوتی ہے، اور نرمی اس لئے ہوتی ہے کہ اس کی حسناات کا بدلہ اسی دنیا میں دیدیا جائے، کیونکہ آگے اس کا کوئی حصہ نہیں۔

[۸] باب ماجاء فی التشدید عند الموت

[۹۶۶-] حدثنا قتيبة، نا الليث، عن ابن الهادي، عن موسى بن سرجس، عن القاسم بن محمد، عن عائشة، أنها قالت: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بالموت، وعنده قدح فيه ماء، وهو يذجل يده في القدح، ثم يمسح وجهه بالماء، ثم يقول: "اللهم اعنني على عمرات الموت أو سكرات الموت"

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب.

[۹۶۷-] حدثنا الحسن بن الصباح البزاز، نا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبد الرحمن بن العلاء، عن أبيه، عن ابن عمر، عن عائشة قالت: ما أعطي أحدًا بهون موت بعد الذي رأيت من شدة موت رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: وسألت أبا زرعة عن هذا الحديث، قلت له: من عبد الرحمن بن العلاء؟ قال هو ابن العلاء بن اللخلاج، وإنما أعرفه من هذا الوجه.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابو زرعة سے اس حدیث کے (ایک راوی کے) بارے میں پوچھا کہ: عبد الرحمن بن العلاء کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: جس کے دادا کا نام لُجلاج ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں اس کو صرف اسی سند سے جانتا ہوں۔

باب [ما جاء أن المؤمن يموت بقرق العجین]

مؤمن ماتتہ کے پسینہ سے مرتا ہے

تشریح: یہ حدیث ہی کے الفاظ ہیں، اور اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

ایک: مؤمن کو بوقت موت سخت تکلیف ہوتی ہے، ماتھے کا پسینہ موت کی شدت سے کنایہ ہے، کیونکہ انسان کے جسم میں بعض حصے وہ ہیں جہاں پسینہ جلد آتا ہے جیسے بغل، اور بعض حصوں میں دیر سے پسینہ آتا ہے جیسے ہتھیلی اور ماتھا، جب سخت مشقت پیش آتی ہے تب ماتھے پر پسینہ آتا ہے، پس مؤمن کے ماتھے پر بوقت موت پسینہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے مرتے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

اور دوسرا مطلب: یہ ہے کہ جب روح پرواز کرتی ہے تو مؤمن کے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آتا ہے، اور یہ اس کے ایماندار ہونے کی علامت ہے، اور میرے خیال میں دونوں ہی مطلب مراد ہیں۔ واللہ اعلم
نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

[۹] باب [ما جاء أن المؤمن يموت بعرق الجبین]

[۹۶۸] - حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُؤْمِنُ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ"
وفی الباب: عن ابن مسعود، قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن، وقال بعض أهل الحديث: لا تعرف إفتادة سماعاً من عبد الله بن بريدة.

ترجمہ: بعض محدثین کہتے ہیں: ہم قتادہ کا عبد اللہ بن بریدہ سے سماع نہیں جانتے، پس حدیث میں انقطاع ہو سکتا ہے۔

باب [ما جاء في الخوف والرجاء عند الموت]

بوقت موت امید و بیم کا اجتماع پسندیدہ ہے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے، اس کا تقریباً نزع شروع ہو چکا تھا، آپ نے پوچھا: تو اپنے آپ کو کیسا پاتا ہے؟ یعنی تیری طبیعت کیسی ہے؟ اس نوجوان نے لفظوں کی گنجائش سے فائدہ اٹھا کر جواب دیا: مجھے اللہ کی رحمت کی بھی امید ہے اور میں اپنے گناہوں سے بھی ڈرتا ہوں۔ آپ نے یہ جواب پسند کیا اور فرمایا: نہیں جمع ہوتیں یہ دونوں باتیں کسی مؤمن کے دل میں اس جیسے وقت میں (یعنی جان کنی کے وقت میں) مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں جس کی وہ امید باندھتا ہے اور اس چیز سے بچاتے ہیں جس سے وہ ڈرتا ہے۔

تشریح: ایمان: خوف ورجاء کی ملی جلی کیفیت کا نام ہے، محض خوف مایوسی پیدا کرتا ہے اور اللہ کی رحمت سے مایوسی

کفر ہے ﴿إِنَّهُ لَا يَخْشَىٰ مِنْ رَّبِّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُونَ﴾ (سورۃ یوسف آیت ۸۷) اور صرف امید گناہوں پر بے باک کرتی ہے، دنیا میں ایسے مسلمان بھی ہیں جن کو اگر گناہوں پر ڈرایا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں: اللہ غفور رحیم ہیں! بیشک اللہ غفور رحیم ہیں مگر ان کی پکڑ بھی تو سخت ہے، سورۃ حجر میں ہے: ﴿لَيْسَ عِبَادِي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾ (آیت ۴۹-۵۰) اور سورۃ المائدہ میں ہے: ﴿اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [الآیۃ ۹۸] پس ایک صفت پر تکیہ کر لینا اور دوسری صفت کو بھول جانا کونسی عقلندی کی بات ہے؟ غرض ہم درجہ کی مرکب کیفیت کا نام ایمان ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں: تدرستی کے زمانہ میں خوف کی کیفیت غالب رہنی چاہئے تاکہ بندہ زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کرے اور برائیوں سے بچے، اور سکرات میں امید کا پہلو غالب ہو جانا چاہئے، کیونکہ اب عمل کا وقت ختم ہو گیا، اب امید ہی کا آسرا ہے۔

[۱۰] باب [ما جاء في الخوف والرجاء عند الموت]

[۹۶۹-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي زَيْدٍ، وَهَارُوتُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ النَّزَّارُ الْبَغْدَادِيُّ، قَالَا: نَا سَيَّارُ بْنُ خَاتِيمٍ، نَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ قَابِطٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى شَابٍّ، وَهُوَ بِالْمَوْتِ، فَقَالَ: "كَيْفَ تَجِدُكَ؟" قَالَ: وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَرْجُو اللَّهَ، وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي يَوْمٍ هَذَا الْمَوْطِنُ، إِلَّا أُعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَرْجُو، وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ"

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، وَلَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ قَابِطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

باب ما جاء في كراهية النّعي

موت کی تشہیر کرنے کی ممانعت

موت کی تشہیر کے لئے اقوام عالم مختلف طریقے اختیار کرتی ہیں، زمانہ جاہلیت میں موت کی تشہیر کا ایک طریقہ یہ تھا کہ قبر پر اونٹنی باندھ دیتے تھے، وہ وہیں بھوکی پیاسی مرجاتی تھی۔ اور یہ طریقہ بھی تھا کہ رونے والیوں کو بلاتے تھے، وہ معاہدہ کے مطابق روزانہ میت کے گھر آ کر روتی تھیں اور میت کے فضائل بیان کرتی تھیں وہ یہ کام اجرت پر کرتی تھیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں میں موت کی تشہیر کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مرد یا عورت پیرانہ سالی میں مرنے لگے تو برادری کی دعوت کی جاتی ہے، مرگھٹ پر ایک طرف میت جلتی ہے اور دوسری طرف کھانا پکایا ہے۔ اسی طرح ماتم

کرنا یعنی سینہ بیٹنا، پترے پھاڑنا، سراور بھنوں منڈا دینا وغیرہ بھی موت کی تشہیر کے طریقے ہیں، اور آج کل کے نئے طریقوں میں سے یہ ہے کہ اخباروں میں دیا جاتا ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کیا جاتا ہے جبکہ مرنے والے کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ یہ سب طریقے ممنوع ہیں، البتہ رشتہ داروں کو، اصحاب کو یعنی میت سے تعلق رکھنے والوں کو، شاگردوں اور مریدوں کو اور نیک لوگوں کو کسی کی موت کی خبر دینا تا کہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا میت کے لئے دعائے خیر کریں جائز ہے، البتہ اقارب کے انتظار میں تدفین میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

حدیث (۱): حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو وصیت کی: جب میں مر جاؤں تو کسی کو میری موت کی خبر نہ کرنا، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ موت کی تشہیر نہ ہو جائے۔ اور میں نے نبی ﷺ کو سنا ہے: آپ موت کی تشہیر کرنے سے روکتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا یہ حصہ تو مرفوع ہے کہ آپ نے موت کی تشہیر سے منع فرمایا ہے، اور دوسرا حصہ صحابی کا فہم ہے جیسے سورہہ کے مسئلہ میں: **إِلَہَا مِنَ الطَّوْغَاتِ عَلَیْکُمْ أَوْ الطَّوْغَاتِ مَرْفُوعٌ** ہے، اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا برتن جھکا کر ملی کو پانی پلانا پھر اس کے سور سے وضو کرنا: صحابی کا فہم ہے، اول جہت ہے اور ثانی میں اختلاف ہے، اس حدیث کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ تمام علماء کی رائے یہ ہے کہ اقارب کو، اصحاب کو، اہل خیر کو اور عام لوگوں کو کسی کی موت کی خبر دینا تا کہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا دعائے خیر کریں جائز ہے، ممنوع تشہیر میں یہ بات داخل نہیں، اور حضرت حذیفہ نے غایت احتیاط سے اس کو بھی موت کی تشہیر میں لیا ہے اور دلیل الہی اخاف ہے یعنی یہ بات یقینی نہیں۔

نوٹ: مذکورہ حدیث مصری نسخ میں بعد میں ہے اور دوسری نسخ صحیح ہے اس لئے کہ امام ترمذی نے وفی الباب میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ اور یہ بات امام ترمذی کی عادت کے خلاف ہے، وہ جس حدیث کو بیان کر چکے ہوں وفی الباب میں اس کا حوالہ نہیں دیتے اور پوری کتاب میں جہاں بھی ایسا ہوا ہے وہاں نسخوں کا اختلاف ہے، البتہ امام ترمذی وفی الباب میں حدیث کا حوالہ دینے کے بعد پھر اسی باب میں اس حدیث کی تخریج کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت حذیفہ کی حدیث بعد میں ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: موت کی تشہیر کرنے سے بچو، اس لئے کہ موت کی تشہیر ہندوانہ طریقہ ہے، ابن مسعود فرماتے ہیں: النعی کے معنی ہیں: موت کی بانگ دینا۔

تشریح: ایک ہے اعلام یعنی خبر دینا، اطلاع کرنا۔ اور اذان کے معنی ہیں: بانگ دینا۔ یہ اعلام سے اوپر کا درجہ ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نفی کے ترجمہ میں اعلام لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ لفظ اذان استعمال کیا ہے، پس دونوں میں فرق کرنا چاہئے۔ اور یہ حدیث ضعیف ہے ابو حمزہ میمون الاحمر کی محدثین نے تضعیف کی ہے، نیز اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے، عنہ: ابو حمزہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں، اور سفیان ثوری موقوف

بیان کرتے ہیں اور امام ترمذی نے حدیث موقوف کو اس طرح قرار دیا ہے یعنی یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔

[۱۱] باب ماجاء فی کراهیۃ النعی

[۹۷۰] - حدثنا أحمد بن منيع، نا عبد القلوس بن بكر بن خنيس، نا حبيب بن مسلم الغنصی، عن بلال بن يحيى الغنصی، عن حذيفة، قال: إِذَا مِتَ فَلَا تُؤْذِنُوا بِي أَحَدًا، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ نَعْيًا، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنِ النَّعْيِ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[۹۷۱] - حدثنا محمد بن حميد الرازي، نا حكام بن مسلم، وهارون بن المغيرة، عن عنبسة، عن أبي حمزة، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، عن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: "إِنَّا كُمْ وَالنَّعْيُ، فَإِنَّ النَّعْيَ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ" قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَالنَّعْيُ: إِذَا نَبَّيْتُ بِالْمَيِّتِ. وفي الباب: عَنْ حذيفة.

حدثنا سعيد بن عبد الرحمن المخزومي، نا عبد الله بن الوليد العدني، عن سفيان الثوري، عن أبي حمزة، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله بن نوح، ولم يرفعه، ولم يذكر فيه: "وَالنَّعْيُ إِذَا نَبَّيْتُ بِالْمَيِّتِ" وهذا أصح من حديث عنبسة عن أبي حمزة، وأبو حمزة: هُوَ مَيِّتُ الْأَعْرُ، وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِي، عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

قال أبو عيسى: حديث عبد الله حديث غريب، وقد كره بعض أهل العلم النعي، والنعي: عِنْدَهُمْ أَنْ يُنَادَى فِي النَّاسِ بِأَنْ فَلَانَا مَاتَ، لِيَشْهَدُوا جَنَازَتَهُ، وقال بعض أهل العلم: لَا بُدَّ أَنْ يُعْلِمَ الرَّجُلُ قَرَابَتَهُ وَإِخْوَانَهُ، وَرَوَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا بُدَّ أَنْ يُعْلِمَ الرَّجُلُ قَرَابَتَهُ.

ترجمہ: بعض علماء نے موت کی تشہیر کو ناپسند کیا ہے اور ان کے نزدیک تشہیر یہ ہے کہ لوگوں میں اعلان کیا جائے کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا تاکہ وہ اس کے جنازہ میں شرکت کریں۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی میت کے رشتہ داروں کو اور اس کے اصحاب کو خبر کرے۔ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی میت کے رشتہ داروں کو خبر کرے۔

باب ماجاء أنَّ الصبر في الصلوة الأولى

کامل صبر وہ ہے جو صدمہ کی ابتداء میں ہو

صدمہ: کے معنی ہیں: بگڑانا۔ احادیث شریفہ میں معاصی پر صبر کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں، مگر وہ ثواب

اس وقت صبر کرنے میں ہے جب پہلی بار مصیبت دل کے ساتھ ٹکرائے، کیونکہ ایک وقت کے بعد تو ہر ایک کو صبر آئی جاتا ہے اور علماء نے فرمایا ہے کہ جب بھی مصیبت یاد آئے اور اس پر صبر کرے تو اس میں بھی ثواب ہے، بعض حادثے ایسے ہوتے ہیں کہ جب بھی یاد آتے ہیں دل میں ایک سکک اٹھتی ہے اور دل بھرا جاتا ہے اس وقت بھی صبر کرنے پر ثواب ملتا ہے، جیسے سیرت نبوی کا مطالعہ کر رہے ہوں اور آپ کی وفات کا ذکر آئے تو دل بھرا جاتا ہے اور آنکھیں اٹکلبار ہو جاتی ہیں اس صبر پر بھی ثواب ملے گا۔ لیکن صبر پر جو وعدے ہیں وہ جب ہیں کہ حادثہ پیش آنے پر صبر کیا جائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”صبر صمدہ کی ابتداء میں ہے“ اور اس حدیث کا شان و ردد یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ قبرستان کے قریب سے گزر رہے تھے آپ نے ایک عورت کو قبر پر روتے ہوئے دیکھا اس کا لوجوان بیٹا وفات پا گیا تھا، وہ اس کی قبر پر روروی تھی آپ نے اس کو صبر کی تلقین کی۔ اس نے پہچانے بغیر کہا: جاؤ! جو مصیبت مجھ پر آئی ہے اگر تم پر آتی تو میں، کبھی تم کیسا صبر کرتے ہو! آپ برا مانے بغیر وہاں سے چلے گئے، بعد میں جب اس عورت کو بتایا گیا کہ جو صاحب صبر کی تلقین کر رہے تھے وہ آنحضرت ﷺ تھے تو وہ اپنے بچہ کا غم بھول گئی اور آپ کی بے حرمتی کا فکر سوار ہو گیا، چنانچہ بھاگی ہوئی آپ کے گھر پہنچی آپ گھر میں موجود نہیں تھے، وہ بیٹھ کر رونے لگی، اس سے وجہ پوچھی گئی تو بتاتی نہیں، جب آپ گھر لوٹے تو بتایا گیا کہ ایک عورت بیٹھی روروی ہے اور وجہ نہیں بتاتی، آپ نے اس کو دیکھا تو پہچان لیا، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، آپ نے فرمایا: الصبر عند الصدمة الأولى یعنی جس وقت صمدہ پہنچے اس وقت صبر کرنے کا بڑا ثواب ہے، دیر سویر تو سب کو صبر آئی جاتا ہے (بخاری حدیث ۱۲۸۳)

[۱۲] باب ماجاء أن الصبر في الصدمة الأولى

[۹۷۲-] حدثنا قتيبة، نا الليث، عن يزيد بن أبي حبيب، عن سعد بن مسعود، عن أنس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”الصبر في الصدمة الأولى“
قال أبو عيسى: هذا حديث غريب من هذا الوجه.
[۹۷۳-] حدثنا محمد بن بشر، نا محمد بن جعفر، عن شعبه، عن ثابت البناني، عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”الصبر عند الصدمة الأولى“
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دو سندیں پیش کی ہیں، پہلی سند غریب ہے، اس میں سعید بن مسعود ضعیف راوی ہے اور دوسری سند صحیح ہے۔

باب ماجاء فی تقبیل المیت

میت کو چومنے کا بیان

جس طرح زندے کی تقبیل جائز ہے، مردے کی تقبیل بھی جائز ہے۔ مرنے کے بعد اگرچہ میت کا جسم ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے غسل فرض ہے، اس کے بغیر نماز جنازہ جائز نہیں، مگر یہ نجاست حکمی ہے حقیقی نجاست نہیں۔ پس ظاہر بدن پاک ہے اس لئے میت کو چوم سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد چوما ہے۔ حضرت عثمانؓ آنحضور ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، انھوں نے دو ہجرتیں کی تھیں، زہاد صحابہ میں ان کا شمار تھا اور مہاجرین میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تھا، جب ان کی وفات ہوئی اور آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ تشریف لے گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور خود نبی پاک ﷺ کو وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چوما ہے اور فرمایا: طِبْتُ حَيًّا وَمَيِّتًا: آپ جب زندہ تھے تب بھی سحرے تھے اور وفات کے بعد بھی سحرے ہیں۔ غرض میت کی تقبیل جائز ہے اور اس میں اتفاق ہے۔

[۱۳] باب ماجاء فی تقبیل المیت

[۹۷۴] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَنْكِي أَوْ قَالَ: غَيَّاهُ تَذْرِفَانِ.

وفی الباب: عن ابن عباس وجابر، وعائشة، قالوا: إِنَّهَا بَكَتْ قَبْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَيِّتٌ.

قال أبو عیسی: حدیث عائشة حدیث حسن صحیح.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عثمان بن مظعون کو چوما در انحالیکہ وہ وفات پا چکے تھے اور آپ رو رہے تھے یا فرمایا: آپ کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

باب میں ابن عباس، جابر اور عائشہ کی روایتیں ہیں ان کا مشترک مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو چوما در انحالیکہ آپ وفات پا چکے تھے۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ کی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے جبکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہیں، یہ حضرت عمرؓ کے صاحب زادے عاصم کے پوتے ہیں اور ضعیف ہیں۔

باب ماجاء فی غسل الميت

میت کو نہلانے کا بیان

میت کو نہلانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، جس طرح زندگی میں جنابت کا غسل کرتے ہیں اسی طرح میت کو نہلایا جائے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ میت کو نہلانے کا کوئی خاص طریقہ ہے، جو قصص طریقہ جانتا ہے وہی نہلا سکتا ہے، مگر دیہات کے لوگ اور عورتیں خود ہی نہلاتی ہیں۔ اس لئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ میت کو نہلانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، زندگی میں آدمی جس طرح غسل جنابت کرتا ہے اسی طرح میت کو بھی نہلانا ہے، البتہ عام طور پر میت کا منہ بند ہو جاتا ہے اس لئے کلی کی جگہ بھیگی ہوئی روئی وغیرہ مضمضہ کی نیت سے تین مرتبہ میت کے ہونٹوں پر پھیرنے سے مضمضہ ہو جاتا ہے اور منہ کھلا ہو تو اندر کا حصہ بھیگی ہوئی روئی سے صاف کیا جائے، اور بھیگی ہوئی روئی سے میت کی ناک اچھی طرح صاف کرنے سے استسقاء ہو جاتا ہے، بہر حال میت کے منہ اور ناک میں پانی نہیں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کو نکالنا مشکل ہو گا باقی جو احکام غسل جنابت کے ہیں وہی میت کے غسل کے بھی ہیں یعنی غسل جنابت میں جو فرائض، سنن اور مستحبات غسل میت میں بھی ہیں، اور جس طرح سنن و مستحبات کا لحاظ کئے بغیر غسل کرنے سے غسل صحیح ہو جاتا ہے اسی طرح میت کو نہلانے میں بھی سنن و مستحبات کی رعایت نہ کی جائے تو بھی غسل صحیح ہو جاتا ہے۔ غسل میت میں اصل یہ ہے کہ میت کو اچھی طرح دھو ڈالا جائے اور اس کو صاف ستھرا کر دیا جائے۔

اور میت کو نہلانے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی راہ لیتا ہے، شریعت نے حکم دیا ہے کہ اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا جائے، اور میت کی تکریم کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ اس کو نہایت پاکیزہ حالت میں نہلا کر اور اچھے کپڑے پہنا کر رخصت کیا جائے۔

حدیث: ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی کا انتقال ہوا وہ صاحبزادی یا تو حضرت ام کلثوم تھیں (کما ورد فی ابن ماجہ) یا حضرت زینب تھیں، اور اصح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینبؓ کا ہے (کما ورد فی المسلم) جب خواتین ان کو نہلانے کے لئے جمع ہوئیں تو آپؐ نے ان کو یہ ہدایات دیں: میت کو طاق مرتبہ دھوؤ! تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اس سے زیادہ اگر تم ضرورت محسوس کرو (یعنی اگر پانچ مرتبہ میں بھی میت صاف نہ ہو تو زیادہ دھوؤ مگر طاق عدد کا خیال رکھو) اور تم اس کو پیری کے جوش دیئے ہوئے پتوں کے پانی سے نہلاؤ، اور آخر میں کافور کو، یا فرمایا: کچھ کافور کو گردانو (یعنی آخری بار کافور ملے ہوئے پانی سے دھوؤ) پس جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر کرو (ام عطیہ کہتی ہیں) جب ہم غسل دے چکے تو ہم نے آنحضرت ﷺ کو خبر کی۔ آپؐ نے (باہر سے) ہماری

طرف اپنی لنگی پھینکی (جو آپؐ ساتھ لائے تھے) اور فرمایا: اس کو میت کے جسم سے متصل رکھو (یعنی اس کو کفن میں اس طرح رکھو کہ وہ میت کے بدن سے لگی رہے) ام عطیہ کہتی ہیں: اور ہم نے صاحبزادی کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائیں اور ہم نے ان کو پیچھے ڈال دیا۔ نیز ام عطیہ کہتی ہیں: اور ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کی دہائی جانب سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کرو۔

تشریح

۱- بیری کے پتے ابالے ہوئے پانی سے غسل دیئے کی، اور تین سے زیادہ مرتبہ دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے احتمال ہے کہ میت کا بدن چرکیں ہو گیا ہو اور بدبو پیدا ہو گئی ہو اس لئے تین بار دھونے پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ ضرورت ہو تو زیادہ بھی دھویا جائے۔ اور بیری کے پتے ابالا ہوا پانی جسم سے میل خوب صاف کرتا ہے جس طرح لوگ صابن سے نہاتے ہیں اسی طرح یہ پانی استعمال کیا جاتا تھا، پس اگر بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو صابن بھی کافی ہے۔

۲- آخری مرتبہ کا فور ملا ہوا پانی استعمال کرنے میں چار فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: اس سے جسم جلدی خراب نہیں ہوتا، کا فور میں یہ خاصیت ہے کہ جس چیز میں وہ استعمال کیا جاتا ہے اس میں جلدی تغیر نہیں آتا۔

دوسرا فائدہ: کا فور لگانے سے موذی جانور، کیڑے وغیرہ پاس نہیں آتے اسی لئے لوگ کتابوں اور کپڑوں میں کا فور کی گولیاں رکھتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: کا فور ایک سستی خوشبو ہے جس سے جسم معطر ہو جاتا ہے۔

چوتھا فائدہ: کا فور تیز خوشبو ہے پس اگر اچھی طرح نہلانے کے باوجود جسم میں کچھ بدبو رہ گئی ہوگی تو وہ کا فور کی خوشبو سے دب جائے گی۔

۳- آنحضرت ﷺ نے کفن میں شامل کرنے کے لئے اپنی لنگی اس لئے عنایت فرمائی تھی کہ برکت ہو، اور یہ برکت کی اصل ہے، اور برکت کی دوسری اصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، دائیں ام ہانی تھیں، آپؐ نے بچا ہوا ان کو دیا، انھوں نے روزہ ہونے کے باوجود اس کو پی لیا اور روزہ توڑ دیا، کیونکہ روزہ کی توقضا بھی ہو سکتی ہے اور تہرک ہاتھ سے چلا جائے گا تو اگلی پی جائے گی اور وہ محرم رہ جائیں گی، نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جبہ تھا جس کی انھوں نے زندگی بھر حفاظت کی تھی اور وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ مجھے اس جبہ میں کفن دیا جائے کیونکہ میں نے یہ جبہ یمن کر بدر کی جنگ لڑی ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے میری ان مستعمل چادروں میں کفن دیا جائے، مگر والوں نے عرض کیا: ہم آپؐ کو نئے کپڑوں میں کفن دیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے ان چادروں میں نمازیں پڑھی ہیں۔

غرض تبرک کا ثبوت ہے مگر تبرک اپنے محل میں کام کرتا ہے غیر محل میں کام نہیں کرتا۔ نبی ﷺ نے رئیس الرافضین عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو کفن میں پہناتے کے لئے اپنا کرتا عنایت فرمایا تھا مگر وہ اس کے لئے بے کار تھا۔

۴۔ حضرت ذنب رضی اللہ عنہا کو جن عورتوں نے نہلایا تھا انھوں نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بٹائی تھیں اور ان کو پیچھے ڈالا تھا، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی ہدایت نہیں دی تھی اس لئے عورت کے بال کس طرح اور کہاں رکھے جائیں؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بالوں کے دو حصے کئے جائیں اور دائیں بائیں کندھے سے نکال کر سینہ پر رکھے جائیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر پیچھے رکھی جائیں۔

۵۔ مردے کو نہلاتے وقت سب سے پہلے وضو کرائیں گے اور مردے کا منہ بند ہو تو بھیگی ہوئی روئی اس کے ہونٹوں پر پھیر دیں اور منہ کھلا ہو تو بھی روئی وغیرہ بھگو کر اس کے منہ کے اندر پھیر دیں، منہ میں پانی نہ ڈالیں کیونکہ اس کا نکالنا دشوار ہوگا۔ اسی طرح ناک کے اندر بھی روئی پھیریں، اس سے مضمحہ اور استسحاق ہو جائے گا، پھر پورے بدن پر پانی ڈال کر دھوئیں اور چہاں دایاں، بایاں ہے وہاں دائیں کو مقدم کریں جیسے پہلے دائیں کروٹ پر پانی ڈال کر دھوئیں اور جسم کی داہنی جانب سے غسل شروع کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ مردہ کا غسل زعدہ کے غسل کی طرح ہے، زندقہ میں نہانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اسی طرح مردے کے غسل میں بھی یہ بات ملحوظ رکھی جائے، کیونکہ اس میں دائیں جانب کے اعضاء کا احرام ہے۔

[۱۴] باب ماجاء فی غسل الميت

[۹۷۵] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا هُشَيْمٌ، نَا عَالِدٌ، وَمَنْصُورٌ، وَهَشَامٌ، فَأَمَّا عَالِدٌ وَهَشَامٌ فَقَالَا: عَنْ مُحَمَّدٍ وَحَفْصَةَ، وَقَالَ مَنْصُورٌ: عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: تَوَلَّيْتُ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "اغْسِلْنَهَا وَتَرَا: فَلَاكُ أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتَنَ، وَاغْسِلْنَهَا بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْأُجْرَةِ كَأَفُورًا أَوْ: شَيْئًا مِنْ كَأَفُورٍ، فَإِذَا فَرَعْتَنَ فَأَذْنِي" فَلَمَّا فَرَعْنَا أَذْنَاهَا، فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: "أَشْعِرْنَهَا بِهِ" قَالَ هُشَيْمٌ: وَفِي حَدِيثٍ غَيْرِ هَذَا، وَلَا أَذْرِي لَعَلَّ هَشَامًا مِنْهُمْ، قَالَتْ: وَحَقَرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ، قَالَ هُشَيْمٌ: أَكْثَرُهُ قَالَ: فَأَلْقَيْنَاهُ خَلْفَهَا، قَالَ هُشَيْمٌ: فَحَدَّثَنَا عَالِدٌ مِنْ بَنِي الْقُرَيْشِ، عَنْ حَفْصَةَ، وَمُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: وَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْدَانِي بِبَيَاضِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ"

وفی الباب: عن أم سليم، قال أبو عيسى: حديث أم عطية حديث حسن صحيح.
والعمل على هذا عند أهل العلم، وقد روى عن إبراهيم النخعي أنه قال: غسل الميت كالغسل

مِنَ الْجَنَائِزِ، وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ: لَيْسَ يُغَسَّلُ الْمَيِّتُ عِنْدَنَا حَتَّى مَوْتَهُ، وَلَيْسَ لِدَايِكَ صَفَةٌ مَعْلُومَةٌ، وَلَكِنْ يُطَهَّرُ.

قَالَ الشَّافِعِيُّ: إِنَّمَا قَالَ مَالِكٌ قَوْلًا مُجْمَلًا: يُغَسَّلُ وَيَنْقَى، وَإِذَا انْقَضَى الْمَيِّتُ بِعَاءِ الْقَرَّاحِ أَوْ مَاءٍ غَيْرِهِ أَجْزَأُ ذَلِكَ مِنْ غُسْلِهِ، وَلَكِنْ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُغَسَّلَ ثَلَاثًا لِمَصَاعِدَا، لَا يَنْقُصُ عَنْ ثَلَاثٍ، إِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا" وَإِنْ اتَّقَوْا فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ مَرَاتٍ أَجْزَأُ. وَلَا يَرَى أَنَّ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هُوَ عَلَى مَعْنَى الْإِنْقَاءِ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا وَلَمْ يُقَوِّضْ، وَكَذَلِكَ قَالَ الْفُقَهَاءُ، وَهُمْ أَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيثِ.

وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ: وَتَكُونُ الْغَسَلَاتُ بِعَاءٍ وَسِدْرٍ، وَيَكُونُ فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ مِنَ الْكَافُورِ.

وضاحت: حضرت ام عطیہ کی حدیث ان سے صرف محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین (بھائی بہن) روایت کرتے ہیں، پھر ان سے متعدد روایات روایت کرتے ہیں، جیسے: خالد حذاء، منصور بن زاذان، ہشام بن حسان، ایوب سختیانی اور ام ابیہیل وغیرہ۔ امام ترمذی نے ہشیم بن بشیر (بروز عظیم) کی روایت لکھی ہے وہ تین اسانید سے یعنی خالد، منصور اور ہشام سے روایت کرتے ہیں، پھر خالد اور ہشام تو محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین دونوں سے روایت کرتے ہیں اور منصور صرف محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔

ہشیم کہتے ہیں: اور ان تین اسانید کے علاوہ کی روایت میں — اور میں نہیں جانتا شاید ہشام ان میں سے ہوں (یعنی شاید ہشام کی روایت میں بھی اگلا مضمون ہے) — ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اور ہم نے صاحبزادی کے بالوں کی تین چوٹیاں نہیں، ہشیم کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ اس غیر (علاوہ) راوی نے یہ بھی کہا کہ ہم نے بالوں کو میت کے پیچھے ڈال دیا (یہ سارا مضمون صراحۃً مرفوع نہیں، یعنی نبی ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا یا نہلانے والیوں نے خود ایسا کیا تھا، یہ بات صاف نہیں) ہشیم کہتے ہیں: میرے تین اسانید میں سے خالد حذاء نے حفصہ اور محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا کہ ام عطیہ نے کہا: اور ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صاحبزادی کی دائیں جانب سے اور وضو کے اعضاء سے نہلانا شروع کرو (یہ مضمون صراحۃً مرفوع ہے)

غسل میت کے سلسلہ میں یہی بنیادی حدیث ہے، تمام مسائل کا اسی پر مدار ہے اور اس حدیث میں جو کچھ آیا ہے اس پر اتفاق ہے، بس ایک مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عورت کے بال کس طرح رکھے جائیں؟ اس حدیث میں یہ ہے کہ نہلانے والیوں نے صاحبزادی کے بالوں میں کنگھی کر کے تین چوٹیاں بنی تھیں اور ان کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا تھا مگر کنگھی کرنا اور چوٹیاں بنانا زینت کے لئے ہوتا ہے اور میت اس سے مستغنی ہے اور فقہاء بھی کنگھی کرنے کے قائل نہیں، اور کنگھی نہ کرنے کی صورت میں چوٹیاں بننا مشکل ہے اس لئے احناف کہتے ہیں کہ بالوں کے دو حصے کر کے سینہ پر ڈال دیئے

جائیں۔ اور اعلاء السنن (۱۸۲:۸) میں الامر واسع ہے یعنی خواہ یوں کرو یا ووں کرو سب درست ہے۔

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میت کا غسل جنابت کے غسل کی طرح ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک میت کو نہلانے کی کوئی حد متعین نہیں، نہ اس کے لئے کوئی مخصوص طریقہ ہے، پس مردہ کو دھو کر صاف ستھرا کر دیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مالکؒ نے مجمل بات کہی ہے کہ مردے کو دھو دیا جائے اور صاف ستھرا کر دیا جائے، پس جب میت سادہ پانی سے یا اس کے علاوہ پانی سے (یعنی بیری کے چوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے) صاف کر دی جائے تو اس کا غسل ہو گیا (اب امام شافعی اپنی رائے بیان فرماتے ہیں) اور مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ مردہ کو تین یا اس سے زیادہ مرتبہ دھو دیا جائے، تین مرتبہ سے کم نہ کیا جائے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”اس کو دھوؤ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ“ اور اگر میت تین مرتبہ سے کم میں صاف ہو جائے تو کافی ہے (یعنی تین یا پانچ مرتبہ دھونا ضروری نہیں، امام شافعی کی بات پوری ہوئی، اب امام ترمذی فرماتے ہیں) اور امام شافعی رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ ثلاثاً أو خمساً سے مقصود انقاء ہی ہے، اور انھوں نے کسی عدد کی تعیین نہیں کی۔ اور فقہاء یہی بات کہتے ہیں اور وہ حدیث کی مراد کو بہتر جانتے ہیں (مگر استیفاء بالاجار کے مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ یہ بات کیوں بھول گئے!) اور احمد و اسحاق فرماتے ہیں: اور میت کو بیری کے چوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے نہلائیں اور آخری مرتبہ میں پانی میں کچھ کافور بھی ملائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْكِ لِلْمَيِّتِ

مردے کو مشک لگانا جائز ہے

مشک ایک خوشبو ہے، اور نہایت قیمتی خوشبو ہے۔ مخن (چین) میں ایک خاص قسم کا ہرن ہوتا ہے اس کے نافہ میں پورے بدن سے خون جمع ہوتا ہے اور وہ خشک ہو کر جم جاتا ہے تو مشک تیار ہو جاتا ہے، پھر وہ نافہ خود بخود گر جاتا ہے اس میں سے مشک نکلتا ہے۔ مشک بالاتفاق پاک ہے، احادیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے مشک ملی ہوئی خوشبو استعمال فرمائی ہے اور جب زندہ آدمی مشک استعمال کر سکتا ہے تو میت کو بھی وہ خوشبو لگا سکتے ہیں، یہی بات کہ وہ خون ہے اور خون ناپاک ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ماہیت بدل گئی تو احکام بھی بدل گئے، اور مشک سب سے اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے، نبی ﷺ سے مشک کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ پاک ہے یا ناپاک اور اس کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟) تو آپؐ نے فرمایا: وہ تمہاری خوشبوؤں میں سب سے اعلیٰ قسم کی خوشبو ہے، یعنی آپؐ نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل لوگوں کو مشک دیا اور فرمایا: مجھے بعد از مرگ یہ خوشبو لگانا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو جو خوشبو لگائی گئی تھی یہ اس کا باقی ماندہ ہے (متدرک حاکم) غرض

جمہور کے نزدیک مشک لگانا جائز ہے، زندہ شخص بھی مشک استعمال کر سکتا ہے اور میت کو بھی لگا سکتے ہیں۔ اور بعض علماء کے نزدیک میت کو مشک لگانا مکروہ ہے کیونکہ مشک سیانہی مائل ہوتا ہے اس لئے تقادلاً نہیں لگانا چاہئے، مگر احادیث کی موجودگی میں ان کا یہ قول حجت نہیں۔

[۱۵] باب ماجاء فى المسك للميت

[۹۷۶] - حدثنا سفیان بن وکیع، نا أبی، عن شعبۃ، عن خلید بن جعفر، عن أبی نصرۃ، عن أبی سعید الخدری: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن المسک؟ فقال: "هو أطيب طيبکم" حدثنا محمود بن غیلان، نا أبو داود، وشبابۃ، قالآ: نا شعبۃ، عن خلید بن جعفر نحوه. قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح. والعمل علی هذا عند بعض اهل العلم، وهو قول احمد، واسحاق، وقد کثرۃ بعض اهل العلم المسک للمیت، وقد رواه المستور بن الریان أيضا عن أبی نصرۃ، عن أبی سعید، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال علی: قال یحیی بن سعید: المستور بن الریان ثقة، وخلید بن جعفر ثقة.

وضاحت: مستر بن الریان: خلید بن جعفر کے متابع ہیں اور مستر اور خلید دونوں ثقہ ہیں، یحییٰ قطان نے ان کی توثیق کی ہے۔

باب ماجاء فى الغسل من غسل المیت

میت کو نہلانے والے خود بھی نہالیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "میت کو نہلانے سے غسل ہے اور اس کو (میت کو) اٹھانے سے وضو ہے" تشریح: جو لوگ میت کو نہلائیں ان کو فارغ ہو کر خود بھی نہالینا چاہئے، اور جو لوگ میت کو نہلاتے وقت اٹھائیں ان کو وضو کر لینا چاہئے۔ اصحاب غواہر کے نزدیک میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا اور اٹھانے والوں پر وضو کرنا فرض ہے، اور جمہور فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔ اور میت کو نہلانے کے بعد نہانے کی دو حکمتیں ہیں: پہلی حکمت: میت کو نہلاتے وقت بدن پر پھینکیں پڑتی ہیں اور وہ ناپاک ہو سکتی ہیں اور کہاں کہاں پڑی ہیں اس کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لئے نہلانے والا نہالے تو جسم پاک ہو جائے گا۔

دوسری حکمت: جو لوگ میت کو نہلانے کے عادی نہیں جب وہ کسی میت کو نہلاتے ہیں تو ان پر خوف اور گھبراہٹ طاری ہوتی ہے، نہالینے سے یہ حالت بدل جائے گی، نیز وساوس بھی منقطع ہو جائیں گے جیسے جانور کو ذبح کرتے وقت

دوسرے جانور جو اس کے قریب ہوتے ہیں ان پر خوف طاری ہوتا ہے، اسی طرح موت کا اثر مردہ کو نہلانے والے پر بھی پڑتا ہے اس لئے اس کو غسل کا حکم دیا گیا۔ اور اٹھانے والوں پر اس کا اثر کم پڑتا ہے اس لئے ان کو صرف وضو کرنے کا حکم دیا۔

[۱۶] باب ماجاء فی الغسل من غسل الميت

[۹۷۷-] حدثنا محمد بن عبد الملک بن ابی الثوراب، نا عبد العزیز بن المختار، عن سہیل بن ابی صالح، عن ابیہ، عن ابی ہریرۃ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: "مِنْ غَسْلِهِ الْغُسْلُ، وَمِنْ حَمْلِهِ الْوُضُوءُ" یَعْنِی الْمِیّتَ.

وفی الباب: عن علی، وعائشۃ، قال ابو عیسی: حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن، وقد روى عن ابی ہریرۃ مؤلفوا.

وقد اختلف اهل العلم فی الذی یغسل الميت، فقال بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغيرہم: إذا غسل میتا فغسل الغسل، وقال بعضهم: علیہ الوضوء، وقال مالک بن انس: استحب الغسل من غسل الميت، ولا أرى ذلک واجبا، وهكذا قال الشافعی. وقال أحمد: من غسل میتا أوجب أن لا یجب علیہ الغسل، وأما الوضوء فاقبل ما قبل فیہ، وقال إسحاق: لا یبذل من الوضوء، وقد روى عن عبد اللہ بن المبارک أنه قال: لا یغسل ولا یوضأ من غسل الميت.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں القطار ہے، البوصالح نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے نہیں سنی ہے (فتح الباری ۳: ۱۲۷) اور اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے۔۔۔ اور علماء کا اس قصص کے بارے میں اختلاف ہے جو میت کو نہلانے، صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء کہتے ہیں کہ جب کسی نے میت کو نہلایا تو نہلانے والے پر غسل کرنا ضروری ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں: اس پر وضو ضروری ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں میت کو نہلانے کی وجہ سے غسل کرنے کو پسند کرتا ہوں اور میں اس کو واجب نہیں کہتا۔ اور یہی بات امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے میت کو نہلایا میں امید کرتا ہوں کہ اس پر غسل واجب نہیں، اور رہا وضو تو وہ کم سے کم وہ بات ہے جو اس مسئلہ میں کہی گئی ہے، اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: وضو ضروری ہے، اور عبد اللہ بن المبارک سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میت کو نہلانے کی وجہ سے نہ غسل ضروری ہے اور نہ وضو ضروری ہے۔

فائدہ: جمہور جو حدیث باب کو استنباط پر محمول کرتے ہیں ان کا مسئلہ درج ذیل احادیث ہیں:

پہلی حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: انیس علیکم فی غسل میتکم غداً

إذا اغتسلتموه، إله مسلم مؤمن طاهر، وإن المسلم ليس بنجس فحسبكم أن تغسلوا أيديكم: مردے کو نہلانا کی وجہ سے تم پر غسل فرض نہیں۔ وہ مسلمان مؤمن اور پاک ہے اور مسلمان ناپاک نہیں ہوتا، پس ہاتھوں کو دھو لینا کافی ہے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے اور حافظ رحمہ اللہ نے انھیں الحمیم (۱۳۸:۱) میں اس کی تحسین کی ہے۔

دوسری حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”ہم میت کو نہلایا کرتے تھے اور ہم میں سے بعض اس کے بعد غسل کرتے تھے اور بعض غسل نہیں کرتے تھے“ حافظ نے العلل حصہ الحمیم میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ تیسری حدیث: موطا مالک میں ہے کہ اسماء بنت عمیس (جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں) نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کو نہلایا پھر وہاں جو مہاجرین و انصار موجود تھے ان سے پوچھا کہ سردی شدید ہے اور میں روزے سے ہوں، کیا مجھ پر غسل ضروری ہے۔ سب نے کہا: نہیں (موطا مالک ص: ۲۳۰ غسل میت) غرض یہ احادیث صریح ہیں کہ میت کو نہلانے والے پر غسل فرض نہیں، پس باب کی حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث جن میں غسل کو غسل کرنے کا امر ہے وہ سب استحباب پر محمول ہیں۔

باب ما جاء ما يستحب من الأكفان

مستحب کفن کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنو، کیونکہ سفید کپڑا تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر ہے اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دو“
تشریح: کفن میں سفید کپڑا یا نیا کپڑا دینا ضروری نہیں، کوئی بھی کپڑا جو پاک صاف ہو اس میں کفن دینا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو کپڑا زندگی میں پہننا جائز ہے اس میں کفن دینا بھی جائز ہے اور جس کپڑے کو پہننا مکروہ ہے اس میں کفن دینا بھی مکروہ ہے اور جس کپڑے کو پہننا حرام ہے اس میں کفن دینا بھی حرام ہے، جیسے عورت کو ریشمی کپڑے میں کفن دینا جائز ہے، مرد کو حرام ہے۔ اور ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کپڑے کو ماہن کرا دی نے نمازیں پڑھی ہیں اور عبادتیں کی ہیں ان میں کفن دینا مستحب ہے۔

[۱۷] باب ما جاء ما يستحب من الأكفان

[۹۷۸-] حدثنا فضيلة، نا بشر بن المفضل، عن عبد الله بن عثمان بن خثيم، عن معوية بن جهم، عن ابن عباس، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”الْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفَّنُوا فِيهَا مَوْتَانَكُمْ“

وفي الباب: عن سَمُرَةَ، وابنِ عُمَرَ، وعائِشَةَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وهو الَّذي يَسْتَجِبُهُ أَهْلُ الْعِلْمِ، وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَكْفَنَ لِي يَا أَيُّهَا الَّذِي كَانَ يُصَلِّي فِيهَا، وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ: أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَيْنَا أَنْ يَكْفَنَ فِيهَا: الْبِطَاطُ، وَيُسْتَحَبُّ حُسْنُ الْكَفَنِ.

ترجمہ: اور سفید کپڑے کو علماء نے پسند کیا ہے اور ابن المبارک فرماتے ہیں: مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ ان کپڑوں میں کفن دیا جائے جن میں وہ نماز پڑھا کرتا تھا اور احمد و اسحاق فرماتے ہیں: ہمیں کفن کے کپڑوں میں زیادہ پسند سفید کپڑا ہے اور اچھا کفن دینا مستحب ہے۔

باب [منہ]

کفن کے سلسلہ میں دوسرا باب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ذمہ دار بنے تو چاہئے کہ وہ اس کے کفن کو اچھا کرے“ یعنی صاف سترے اور پاکیزہ کپڑے میں کفن دے قیمتی کفن دینا مراد نہیں۔
تشریح: کفن میں اعتدال کی راہ اپنانی چاہئے اور افراط و تفریط سے بچنا چاہئے۔ افراط: یہ ہے کہ مسنون تعداد سے زیادہ کپڑوں میں کفن دیا جائے یا کفن میں بیش قیمت کپڑا استعمال کیا جائے، اور تفریط: یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود مسنون تعداد سے کم کپڑوں میں کفن دیا جائے یا پچھے پرانے روئی کپڑوں میں کفن دیا جائے، اور اعتدال کی راہ یہ ہے کہ مسنون تعداد میں اور درمیانی قیمت کے کپڑے میں کفن دیا جائے۔

[۱۸] باب [منہ]

[۹۷۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ، نَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِينَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا وَلِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ"

ولہ: عن جَابِرٍ، قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.
وقال ابنُ الْمُبَارَكِ: قَالَ سَلَامٌ بْنُ مُطِيعٍ لِي قَوْلُهُ: "وَلْيُحْسِنْ أَحَدُكُمْ كَفَنَ أَخِيهِ" قَالَ: هُوَ الصُّفَاءُ، وَلَيْسَ بِالْمُرْتَفِعِ.

ترجمہ: ابن المبارک کہتے ہیں: سلام بن مطیع نے حدیث: وَلْيُحْسِنْ أَحَدُكُمْ كَفَنَ أَخِيهِ کی شرح میں فرمایا: ”کفن صاف سترنا ہونا چاہئے بیش قیمت ہونا مراد نہیں (سلام بن مطیع بخاری و مسلم کے راوی ہیں، ثقہ اور صاحبِ سنت ہیں)

باب ماجاء فی کم کفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا؟

مرد کا ست کفن تین کپڑے ہیں: تہبند، کرتا اور لفافہ (بڑی چادر) اور کفن کفایت خلتہ (دو کپڑوں کا جوڑا) ہے یعنی تہبند اور لفافہ۔ اور عورت کے لئے ست کفن پانچ کپڑے ہیں: تہبند، کرتا، اوڑھنی، سینہ بند اور لفافہ۔ اور کفن کفایت تین کپڑے ہیں۔ اور مرد و عورت دونوں کے لئے کفن ضرورت ایسا ایک کپڑا ہے جس میں ساری میت چھپ جائے، یا پھر جس قدر بھی یا جو چیز بھی میسر ہو، اسی میں کفن دیا جائے۔

اس کے بعد جانا چاہئے کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک: تین کپڑے تین لفافے ہیں یعنی میت کے کفن میں قیص نہیں ہے اور ان کی دلیل باب کی حدیث ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو تین یعنی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، ان میں نہ قیص تھی نہ پگڑی۔

اور حنفیہ کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے جو ابوداؤد (۴۴۹:۱) میں ہے: کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثلاثة اواب نجرانية، الحلة ثوبان، وقیمصه الذي مات فيه: آپ کی قیص غسل کے وقت اتاری نہیں گئی تھی اسی کو کفن میں شمار کیا گیا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں قیص محتاد کی نفی ہے، قیص میت کی نفی نہیں ہے، اور قیص میت میں نہ آستینیں ہوتی ہیں نہ کلیاں، نہ وہ کلی ہوتی ہوتی ہے بلکہ وہ گردن سے پاؤں تک ایک کپڑا ہوتا ہے جس کا ایک حصہ میت کے اوپر ہوتا ہے اور دوسرا نیچے اور کندھے پر سے اس کو لیا جاتا ہے اور اوپر کے حصہ میں گریبان چڑھ دیا جاتا ہے تاکہ اس کو گردن میں پہنایا جاسکے، یا کہا جائے گا کہ قیص کا انکار حضرت عائشہ کے علم کے اعتبار سے ہے، چونکہ وہ تجمیز و تکفین کے موقع پر موجود نہیں تھیں اس لئے ابن عباس کی روایت کو ترجیح دی جائے گی جس میں قیص کا اثبات ہے۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ کے کفن کے لئے مختلف حضرات نے مختلف کپڑے پیش کئے تھے، اس طرح سات کپڑے اکٹھا ہو گئے تھے، لیکن صحابہ نے ان میں سے تین کپڑوں میں کفن دیا تھا، باقی واپس کر دیئے تھے، اور آپ کو جن تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا وہ تینوں سفید تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کے کفن کے لئے جہوی (مقش) چادر لائی گئی تھی مگر صحابہ نے اس کو واپس کر دیا تھا۔ اس میں آپ کو کفن نہیں دیا تھا۔

[۱۹] باب ماجاء فی کم کفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

[۹۸۰-] حدثنا قتیبہ، نا حفص بن غیاث، عن هشام بن عروۃ، عن ائبہ، عن عائشۃ، قالت: کفن

النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ثلاثة أبواب بیض بمانیة، لیس فیہا قمیص ولا عمامة، قال: فذكروا لعائشة قولهم: فی ثوبین وبرد جبرة، فقالت: قد أتى بالبرد، ولكنهم ردوه، ولم يكفونہ فیہ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

[۹۸۱-] حدثنا ابن أبي عمير، نا بشر بن السري، عن زائدة، عن عبد الله بن محمد بن عقيل، عن جابر بن عبد الله: أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كفن حمزة بن عبد المطلب فی نمرة فی ثوب واحد.

وفی الباب: عن علي، وابن عباس، وعبد الله بن مفضل، وابن عمر، قال أبو عيسى: حديث عائشة حديث حسن صحيح.

وقد روى فی كفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روايات مختلفة، وحديث عائشة أصح الأحاديث التي رويت فی كفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغيرهم، وقال سفیان الثوري: يكفن الرجل فی ثلاثة أبواب، إن شئت فی قمیص ولقائتين، وإن شئت فی ثلاث لقائت، ويجزئ ثوب واحد إن لم يجلدوا ثوبين، والثوبان يجزيان، والثلاثة لمن وجدوا أحب إليهم، وهو قول الشافعي، وأحمد، وإسحاق، وقالوا تكفن المرأة فی خمسة أبواب.

ترجمہ اور وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو کفن دیا گیا تین یعنی سفید چادروں میں جن میں نہ قمیص تھی اور نہ پگڑی۔ راوی کہتا ہے لوگوں نے حضرت عائشہ سے ان صحابہ کا قول ذکر کیا جو دو کپڑوں میں اور ایک منقش چادر میں کفن دیا جانا بیان کرتے ہیں (ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ کو دو کپڑوں میں اور حبوی چادر میں کفن دیا گیا، جب یہ حدیث حضرت عائشہ کو سنائی گئی تو آپ نے فرمایا: چادر بیشک لائی گئی تھی لیکن صحابہ نے وہ چادر واپس کر دی تھی اور اس میں آپ کو کفن نہیں دیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہیں ہوا اس لئے انھوں نے حمیری چادر میں کفن دیئے جانے کی بات کہی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک دھاری داراؤنی چادر میں کفن دیا (نمرہ: وہ داراؤنی چادر جس میں سیاہ و سفید دھاریاں ہوں، معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک کپڑے میں کفن دینا بھی جائز ہے)

اور نبی ﷺ کے کفن کے سلسلہ میں مختلف روایات مروی ہیں۔ ان میں سب سے اچھی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، اور اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء کا عمل ہے، اور سفیان ثوری فرماتے ہیں: آدمی کو تین

کپڑوں میں کفن دیا جائے اور اگر آپ چاہیں تو (کفن دیں) ایک قمیص اور دو چادروں میں اور اگر آپ چاہیں تو تین کپڑوں میں (کفن دیں) اور ایک کپڑا بھی کافی ہے اگر لوگ دو کپڑے نہ پائیں۔ اور دو کپڑے کافی ہیں (یعنی دو کپڑے کفن کفایت ہیں) اور تین کپڑوں میں کفن دینا اس شخص کے لئے جسے کپڑے میسر ہوں علماء کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے اور وہ فرماتے ہیں: عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

باب ماجاء فی الطعام یُصنع لِأَهْلِ الْمِيتِ

میت کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرنا

حدیث: عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی تو نبی ﷺ نے (ازواج مطہرات سے) فرمایا: ”جعفرؓ کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو اس لئے کہ ان کے یہاں ایسی خبر آئی ہے جس نے ان کو مشغول کر دیا ہے“

تشریح: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے اس وقت وہ بالکل نو جوان تھے، آنحضرت ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر جوجی کے ذریعہ معلوم ہوئی تھی، آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، بچوں کو بلایا اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ سمجھ گئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر نذا ہوں، آپ کیوں روئے؟ کیا جعفر اور ان کے رفقاء کے متعلق آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ آج شہید ہو گئے۔ اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں: یہ بات سنتے ہی میری چیخ نکل گئی اور عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں، اور آنحضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، اور ازواج مطہرات کو یہ ہدایت دی کہ جعفرؓ کے گھر کھانا پکا کر بھیجیں، آج وہ اپنے صدمہ سے غرق حال ہیں، خود آنحضرت ﷺ پر اس صدمہ کا بہت اثر تھا، آپ اس غم میں تین دن تک مسجد میں تشریف فرما رہے (درقانی بحوالہ میرۃ المصلیٰ ۲: ۳۷۷) اس حدیث کی بنا پر مستحب یہ ہے کہ جس گھر میں موت واقع ہو اس کے اقارب یا پڑوسی وہاں اتنا کھانا پکا کر بھیجیں جو ایک رات دن کے لئے کافی ہو تاکہ وہ اپنی مصیبت کے وقت کھانے کی فکر میں جھلا نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ کئی کئی گھروں سے کھانا بھیج دیتے ہیں جو زیادہ ضرورت ہونے کی وجہ سے اہل میت کے لئے دوسرے بن جاتا ہے اس لئے پہلے یہ بات اہل میت کو بتادینی چاہئے کہ وہ کھانا بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ اگر کوئی دوسرا کھانا بھیجنا چاہے تو اس کو منع کر دیں، اسی طرح بعض جگہ ہفتہ عشرہ تک کھانا بھیجنے کا رواج ہے یہ بھی صحیح نہیں، حدیث سے شبانہ روز ہی کھانا بھیجنے کا ثبوت ہے۔

اور لوگوں میں جو رواج ہے کہ میت کے گھر والے اس موقع پر رشتہ داروں اور تعزیت کے لئے آنے والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں یہ طعام لہیت ہے جو ممنوع ہے۔ اسی طرح چالیسویں اور بیسویں دن کا کھانا بھی

طعام میت ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے غم کے موقع پر کوئی دعوت نہیں ہوتی۔ اور جو اقارب دور دراز سے آئے ہوں ان کو خود اپنے کھانے کا انتظام کرنا چاہئے، لیکن اگر مجبوری ہو اور اہل میت کے یہاں جو کھانا آیا ہے اس میں گنجائش ہو تو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ مزید تفصیل تحفۃ الالمی (۱: ۱۸۷) کتاب الطہارۃ باب (۱) میں دیکھیں۔

[۲۰] باب ماجاء فی الطعام یُضنَعُ لِأهل الميت

[۹۸۲-] حدثنا أحمد بن منيع، وعلي بن حنبل، قالان: نا سفيان بن عيينة، عن جعفر بن خالد، عن أبيه، عن عبد الله بن جعفر، قال: لما جاء نعي جعفر قال النبي صلى الله عليه وسلم: "اصنعوا لأهل جعفر طعاماً، فإنه قد جاءهم ما يشغلهم" قال أبو عيسى: هذا حديث حسن. وقد كان بعض أهل العلم يستحب أن يؤجّه إلى أهل الميت بشي لشغلهم بالمصيبة، وهو قول الشافعي، وجعفر بن خالد: هو ابن سارة، وهو ثقة، روى عنه ابن جبرئيل.

ترجمہ: مذکورہ حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے، مصری نسخہ میں صحیح بھی ہے۔ اور بعض علماء اس کو پسند کرتے ہیں کہ میت کے گھر کوئی چیز (کھانا وغیرہ) بھیجی جائے ان کے مصیبت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اور یہ شافعی کا قول ہے (یہ اجماعی مسئلہ ہے) اور جعفر بن خالد کے دادا کا نام سارہ ہے اور وہ ثقہ ہیں ان سے ابن جریر نے روایت کی ہے۔

باب ماجاء فی النهي عن ضرب الخُلودِ وشق الجُيوبِ عند المصيبة

مصیبت کے وقت رخسار پٹینا اور گریبان پھاڑنا ممنوع ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص (غم یا موت کے موقع پر) گریبان پھاڑے، اور رخسار پٹے، اور چالی انداز پر پکاریں پکارے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہندوانہ تہذیب پر عمل پیرا ہے) تشریح: غم اور موت کے موقع پر نوحہ ماتم کرنا جائز نہیں، یہ ہندوانہ طریقہ ہے۔ اور حدیث میں جو تین باتیں ذکر کی ہیں وہ عربوں کی عادت کے مطابق ہیں، پس سینہ پٹینا، دیوار سے سر پھوڑنا، چوڑیاں توڑنا اور سر منڈوانا سب ماتم میں داخل ہیں اور ممنوع ہیں۔

فائدہ: میت پر نوحہ ماتم کرنا تین وجوہ سے ممنوع ہے:

کبھی وجہ: یہ چیزیں غم میں ہیجان پیدا کرتی ہیں۔ اور جس کا کوئی آدمی مر جاتا ہے وہ معمولہ مریض کے ہوتا ہے۔ مریض کا علاج ضروری ہے تاکہ مرض میں تخفیف ہو اس کے مرض میں اضافہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، اسی طرح مصیبت زدہ کا ذہن کچھ وقت کے بعد حادثہ سے ہٹ جاتا ہے پس بالقصد اس صدمہ میں گھٹا کسی طرح مناسب نہیں، جب لوگ تعزیت کے لئے آئیں گے اور نوحہ ماتم کریں گے تو پسماندگان کو بھی خواہی خواہی اس میں شریک ہونا پڑے گا اور ان کا صدمہ تازہ ہوگا، پس یہ تعزیت نہ ہوئی تعزیر ہوگئی۔

دوسری وجہ: کبھی بے چینی میں ہیجان قضاء الہی پر عدم رضا کا سبب بن جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا ضروری ہے، پس جو چیز اس میں ظلم انداز ہو وہ ممنوع ہونی ہی چاہئے۔

تیسری وجہ: زمانہ جاہلیت میں لوگ بہ تکلف (بناوٹی) درد غم کا اظہار کیا کرتے تھے اور یہ بری اور نقصان رسا عادت ہے اس لئے شریعت نے نوحہ ماتم کو ممنوع قرار دیا۔

[۲۱] باب ماجاء فی النهی عن ضرب الخلود، و شق الجيوب عند المصيبة

[۹۸۳-] حدثنا محمد بن بشر، لا یحییٰ بن سعید، عن سفیان، قال: حدثنی زبید الایمانی، عن ابراهیم، عن مسروق، عن عبد اللہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: "لَیسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوبَ وَضَرَبَ الْخُلُودَ وَدَعَا بِدَعْوَةِ الْجَاهِلِیَّةِ"
قال ابو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح.

باب ماجاء فی کراهیة النوح

نوحہ ماتم کرنا ممنوع ہے

میت پر رونا یعنی آنسو بہانا اور اس پر حزن و ملال ہونا ایک فطری امر ہے اس سے بچتا انسان کی استطاعت سے باہر ہے۔ اس لئے اس سے بالکل یہ نہیں روکا گیا اور کیسے روکا جاتا یہ چیز تو رشت قلبی کا نتیجہ ہے اور رحمدلی امر محمود ہے، عمرانی زندگی میں باہمی الفت و محبت اس پر موقوف ہے، اور انسان کی سلامتی مزاج کا بھی تقاضا ہے اس لئے میت پر آنسو بہانا جائز ہے مگر اس طرح رونا جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے یعنی زور زور سے رونا اور چیخ و پکار کرنا یا میت کے مبالغہ آمیز فضائل بیان کرنا: ان امور کی بالکل اجازت نہیں۔ آنحضور ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور آپؐ ان کا حال دیکھ کر رو پڑے، دوسرے لوگ بھی رونے لگے، آپؐ نے فرمایا: سنو اللہ تعالیٰ آنسو بہانے پر اور دل کے حزن و ملال پر سزا نہیں دیتے، بلکہ اس کی وجہ سے سزا دیتے ہیں، اور آپؐ نے اپنی زبان مبارک

کی طرف اشارہ کیا، یا مہربانی فرماتے ہیں، یعنی اگر زبان سے ناشکری، بے مہربانی اور بے ادبی کے کلمات نکالے تو مستحق عذاب ہوگا اور حمد و ترجیع کی تو مستحق ثواب ہوگا (رواہ البخاری، مشکوٰۃ حدیث ۱۷۲۳) پس معمولی رونا جائز ہے اور سخت داویا کرنا جو لوح کی حد تک پہنچ جائے جائز نہیں (نوحہ کے معنی ہیں: میت پر چلا چلا کر رونا)

حدیث (۱): علی بن ربیعہ کہتے ہیں: ایک انصاری کا انتقال ہوا، ان کا نام قرظہ بن کعب تھا ان کو رویا گیا، حضرت مخیرہ رضی اللہ عنہ (جو کوفہ کے گورنر تھے) تشریف لائے اور (تقریر کے لئے) مہر پر چڑھے، اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: اسلام میں نوحہ کی کیا گنجائش ہے؟! سنو! میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جس پر رویا گیا اس کو آہ و بکا کرنے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔

تشریح: اگر میت نے رونے کی اور نوحہ ماتم کرنے کی وصیت کی ہے جیسا کہ عربوں میں رواج تھا یا وہ خود زندگی میں نوحہ ماتم کیا کرتا تھا یا اپنے گھر والوں کو رونے پٹنے سے منع نہیں کیا کرتا تھا تو پسماندگان کے آہ و بکا کرنے سے میت کو عذاب ہوگا، اور اگر یہ باتیں نہ ہوں، نہ اس نے نوحہ ماتم کرنے کی وصیت کی ہے، اور نہ وہ زندگی میں اس کو اچھا سمجھتا تھا، بلکہ منع کرتا تھا، پھر بھی اس پر نوحہ کیا گیا تو میت کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اب اس کا کوئی قصور نہیں، نوحہ کرنے والے خود مددگار ہیں، تفصیل آئندہ باب میں آ رہی ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاہلیت کی چار باتیں میری امت میں ہمیشہ رہیں گی، لوگ ان کو بالکل ترک نہیں کریں گے: ایک: نوحہ کرنا، یعنی میت پر چلا چلا کر رونا۔ دوم: نسب میں طعن کرنا یعنی دوسروں کے نسب میں کبڑے نکالنا (اور مشکوٰۃ میں ہے حسب (خاندانی خوبیوں) پر فخر کرنا یعنی اپنی بڑائی جنانا) سوم: عدوی: یعنی مرض کے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھنا: ایک اونٹ خارش زدہ ہو جاتا ہے تو سواؤنٹوں کو خارش زدہ کر دیتا ہے، مگر پہلے اونٹ کو خارش زدہ کس نے کیا؟ چہارم: پختروں کا عقیدہ یعنی یہ کہنا کہ فلاں پختر لگا اس لئے بارش ہوئی۔

تشریح: نبی ﷺ نے فراستِ نبوت سے یہ بات سمجھی کہ لوگ مذکورہ باتوں سے بالکل کٹ کر نہیں ہونگے، کیونکہ وہ باتیں بشری طبیعت کے حد اعتدال سے نکل جانے کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ ایسا ہی تقاضا ہے جیسا شدتِ شہوت کا تقاضا جس سے شہوت پرست جدا نہیں ہو سکتا، اسی طرح بعض لوگ ڈنکیں مارنے اور لاف زنی کے عادی ہوتے ہیں، وہ اپنی خاندانی خوبیوں پر اترتے ہیں، اور دوسروں کی خوبیاں ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتیں، وہ لوگوں کے حسب و نسب میں کبڑے نکالتے ہیں، اسی طرح لوگوں میں مُردوں کی الفت و محبت پائی جاتی ہے جو ان کو نوحہ کرنے پر ابھارتی ہے، اسی طرح رصد بندی یعنی سیاروں کا مشاہدہ کرنے کا سلسلہ بھی ہمیشہ سے جاری ہے، چنانچہ آج بھی دنیا کے سبھی لوگوں میں خواہ عرب ہوں یا عجم یہ سلسلہ جاری ہے، اور عدوی یعنی تعدیہ مرض کا عقیدہ بھی غلط ہے، مگر لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سواؤنٹوں کے ریوڑ میں کوئی خارش زدہ اونٹ آ جاتا ہے تو سب اونٹ خارش

زده ہو جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ مرض متعدی ہوتا ہے، آپؐ نے فرمایا: اس سے پوچھو: پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ لا محالہ وہ بھی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو خارش لگائی، پس یہی بات ہر اونٹ کے بارے میں کیوں نہیں کہتے؟! جانتا چاہئے کہ عرب بعض بیماریوں کو بذاتہ متعدی سمجھتے تھے۔ نبی ﷺ نے اس فاسد عقیدے کو رد کیا ہے، البتہ بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط بمخلہ اسباب مرض ہے، اور اسباب اختیار کرنے کی شریعت نے تعلیم دی ہے، پس ایسی بیماریوں میں احتیاطاً مریض سے دور رہنا خود شریعت کا حکم ہے۔ بخاری کی روایت ہے: ”کوڑھی کے پاس سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو“ (مشکوٰۃ حدیث ۳۵۷۷) مگر یہ عقیدہ رکھنا کہ ایسے مریض کے پاس جائیں گے تو ضرور بیماری لگ جائے گی: صحیح نہیں، اور تجربہ کے خلاف ہے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث کا منشا یہ ہے کہ ان چار برائیوں کا ازالہ چونکہ مشکل سے ہوتا ہے اس لئے لوگ ان سے بچنا چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کریں، جیسے کپڑے پر ایسا داغ لگ جائے جس کا ازالہ مشکل ہو تو لوگ مختلف تدبیروں سے وہ داغ چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور داغ نکال کر ہی چین لیتے ہیں، اسی طرح مصلحین امت کو بھی ان خرابیوں کے ازالہ کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔

[۲۲] باب ماجاء فی کراہیۃ النوح

[۹۸۴-] حدثنا أحمد بن منيع، نا قزوان بن قزام، ومروان بن معاوية، ويزيد بن هارون، عن سعيد بن عبيد الطائي، عن علي بن ربيعة الأسدي، قال: مات رجل من الأنصار يقال له قرظ بن كعب، فنيح عليه، فجاء المفيرة بن شعبة، فصعد المنبر، فحمد الله وأثنى عليه، وقال: ما بال النوح في الإسلام! أما إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من نيح عليه غلب بما نيح عليه"

وفي الباب: عن عمرو، وعلي، وأبي موسى، وقيس بن عاصم، وأبي هريرة، وجنادة بن مالك، وأنس، وأم عطية، وسمرة، وأبي مالك الأشعري، قال أبو عيسى: حديث المفيرة حديث غريب حسن صحيح.

[۹۸۵-] حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو داود، نا شعبة، والمسنودي، عن غلقمة بن مرثد، عن أبي الربيع، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أربع في أممي من أمر الجاهلية، لن يدعهن الناس: النياحة، والطعن في الأحساب، والغدوى: أجرب بغير فأجرب مائة بغير، من أجرب البعير الأول؟ والأنواء: مطرنا بنوء كذا وكذا"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن.

وضاحت: أجرب بغير سے پہلے بقولون مقدر ہے، اور من أجرب سے پہلے قل مقدر ہے۔

باب ماجاء فی کراهیۃ البکاء علی المیت

میت پر رونے کی ممانعت

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ میت پر رونا جائز ہے یا نہیں؟ گذشتہ باب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کسی کی موت پر رنجیدہ اور غمگین ہونا، آنکھوں سے آنسو کھانا فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے جو امر محمود ہے، اس لئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں لگائی، البتہ لوحہ اور ماتم کی ممانعت فرمائی ہے اور وجہ گذشتہ باب میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

حدیث (۱): حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میت کے گھر والوں کے رونے سے میت عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے"

تشریح: یہ بات رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمرؓ کے علاوہ ان کے صاحب زادے حضرت ابن عمرؓ حضرت مغیرہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی روایت کرتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں۔ آئندہ باب میں حدیث آرہی ہے: حضرت عائشہ کے سامنے جب ابن عمرؓ کی یہ حدیث نقل کی گئی تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن کی مغفرت فرمائیں! انھوں نے ہاتھ جھوٹ نہیں بولا، بلکہ وہ بھول گئے یا چوک گئے یعنی جس موقع پر وہ حدیث ارشاد فرمائی تھی اس کو بھول گئے یا حدیث سمجھنے میں ان سے غلطی ہوگئی۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ایک یہودی بڑھیا کا انتقال ہوا، اس پر ماتم کیا جا رہا تھا۔ نبی ﷺ وہاں سے گذرے تو فرمایا: "یہ بڑھیا کوروڑ ہے ہیں اور بڑھیا قبر میں سزا پا رہی ہے" یعنی اگر رونا ہی تھا تو کسی اچھے آدمی کوروڑ ہے، ایسے کوروڑ ہے ہیں جو قبر میں عذاب میں مبتلا ہے، حضرت عائشہ کے اس نقد کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کا محمل خاص ہے، مسلمانوں کے تعلق سے یہ حدیث نہیں ہے، اور بڑھیا کو قبر میں جو عذاب ہو رہا تھا وہ اس کے اعمال کی وجہ سے ہو رہا تھا، پس سماعان کے ماتم کرنے کی وجہ سے نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں قرآن کریم کی آیت: ﴿وَلَا تَبْکُوا وَابْکُوا وَذُرْ الْخَوَی﴾ سے بھی استدلال کیا ہے، اس آیت میں یہ قاعدہ اور یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے آدمی کو نہیں دی جاتی، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ روئیں گھر والے اور سزا پائے مرنے والا؟ لیکن حضرت عائشہ کا نقد صحیح نہیں، کتاب الطہارۃ باب ۸ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ حضرت عائشہ نے متعدد صحابہ پر نقد کیا ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے ایک کتاب میں ان کو جمع کیا ہے جس کا نام الإصابۃ فی ما استقدر تحقُّقہ السیّدۃ عائشۃ علی الصحابہ ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے بیشتر اعتراضات صحیح نہیں، بلکہ روایتیں صحیح ہیں، البتہ کچھ

اعتراضات صحیح ہیں۔ یہاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمرؓ کی طرف جو وہم کی نسبت کی ہے وہ محل نظر ہے، کیونکہ اس مضمون کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں اور سب سے بھول ہوگئی ہو یہ بات بعید از قیاس ہے اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر وہ الگ واقعہ ہے، اور یہ حدیث مسلمانوں کے تعلق سے ہے۔ اور حضرت عائشہ نے درایت جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب ابن المبارکؒ نے دیا ہے کہ جس شخص نے اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت کی ہے اور وہ ان کو نوہ کرنے سے منع کیا کرتا تھا پھر بھی پسماندگان نے نوہ کیا تو وہ اس کے ذمہ دار ہونگے، ان کے گناہ کی سزا میت کو نہیں دی جائے گی، اور جس نے نوہ اور ماتم کرنے کی وصیت کی ہے، جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا یا اس کے خاندان اور قبیلہ میں نوہ کرنے کا رواج تھا اور اس نے گھر والوں کی اسلامی تربیت نہیں کی اور نہ ان کو زندگی میں کبھی اس کام سے روکا، پھر جب وہ مرا تو اس پر نوہ کیا گیا تو اس میں میت کا قصور ہے وہ اس نوہ اور ماتم کا سبب ہے، اس لئے میت کو بھی سزا دی جائے گی۔ اور یہ دوسرے کے گناہوں کی گٹھری نہیں ہے بلکہ اپنی ہی گٹھری ہے، کیونکہ وہ نوہ کرنے کا سبب بنا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو بھی شخص مرتا ہے، پھر اس پر رونے والا کھڑا ہوتا ہے، اور کہتا ہے: واجلّٰلہ (ہائے پہاڑ!) واسیدّٰہ (ہائے آقا!) یا اس کے مانند کوئی بات کہتا ہے تو اس پر دو فرشتے مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو مٹکے مارتے ہیں اور کہتے ہیں: اچھا جناب! آپ ایسے تھے؟

تشریح: اوپر کی حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے، یہی حدیث بخاری میں اس اضافہ کے ساتھ ہے: المیت یُعذَّبُ ببعض بکاءِ اہلہ علیہ: یعنی میت کو پسماندگان کے کچھ رونے سے عذاب دیا جاتا ہے (بخاری حدیث ۱۲۸۷) وہ کچھ رونا یہی ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، جو رونا جائز ہے اس کی وجہ سے عذاب نہیں ہوتا، البتہ وہ رونا جس میں چیخ و پکار کی جائے، میت کے جھوٹے سچے فضائل بیان کئے جائیں اور اس کو آسمان پر چڑھایا جائے تو اس کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ جب نوہ کرنے والا میت کی کوئی ایسی جھوٹی خوبی بیان کرتا ہے تو فرشتے اس کے سینہ پر مٹکے مارتے ہیں اور کہتے ہیں: وایھینساہ! وایھازاہ! اداؤ کا پٹھاہ! اور یہ مٹکے ہی وہ عذاب ہیں جو پسماندگان کے رونے سے کھانے پڑتے ہیں، حدیث میں عذاب سے یہی مراد ہیں۔

[۲۳] باب ماجاء فی کراہیۃ البکاء علی المیت

[۹۸۶-] حدثنا عبد اللہ بن ابی ذیاد، نا یعقوب بن ابراہیم بن سعید، نا اہی، عن صالح بن کسّان، عن الزہری، عن سالم بن عبد اللہ، عن اہیہ، قال: قال عمر بن الخطاب: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”المیتُ یُعذَّبُ ببکاءِ اہلہ علیہ“

وفی الباب: عن ابن عمر، وعمران بن حصین، قال أبو عیسی: حدیث عمرو حلین حسن صحیح. ولقد کثر قوم من أهل العلم البکاء علی المیت، وقالوا: المیت یعذب ببکاء أهله علیه، وذهبوا إلى هذا الحدیث، وقال ابن المبارک: أرجو إن کان بینہم فی حیاتیہ: أن لا یكون علیه من ذلك شیء. [۹۸۷-] حدثننا علی بن حبیج، نا محمد بن عمار، قال: حدثنی أسید بن أبی أسید، عن موسی بن أبی موسی الأشعری: أخبره عن أبیہ: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "ما من میت یموت، فقوم یأکبهم فیقول: واجلأه واسلأه! أو نحو ذلك: إلا وکل به ملکاً من یلہز الہ: أھلکذا کنت؟" قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن غریب.

ترجمہ: بعض اہل علم نے میت پر آہ و بکا کرنے کو مکروہ کہا ہے، وہ کہتے ہیں: میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اور وہ اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور ابن المبارک فرماتے ہیں: میں امید کرتا ہوں اگر وہ پسماندگان کو اپنی زندگی میں نوحہ کرنے سے روکا کرتا تھا تو اس پر نوحہ کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

باب ماجاء فی الرخصة فی البکاء علی المیت

میت پر رونے کی اجازت

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے۔ اس باب میں دو حدیثیں ہیں: ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں انھوں نے حضرت ابن عمر کی حدیث پر نقد کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ دوسری حدیث اس وقت کی ہے جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی تھی۔

حدیث (۱): عمرہ کہتی ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ابن عمر کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ میت پر زندوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ ابو عبد الرحمن کی مغفرت فرمائیں! بیشک انھوں نے (بالقصد) جھوٹ نہیں بولا، البتہ وہ بھول گئے یا چوک گئے یعنی یا تو وہ حدیث کا کھل ورور بھول گئے یا اس کے سمجھنے میں ان سے غلطی ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی عورت کے گھر کے پاس سے گزرے جس پر لوگ رو رہے تھے، آپ نے فرمایا: "یہ اس پر رو رہے ہیں اور وہ اپنی قبر میں عذاب دی جا رہی ہے" یعنی ان لوگوں کا معذب پر رونا بے عقلی کی بات ہے کسی اچھے شخص کو روتے تو ایک بات بھی تھی (اس حدیث کی وضاحت اور اس کا جواب اوپر آچکا)

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میت پسماندگان کے رونے

سے عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے" راوی کہتا ہے: حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اللہ ابن عمرؓ پر رحم فرمائیں! انھوں نے جھوٹ نہیں بولا، لیکن ان سے غلطی ہوگئی، بیشک رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ایک ایسے شخص کے بارے میں فرمائی تھی جو یہودیت کی حالت میں مرا تھا کہ میت یقیناً عذاب دی جا رہی ہے اور پسماندگان اس پر درور ہے ہیں!

فائدہ: جس طرح شک راوی میں دو باتوں میں سے کوئی ایک بات صحیح ہوتی ہے یہاں بھی ایک حدیث میں یہودی کا واقعہ ہے اور دوسری میں یہودی کا یہ شک راوی کی طرح ہے، کوئی ایک بات صحیح ہے اور اس سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حدیث (۳): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو لے کر اپنے صاحبزادے ابراہیم کے پاس گئے (یہ صاحبزادے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، وہ آپ کی سوتیلہ تھیں۔ مریہ وہ بائعہ کہلاتی ہے جس سے اس کا آقا صحبت کرتا ہے۔ جانا چاہئے کہ جب غلام بائعوں کا دور تھا تو آقا تمام بائعوں سے صحبت نہیں کرتا تھا جس سے صحبت کرنا چاہتا تھا اسی کو صحبت کے لئے خاص کرتا تھا، اور حضرت ماریہ قہا میں رہتی تھیں آپ کا ہے ماہ وہاں تشریف لے جاتے تھے) آپ نے بچہ کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کر رہا تھا یعنی جان کنی کا وقت تھا، آپ نے بچہ کو گود میں لیا (اور آپ کی گود ہی میں بچہ نے دم توڑ دیا) پس آپ روئے اور فرمایا: آنکھیں اٹکھار ہیں، دل ٹھنکین ہے، مگر ہم زبان سے وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہے، اور ہم اے ابراہیم! تیری جدائیگی سے مغموم ہیں! پھر آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ الْبِخْ پڑھا (پھر کسی دوسرے موقع پر عبدالرحمن بن عوف نے اس مسئلہ کو سمجھنا چاہا انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فلاں موقع پر آپ روئے تھے، حالانکہ آپ نے اس سے منع کیا تھا) آپ نے فرمایا: نہیں (یعنی میں نے مطلقاً روئے سے منع نہیں کیا ہے) بلکہ میں نے دو احقانہ آوازوں سے منع کیا ہے جو گناہ میں مبتلا کرنے والی ہیں، ایک: مصیبت کے وقت چلانا، چہرے کو نوچنا، گریبان پھاڑنا اور شیطان کی طرح آہ دہکا کرنا۔ دوسری: ہانسی یعنی گانے کی آواز (امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسری احقانہ آواز کو جس سے آدی گنہگار ہوتا ہے حذف کر دیا ہے۔ حضرت کو حذف کرنے کا اور روایت کو مختصر کرنے کا بڑا شوق ہے حالانکہ جو کلمہ حذف کیا ہے اس کو لکھتے تو اتنی جگہ نہ گھیرتا جتنی جگہ ولی الحدیث البخ نے گھیری ہے، وہ جملہ وصوت المزاحمہ (ہانسی اور گانے کی آواز) ہے۔

[۲۴] باب ماجاء فی الرخصة فی البكاء علی الميت

[۹۸۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا مَالِكُ ح: وَقَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، نَا مَعْنٍ، نَا مَالِكُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ، وَذَكَرَتْهَا أَنَّ ابْنَ عَمَرَ يَقُولُ: إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: غَفَرَ اللَّهُ لِأَبْنِي

عبد الرحمن! اَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ، وَلَكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ، إِنَّمَا مَرُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا، فَقَالَ: "إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا، وَإِنَّهَا تَصْدُبُ فِي قَبْرِهَا"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

[۹۸۹-] حدثنا فضيلة، نا عباد بن عباد المَهَلِيُّ، عن محمد بن عمرو، عن يحيى بن عبد الرحمن، عن ابن عمر: عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ" قَالَ: فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَرْحَمُهُ اللَّهُ لَمْ يَكْذِبْ، وَلَكِنَّهُ وَهَمَ، إِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُجَلَّ مَاتَ يَهُودِيًّا: "إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ، وَإِنْ أَهْلُهُ لَيَبْكُونَ عَلَيْهِ"

وفى الباب: عن ابن عباس، وقرطبة بن كعب، وأبي هريرة، وابن مسعود، وأسامة بن زيد، قال أبو عيسى: حديث عائشة حديث حسن صحيح، وقد روى من غير وجه عن عائشة. وقد ذهب بعض أهل العلم إلى هذا، وتأولوا هذه الآية: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ وهو قول الشافعي.

[۹۹۰-] حدثنا علي بن خنجر، نا عيسى بن يونس، عن ابن أبي ليلى، عن عطاء، عن جابر بن عبد الله، قال: أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنَةِ إِبْرَاهِيمَ، فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ فِي جُحْرِهِ فَبَكَى، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَتَبْكِي، أَوْ لَمْ تَكُنْ تَهْتَمُ عَنِ الْبُكَاءِ؟ قَالَ: "لَا. وَلَكِنْ تَهْتَمُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجْرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ: خَمْسُ وَجُوهٍ، وَشَقُّ جُجُوبٍ، وَرَدَّةُ شَيْطَانٍ، وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هَذَا. قَالَ أَبُو عَيْسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ."

ترجمہ: بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں (یعنی وہ کہتے ہیں کہ پسماندگان کے آہ و بکا کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب نہیں ہوتا) اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (یہ درلیہ اعتراض ہے، ابن المبارک نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے: تفصیل اوپر گزر چکی ہے) اور یہ شافعی کا قول ہے۔

باب ما جاء في العشي أمام الجنائزة

جنازہ کے آگے چلنے کا بیان

یہ دو باب ہیں، ان میں یہ مسئلہ ہے کہ جنازہ کے آگے چلنا چاہئے یا پیچھے؟ جانا چاہئے کہ جنازہ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چلنے کی اجازت ہے اور اس پر اجماع ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پیچھے چلنا افضل ہے۔

پہلا باب امام ترمذی رحمہ اللہ نے بہت طویل لکھا ہے، مگر اس میں صرف ایک حدیث ہے اور اس میں سے بھی آدمی امام زہری کی مرسل روایت ہے، اور امام زہری کی مرسل روایت بالاجماع ضعیف ہوتی ہے۔

حدیث: ابن شہاب زہری کہتے ہیں: نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلا کرتے تھے (یہ جز مرسل ہے) پھر انھوں نے فرمایا: مجھ سے سالم نے بیان کیا کہ ان کے والد ابن عمر بھی جنازہ کے آگے چلتے تھے یہ جزء مسند ہے، مگر حدیث مرفوع نہیں، صحابی کا فعل ہے غرض حدیث کے دو حصے ہیں جو حصہ مرفوع ہے وہ مرسل ہے اور جو حصہ مسند ہے وہ موقوف ہے۔ اور جن ائمہ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے ان کی یہی ایک دلیل ہے۔

یہ حدیث پوری مسند بھی مروی ہے مگر اس کی سند صحیح نہیں اور اس پورے باب کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کی وہ سند جس سے پوری حدیث مسند مروی ہے صحیح نہیں، بلکہ اس کا ایک جز مرسل ہے اور ایک جز مسند، اور محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ ابن عیینہ کی غلطی ہے۔

اور اگلا باب جنازہ کے پیچھے چلنے کے سلسلہ میں ہے، اس باب میں بھی امام ترمذی ایک ایسی روایت لائے ہیں جو صحیح نہیں، اس طرح امام ترمذی نے دونوں بابوں میں توازن قائم کیا ہے کہ دونوں فریقوں کی روایتیں ضعیف ہیں اور باب کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ یہ دونوں بابوں کا خلاصہ ہے۔ اس کے بعد تین باتیں جانتی چاہئیں:

پہلی بات: اس مسئلہ میں نقطہ نظر کا اختلاف ہے، جو لوگ جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں وہ کس غرض سے جاتے ہیں؟ احتاف کے نزدیک رخصت کرنے کے لئے جاتے ہیں اور رخصت کرنے والا مہمان کے پیچھے چلتا ہے، اس لئے احتاف نے دوسرے باب کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔ اور سفارح کے نزدیک سفارش کرنے کے لئے جاتے ہیں اور سفارش کرنے والا آگے چلتا ہے اس لئے انھوں نے پہلے باب کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔

دوسری بات: امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ بات کہ دونوں بابوں میں کوئی روایت صحیح نہیں، محل نظر ہے، آگے دو تین روایتیں آ رہی ہیں جو صحیح ہیں، خود امام ترمذی نے ان کو صحیح کہا ہے، وہ امام اعظم کی دلیلیں ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کو وہ روایات اس باب میں لانی چاہئے تھیں مگر نہیں لائے پس ہم کیا کریں؟

تیسری بات: پہلے باب کی حدیث جس کو امام ترمذی نے لمبی بحث کر کے غیر صحیح قرار دیا ہے، ہم اس کو صحیح مان لیتے ہیں۔ نبی ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلتے تھے، کیونکہ وہ تینوں حضرات امیر المؤمنین تھے، وہ اپنے اپنے زمانہ خلافت میں آگے چلتے تھے، کیونکہ وہ اگر مجمع میں لوگوں کے ساتھ چلیں گے تو مجمع کو چلنے میں تکلف ہوگا، بڑے لوگوں کو یا تو آگے چلنا چاہئے یا پیچھے، تاکہ لوگ بے تکلف جنازہ لے کر چلیں، جیسے کسی جنازہ میں طلبہ اور اساتذہ ہوتے ہیں تو اساتذہ پیچھے چلتے ہیں، کیونکہ وہ اگر طلبہ کے ساتھ چلیں گے تو ان کو تکلف ہوگا اور دلیل حضرات

علاؤ کی تخصیص ہے، اگر سبھی لوگ جنازے کے آگے چلتے ہوتے تو راوی ان حضرات کی تخصیص نہ کرتا، معلوم ہوا کہ عام لوگ جنازہ کے پیچھے چلتے تھے اور یہ حضرات مذکورہ مصلحت سے آگے چلتے تھے۔

سوال: ابن عمرؓ جنازہ کے آگے چلتے تھے جبکہ وہ امیر نہیں تھے اور نہ ان کی وجہ سے لوگوں کو تکلف ہوتا تھا؟
جواب: ابن عمرؓ کی شان نزالی تھی وہ ایسی سنتوں کی بھی پیروی کرتے تھے جن کی پیروی مطلوب نہیں۔ حج اور عمرہ کے سفر میں نبی ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان جہاں جہاں پیشاب فرمایا ہے ابن عمرؓ نے وہ جگہیں یاد رکھی تھیں اور وہ وہاں پیشاب کرنے کی ہیئت بنا کر بیٹھتے تھے، مگر پیشاب نہیں کرتے تھے۔ وہ اسی جذبہ سے جنازہ کے آگے چلتے تھے، پھر یہاں بھی وہی بات ہے کہ اگر سارے مسلمان جنازہ کے آگے چلتے تھے تو راوی نے ابن عمرؓ کی تخصیص کیوں کی، یہ تخصیص دلیل ہے کہ دوسرے مسلمان جنازہ کے پیچھے چلتے تھے۔ علاوہ ازیں آگے چلنا مصلحت کے بھی خلاف ہے، اگر لوگ جنازہ کے آگے چلیں گے تو جن چار کندھوں پر جنازہ ہوگا وہی قبرستان تک جنازہ لے جائیں گے کوئی ان کا تعاون کرنے والا نہ ہوگا، کیونکہ آگے چلنے والا پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا، اور لوگ پیچھے چلیں گے تو ایک دوسرے کا تعاون کریں گے۔

[۲۵] باب ماجاء فی النمشی امام الجنازة

[۹۹۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَاحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَاسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غِيْلَانَ، قَالُوا: نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

[۹۹۲-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا عُمَرُو بْنُ عَاصِمٍ، نَا هَمَّامٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، وَبَكْرِ الْكُوْفِيِّ، وَزَيْدَادٍ، وَسُفْيَانَ: كُلُّهُمْ يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

[۹۹۳-] حدثنا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَأَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَمْشِي أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

وفی الباب: عن أنس.

قال أبو عيسى: حديث ابن عمر هكذا روى ابن جريج، وزيداد بن سعيد وغير واحد عن الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، وَرَوَى مَعْمَرٌ، وَثَوَّاسُ بْنُ يَزِيدَ، وَمَالِكٌ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْحَفَاطِ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْشِي أَمَامَ الْجَنَازَةِ، وَأَهْلُ الْحَدِيثِ كُلُّهُمْ يَرَوْنَ أَنَّ الْحَدِيثَ الْمُرْسَلُ فِي ذَلِكَ أَصَحُّ.

قال أبو عيسى: وسمعت يحيى بن موسى، يقول: سمعت عبد الرزاق يقول: قال ابن المبارك: حديث الزهري في هذا مرسل أصح من حديث ابن عينة، قال ابن المبارك: وأرى ابن جريج أخذته عن ابن عينة.

قال أبو عيسى: وروى همام بن يحيى هذا الحديث عن زياد، هو ابن سعيد، ومنصور، وبكر، وسفيان، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، وإنما هو سفيان بن عينة، روى عنه همام. واختلف أهل العلم في المشي أمام الجنائز فرأى بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم أن المشي أمام الجنائز أفضل وهو قول الشافعي وأحمد.

[۹۹۴-] حدثنا محمد بن المثنى، نا محمد بن بكر، نا يونس بن يزيد، عن الزهري، عن انس بن مالك قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمشي أمام الجنائز وأبو بكر وعمر وعثمان. وسألت محمداً عن هذا الحديث فقال: هذا حديث أخطأ فيه محمد بن بكر، وإنما يروى هذا الحديث عن يونس، عن الزهري أن النبي صلى الله عليه وسلم وأبا بكر وعمر كانوا يمشون أمام الجنائز، قال الزهري: وأخبرني سالم أن أباه كان يمشي أمام الجنائز، قال محمد: وهذا أصح.

وضاحت: باب کی پہلی حدیث (نمبر ۹۹۱) سفیان بن عیینہ کی حدیث ہے جو ان سے چار حضرات روایت کرتے ہیں ان کی سند مرفوع متصل ہے یعنی سفیان: زہری سے، وہ سالم سے، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو اور شیخین کو ابن عمر نے جنازہ سے آگے چلتے ہوئے دیکھا ہے۔

باب کی دوسری حدیث (نمبر ۹۹۲) امام کی حدیث ہے، وہ چار اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، ان میں سفیان بن عیینہ بھی ہیں۔ یہ سب حضرات بھی حدیث نمبر ایک کی طرح سند مرفوع متصل بیان کرتے ہیں اور مضمون واحد ہے (مگر درحقیقت اس حدیث کے راوی ابن عیینہ ہی ہیں، باقی تین کے جنام بڑھائے ہیں وہ صحیح نہیں جیسا کہ آگے آ رہا ہے)

باب کی تیسری حدیث (نمبر ۹۹۳) معمر کی حدیث ہے جس کو وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں جس کا پہلا جز مرسل اور دوسرا جز مسند ہے (یہی حدیث صحیح ہے)

امام ترمذی کہتے ہیں: ابن عمر کی حدیث کو ابن جریج اور زیاد بن سعد وغیرہ بھی ابن عیینہ کی طرح روایت کرتے ہیں، یعنی یہ سب ابن عیینہ کے متابع ہیں، لیکن معمر، یونس اور امام مالک وغیرہ حفاظ امام زہری سے پہلا جز مرسل روایت کرتے ہیں۔ اور تمام محدثین متفق ہیں کہ یہ مرسل روایت ہی اصح ہے۔ اور ابن المبارک فرماتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ ابن جریج نے یہ حدیث ابن عیینہ سے لی ہے یعنی زہری سے نہیں سنی (ابن المبارک نے مرفوع متصل

حدیث کا ایک راوی کم کر دیا)

اس کے بعد امام ترمذی نے مکرر بیان کیا ہے کہ باب کی دوسری حدیث میں ہمام نے سفیان کے علاوہ جو تین نام بڑھائے ہیں وہ صحیح نہیں، یہ حدیث صرف ابن عیینہ کی ہے۔

اور علماء کا جنازہ کے آگے چلنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے، اور یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔

اور باب کی چوتھی حدیث (نمبر ۹۹۴) یونس کی اسناد ہے، وہ زہری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے اس سند کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ سند غلط ہے، یونس کے شاگرد محمد بن بکر سے اس کی سند میں چوک ہو گئی ہے درحقیقت یہ یونس کی زہری سے مرسل روایت ہے، البتہ اس کا دوسرا جز مسند ہے (جیسا کہ باب کی تیسری حدیث میں گذرا) اور یہی اصح ہے۔

باب ماجاء فی المشی خلف الجنائزۃ

جنازہ کے پیچھے چلنے کا بیان

حدیث: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ سے جنازہ کے پیچھے چلنے کے بارے میں پوچھا (یعنی جنازہ کے پیچھے چلنا تو طے ہے لیکن آہستہ چلنا چاہئے یا تیز؟ اس سلسلہ میں پوچھا) آپ نے فرمایا: خُصْب (ہلکے دوڑنے) سے کم (تیز) چلنا چاہئے چلنے کا پہلا درجہ مُشِی (چلنا) ہے، پھر هَرْوَلَةٌ (تیز چلنا) ہے پھر اسراع (اور تیز چلنا) ہے، پھر خُصْب (ہلکا دوڑنا) ہے، پھر عُلُوٌّ (تیز دوڑنا) ہے پس جنازہ کے پیچھے تیز چلنا چاہئے، اور جب لوگ تیز چلیں گے تو جنازہ بھی تیز چلے گا۔ اور جنازہ کو تیز لے چلنے میں مصلحت یہ ہے کہ میت اگر نیک ہے تو وہ جلدی نعمتوں سے ہمکنار ہو جائے گی، اور اگر بد ہے تو جلدی خس کم جہاں پاک! یعنی بری چیز سے جلدی بچھا چھٹ جائے گا۔ آگے فرمایا: جنازہ متبوع ہے (جس طرح خادم اور مخدوم مقابل ہیں اسی طرح تابع اور متبوع مقابل ہیں، لوگ تابع ہیں اور جنازہ متبوع) اور جنازہ پیروی نہ کرے یعنی جنازہ پیچھے نہ رہے (یہ الجنائزۃ متبوعۃ کی وضاحت ہے) جو شخص جنازہ سے آگے چلا اس کا جنازہ کے ساتھ جانے والوں میں شمار نہیں۔

یہ حدیث ابو ماجہ کی وجہ سے ضعیف ہے، یہ راوی مجہول ہے، مگر پہلے یہ قاعدہ بیان کیا جا چکا ہے کہ صحابہ سے روایت کرنے والا تابعین کا پہلا طبقہ: اگر اس کے احوال پر وہ خفا میں رہ جائیں تو اس سے چشم پوشی کی جانی چاہئے، کیونکہ اس وقت راویوں کے احوال کا ریکارڈ تیار کرنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، لہذا ابو ماجہ کی جہالت معتر نہیں، کیونکہ وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں اور ابن مسعود کا انتقال بہت جلدی دور عثمانی میں ہوا ہے، پس یہ قدیم راوی

ہے اس لئے اس کی جہالت سے صرف نظر کرنا چاہئے۔

[۶۶] باب ماجاء فی المشی خلف الجنائزۃ

[۹۹۵-] حدثنا محمود بن غیلان، ناوہب بن جریر، عن شعبۃ، عن یحییٰ إمام بنی تیمم اللہ، عن أبی ماجید، عن عبد اللہ بن مسعود، قال سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المشی خلف الجنائزۃ، فقال: "مادون الحطب، فإن کان خیرا عجلموه، وإن کان شر فلا یبغذ إلا اهل النار، الجنائزۃ متبوعۃ، ولا تتبع، لیس منها من تقدّمها"

قال أبو عیسی: هذا حدیث لا تعرفه من حدیث ابن مسعود إلا من هذا الوجه، وسیمت محمد بن إسماعیل یضعف حدیث أبی ماجید هذا، وقال محمد: قال الحمیدی: قال ابن عیینۃ: قبل یحیی: من أبو ماجید هذا؟ فقال: طائر طار، فحدثنا.

وقد ذهب بعض اهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم إلى هذا، ورأوا أن المشی خلفها أفضل، وبہ یقول الثوری وإسحاق.

وأبو ماجید: رجل مجهول، ولہ حدیثان عن ابن مسعود، ویحییٰ إمام بنی تیمم اللہ: ثقة، یکنی أبا الحارث، ویقال لہ: یحیی الجابر، ویقال لہ: یحیی المخبر أيضا، وهو کوفی، روى لہ شعبۃ وسفیان الثوری، وأبو الأحوص وسفیان بن عیینۃ.

ترجمہ: وہ چال جو حجب سے ورے ہے، پس اگر میت اچھی ہے تو تم اس کو جلدی پہنچا دو گے، اور اگر بری ہے تو دوزخی ہی دور کیا جائے گا۔

امام ترمذی کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن مسعود کی حدیث سے ہم نہیں جانتے مگر اسی سند سے، اور میں نے امام بخاری سے سنا وہ ابو ماجید کی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے، امام بخاری کہتے ہیں: یحیی قطان سے پوچھا گیا: "یہ ابو ماجید کون ہیں؟" انھوں نے فرمایا: ایک پرندہ تھا جو ہمیں حدیث سنا کر اڑ گیا (اس جملہ میں تقدیم و تاخیر ہے، اصل طائر حدثنا قطار ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ راوی مجھول ہے) اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے، اور اس کے قائل ثوری اور اسحاق ہیں، اور ابو ماجید مجھول آدمی ہیں، ان کی ابن مسعود سے صرف دو حدیثیں ہیں اور قبیلہ بنی تیمم اللہ کے امام یحیی: ثقہ ہیں، ان کی کنیت ابو الحارث ہے ان کو یحیی الجابر اور یحیی المخبر بھی کہتے ہیں اور وہ کوفہ کے باشندے تھے، ان سے شعبہ، سفیان ثوری، ابو الاحوص اور سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة الركوب خلف الجنائزۃ

جنائزہ کے پیچھے سوار ہو کر چلنے کی ممانعت

جنائزہ کے ساتھ سوار ہو کر جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آٹھ سائے دو باب ہیں، کیونکہ روایات میں گونہ اختلاف ہے۔

حدیث: حضرت ثوبان کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنائزہ میں گئے، آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو گھوڑوں پر سوار تھے (حدیث میں اگرچہ لفظ قوم نہیں ہے مگر وہ مراد ہے) آپ نے ان سے فرمایا: ”آپ لوگوں کو شرم نہیں آئی، اللہ کے فرشتے پیروں پر چل رہے ہیں اور تم جانوروں کی پیٹھوں پر سوار ہو!“

تشریح: حدیث کا مطلب واضح ہے اور ملائکہ اللہ سے اگر حقیقی معنی مراد لیں تو حدیث سے ثابت ہوگا کہ جنائزہ میں فرشتے بھی شرکت کرتے ہیں اور عجازی معنی مراد لیں تو صحابہ مراد ہونگے، جو جنائزہ کے ساتھ چل رہے تھے، کیونکہ جو انسان فرشتہ مغفّت ہوتا ہے اسے فرشتہ کہہ دیا جاتا ہے مگر یہ احتمال ضعیف ہے، حقیقی معنی مراد لینا ہی بہتر ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں، فرشتے بہت سی جگہوں میں حاضر ہوتے ہیں، نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں، ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اسی طرح جنائزہ میں بھی حاضر ہوتے ہیں۔

[۲۷] باب ماجاء فی کراهیة الركوب خلف الجنائزۃ

[۹۹۶-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ بَكْرِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ زَاهِدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ غَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَى نَاسًا رُكْبَانًا، فَقَالَ: ”أَلَا تَسْتَحْيُونَ؟ إِنَّ مَلَائِكَةَ اللَّهِ عَلَى أَقْدَامِهِمْ، وَأَنْتُمْ عَلَى ظُهُورِ الدَّوَابِّ!“

وفی الباب: عن الميهمية بن شعبة، وجابر بن سمرقة، قال أبو عيسى: حديث ثوبان قد روى عنه مؤلفوا.

وضاحت: مذکورہ سند میں بکر بن ابی مریم اور راشد بن سعد دو ضعیف راوی ہیں، اور یہ حدیث موقوف بھی مروی ہے یعنی حضرت ثوبان کا قول مروی ہے۔

باب ماجاء فی الرخصة فی ذلک

جنائزہ کے ساتھ سوار ہو کر جانے کی اجازت

حدیث (۱): جابر بن سمرقہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ابن ابی الحداح کے جنائزہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

تھے اور آپ اپنے گھوڑے پر سوار تھے، وہ دوڑ رہا تھا اور ہم آپ کے ارد گرد تھے، وہ آپ کے ساتھ اٹھیلیاں کر رہا تھا یعنی گھوڑا اچھل کود کر رہا تھا کیونکہ اس کی نگاہ کھینچ رکھی تھی۔

حدیث (۲): جابر بن سمرہ کہتے ہیں: نبی ﷺ ابن الدحداح کے جنازے میں پیدل گئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹے۔

تشریح: بعض روایات میں ابوالدحداح آیا ہے وہ صحیح نہیں، ابوالدحداح نبی ﷺ کے بعد تک حیات رہے ہیں اور پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جاتے ہوئے سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے، مگر یہ صحیح نہیں، دوسری حدیث میں صراحت ہے کہ واپسی میں کسی نے گھوڑا پیش کیا تھا تو آپ سوار ہو گئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبرستان سے واپسی کے وقت سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں، البتہ قبرستان پیدل جانا چاہئے اگر کوئی عذر ہو مثلاً پوڑھا ہو، یا بیمار ہو تو رکشے وغیرہ میں بیٹھ کر جاسکتا ہے مگر رکشا لوگوں سے پیچھے چلنا چاہئے تاکہ لوگوں کو چلنے میں دشواری نہ ہو۔ اور یورپ میں دس بیس کلومیٹر جنازہ دفن کرنے کے لئے لے جایا جاتا ہے، وہاں جنازہ بھی گاڑی میں جاتا ہے اور لوگ بھی گاڑی میں جاتے ہیں، یہ بھی عذر ہے، وہاں اس کے علاوہ کوئی شکل نہیں۔

[۲۸] باب ماجاء فی الرخصة فی ذلك

[۹۹۷] - حدثنا محمود بن غیلان، نا أبو داود، نا شعبه، عن سَمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمْرَةَ يَقُولُ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ ابْنِ الدُّحْدَاحِ، وَهُوَ عَلَى قَوْسٍ لَهُ، يَسْعَى، وَنَحْنُ حَوْلَهُ، وَهُوَ يَقْطَعُ بِهِ.

[۹۹۸] - حدثنا عبدُ اللَّهِ بنُ الصَّبَّاحِ الهَاشِمِيُّ، نا أبو قَتَيْبَةَ، عن الجُرَّاحِ، عن سَمَاكِ، عن جَابِرِ بْنِ سَمْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبَعَ جَنَازَةَ ابْنِ الدُّحْدَاحِ مَاشِيًا، وَرَجَعَ عَلَى قَوْسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی الإسراع بالجنازة

جنازہ جلدی لے چلنے کا بیان

جنازہ لے کر تیز چلنا چاہئے خراماں خراماں نہیں چلنا چاہئے، دوڑنا بھی نہیں چاہئے اس سے جنازہ کی بے وقعتی ہوتی ہے اور آہستہ لے کر چلنا بھی صحیح نہیں۔ اور جنازہ تیز لے چلنے میں حکمت یہ ہے کہ اگر جنازہ نیک آدمی کا ہے تو جلدی اس کو خیر سے ہمکنار کر دیا جائے گا، اور اگر بد ہے تو جلدی بدی سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔

[۲۹] باب ماجاء فی الإسراع بالجنائز

[۹۹۹-] حدثنا أحمد بن منيع، نا ابن عيينة، عن الزهري، سمع سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة، يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أسرعوا بالجنائز، فإن تلك خير ما تلقفوها إليه، وإن تلك شر ما تضعوه عن رقابكم".
وفى الباب: عن أبي بكر، قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ پہنچتے ہیں حدیث کے ساتھ نبی ﷺ تک، آپ نے فرمایا: جنازہ کو لے کر تیز چلو اس لئے کہ اگر جنازہ اچھا ہے تو تم جنازہ کو خیر کی طرف آگے بڑھا رہے ہو اور اگر بد ہے تو تم اس بدی کو اپنے کندھوں سے رکھ رہے ہو۔

باب ماجاء فی قتلى أحد، وذکر حمزة

شہدائے احد کا اور حضرت حمزہؓ کا تذکرہ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ جنگ احد کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر آئے اور اس کے پاس کھڑے ہوئے، آپ نے دیکھا: ان کی نعش بگاڑ دی گئی ہے (یعنی دشمنوں نے ان کے ناک، کان کاٹ دیئے ہیں اور پیٹ پھاڑ کر کلیجہ لے گئے ہیں، آپ کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا) آپ نے فرمایا: اگر صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن، نبی ﷺ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ کی زوجہ) کے غمگین ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا (وجد فی نفسہ: غمگین ہونا، صدمہ پہنچنا) تو میں حمزہؓ کی نعش کو ایسے ہی چھوڑ دیتا (دفن نہ کرتا) تاکہ طالب رزق چرندہ پرند آکر اس کو کھالیں، تاکہ قیامت کے دن ان کا حشر جانوروں کے پیٹوں سے ہو (اور ان کی مظلومیت خوب ظاہر ہو، لیکن اس سے صفیہؓ کو صدمہ پہنچے گا کہ سب لاشوں کو تو دفن کیا مگر میرے بھائی کو یونہی پڑا رہنے دیا، اس لئے میں اسے بھی دفن کر رہا ہوں) راوی کہتا ہے: پھر آپ نے ادنیٰ چادر منگوائی اور اس میں ان کو کفن دیا (شہدائے سامان میں جو چادریں تھیں انہی میں ان کو کفن دیا گیا تھا۔ حضرت حمزہؓ کے سامان میں ایک ادنیٰ دھاری دار چادر تھی ان کو اسی میں کفن دیا گیا، اور بعض شہداء کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اس لئے ایک ایک چادر میں دو دو، تین تین شہیدوں کو دفن کیا گیا اور حضرت حمزہؓ کو جس چادر میں کفن دیا گیا تھا وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ) جب اس کو سر کی طرف کھینچا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں کی طرف کھینچا جاتا تو سر کھل جاتا تھا، راوی کہتا ہے: شہداء زیادہ تھے اور کپڑے کم تھے اس لئے ایک دو اور تین آدمیوں کو ایک کپڑے میں کفن دیا گیا۔ پھر وہ ایک قبر میں دفن کئے گئے (غزوہ احد میں ستر شہداء تھے اور عرب کی

زمین پتھر لی ہے، سب کے لئے قبریں کھودنا مشکل تھا، پھر سب صحابہ بشمول نبی ﷺ زخمی تھے اس لئے ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین شہداء کو دفن کیا گیا (راوی کہتا ہے: پس رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا؟ آپ اس کو قبلہ کی طرف آگے رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان کو دفن کیا اور ان کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

تشریح:

۱- اگر کسی مجبوری میں ایک کپڑے میں ایک سے زیادہ لاشوں کو دفن کرنا پڑے تو دو لاشوں کے درمیان فصل کرنا چاہئے، خواہ کپڑے کے ذریعہ فصل کیا جائے یا گھاس پتے یا کاغذ وغیرہ کے ذریعہ۔

۲- جس قبر میں متعدد اموات دفن کرنی ہوں اس کو کھودنے کے دو طریقے ہیں: ایک: شمال جنوب لمبی قبر کھودی جائے اس کو پائنا آسان ہوتا ہے، ہندوستان میں جگہ جگہ جو لوگ زہر پی رہے ہیں یعنی لمبی قبریں ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہاں جنگ ہوئی ہے یا کوئی وبا آئی ہے اس لئے ایک قبر میں کئی کئی اموات دفن کی گئی ہیں۔ دیوبند میں بھی ایک لمبی قبر ہے، یہ اس وقت کی ہے جب دیوبند میں طاعون پھیلا تھا، جس سے روزانہ سیکڑوں آدمی مرتے تھے والا علو دیوبند کے پہلے صدر المدینہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ بھی اسی وبا میں شہید ہوئے ہیں (مگر آپ کی قبر نانوتہ میں اب سرک ہے) اس موقع پر شمال جنوب لمبی قبریں کھود کر ایک ایک قبر میں کئی کئی متحیں دفن کی گئی تھیں، یہ ہے لوگ زہر پیر کی حقیقت۔ لوگ زہر کھائی آدمی نہیں ہوتا یہ تصور مہمل ہے۔

اور قبر کھودنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشرق و مغرب چوڑی قبر کھودی جائے اس کو پائنے میں دشواری ہوگی، غزوہ احد میں چوڑی قبریں کھودی گئی تھیں اس حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

۳- امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں ہے۔ اسے غسل اور نماز کے بغیر دفن کیا جائے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ واجب ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے، علماء کہتے ہیں: روایات سے اوفق امام احمد کا مذہب ہے (یہاں یہ مسئلہ ضمناً آیا ہے اس سلسلہ میں مستقل باب آ رہا ہے)

فائدہ: شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں جو اختلاف ہوا ہے اس پر مجھے بڑی حیرت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے انہیں جنگیں لڑی ہیں ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ شہید ہوتے تھے، آپ ان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ یہ بات پردہ خفا میں کیسے رہ گئی؟ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد سو سال تک صحابہ نے جنگیں لڑی ہیں اور ان میں بے شمار مسلمان شہید ہوئے ہیں، پس صحابہ کا طریقہ کیا تھا؟ وہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ یہ بات تو اتر سے منقول ہوئی چاہئے تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ مروی نہیں نہ حضور ﷺ کا طریقہ مروی ہے اور نہ صحابہ کا طرز عمل منقول

ہے، صرف غزوہ احد کے بارے میں روایات ہیں اور وہ بھی مختلف ہیں، بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت حمزہ کی تو ستر مرتبہ پڑھی، اور اس روایت میں یہ ہے کہ آپؐ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، ایسی صورت میں حنفیہ احتیاط کا پہلو لیتے ہیں اور احتیاط نماز پڑھنے میں ہے، اگرچہ واجب نہ ہو پھر بھی پڑھی جائے تو اس میں شہداء کا مزید اکرام ہے۔ واللہ اعلم

[۳۰] باب ماجاء فی قتلیٰ اُحید، و ذکر حمزة

[۱۰۰۰-] حدثنا قتیبہ، نا أبو صفوان، عن أمّامة بن زید، عن ابن شہاب، عن أنس بن مالک، قال: أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم على حمزة يوم أُحُد، فوقف عليه، فرأه قد مثل به، فقال: "قولا أن تجد صفيّة في نفسها لتروكته حتى فأكمله العاقبة، حتى يحشر يوم القيامة من يطويها" قال: ثم دعا بسمرة فكفنه فيها، فكانت إذا مدت على رأسه بدت رجلاه، وإذا مدت على رجليه بدت رأسه، قال: فكفر الفتي، وقلت القياب، قال: فكفن الرجل والرجلان والفلاة في الثوب الواحد، ثم يدقون في قبر واحد، قال: فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يسأل عنهم: أيهم أكثر قرآنًا؟ فيقلّمه إلى القبلة، قال: فقلّمهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم يصل عليهم. قال أبو عيسى: حديث أنس حديث حسن غريب، لا نعرفه من حديث أنس إلا من هذا الوجه.

باب آخر

جنازہ میں شرکت کرنا سنت ہے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ بیمار کی بیمار پر ہی کیا کرتے تھے اور جنازہ میں شرکت کیا کرتے تھے (اسی کلمے کی وجہ سے یہ حدیث ابواب الجنائز میں لائے ہیں اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر شخص کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو جنازہ میں شریک ہونا چاہیے) اور گدھے پر بھاری کیا کرتے تھے اور غلام کی دعوت قبول کیا کرتے تھے (غلام بے چارہ کیا کھلائے گا؟ مگر آپؐ اس کی بھی دعوت قبول فرماتے تھے) اور بنو قریظہ کی جنگ کے موقعہ پر آپؐ ایک ایسے گدھے پر سوار تھے، جو کھجور کی چھال کی رسی سے لگام دیا ہوا تھا اور اس پر کھجور کی چھال کا پالان بندھا ہوا تھا۔ لیف: کھجور کے درخت کی چھال یعنی وہ چھلی جو پتوں کی جڑوں سے علحدہ ہو کر سوکھ کر نیچے گرتی ہے اس کو لمبی کاٹ کر اس سے رسی بنتے ہیں، یہ حبل لیف ہے، اور اسی کو کوٹ کر ٹکیوں، گدوں اور پالانوں میں بھرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ غزوہ بنو قریظہ میں کمانڈر انچیف تھے مگر گدھے پر سوار تھے اس کی لگام بھی معمولی تھی اور اس پر

جو پالان تھا وہ بھی معمولی تھا، پالان: زین کی طرح گدھے کی پیٹھ پر باندھا جاتا ہے تاکہ بیٹھنے میں آسانی ہو، اس میں کھجور کی چھال کا برادہ بھرا ہوا تھا، یہ غایت درجہ تواضع ہے۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کی زندگی کی پانچ باتیں اکٹھا کر کے اپنے زمانے کے امراء پر تکبر کی ہے، ان امراء کا طریقہ بدل گیا تھا، وہ ٹھانڈھ کی زندگی گزارنے لگے تھے، معمولی زندگی میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے، حالانکہ نبی ﷺ بھی امیر المؤمنین اور سربراہ مملکت تھے، تاہم آپ کو بیمار کی عیادت، جنازہ میں شرکت، عام آدمی کی دعوت قبول کرنے میں عار اور ہر قسم کی سواری پر سوار ہونے میں تکلف نہیں تھا پس امراء کو بھی یہ کام کرنے چاہئیں۔ ان کا رتبہ آنحضور ﷺ سے بڑھا ہوا نہیں ہے، پھر ان کو یہ کام کرنے میں عار کیوں آتا ہے؟

[۳۱] بَابُ آخَرُ

[۱۰۰۱-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ مُسْلِمٍ الْأَعْوَرِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغُودُ الْمَرِيضَ، وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ، وَيُرَكِّبُ الْحَقَارَ، وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ، وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ مَخْطُومٍ بِحَبْلٍ مِنْ لَيْفٍ، عَلَيْهِ إِكْرَافٌ لَيْفٍ. قَالَ أَبُو عِمْسَى: هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُسْلِمٍ، عَنْ أَنَسٍ. وَمُسْلِمٌ الْأَعْوَرُ يُضَعَّفُ، وَهُوَ مُسْلِمُ بْنُ كَيْسَانَ الْعَلَّاحِيُّ.

وضاحت: اس حدیث کو حضرت انسؓ سے تنہا مسلم الاعور روایت کرتا ہے، یہ راوی ضعیف ہے اور اس کے باپ کا نام کیسان ہے اور نسبت ملائی ہے، غلامۃ کے معنی ہیں: سوتلی چادر، یہ اس کی تجارت کرتا ہوگا اس لئے ملائی کہلاتا تھا۔

بَابُ

نبی ﷺ کی گھر میں تدفین آپ کی خصوصیت ہے

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو صحابہ میں آپ کی تدفین کے مسئلہ کو لے کر اختلاف ہوا، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے، جس کو میں بھولا نہیں، آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح قبض نہیں کرتے مگر اس جگہ جہاں وہ دفن ہوتا پسند کرتا ہے“ پس صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے بستر کی جگہ میں دفن کیا۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد کئی مسئلوں میں اختلاف ہوا تھا اور وہ مختلف طریقوں سے حل کئے گئے تھے، ایک یہ اختلاف ہوا تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ بعض نے رائے دی کہ آپ کا اصل وطن مکہ ہے، پس

مکہ میں دفن کیا جائے۔ بعض کا خیال تھا کہ نبیوں کی سرزمین بیت المقدس ہے، پس وہاں آپ کو دفن کیا جائے، اسی طرح کسی کی رائے کچھ تھی کسی کی کچھ، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا، وہ امیر المؤمنین تھے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، اور وہ حدیث مجھے خوب یاد ہے بھولا نہیں ہوں، پھر مذکورہ حدیث سنائی۔ حدیث سامنے آنے کے بعد اختلاف ختم ہو گیا اور آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا اور جس چارپائی پر آپ کی روح قبض ہوئی تھی، ٹھیک اس کے نیچے قبر تیار کی گئی۔

مسئلہ: گھر میں کسی نیک آدمی کی یا عام آدمی کی قبر بنانا جائز نہیں، سب کی تدفین گورغریاں میں ہونی چاہئے، آپ کا ارشاد ہے: **صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوها قبورا**: اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اور ان کو قبریں مت بناؤ۔ اور رسول اللہ ﷺ کی تدفین جو مکان میں ہوئی ہے وہ آپ کی خصوصیت ہے (دیکھئے کتاب الصلوات باب ۲۱۶)

اسی طرح اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا تھا کہ آپ کے کپڑے اتار کر نہلایا جائے یا کپڑوں سمیت نہلایا جائے؟ مشورہ کرتے ہوئے اچانک سب اونگھنے لگے، پھر کسی نے کونے میں سے آواز دی کہ آپ کو کپڑوں سمیت نہلاؤ، یہ سنتے ہی سب کی آنکھ کھل گئی اور اس آواز کو اللہ کی طرف سے رہنمائی سمجھا گیا اور آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔

اسی طرح اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا تھا کہ آپ کی نماز جنازہ کہاں پڑھی جائے؟ (مصلی الجنائز میں یا کسی اور جگہ؟ مسجد نبوی سے متصل جنازے پڑھنے کی جگہ تھی جس کا نام مصلی الجنائز تھا) یہ مسئلہ بھی صدیق اکبر کے سامنے رکھا گیا، آپ نے فرمایا: **انھو امامکم حیا و متبا**: آپ ہی امام ہیں حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی، لہذا لوگ فرادی فرادی حجرہ میں جائیں اور نماز پڑھیں۔ آنحضور ﷺ کی تدفین میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں نے فرادی فرادی نماز پڑھی تھی، سب نے حجرہ عائشہ میں جا کر نماز پڑھی تھی آپ کا جنازہ باہر نہیں نکالا گیا تھا اور حجرہ چھوٹا تھا اس لئے نماز میں دیر لگی، پس تدفین میں تاخیر ہوئی۔

فائدہ: منطلق قاعدے کہتے ہوتے ہیں اور خطاب قاعدے عمومی ہوتے ہیں، اگر منطقی قاعدے سے ایک جزئیہ بھی خارج ہو جاتا ہے تو اعتراض کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس جزئیہ میں قاعدہ کلیہ کیوں جاری نہیں ہوا؟ اور خطابات (باہمی گفتگو) میں جو قاعدے بیان کئے جاتے ہیں وہ اکثری ہوتے ہیں پس اگر کوئی ایسی مثال ملے کہ ایک جگہ نبی کو دفن ہونا پسند تھا مگر وہاں ان کی وفات نہیں ہوئی، دوسری جگہ ہوئی جیسے یوسف علیہ السلام کو کنعان میں دفن ہونا پسند تھا مگر ان کا انتقال مصر میں ہوا ہے تو اس سے مذکورہ حدیث پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ خطاب ضابطے عمومی ہوتے ہیں کلیے نہیں ہوتے۔

باب [۳۲]

[۱۰۰۲] - حدثنا أبو شریب، نا أبو معاویۃ، عن عبد الرحمن بن أبی بکر، عن ابن أبی ملیکۃ، عن عائشۃ، قالت: لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلفوا فی دفنہ، فقال أبو بکر:

سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ، قَالَ: "مَا قَبِضَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا عَلَى الْمَوْجِعِ الَّذِي يُجِبُّ أَنْ يُنْفَخَ فِيهِ" فَذَقْتُوهُ فِي مَوْجِعِ فِرَاشِهِ.

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، وعبد الرحمن بن أبي بكر الملقب بـ"يضعف" من قبل حفظه، وقد روى هذا الحديث من غير وجه، رواه ابن عباس، عن أبي بكر الصديق، عن النبي صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب (یعنی ضعیف) ہے، عبد الرحمن بن ابی بکر کی حافظہ کی جانب سے تضعیف کی گئی ہے۔ اور یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، اس حدیث کو ابن عباس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

بَابُ آخِرُ

مردوں کی خوبیاں بیان کرنا اور برائیوں سے کف لسان کرنا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے زبان روکے رہو" تشریح: یہ حدیث شانِ درود کے اعتبار سے خاص ہے مگر علماء نے اس کو عام کیا ہے۔ شانِ درود یہ ہے کہ میت کی نہلانے والوں کے سامنے کبھی خوبیاں آتی ہیں اور کبھی برائیاں، نہلاتے وقت کبھی جسم سے خوشبو آتی ہے، چہرہ روشن ہو جاتا ہے، تو ان خوبیوں کا تذکرہ کرنا چاہئے، ذرارة بن ادنیٰ ایک تابعی ہیں، انھوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ان کو ان کا آخری انجام معلوم نہیں ہوگا انھیں گے نہیں، چنانچہ زندگی بھر وہ نہیں بنے، انتقال کے بعد جب جنازہ نہلانے کے لئے لیا گیا تو کھل کھلا کر ہنس پڑے، اور جب تک جنازہ نہلایا جاتا رہا جیسے رہے، جب میت کو کفن پہنایا تب ہنسا موقوف کیا، پس اگر میت کی ایسی کوئی خوبی سامنے آئے تو اس کا خوب تذکرہ کرنا چاہئے تاکہ لوگوں میں نیک بننے کا جذبہ پیدا ہو، اور کبھی معاملہ برعکس ہوتا ہے، میت کے جسم سے بدبو آتی ہے، چہرہ کالا پڑ جاتا ہے، چہرہ قبلہ سے پھر جاتا ہے یا کوئی اور عیب سامنے آتا ہے تو خاموش رہنا چاہئے، اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ گندگی میں ڈھیلا جھینکنے سے کیا فائدہ؟ — غرض شانِ درود کے اعتبار سے حدیث کا مطلب یہی ہے مگر علماء نے اس کو عام کیا ہے وہ کہتے ہیں: جس شخص کا انتقال ہو گیا اس کی صرف خوبیاں بیان کی جائیں اور اس کی برائیوں سے باز رہا جائے اور یہ بات صحیح ہے، کیونکہ اگر وہ بدکار تھا تو اس نے اپنی برائی کا بدلہ پالیا، اب اس کی برائی کرنے سے کیا فائدہ؟ مگر اس صورت میں حدیث میں ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ گمراہوں کی غلطیاں جن سے ملک و ملت کو نقصان پہنچ سکتا ہے ان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے، جیسے سو دودی صاحب کی افکار کی غلطیاں بیان کرنا ضروری ہے، اگر نہیں بیان کریں گے

تو لوگ گمراہ ہو گئے، البتہ ان کی ذاتی زندگی میں کوئی خرابی ہو تو اس کو نہ جھڑپا جائے مگر ان کی افکار کی غلطیاں بیان کرنا ضروری ہے۔ خود نبی ﷺ نے بعض گزرے ہوئے لوگوں کی برائیوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ شخص جس نے عربوں میں بت پرستی کا رواج ڈالا تھا، آپؐ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے، اسی طرح اور بھی لوگوں کی برائیاں حضور ﷺ نے بیان کی ہیں، ابو جہل کو اس امت کا فرعون کہا ہے اور گزشتہ امتوں کے بعض بدکردار لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔

[۳۳] بَابُ آخِرُ

[۱۰۰۳-] حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، نَا مُعَاوِيَةَ بْنَ هِشَامٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَنَسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَانِكُمْ، وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِهِمْ" قَالَ أَبُو عِيْسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: عِمْرَانُ بْنُ أَنَسٍ الْمَكِّيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَعِمْرَانَ بْنِ أَبِي أَنَسٍ مِصْرِيٍّ أَلْبَثْتُ وَأَقْدَمْتُ مِنْ عِمْرَانَ بْنِ أَنَسٍ الْمَكِّيِّ.

وضاحت: عمران بن انس جو مکی ہے اور اس حدیث کا راوی ہے وہ پرلے درجہ کا ضعیف راوی ہے، دوسرے عمران بن ابی انس (کنیت کے ساتھ) مصری ہیں، وہ ثقہ ہیں اور زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُلُوسِ قَبْلَ أَنْ تُوضَعَ

جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنا

توضیع کے دو مطلب ہیں، ایک: جنازہ کندھوں سے نیچے رکھنا، دوسرا: جنازہ قبر میں اتارنا۔ مسئلہ: اگر جنازہ کے ساتھ لوگ تھوڑے ہوں تو جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھ دیا جائے لوگوں کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے، کیونکہ جنازہ اگرچہ چار آدمی اٹھاتے ہیں، مگر اتارنے وقت اور آدمیوں کی مدد کی ضرورت ہوگی، پس اگر لوگ بیٹھ جائیں گے تو کھڑے ہوتے ہوئے جنازہ گر پڑے گا اس لئے سب لوگوں کو کھڑے رہنا چاہئے اور ضرورت پڑے تو مدد کرنی چاہئے، پھر جب جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے تو اب بیٹھنے اور کھڑے رہنے میں اختیار ہے۔ اور اگر جنازہ کے ساتھ بہت آدمی ہوں تو جو جنازہ کے ارد گرد ہیں ان کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے باقی لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔

اور جنازہ قبر میں اتارنے سے پہلے بیٹھنا جائز ہے۔ نبی ﷺ اور صحابہ کا پہلے طریقہ یہ تھا کہ جب تک جنازہ قبر میں نہیں اتار دیا جاتا تھا کوئی نہیں بیٹھتا تھا، سب کھڑے رہتے تھے، ایک مرتبہ وہاں سے ایک یہودی عالم گزرا، اس

نے یہ منظر دیکھ کر کہا: ہمارے یہاں بھی یہی طریقہ ہے جب تک میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا کوئی نہیں بیٹھتا، اس دن آپؐ نے لوگوں کو ہدایت دی کہ ان کی مخالفت کرو۔ پس آپؐ کا پہلا طریقہ منسوخ ہو گیا، اب جنازہ قبر میں اتارنے سے پہلے بیٹھنا جائز ہے۔

حدیث: حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ جب جنازہ کے پیچھے جاتے (لفظ اتبع میں اشارہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے) تو بیٹھتے نہیں تھے، یہاں تک کہ جنازہ قبر میں رکھ دیا جاتا تھا، پس آپؐ کے سامنے ایک بڑا یہودی عالم آیا اور اس نے کہا: اے محمد! ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں، پس نبی ﷺ بیٹھنے لگے اور فرمایا: ”یہود کی مخالفت کرو“

تشریح: اس حدیث میں تین راوی مسلسل ضعیف ہیں، بشر بن رافع، عبد اللہ بن سلیمان اور اس کا باپ سلیمان، بلکہ سلیمان تو نہایت کم راوی ہے، البتہ عبد اللہ کے دادا جنازہ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔

[۳۴] باب ماجاء فی الجلوس قبل ان توضع

[۱۰۰۴-] حدثنا محمد بن بشر، نا صفوان بن عيسى، عن بشر بن رافع، عن عبد الله بن سليمان بن جندادة بن أبي أمية، عن أبيه، عن جده، عن عبادة بن الصامت، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تبع الجنائز لم يقعد حتى توضع في اللحد، فعرض له جبر فقال: هاكذا نضع يا محمد، فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال "خالقوهم" قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، وبشر بن رافع ليس بالقوي في الحديث.

باب فضل المصيبة إذا احتسب

مصیبت پر ثواب کی امید رکھنے کی فضیلت

جب کوئی مصیبت آئے، موت کی تخصیص نہیں، اگر اس پر ثواب کی امید سے صبر کیا جائے تو اس کی کیا فضیلت ہے؟ حدیث: ابوسنان کہتے ہیں: میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفن کیا (یعنی اس کو قبر میں اتارنے کے لئے خود قبر میں اتر ا) اور ابو طلحہ خولانی (تابعی) قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے، جب (میت قبر میں رکھ چکا اور) نکلنے کا ارادہ کیا تو ابو طلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: اے ابوسنان! کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور سنائیے) پس ابو طلحہ نے (سند کے ساتھ) یہ حدیث سنائی: مجھ سے ضحاک بن عبد الرحمن بن عریب نے بیان کیا، وہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی بندے کا بچہ مرتا ہے اور فرشتے

اس کی روح لے کر بارگاہ ایزدی میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: ”تم نے میرے بندے کے بچہ کو وصول کر لیا؟“ وہ کہتے ہیں: ہاں وصول کر لیا، پس اللہ پوچھتے ہیں: ”تم نے اس کے دل کے پھل کو لے لیا؟“ وہ کہتے ہیں: ہاں لے لیا، اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: (جب تم نے بچہ کو وصول کیا تو اس وقت) میرے بندہ نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں: اس نے آپ کی تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ اِلٰہِخ پڑھا، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میرے بندے کے لئے جنت میں ایک مکان بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو“

تشریح: اس حدیث میں خاص یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہئے پھر ترجیع یعنی اِنَّا لِلّٰہِ اِلٰہِخ پڑھنا چاہئے، عام طور پر لوگ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ اِلٰہِخ پڑھتے ہیں مگر حمد و ثنا کرنا بھول جاتے ہیں۔

مصیبت کے وقت ترجیع کی حکمت تو واضح ہے، مگر حمد و ثنا کی حکمت سمجھنے کے لئے پیرانہ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ سنیں (شیخ جیلانی کو ہندوستان کے بدعتی غوث اعظم کہتے ہیں، پس یاد رکھنا چاہئے کہ غوث (فریادرس) صرف اللہ تعالیٰ ہیں ان کے علاوہ کوئی غوث نہیں، نہ بڑا نہ چھوٹا) پیرانہ پیر بڑے مالدار تھے، تجارت کرتے تھے، مال ایک سپورٹ امپورٹ ہوتا تھا، ایک مرتبہ تجارتی مال پانی کے راستہ سے کہیں جا رہا تھا کہ جہاز ڈوب گیا اور سب مال ہلاک ہو گیا، آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمد للہ (اللہ کا شکر ہے) لوگوں کو حیرت ہوئی مگر سب خاموش رہے، پھر ایک عرصہ کے بعد حضرت کو تجارت میں بڑے نفع کی اطلاع دی گئی تو آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور کہا: الحمد للہ! (اللہ کا شکر ہے!) لوگوں نے عرض کیا: حضرت اس موقع پر تو حمد کرنا سمجھ میں آتا ہے مگر فلاں موقع پر جب آپ کو نقصان کی خبر دی گئی تھی اس وقت بھی آپ نے حمد کی تھی اس کی مناسبت سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا: میں نے نہ نقصان پر حمد کی ہے نہ نفع پر بلکہ میں نے دونوں حالتوں میں دل کا جائزہ لیا کہ میرے دل نے اس کا اثر قبول کیا یا نہیں، معلوم ہوا کہ کوئی اثر نہیں پڑا، دل نے نقصان کو بھی اللہ کی طرف سے سمجھا اور نفع کو بھی، اس کیفیت پر میں نے اللہ کی حمد کی۔ پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت پہنچتی ہے تو سبھی لوگ حمد کرتے ہیں مگر مصیبت کے وقت حمد کرنا بڑا کمال ہے۔

[۳۵] باب فضل المصیبة إذا احتسب

[۱۰۰۵] - حَدَّثَنَا سُؤَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَيَانٍ، قَالَ: دَفَنْتُ ابْنِي سَيَانًا، وَابُو طَلْحَةَ الْخَوْلَانِيُّ جَالِسٌ عَلَيَّ شَفِيفِ الْقَبْرِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ الْخُرُوجَ أَخَذَ بِيَدِي فَقَالَ: أَلَا أُبَشِّرُكَ يَا أَبَا سَيَانٍ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: حَدَّثَنِي الضُّحَّاكُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَزْزَبٍ، عَنْ أَبِي

مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللَّهُ لِمَلَائِكِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: قَبَضْتُمْ قَمَرَةً لَوَادِهِ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِي؟ فَيَقُولُونَ: حَمْدُكَ وَاسْتِرْجَاعُ، فَيَقُولُ اللَّهُ: ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ" قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ

جنازہ میں کتنی تکبیریں کہی جائیں؟

آنحضرت ﷺ نے جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں اور چار بھی، اور صحابہ نے اس سے زیادہ بھی کہی ہیں، مگر آپ کا پہلا عمل پانچ تکبیریں کہنے کا تھا اور آخری عمل چار کا، اس لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ کا اتفاق ہو گیا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں۔ اور چاروں ائمہ بھی اس پر متفق ہیں کہ جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے نجاشیؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

تشریح: نجاشی رحمہ اللہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا وہ ایمان قبول کر چکے تھے مگر مدینہ میں نہیں آ سکے تھے، ان کی خواہش اور تمنا تھی مگر حکومت کی مشغولیت مانع بنی، جیسے مغل بادشاہوں نے بشمول عالمگیر رحمہ اللہ کسی نے حج نہیں کیا کیونکہ اس زمانہ میں سفر حج میں چھ ماہ لگتے تھے۔ اب اگر بادشاہ حکومت کا کام چھوڑ کر اتنے دنوں تک ملک سے غائب رہے گا تو حکومت کا کیا بنے گا؟ اس لئے کسی مغل بادشاہ نے حج نہیں کیا، اس وقت کے علماء نے فتویٰ دیا تھا کہ حکومت کے عذر کی وجہ سے بادشاہ حج بدل کر اسکا ہے، چنانچہ مغل بادشاہ حج بدل کرایا کرتے تھے۔

اسی طرح نجاشی رحمہ اللہ کی تمنا اور آرزو تھی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف باریابی حاصل کریں مگر حکومت کی مشغولیت مانع بنی، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو خبر دی، آپ صحابہ کو لے کر اس میدان میں جہاں عید پڑھی جاتی تھی تشریف لے گئے، مسجد نبوی کے قریب اگرچہ مصلیٰ الجنازہ (جنازہ پڑھنے کی جگہ) تھی مگر آپ پھر سے باہر عید گاہ تشریف لے گئے، وہاں صحابہ کی صفیں درست کیں اور غائبانہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔

مذاہب فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے، ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، ان کے نزدیک نماز جنازہ کے لئے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں بہت سے لوگوں کا مدینہ سے باہر انتقال ہوا مگر آپ نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، جنگ موتہ میں جو حضرات شہید ہوئے ان کی شہادت کا

آپ پر بہت اثر تھا مگر ان کی بھی آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہوتی تو نبی ﷺ ان کی نماز جنازہ ضرور پڑھتے، اور نجاشی رحمہ اللہ کی جو نماز پڑھی ہے وہ یا تو نجاشی رحمہ اللہ کی خصوصیت ہے یا آنحضور ﷺ کی یادوں کی، پس اس سے استدلال درست نہیں۔

حدیث (۲): ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جنازہ کی نماز میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے پانچ تکبیریں کہیں، ہم نے ان سے پوچھا تو فرمایا: نبی ﷺ نے پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں۔
تشریح: جبرائیل علیہ السلام اللہ کے مسئلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ صغار صحابہ نے بعض وہ حدیثیں جو منسوخ تھیں اور مرد زمانہ کی وجہ سے لوگ ان کو بھولتے جا رہے تھے ان پر حفاظت حدیث کی غرض سے عمل شروع کیا، کیونکہ جو چیز کر کے دکھائی جاتی ہے وہ واقعہ فی النفس ہوتی ہے۔ حضرت زید نے بھی جنازہ پر پانچ تکبیریں اسی مقصد سے کہی تھیں (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب الصلوٰۃ باب ۶۷)

[۳۶] باب ماجاء فی التکبیر علی الجنازۃ

[۱۰۰۶] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ صَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى النَّجَاشِيِّ، فَكَثَّرَ أَرْبَعًا. وَفِي الْبَابِ: عَنْ ابْنِ عِبَّاسٍ، وَابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَجَابِرٍ، وَأَنَسٍ، وَيَزِيدُ بْنُ ثَابِتٍ.

قال أبو عيسى: وَيَزِيدُ بْنُ ثَابِتٍ: هُوَ أَخُو زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ، شَهِدَ بَنُوهُ، وَزَيْدٌ لَمْ يَشْهَدْ بَنُوهُ. قال أبو عيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ التَّكْبِيرَ عَلَى الْجَنَازَةِ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

[۱۰۰۷] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ عُمَرُو بْنِ مَرْثَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: كَانَ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَازَتِنَا أَرْبَعًا، وَإِنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةِ خُمَسًا، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُهَا.

قال أبو عيسى: حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: رَأَوْا التَّكْبِيرَ عَلَى الْجَنَازَةِ خُمَسًا، وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ: إِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ عَلَى الْجَنَازَةِ خُمَسًا فَإِنَّهُ يُتَّبَعُ الْإِمَامُ.

ترجمہ: باب میں یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بڑے

بھائی ہیں اور بدری صحابی ہیں، اور حضرت زیدؓ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس حدیث پر صحابہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء کا عمل ہے، وہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں مانتے ہیں۔ صحابہ اور ان کے علاوہ بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ جنازہ میں پانچ تکبیروں کے قائل ہیں (پہلے صحابہ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف تھا پھر جب دور فاروقی میں اس سلسلہ میں مشورہ ہوا تو سب صحابہ چار تکبیروں پر متفق ہو گئے) اور امام احمد اور امام اسحاق فرماتے ہیں: اگر امام جنازہ پر پانچ تکبیریں کہے تو امام کی پیروی کی جائے۔ باقی ائمہ کے نزدیک لوگ پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی نہیں کریں گے، خاموش کھڑے رہیں گے، جیسے کوئی خفی، شافعی امام کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کرے تو جب امام دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت پڑھے تو خفی مقتدی خاموش کھڑا رہے۔ قنوت میں امام کی پیروی نہ کرے، اور شافعی مقتدی کو خفی امام کے پیچھے قنوت پڑھنا چاہئے، اگرچہ چھوٹے سے چھوٹا قنوت ہو، جیسے اللھم اغفر لی صرف اتنا پڑھ لینا بھی کافی ہے، اسی طرح امام اگر پانچویں تکبیر کہے تو لوگ خاموش کھڑے رہیں امام کی پیروی نہ کریں۔

بَابُ مَا يَقُولُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ

نماز جنازہ کی دعا

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد حمد و ثنا ہے (امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک) یا سورہ فاتحہ ہے (امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک) اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف ہے۔ یہ دونوں چیزیں دعا کی تمہید ہیں اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا ہے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام ہے، اور چونکہ نماز جنازہ خود دعا ہے اس لئے سلام کے بعد دعا نہیں ہے۔

حدیث (۱): ابو ابراہیم الاہلبی کے والد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی جنازہ پڑھتے تو اس طرح دعا کرتے: اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، موجودین کی اور غائبین کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی مغفرت فرما۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ”اے اللہ! آپ جس کو ہم میں سے زندہ رکھیں اس کو اسلام پر زندہ رکھیں اور جس کو آپ ہم میں سے وفات دیں اس کو ایمان پر وفات دیں“

تشریح: اس حدیث کی صحیح سند صرف وہی ہے جو باب کے شروع میں ہے یعنی اوزاعی روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابو ابراہیم الاہلبی سے اور وہ اپنے والد سے، دیگر سندیں صحیح نہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) ہشام دستواکی اور علی بن المبارک روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابوسلمہ سے، وہ نبی ﷺ سے

(یہ سند مرسل ہے)

(۲) عکرمہ بن عمار روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابوسلمہ سے، وہ حضرت عائشہ سے اور وہ نبی ﷺ سے (یہ سند صحیح نہیں، عکرمہ کبھی یحییٰ کی سندوں میں غلطی کرتے ہیں)

(۳) یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں عبد اللہ بن ابی قتادة سے، وہ اپنے والد سے، وہ نبی ﷺ سے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی سند کو یعنی ابوالبراء اہم الاشہلی کے والد کی حدیث کو اس طرح قرار دیا ہے، پس دیگر سندیں صحیح نہیں، اور ابوالبراء اہم کے والد کا نام امام بخاری کو معلوم نہیں تھا۔

حدیث (۲): عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا میں نے کان لگا کر سنا تو آپ نے یہ دعا پڑھی: ”اے اللہ! اس میت کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما اور اس کو اولوں سے دھو ڈال جس طرح کپڑا دھویا جاتا ہے“

تشریح: نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد کوئی بھی دعا پڑھ سکتے ہیں، صرف اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس میں میت کے لئے دعائے مغفرت ہونی چاہئے۔ اور اولوں کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ برف خواہ قدرتی ہو یا کارخانہ کا بنا ہوا میل کچیل اور پکنا ہٹ کو دور کرتا ہے، اور مذکورہ دعا یہاں مختصر ہے پوری دعا مشکوٰۃ (حدیث ۱۶۵۵) میں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو باب کی صحیح ترین روایت قرار دیا ہے۔

[۳۷] باب ما یقول فی الصلاة علی المیت؟

[۱۰۰۸-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا هُفْلُ بْنُ زَيْدٍ، نا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِبْرَاهِيمَ الْأَشْهَلِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ، قَالَ: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَمَلِنَا وَمَتْنِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَالِبِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا، وَذَكْرِنَا وَأُنثَانَا“ قَالَ يَحْيَى: وَحَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ ذَلِكَ، وَزَادَ فِيهِ: ”اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَلَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَلَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ“

وفی الباب: عن عبد الرحمن بن عوف، وعائشة، وأبي قتادة، وجابر، وعوف بن مالك.
قال أبو عيسى: حديث والدي أبي إبراهيم حديث حسن صحيح، وروى هشام الدستوائي، وعلي بن المبارك هذا الحديث عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن النبي صلى الله عليه وسلم مؤسلاً، وروى عكرمة بن عمار، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن عائشة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وحديث عكرمة بن عمار غير محفوظ، وعكرمة ربما بهم في حديث يحيى، وروى عن يحيى بن أبي كثير، عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم.

قال أبو عيسى: وسمعتُ محمداً يقول: أَصَحُّ الرِّوَايَاتِ فِي هَذَا حَدِيثٍ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي إِبْرَاهِيمَ الْأَشْهَلِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: وَسَأَلْتُهُ عَنْ اسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ الْأَشْهَلِيِّ، فَلَمْ يَعْرِفْهُ.

[۱۰۰۹] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ بْنِ لُقَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى مَيِّتٍ لَفَّيْهِ مِنْ صَلَاتِهِ عَلَيْهِ: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، وَارْحَمَهُ، وَاعْبِسْهُ بِالْبَرْدِ كَمَا يُغَسَّلُ الْقَوْبُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقال محمد بن إسماعيل: أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ هَذَا الْحَدِيثُ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا بیان

مذاہب فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک سنت نہیں، البتہ ان کے نزدیک ثنا کی نیت سے فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ اور اس سلسلہ میں صرف ایک روایت ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں سورۃ فاتحہ پڑھی، نماز کے بعد لوگوں نے سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا: یہ سنت ہے۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یہ سنت ہے تو سب مسلمان اس سنت پر عمل پیرا کیوں نہیں؟ ابن عباسؓ سے اس سلسلہ میں سوال کرنا دلیل ہے کہ اس وقت مسلمان نماز جنازہ میں فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، اس لئے جب ایک صحابی کا نیا عمل سامنے آیا تو لوگوں نے سوال کیا، اور ابن عباسؓ نے جو اس کو سنت کہا ہے تو وہ آپؓ کا اجتہاد تھا اور سنت بمعنی جائز ہے۔ صحابہ کبھی اپنے مجتہدات کے لئے بھی لفظ سنت استعمال کرتے تھے، خود امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کے احوال کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کبھی صحابہ اپنے مجتہدات کے لئے بھی لفظ سنت استعمال کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کا یہ قول علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے العرف الخلدی میں اسی باب میں ذکر کیا ہے، پس لفظ سنت سے ایسا سمجھنا کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی ہے: صحیح نہیں، ہاں صحابہ نے بیان جواز کے لئے پڑھی ہے۔

فائدہ: یہ حدیث مرفوع بھی مروی ہے یعنی ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھی، مگر وہ صحیح نہیں، حقیقت میں یہ ابن عباسؓ کا عمل ہے، انھوں نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی تھی، اور مرفوع حدیث کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف راوی ہے، یہ راوی مصنف ابن ابی شیبہ کے مصنف کا دادا ہے اور تراویح

کے مسئلہ میں ابن عباسؓ سے جو روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھی تھی وہ روایت اسی راوی کی ہے۔

[۳۸] باب ماجاء فی القراءة علی الجنائز بفتح الکتاب

[۱۰۱۰-] حدثنا أحمد بن منيع، نا زيد بن حباب، نا إبراهيم بن عثمان، عن الحكم، عن مقسم، عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قرأ على الجنائز بفتح الكتاب.

وفى الباب: عن أم شريك، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث ليس إسناده بذلك القوي، إبراهيم بن عثمان: هو أبو شيبة الواسطي منكر الحديث، والصحيح عن ابن عباس قوله: من السنة القراءة على الجنائز بفتح الكتاب.

[۱۰۱۱-] حدثنا محمد بن بشر، نا عبد الرحمن بن مهدي، نا سفيان، عن سعد بن إبراهيم، عن طلحة بن عبد الله بن عوف، أن ابن عباس صلى على الجنائز فقرأ بفتح الكتاب، فقلت له؟ فقال: إنه من السنة أو: من تمام السنة.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم يختارون أن يقرأ بفتح الكتاب بعد التكبيرة الأولى، وهو قول الشافعي، وأحمد وإسحاق.

وقال بعض أهل العلم: لا يقرأ في الصلاة على الجنائز، إنما هو الشاء على الله، والصلاة على نبيه صلى الله عليه وسلم، والدعاء للميت، وهو قول الثوري وغيره من أهل الكوفة.

ترجمہ: اس پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جنازہ کی نماز میں قرآن نہ پڑھے، وہ صرف اللہ کی حمد، نبی ﷺ پر درود اور میت کے لئے دعا ہے۔

باب كيف الصلاة على الميت، والشفاعة له؟

نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے اور میت کے لئے شفاعت کس طرح کی جائے؟

حدیث: مرشد بن عبد اللہ کہتے ہیں: حضرت مالک بن سمیرہ رضی اللہ عنہ جب کسی جنازہ کی نماز پڑھتے اور جنازہ پر لوگوں کو کم و دیکھتے تو لوگوں کو تین صفوں میں بانٹ دیتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”جس میت کی نماز جنازہ تین صفیں پڑھیں اس کے لئے جنت واجب (ثابت) ہوگی“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کی نماز جنازہ بڑی جماعت پڑھے اس کی مغفرت ہو جائے

گی، اور بڑی جماعت سے مراد مصلی الجنازہ کی تین صفیں ہیں، جن میں تقریباً سو آدمی آتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں کی بڑی جماعت پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اس کے لئے سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے ہیں“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی جماعت سے مراد سو آدمی ہیں۔ مگر مالک بن نمیرؓ لوگوں کی کمی کی صورت میں حیلہ کرتے تھے اور لوگوں کو تین صفوں میں کھڑا کرتے تھے، کیونکہ رحمت حق بہانہ می جوید، بہانمی جوید! اور تین صفیں بنانے کے لئے امام کے ساتھ سات آدمی ضروری ہیں، دو آدمیوں سے کم کی صف نہیں ہو سکتی، اور مالک بن نمیرؓ جو حیلہ کرتے تھے وہ حدیث کی تاویل بعید ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ نصوص کی تاویل بعید غیر معتبر ہے، البتہ اگر وہ تاویل بعید کسی فقیہ صحابی سے مروی ہو تو وہ معتبر ہے، مالک بن نمیرؓ صحابی ہیں، پس یہ تاویل معتبر ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تین صفوں کا نماز جنازہ پڑھنا فعلی شفاعت ہے۔ شفاعتیں دو ہیں: قولی اور فعلی: قولی شفاعت یہ ہے کہ آدمی زبان سے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرے اور تین صفیں بنا کر نماز جنازہ پڑھنا فعلی شفاعت ہے، پس امام ترمذیؒ کے باب کا مطلب یہ ہے کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس کے لئے شفاعت کس طرح کرنی چاہئے؟ پھر یہ روایت لا کر بتایا کہ یہ فعلی شفاعت بھی اختیار کرنی چاہئے، اور نمازی کم ہوں تو بھی تین صفیں بنانی چاہئیں۔

فائدہ: بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نماز جنازہ میں صفیں طاق ہونی چاہئیں اور وہ اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں^(۱) حالانکہ تین صفوں کے بعد طاق اور جفت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دیوبند میں اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا اور لفظ دلالت کا یہ مطلب سمجھنا کہ جنازہ میں صفیں طاق ہوں یہ بات صحیح نہیں، خواہ صفوں کی جو بھی تعداد ہو نماز درست ہے۔

[۳۹] باب کیف الصلاة علی الميت، والشفاعة له؟

[۱۰۱۲] - حدثنا أبو حُرَيْبٍ، نا عبدُ اللَّهِ بنُ الْمُبَارَكِ، وَوَيْلَسُ بْنُ بُكَيْرٍ، عن محمد بنِ إِسْحَاقَ،

عن يَزِيدَ بنِ أَبِي حَبِيبٍ، عن مَرْقَدِ بنِ عَمْرِو اللَّهِ الْيَزَنِيِّ، قَالَ: كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ إِذَا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَتَقَالَ النَّاسُ عَلَيْهَا: جَزَاءُهُمْ ثَلَاثَةُ أَجْزَاءَ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ ثَلَاثَةٌ صُفُوفٍ فَقَدْ أَوْجَبَ“

(۱) تعلیم الاسلام (۶۳:۴) میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”اگر آدمی زیادہ ہوں تو تین یا پانچ یا سات صفیں بنانا بہتر ہے“ کیونکہ حدیث ہے: ان الله وقر، يحب الوقر: اللہ تعالیٰ یگانہ ہیں، وہ طاق کو پسند کرتے ہیں، یہ ایک عام ادب ہے، جنازہ کی صفوں میں بھی اس کا لحاظ رہنا چاہئے، مگر اس کا واجب کی طرح اہتمام درست نہیں ۱۱

وفی الباب: عن عائشة، وأمّ حبیبة، وأبی هريرة، وميمونة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال أبو عیسیٰ: حدیث مالک بن حنیفة حدیث حسن، هكذا رواه غیر واحد عن محمد بن إسحاق، وروى إبراهيم بن سعد، عن محمد بن إسحاق هذا الحديث، وأدخل بين مرثد ومالك بن حنیفة رجلاً، ورواية هؤلاء أصح عندنا.

[۱۰۱۳-] حدثنا ابن أبي عمير، نا عبد الوهاب الثقفي، عن أيوب ح: وثنا أحمد بن منيع، وعلي بن حنبل، قالوا: نا إسماعيل بن إبراهيم، عن أيوب، عن أبي قلابة، عن عبد الله بن يزيد - رضيع كان لعائشة - عن عائشة، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لَا يَمُوتُ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيُصَلِّيَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، يُلْغُوا أَنْ يَكُونُوا مِائَةً، فَيُشْفَعُوا لَهُ إِلَّا يَشْفَعُوا فِيهِ" وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ حَبِيبٍ: "مِائَةً فَمَا فَوْقَهَا"

قال أبو عیسیٰ: حدیث عائشة حدیث حسن صحیح، وقد أوقفه بعضهم، ولم يرفعه.

وضاحت: مالک بن ہمرہ کی حدیث کو ابراہیم بن سعد نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے، اور وہ مرثد اور حضرت مالک کے درمیان واسطہ بڑھاتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں۔ مرثد براہ راست حضرت مالک سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ سے ان کی حدیث کو عبد اللہ بن یزید روایت کرتے ہیں، یہ حضرت عائشہ کے رضاعی بھائی ہیں اور بعض حضرات نے اس حدیث کو موقوف روایت کیا ہے اور وہ حدیث سنن سعید بن منصور میں ہے، مگر حدیث کو مرفوع کرنا زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة الصلاة علی الجنائزة عند طلوع الشمس وعند غروبها

طلوع وغروب کے وقت نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے

تین اوقات میں یعنی طلوع، استواء اور غروب کے وقت ہر نماز مکروہ ہے حتیٰ کہ عجدہ تلاوت اور نماز جنازہ بھی مکروہ ہے، البتہ اگر ان اوقات ہی میں جنازہ آجائے یا آیت عجدہ تلاوت کرے تو ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور عجدہ تلاوت بھی کر سکتے ہیں، لیکن اگر پہلے سے جنازہ آیا ہو یا دوسرے وقت میں آیت عجدہ تلاوت کی ہو تو اوقات ثلاثہ میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور عجدہ تلاوت بھی۔

حدیث: عقبہ بن عامر جعفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا (نماز جنازہ کے علاوہ نمازیں بھی مراد ہیں) اور ان تین اوقات میں ہمیں ہمارے مردے دفن کرنے سے بھی حضور ﷺ نے منع کیا: جس وقت سورج طلوع ہوتا شروع ہوتا آنگہ وہ بلند ہو جائے (باز غدا: مغت کا وقت ہے اور سورج

پورے چار منٹ میں نکلتا ہے مگر جب تک سورج لال تھا ہی ہو: وہ وقت طلوع کے ساتھ ملحق ہے، پس مکروہ وقت تقریباً دس منٹ ہے) اور جس وقت سورج ٹھہرے ٹھہرنے والی دوپہر میں تا آنکہ وہ (مغرب کی طرف) مائل ہو یعنی زوال ہو جائے (فائیم الظہیرۃ: درحقیقت مرکب تو صلی ہے، عبارت کو سبک کرنے کے لئے مرکب اضافی بنایا گیا ہے، پس تقدیر عبارت ہے: ظہیرۃ قائمۃ) ٹھہرنے والی دوپہر ہے، اور یہ بات عرب میں ہوتی ہے وہاں جب دوپہر ہوتی ہے تو لوگ گھروں میں بند ہو جاتے ہیں، سرکیں سنسان ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ ہوا کیں بھی بند ہو جاتی ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے ہر چیز ٹھہر گئی ہے) اور جس وقت سورج غروب ہونے کے لئے مائل ہوتا آنکہ وہ غروب ہو جائے (غروب شروع ہونے سے پہلے جب سورج لال تھا ہی ہو جائے وہ وقت غروب کے ساتھ ملحق ہے مائل ہونے کا یہی مطلب ہے)

تشریح: لَہٰی اَنْ نَقْبِرَ فِیْہِمْ مَوْتَانَا کا کیا مطلب ہے؟ اختلاف کے نزدیک اس سے نماز جنازہ پڑھنا مراد ہے یعنی ان تین اوقات میں نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے، میت کو ان اوقات میں دفن کرنا جائز ہے۔ امام احمد کی بھی یہی رائے ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں میت کو دفن کرنا مکروہ ہے، نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، پس یہ نص نہیں کا اختلاف ہے۔

فائدہ: فجر کی نماز کے بعد طلوع سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد سورج پیلا پڑنے سے پہلے نماز جنازہ بلا کراہیت جائز ہے، اس میں لوگوں کو غلط فہمی ہے۔ تعلیم الاسلام (حصہ چہارم ص: ۲۸) میں ہے: (۱) صبح صادق ہونے کے بعد۔ فجر کی دو رکعت سنتوں کے علاوہ۔ فرضوں سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے (۲) فرضوں کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے (۳) عصر کے فرضوں کے بعد آفتاب متغیر ہونے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے۔ لیکن ان تینوں وقتوں میں فرض نماز کی قضا اور واجب نماز کی قضا اور نماز جنازہ اور کعبۃ تلاوت بلا کراہیت جائز ہے۔ بڑے بڑے لوگ بھی یہ مسئلہ نہیں جانتے، وہ ان اوقات میں بھی جنازہ نہیں پڑھتے، یہ غلط فہمی ہے۔

[۱۰] باب ماجاء فی کراہیۃ الصلاۃ علی الجنازۃ عند طلوع الشمس وعند غروبھا

[۱۰۱۴-] حَدَّثَنَا هُنَادٌ، نَا وَكِيعٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ بْنِ رَجَاحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ غَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: ثَلَاثَ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيْہِمْ أَوْ نَقْبُرَ فِيْہِمْ مَوْتَانَا: حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَارِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظُّهْرِ حَتَّى تَمِيلَ، وَحِينَ تَضَيِّفُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم يكرهون الصلاة على الجنازة في هذه الساعات.

وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ: "أَوْ أَنَّ نَقْبَهُ فِيهِمْ مَوْتَانَا" يَعْنِي الصَّلَاةَ عَلَى الْجَنَازَةِ، وَكَرِهَ الصَّلَاةَ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا وَإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ فِي السَّاعَاتِ الَّتِي يُكْرَهُ فِيهِمْ الصَّلَاةُ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے، وہ ان اوقات میں جنازہ پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں، اور ابن المبارکؒ نے فرمایا: حدیث: "ہم ان اوقات ثلاث میں اپنے مردوں کو دفن نہ کریں" کا مطلب یہ ہے کہ ہم جنازہ کی نماز نہ پڑھیں، اور طلوع اور غروب کے وقت اور جب نصف النہار ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے جنازہ کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور امام شافعی فرماتے ہیں: ان اوقات میں جن میں نمازیں مکروہ ہیں جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (ان کے نزدیک ان اوقات میں تدفین مکروہ ہے)

بَابُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْأَطْفَالِ

بچے کی نماز جنازہ پڑھی جائے اگر تخلیق مکمل ہوگئی ہو

امام احمدؒ کے نزدیک ہر اس بچہ کی نماز جنازہ ہے جس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہے، خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مراد پیدا ہوا ہو، اور تخلیق مکمل ہونے کی علامت یہ ہے کہ جبین کے سر پر بال نکل آئے ہوں۔ اور اگر بچہ ادھر پیدا ہوا ہو، اس کی تخلیق مکمل نہیں ہوئی تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اور دیگر فقہاء کے نزدیک اگر بچہ زندہ پیدا ہوا ہو، پھر مر گیا ہو تو اس کی نماز جنازہ ہے، اور اگر بچہ مراد پیدا ہوا ہو تو اس کو دھوکہ کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے، اس کی نماز جنازہ نہیں ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: سوار جنازہ کے پیچھے چلے اور جنازہ کے ساتھ پیدل جانے والا جہاں چاہے چلے (جنازہ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چل سکتا ہے، یہ جواز کا بیان ہے) اور بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی خواہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مردہ، اس لئے کہ حدیث عام ہے اس میں نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بچہ کے زندہ پیدا ہونے کی قید نہیں ہے، مگر حدیث میں تخلیق مکمل ہونے کا تذکرہ بھی نہیں ہے، پس یہ قید کہاں سے بڑھائیں گے؟

سوال: بچہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے اس کی نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: نماز جنازہ کا مقصد صرف استغفار نہیں ہے، یہ تو ضمنی مقصد ہے، اصل مقصد میت کی تعظیم ہے، چنانچہ انبیاء کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

[۱۱] بَابُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْإِطْفَالِ

[۱۰۱۵-] حَدَّثَنَا يَشْرُبُ بْنُ آدَمَ بْنِ يَنْبِ أَزْهَرُ السَّمَاوَةِ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، نَا أَبِي، عَنْ زَيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ الْمُفِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ، وَالْمَاشِي حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا، وَالطُّفْلُ يُصَلَّى عَلَيْهِ"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وروى إسرائيل وغير واحد عن سعيد بن عبيد الله.

والمعمل عليه عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم قالوا: يصلى على الطفل وإن لم يستهل، بعد أن يعلم أنه خلق، وهو قول أحمد وإسحاق.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے اگرچہ وہ نہ چلائے (یعنی اس کی حیات متحقق نہ ہو) اس کے بعد کہ اس کی تخلیق کا مکمل ہونا معلوم ہو جائے اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الطُّفْلِ حَتَّى يَسْتَهْلَ

بچے کی نماز جنازہ اس وقت پڑھی جائے گی جب وہ زندہ پیدا ہو

اگر نومولود بچہ چلائے یعنی اس کی حیات متحقق ہو جائے، پھر مر جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور اگر زندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں، بلکہ مر اہوا پیدا ہوا ہو تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، یہ جمہور کی رائے ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی رائے گذشتہ باب میں آگئی۔

جاننا چاہئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اوپر جو حدیث گذری ہے وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، مگر وہ صریح نہیں، اس لئے جمہور نے اس ضعیف روایت کے ذریعہ اس صحیح روایت کی تفسیر کی ہے، جیسے حج کی فرضیت کے لئے استطاعت کا شرط ہونا قرآن سے ثابت ہے: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ اور زادوراحلہ شرط ہونے کی سب روایات ضعیف ہیں، ان سے زادوراحلہ کا شرط ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، مگر ان ضعیف روایتوں سے آیت کی تفسیر ہو سکتی ہے، چنانچہ جمہور نے ان روایتوں سے آیت کی تفسیر کی ہے اور زادوراحلہ کو شرط قرار دیا ہے، اسی طرح یہ حدیث بھی ضعیف ہے، دلیل نہیں بن سکتی، مگر اس کے ذریعہ صحیح حدیث کی تفسیر کی جاسکتی ہے، چنانچہ جمہور نے تفسیر کی اور فرمایا: گذشتہ حدیث میں جو الطفل آیا ہے اس سے مراد وہ بچہ ہے جو زندہ پیدا ہوا ہو، اگر زندگی کے آثار محسوس نہ

ہوں تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، نہ وہ دوسرے کا وارث ہوگا نہ دوسرا اس کا وارث ہوگا، یہاں تک کہ چلائے۔

تشریح: اس حدیث میں جو دو مسئلے اور ہیں، ان میں امام احمد رحمہ اللہ جمہور کے ساتھ ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ جب نو مولود میں حیات کے آثار ظاہر ہوں تب وہ دوسرے کا وارث ہوگا، اور اس کی میراث اس کے در ثاء کو ملے گی۔ اور اگر حیات کے آثار محسوس نہ ہوں تو وہ وارث ہوگا نہ مورث۔ اور امام احمد ان دونوں مسئلوں میں حتیٰ یستہل کی قید کا لحاظ اس لئے کرتے ہیں کہ کوئی معارض روایت نہیں ہے اور پہلے مسئلہ میں معارض روایت موجود ہے اور وہ حسن صحیح ہے اور یہ روایت ضعیف ہے، اس لئے انھوں نے پہلے مسئلہ میں اوپر والی حدیث کو لیا اس میں حتیٰ یستہل کی قید نہیں ہے اور باقی دو مسئلوں میں اس روایت کو لیا معلوم ہوا کہ اگر باب میں صحیح روایت موجود نہ ہو تو فقہاء ضعیف روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ حدیث اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے اور یہ مرفوع ہے یا موقوف؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔

[۴۲] باب ماجاء فی ترک الصلاة علی الطفل حتی یستہل

[۱۰۶] - حدثنا أبو عمار الحُسَيْنُ بْنُ خُوَيْبٍ، نا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، عن إسماعيلَ بنِ مُسْلِمٍ، عن أبي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الْطِفْلُ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ، وَلَا يُورَثُ حَتَّى يَسْتَهْلَ"

قال أبو عيسى: هذا حديث قد اضطرب الناس فيه، فرواه بعضهم عن أبي الزُّبَيْرِ عن جَابِرٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم مرفوعاً، وروى أشعث بن سوار وغير واحد عن أبي الزُّبَيْرِ عن جَابِرٍ موقوفاً، وكان هذا أصح من الحديث المرفوع. وقد ذهب بعض أهل العلم إلى هذا، وقالوا: لَا يُصَلَّى عَلَى الطِّفْلِ حَتَّى يَسْتَهْلَ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: اس حدیث میں روایت نے اختلاف کیا ہے، بعض اس کو ابو الزبیر سے مرفوع روایت کرتے ہیں، اور اشعث بن سوار وغیرہ نے ابو الزبیر سے موقوف روایت کیا ہے اور گویا یہ (موقوف حدیث) مرفوع حدیث سے اصح ہے، اور بعض علماء اس کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں: بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی یہاں تک کہ وہ چلائے (یعنی اس پر حیات کے آثار ظاہر ہوں) اور یہ ثوری اور شافعی کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

مذاہب فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مسجد الجماعة میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ ان کے نزدیک بھی اولیٰ یہ ہے کہ جنازہ مسجد سے الگ کسی جگہ پڑھا جائے لیکن اگر مسجد میں پڑھا گیا تو بلا کراہیت درست ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مسجد الجماعة میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، پھر ایک قول کراہیت تنزیہی کا ہے اور دوسرا قول کراہیت تحریمی کا اور صحیح یہ ہے کہ یہ اساءۃ کا درجہ ہے، یعنی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا برا ہے۔

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور نمازی مسجد میں ہوں یا جنازہ اور نمازی سب مسجد میں ہوں یا جنازہ اور بعض نمازی باہر ہوں اور بعض نمازی مسجد میں ہوں: سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے اور اعذار کی صورت میں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، مثلاً بارش ہو رہی ہو یا کر فیولگا ہوا ہو اور باہر جمع ہونے کی اجازت نہ ہو تو مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح حرمین شریفین میں بھی عذر ہے وہاں لاکھوں نمازی ہوتے ہیں اگر دوسری جگہ جنازہ پڑھا جائے گا تو لوگوں کے لئے حرم میں فرض پڑھ کر جنازہ پڑھنے کے لئے دوسری جگہ جانا مشکل ہوگا، اس لئے حرمین میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

مستدلاست فقہاء:

۱۔ مسلم شریف میں روایت ہے: جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور فاتح عراق ہیں) کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے درخواست کی کہ ان کا جنازہ مسجد نبوی میں پڑھا جائے، وہ بھی جنازہ پڑھنا چاہتی ہیں، مگر صحابہ حضرت سعد کا جنازہ مسجد میں نہیں لائے اور حضرت عائشہ جنازہ نہیں پڑھ سکیں، اس موقع پر حضرت عائشہ نے فرمایا: لوگ کتنی جلدی بھول گئے نبی ﷺ نے بیضاء کے لڑکے سہیلؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا ہے (مسلم معری ۷: ۲۸) صحابہ کا جنازہ کو مسجد میں نہ لانا دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں، اور سہیلؓ کا جنازہ کسی عذر یا خصوصیت کی بناء پر مسجد میں پڑھا گیا ہوگا۔

۲۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی سے متصل مصلی الجنازہ بنا ہوا تھا، جنازے وہاں پڑھے جاتے تھے، مسجد میں جنازے نہیں پڑھے جاتے تھے، یہ بات حاشیہ میں قاضی عیاض مالکی اور امام احمد کے حوالہ سے لکھی ہے، نیز حضرت عائشہؓ کی درخواست کا صاف مطلب یہ ہے کہ جنازے مسجد میں نہیں پڑھے جاتے تھے کسی اور جگہ پڑھے جاتے تھے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: من صلی علی جنازۃ فی المسجد

فلا شیء له: جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں (ابوداؤد: ۲۵۳۰) اور ایک روایت میں ہے: فلا شیء علیہ یعنی مسجد میں جنازہ پڑھنے میں کوئی گناہ نہیں۔

چھوٹے دو اماموں نے مسلم شریف کی روایت کو یعنی سہیل کے جنازہ کے واقعہ کو اور فلا شیء علیہ کے اضافہ کو لے کر یہ طے کیا کہ مسجد الجماعہ میں جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور بڑے دو امام پہلی بات تو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں مسجد نبوی کے اندر جنازے نہیں پڑھے جاتے تھے، جنازے پڑھنے کے لئے الگ سے جگہ تھی اگر مسجد کے اندر جنازہ پڑھنا جائز ہوتا تو مصلی الجنائز الگ سے بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور ابوداؤد کی حدیث میں اصل الفاظ فلا شیء لہ ہیں، بڑے دو اماموں نے انہی الفاظ کو اصل قرار دیا ہے اور حضرت سہیل والے واقعہ کا یہ جواب دیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے کسی عذر سے مسجد میں جنازہ پڑھا ہوگا، مثلاً یہ عذر کہ آپ اعتکاف میں ہوں گے اور معکف جنازہ پڑھنے کے لئے مسجد سے نہیں نکل سکتا، اور نبی ﷺ کے جنازہ پڑھنے سے قبر میں روشنی ہوتی ہے، اس لئے آپ نے مسجد میں جنازہ منکوا کر پڑھا ہوگا، جیسے آپ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا: یہ بر بنائے عذر تھا۔ عذر کیا تھا؟ یہ معلوم نہیں، اور اگر بیان جواز کے لئے آپ نے ایسا کیا تھا تو بیان جواز خود مستقل عذر ہے، اسی طرح یہاں بھی بر بنائے عذر مسجد کے اندر جنازہ پڑھا گیا ہے اور عذر کیا تھا؟ یہ معلوم نہیں، اور اگر آپ نے بیان جواز کے لئے ایسا عمل کیا ہے تو بیان جواز خود عذر ہے، علاوہ ازیں جنازہ مسجد میں لانے میں مسجد کی تکیہ کا اندیشہ ہے، اس لئے بھی جنازے مسجد سے باہر پڑھنے چاہئیں۔

[۴۳] باب ماجاء فی الصلاة علی المیت فی المسجد

[۱۰۱۷] - حدثنا علی بن حنجر، نا عبد الغزیز بن محمد، عن عبد الواحد بن حمزة، عن عباد بن عبد اللہ بن الزبیر، عن عائشة، قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سہیل بن البیضاء فی المسجد.

قال ابو عیسی: هذا حدیث حسن، والعمل علی هذا عند بعض اهل العلم، قال الشافعی: قال مالک: لا یصلی علی المیت فی المسجد، وقال الشافعی: یصلی علی المیت فی المسجد، واحتج بهذا الحدیث.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے لڑکے سہیل کا جنازہ مسجد میں پڑھا۔ اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، امام شافعی فرماتے ہیں: امام مالک نے فرمایا: مسجد میں میت کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور امام شافعی فرماتے ہیں: مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

باب ماجاء ان یقوم الإمام من الرجل والمرأة؟

مرد و زن کا جنازہ پڑھاتے وقت امام کہاں کھڑا ہو؟

مذہب فقہاء: مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ پڑھانے کے لئے امام میت کے سر کے مقابل کھڑا ہو، خواہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا، اور حنفیہ کے نزدیک سینہ کے مقابل کھڑا ہو، اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر مرد کا جنازہ ہے تو سر کے مقابل اور عورت کا جنازہ ہے تو نصف بدن کے مقابل کھڑا ہو، جانا چاہئے کہ احناف کے نزدیک عورت کے جنازہ میں سینہ کے مقابل کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جب جنازہ اچھی طرح ڈھکا ہوا ہو، ورنہ امام کو نصف بدن کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے تاکہ پردہ ہو جائے۔

حدیث: ابو غالب کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شخص کا جنازہ پڑھا (یہ ابن عمر کا جنازہ تھا) آپ میت کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے، پھر لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لائے اور عرض کیا: اے ابو حمزہ! اس کی بھی نماز جنازہ پڑھائیے۔ حضرت انسؓ اس کی چار پائی کے بیچ (یعنی میت کے نصف بدن کے مقابل) کھڑے ہوئے، علماء بن زیاد نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو عورت کے جنازے پر جہاں آپ کھڑے ہوئے، وہاں اور مرد کے جنازے پر جہاں آپ کھڑے ہوئے وہاں کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھاتے دیکھا ہے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: ہاں، پھر جب لوگ تدفین سے فارغ ہوئے اور لوٹنے کا وقت آیا تو آپؐ نے لوگوں سے کہا: میرے اس عمل کو یاد رکھنا۔

تشریح: یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کا مسئلہ ہے مگر اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مرد کے سر اور عورت کے سر کے مقابل کھڑا ہونا سنت ہے تو سبھی مسلمانوں کو اس کا علم ہونا چاہئے تھا، یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، پھر علماء نے سوال کیوں کیا؟ اور حضرت انسؓ نے لوگوں کو ان کا عمل یاد رکھنے کی ہدایت کیوں دی؟ معلوم ہوا کہ یہ معمول نہیں تھا اور آنحضور ﷺ جو عورت کی سر کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، وہ پردہ کے مقصد سے کھڑے ہوتے تھے، پس اگر عورت کا جنازہ کھلا ہوا ہو تو امام کو کمر کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے تاکہ پردہ ہو جائے۔ اور اگر عورت کے جنازہ پر نقشب ہے اور میت چھپی ہوئی ہے تو عورت اور مرد دونوں کے جنازوں میں امام سینہ کے مقابل کھڑا ہو، کیونکہ دل محل ایمان ہے اور نماز جنازہ ایمان کی وجہ سے شفاعت ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ اگر متعدد جنازے جمع ہوں تو افضل یہ ہے کہ ہر جنازہ علیحدہ پڑھا جائے۔ حضرت انسؓ نے دونوں جنازے الگ الگ پڑھائے تھے، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے، درمختار میں ہے: وإذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصلاة على كل واحدة أولى من الجمع (شامی: ۶۸۸) لوگوں میں اس

مسئلہ میں بھی غلط فہمی پائی جاتی ہے، لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ سب جنازے ایک ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے، حالانکہ یہ صرف جائز ہے، بہتر الگ الگ نماز پڑھنا ہے۔

[۴۴] باب ماجاء ابن یقوم الإمام من الرجل والمرأة؟

[۱۰۱۸] - حدثنا عبد الله بن مثير، عن سعيد بن عامر، عن همام، عن أبي غالب، قال: صليت مع أنس بن مالك على جنازة رجل، فقام جبال رأسي، ثم جاءوا بجنازة امرأة من قريش، فقالوا: يا أبا حمزة صل عليها، فقام جبال وسط السرير، فقال له العلاء بن زياد: هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم: قام على الجنازة مقامك منها، ومن الرجل مقامك منه؟ قال: نعم، فلما قرع قال: احفظوا.

وفى الباب: عن سمرة، قال أبو عيسى: حديث أنس حديث حسن. وقد روى غير واحد عن همام مثل هذا، وروى وكيع هذا الحديث عن همام فوهم فيه، فقال: عن غالب عن أنس، والصحيح عن أبي غالب، وقد روى هذا الحديث عبد الوارث بن سعيد وغير واحد عن أبي غالب مثل رواية همام، واختلفوا في اسم أبي غالب هذا: فقال بعضهم: اسمه نافع، ويقال نافع. وقد ذهب بعض أهل العلم إلى هذا، وهو قول أحمد وإسحاق.

[۱۰۱۹] - حدثنا علي بن حجر، نا ابن المبارك، والفضل بن موسى، عن الحسين المعلم، عن عبد الله بن يزيد، عن سمرة بن جندب: أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على امرأة فقام وسطها.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح، وقد روى شعبه عن الحسين المعلم نحوه.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: متعدد حضرات نے ہام سے یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے یعنی ہام کے استاذ کا نام ابو غالب (کنیت) بیان کیا ہے، اور وکیع رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث ہام سے روایت کی ہے اور اس میں غلطی کی ہے، انھوں نے عن غالب کہا ہے اور صحیح عن ابی غالب ہے۔ اور اس حدیث کو عبد الوارث وغیرہ نے ابو غالب سے ہام کی روایت کی طرح روایت کیا ہے (یعنی ان حضرات نے بھی ابو غالب نام لیا ہے) اور ابو غالب کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ان کا نام نافع ہے اور نافع بھی کہا گیا ہے۔ اور بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور یہ احمد و اسحاق کا قول ہے۔

حدیث: سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کا جنازہ پڑھایا اور آپ اس کے بیچ

میں کھڑے ہوئے (یہ قیام عارض کی وجہ سے تھا جس عورت کی نعش ڈھکی ہوئی نہ ہو، امام کو اس کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے تاکہ پردہ ہو جائے)

باب ماجاء فی ترک الصلاۃ علی الشہید

شہید کی نماز جنازہ نہیں

شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ یہ مسئلہ پہلے ضمناً گذر چکا ہے اور یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے شہدائے احد کا جنازہ نہیں پڑھا تھا، مگر ایسی حدیثیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ پڑھی تھی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ پڑھی، پھر یکے بعد دیگرے جنازے لائے گئے اور آپؐ نمازیں پڑھاتے رہے اور حضرت حمزہؓ کا جنازہ آخر تک وہیں رکھا رہا۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے (نصب الراية ۳۰۹:۲ باب الشہید) مگر یہ حدیث ابن مسعودؓ سے شعبی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں اور شعبیؓ کا ابن مسعودؓ سے لقاء و سماع نہیں، مگر چونکہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں اس لئے ان کے مراسیل معتبر ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مرسل الشعبی صحیح، لا یبکاذا یُرسل إلا صحیحاً (تذکرۃ الحفاظ ۹:۱۷۷)

اور بخاری (حدیث ۳۰۸۵) میں ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ صحابہ کو لے کر شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح نماز پڑھی، اور ان کے علاوہ بھی روایات ہیں جن سے شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور نماز کی نفی کرنے والی روایات بھی ہیں اور وہ بھی صحیح ہیں، پھر جب مجتہدین کا دور آیا تو امام احمد رحمہ اللہ نے ہر دو روایات کو جمع کیا اور شہید کی نماز جنازہ کو مستحب قرار دیا یعنی پڑھو تو سبحان اللہ اور نہ پڑھو تو کوئی بات نہیں اور دوسرے اماموں نے ترجیح سے کام لیا، پھر دو اماموں نے لم یصل کی روایت کو اصح قرار دیا اور نماز جنازہ کی نفی کی، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے احتیاط والا پہلو لیا احتیاط بہر حال نماز پڑھنے میں ہے۔

اور جو امام عدم صلوة کے قائل ہیں ان کی دلیل عقلی یہ ہے کہ شہید مقفولہ ہے، پس نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار نماز جنازہ کا ضمنی فائدہ ہے اصل مقصد میت کی تعظیم ہے، چنانچہ انبیاء کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جبکہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور شہداء احترام کے زیادہ مستحق ہیں، پس ان کی بھی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے۔ اور مجھے اس اختلاف میں امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب زیادہ پسند ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں انیس جنگیں لڑی ہیں مگر روایات صرف غزوہ احد کے بارے میں ہیں اور وہ بھی متضاد ہیں، حالانکہ اور جنگوں میں بھی صحابہ شہید ہوئے ہیں آپؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں روایات خاموش ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام کا سو سالہ دور ہے اور انھوں نے بہت سی جنگیں لڑی ہیں، مگر ان کے بارے میں بھی کوئی روایت نہیں کہ وہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ مجھے اس پر بڑی حیرت ہے کہ اتنی عام بات پردہِ نقا میں کیسے رہ گئی؟ یہ بات تو تواتر سے منقول ہونی چاہئے تھی، پس تعامل امت سب سے بڑی دلیل ہوتی اور روایت کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی، مگر ایسا نہیں ہوا اس پر مجھے بڑی حیرت ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ احد کے شہداء میں سے دو دو کو ایک کپڑے میں جمع کرتے تھے، پھر پوچھتے: ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا؟ جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا (کہ فلاں کو قرآن زیادہ یاد تھا) تو آپؐ اس کو قبر میں پہلے رکھتے، اور آپؐ نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن ان کے حق میں گواہی دوں گا“ اور آپؐ نے ان کو ان کے خونوں میں دفن کرنے کا حکم دیا اور آپؐ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، نہ وہ نہلائے گئے (شہید کو غسل نہ دینے کے بارے میں اتفاق ہے)

تشریح: آنحضرت ﷺ قیامت کے دن جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت قبول کی ہے ان کے حق میں اور جنہوں نے انکار کیا ہے ان کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون سورۃ الحج آیت ۸۷ میں ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تین مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ان کو الگ الگ کر لینا چاہئے، عام طور پر ان میں اشتباہ واقع ہوا ہے۔

پہلا مضمون: قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے اور حضور اقدس ﷺ بھی اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون صرف دو جگہ آیا ہے سورۃ النساء آیت ۴۰ میں اور سورۃ النحل آیت ۸۹ میں، سورۃ النساء میں مقصود منظر کشی ہے اور سورۃ النحل میں مقصود مضمون کو مدلل کرنا ہے۔

دوسرا مضمون: قیامت کے دن امت محمدیہ، پہلی امتوں کے خلاف، انبیاء کرام کی حمایت میں گواہی دے گی اور جب ان امتوں کی طرف سے جرح ہوگی کہ یہ امت سب سے آخری امت ہے انھوں نے ہمارا زمانہ کہاں پایا ہے؟ پھر یہ گواہی کیسے دے رہی ہے؟ تو آنحضور ﷺ تشریف لائیں گے اور اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے کہ میری امت سچ کہہ رہی ہے ان کو مجھ سے اور قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔ یہ مضمون سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳ میں ہے۔

تیسرا مضمون: آنحضرت ﷺ اپنے زمانہ کے لوگوں (امت دعوت) کے خلاف گواہی دیں گے اور آپؐ کی امت اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی، کیونکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہیں آپؐ کی امت بھی آپؐ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہے، پس جو ذمہ داری اللہ کے رسول کی ہے وہی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے رسولوں کی بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری دعوت و ارشاد ہے پس وہی ذمہ داری امت کی بھی ہے، یہ مضمون صرف سورۃ الحج آیت ۸۷ میں آیا ہے (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ جلد دوم ص: ۵۵ تا ۵۵ میں اور تفسیر ہدایت القرآن پارہ ۴ ص: ۱۵۸ میں ہے)

[۴۵] باب ماجاء فی ترک الصلاة علی الشہید

[۱۰۲۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبٍ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أَحَدٍ فِي الْقُورِ الْوَاحِدِ، ثُمَّ يَقُولُ: "أَيُّهُمَا أَكْثَرَ حِفْظًا لِلْقُرْآنِ؟" فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَلَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، لِقَالَ: "أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" وَأَمَرَ بِذَنبِهِمْ فِي دِمَائِهِمْ، وَلَمْ يَصَلِّ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَسْأَلُوا.

وفی الباب: عن أنس بن مالك، قال أبو عيسى: حديث جابر حديث حسن صحيح، وقد روى هذا الحديث عن الزهري عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم، وروى عن الزهري عن عبد الله بن قعب بن أبي صعب عن النبي صلى الله عليه وسلم، ومنهم من ذكره عن جابر. وقد اختلف أهل العلم في الصلاة على الشهيد فقال بعضهم: لا يصلى على الشهيد، وهو قول أهل المدينة، وبه يقول الشافعي، وأحمد، وقال بعضهم: يصلى على الشهيد، واحتجوا بحديث النبي صلى الله عليه وسلم أنه صلى على حمزة، وهو قول الثوري وأهل الكوفة، وبه يقول إسحاق.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث زہری عن انس عن النبی ﷺ کے طریق سے بھی مروی ہے (یہ حدیث ابوداؤد میں اسامہ بن زید اللیثی کی سند سے ہے اور وہ راوی سنی الحفظ ہے) اور زہری عن عبداللہ بن ثعلبہ عن النبی ﷺ کے طریق سے بھی مروی ہے (یہ حدیث مسند احمد میں محمد بن اسحاق کی سند سے اور طبرانی میں عبدالرحمن بن اسحاق اور عمرو بن الحارث کی سندوں سے ہے) اور بعض نے اس کو حضرت جابر سے ذکر کیا ہے اور علماء کا شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں: شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی کے قائل ہیں: امام شافعی اور امام احمد (امام احمد کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ پڑھنا مستحب ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور انھوں نے نبی ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپؐ نے حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ پڑھی (یہ حضرت جابر کی حدیث ہے جو مستدرک حاکم میں ہے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کا مدار ابوجہاد کھٹی پر ہے جو متروک ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک مختلف فیہ راوی ہے، بعض احمد نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ میزان ۳: ۱۶۸) اور یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔

باب ما جاء فی الصلاة علی القبر

قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، خواہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو یا جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہو، پھر امام احمد کے نزدیک قبر پر ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی قید نہیں، ہمیشہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر میت کو جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا ہے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، اور اگر جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہے تو جب تک خیال ہو کہ میت پھولی پھٹی نہیں ہوگی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اور جب یہ خیال ہو کہ مردہ پھول پھوٹ گیا ہو گا تو نماز نہیں پڑھ سکتے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں دو حدیثیں ہیں، ایک حدیث یہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ تہوک میں تشریف لے گئے تو پیچھے حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوا لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا، ایک ماہ کے بعد جب آپؐ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک حبشی عورت مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھی اس کا انتقال ہو گیا لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع نہ کی، آپؐ نے جب مسجد نبویؐ میں جھکے پڑے ہوئے دیکھے تو لوگوں سے پوچھا: وہ بوزھیا کہاں ہے جو جھاڑو دیا کرتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا انتقال ہو گیا، آپؐ نے فرمایا: مجھے خبر کیوں نہ کی؟ صحابہ نے عرض کیا: رات کا وقت تھا ہم نے آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، ہم نے خود جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ اور ترمذی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے ایک قبر دیکھی جو بالکل طحہ تھی، آپؐ نے دریافت کیا یہ نبی قبر کس کی ہے؟ عرض کیا گیا: یہ قبر اس حبشی عورت کی ہے جو مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھی، آپؐ نے صحابہ کی صفیں بنائیں اور اس عورت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا: یہ قبریں مردوں پر تار کی سے پر ہوتی ہیں، میرے ان پر نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ان قبروں کو روشن کرتے ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۵۹)

چھوٹے دو اماموں نے ان حدیثوں کی بنیاد پر قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، پھر امام احمد فرماتے ہیں: چونکہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کی قبر پر ایک مہینہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی ہے اس لئے ایک مہینہ تک قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا ایک ماہ کے بعد نماز پڑھنا محض اتفاق تھا اگر آپؐ دو ماہ کے بعد لوٹتے تو بھی نماز جنازہ پڑھتے، جیسے آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر مکہ معظمہ میں انیس دن قیام فرمایا اور نمازیں قصر پڑھیں، مگر انیس دن کو مدت اقامت قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ اگر

آپؐ ۲۰ ویں دن بھر تے تو بھی نماز قصر پڑھتے، اسی طرح یہاں بھی اگر آپؐ ڈیڑھ دو ماہ کے بعد بھی لوٹتے تو نماز جنازہ پڑھتے، اس لئے مدت کی تحدید صحیح نہیں۔

اور بڑے دولہام اس کو حضور ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں، آپؐ نے خود اس کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ قبریں مردوں پر تاریکی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں میرے ان پر نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ان کو روشن کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بات امت کو حاصل نہیں، امت میں ایسا کون ہے جس کی نماز سے قبریں روشن ہوں؟

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی نے جنازہ نہ پڑھا ہو اور نہ اس نے نماز کی اجازت دی ہو تو اگرچہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو، ولی پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اور امت کے ولی حضور اقدس ﷺ ہیں، پس آپؐ کا قبر پر نماز پڑھنا ولی ہونے کی حیثیت سے تھا، اور ولی کے ساتھ دوسرے لوگ بھی نماز جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔

[۴۶] باب ماجاء فی الصلاة علی القبر

[۱۰۲۱] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا الشَّيْبَانِيُّ، نَا الشَّعْبِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَأَى قَبْرًا مُنْتَبِذًا، فَصَفَّ أَصْحَابَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ، فَقِيلَ لَهُ: مَنْ أَخْبَرَكَ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

وفی الباب: عن أنس، وبريدة، وزيد بن ثابت، وأبي هريرة، وعامر بن ربيعة، وأبي قتادة، وسهل بن حنيف، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح.

والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، وهو قول الشافعي وإسحاق، وقال بعض أهل العلم: لا يصلّى على القبر، وهو قول مالك بن أنس، وقال ابن المبارك: إذا دفن الميت ولم يصل عليه: صلى على القبر، ورأى ابن المبارك الصلاة على القبر، وقال أحمد وإسحاق: يصلّى على القبر إلى شهر، وقال: أكثر ما سمعنا عن ابن المسيب أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على قبر أم سعد بن عبادَةَ بعد شهر.

[۱۰۲۲] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَائِبٌ، فَلَمَّا قَدِمَ صَلَّى عَلَيْهَا وَقَدْ مَضَى لِذَلِكَ شَهْرٌ.

ترجمہ: شععی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے اس شخص نے جس نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے یہ واقعہ بتلایا کہ آپؐ نے ایک قبر علیحدہ بنی ہوئی دیکھی، پس آپؐ نے اپنے اصحاب کی صف بنائی اور اس قبر پر نماز جنازہ پڑھی، شععیؒ سے پوچھا

گیا: آپ کو یہ واقعہ کس نے بتایا؟ شعی نے کہا: ابن عباسؓ نے (یہاں سے معلوم ہوا کہ روایت کبھی مروی عنہ کا نام یاد ہوتے ہوئے بھی کسی مصلحت سے ظاہر نہیں کرتے تھے) اور اس پر صحابہ وغیرہ میں سے اکثر علماء کا عمل ہے اور یہی امام شافعیؒ اور امام اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور یہ امام مالکؒ کا قول ہے، اور ابن المبارکؒ فرماتے ہیں: جب مردہ دفن کیا گیا ہو اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور ابن المبارکؒ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہا (مگر وہ علی الاطلاق جائز نہیں کہتے، خاص صورت میں جائز کہتے ہیں اور انھوں نے جو بات کہی ہے وہی امام اعظمؒ کا مسلک ہے) اور احمد و اسحاق کہتے ہیں: قبر پر ایک ماہ تک نماز پڑھی جائے گی، وہ فرماتے ہیں: زیادہ سے زیادہ مدت جو ہم نے ابن المسیبؒ سے سنی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سعد بن عبادہ کی والدہ کی قبر پر ایک ماہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی ہے۔ سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ کا انتقال ہوا اور انھالیکہ نبی ﷺ (مدینہ منورہ میں) موجود نہیں تھے پس جب آپؐ واپس تشریف لائے تو ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور اس واقعہ کو ایک مہینہ گزر چکا تھا۔

باب ماجاء فی صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی

نبی ﷺ نے نجاشی رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھی ہے

یہ مسئلہ پہلے آچکا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے اور امام اعظمؒ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل نجاشی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے، ان کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا، نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ مدینہ منورہ میں پڑھی تھی، پس غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔ اور امام اعظمؒ رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کی یا نجاشی رحمہ اللہ کی یادوں کی مشترکہ خصوصیت تھی، اور دلیل یہ ہے کہ آپؐ کی حیات میں بہت سے مسلمانوں کا مدینہ سے باہر انتقال ہوا مگر آپؐ نے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ جائز ہوتی تو آپؐ ان کا جنازہ ضرور پڑھتے، کیونکہ آپؐ کی نماز سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ کے اور نجاشیؓ کے جنازہ کے درمیان سے تمام تجابات اٹھادیے گئے تھے اور ان کا جنازہ آپؐ کے سامنے تھا، ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کشف للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سریر النجاشی حتی راہ وصلی علیہ پس یہ نماز غائبانہ نہیں تھی، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

[۷۷] باب ماجاء فی صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی

[۱۰۲۳] - حدثنا أبو سلمة بن يحيى بن خلف، وحميد بن مسعدة، قال: ناشر بن المفضل، نا

يُؤْتَسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَخَاكُمْ النَّجَاشِيَّ قَدْ مَاتَ، فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَيْهِ" قَالَ: فَقُمْنَا فَصَلَّيْنَا كَمَا يُصَفُّ عَلَى الْمَيِّتِ، وَصَلَّيْنَا عَلَيْهِ كَمَا يُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ.

وفى الباب: عن أَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَحَدِثَةَ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، وَجُوَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو قَلَابَةَ عَنْ عَمِّهِ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَأَبُو الْمُهَلَّبِ: اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَمْرِو، وَيُقَالُ لَهُ: مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرِو.

ترجمہ: عمران بن حصین کہتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا پس تم کھڑے ہوؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھو، حضرت عمران فرماتے ہیں: پس ہم کھڑے ہوئے اور ہم نے صفیں بنائیں، جس طرح میت پر صفیں بنائی جاتی ہیں، اور ہم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے مگر غریب ہے ابوالمہلب سے اوپر اس کی ایک ہی سند ہے اور ابو قلابہ نے بھی اس حدیث کو اپنے چچا ابوالمہلب سے روایت کیا ہے اور ابوالمہلب کا نام عبدالرحمن بن عمرو ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ معاویہ بن عمرو ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ

نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب

حدیث: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو جنازہ کے ساتھ رہا تا آنکہ اس کی تدفین مکمل ہوگئی تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے، ان میں سے ایک یا فرمایا: ان میں سے چھوٹا احد پہاڑ کے برابر ہے" (اوشک رادی کا ہے مگر اصغر ہما کی تاویل مشکل ہے اس لئے کہ قیراط قیراط برابر ہوتے ہیں، پس صحیح احنہما ہے) ابوسلمہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ابن عمرؓ کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے ایک شخص کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان سے حدیث کے بارے میں دریافت کیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ابو ہریرہ نے صحیح بیان کیا، پس ابن عمرؓ نے کہا: "ہم نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے" یعنی ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ جنازہ پڑھنے سے میت کا حق ادا ہو گیا، اس لئے ہم جنازہ پڑھ کر لوٹ جاتے تھے، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تدفین میں شریک ہونے سے مزید ایک قیراط ملتا ہے تو ہم ضرور تدفین تک شریک رہتے اور مزید ایک قیراط پاتے۔

تشریح: قیراط: درہم کے چھپے حصہ کو کہتے ہیں، اور یہاں دنیا کا قیراط مراد نہیں بلکہ آخرت کا قیراط مراد ہے اور آخرت کا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے اور تدفین میں شریک لوگوں کو دوسرا قیراط اس وقت ملتا ہے جب وہ آخر تک

شریک رہیں، اور تدفین میں حصہ لیں، بعض جگہ لوگ تین مٹھیاں مٹی ڈال کر چل دیتے ہیں، پھر جہاں گورکن ہوتا ہے تو وہ قبر بھرتا ہے مگر جہاں لوگ خود کھودتے بھرتے ہیں اگر وہاں لوگ ایسا کریں گے تو پیچھے صرف میت کے ورثہ وارہ جائیں گے اور ان کو قبر بھرنے میں دشواری ہوگی، اس لئے آخر تک رہنا اور قبر بھرنے میں تعاون کرنا دوسرا قیراطہ ملنے کی وجہ ہے۔

فائدہ: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ صحابی نے صحابی کی حدیث پر بے اطمینانی ظاہر کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تصدیق چاہی ہے، یہ بات الصحابة کلہم عدول کے قاعدہ کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امین عمر کو بے اطمینانی اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے، بلکہ یہ بات پہلی مرتبہ ان کے سامنے آئی تھی، اور ایسی صورت میں ایسا ہوتا ہی ہے، ہمارے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ ایک فتویٰ سامنے آتا ہے اول وہلہ میں تذبذب ہوتا ہے، پھر جب کتابوں کی مراجعت کی جاتی ہے اور جزئی مل جاتا ہے تو اطمینان ہو جاتا ہے، پس یہ مفتی پر بے اطمینانی نہیں ہے بلکہ بے اطمینانی کی وجہ ہمارا عدم علم ہے، اسی طرح ابن عمرؓ کو اس وجہ سے بے اطمینانی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے بلکہ مضمون سے ناواقفیت بے اطمینانی کی وجہ تھی، اس مضمون کو بغور سمجھ لیا جائے، ذرا دقیق ہے۔

[۴۸] باب ماجاء فی فضل الصلاة علی الجنائز

[۱۰۲۴-] حدثنا أبو کرب، نا غبذہ بن سلیمان، عن محمد بن عمرو، نا أبو سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَلَهُ فِئْرَاطٌ، وَمَنْ فِيعَهَا حَتَّى يَقْضَى دَفْنُهَا فَلَهُ فِئْرَاطَانِ، أَحَدُهُمَا أَوْ: أَصْفَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ" قَدْ كُتِبَ ذَلِكَ لِابْنِ عُمَرَ فَأَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَتْ: صَدَقَ أَبُو هُرَيْرَةَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَقَدْ فَرَطْنَا فِي فِئْرَانِكَ كَثِيرَةً.

قال: وفي الباب: عن البراء، وعبد الله بن مفضل، وعبد الله بن مسعود، وأبي سعيد، وأبي بن كعب، وابن عمر، وثوبان، قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، وزوي عنه من غير وجه.

باب آخر

جنازے کو کدھا دینے کا بیان

حدیث: ابوالمہرؓ م حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دس سال رہے ہیں، مگر ضعیف راوی ہیں، انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص جنازے کے پیچھے گیا اور اس کو تین مرتبہ کدھا دیا تو اس نے جنازہ کا وہ حق ادا کر دیا جو اس پر تھا۔

تشریح: جس شخص نے تین مرتبہ جنازہ کو کندھا دیا اس نے جنازہ کا حق ادا کر دیا: کندھا دینے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، اور موطا محمد میں جو لکھا ہے کہ پہلے دائیں طرف کے اگلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے پھر بچھلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے، پھر بائیں طرف کے اگلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے۔ یہ طریقہ لوگوں کی سہولت کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ حدیث میں نہ پایوں کی تعیین ہے نہ قدموں کی۔ حسب سہولت جس طرح موقع ہو کندھا دے سکتا ہے اور یہ بات حضرت گنگوہی قدس سرہ نے الکوکب الدرری میں بیان فرمائی ہے۔

[۴۹] باب آخر

[۱۰۲۵-] حدثنا محمد بن بشر، لا روح بن عباد، نا عباد بن منصور، قال: سمعت أبا المهزم يقول: سمعت أبا هريرة عشرين مائة، فسمعت يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من تبع جنازة، وحملها ثلاث مرات، فقد قطي ما عليه من حقها". قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، وزواه بعضهم بهذا الإسناد ولم يرفعه، وأبو المهزم اسمه: يزيد بن سفيان، وضعفه شعبة.

وضاحت: مذکورہ حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے ابوالمہزم م متروک راوی ہے، اور بعض حضرات اس حدیث کو اسی سند سے موقوف روایت کرتے ہیں، یعنی یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ابوالمہزم کا نام یزید بن سفیان ہے، شعبہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

باب ما جاء في القيام للجنازة

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا بیان

آنحضرت ﷺ کا پہلے طریقہ تھا کہ آپ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، پھر جب جنازہ رکھ دیا جاتا یا آگے بڑھ جاتا تو آپ بیٹھ جاتے تھے، اور آپ نے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا تھا، بعد میں آپ کا عمل بدل گیا، جنازہ دیکھ کر آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے اور صحابہ کو بھی اس سے منع کر دیا، پس پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا پھر بعد میں آپ بیٹھے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۸۴) شاہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ الباقیہ میں دونوں عملوں کی درج ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

جب جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا شروع تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ موت کو یاد کرنا جو زندگی منانے والی ہے اور بھائیوں کی موت سے عبرت پکڑنا امر مطلوب ہے، مگر چونکہ یہ امر خفی تھا یعنی کس نے عبرت پکڑی اور کس نے نہیں پکڑی اس کا ہوتا

چلانا مشکل تھا اس لئے نبی ﷺ نے جنازہ کے لئے کھڑا ہونا متعین کیا تاکہ موت سے لوگوں کی عبرت پذیری کا اندازہ ہو جائے۔

بھر جب یہ حکم منسوخ کر دیا گیا تو فتح کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں قیام تعظیص کا رواج تھا شریعت میں ایسا قیام ممنوع ہے، ابوداؤد کی روایت ہے: لَا تَقُومُوا كَمَا يَقُومُ الْأَعَاجِمُ: بَعْظُكُمْ بَعْضُهَا بَعْضًا یعنی نہ کھڑے ہوؤ جس طرح عجی کھڑے ہوتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں اور جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا عبرت پذیری کے لئے تھا تعظیم کے لئے نہیں تھا، مگر آنحضرت ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کو غیر عمل میں استعمال نہ کرنے لگیں، یعنی ممکن ہے وہ یہ خیال کرنے لگیں کہ جب مردے کے لئے کھڑے ہونے کا حکم ہے تو مردے تو اس کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں اور اس طرح ایک ناجائز کام کا رواج چل پڑے، اس لئے فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے جنازہ کے لئے قیام ختم کر دیا گیا۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ جنازہ تم کو پیچھے کر دے یا جنازہ نیچے رکھ دیا جائے“

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ پس جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے وہ ہرگز نہ بیٹھے یہاں تک کہ جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے“

تشریح: یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے کہ جب جنازہ نماز پڑھنے کی جگہ یا قبرستان پہنچ جائے تو جب تک جنازہ نیچے نہ رکھ دیا جائے لوگوں کو بیٹھنا نہیں چاہئے، کیونکہ بعض مرتبہ جنازہ اتارنے میں اچانک مدد کی ضرورت پیش آتی ہے، پس اگر لوگ بیٹھے ہوئے ہوں گے تو ان کے کھڑے ہونے تک جنازہ گر پڑے گا، البتہ اگر لوگ جنازہ میں زیادہ ہوں تو جو لوگ جنازہ کے ارد گرد ہیں ان کو نہیں بیٹھنا چاہئے، باقی لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ اسی طرح جب لوگ زیادہ ہوتے ہیں تو کچھ لوگ جنازہ سے پہلے قبرستان پہنچ جاتے ہیں اور ادھر ادھر بیٹھ جاتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔

[۵۰] باب ماجاء فی القیام للجنائزۃ

[۱۰۶] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ح: وَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عَلِيٍّ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَائِزَ تَقُومُوا لَهَا حَتَّى تُعَلِّقَ عَلَيْكُمْ أَوْ تَوَضَّعَ“
وفی الباب: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَجَابِرٍ، وَسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، وَقُتَيْبِ بْنِ سَعْدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ رَبِيعَةَ حَدَّثَنَا حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۰۲۷] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضِيُّ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَوِيُّ، قَالَا: نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، نَا هِشَامُ الدُّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا، فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدَنَّ حَتَّى تَوَضَّعَ" قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدَّثَنَا أَبِي سَعِيدٌ فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، قَالَا: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَلَا يَقْعُدَنَّ حَتَّى تَوَضَّعَ عَنْ أَغْنَاقِ الرِّجَالِ، وَلَقَدْ رَوَى عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقْعُدُونَ الْجَنَازَةَ، وَيَقْعُدُونَ قَبْلَ أَنْ تَنْتَهِيَ إِلَيْهِمُ الْجَنَازَةُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ جنازہ لوگوں کے کندھوں سے نیچے رکھ دیا جائے اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم سے مروی ہے کہ وہ جنازہ سے پہلے پہنچ جاتے تھے اور جنازہ کے قبرستان پہنچنے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے اور یہ شافعی کا قول ہے (امام ترمذی نے یہ مسئلہ غیر محل میں بیان کیا ہے، یہ باب جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کے بیان میں ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اگر کچھ لوگ جنازہ سے پہلے قبرستان پہنچ جائیں اور ادھر ادھر بیٹھ جائیں تو کوئی حرج نہیں)

بَابُ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْقِيَامِ لَهَا

جنازہ دیکھ کر کھڑے نہ ہونے کا بیان

حدیث: مسعود بن الحکم نے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا تذکرہ کیا، یہاں تک کہ جنازہ نیچے رکھ دیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے پھر بیٹھے" یعنی دور اول میں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوتے تھے پھر بعد میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اگر چاہے تو کھڑا ہو اور اگر چاہے تو کھڑا نہ ہو" یعنی قیام واجب نہیں، کھڑے ہونے نہ ہونے کا اختیار ہے۔ اور یہ تطبیق مجھے زیادہ پسند ہے اس لئے کہ میت کو دیکھ کر گھبراہٹ ہوتی ہے اور بے اختیار آدمی کھڑا ہو جاتا ہے اور ناخ و منسوخ قرار دیں گے تو جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا جائز نہیں ہوگا، پس آدمی گناہگار ہوگا۔

[۵۱] بَابُ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْقِيَامِ لَهَا

[۱۰۲۸] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ وَائِلِدٍ - وَهُوَ ابْنُ عَمْرِو بْنِ سَعْدٍ

بن مُعَاذٍ - عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ مَسْعُودِ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّهُ ذَكَرَ الْقِيَامَ فِي
الْجَنَائِزِ حَتَّى تُوَضَّعَ، فَقَالَ عَلِيُّ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَعَدَ.
وَلِي الْبَابِ: عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ عَلِيٍّ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِيهِ
رَوَايَةُ أَرْبَعَةٍ مِنَ الثَّابِتِينَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَهَذَا أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ، وَهَذَا
الْحَدِيثُ نَاسِخٌ لِلْحَدِيثِ الْأَوَّلِ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا"
وَقَالَ أَحْمَدُ: إِنْ شَاءَ قَامَ، وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقُمْ، وَاجْتَنَبَ بَأَنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرَوْهُ عَنْهُ
اللَّهُ قَامَ ثُمَّ قَعَدَ، وَهَكَذَا قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ.
وَمَعْنَى قَوْلِ عَلِيٍّ: قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ قَعَدَ، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ إِذَا رَأَى الْجَنَازَةَ، ثُمَّ تَرَكَ ذَلِكَ بَعْدَهُ، فَكَانَ لَا يَقُومُ إِذَا رَأَى الْجَنَازَةَ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: اس حدیث میں چار تابعین ہیں، بعض بعض سے روایت کرتے ہیں (پہلے تابع
یعنی بن سعید انصاری ہیں) اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، امام شافعی فرماتے ہیں: یہ اس باب کی سب سے اچھی
روایت ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوؤ" کے لئے ناسخ ہے، اور امام احمد فرماتے
ہیں: "اگر چاہو تو کھڑے ہوؤ اور اگر چاہو تو کھڑے نہ ہوؤ" اور انھوں نے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ سے مروی
ہے کہ آپ کھڑے ہوئے پھر بیٹھے (پس دونوں باتیں ثابت ہوئیں، پس دونوں باتیں جائز ہیں) اور یہی بات اسحاق
فرماتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول: "نبی ﷺ کھڑے ہوئے پھر بیٹھے" کا مطلب یہ ہے کہ نبی
ﷺ (دور اول میں) کھڑے ہوتے تھے جب جنازہ دیکھتے تھے پھر بعد میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا، پس جب جنازہ
دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے (پس یہ ناسخ و منسوخ ہونگے اور دونوں عمل جائز نہیں ہونگے)

باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "الْلَّحْذُ لَنَا وَالشَّقُّ لِعَیْرِنَا"

"بغلی قبر ہمارے لئے ہے اور صندوق دوسروں کے لئے": کا مطلب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بغلی قبر ہمارے لئے ہے اور صندوق دوسروں کے لئے ہے"
تشریح: اس حدیث میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ ایک پیشین گوئی ہے، آنحضرت ﷺ نے اپنے تعلق سے
فرمایا ہے کہ دوسروں کی قبر چاہے بغلی بناؤ چاہے صندوق، مگر میری قبر بغلی بنانا، پس اس سے لحد کی فضیلت ثابت

ہوئی۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد جب اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ قبر اطہر بغلی بنائی جائے یا صندوقی؟ اور یہ حدیث سامنے نہیں تھی تو فیصلہ اس طرح کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں دو صحابی تھے جو قبر کھودتے تھے، ایک لحد بناتے تھے دوسرے شق۔ دونوں کے پاس آدمی بھیجے گئے اور طے کیا گیا کہ جو پہلے آئے وہ اپنا کام کرے، پھر ہوا یہ کہ جو صحابی شق بناتے تھے وہ گھر پر نہیں ملے اور جو لحد بناتے تھے وہ آئے اور انھوں نے اپنا کام کیا، اس طرح نکوئی طور پر آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

اس کی نظیر حدیث: الائمة من قریش: ہے اس میں بھی مسئلہ کا بیان نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ایک پیشین گوئی ہے، خلافت کے مسئلہ میں اختلاف رونما ہونے والا تھا، انصار کہیں گے: ہنا امیر ومنکم امیر یعنی دو امیر المؤمنین منتخب کئے جائیں، ایک انصار میں سے اور ایک مہاجرین میں سے، اس سلسلہ میں یہ ارشاد ہے کہ امیر صرف ایک ہوگا اور وہ مہاجرین میں سے اور قریش میں سے ہوگا، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں ان پر لازم ہے کہ قریشی علی کو امیر بنائیں، اس لئے کہ وہاں قریشی امیر کہاں سے لائیں گے؟ دوسرے ملک سے قریشی امیر طلب کریں گے تو وہ اس ملک کی تہذیب سے واقف نہیں ہوگا پھر وہ حکومت کیسے چلائے گا؟ اور لحد کی فضیلت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: بغلی قبر میں میت کا زیادہ اکرام ہے، کیونکہ بے ضرورت میت کے چہرے پر مٹی ڈالنا بے ادبی ہے۔ دوسری وجہ: بغلی قبر میں میت مردار خور جانوروں سے محفوظ رہتی ہے، جانور نرم مٹی کھودتا رہتا ہے اور میت ایک طرف رہ جاتی ہے، اس کے ہاتھ نہیں آتی۔

فائدہ: مردہ کو قبر میں دائیں کروٹ لٹانا چاہئے یا چپٹ لٹا کر قبلہ کی طرف منہ کرنا چاہئے؟ فقہ کی کتابوں میں عام طور پر یہ لکھا ہے کہ میت کو دائیں کروٹ پر لٹانا چاہئے، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی قدس سرہ (صاحب احسن الفتاویٰ) نے وصیت کی تھی کہ ان کو قبر میں کروٹ پر لٹایا جائے، اور فقہ کی بعض عبارتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مردہ کو چپٹ لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کرنا چاہئے، دیوبند اور سہارن پور میں اسی پر عمل ہے۔ میرے نزدیک دونوں طریقے جائز ہیں اور کروٹ پر لٹانا افضل ہے، اور لحد کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں کروٹ دینے میں آسانی ہوتی ہے اور شق میں کروٹ پر لٹانے میں دشواری ہے، دیوبند، سہارن پور کی زمین نرم ہے، اس لئے یہاں صندوقی قبر بنائی جاتی ہے اور میت کو چپٹ لٹا کر قبلہ رخ کر دیا جاتا ہے، اور کروٹ دینے کے لئے میت کے پیچھے مٹی بھرنی ہوگی، ورنہ وہ کھڑی نہیں رہے گی۔

نوٹ: لحد: قبر کے گڑھے میں چدار قبلی میں کھود کر جگہ بناتے ہیں پھر اس میں میت کو رکھ کر پیچھے پتھر یا اینٹوں سے چن دیتے ہیں۔ اور شق میں قبر کے گڑھے کے بیچ میں دوسرا گڑھا کھودتے ہیں اور اس میں میت کو لٹاتے ہیں، اور

اوپر تھنے رکھ کر پاٹ دیتے ہیں۔

[۵۲] باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اللحد لنا والشق لغيرنا"
[۱۰۲۹-] حدثنا أبو ثریب، ونضر بن عبد الرحمن الکوفی، و یوسف بن موسى القطان
البغدادی، قالوا: نا حکام بن سلم، عن علی بن عبد الاعلی، عن ابيه، عن سعید بن جبیر، عن ابن
عباس، قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اللحد لنا والشق لغيرنا"
وفی الباب: عن جریر بن عبد اللہ، وعائشة، وابن عمر، وجابر، قال أبو عیسی: حدیث ابن
عباس حدیث غریب من هذا الوجه.

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، حکام بن سلم سے اوپر اس کی یہی سند ہے اور علی بن عبد الاعلی کی ابو حاتم اور دار
قطنی نے تصحیف کی ہے، اور امام بخاری اور امام ترمذی نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدوق
یہم (تقریب) اور اس کا باپ عبد الاعلی بھی ضعیف ہے، امام احمد ابو زرعہ اور ابن مہین نے اس کی تصحیف کی ہے۔
حافظ نے صدوق یہم فرمایا ہے (تقریب)

باب ماجاء ما یقول إذا أدخل المیت قبره؟

جب میت کو قبر میں اتارے تو کیا کہے؟

جب میت قبر میں اتاری جائے تو یہ دعا پڑھی جائے: بسم اللہ وبالله وعلی ملۃ رسول اللہ۔ اور دوسری
روایت میں ہے: وعلی سنۃ رسول اللہ دونوں کا حاصل ایک ہے، پس دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ جانا چاہئے کہ
ہر چیز کا تسمیہ جدا ہے، وضو کا تسمیہ: بسم اللہ والحمد للہ ہے، کھانے کا تسمیہ: بسم اللہ وعلی بركة اللہ ہے، تفصیل
مع احادیث (کتاب الطہارۃ باب ۲۰ میں گزر چکی ہے)

[۵۳] باب ماجاء ما یقول إذا أدخل المیت قبره؟

[۱۰۳۰-] حدثنا أبو سعید الأشج، نا أبو خالید الأحمر، نا العجاج، عن نافع، عن ابن عمر، أن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا أدخل المیت القبر قال: وقال أبو خالید: إذا وضع المیت فی الخندق،
قال مرۃ: "بسم اللہ وبالله وعلی ملۃ رسول اللہ" وقال مرۃ: "بسم اللہ وبالله وعلی سنۃ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه، وقد روى هذا الحديث من غير هذا الوجه أيضا عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، رواه أبو الصديق الناجي، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وقد روى عن أبي الصديق، عن ابن عمر موقوفا أيضا.

ترجمہ اور وضاحت: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب میت قبر میں اتارتے تھے تو کہتے تھے، اور ابو خالد نے کہا: جب میت اس کی بنگلی میں رکھتے تھے تو ایک مرتبہ کہا: بسم اللہ وبالله وعلى ملة رسول الله اور دوسری مرتبہ کہا: بسم اللہ وبالله وعلى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

تشریح: امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے مگر اس سند سے غریب ہے، اس لئے کہ اس کو حجاج بن ارطاة سے صرف ابو خالد احمر روایت کرتے ہیں اور حجاج صدوق، کثیر الظاء اور مدلس ہیں (تقریب) اور ابو خالد کے بارے میں حافظ رحمہ اللہ کہتے ہیں: صدوق یخطئ، اور یہ حدیث اس کے علاوہ دیگر اسانید سے بھی ابن عمر سے مروی ہے اس کو ابو الصديق الناجی نے ابن عمر سے مرفوع روایت کیا ہے (یہ روایت ابوداؤد میں ہے) اور ابو الصديق کے واسطے سے ابن عمر سے موقوف بھی مروی ہے (یہ حدیث نسائی میں ہے)

باب ماجاء في الثوب الواحد يلقي تحت الميت في القبر

قبر میں میت کے نیچے کپڑا بچھانے کی روایت

تمام ائمہ متفق ہیں کہ بے ضرورت قبر کے اندر میت کے نیچے کوئی چیز نہیں بچھائی جائے گی، البتہ بوقت ضرورت بچھا سکتے ہیں، مثلاً بارش کی وجہ سے قبر کے اندر کی مٹی گیلی ہے یا نیچے سے پانی نکل رہا ہے تو کپڑا یا چٹائی وغیرہ بچھا کر اس پر میت کو رکھ سکتے ہیں، اور اس باب میں جو حدیث ہے کہ فقر ان (نبی ﷺ کے آزاد کردہ) نے آپ کی قبر میں سرخ قالین بچھایا تھا یہ بات صحیح نہیں، بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جو حضرات قبر میں اترے تھے انھوں نے وہ قالین نکال کر باہر ڈال دیا تھا اور آپ کے نیچے قبر میں کوئی چیز نہیں رہنے دی تھی (العرف الغدی) جیسے حضور اکرم ﷺ کے کفن کے لئے سات کپڑے لائے گئے تھے مگر صحابہ نے ان میں سے تین استعمال کئے تھے باقی واپس کر دیئے تھے، اسی طرح قالین بھی باہر کر دیا تھا۔

[۵۴] باب ماجاء في الثوب الواحد يلقي تحت الميت في القبر

[۱۰۳۱] - حدثنا زيد بن أوزم الطائي، نا عثمان بن فرقد، قال: سمعت جعفر بن محمد، عن أبيه قال: الذي ألحد قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم أبو طلحة، والذي ألقى القبطية تحت

شُقْرَانُ، مَوْلَى لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.
قَالَ جَعْفَرٌ: وَأَخْبَرَنِي ابْنُ رَافِعٍ، قَالَ: سَمِعْتُ شُقْرَانَ يَقُولُ: أَنَا وَاللَّهِ طَرَحْتُ الْقَطِيفَةَ تَحْتَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَبْرِ.

وفی الباب: عن ابن عباس، قال أبو عیسی: حدیث شُقْرَانَ حدیث حسن غریب، وروی علی
بن المدینی، عن عُفَمَانَ بن قُرْقِدٍ هَذَا الْحَدِیث.

[۱۰۳۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، لَا يَحْسِبُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ: جُعِلَ فِي قَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطِيفَةٌ خَمْرَاءُ.

قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح، وقد روى شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ الْقَضَابِ، وَاسْمُهُ:
عِمْرَانُ بْنُ أَبِي عَطَاءٍ، وَرَوَى عَنْ أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ، وَاسْمُهُ: نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ، وَكِلَاهُمَا مِنْ
أَصْحَابِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

وقد روى عن ابن عباس: أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُلْقَى تَحْتَ الْعَمِيَّتِ فِي الْقَبْرِ شَيْءٌ، وَإِلَى هَذَا ذَهَبَ بَعْضُ
أَهْلِ الْعِلْمِ.

وقال محمد بن بَشَّارٍ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَبَحِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي
جَمْرَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَهَذَا أَصَحُّ.

ترجمہ اور وضاحت: محمد باقر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے نبی ﷺ کی قبر کو بظنی بتایا وہ ابو طلحہ تھے (اور حضرت
ابو عبیدہ بن الجراح شق بنا تے تھے) اور جس نے آپ کے نیچے قالین بچھایا وہ شقران تھے جو نبی ﷺ کے ایک آزاد
کردہ ہیں (یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ محمد باقر تابعی ہیں، اس کے بعد سند بدل رہی ہے) جعفر صادق کہتے ہیں: مجھے
ابن رافع (جن کا نام عبید اللہ ہے اور جو حضرت علیؑ کے سکرٹری تھے) نے بتایا کہ انھوں نے شقران سے سنا: (اب
حدیث موصول ہوگئی) قسم بخدا میں نے نبی ﷺ کے نیچے قبر میں قالین بچھایا تھا۔

امام ترمذی کہتے ہیں: شقران کی حدیث حسن غریب ہے (کیونکہ عثمان بن فرقد سے اوپر ایک سند ہے) اور علی بن
الدینی نے بھی اس حدیث کو عثمان بن فرقد سے روایت کیا ہے (معلوم ہوا کہ اس کی اور کوئی سند نہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی قبر میں سرخ قالین بچھایا گیا تھا — اس
حدیث کو شعبہ نے ابو حمزہ القصاب سے جن کا نام عمران بن ابی عطاء ہے روایت کیا ہے اور ابو حمزہ الضُّبَعِيُّ سے بھی یہ
حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کا نام نصر بن عمران ہے اور یہ دونوں ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور ابن عباس سے مروی
ہے کہ میت کے نیچے قبر میں کوئی چیز بچھانا مکروہ ہے، اور بعض اہل علم اس کی طرف گئے ہیں (یہ اجماعی مسئلہ ہے) اور محمد

بن بشار نے (اپنی کتاب میں) دوسری جگہ مذکورہ حدیث کی یہ سند لکھی ہے: ہم سے حدیث بیان کی محمد بن جعفر اور یحییٰ قطان نے، دونوں روایت کرتے ہیں شعبہ سے، وہ ابو حمزہ سے، وہ ابن عباس سے اور یہ اصح ہے (یہ ابو حمزہ کی سند لکھی ہے اور یہ حدیث اصح اس لئے ہے کہ ابو حمزہ اعلیٰ درجہ کا راوی ہے اور ابو حمزہ قصاب معمولی درجہ کا راوی ہے)

باب ماجاء فی تسویة القبر

قبروں کو ہموار کرنے کا بیان

قبریں بہت اونچی نہیں بنانی چاہئیں اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے۔ ہندوستان میں جہاں پختہ اور اونچی قبریں ہیں وہاں جا کر دیکھیں کیا کیا خرافات ہوتے ہیں، اور جو قبر جتنی شاندار اور اونچی ہوتی ہے وہاں اسی قدر خرافات زیادہ ہوتے ہیں چاہے اندر گدھا دفن ہو اس لئے قبر زمین سے صرف اتنی اونچی ہونی چاہئے کہ اس کا قبر ہونا معلوم ہوتا کہ لوگ اس پر چلنے، پھرنے، بیٹھنے، اٹھنے، استنجاء کرنے اور گندگی ڈالنے سے بچیں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہؓ سے فرمایا: (یہ حضرت علیؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے) میں آپ کو ایک ایسے کام کے لئے روانہ کر رہا ہوں جس کام کے لئے نبی ﷺ نے مجھے بھیجا تھا: ”جاؤ! جو بھی قبر اونچی دیکھو اسے پھاڑ کر زمین کے برابر کر دو اور جو بھی تصویر دیکھو اسے مٹا دو“

تشریح: اسلامی حکومت میں ایک شعبہ ہوتا ہے جس کا نام محکمہ احتساب (دارو گیر کا شعبہ) ہے، اس شعبہ کے ذمہ داروں کا کام یہ ہے کہ جہاں بھی کوئی امر منکر دیکھیں اس پر تکبر کریں اور ضرورت پڑے تو طاقت سے اس کی اصلاح کریں۔ نبی ﷺ اپنے زمانہ میں بذات خود یہ کام کرتے تھے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ ایک مرتبہ بازار شریف لے گئے، ایک دکان پر شاندار گندم دیکھا، آپ نے اندر ہاتھ ڈالا تو اندر سے بیگا ہوا نکلا، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ دکان والے نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بارش سے یہ گیہوں بیگا ہے آپ نے فرمایا: اس کو اندر کیوں چھپایا ہے؟ اوپر کیوں نہیں رکھا؟ یہی احتساب ہے۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ منکرات پر دارو گیر حکومت کے کارندے ہی کر سکتے ہیں اگر عام لوگ یہ کام کرنے لگیں گے تو فتنہ ہوگا، اور قبرستان پر نظر رکھنا اور وہاں ایسی دیکسی کوئی بات نہ ہونے دینا حکومت کی ذمہ داری ہے، اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہؓ رحمہ اللہ کو بھیجا کہ جو بھی اونچی قبر نظر آئے اس کو زمین کے برابر کر دیں اور جو بھی تصویر ملے اس کو مٹا دیں۔ اور فرمایا: حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے یہ کام لیا ہے (محکمہ احتساب کے تحت کیا کیا کام آتے ہیں، اس سلسلہ میں عمر سنائی رحمہ اللہ کی کتاب نصاب الاحتساب (جو مطبوعہ ہے اور مفتی بہ کتابوں میں ہے) کا مطالعہ مفید ہوگا)

[۵۵] باب ماجاء فی تسوية القبر

[۱۰۳۳-] حدثنا محمد بن بشر، نا عبد الرحمن بن مهدي، نا سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن أبي وإيلي، أن علياً قال لأبي الهيثم الأسدي: أبعثك على ما بعثنى النبي صلى الله عليه وسلم: أن لا تدع قبراً مشرفاً إلا سويته، ولا بمنزلاً إلا طمسته.

وفي الباب: عن جابر، قال أبو عيسى: حديث عليّ حديث حسن. والعمل على هذا عند بعض أهل العلم، يكرهون أن يرفع القبر فوق الأرض، قال الشافعي: أكره أن يرفع القبر إلا بقدر ما يعرف أنه قبر لئلا يوطأ ولا يجلس عليه.

ترجمہ: اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے وہ قبر کو زمین سے اونچی بنانے کو کبروہ کہتے ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں: میں ناپسند کرتا ہوں قبر اونچی بنانے کو مگر اتنی اونچی (بنانا جائز ہے) جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ قبر ہے تاکہ وہ روندی نہ جائے اور اس پر بیٹھا نہ جائے۔

باب ماجاء فی كراهية الوطء على القبور والجُلوس عليها

قبروں پر چلنے اور بیٹھنے کی ممانعت

وَطْئٌ اور وَطْءُ کے معنی ہیں: روندنا، چلنا، اسی سے موطا مالک ہے، اور اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ قبروں کی توہین بھی نہیں کرنی چاہئے اور غایت درجہ تعظیم بھی نہیں کرنی چاہئے۔ آگے باب آرہا ہے کہ قبریں پختہ بنانا اور ان پر کتبے لگانا ممنوع ہے، پس دونوں بابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قبور کے ساتھ معاملہ میں افراط و تفریط سے بچا جائے، نہ ان کی توہین کی جائے اور نہ تعظیم، بلکہ ان کے ساتھ اعتدال برتا جائے۔ افراط: یہ ہے کہ قبریں اونچی اونچی بنائی جائیں، پختہ بنائی جائیں، قبروں پر گنبد بنایا جائے، ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے، ان پر کتبے لگایا جائے، ان پر پھول ڈالے جائیں، ان پر چادریں چڑھائی جائیں، اور ان پر چراغاں کیا جائے، یہ سب افعال شرکیہ ہیں یعنی ان کا مالِ شرک ہے۔ اور تفریط: یہ ہے کہ ان کو روندنا جائے، ان پر چلا جائے، ان پر بیٹھا جائے، اور ان پر قضا و حاجت کی جائے اور اعتدال: یہ ہے کہ دل میں قبور کی قدر و منزلت ہو اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سنت سے ثابت ہے، یعنی قبروں کی زیارت کے لئے جانا اور ان کے پاس کھڑے ہو کر ایصالِ ثواب کرنا اور دعائے مغفرت کرنا فقط۔ اور قبر پر بیٹھنا، مراقبہ کرنا اور ذکر وغیرہ کرنا ثابت نہیں۔ علامہ ابن الہمام فتح القدیر (۱۰۳:۲) میں تحریر فرماتے ہیں: نوالمعہود من السنة لمس إلا زيارتها والدعاء عندها قائما كما كان يفعل النبي صلى الله عليه وسلم في العروج

الی البقیع (سنت نبوی سے جانی ہوئی بات نہیں ہے مگر قبور کی زیارت کرنا اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا، جس طرح نبی ﷺ کیا کرتے تھے جب آپ ﷺ میں تشریف لے جاتے تھے)

واقعہ: حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) کے ساتھ میں کئی مرتبہ قبرستان قاسمی گیا ہوں، جہاں سے قبرستان شروع ہوتا ہے حضرت بجلی کے کھمبے کے پاس رک جاتے تھے اور تقریباً دس منٹ کھڑے ہو کر کچھ پڑھتے تھے پھر واپس لوٹ جاتے تھے، بس یہی سنت ہے۔

فائدہ: بعض لوگ قبروں پر مراقبہ کرتے ہیں، گھنٹوں سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگ ذکر جہری کرتے ہیں، یہ سب باتیں غیر ثابت اور بدعت ہیں ان سے احتراز چاہئے، اور اس سلسلہ میں کسی بھی بزرگ کا عمل حجت نہیں، حجت قرآن و حدیث اور قرونِ ثلاثہ کا تعامل ہے، جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا رسالہ ”فیصلہ غت مسئلہ“ چھپا اور وہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا گیا تو آپ نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ طالب علم سے فرمایا: اس کو حمام میں جھونک دو، اور فرمایا: ”ہم نے حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت طریقت میں کی ہے شریعت میں نہیں کی“ اور یہ واقعہ ہے کہ بعض حضرات انتہائی کبر سنی میں کچھ بدعات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس لئے اگر بزرگوں کا عمل کتاب و سنت کے مطابق ہے تو سر آنکھوں پر، ورنہ کالائے بد پریش خاندان!

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: قبروں پر مت بیٹھو (یہ حکم امانت سے بچنے کے لئے ہے یا یہ حکم بھی تعظیم کے قبیل سے ہے اور بیٹھنے سے مراد مراقبہ کرنا ہے) اور ان کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو (یہ حکم غایت تعظیم سے بچنے کے لئے ہے) تشریح: قبروں پر بیٹھنے کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک: مجاور بن کر بیٹھنا یا مراقبہ کرنا اس صورت میں یہ حکم باب افراط سے ہے، دوسرا: قبروں پر آرام کرنے کے لئے یا استیجا کرنے کے لئے بیٹھنا اس صورت میں یہ حکم باب تفریط سے ہے یعنی اکرام میت کے خلاف ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں ابن المبارکؒ نے بسر بن عبید اللہ اور وائل بن الاسقع کے درمیان ابو اور یس خولانی کا واسطہ بڑھایا ہے اور ولید بن مسلم نے بھی یہ حدیث عبد الرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کی ہے، مگر وہ یہ واسطہ نہیں بڑھاتے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ بسر بن عبید اللہ کا حضرت وائل سے لقاء و سماع ہے وہ براہ راست ان سے روایت کرتے ہیں۔

[۵۶] باب ماجاء فی کراهیة الوطء علی القبور، والجلوس علیہا

[۶۰۳۴] - حدثنا هناد، نا ابن المبارك، عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر، عن بسر بن عبيد الله، عن أبي إدریس الخولانی، عن وائل بن الأسقع، عن أبي مرثد الغنوی قال: قال النبی صلی

اللہ علیہ وسلم: "لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ، وَلَا تَصَلُّوا عَلَيْهَا"

وفی الباب: عن أبی ہریرۃ، وعمر بن حزم، وبشیر بن الخصاصیۃ..

حدثنا محمد بن بشر، نا عبد الرحمن بن مہدی، عن عبد اللہ بن المبارک بهذا الإسناد نحوه.

حدثنا علی بن حنجر، وأبو عمار، قالاً: نا الولید بن مسلم، عن عبد الرحمن بن یزید بن جابر،

عن بسر بن عبد اللہ، عن والیة بن الأسقع، عن أبی مرثد، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه،

ولیس فیہ: "عن أبی إدریس" وهذا الصحیح.

قال أبو عیسی: قال محمد: حدیث ابن المبارک خطأ، أخطأ فیہ ابن المبارک، وزاد فیہ: عن أبی

إدریس الخولانی، وإنما هو بسر بن عبد اللہ، عن والیة بن الأسقع، هكذا روى غیر واحد عن

عبد الرحمن بن یزید بن جابر، ولس فیہ: "عن أبی إدریس الخولانی" وسر بن عبد اللہ قد

سمع من والیة بن الأسقع.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن المبارک کی حدیث میں چوک ہے اس میں ابن المبارک نے غلطی کی ہے، انہوں نے اس میں ابودریس خولانی کا واسطہ بڑھایا ہے، صحیح سند: بسر بن عبد اللہ عن والیة بن الأسقع ہے، متحد حضرات نے عبد الرحمن بن یزید بن جابر سے اسی طرح روایت کیا ہے، ان کی حدیثوں میں عن ابی إدریس الخولانی نہیں ہے اور بسر بن عبد اللہ نے والیة بن الأسقع سے سنا ہے۔

باب ما جاء فی کراهیۃ تجصیص القبور والکتابۃ علیہا

قبریں پختہ بنانا اور ان پر کتبے لگانا ممنوع ہے

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبریں پختہ بنانے سے، اور ان پر کتبے لگانے سے، اور ان پر عمارت بنانے سے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا۔

تشریح: شرح حدیث لکھتے ہیں کہ قبریں پختہ بنانا، ان پر کتبے لگانا اور ان پر گنبد بنانا تقسیم کی وجہ سے ممنوع ہے اور ان کو روندنے کی ممانعت ان کی اہانت کی وجہ سے ہے، قبور کی نہ غایت وجہ تقسیم کرنی چاہئے نہ توہین، ان کے ساتھ معتدل معاملہ کرنا ضروری ہے۔ اور میرے نزدیک پختہ قبریں بنانے کی، ان پر کتبے لگانے کی اور ان پر گنبد بنانے کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قبرستان بار بار استعمال ہوتا ہے یا ہونا چاہئے، پس اگر قبریں کچی بنائی جائیں گی اور ان پر کتبے لگائے جائیں گے تو وہ جگہ ریزہ ہو جائے گی، اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر قبریں پختہ نہیں ہوں گی، نشان پر کتبے

ہوں گے تو ایک وقت کے بعد قبر کا نشان مٹ جائے گا اور وہ جگہ دوبارہ تدفین میں استعمال ہو سکے گی، مگر معظمہ کا قبرستان حجون اور مدینہ منورہ کا قبرستان بقیع اسلام سے پہلے کے ہیں ان میں اربوں کھریوں انسان دفن ہو گئے اور آج بھی دفن ہو رہے ہیں وہاں طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف سے قبریں بناتے چلے جاتے ہیں جب آخر تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر شروع سے قبریں بنانے لگتے ہیں، اس طرح وہ قبرستان بار بار استعمال ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کے جو پرانے شہر ہیں ان کے چاروں طرف قبرستان ہی قبرستان ہیں، کیونکہ جب قبریں پکی بن گئیں اور ان پر کتبہ لگ گیا تو اب وہ جگہ دوبارہ استعمال نہیں ہو سکتی، چنانچہ قبرستان کے لئے دوسری جگہ خریدی جاتی ہے، اور پرانے قبرستان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ان میں جانور گھومتے ہیں، لوگ پاخانہ کرتے ہیں کیا یہ بہتر ہے یا ان کو دوبارہ تدفین کے لئے استعمال کرنا؟ پھر آبادی بھر حال بڑھے گی، کدھر بڑھے گی؟ چاروں طرف بڑھے گی، اس وقت قبرستان میں سڑکیں بنیں گی، لوگ ناچازر قبضے کر کے مکانات بنائیں گے اور مردوں کی جوتھیں ممکن ہے وہ ہوگی، پس کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک قبرستان بار بار استعمال ہوتا کہ وہاں آمد و رفت رہے اور اس کی حفاظت ممکن ہو، مگر ہندوستان کا مسلمان تو سمجھتا ہی نہیں، اس کو سب کچھ گوارہ ہے مگر دوبارہ قبرستان کا استعمال اس کے گلے نہیں اترتا، اللہ تعالیٰ سمجھ بوجھ عطا فرمائیں (آمین)

فائدہ: لوگ قبروں پر کتبہ کے تعلق سے کہتے ہیں کہ اس کا امت میں تعامل ہے اور فقہ کی کتابوں میں اس کو جائز لکھا ہے کہ بڑے آدمی کی قبر پر کتبہ لگا سکتے ہیں، اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ ”العرف العذی“ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا قول ہے کہ لوگ قبروں پر کتبہ لگاتے ہیں اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، پس جو نیا طریقہ شروع ہوا ہے اس میں جواز کی کوئی دلیل نہیں، یعنی تعامل اس وقت حجت ہوتا ہے جب وہ نص کے خلاف نہ ہو، جیسے سود اور شراب کا بھی تعامل ہو گیا ہے مگر وہ نص کے خلاف ہے اس لئے وہ حجت نہیں، اسی طرح جب کتبہ لگانے کی ممانعت کے سلسلہ میں اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث موجود ہے تو تعامل کیسے حجت ہو سکتا ہے؟ اور بڑا آدمی کون ہے یہ کیسے طے کیا جائے گا؟ یعنی اس کا معیار کیا ہوگا؟ ہر شخص کے نزدیک اس کا مورث بڑا آدمی ہے، چنانچہ ہر شخص کتبہ لگاتا ہے بلکہ بعض تو صرف اس لئے کتبہ لگاتے ہیں کہ جگہ ریزہ رو ہو جائے، وہ دوسری مرتبہ استعمال نہ ہو۔

رہا فقہی جزئیہ تو ہماری کتب فقہ میں بہت سی ایسی جزئیات ہیں جن پر ہم اس لئے فتویٰ نہیں دیتے کہ یا تو ان کا کچھ ثبوت نہیں یا وہ نص کے خلاف ہیں جیسے: تنویب کا تذکرہ کتب فقہ میں ہے اور نمک سے کھانا شروع کرنے کا تذکرہ بھی شامی میں ہے مگر اس پر ہم اس لئے فتویٰ نہیں دیتے کہ ان کا کچھ ثبوت نہیں، اسی طرح قبر پر پھول رکھنے کا تذکرہ بھی شامی میں ہے مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں، اس لئے اس کو بدعت کہتے ہیں، اسی طرح کتبہ کا جزئیہ اگرچہ موجود ہے مگر وہ نص صحیح صریح کے خلاف ہے اس لئے اس پر نہ فتویٰ دینا چاہئے اور نہ اس پر عمل کرنا چاہئے، آج مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر دیکھیں، عیسائیوں کے قبرستان اور مسلمانوں کے قبرستان میں کچھ فرق نہیں رہا، یہ اس حدیث پر

عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائیں اور حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

[۵۷] باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور والكتابة علیها

[۱۰۳۵-] حدثنا عبد الرحمن بن الأسود أبو عمرو البصري، نا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ، عن ابن جُرَيْجٍ، عن أبي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُورُ، وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا، وَأَنْ يُنْتَى عَلَيْهَا، وَأَنْ تُوَعَّا.

قَالَ أَبُو عَمَسٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ. وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ - مِنْهُمْ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ - فِي تَطْيِينِ الْقُبُورِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا بَأْسَ أَنْ يُطَيَّنَ الْقَبْرُ.

وضاحت: تطیین القبور یعنی قبر تیار ہونے کے بعد پانی ڈال کر مٹی کو جمانا تاکہ ہوا سے مٹی اڑ نہ جائے: یہ تجصیص القبور نہیں ہے، یہ جائز ہے، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تطیین القبور جائز ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تطیین القبور میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فائدہ: امام شافعی کے نزدیک قبر چو گوشت اور مسطح بنانا افضل ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کوہان نما قبر بنانا افضل ہے، بخاری (کتاب الجنائز: باب ماجاء فی قبور النبی صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک مسنم یعنی اونٹ کی کوہان کی طرح ہے۔

بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الْمَقَابِرَ؟

جب قبرستان میں جائے تو کیا کہے؟

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے قبرستان کے پاس سے گزرے اور قبروں کی طرف چہرے کے ساتھ متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائیں، تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے نشان قدم پر آ رہے ہیں“ (بالافتح اور بالافتح دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں)

تشریح: زیارت قبور کے وقت پہلے قبور کی طرف رخ کرے پھر سلام کرے اس کے بعد اپنے لئے اور مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرے، لوگ غلطی کرتے ہیں: مردوں کے لئے تو دعائے مغفرت کرتے ہیں مگر خود کو بھول جاتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں اور زیارت قبور کا مقصد موت کو یاد کرنا ہے، حدیث کے تیسرے جزء میں یہی مضمون ہے۔

[۵۸] باب ما یقول الرجل إذا دخل المقابر؟

[۱۰۳۶-] حدثنا أبو حُرَیْبٍ، نا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلَیْ، عَنْ أَبِي كُثَيْبَةَ، عَنْ قَابُوسَ بْنِ أَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمَلِیْنَةِ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ! يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِأَلَاؤُكُمْ".
 وفي الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، وَعائِشَةَ، حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ حَسَنٍ غَرِيبٌ، وَأَبُو كُثَيْبَةَ: اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ الْمُهَلَّبِ، وَأَبُو ظَبْيَانَ: اسْمُهُ حُصَيْنُ بْنُ جُنْدَبٍ.

وضاحت: اس حدیث کی سند کے ساتھ ابوکندہ مرفوع ہے، اس لئے حدیث غریب ہے اور ابوکندہ کا نام یحییٰ بن المہلب ہے اور قابوس کے ابا ابوظبیاں کا نام حصین بن جندب ہے۔

باب ماجاء فی الزُخْصَةِ فی زِیَارَةِ الْقُبُورِ

زیارت قبور کے لئے قبرستان جانے کی اجازت

اس باب میں مردوں کے تعلق سے مسئلہ بیان کیا ہے کہ ان کے لئے زیارت قبور کے لئے قبرستان جانا جائز ہے اور عورتوں کے تعلق سے مسئلہ آئندہ باب میں آرہا ہے۔ شروع میں زیارت قبور کے لئے قبرستان جانا مطلقاً ممنوع تھا اور یہ ممانعت حضور اقدس ﷺ کے لئے بھی تھی، آپ کی اپنی والدہ کی قبر پر حاضری کی بڑی خواہش تھی مگر اجازت نہیں تھی، کچھ عرصہ کے بعد آپ کو والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی اس سے آپ نے یہ مسئلہ مستحب کیا کہ جب ایک قبر پر جانے کی اجازت مل گئی تو ممانعت مرتفع ہوگئی، اب ہر شخص ہر قبر پر جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: "میں نے آپ لوگوں کو زیارت قبور سے روکا تھا، اب محمد ﷺ کو ان کی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے، لہذا آپ لوگ قبرستان جایا کریں" اور شروع میں زیارت قبور سے اس لئے روکا گیا تھا کہ عام مسلمانوں کے دلوں میں ابھی توحید کا بیج پوری طرح جمانے کا وقت نہیں تھا اس لئے اندیشہ تھا کہ قبرستان جانے سے قبور پرستی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا چنانچہ قبور پر جانے سے منع کیا گیا، پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا اور اسلام کی بنیادی تعلیمات دلوں میں جڑ پکڑ گئیں اور دلوں میں شرک کی نفرت بیٹھ گئی اور قبور پر جانے میں شرک کا اندیشہ نہ رہا تو آپ نے قبور پر جانے کی اجازت دیدی اور جواز کی وجہ یہ بیان کی کہ زیارت قبور میں بڑا فائدہ ہے، اس سے آدمی کو اپنی موت یاد آتی ہے اور وہ انکسار سے ہر سے عبرت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

فائدہ: اب لوگوں میں زیارت قبور کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا ہے، سال کا سال گزر جاتا ہے اور گور غریباں میں

کوئی نہیں جاتا، یہ بریلویوں کے ساتھ اختلاف کا رد عمل ہے، لوگوں نے ایسا سمجھ لیا ہے کہ ہم دیوبندیوں کو قبرستان بالکل نہیں جانا چاہئے یہ صالح ذہنیت نہیں ہے، زیارت قبور مامور بہ ہے، اس میں اموات کا بڑا فائدہ ہے اور زندوں کا بھی فائدہ ہے، اپنی موت یاد آتی ہے اور دنیا سے دل اکھڑتا ہے، پس گاہ بہ گاہ عام قبرستان میں جانا چاہئے اس کی طرف سے غفلت ٹھیک نہیں۔

اور یہ جو بزرگوں کی قبروں پر جانے کا سلسلہ ہے یہ بیشک جاری ہے بلکہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے مگر یہ دیوبندیت نہیں ہے، بریلویت ہے، یہی سلسلہ بڑھ کر قبر پرستی کی شکل اختیار کرے گا، پھر اس زیارت میں زندوں کا کوئی فائدہ نہیں، اولیاء کی قبور پر جا کر اپنی موت کو کوئی یاد نہیں کرتا، یہ مقصد تو گورغریاں میں جا کر پورا ہوتا ہے پس ہر مہینہ کم از کم ایک مرتبہ زیارت قبور کے لئے جانا چاہئے۔ واللہ الموفق۔

[۵۹] باب ماجاء فی الرخصة فی زیارة القبور

[۱۰۳۷-] حدثنا محمد بن بشر، ومحمود بن غیلان، والحسن بن علی الخلال، قالوا: نا أبو عاصم النبیل، نا سفیان، عن غلقمة بن مرثد، عن سلیمان بن بريدة، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَقَدْ أَذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ، فَاذْرَوْهَا، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ"

وفی الباب: عن أبي سعيد، وابن مسعود، وأنس، وأبي هريرة، وأُمّ سلمة، قال أبو عيسى: حَدِيثُ بُرَيْدَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. والعمل على هذا عند أهل العلم، لا يرون بزيارة القبور بأساً، وهو قول ابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحاق.

باب ماجاء فی كراهية زیارة القبور للنساء

عورتوں کے لئے قبرستان جانے کی ممانعت

عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں کراہیت کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی عورتوں کے لئے قبرستان جانا جائز نہیں، اور دوسرا باب گول مول ہے، لفظ رخصت استعمال نہیں کیا، کیونکہ مسئلہ طے نہیں ہے، علماء میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں مروی ہیں جواز کی بھی اور عدم جواز کی بھی۔ اور حضرت نانوتوی قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کے لئے قبرستان

جانے سے احتراز ضروری ہے، حضرت کی یہ رائے فیوض قاسمیہ میں ہے ^(۱) اور بہشتی گوہر (بہشتی زیور حصہ گیارہ ص: ۱۰۲) میں زیارت قبور کا استحباب مردوں کے تعلق سے بیان کیا ہے، عورتوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور فتاویٰ دارالعلوم (۶: ۳۱۸) میں ہے: رائج یہی ہے کہ عورت زیارت قبور کو نہ جاوے۔

پہلے باب میں یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے زورات القبور پر لعنت فرمائی ہے، یہ حدیث معمول بہا ہے یا منسوخ یعنی جب قبرستان جانے کی عام ممانعت تھی مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی، اس زمانہ کی یہ حدیث ہے یا بعد کی ہے؟ اگر دور اول کی ہے تو منسوخ ہے اور بعد کی ہے تو معمول بہ ہے اور ممانعت صرف مردوں کے تعلق سے ختم ہوئی ہے عورتوں کے تعلق سے باقی ہے، مگر کوئی قرینہ نہیں ہے جس سے یہ بات طے کی جائے۔ اور اگر یہ فرض کریں کہ یہ روایت بعد کی ہے یعنی عورتوں کے تعلق سے ممانعت باقی ہے تو پھر دو احتمال ہیں: زورات سے مبالغہ مراد ہے یا وہ بمعنی زارات ہے، اگر مبالغہ مراد ہے تو حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کے لئے بکثرت قبرستان جانا ممنوع ہے، وگاہے ماہے جاسکتی ہیں، اور اگر بمعنی زارات ہے تو مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے قبرستان جانا مطلقاً ممنوع ہے، غرض حدیث بھی فیصلہ کن نہیں۔

اور دوسرے باب میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر گئی تھیں، عبدالرحمن کا انتقال غشی گاؤں میں ہوا تھا جو مکہ سے بیس میل ہے، وہاں سے ان کا جنازہ مکہ لا کر دفن کیا گیا تھا، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج یا عمرہ کے لئے مکہ آئیں تو اپنے بھائی کی قبر پر گئیں اور فرمایا: اگر میں آپ کے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو قبر پر نہ آتی، حضرت عائشہ قبر پر آئی بھی ہیں اور نہ آنے کی بات بھی کہہ رہی ہیں، اس لئے یہ روایت بھی فیصلہ کن نہیں، مگر اس حدیث سے اتنی بات ضرور نکلتی ہے کہ زورات سے مبالغہ مراد ہے یعنی بکثرت قبرستان آنا جانا ممنوع ہے، کبھی کبھار کوئی عورت قبرستان جائے تو ممنوع نہیں، کیونکہ زورات اگر مطلق زیارت کے معنی میں ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بار بھی بھائی کی قبر پر نہ جاتیں، اور بکثرت قبرستان جانے کی ممانعت کی علت ہے: فِلَّةٌ صَبْرٌ وَ كَثْرَةُ جُزْءِ عَيْنٍ یعنی عورتیں قبرستان جا کر روئیں گی دھوئیں گی اس وجہ سے ممانعت ہے، اور عورتوں کے لئے بزرگوں کی قبروں پر جانے کی ممانعت کی علت فساد اعتقاد ہے وہ وہاں جائیں گی تو مرادیں مانگیں گی، اور کردنی ناکردنی کریں گی۔ اور رشتہ داروں کی قبروں پر جانے کی ممانعت کی وجہ جزع فزع ہے وہ وہاں بے صبری کا مظاہرہ کریں گی، اس لئے ان کا بکثرت قبور پر جانا ممنوع ہے، البتہ کبھی کبھار رشتہ دار کی قبر پر چلی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

(۱) فیوض قاسمیہ (مکتوب اول) میں ہے: آ رہے دربارہ زناں کہ بہر زیارت قبور و نہ لعنت خدا و را احادیث مروی است، بناء علیہ

[۶۰] باب ماجاء فی کراهیة زیارة القبور للنساء

[۱۰۳۸] - حدیثا قتیبة، نا أبو عوانة، عن عمرو بن أبی سلمة، عن أبی هريرة: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهن زوارات القبور.

وفی الباب: عن ابن عباس، وحسان بن ثابت، قال أبو عیسی: هذا حدیث حسن صحیح. وقد رأى بعض أهل العلم: أن هذا كان قبل أن یخص النبي صلی الله علیه وسلم فی زیارة القبور، فلما رخص دخل فی رخصیه الرجال والنساء. وقال بعضهم: إنما شکره زیارة القبور للنساء، لقله صبرهن وشکره جزعهن.

ترجمہ: بعض اہل علم کہتے ہیں: لعنت والی حدیث زیارت قبور کی اجازت سے پہلے کی ہے، پس جب آپ نے اجازت دیدی تو اجازت میں مرد و زن سب شامل ہو گئے یعنی ممانعت سب کے لئے ختم ہو گئی، کیونکہ عورتیں احکام میں مردوں کے تابع ہیں۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: عورتوں کے لئے زیارت قبور مکروہ ہے ان میں صبر کے کم ہونے کی وجہ سے اور رونادھونا زیادہ ہونے کی وجہ سے یعنی علت باقی ہے تو حکم بھی باقی ہے۔

باب ماجاء فی الزیارة للقبور للنساء

عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم

حدیث: عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا حبشی میں انتقال ہوا، یہ مکہ کے قریب ایک گاؤں ہے، ان کا جنازہ مکہ لا کر دفن کیا گیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج یا عمرہ کے لئے آئیں تو اپنے بھائی کی قبر پر گئیں اور دو شعر پڑھے جو تمیم بن ثور یہ یروی کے ہیں جو اس نے اپنے بھائی مالک کے مرثیہ میں کہے ہیں، اس کے اور مالک کے درمیان گہری دوستی تھی، وصال نبوی کے بعد جب ارتد اکافتنہ پھیلا تو حضرت خالد بن الولید کے ایک فوجی حضرت ضرار بن ازور کے ہاتھ سے مالک قتل ہوا^(۱) اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

ہم جذیمہ^(۲) کے دو مصاحبوں کی طرح تھے، ایک لمبے عرصہ تک: یہاں تک کہ کہا گیا: یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہونگے۔ پھر جب ہم جدا ہو گئے (یعنی بھائی مارا گیا اور میں زندہ رہا) تو گویا میں اور مالک: لمبے عرصہ تک ساتھ رہنے کے (۱) مالک بن ثور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کئے گئے تھے (اسد الغابہ ۹۵:۲ ترجمہ خالد بن الولید)

(۲) جذیمہ: عراق کا ایک بادشاہ گذرا ہے اس کے دو مصاحب تھے مالک اور عقیل دونوں ایک طویل عرصہ تک اس کے ساتھ رہے دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں ہمیشہ اکٹھے رہتے تھے، یہاں تک کہ یہی دوستی اور طول محبت میں ضرب المثل بن گئے تھے۔

باوجود ہم نے ایک رات بھی ساتھ نہیں گزاری۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے دو باتیں کہیں: ایک یہ کہ اگر آپ کے انتقال کے وقت میں موجود ہوتی تو آپ کو وہیں دفن کراتی جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ اگر میں انتقال کے وقت موجود ہوتی تو قبر پر نہ آتی۔ مسئلہ: جنازہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہئے جس کا جہاں انتقال ہو وہیں دفن کرنا چاہئے اور اس کے خلاف کسی کا بھی عمل حجت نہیں، حجت قرآن وحدیث ہیں اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو وہیں اسے دفن کرنا چاہئے دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہئے، البتہ اس میں ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علاج کے لئے کہیں لے جایا گیا اور وہاں اس کا انتقال ہو گیا اور جنازہ وطن واپس لانے میں دوسری جگہ دفن کرنے کی بہ نسبت مشقت کم ہے تو جنازہ واپس لا سکتے ہیں، مثلاً دیوبند سے علاج کے لئے میرٹھ یا دہلی لے گئے، وہاں انتقال ہو گیا تو اس کو دہلی یا میرٹھ میں دفن کرنے میں مشقت زیادہ ہے، وہاں نہ جان نہ پہچان کون تعاون کرے گا؟ اور دیوبند لا کر دفن کرنے میں مشقت کم ہے پس جنازہ واپس لا سکتے ہیں اور اگر بمبئی، مدراس، لندن یا امریکہ لے گئے اور وہاں انتقال ہو گیا تو جنازہ واپس لانے میں مشقت زیادہ ہے پس وہیں دفن کرنا چاہئے، واپس نہیں لانا چاہئے اور یہ استثناء اس لئے ہے کہ یہ میت کو منتقل کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کے ٹھکانے پر واپس لانا ہے۔

[۶۱] باب ماجاء فی الزیارة للقبور للنساء

[۱۰۳۹] - حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، لَا عَمْسَىٰ عَنْ يُونُسَ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: تَوَلَّى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بِالْحُسَيْنِيِّ، قَالَ: فَحَمِلَ إِلَى مَكَّةَ فَذَفِنَ فِيهَا، فَلَمَّا قَبِلَتْ عَائِشَةُ، أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ:

وَكُنَّا كَنَدَمَانِي جَزِيئَةً جَفَّةً ۖ مِنَ اللَّحْرِ حَتَّى قِيلَ: لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كُنَّا نِي وَمَالِكَا ۖ يُطَوَّلُ اجْتِمَاعُ، ثُمَّ نَبَتْ لَهَا مَعَا

ثُمَّ قَالَتْ: وَاللَّهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا ذَفَنْتُ إِلَّا حَيْثُ مِتُّ، وَلَوْ شِئْتُ لَمَّا زُرْتُكَ.

باب ماجاء فی الدفن باللیل

رات میں دفن کرنے کا بیان

میت کو رات میں دفن کرنا بلا کراہیت جائز ہے اور جب رات میں دفن کریں گے تو روشنی کے لئے بتیاں بھی ساتھ لے جائیں گے اس میں بھی کوئی حرج نہیں، حدیث میں جو میت کے ساتھ آگ لے جانے کی ممانعت آئی ہے یہ اس کا مصداق نہیں اس سے مراد وہ آگ ہے جو ہندو میت کو جلانے کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں، جیسے قبر پر چراغاں

کرنا ممنوع ہے مگر ازین کی سہولت کے لئے جی جلا سکتے ہیں، یہ حدیث کا مصداق نہیں۔

حدیث: غزوہ تبوک میں ایک صاحب کا انتقال ہوا ان کی تدفین رات میں کی گئی اور ان کو قبر میں اتارنے کے لئے آنحضرت ﷺ بذات خود قبر میں اترے، معلوم ہوا کہ رات میں تدفین جائز ہے اور آپ کے لئے چراغ جلایا گیا تاکہ میت کو قبر میں اتارنے میں آسانی ہو، معلوم ہوا کہ روشنی کے لئے بتیاں ساتھ لے جانا جائز ہے اور آپ نے میت کو قبلہ کی جانب سے لیا اور فرمایا: ”اللہ آپ پر مہربانی فرمائے آپ اللہ کے خوف سے بہت زیادہ رونے والے تھے، بہت زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے“ اور آپ نے ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

تشریح: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں لینا افضل ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب میں رکھیں اور وہاں سے عرضاً قبر میں لیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سَلِّ الْفَضْل ہے یعنی جنازہ کو پائنتی کی جانب رکھیں اور وہاں سے کھینچ کر قبر میں لیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کا جنازہ اسی طرح قبر میں لیا گیا تھا (مشکوٰۃ حدیث ۱۷۰۵) اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل باب کی حدیث ہے اور امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر دیوار سے متصل تھی قبلہ کی جانب جگہ نہیں تھی، اس مجبوری میں آپ کا جنازہ قبر کی پائنتی سے لیا گیا تھا، مجبوری میں جنازہ ہر طرف سے قبر میں اتار سکتے ہیں۔

[۶۲] باب ما جاء في الدفن بالليل

[۱۰۴۰] - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقِ، قَالَا: لَا يَحْيَى بْنُ الْيَمَانِ، عَنِ الْجَنَاهَالِ بْنِ خَلِيفَةَ، عَنِ الْحِجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ، عَنْ عَطَايَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْرًا لَيْلًا، فَأَسْرَجَ لَهُ سِرَاجًا، فَأَخَذَهُ مِنْ قِبَلِ الْقَبِيلَةِ، وَقَالَ: ”رَحِمَكَ اللَّهُ إِنْ كُنْتَ لَأَوَّاهًا تَلَاءَ لِلْقُرْآنِ“ وَكَثُرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا.

وہی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَبُرَيْدِ بْنِ لَابِتٍ، وَهُوَ أَخُو زَيْدِ بْنِ لَابِتٍ، أَكْبَرُ مِنْهُ، قَالَ أَبُو عَمْسٍ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

وَلَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا. وَقَالَ: يَدْخُلُ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مِنْ قِبَلِ الْقَبِيلَةِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُسَلِّ سَلًّا، وَرَخِصَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ.

ترجمہ: بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں: میت قبر میں قبلہ کی جانب سے لی جائے اور بعض کہتے ہیں: کھینچی جائے کھینچنا (یعنی پائنتی کی جانب سے قبر میں کھینچ کر لی جائے) اور اکثر اہل علم رات میں دفن کرنے کو جائز کہتے ہیں۔

باب ماجاء فی الثناء الحسن علی المیت

میت کے حق میں اچھی بری گواہی

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ لے کر گذرے، صحابہ نے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”واجب ہوگئی“ پھر فرمایا: ”تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو“

حدیث (۲): ابو الاسود دلی کہتے ہیں: میں مدینہ منورہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا یعنی شاگرد بنا، لوگ وہاں سے ایک جنازہ لے کر گذرے، مجلس میں حاضر لوگوں نے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”واجب ہوگئی!“ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: کیا واجب ہوگئی؟ آپؓ نے فرمایا: میں نے وہی بات کہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کہی ہے، آپؓ نے فرمایا ہے: ”نہیں ہے کوئی مسلمان جس کے ایمان کی تین آدمی گواہی دیں مگر اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے“ حضرت عمرؓ کہتے ہیں: ہم نے دریافت کیا: اگر دو آدمی گواہی دیں؟ آپؓ نے فرمایا: اور دو بھی یعنی ان کی گواہی سے بھی جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں: ہم نے ایک کے بارے میں نہیں پوچھا۔ تشریح: جس مسلمان کے لئے صالحین کی ایک جماعت اچھا ہونے کی گواہی دے۔ بشرطیکہ وہ گواہی دل کی تھام سے ہو، اوپری دل سے نہ ہو اور بغیر ریاء کے ہو، نمائش کے لئے نہ ہو، اور ریت رواج کے موافقت میں نہ ہو، کیونکہ رواجی طور پر تو ہر مرنے والے کو پسماندگان کی ولداری کے لئے اچھا کہا جاتا ہے۔ تو یہ شہادت اس میت کے ثانی ہونے کی علامت ہے، یعنی قطعی بات تو نہیں کہہ سکتے، البتہ یہ علامت ضرور ہے کہ یہ شخص جنتی ہے، اسی طرح جب صالحین کی ایک جماعت میت کی برائی کرے تو وہ اس کے تباہ ہونے کی علامت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صالحین کے دلوں میں یہ باتیں غیب سے ڈالی جاتی ہیں: ”تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو“ کا یہی مطلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ باتیں مؤمنین صالحین کو الہام کی جاتی ہیں اور ان کی زبانیں غیب کی ترجمانی کرتی ہیں، پس ان کا کہا: اللہ کا کہا ہے!

[۶۳] باب ماجاء فی الثناء الحسن علی المیت

[۱۰۱۱-] حدثنا أحمد بن منيع، نا يزيد بن هارون، نا حمزة، عن أنس بن مالك، قال: مرَّ على

رسول الله صلى الله عليه وسلم بجنازة فآثروا عليها خيراً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

”وَجَبَتْ“ ثُمَّ قَالَ: ”أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ“

قال: وفي الباب عن عمرو، وكعب بن عجرة، وأبي هريرة، قال أبو عيسى: حديث أنس حديث

حسن صحیح.

[۱۰۴۲] - حدثنا يحيى بن موسى، وهارون بن عبد الله البزاز، قالا: نا أبو داود الطيالسي، نا داود بن أبي القرات، نا عبد الله بن بريدة، عن أبي الأسود الدبلي، قال: قُبِعَتِ الْمَدِينَةُ فَعَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَعَرَوَا بِجَنَازَةٍ، فَأَلْتَنُوا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ عُمَرُ: وَجِبَتْ، فَقُلْتُ لِعُمَرَ: وَمَا وَجِبَتْ؟ قَالَ: أَلْقُولْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ لَهُ ثَلَاثَةٌ إِلَّا وَجِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ" قَالَ قُلْنَا: وَالثَانُو؟ قَالَ: "وَالثَانُو" وَلَمْ نَسْأَلْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْوَاحِدِ. قَالَ أَبُو عَمْسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو الْأَسْوَدِ الدَّبَلِيُّ: اسْمُهُ ظَالِمُ بْنُ عُمَيْرٍ بْنِ سُفْيَانَ.

وضاحت: ابوالاسود الدبلی (دال کے جرادری کے سکون کے ساتھ) اور الذؤلی (دال کے پیش اور ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ) دونوں طرح اس کا تلفظ ہے، یہ تابعی ہیں اور علم نحو کے مدون سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے انھوں نے علم نحو مدون کیا تھا، ان کا نام ظالم بن عمرو بن سفیان ہے۔

باب ماجاء فی قواب من قدم ولدا

بچہ فوت ہونے پر صبر کا ثواب

جس شخص کی نابالغ اولاد مر جائے اور وہ اس پر بامید ثواب صبر کرے تو اس کے لئے کیا ثواب ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کے تین بچے نہیں مرتے، پھر وہ جہنم میں داخل ہو (یعنی ایسا نہیں ہو سکتا) مگر قسم کھولنے کے طور پر" یہ سورہ مریم کی آیت اے کی طرف اشارہ ہے: ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا، كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضًى﴾ یعنی تم میں سے کوئی نہیں مگر وہ جہنم میں پہنچنے والا ہے، یہ بات آپ کے پروردگار پر لازم و مقرر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ ہر شخص کو جہنم میں ضرور پہنچنا ہے کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ دوزخ کے اوپر سے ہے، ہل صراط جہنم کی پشت پر بچھایا جائے گا جس سے سب کو گذرنا ہے، پس جس کے تین بچے فوت ہو گئے وہ بھی اس پر سے گذرے گا، اس کے علاوہ جہنم کی آگ اس کو چھو نہیں سکتی، اور جس کے دو بچے یا ایک بچہ فوت ہوا اس کے لئے بھی یہی ثواب ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے تین بچے آگے بھیجے (یعنی تین بچے مر گئے) جو بعد بلوغ کو نہیں پہنچے تو وہ بچے اس کے لئے جہنم سے مضبوط آڑ ہوں گے" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے دو بچے آگے بھیجے ہیں، آپ نے فرمایا: "جس کے دو بچے فوت ہوئے اس کے لئے بھی یہ فضیلت ہے" سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرا ایک بچہ فوت ہوا ہے، آپ نے فرمایا: "جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو اس کے لئے بھی یہ فضیلت ہے" البتہ شرط یہ ہے کہ جب حادثہ پیش آئے اس وقت بامید ثواب صبر کرے

ورشدیر سویرتو صبر سکی کو آجاتا ہے۔

[۶۴] باب ماجاء فی ثواب من قدم ولداً

[۱۰۴۳] - حدثنا قتيبة، عن مالك بن انس، ح: ونا الأنصاري، نا مفعن، نا مالك بن انس، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا يموت لأحد من المسلمين ثلاثة من الولد فتتمسه النار، إلا تحلة القسم"

وفى الباب: عن عمر، ومعاذ، وكعب بن مالك، وعتبة بن عبد، وأم سليم، وجابر، وانبس، وأبي ذر، وابن مسعود، وأبي قلابة الأشجعي، وابن عباس، وعقبة بن عامر، وأبي سعيد، وقرّة بن إيمان المزني، وأبو قلابة، نا عن النبي صلى الله عليه وسلم حديث واحد هذا الحديث، وليس هو بالخشني.

قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح.

[۱۰۴۴] - حدثنا نصر بن علي الجهضمي، نا إسحاق بن يوسف، نا القوام بن حوشب، عن أبي محمد مولى عمر بن الخطاب، عن أبي عبيدة بن عبد الله بن مسعود، عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قدم ثلاثة لم يلقوا الجنة كانوا له حصصاً حصيناً" قال أبو ذر: قلنت القيني، قال: "والثمن" فقال أبي بن كعب سيد القراء: قلنت واحداً قال: "وواحداً ولكن إنما ذاك عند الصلوة الأولى"

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، وأبو عبيدة لم يسمع من أبيه.

[۱۰۴۵] - حدثنا نصر بن علي الجهضمي، وأبو الخطاب زياد بن يحيى البصري، قال: نا عبد ربّه بن باري الحنفي، قال: سمعت جدي أبا أمي سماك بن الوليد الحنفي يحدث، أنه سمع ابن عباس يحدث، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من كان له فرطان من أمي أدخله الله بهما الجنة" فقالت له عائشة: فمن كان له فرط من أميك؟ قال: "ومن كان له فرط، يأمولقاً" قالت: فمن لم يكن له فرط من أميك؟ قال: "لأننا فرط أمي، لن يصابوا بميتي"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح غريب، لا تعرفه إلا من حديث عبد ربّه بن باري، وقد روى عنه غير واحد من الأئمة.

حدثنا أحمد بن سعيد المراءبي، نا حبان بن هلال، نا عبد ربّه بن باري، فذكر ينخوه، وسماك بن الوليد الحنفي: هو أبو زميل الحنفي.

وضاحت: باب میں ابو ثعلبہؓ کی بھی روایت ہے، ان کی حدیث مسند احمد اور طبرانی کی معجم کبیر میں ہے اور وہ اسی ایک حدیث کے راوی ہیں، اور ابو ثعلبہؓ نام کے ایک دوسرے صحابی بھی ہیں ان کی نسبت شخصی ہے، ان کی بہت روایتیں ہیں۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں سے جس کے دو فرط (پیش رو) ہوں اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کریں گے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! جس کا ایک فرط ہو؟ آپ نے فرمایا: ”اور جس کا ایک فرط ہو (یعنی اس کے لئے بھی یہی ثواب ہے) اے خیر کی باتیں معلوم کرنے کی توفیق دی ہوئی عورت! حضرت عائشہؓ نے پوچھا: اور اگر آپ کی امت میں سے کسی کا کوئی فرط نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: ”میں اپنی امت کا فرط ہوں، میرے مائدہ ہرگز معصیت نہیں پہنچائے گئے“ یعنی میری امت کے لئے سب سے بڑا احمد میری وفات کا ہوگا اور میری امت اس پر مبر کرے گی، پس میں ان کے لئے فرط بنوں گا۔ اس حدیث کی عبد ربہ بن باریق سے اور پر ایک ہی سند ہے اور ان سے متعدد ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔

باب ماجاء فی الشہداء من ہم؟

شہداء کون کون ہیں؟

شہداء تین قسم کے ہیں: اول: دنیا اور آخرت دونوں میں شہید یعنی حقیقی شہداء، یہ وہ حضرات ہیں جو اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے کفار سے جہاد کرتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں، ان کو نہلائے بغیر دفن کیا جاتا ہے اور نماز جنازہ پڑھیں گے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ دوم: حکما شہید: یعنی جن پر دنیا میں شہادت کے احکام جاری نہیں ہوتے مگر آخرت میں ان کو شہداء کے زمرہ میں شامل کیا جائے گا، ایسے شہداء بہت ہیں، مختلف روایات میں تقریباً ساٹھ آدمیوں کا تذکرہ آیا ہے، یہ سب روایات اوجز المسالک میں جمع کی گئی ہیں۔ یہاں حدیث میں بطور مثال چار کا تذکرہ ہے۔ سوم: وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں شہادت کے احکام جاری ہوتے ہیں مگر آخرت میں ان کا شمار شہیدوں میں نہیں ہوگا اور یہ وہ لوگ ہیں جو ناموری کے لئے یا مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے یا خاندانی حیثیت کی وجہ سے یا کسی اور دنیوی غرض سے مر جاتے ہیں اور مرتے ہیں، چونکہ دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس لئے ان کو دنیوی احکام میں شہید مانا گیا ہے، ان کے ساتھ حقیقی شہداء جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

[۶۵] باب ماجاء فی الشہداء من ہم؟

[۶۵، ۶۶] - حدثنا الأنصاری، لا معنی، لا مالک، ح: ولا ثعلبہ، عن مالک، عن مسمی، عن ابن صالح،

عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "الشهداء خمسة: المطعون، والمبطون، والفريق، وصاحب الهدم، والشهيد في سبيل الله"

وفى الباب: عن أنس، وصقوان بن أمية، وجابر بن عتيك، وخالد بن عرفة، وسليمان بن صرد، وأبي موسى، وعائشة، قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح.

[۱۰، ۷] - حدثنا غيث بن أسباط بن محمد القريشي الكوفي، نا أبي، نا أبو سنان الشيباني، عن أبي إسحاق الشيباني، قال: قال سليمان بن صرد لخالد بن عرفة، أو خالد لسليمان: أما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من قتلته بطنه لم يعد في قبره؟" فقال أحدهما لصاحبه: نعم. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب في هذا الباب، وقد روى من غير هذا الوجه.

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہید پانچ ہیں: طاعون میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا (یہ چاروں حکماً شہید ہیں) اور اللہ کے راستہ میں مارا جانے والا (یہ حقیقی شہید ہے)

ابو اسحاق سمعی کہتے ہیں: سلیمان بن صرد نے خالد بن عرفة سے یا خالد بن عرفة نے سلیمان بن صرد سے پوچھا: (یہ دونوں صحابی ہیں، اور راوی کو شک ہے کہ سائل کون تھا اور مسئول عنہ کون تھا) کیا آپ نے نبی ﷺ سے یہ نہیں سنا کہ جس کو اس کے پیٹ نے قتل کیا (یعنی وہ پیٹ کی کسی بیماری میں مرا) تو وہ قبر میں عذاب نہیں دیا جائے گا؟ پس ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ہاں (یعنی میں نے نبی ﷺ سے یہ بات سنی ہے)

باب ماجاء فی کراهية الفوار من الطاعون

طاعون سے بھاگنے کی کراہیت

طاعون کیا ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ ایک خاص قسم کی بیماری ہے جو پھنسیوں اور زخموں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، خاص طور پر بغل میں، انگلیوں کے بیچ میں اور جوڑوں میں پھنسیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کا ارد گرد کالا پڑ جاتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہر بیماری جو وبا کی شکل اختیار کر لے طاعون ہے، مثلاً: حیضہ پھیل گیا، ملیریا پھیل گیا، ایڈز پھیل گیا: یہ سب طاعون ہیں، مگر یہ قول مرجوح ہے۔

حدیث: آنحضرت ﷺ نے طاعون کا ذکر کیا پس فرمایا: "یہ اس رسوا کن عذاب کا بقیہ ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا تھا، پس جب طاعون کسی جگہ پھیلے اور تم وہاں ہوؤ تو وہاں سے مت لکھو اور جب کسی جگہ میں طاعون پھیلے اور تم وہاں نہ ہوؤ تو اس جگہ مت جاؤ"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں طاعون کی تازیخیان کی ہے کہ یہ وبائے سے پہلے بنی اسرائیل پر آئی تھی، جب بنی اسرائیل شہر میں داخل ہونے لگے تو ان سے کہا گیا: عاجزی کے ساتھ اور گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہوؤ، مگر وہ اکڑتے ہوئے سڑیوں پر کھستے ہوئے اور حطۃ (ہماری لغزش معاف فرما) کی جگہ حطۃ (ہمیں گندم عطا فرما) کہتے ہوئے داخل ہوئے تو ان پر عذاب مسلط کیا گیا، طاعون اسی عذاب کا باقی ماندہ ہے جو کبھی کبھی نمودار ہوتا ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا: طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا نہیں چاہئے اور وہاں جانا بھی نہیں چاہئے، کیونکہ اسباب مرض سے بچنا شریعت کی تعلیم ہے اور بھاگنے کی ممانعت تین وجہ سے ہے: پہلی وجہ: اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ کوئی بیماری بالذات دوسرے کو نہیں لگتی، اللہ چاہیں گے تو لگے گی ورنہ نہیں، پس طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا اس عقیدہ کے منافی ہے۔

دوسری وجہ: یہ تقدیر پر یقین نہ ہونے کی علامت ہے جبکہ تقدیر پر راضی رہنا ایمان کا جزء ہے، بھاگنے والے کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہاں مرجائے گا اور یہاں سے نکل جائے گا تو قح جائے گا، حالانکہ تقدیر میں موت لکھی ہے تو ہر جگہ آئے گی اور نہیں لکھی تو کبھی بھی نہیں آئے گی۔

تیسری وجہ: اگر سب تندرست بھاگ کھڑے ہونگے تو بیماروں کا کیا ہوگا؟ اور بیمار بھی بھاگ نکلیں گے تو سارا ملک وبا کی لپیٹ میں آجائے گا، علاوہ ازیں جو خود کو تندرست سمجھ رہا ہے کیا ضروری ہے کہ وہ تندرست ہو، ممکن ہے وہ بھی طاعون سے متاثر ہو چکا ہو۔ پس جب ان جرائم کے ساتھ دوسری جگہ جائے گا تو وہاں بھی طاعون شروع ہو جائے گا، پس وباہ کا ایک جگہ رہنا ہی مناسب ہے، البتہ طاعون کے علاقہ سے بھاگنا تو ممنوع ہے مگر کسی ضرورت سے وہاں سے نکلتا جائز ہے۔

فائدہ: حفظانِ صحت کے لئے اگر حکومت طاعون زدہ علاقہ خالی کرانے اور آبادی دوسری جگہ منتقل کرے تو ایسا کر سکتی ہے اور یہ بھاگنا نہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی لشکر میں طاعون پھیل گیا تھا، بہت سے فوجی اور سپہ سالار شہید ہو گئے تھے، جب فوج کی کمان حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سنبھالی تو انھوں نے فوج کو حکم دیا کہ میدانی علاقے خالی کر کے پہاڑوں پر چڑھ جاؤ، جب آب و ہوا بدلتی تو اللہ کے فضل سے طاعون رفع ہو گیا۔

[۶۶] باب ماجاء فی کراهیة الفرار من الطاعون

[۱۰۴۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَحْنُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غُثَيْرِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ غَابِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَنَسَةَ بِنْتِ زَيْدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الطَّاعُونَ، فَقَالَ: "بَقِيَّةُ رَجَزٍ أَوْ: عَذَابُ أُرْمِلَ عَلَى طَائِفَةٍ

مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوا عَلَيْهَا"

وفی الباب: عن سعد، وخزيمة بن ثابت، وعبد الرحمن بن عوف، وجابر، وعائشة، قال أبو عیسی: حدیث أسامة بن زید حدیث حسن صحیح.

باب ما جاء في من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه

جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں، اور جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں"

تشریح: اللہ سے ملنے کی آرزو اور خواہش وہی بندہ کرتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی مرضیات پر چلتا ہے اور جس کا اللہ پر ایمان نہیں یا اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزارتا وہ مرنے کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ قرآن پاک میں یہودیوں کا حال بیان کیا گیا ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ: نَحْنُ أَنْبَاءُ اللَّهِ وَآحِبَاءُهُ﴾ یہود کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ پس اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ﴿وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَلَعْتُمْ أَيْدِيَهُمْ﴾ مگر وہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، ان کو تو توں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ پس اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ ایمان والے بنو اور اللہ کی مرضیات پر چلو تا کہ تم اللہ سے ملنے کی امید باندھو، اور اللہ تمہیں پسند کریں، دوسرے گروہ میں شامل مت ہوؤ جن کو اللہ پسند نہیں کرتے۔

جب آنحضور ﷺ نے یہ بات بیان کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بندوں اور اللہ کے درمیان ایک پل ہے، اللہ سے ملنے کے لئے اس پل سے گزرنا ضروری ہے اور وہ پل موت ہے اور موت ہر شخص کو ناگوار ہے، ہر آدمی موت سے ڈرتا ہے، پس اللہ سے ملنا تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ایسی بات نہیں، موت بیشک ایک ہوا ہے، ہر آدمی مرنے سے ڈرتا ہے مگر جب موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے سامنے آتے ہیں اور وہ جنت کی خوش خبری سناتے ہیں تو مومن مرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے اور وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، پس اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور کافر کو جب جہنم کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، تو اس کی روح جسم کے اندر گھسنے لگتی ہے، فرشتے اس کو زبردستی کھینچ کر نکالتے ہیں جس سے وہ تار تار ہو جاتی ہے، اسے اللہ سے ملنا پسند نہیں، اس لئے اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتے۔

وصاحت: مذکورہ حدیث میں جو فرمایا ہے کہ جو اللہ سے ملنا پسند کرتے ہیں: اس سے عقلی شوق لقاء مراد ہے، جو

ہر مومن میں ہمیشہ موجود رہتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ سنبھل کر زندگی گزارتا ہے، ایسے کام نہیں کرتا جو اللہ کو ناراض کرنے والے ہیں، یہی آخرت کی زندگی کا استحسانِ عقلی ہے اور یہی اللہ سے ملنے کی محبت ہے۔ ربی موت کی طبعی ناگواری تو وہ ایک فطری امر ہے، اور عام حالات میں فطری باتیں غالب نظر آتی ہیں، مگر جب موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے نمودار ہوتے ہیں اور وہ اچھے انجام کی خوش خبری سناتے ہیں تو وہ فطری خوف مغلوب ہو جاتا ہے اور شوق غالب آ جاتا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موت کے وقت وہ فطری ناگواری ختم ہو جاتی ہے، آنحضرت ﷺ جاگنی کے وقت مسلسل یہ دعا فرماتے تھے: ”اللہ! سکرات میں اور موت کی غیبتوں میں میری مدد فرما!“ اسی طرح صحت کی حالت میں جو موت کی کراہیت غالب نظر آتی ہے: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مومن میں اللہ سے ملنے کا شوق نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ محتاط زندگی نہ گزارتا غرض طبعی خوف اور عقلی محبت ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔

اور محسوسات میں اس کی مثالیں بہت ہیں: ایک طالب علم جو امتحان سے ہمتوں، مہینوں پہلے آموختہ یاد کرتا شروع کرتا ہے: وہ امتحان کے خوف ہی سے ایسا کرتا ہے، مگر ساتھ ہی کامیابی کی آرزو بھی ہوتی ہے، اسی طرح آدمی جو کسی خطرناک مرض سے بچھا چھڑانے کے لئے ہزاروں روپے خرچ کر کے آپریشن کراتا ہے تو وہ آپریشن کی تکلیف سے بے خوف نہیں ہو جاتا بلکہ شفا کی آرزو غالب آ جاتی ہے، اس لئے وہ اقدام کرتا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو اشکال پیش آیا تھا ویسا ہی اشکال ایک اور حدیث میں بھی پیش آتا ہے، متفق علیہ روایت ہے: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولده والناس اجمعین یعنی جب تک رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر محبت سے زیادہ نہ ہو جائے آدمی مومن نہیں ہو سکتا، جبکہ اپنی ذات کی، آل واولاد کی، عزیز و اقارب کی اور دنیا کے مال و منال کی محبت آدمی پر چھائی رہتی ہے، مگر یہ طبعی محبت ہے، عقلی طور پر مومن میں اللہ و رسول کی اور دین کی محبت پہاڑ جیسی موجود ہوتی ہے، چنانچہ موقع آنے پر وہ جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ اس حدیث میں بھی طالب علم سوال کرتے ہیں کہ بظاہر ماں باپ کی اور اولاد کی محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے، تو اساتذہ جواب میں ایک ایسی حالت کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں دین کی محبت غالب آ جاتی ہے، وہ کہتے ہیں: بات ایسی نہیں، سوچو: جب دین پر آئج آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات پر حرف آتا ہے تو مومن کیا کرتا ہے؟ اس وقت اس کو جان کی پروا نہیں ہوتی، یہی عقلی محبت ہے جو وقت پر ظاہر ہوتی ہے، مگر وہ پہلے سے موجود ہوتی ہے (رمۃ اللہ علیہ ۳: ۳۵۵-۳۵۹)

فائدہ: اور اللہ کا پسند کرنا اور ناپسند کرنا مشاکلہ (ہم شکل ہونے کی وجہ سے) ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ نے مومن کامل کے لئے آخرت میں نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، موت کا گھونٹ پیتے ہی وہ ان سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے اور کافر کے لئے تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے اور جہنم اس کی گھات میں لگی ہوئی ہے کہ کب آئے اور سر پائے!

[۶۷] باب ماجاء فى من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه

[۱۰۴۹] - حدثنا أحمد بن محمد بن بقدام، نا أبو الأشعث العجلي، نا المعتز بن سليمان، قال: سمعتُ أبي، يحدث عن قتادة، عن أنس، عن عبادة بن الصامت، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ"
وفى الباب: عن أبي موسى، وأبي هريرة، وعائشة، قال أبو عيسى: حديث عبادة بن الصامت حديث حسن صحيح.

[۱۰۵۰] - حدثنا حميد بن مسعدة، نا خالد بن الحارث، نا سعيد بن أبي عروبة، نا محمد بن بشر، نا محمد بن بكر، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن زرارة بن أبي أوفى، عن سعد بن هشام، عن عائشة: أنها ذكرت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ" قَالَتْ: لَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كُلُّنَا يَكْرَهُ الْمَوْتَ. قَالَ: "لَيْسَ كَذَلِكَ، وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللَّهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ: أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ، وَأَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا بُشِّرَ بِعَذَابِ اللَّهِ وَسَخَطِهِ: كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ وَكَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ"
قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ اس سے ملنا پسند کرتے ہیں اور جو اللہ سے ملنا نا پسند کرتا ہے اللہ اس سے ملنا نا پسند کرتے ہیں" حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم سب موت کو نا پسند کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "ایسی بات نہیں، بلکہ مومن کو جب اللہ کی رحمت کی، اس کی خوشنودی کی اور جنت کی خوش خبری دی جاتی ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ اور اللہ اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں، اور کافر کو جب اللہ کے عذاب کی اور اس کی ناراضگی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو نا پسند کرتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملنے کو نا پسند کرتے ہیں"

باب ماجاء فى من يقتل نفسه لم يصل عليه

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: صَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجٍ: ہر شخص کی خواہ وہ نیک ہو یا بد نماز جنازہ پڑھو، یہ حدیث دارقطنی میں ہے اور اس میں انقطاع ہے، مکمل کا حضرت ابو

ہر مرد رضی اللہ عنہ سے سال نہیں، اور باب میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے خودکشی کی، آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، دوسروں نے پڑھی، جیسا کہ نسائی (۲۷۹:۱) میں اسی حدیث میں ہے: "أما أنا فلا أصلي عليه يعني میں تو اس کا جنازہ نہیں پڑھتا یعنی آپ لوگ پڑھیں۔ اور آپ کا نماز جنازہ نہ پڑھنا جراتھنا کا اس فعل کی مشابہت واضح ہو، اور اسی فرض سے آپ مقروض کا جنازہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ قاتل نفس کے جنازہ میں کسی مقتدائی شخصیت کو شریک نہیں ہونا چاہئے تاکہ کسی وجہ میں اس قبیح فعل پر زجر ہو۔

[۶۸] باب ماجاء فی من یقتل نفسه لم یصل عليه

[۱۰۵۱-] حدثنا یوسف بن عیسیٰ، نا زکیع، نا اسرائیل، وشریک، عن سہاک بن حرب، عن جابر بن سمرة: أن رجلاً قتل نفسه، فلم یصل عليه النبي صلی الله علیه وسلم. قال أبو عیسیٰ: هذا حديث حسن، وقد اختلف أهل العلم فی هذا: فقال بعضهم: یصلی علی کل من صلی إلى القبلة، وعلى قاتل النفس، وهو قول سفیان الثوری، وإسحاق، وقال أحمد: لا یصلی الإمام علی قاتل النفس، ویصلی علیه غیر الإمام.

ترجمہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: ہر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے جو کعبہ کی طرف نہ کر کے نماز پڑھتا ہے (یعنی مسلمان ہے) اور خودکشی کرنے والے کی بھی نماز پڑھی جائے اور یہ سفیان ثوری اور اسحاق کا قول ہے۔ اور امام احمد فرماتے ہیں: امام وقت خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور دوسرے لوگ پڑھیں۔

باب ماجاء فی المذیون

مقروض کی نماز جنازہ

جس کا انتقال ہو جائے اور اس پر قرضہ ہو اور اس نے اتنا ترک نہ چھوڑا ہو جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکے، نہ پسماندگان قرض ادا کرنے کے لئے تیار ہوں تو یہ بری موت ہے، ابتدائے اسلام میں آنحضور ﷺ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے۔ باب میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں جب کسی کا انتقال ہوتا اور اس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ کو آپ کا جنازہ پڑھ لیں، آپ خود اس کی نماز نہیں پڑھتے تھے تاکہ لوگ قرض کرنے سے احتراز کریں، اور آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مومن کا نفس قرض میں پھنسا رہتا ہے تاکہ اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے (یہ حدیث کتاب الجنائز کے آخری باب میں آرہی ہے)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ جس نے اپنے پیچھے اتنا ترک چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہو یا ایسے ورثاء

چھوڑے ہوں جو قرض ادا کرنے پر راضی ہوں، تو وہ حکماً مقروض مرنے والا نہیں، خود نبی ﷺ پر بوقت وفات کچھ قرض تھا، آپؐ نے گھر کی ضروریات کے لئے بیس صاع کو خریدے تھے اور زرہ رہن رکھی تھی، جس کو وفات کے بعد درناؤ نے قرضہ ادا کر کے چھڑایا ہے، اسی طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت زبیر بن العوام بھی بڑا قرضہ چھوڑ گئے تھے جو درناؤ نے ادا کیا تھا۔ بری موت یہ ہے کہ مقروض مرے اور نہ ترکہ میں بھر پائی ہو، نہ درناؤ ہار اٹھانے والے ہوں تو اس کی روح قرضہ میں پھنسی رہتی ہے (العیاذ باللہ!)

حدیث (۱): حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک جنازہ لایا گیا تاکہ اس کی نماز پڑھی جائے، آنحضور ﷺ نے حسب عادت دریافت کیا کہ میت پر کوئی قرضہ تو نہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ مقروض ہے، آپؐ نے پوچھا: کیا اس نے اتنا ترکہ چھوڑا ہے جس سے قرضے کی بھر پائی ہو جائے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا، آپؐ نے فرمایا: آپ لوگ نماز پڑھ لیں میں نماز نہیں پڑھوں گا، کیونکہ یہ مقروض مرا ہے۔ حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا قرضہ میرے ذمہ ہے، آپؐ نے فرمایا: ہالو لواء، واقعی بھروسہ؟ انھوں نے کہا: ہالو لواء، میں ضرور اس کا قرضہ بھروں گا چنانچہ آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی ایسا جنازہ لایا جاتا جس پر قرضہ ہوتا تو آپؐ پوچھتے: کیا اس نے قرضہ کی بھر پائی چھوڑی ہے؟ یعنی اتنا مال چھوڑا ہے جس سے قرض ادا ہو سکے؟ اگر بتایا جاتا کہ اس نے بھر پائی چھوڑی ہے تو آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے، ورنہ مسلمانوں سے فرماتے: آپ لوگ اپنے آدمی کی نماز پڑھ لیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رزق کے دروازے کھول دیئے تو آپؐ نے تقریر فرمائی کہ ”میں مسلمانوں سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہوں یعنی جتنی ان کو اپنی فکر ہے، مجھے ان کی اس سے زیادہ فکر ہے، پس جو مقروض فوت ہوا اس کا قرضہ میرے ذمے ہے اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے درناؤ کے لئے ہے“

تشریح: نبی ﷺ شروع میں مقروض کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے، لیکن جب فتوحات کے نتیجے میں مال کی فراوانی ہوئی اور بیت المال میں مال جمع ہوا تو آپؐ ہر شخص کی نماز جنازہ پڑھانے لگے، اور کسی میت پر قرض ہوتا اور اس کے ترکہ میں بھر پائی نہ ہوتی تو آپؐ بیت المال سے اس کا قرض ادا فرماتے، آپؐ کے اس ارشاد کا کہ نبی مسلمانوں سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہے یہی مطلب ہے، یہاں قرب مکانی مراد نہیں بلکہ نفع رسانی کے اعتبار سے قریب ہونا مراد ہے، جس طرح ہر شخص اپنے نفع و نقصان کو سوچتا ہے نبی اپنی امت کے نفع و نقصان کو اس سے زیادہ سوچتا ہے، اس طرح نبی ہر مسلمان سے اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب ہے۔

[۶۹] باب ما جاء في المديون

[۱۰۵۲] - حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو دارود، نا شعبة، عن عثمان بن عبد الله بن موهب،

قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِرَجُلٍ يُصَلِّي عَلَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ، فَإِنَّ عَلَيْهِ دَيْنًا"، قَالَ أَبُو قَتَادَةَ: هُوَ عَلِيٌّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بِالْوَفَاءِ؟" فَقَالَ: بِالْوَفَاءِ، فَصَلَّى عَلَيْهِ. وَفِي الْبَابِ: عَنْ جَابِرٍ، وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَخْوَعِ، وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ، قَالَ أَبُو عَمِيْرٍ: حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۰۵۳-] حَدَّثَنَا أَبُو الْفَضْلِ مَكْرُومُ بْنُ الْقَبَّاسِ، قَالَ ثَنِي عَبْدِ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ، ثَنِي اللَّيْثِ، ثَنِي عَقِيلٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتِي بِالرَّجُلِ الْمُتَوَلَّى عَلَيْهِ الدِّينَ، فَيَقُولُ: "هَلْ تَرَكَ لِدِينِهِ مِنْ قَضَاءٍ؟" فَإِنْ حَدَّثَ اللَّهَ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى عَلَيْهِ، وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ: "صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ"، فَلَمَّا قَتَعَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْقُتُوحَ قَامَ، فَقَالَ: "أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تَوَلَّى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَتَرَكَ دَيْنًا لِعَلِيٍّ قَضَاءً، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ".

قَالَ أَبُو عَمِيْرٍ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ.

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ

عَذَابُ قَبْرِ كَا بِيَان

عذاب قبر کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔ تواتر کی چار قسمیں ہیں، چوتھی قسم تواتر قدر مشترک ہے، یعنی کوئی حقیقت اتنی مختلف سندوں سے مروی ہو جو موجب طمأنینہ ہو جیسے معجزات کی روایات چار سو صحابہ سے مروی ہیں جو الگ الگ واقعات ہیں مگر ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ دیگر معجزات بھی عنایت فرمائے تھے، یہ بات تواتر قدر مشترک سے ثابت ہے، اسی طرح پیشار روایات میں عذاب قبر کا ذکر آیا ہے، وہ روایات اگرچہ الگ الگ ہیں مگر ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے (تواتر کی چاروں قسموں کی وضاحت کتاب الطہارۃ باب ۱۸ میں گذر چکی ہے) پس جو شخص عذاب قبر کا انکار کرتا ہے وہ بد دین گمراہ ہے۔ سورۃ المؤمن آیت ۴۶ ہے: ﴿الَّذِينَ يَرْمِضُونَ عَلَىٰ خُلُوعِهَا وَعَشِيًّا، وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ، أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ یعنی فی الحال فرعونوں کو صبح و شام پریش کیا جاتا ہے (یہی عذاب قبر ہے) پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کو جہنم میں جمع کرو! (یہ اخروی عذاب ہے)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عذاب القبر حق آدھا مضمون ہے کیونکہ قبر میں عذاب ہی نہیں ہوتا، عذاب تو نافرمانوں

کے لئے ہے اور اطاعت شعاروں کے لئے قبر میں راحتیں ہیں، یہ آدھا مضمون چھوڑ دیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث میں کبھی آدھا مضمون بیان کیا جاتا ہے اور دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی پہلے کئی مثالیں گزر چکی ہیں جو جزء اہم اور مقصود ہوتا ہے اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرا جزء قرینہ پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے، قبر کے معاملات میں چونکہ عذاب کا جزء اہم ہے تاکہ لوگ محتاط زندگی گذاریں اس لئے اس جز کو بیان کیا جاتا ہے اور راحتوں والا جزء چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عالم بہت ہیں ان میں سے ایک عالم ارواح بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت عالم ارواح میں نکالی گئی تھی پھر ان روحوں کو عالم ارواح میں ایک خاص ترتیب کے رکھ دیا گیا ہے۔ بخاری شریف (حدیث ۳۳۳۶) میں ہے: **الارواح جنود مجنونة** یعنی جس طرح فوج کی بٹالین ہوتی ہیں اسی طرح روحوں کو کنگریوں میں بانٹ کر عالم ارواح میں رکھا گیا ہے پھر جب اس عالم میں آنے کا وقت ہوتا ہے تو ماں باپ کے نطفوں سے بچہ دانی میں جسم تیار ہوتا ہے، پھر فرشتہ عالم ارواح سے وہ روح جس کے لئے یہ جسم تیار کیا گیا ہے لا کر اس جسم میں پھونک دیتا ہے اب روح ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتی ہے، لیکن روح پڑنے کے بعد بھی چار مہینے تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے وہاں اس کی پرورش کی جاتی ہے اس کو تیار کیا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا کی آب و ہوا برداشت کر سکے، پھر جب بچہ اس دنیا کی آب و ہوا برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو وہ پیدا (نمودار) ہوتا ہے یعنی مکمل اس دنیا میں آ جاتا ہے اور یہ نیا عالم عالم اجساد ہے۔ اب روحیں جسموں کے اندر آگئیں، اور ان دونوں دنیاؤں کا درمیان یعنی ماں کے پیٹ کی زندگی عالم بزرخ ہے، بزرخ کے معنی ہیں: دو چیزوں کے درمیان کی آڑ، دو روؤں کے درمیان کا باریر۔ ایک دنیا سے کود کر دوسری دنیا میں نہیں جاسکتے، پہلے بزرخ میں منتقل ہونا پڑتا ہے، پھر دوسری دنیا میں آتا ہے۔ پھر ایک وقت کے بعد روح جسم سے نکل کر آگے بڑھ جاتی ہے اور جسم مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ مٹی سے بنا ہے اس طرح کہ ماں باپ کا نطفہ خون سے بنا ہے اور خون غذا سے بنا ہے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، اس طرح ہر انسان کا جسم مٹی سے بنا ہے۔

غرض موت سے روح نہیں مرنی بدن مرتا ہے، روح بدن میں سے نکل کر عالم قبر (عالم بزرخ) میں پہنچ جاتی ہے اسی لئے کہتے ہیں: **انتقال** ہو گیا یعنی دوسری جگہ منتقل ہو گیا، مر گیا (مؤ: گیا) گزر گیا یعنی آگے بڑھ گیا، دنیا کی ہر زبان میں موت کے لئے جو الفاظ ہیں وہ اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ غرض ہر انسان مرنے کے بعد عالم قبر میں پہنچ جاتا ہے خواہ وہ دنیا یا جائے، جلایا جائے یا اس کو کوئی درندہ کھا جائے، قبر مٹی کے گھرے کا نام نہیں ہے، وہ ایک مستقل دنیا ہے اور ہماری اس دنیا کا ضمیر ہے، آخرت کا حصہ نہیں، جیسے ماں کے پیٹ کی زندگی ہماری اس دنیا کی ابتداء ہے اسی طرح عالم قبر ہماری اس دنیا کا تتمہ ہے، آخرت کا حصہ نہیں، یعنی مرنے کے بعد بھی لوگ اسی دنیا میں رہتے ہیں،

آخرت میں نہیں پہنچ جاتے، پھر جب عالم ارواح خالی ہو جائے گا، سب لوگ اس عالم اجساد میں منتقل ہو جائیں گے تو صور پھونکا جائے گا اور سب مرجائیں گے اور تمام روہیں برزخ میں پہنچ جائیں گی تو اللہ تعالیٰ ایک بارش برسائیں گے اس بارش کی وجہ سے تمام مخلوقات: انسان اور غیر انسان جو مر کر مٹی ہو گئے ہیں از سر نو ان کے اجسام زمین سے اگیں گے، جب اجسام تیار ہو جائیں گے تو دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور تمام روہیں عالم برزخ سے واپس آ کر اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی، اسی کا نام نفاثۃ ثانیہ (مرنے کے بعد کی زندگی) ہے، یہ سب کچھ اس دنیا کے الیوم الآخر میں ہوگا۔ سورۃ المعارج آیت ۴ میں ہے کہ وہ آخری دن پچاس ہزار سال کا ہے، اس میں جزا و سزا کے فیصلے ہونگے، پھر لوگوں کو آخرت میں منتقل کیا جائے گا، جہنم کی پشت پر پل بچھایا جائے گا، لوگ اس پر سے گذر کر آخرت میں پہنچیں گے، جہنمی جہنم میں گر جائیں گے اور حق تعالیٰ آگے بڑھ جائیں گے اور آخرت کی یہ دونوں زندگیاں ابدی ہیں، وہاں موت نہیں۔ غرض اس دنیا سے دوسری دنیا میں کود کر نہیں جایا جاسکتا اور جس طرح عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان میں بھی برزخ ہے، اور عالم ارواح اور اس دنیا کے درمیان جو برزخ ہے وہ اسی دنیا کا حصہ ہے اس لئے یہاں کے اثرات جہنم پر پڑتے ہیں، ماں جو کھاتی ہے، جیتی ہے، پہنتی ہے یا سو جیتی ہے بچہ پر اس کے اچھے برے اثرات پڑتے ہیں، اسی طرح عالم قبر میں بھی اس دنیا کے اثرات پہنچتے ہیں، کیونکہ عالم برزخ اس دنیا کا ضمیر ہے اور وہاں آخرت کے احوال بھی جھلکتے ہیں۔ شاہ صاحب قدس سرہ جتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: آخرت اور قبر کے درمیان ایک باریک پردہ ہے چنانچہ آخرت کے احوال قبر میں جھلکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ نیک بندے کی قبر میں جنت کی طرف ایک کھڑی کھولی جاتی ہے اور برے آدمی کی قبر میں جہنم کی طرف، یہی آخرت کے احکام کا جھلکنا ہے اور یہی قبر کا عذاب اور قبر کی راتیں ہیں (اور دنیا و آخرت کے درمیان دو چیز پردہ ہے، اس لئے عالم آخرت کے احوال یہاں محسوس نہیں ہوتے، البتہ پہنچنے ضرور ہیں۔ حدیث میں ہے کہ گری کی شدت جہنم کے اثرات کے پھیلنے کا نتیجہ ہے)

غرض جو روہیں عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہیں وہاں ان کو آخرت کے لئے تیار کیا جاتا ہے، آخرت میں ہر انسان کا جسم ساٹھ ہاتھ کا ہوگا پس اسی اعتبار سے چوڑا بھی ہوگا اور اس وقت ہماری روح اتنی نحیف ہے کہ اگر آدمی ڈیڑھ سو کلو کا ہو جائے تو روح اس کو ذیل نہیں کر سکتی، پس آدمی پڑا ہی رہے گا، پھر آخرت میں اتنے لمبے چوڑے اور موٹے بدن کو کس طرح ذیل کرے گی؟ اسی کے لئے اس کو برزخ میں تیار کیا جاتا ہے تاکہ وہ آخرت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکے اور وہاں کے عذاب کو سہار سکے۔ اور قیامت کے دن جو نیا بدن بنے گا وہ اسی جسم کے اجزاء سے بنے گا، کوئی نیا جزا اس میں شامل نہیں ہوگا، غرض برزخ کی زندگی ایک خاص مقصد سے تجویز کی گئی ہے۔

اور اہل السنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ عذاب قبر روح اور جسم کے مجموعہ کو ہوتا ہے، حدیث شریف میں اس کی یہ

تعبیر آئی ہے کہ نیک بندے کی قبر چوڑی اور منور کر دی جاتی ہے اور برے شخص کی قبر تنگ کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، معلوم ہوا کہ جسم کے اجزاء بھی عذاب و نعمت میں شریک ہوتے ہیں اور یہ اہل السنۃ والجماعہ کا متفقہ عقیدہ ہے، پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے وہ گمراہ ہیں۔

اور اس بات کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی روح کا جسم کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے، البتہ وہ وہی (حکمی) تعلق ہوتا ہے، اس وہی تعلق کو ٹیلیفون کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ فون اگر P.C.O ہے تو اس کا تعلق بستی کے ہر فون سے ہوتا ہے۔ S.T.D ہے تو اس کا تعلق ملک کے ہر فون سے ہوتا ہے، اور I.S.D ہے تو اس کا تعلق پوری دنیا کے فونوں سے ہوتا ہے، یہ تعلق وہی ہے اور شہر کے مرکز مواصلات سے فون کا تعلق تحقیقی ہے، پھر اس کے توسط سے دیگر فونوں کے ساتھ تحقیقی تعلق قائم ہوتا ہے، جب آپ کوئی نمبر ڈائل کرتے ہیں تو اگر آپ کے فون کا سامنے والے فون سے حکمی تعلق ہے تو تحقیقی تعلق قائم ہو جاتا ہے اور کھنٹی بجنے لگتی ہے، ورنہ جواب ملتا ہے: ”آپ کے فون پر یہ سہولت مہیا نہیں“ اب آپ اس مثال سے یہ مضمون سمجھنے کے کل قیامت کو جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور تمام روحیں اس دنیا میں واپس آئیں گی تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہوگی، کوئی روح دوسرے جسم میں داخل نہیں ہوگی، یہ ارواح کا اجسام سے تحقیقی تعلق ہوا اور تحقیقی تعلق فرع ہے حکمی تعلق کی، پس ماننا پڑے گا کہ برزخ کی زندگی میں روح کا جسم کے اجزاء کے ساتھ حکمی تعلق باقی تھا، اگر حکمی (وہی) تعلق نہیں مائیں گے تو سوال پیدا ہوگا کہ ارواح اپنے اجسام کو کس طرح پہچانیں گی؟ اور وہ اپنے ہی اجسام میں کس بنیاد پر داخل ہوگی؟ اس طرح جسم کے اجزاء بھی جزاؤں سزا میں روح کے ساتھ کسی درجہ میں شریک ہوتے ہیں۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے — یا فرمایا — جب تم میں سے کوئی قبر میں اتارا جاتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو کالے، کبود چٹم (نیلگوں آنکھوں والے) ہوتے ہیں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں: تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے (نبی ﷺ کی زیارت کراتے ہیں اور پوچھتے ہیں) پس میت وہی بات کہتی ہے جو دنیا میں کہتی تھی۔ کہتی ہے: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پس فرشتے کہتے ہیں: ہم جانتے تھے کہ آپ ٹھیک جواب دیں گے (مگر ضابطہ کی کاروائی ضروری تھی) پھر اس کی قبر ستر در ستر ہاتھ چوڑی کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر میں روشنی کر دی جاتی ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے: سو جا! وہ کہتا ہے: میں اپنے گمراہوں کے پاس جانا چاہتا ہوں اور ان کو (مجھے انجام کی) خوش خبری سنانا چاہتا ہوں، فرشتے کہتے ہیں: اب جانے کا موقع نہیں، اب سو جا اس دہن کی طرح جس کو نہیں بیدار کرتا مگر اس کے خاندان کا محبوب ترین شخص یعنی دولہا۔ اسی طرح قیامت کے انتظار میں مومن سوائے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ ہی اس

خوابگاہ سے جگائیں گے۔ پھر اس کو اس کے ٹھکانے (جنت) میں پہنچائیں گے۔ اور اگر میت منافق ہوتی ہے تو وہ (فرشتوں کے جواب میں) کہتی ہے: میں نے لوگوں سے کچھ سنا تھا وہ میں بھی کہتا تھا مگر مجھے کچھ پتہ نہیں (کہ یہ صاحب کون ہیں؟) فرشتے کہتے ہیں: ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا، پس زمین سے کہا جائے گا کہ اس پر مل جا، پس وہ تنگ ہو جائے گی اور اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جائیں گی، پس وہ برابر قبر میں عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے اس ٹھکانہ سے اٹھائیں گے۔

تشریح

۱- قبر میں کافر سے سوال ہوگا یا نہیں؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ قبر میں کافر سے سوال نہیں ہوگا، مرتے ہی اس پر عذاب شروع ہو جائے گا، کیونکہ حدیثوں میں لفظ منافق آیا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ کافر سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: اللہ نے انبیاء کے ذریعہ جو دین بھیجا ہے اگلی دنیا میں پہنچنے پر داخلہ امتحان ہوگا کہ آدمی اس دین کو لے کر آیا ہے یا تمنا دست آیا ہے، پس ہر شخص سے سوال ہوگا۔

۲- قبر میں نبی ﷺ کی زیارت کرا کر پوچھا جائے گا کہ ان کے بارے میں حیرا کیا عقیدہ ہے؟ یہاں یہ سوال نہیں ہونا چاہئے کہ بیک وقت ہزاروں آدمی مرتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ کو کہاں کہاں لے جائیں گے؟ اس لئے کہ اگلی دنیا میں آڑ اور پہاڑ نہیں ہیں اور فاصلے بھی نہیں ہیں، پس ہر شخص اپنی جگہ سے آنحضور ﷺ کی زیارت کرے گا۔

۳- منکر کے معنی ہیں: انجنا، اور نکیر: فعل کا وزن ہے وہ بھی منکر اسم مفعول کے معنی میں ہے اور منکر: وہ چیز ہے جسے دیکھ کر آدمی پریشان ہو جائے کہ کیا آفت آئی؟ اور یہ بھی آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نیک بندے کے پاس مہشور اور منہشور (خوش خبری دینے والے) آئیں گے اور وہ نہایت خوبصورت ہونگے، ان کی ہیئت نہایت شاندار ہوگی۔ کالے، نیلگوں آنکھوں والے فرشتے صرف برے آدمی کے پاس آئیں گے۔

۴- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے: زوری کو دجتم تھے اور وہ عربوں کے دشمن تھے اس لئے عربوں کو یہ رنگ نہایت ناپسند تھا اس لئے کہ یہ ان کے دشمنوں کی آنکھوں کا رنگ تھا اس اعتبار سے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے تو جنت میں جو اس کا ٹھکانہ ہے وہ پیش کیا جاتا ہے اور اگر جہنمیوں میں سے ہے تو جہنم میں جو اس کا ٹھکانہ ہے وہ پیش کیا جاتا ہے، پھر کہا جاتا ہے: یہ حیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھائیں۔

تشریح: قبر میں راحت اور عذاب کی بے شمار شکلیں ہیں، ان میں سے ایک شکل یہ بھی ہے کہ ہر شخص کو جنت یا جہنم میں جو اس کا ٹھکانہ ہے وہ دکھادیا جاتا ہے۔

[۷۰] باب ماجاء فی عذاب القبر

[۱۰۵۴] حدثنا أبو سلمة يحيى بن خلف البصري، نا بشر بن المفضل، عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَوْزَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: الْمُنْكَرُ وَالْآخِرُ: النَّكِيرُ، فَيَقُولَانِ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا، ثُمَّ يَفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ، ثُمَّ يَتَوَرَّكُ فِيهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ، فَيَقُولُ: أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي فَأَخْبِرْهُمْ، فَيَقُولَانِ: نَمْ كَتُمَا الْعُرُوسَ الَّتِي لَا يُؤْفِقُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ مِنْ مَضْجِعِهِ ذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ، لَا أَذْرِي فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذَلِكَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ: التَّيْمِي عَلَيْهِ، فَتَلْتِمِ عَلَيْهِ، فَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهُ، فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ مِنْ مَضْجِعِهِ ذَلِكَ.

وفی الباب: عن علی، وزید بن ثابت، وابن عباس، والبراء بن عازب، وأبی أيوب، وأنس، وجابر، وعائشة، وأبی سعید: كلهم رَوَوْا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ.

قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن غريب.

[۱۰۵۵] حدثنا هناد، نا عبدة، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ، فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ: فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ: فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ يُقَالُ: هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ." قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح.

باب ماجاء فی أجر من عَزَى مُصَابًا

مصیبت زدہ کو تسلی دینے کا ثواب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی مصیبت زدہ کو تسلی دے اس کے لئے اس مصیبت زدہ کے

ثواب کے مانند ہے۔

تشریح: مصیبت عام ہے خواہ کسی کے مرنے کی مصیبت ہو یا کوئی مالی یا غیر مالی آفت ٹوٹ پڑی ہو، اسی طرح تسلی دنیا بھی عام ہے خواہ مصیبت زدہ کے پاس جا کر تسلی دے یا خط وغیرہ کے ذریعہ تسلی دے ہر صورت میں تسلی دینے والے کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا مصیبت زدہ کو صبر کرنے پر ملتا ہے (مگر دونوں کے اجر میں برابری ضروری نہیں) اور اس کی تین وجوہ ہیں:

اول: تسلی دینے والا مصیبت زدہ کے صبر کا باعث بنتا ہے یعنی اس کے تسلی دینے سے مصیبت زدہ کو صبر آ جاتا ہے، اور حدیث میں ہے: الدال علی الصبر کفاحلہ یعنی جو صبر کا راستہ بتائے اس کو بھی صبر پر عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے (مجمع الزوائد: ۱۶۶)

دوم: جو مصیبت زدہ کے پاس حاضر ہوتا ہے وہ بھی مصیبت زدہ کی طرح بے قرار ہوتا ہے اور وہ بھی صبر کرتا ہے، پس ہر ایک کو اس کے صبر کا اجر ملتا ہے۔

سوم: جس کا کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے، اس کی صورت، اور اس کو تسلی دینے کی صورت ایک جیسی ہوتی ہے کیونکہ تسلی دینے والا اس صدمہ کو اپنا صدمہ تصور کرتا ہے اور عالم مثال (آخرت) کا مدار ممانعت پر ہے یعنی عمل کی جزا عمل کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے جو ثواب میت کے پسماندگان کو ملتا ہے وہی ثواب تسلی دینے والے کو بھی ملتا ہے دونوں کا عمل ایک جیسا ہے اس لئے دونوں کی جزا بھی ایک جیسی ہے۔

[۷۱] باب ماجاء فی اجر من عزی مضافاً

[۱۰۵۶] - حدثنا یوسف بن عیسیٰ، نا علی بن عاصم، نا واللہ محمد بن سؤفہ، عن إبراہیم، عن الأسود، عن عبد اللہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: "مَنْ عَزَى مُضَافًا فَلَهُ مَقْلٌ أَجْرُهُ" قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث غریب، لا نعرفہ موقوفًا إلا من حدیث علی بن عاصم، وزَوَّی بعضهم عن محمد بن سؤفہ بهذا الإسناد موقوفًا، ولم یوقفه، وقال: أَكْثَرُ مَا أَهْلَى بِهِ عَلِيُّ بْنُ عَاصِمٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، فَقَمُوا عَلَيْهِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث کو تنہا علی بن عاصم نے مرفوع کیا ہے اور محمد بن سؤفہ کے دوسرے تلامذہ حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ علی کی فطی ہے، اسی وجہ سے ائمہ جرح و تعدیل نے اس راوی کی تضعیف کی ہے، ائمہ روایت پر جرح و تعدیل ان کی مرویات کو دیکھ کر کرتے ہیں۔

ترجمہ: زیادہ تر وہ اعتراضات جس کے ساتھ علی جملائے گئے ہیں اس حدیث کی وجہ سے ہیں، اعتراضات کے

ہیں انھوں نے (یعنی اگر جرح و تعدیل نے) اس راوی پر۔

باب ماجاء فی من یموت یوم الجمعة

جمعہ کے دن موت کی فضیلت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بھی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبر کی آزمائش سے محفوظ رکھتے ہیں“

تشریح: العرف الشہدی میں ہے کہ جمعہ کے دن مرنے کی فضیلت کے سلسلہ میں چھٹی روایات ہیں سب ضعیف ہیں اور قبر کے فتنہ سے مراد: سوال و جواب کے وقت پیش آنے والی خوفناک صورت حال ہے۔

[۷۲] باب ماجاء فی من یموت یوم الجمعة

[۱۰۵۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، وَأَبُو غَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، قَالَا: نا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عن سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ سَيْفٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَمِّنٌ مُسْلِمٌ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ“
قال أبو عيسى: هذا حديث غريب، وليس إسناده بمُتَّصِلٍ، وَرَبِيعَةُ بْنُ سَيْفٍ: إِنَّمَا يَرْوِي عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَلَا نَعْرِفُ لِرَبِيعَةَ بْنِ سَيْفٍ سَمَاعًا مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.

وضاحت: اس سند میں انقطاع ہے اس لئے کہ ربیعہ کا عبد اللہ بن عمرو سے سماع نہیں۔

باب ماجاء فی تعجیل الجنائز

جلدی دفن کرنے کا بیان

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے علی! تین کاموں میں تاخیر نہ کرو، ایک: جب نماز کا وقت ہو جائے، پس اسے پڑھ لو (آنت کو حالت اور آنت بھی پڑھا گیا ہے اور سب کا مطلب ایک ہے) دوسرا: جب جنازہ حاضر ہو جائے یعنی کسی کا انتقال ہو جائے تو جلد اس کی تجہیز و تکفین کر دی جائے، تیسرا: جس لڑکی کا شوہر نہ ہو خواہ کنواری ہو یا بیوہ (ادورہ شادی کے لائق ہو) اور اس کا جوڑا یعنی مناسب رشتہ مل جائے تو اس کا جلد نکاح کر دو۔

وضاحت: یہ حدیث کتاب الصلوة باب ۱۴ میں گزر چکی ہے، وہاں امام ترمذی نے حدیث پر کوئی جرح نہیں کی اور یہاں جرح کی ہے، فرماتے ہیں: میرے گمان میں اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عمر کا اپنے والد حضرت علی سے سماع نہیں، ان کے بچپن میں حضرت علی شہید کر دیئے گئے تھے۔

[۷۳] باب ما جاء في تعجيل الجنابة

[۱۰۵۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْجُهَنِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: "يَا عَلِيُّ! ثَلَاثٌ لَا تُؤَخَّرُهَا: الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ، وَالْجَنَابَةُ إِذَا حَضَرَتْ، وَالْأَيْمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْرًا" قَالَ أَبُو عَمِيٍّ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَمَا أَرَى إِسْنَادَهُ بِمُتَّصِلٍ.

باب آخر في فضل التعزية

تسلی دینے کے ثواب کی ایک اور روایت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے بچہ گم کرنے والی عورت (یعنی وہ عورت جس کا بچہ مر گیا ہے) کی تعزیت کی اس کو جنت میں ایک چادر اوڑھائی جائے گی"

تشریح: باب ۱۷ میں لفظ مضافاً عام تھا، یہاں لفظ فکلی خاص ہے، دونوں بابوں میں کچھ فرق ہے۔ اور چادر اوڑھانے کا رواج پہلے تھا جب کوئی بڑا آدمی آتا تھا تو اس کو چادر اوڑھاتے تھے یہ بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا، اسی طرح شادیوں میں بھی قریبی رشتہ داروں کو چادر اوڑھاتے تھے۔ پس جس عورت کا بچہ مر گیا، اور اس کو کسی نے تسلی دی تو آخرت میں اس کا اعزاز کیا جائے گا اور جنت میں اس کو چادر اوڑھائی جائے گی۔

نوٹ: اس حدیث کی سند میں ام الاسود اور ثقیف دونوں مجہول ہیں اور مؤدب کے معنی ہیں: کتب کا استاذ یا کسی بڑے آدمی کے لڑکے کو پڑھانے والا۔

[۷۴] باب آخر في فضل التعزية

[۱۰۵۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْمُؤَدَّبُ، نَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا أُمُّ الْأَسْوَدِ، عَنْ عُمَيَّةِ ابْنَةِ عُمَيْرِ بْنِ أَبِي بَرْزَةَ، عَنْ جَدِّهَا أَبِي بَرْزَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ هَوَّى فُكْلِي كُنِيَ بَرْزًا فِي الْجَنَّةِ"

قَالَ أَبُو عَمِيٍّ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِي

باب ماجاء فی رفع یدین علی الجنائز

نماز جنازہ میں رفع یدین کا بیان

مذاہب فقہاء: جو دو امام (امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ) نماز میں رفع یدین کے قائل نہیں، وہ نماز جنازہ میں بھی رفع کے قائل نہیں، ان کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ میں رفع ہے، باقی تکبیروں کے ساتھ رفع نہیں ہے۔ اور جو دو امام (امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ) نماز میں رفع یدین کو سنت کہتے ہیں ان کے نزدیک نماز جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین سنت ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں، اور پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا یعنی ہاتھ باندھ لئے۔

تشریح: یہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے، اگرچہ غریب ہے اور مسئلہ باب میں تنہا یہی حدیث ہے اور یہ بڑے دو اماموں کی دلیل ہے، چوتھے دو اماموں کی کوئی دلیل نہیں وہ نماز جنازہ کے رفع کو عام نمازوں کے رفع پر قیاس کرتے ہیں۔ یہاں سے نماز میں رفع یدین کے شروع نہ ہونے پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اگر نماز میں رفع یدین مشروع ہوتا تو نماز جنازہ میں بھی ہر تکبیر کے ساتھ رفع ہوتا، جبکہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے، باقی تکبیروں میں ہاتھ نہیں اٹھائے۔ معلوم ہوا کہ نماز میں بھی تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیروں میں رفع یدین نہیں ہے اور جو رفع کی روایات ہیں وہ منسوخ ہیں، اور یہ استدلال باقی ہے یعنی معطل سے علت پر استدلال ہے۔

فائدہ: نماز جنازہ میں ہاتھوں کو کب کھولنا ہے؟ اس سلسلہ میں کوئی نص موجود نہیں، اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون ہے اس میں ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے اور جس قیام میں ذکر مسنون نہیں اس میں ہاتھ کھول دینا اولیٰ ہے، جیسے نماز میں حالت قیام میں ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے کیونکہ قیام میں قراءت ہے اور قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا اولیٰ ہے کیونکہ قومہ میں کوئی ذکر مسنون نہیں، اور تسبیح رکوع سے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور تکبیر سجدہ میں جانے کا ذکر ہے، قومہ کا کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دینے چاہئیں کیونکہ اب قیام کا کوئی ذکر نہیں، اور سلام نماز سے نکلنے کا ذکر ہے۔ قیام کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن لوگوں میں عام رواج یہ ہے کہ سلام پھیرنے تک ہاتھ باندھے رہتے ہیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں، یہ سابقہ حالت کو باقی رکھنا ہے۔

[۷۵] باب ماجاء فی رفع یدین علی الجنائز

[۱۰۶۰] - حدثنا القاسم بن دینار النخعی، نا إسماعیل بن أبان الزرق، عن یحییٰ بن یعلیٰ

الْمُسْلِمِ، عَنْ أَبِي قُرَّةَ بْنِ سَنَانٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أَنَسَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثُرَ عَلَى جَنَازَةٍ، فَوَقَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، وَوَضَعَ الْيَمْنَى عَلَى الْيُسْرَى.

قال أبو عيسى: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه. واختلف أهل العلم في هذا: فرأى أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم أن يرفع الرجل يديه في كل تكبيرة على الجنازة، وهو قول ابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحاق.

وقال بعض أهل العلم: لا يرفع يديه إلا في أول مرة، وهو قول الثوري وأهل الكوفة. وذكر عن ابن المبارك أنه قال في الصلاة على الجنازة: لا يقبض يمينه على شماله، ورأى بعض أهل العلم أن يقبض يمينه على شماله، كما يفعل في الصلاة، قال أبو عيسى: يقبض أحب إلى.

ترجمہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، صحابہ وغیرہ میں سے اکثر علماء کہتے ہیں کہ آدمی جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو اٹھائے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: ہاتھوں کو نہ اٹھائے مگر پہلی تکبیر میں، اور ابن المبارک سے مروی ہے: انہوں نے فرمایا: نماز جنازہ میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو نہ پکڑے (یعنی ہاتھ نہ باندھے) اور بعض اہل علم کہتے ہیں: دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑے جیسا کہ نماز میں کرتا ہے۔ امام سترمذی کہتے ہیں: ہاتھ باندھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ نَفْسَ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ

مؤمن کی روح قرضے میں پھنسی رہتی ہے تا آنکہ قرضہ ادا کر دیا جائے

مؤمن کی روح جب تک قرض ادا نہ کر دیا جائے قرض میں پھنسی رہتی ہے، کیسے پھنسی رہتی ہے؟ ایک واقعہ سنو دہلی میں ایک لالہ جی تھے، میں ان سے کاغذ خریدتا تھا، ایک مرتبہ میں کاغذ خریدنے گیا تو لالہ جی نے مجھ سے کہا: مجھے ایک سنہنا (خواب) آیا ہے میں جانا چاہتا ہوں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ میں جامع مسجد کی طرف گیا، دیکھا کہ سامنے ایک بہت بڑا فنکشن ہو رہا ہے اور بہت شاعر پڑھ رہے ہیں اس کے قریب گیا تو دیوبند کے ایک حافظ صاحب — جن کا انتقال ہو چکا ہے — دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے، وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگے: لالہ جی! لالہ جی! میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں، پھر میری آنکھ کھل گئی۔ لالہ جی یہ سمجھے تھے کہ ان کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ مردہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا: حافظ صاحب کے ساتھ آپ کا کچھ لین دین تھا؟ انہوں نے کہا: وہ قرآن چھاپتے تھے اور میرے یہاں سے کاغذ خریدتے تھے، میں نے پوچھا: کیا ان پر آپ کا کچھ بٹایا ہے؟

انہوں نے کہا: ہاں میرے ۱۲۸ روپے باقی ہیں ان کے انتقال کے بعد میں دیو بند گیا اور وراثت سے مطالبہ کیا مگر کسی نے وہ قرضہ نہیں دیا۔ میں نے کہا: لالہ جی! کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ وہ قرضہ مجھ سے لے لیں؟ کہنے لگے: کیوں؟ میں نے کہا: وہ آپ کے قرضہ میں پھنسے ہوئے ہیں، اور فنکشن میں شریک نہیں ہو رہے، آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں، وہ کہنے لگا: میں بھگوان کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے وہ قرضہ معاف کیا، آپ اس واقعہ سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ مؤمن کی روح قرضے میں کیسے پھنسی رہتی ہے؟

[۷۶] باب ماجاء أن نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه

[۱۰۶۱] - حدثنا محمود بن غيلان، لا أبو أسامة، عن زكريا بن أبي زائدة، عن سعد بن إبراهيم، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه"

[۱۰۶۲] - حدثنا محمد بن بشر، لا عبد الرحمن بن مهدي، لا إبراهيم بن سعد، عن أبيه، عن عمر بن أبي سلمة، عن أبيه، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه"

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن، وهو أصح من الأول.

[آخر کتاب الجنائز]

وضاحت: پہلی سند میں سعد بن ابراہیم براہ راست ابوسلمہ سے روایت کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں اور دوسری سند میں سعد بن ابراہیم ابوسلمہ سے روایت کرتے ہیں جو حضرت ابوسلمہ کے بیٹے ہیں، یہ واسطہ والی سند اصح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ اپنے مزاج کے مطابق کیا ہے ورنہ اس کو اصح کہنے کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ عمر صدوق ہیں مگر ان سے چوک ہو جاتی ہے اس لئے یہ حدیث صرف حسن ہے۔

الحمد لله! کتاب الجنائز کی تقریری کی ترتیب پوری ہوئی



أَبْوَابُ النِّكَاحِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّزْوِيجِ وَالْحَكِّ عَلَيْهِ

نکاح کی فضیلت اور اس کی ترغیب

ہمارے نسخوں میں عام عنوان کے بعد کوئی خاص باب نہیں ہے اور مصری نسخہ میں مذکورہ باب بھی ہے اور وہی نسخہ صحیح ہے، یہاں باب ہونا چاہئے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی عادت یہ ہے کہ وہ عام عنوان کے بعد خاص باب قائم کرتے ہیں۔ حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار باتیں بڑے نبیوں کی سنتیں ہیں: شرم یعنی لحاظ کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا“

تشریح: جب یہ چار چیزیں بڑے نبیوں کی سنتیں ہیں تو چھوٹے انبیاء بدرجہ اولیٰ ان پر عمل پیرا ہونگے، پس یہ چار چیزیں تمام نبیوں کی سنتیں ہیں:

۱- شرم: یعنی لحاظ کرنا، اس کا مقابل بے شرمی یعنی بد لعاظی ہے۔ اور حیاء محمود بھی ہوتی ہے اور مذموم بھی، جہاں شرم نہ کرنے کا حکم ہے وہاں شرم کرنا مذموم ہے، مثلاً کوئی شرم کا مسئلہ درپیش ہو اس کو پوچھنا ضروری ہے تاکہ اس پر عمل کر سکے اگر پوچھنے میں شرم کی تو یہ حیاء مذموم ہے، قرآن مجید میں ہے: ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (انہیں گمراہ کر دے گا) یعنی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں شرماتے اس سے کہ بیان کریں کوئی بھی مثال خواہ چمچری ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو۔ حضرت ام سلیمؓ نے آنحضور ﷺ سے ایک شرم کا مسئلہ پوچھا تو یہی تمہید قائم کی تھی، اور جہاں شرم کرنے کا حکم ہے یا منع نہیں کیا گیا وہاں شرم کرنا محمود ہے۔

۲- خوشبو لگانا: بھی انبیاء کی سنت ہے چنانچہ مسلمانوں میں خوشبو لگانے کا خوب رواج ہے، دیگر اقوام میں اس کا رواج نہیں، اور یہود و نصاریٰ جو پر لیوم استعمال کرتے ہیں وہ پتلون کی بدبود بانی کے لئے استعمال کرتے ہیں، وہ لوگ بڑا استغناء ٹوئٹ پیپر سے کرتے ہیں پانی مطلق استعمال نہیں کرتے اس لئے ان کی پتلونوں میں بدبو رہتی ہے، چنانچہ وہ پر لیوم استعمال کرتے ہیں اور ہنود پانی سے استنجاء کرتے ہیں اس لئے وہ پر لیوم استعمال نہیں کرتے، البتہ بعض ہنود نے جو ماڈرن ہیں پر لیوم استعمال کرنا شروع کر دیا ہے مگر مطلق استعمال نہیں کرتے۔

۳- مسواک: بھی امور فطرت میں سے ہے اس لئے سبھی لوگ منہ صاف کرتے ہیں اور جو بعض مسلمان اس میں کوتاہی کرتے ہیں وہ ٹھیک نہیں کرتے۔ مسواک صرف امور فطرت میں سے نہیں ہے بلکہ بڑے نبیوں کی سنت بھی ہے۔ پس مسلمانوں کو تو خوب اہتمام سے مسواک کرنی چاہئے۔

۴- نکاح: سے انسانی ضرورت پوری ہوتی ہے اس لئے سبھی انسان نکاح کرتے ہیں، اور مسلمانوں میں نکاح کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے کیونکہ نکاح صرف انسانی ضرورت کی تکمیل نہیں ہے بلکہ بڑے نبیوں کی سنت بھی ہے۔

حدیث (۲): ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی جبکہ ہم لو جوان تھے اور کسی چیز پر قادر نہیں تھے، یعنی خالی ہاتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے، پس نبی ﷺ نے نو جوانوں سے خطاب فرمایا کہ اے جو انوا! گھر سامنے کو لازم پکڑو۔ یعنی جو گھر سامنے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے (الباءة والبنوة والعماءة کے معنی ہیں منزل، پس علیکم بالباءة کے معنی ہیں: گھر ساؤ، اور ایک دوسرا لفظ ہے: الباء والباءة اس کے معنی ہیں: نکاح اور جماع کی قدرت، یہی لفظ قوت باہ کے لئے مستعمل ہے، حدیث میں یہ لفظ نہیں ہے، کیونکہ نامرد کو روزوں کی کچھ حاجت نہیں) اس لئے کہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ پست کرنے والا اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے، اور جو گھر سامنے کی یعنی نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزوں کو لازم پکڑے اس لئے کہ روزہ اس کے لئے آئینگی ہے (وجأف) (وجاء الفحل: آئندہ کرنا یعنی نر کے خصبوں کو جمعیتا جس سے وہ خصبی جیسا ہو جائے، اور غصاء (غ) غصاء کے معنی ہیں: فوطے نکال دینا، روزوں سے شہوت ٹوٹتی ہے قوت مردی ختم نہیں ہوتی اس لئے اس کے لئے وجاء استعمال کیا گیا ہے)

تشریح: جب جسم میں منی کی تولید زیادہ ہوتی ہے تو اس کے ابخرے دماغ کی طرف صعود کرتے ہیں، پس وہ خوبصورت عورت کو دیکھنے کی رغبت پیدا کرتے ہیں اور دل اس کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے اور مادہ کا ایک حصہ شرم گاہ کی طرف اترتا ہے تو نفس میں شہوت پیدا ہوتی ہے اور جنسی خواہش بھڑکتی ہے اور اکثر ایسا عالم جوانی میں ہوتا ہے اور یہ نفس کا ایک بڑا حجاب ہے جو اس کو نیکو کاری میں اضمحاک سے روکتا ہے اور اس کو بدکاری پر ابھارتا ہے اور اس کے اخلاق کو بگاڑ دیتا ہے اور باہمی معاملات کی خرابی کے تصور میں پہنچا دیتا ہے، پس اس حجاب کو دور کرنا ضروری ہے، پس جو شخص ہم بستر کی طاقت رکھتا ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے بایں طور کہ اس کو۔۔۔ مثال کے طور پر۔۔۔ ایسی عورت میسر ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے تقاضے کے مطابق ہے اور وہ اس کے نان و نفقہ پر قادر ہے تو اس کے لئے اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ وہ نکاح کر لے، اس سے نگاہ بہت زیادہ پست ہو جاتی ہے اور شرم گاہ کی خوب حفاظت ہو جاتی ہے کیونکہ نکاح سے استفراغ مادہ خوب ہو جاتا ہے۔

اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا وہ مسلسل روزے رکھے متواتر روزوں میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے نفس کی

تیزی ٹوٹی ہے اور جوانی کا جوش ٹھنڈا پڑتا ہے کیونکہ روزوں سے مادہ کی فروانی کم ہوتی ہے، پس وہ برے اخلاق جو خون کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں بدل جاتے ہیں۔

طوطہ: روزے کم سحری اور کم افطاری کے ساتھ رکھے جائیں اور مسلسل رکھے جائیں، چند روزوں سے فائدہ نہیں ہوگا، البتہ روزے زہریلی دوا کی طرح ہیں پس بے حد نہ رکھے جائیں، زیادہ سے زیادہ دو ماہ تک رکھے جائیں، پھر بند کر دیئے جائیں، ضرورت ہو تو کچھ وقفہ کے بعد پھر شروع کر دیئے جائیں۔

أبواب النکاح

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱] [باب ما جاء في فضل التزويج والحث عليه]

[۱۰۶۳-] حدثنا سفيان بن وكيع، نا حفص بن غياث، عن الخفاف، عن مكيول، عن أبي الشمال، عن أبي أيوب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أزيج من سنن المؤمنين: النماء والتطهر والسواك والنكاح"

وفي الباب: عن عثمان، وقويان، وابن مسعود، وعائشة، وعبد الله بن عمرو، وجابر، وعكاف، حديث أبي أيوب حديث حسن غريب.

حدثنا محمود بن خالد، نا عباد بن القوام، عن الخفاف، عن مكيول، عن أبي الشمال، عن أبي أيوب، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو حديث حفص.

وروى هذا الحديث هشيم، ومحمد بن يزيد الواسطي، وأبو معاوية، وغير واحد عن الخفاف، عن مكيول، عن أبي أيوب، ولم يذكروا فيه عن أبي الشمال، وحديث حفص بن غياث وعباد بن القوام أصح.

[۱۰۶۴-] حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو أحمد، نا سفيان، عن الأعمش، عن عمارة بن حمير،

عن عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله بن مسعود قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن شباب، لا نقبل على شيء، فقال: "يا معشر الشباب! عليكم بالنساء، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، فمن لم يستطع منكم الناء فعليه بالصوم، فإن الصوم له وجاء"

هذا حديث حسن صحيح.

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ لُمَيْرٍ، نَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عُمَارَةَ نَخْوَةَ. وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ هَذَا، وَرَوَى أَبُو مُعَاوِيَةَ وَالْمُعَارِبِيُّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَخْوَةَ.

وضاحت: پہلی حدیث کھول براہ راست حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یا درمیان میں واسطہ ہے؟ حجاج بن ارطاة کے تلامذہ میں اختلاف ہے، حفص بن غیاث: ابوالشمال کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور عباد بن العوام ان کے متابع ہیں اور شمیم، محمد بن یزید واسطی اور ابو معاویہ وغیرہ کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذی نے حفص بن غیاث اور عباد بن العوام کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے، اور ابوالشمال مجہول راوی ہے، حافظ عسقلانی اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے اس کو مجہول کہا ہے اور اس حدیث کی روایت کے ساتھ حجاج بن ارطاة جو صدوق کثیر الخطا اور دلس ہے مفرد ہے، پس یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں۔

دوسری حدیث کی آغوش سے اوپر دو سندیں ہیں: ایک: أَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عَمِيرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدٍ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ۔ یہ سفیان ثوری اور عبد اللہ بن نمیر کی سند ہے۔ دوسری سند: أَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یہ ابو معاویہ اور محارب بن کی سند ہے۔ امام ترمذی نے پہلی سند کو حسن صحیح قرار دیا ہے اور اس دوسری سند کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّبَتُّلِ

عورتوں سے بے تعلقی کی ممانعت

تَبَتُّلٌ: کے معنی ہیں: عورتوں سے بے تعلق رہنا۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں: ایک: نکاح ہی نہ کرنا۔ دوسرے: بیوی سے بے تعلق رہنا، اس سے ازدواجی تعلق قائم نہ کرنا، یہ پہلی صورت سے بدتر صورت ہے۔ ایران کے مانی فرقہ کے لوگ عیسائی راہب اور سادھو سنت: اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے نکاح ہی نہیں کرتے جو غلط طریقہ ہے، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے پسند کیا ہے: وہ طبیعت کی اصلاح کرنا ہے اور اس کی کجی کو دور کرنا ہے، نفس کے تقاضوں کو پامال کرنا ان کا طریقہ نہیں تھا، بخاری (حدیث ۵۰۶۳) میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ تین صحابی ازواج مطہرات کے پاس آئے، اور آنحضور ﷺ کی عبادتوں کے بارے میں دریافت کیا، ازواج مطہرات نے آپ کی عبادتیں بتلائیں تو ان کو کم سمجھا، کہنے لگے: آپ تو مغفور لہ ہیں، آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا اعلان کر دیا گیا ہے، پس آپ کے لئے تھوڑی عبادت بھی بہت ہے، مگر ہم گنہگار ہیں،

ہمارے لئے تھوڑی عبادت کافی نہیں اور انہوں نے ہاتھ مہر دیا کیا: ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات میں نفل میں پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا! حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کے رضائی بھائی تھے کہا: میں بیوی سے تعلق نہیں رکھوں گا۔ جب حضور اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا: کیا تم نے یہ عہد کیا ہے؟ پھر آپ نے فرمایا: سنو! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، اور تم سے زیادہ اللہ کا خوف کھاتا ہوں اس کے باوجود روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، اور رات میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور ازواج سے تعلق بھی رکھتا ہوں، پس یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ پر نہیں اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ سورۃ الرعد آیت ۳۸ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول گذرے ہیں سب کی بیویاں اور اولاد تھی، نبیوں میں تو ایک آدمی مثال ملے گی کہ فلاں نبی نے شادی نہیں کی، مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی، مگر رسولوں میں کوئی مثال نہیں، تمام رسولوں نے شادی کی ہے اور ان کی اولاد بھی ہوئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آئندہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی، معلوم ہوا کہ نفس کشی کے ذریعہ سعادت حاصل کرنے سے بہتر نفس کی اصلاح کر کے سعادت حاصل کرنا ہے، انبیاء علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے۔

حدیث (۱): سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کے تہلل کے ارادے کو رد کر دیا اگر آپ ان کو تہلل کی اجازت دیدیتے تو ہم خسی ہو جاتے۔

تشریح: اس حدیث سے فقہاء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ: إجازة الشيء إجازة لِمَا يُعَصِّلُهُ یعنی کسی چیز کی اجازت دینے سے اس چیز کی اجازت خود بخود ہو جاتی ہے جس پر وہ چیز موقوف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جب آنحضور ﷺ تہلل کی اجازت دیدیتے تو خسی (خوف کا لالہ دینے) کی اجازت خود بخود ہو جاتی اس لئے کہ مردانگی ختم کئے بغیر حقیقی تہلل نہیں ہو سکتا۔

حدیث (۲): حضرت سمرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہلل سے منع فرمایا۔ اس حدیث کو امام ترمذی تین اسنادہ سے روایت کرتے ہیں، ان میں سے زید بن اخزم کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت قتادہ نے حدیث بیان کر کے بطور استشہاد سورۃ رعد کی آیت ۳۸ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ پڑھی۔

[۲] باب ماجاء فی النهی عن التہلل

[۱۰۶۵] - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ: رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَلَى عُمَانَ بْنِ مَطْعُونِ الْبُتْلَى، وَلَوْ أُذِنَ لَهُ لَا تَخَصَّنَا.
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[۱۰۶۶-] حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرَّفَاعِيُّ، وَزَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ، وَاسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْبَصْرِيُّ، قَالُوا: نَا
مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى
عَنِ الْقُبُلِ. وَزَادَ زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ فِي حَدِيثِهِ: وَقَرَأَ قَتَادَةُ: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾

وفى الباب: عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ، وَالسَّيِّدِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ.
حَدَّثَ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَزَوَّيَ الْأَشْعَثُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْحَسَنِ،
عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَيُقَالُ: كِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ.

وضاحت: پہلی حدیث مرسل ہے، حضرت سعید: حضرت سعد سے روایت نہیں کرتے اس لئے ان حرف مشہ
بافضل لایا گیا ہے اور دوسری حدیث کی دو سندیں ہیں: ایک سند حضرت سمرۃ پر اور دوسری حضرت عائشہ پر پہنچتی ہے۔
امام ترمذی نے دونوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ فَرَوْجُوهُ

دیندار لڑکے کا رشتہ آئے تو نکاح کر دو

جب کسی لڑکی کا رشتہ وہ شخص بھیجے جو دیندار اور با اخلاق ہے تو اس سے لڑکی کا نکاح کر دینا چاہئے، لڑکا غریب، خست
حال، بے روزگار یا بد صورت ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات ہو تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ نظام خانہ داری میں
مطلوب دو باتیں ہیں: ایک: اچھے اخلاق میں معیت و محبت، یعنی با اخلاق رفیق حیات، دوم: وہ معیت و محبت دین کی
اصلاح کا ذریعہ بنے، پس جب لڑکا یا اخلاق اور دیندار ہے تو وہ بہترین رفیق ہے، وہ لڑکی کے دین کو سنوارے گا۔

جاننا چاہئے کہ چاروں فقہاء نکاح میں کفو (مماثلت) کے قائل ہیں پھر امام مالک رحمہ اللہ صرف دینداری
میں کفو کا لحاظ کرتے ہیں اور دیگر ائمہ حسب و نسب، ذات برادری، اور حرفت و صنعت میں بھی کفو کا اعتبار
کرتے ہیں۔ باب کی حدیث امام مالک رحمہ اللہ کا مستدل ہے، دیگر ائمہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مقصود صرف اس بات
کی ترغیب دینا ہے کہ دیندار رشتہ مل جائے تو تاخیر نہیں کرنی چاہئے، لڑکی کا اس سے جلد نکاح کر دینا چاہئے، حدیث کا
مسئلہ کفو سے کچھ تعلق نہیں۔

[۳] باب ماجاء فی من ترضون دینہ فزوجوه

[۱۰۶۷-] حدثنا قتيبة، نا عبد الحميد بن سليمان، عن ابن عجلان، عن ابن وليلة النضري، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض". وفي الباب: عن أبي خاتم المزني، وعائشة.

حديث أبي هريرة قد خولف عبد الحميد بن سليمان في هذا الحديث، قرأه الليث بن سعد عن ابن عجلان، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلاً، قال محمد: وحديث الليث أشبه، ولم يعد حديث عبد الحميد محفوظاً.

[۱۰۶۸-] حدثنا محمد بن عمرو، نا خاتم بن إسماعيل، عن عبد الله بن مسلم بن هرمز، عن محمد وسعيد ابني عبيد، عن أبي خاتم المزني قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساداً، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساداً، قالوا: يا رسول الله وإن كان فيه؟ قال: "إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه" ثلاث مرات.

هذا حديث حسن غريب، وأبو خاتم المزني له صحة. ولا تعرف له عن النبي صلى الله عليه وسلم غير هذا الحديث.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس وہ شخص رشتہ صحیح جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو تم اس کے ساتھ لڑکی کا نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے (بلکہ مال و جمال کا لالچ کرو گے) تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا (لڑکیاں بیٹھی رہ جائیں گی، کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا) اس حدیث میں عبد الحمید بن سلیمان نے (جو ضعیف ہے) ابن عجلان کے بعد ابن وحمہ النضری کا واسطہ بڑھایا ہے جو صحیح نہیں، ابن عجلان اس حدیث کو براہ راست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ لیث بن سعد نے ابن عجلان سے اسی طرح روایت کیا ہے، پس یہ حدیث مرسل (منقطع) ہے کیونکہ ابن عجلان کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیث بن سعد کی حدیث درستگی سے زیادہ قریب ہے اور عبد الحمید کی سند کو امام بخاری نے محفوظ نہیں قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس وہ شخص رشتہ لے کر آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو تم لڑکی کا اس کے ساتھ نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے (اخلاق اور دینداری کے بجائے

دوسری باتیں پیش نظر رکھو گے) تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اس میں ہو؟ ای ان كان فيه شيء من فتنة المال والدمعة یعنی اگر وہ غریب اور بد صورت ہو تو؟ آپ نے فرمایا: ”جب تمہارے پاس وہ شخص رشتہ بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کے ساتھ لڑکی کا نکاح کر دو۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی، یعنی سائل کے سوال کو قابل اعتبار نہیں گردانا، اپنی سابقہ بات ہی بار بار فرمائی۔ ابو حاتم مرقی صحابی ہیں اور ان کی رسول اللہ ﷺ سے صرف یہی ایک حدیث ہے۔

باب ماجاء فی من ینکح علی ثلاث خصال

لوگ نکاح میں تین باتیں پیش نظر رکھتے ہیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عورت سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے دین کی وجہ سے، اور اس کے مال کی وجہ سے، اور اس کے جمال (خوبصورتی) کی وجہ سے، پس تم دیندار لڑکی کو لازم پکڑو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں! تشریح: لوگ عموماً چار مقاصد سے نکاح کرتے ہیں: (۱) بعض لوگ جو عورت پارسا، باعفت، عبادت گزار اور خدا کی نیک بندی ہوتی ہے اس سے نکاح کو ترجیح دیتے ہیں (۲) اور بعض لوگ مال کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ اس کے مال سے تعاون ملے یا ماں کی طرف سے ملنے والے ترکہ کی وجہ سے بچے خوشحال ہوں (۳) اور اکثر لوگ نکاح کرتے وقت خوبصورتی کو پیش نظر رکھتے ہیں، کیونکہ فطرت انسانی خوبصورتی کی طرف مائل ہے اور اکثر لوگوں پر فطرت کا غلبہ ہوتا ہے (۴) اور بعض لوگ عورت کے حسب و نسب کو دیکھتے ہیں یعنی عورت کے خاندان کی خوبیوں کا لحاظ کرتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تم دینداری کو لازم پکڑو“ یعنی پارسا، باعفت اور عبادت گزار کو ترجیح دو، البتہ اگر دینداری کے ساتھ مذکورہ اوصاف ثلاث یا ان میں سے بعض جمع ہو جائیں تو نو زعلیٰ نور!

فائدہ: تَوْبَتٌ يَذَّالْكُ (تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں) ایک محاورہ ہے اور محاوروں کو یا تو اس کے مترادف محاوروں کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے یا جس زبان کا محاورہ ہے مخاطب اس زبان کو کا حقد جانتا ہو تو وہ اس محاورہ کو سمجھ سکتا ہے، اس کے بغیر محاوروں کو کا حقد سمجھنا مشکل ہے اور محاوروں کے لفظی ترجمہ سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ مراد نہیں ہوتا، جیسے اردو میں پیار میں بولتے ہیں: ”ارے باؤ لے! میری بات سن“ ”باؤ لے“ کا لفظی مفہوم اچھا نہیں، مگر اس کا محال استعمال ٹھیک ہے، اسی طرح خوبت یداء کا محال استعمال ٹھیک ہے اگرچہ اس کا لفظی مفہوم ٹھیک نہیں۔

ملاحظہ: مقاصد نکاح میں حسب و نسب کا تذکرہ مقلوۃ (حدیث ۳۰۸۲) میں آیا ہے اور ان چار مقاصد میں حصر بطور مثال ہے، حصر حقیقی نہیں، نکاح کے اور بھی مقاصد ہوتے ہیں۔

[۴] باب ماجاء فی من ینکح علی ثلاث خصال

[۱۰۶۹-] حدثنا أحمد بن محمد بن موسى، نا إسحاق بن يوسف الأزرق، نا عبد الملك، عن عطاء، عن جابر: عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إِنَّ الْمَرْأَةَ تَنْكَحُ عَلَى دِينِهَا وَمَالِهَا وَجَمَالِهَا، فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرَبَّتْ بِذَلِكَ"
وفی الباب: عَنْ عَوْفٍ بْنِ مَالِكٍ، وَعائِشَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَأَبِي سَعِيدٍ، حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

باب ماجاء فی النظر إلی المخطوبة

مخطوبہ کو ایک نظر دیکھنے کا بیان

جمہور کے نزدیک نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے لڑکی کو ایک نظر دیکھنا جائز ہے اور صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھ سکتے ہیں، باقی بدن دیکھنا جائز نہیں، البتہ داؤد ظاہری کے نزدیک عورت کا سارا جسم دیکھ سکتے ہیں۔ اور نام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے تاکہ وہ خود کو سنوار کر سامنے آئے، لڑکی کو بے خبر رکھ کر نہ دیکھے، ہو سکتا ہے وہ اس حال میں ہو کہ وہ حالت لڑکے کو ناپسند آئے اور شہوت یعنی میلان کا اندیشہ ہو تو دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں دیکھنا جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ یہی دیکھنے کا مقصد ہے، پس یہ بات معین ہوگی۔

حدیث: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک لڑکی کو پیام دینے کا ارادہ کیا، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: "اس کو دیکھ لو، اس سے امید ہے کہ تم دونوں میں خوب موافقت ہو" اور حضرت مغیرہ ہی سے یہ بھی فرمایا کہ اس کو ایک نظر دیکھ لو، کیونکہ انصاری لڑکیوں کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہے (مختلۃ حدیث ۳۰۹۸)
تشریح: جب کسی لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجنے کا ارادہ ہو تو پہلے اس کو دیکھ لینا چاہئے، دیکھنے سے ناک نقشہ اور رنگ روغن کا پتہ چل جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ لڑکی میں کوئی عیب تو نہیں، اس لئے کہ اگر نکاح کے بعد عیب سامنے آئے گا تو افسوس ہوگا، اور اگر پہلے دیکھ لے گا اور پسند خاطر نہ ہونے کے باوجود کسی مصلحت سے نکاح کرے گا تو اتنا افسوس نہ ہوگا، پھر اگر ناپسند ہونے کی صورت میں چھوڑ دے گا تو یہ بہت ہی برا ہے اس سے بہتر پہلے دیکھ لینا ہے تاکہ طمانی آسان ہو۔

اور جانتا چاہئے کہ دیکھنا اس وقت سودمند ہوتا ہے جب لڑکا باشعور ہو، پھر دیکھنے سے صرف ناک نقشہ اور رنگ روغن

کا پتہ چلتا ہے، سیرت و اخلاق کا پتہ نہیں چلتا، یہ باتیں قابل اعتماد با بصیرت عورتوں کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتی ہیں، پس ان کا دیکھنا بھی اپنے دیکھنے کے قائم مقام ہو سکتا ہے، لیکن اگر خود دیکھنا ضروری ہو تو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ لڑکی کو یا اس کے گھر والوں کو ناگوار نہ ہو، بلکہ بہتر یہ ہے کہ چھپ کر دیکھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک لڑکی کو پیام بھیجنے کا ارادہ کیا، پس میں اس کو چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا تھا تا آنکہ میں نے وہ خوبی دیکھ لی جو میرے لئے اس سے نکاح کا باعث تھی، پھر میں نے اس سے نکاح کیا (مشکوٰۃ حدیث ۳۱۰۶)

[۵] باب ماجاء فی النظر إلى المخطوبة

[۱۰۷۰-] حدثنا أحمد بن منيع، نا ابن أبي زائدة، حدثني عاصم بن سليمان، عن بخير بن عبد الله المزني، عن المهيبة بن شعبة، أنه خطب امرأة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما"

وفی الباب: عن محمد بن مسلمة، وجابر، وأنس، وأبي حميد، وأبي هريرة.

هذا حديث حسن، وقد ذهب بعض أهل العلم إلى هذا الحديث، وقالوا: لا بأس أن ينظر إليها ما لم ير منها محرماً، وهو قول أحمد وإسحاق، ومعنى قوله: "أحرى أن يؤدم بينكما" قال: أحرى أن تدوم المودة بينكما.

ترجمہ: بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں: لڑکی کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک کہ وہ لڑکی کے بدن میں سے وہ حصہ نہ دیکھے جس کو دیکھنا جائز نہیں اور یہ احمد و اسحاق کا قول ہے، اور نبی ﷺ کے ارشاد: احرى ان يؤدم بينكما کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اس کے زیادہ لائق ہے کہ تم دونوں کے درمیان محبت دیر پا ہو (الآخری: زیادہ لائق، آدم بینہما لیداما: صلح کرانا، موافقت کرنا یعنی دیکھنا زیادہ لائق ہے کہ تم دونوں کے درمیان موافقت کرائی جائے)

باب ماجاء فی إعلان النکاح

نکاح کی تشہیر کرنے کا بیان

زمانہ جاہلیت میں عربوں میں نکاح کے چار طریقے رائج تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک طریقہ (راجح طریقہ) کے علاوہ سب کو یکسر ختم فرمادیا، کیونکہ وہ طریقہ نہایت گندے اور شرم ناک تھے اور نکاح کی تشہیر کرنے کا حکم دیا تاکہ ان نکاحوں سے جو خفیہ کئے جاتے تھے امتیاز ہو جائے۔

اور تشہیر کے طریقے بہت ہیں مثلاً زمانہ جاہلیت میں لوگ نکاح کے موقع پر شور اور ڈھول بجایا کرتے تھے (۱) آپ نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ ایک گونہ ترغیب دی تاکہ تشہیر کے ساتھ کچھ تفریح کا سامان بھی ہو جائے۔ اور اگر مسجد میں نماز کے بعد نکاح پڑھا جائے تو مسجد کی حرمت کی برکت بھی حاصل ہوگی اور تشہیر بھی ہو جائے گی، چنانچہ ایک حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے، اور ولیمہ کرنے سے بھی تشہیر ہوتی ہے اس لئے ولیمہ مسنون کیا گیا ہے۔

فائدہ: زمانہ جاہلیت میں نکاح کے جو چار طریقے رائج تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (بخاری حدیث ۱۵۲۷ میں) ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ چار طریقے یہ تھے: (۱) ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیر ولایت کسی لڑکی کے نکاح کا پیام دیا جاتا پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دیتا، یہی نکاح کا صحیح طریقہ تھا، اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے (۲) جب کسی آدمی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی جبکہ رحم میں حمل قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاں شخص سے جنسی تعلق قائم کر، پھر حمل ظاہر ہونے تک شوہر اپنی بیوی سے الگ رہتا، جب حمل کے آثار ظاہر ہوتے تو شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرتا، اور ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، عرب کے بعض پست قبیلوں میں یہ طریقہ رائج تھا (۳) چند آدمی (دس سے کم) ایک عورت کے پاس جاتے اور اس کی رضامندی سے سب اس سے صحبت کرتے پھر اگر عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو وہ ان سب آدمیوں کو بلائی اور کسی کو نامزد کرتی کہ یہ تیرا بچہ ہے اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا (۴) پیشہ ورفہ سے بہت سے لوگ جنسی تعلق قائم کرتے پھر اگر اس کو حمل رہ جاتا اور وہ بچہ جنتی تو قیافہ شناس بلایا جاتا، اور وہ علامات دیکھ کر فیصلہ کرتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے، اور اس کو ماننا پڑتا — اسلام نے یہ تمام شرمناک طریقے ختم کر دیئے، صرف ایک پاکیزہ طریقہ باقی رکھا جو اب لوگوں میں رائج ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حلال و حرام کے درمیان امتیاز دف اور آواز ہے“ یعنی جائز نکاح وہی ہے جو علی الاعلان کیا جائے، باقی تین نکاح جو چوری چھپے کئے جاتے ہیں: حرام ہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نکاح کی تشہیر کیا کرو، اور اس کو مسجد میں پڑھایا کرو (یہ تشہیر کی بہترین صورت ہے) اور اس پر دف بجایا کرو۔

حدیث (۳): رزق بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے پاس اس رات کی صبح میں تشریف لائے جس رات میرے ساتھ زفاف عمل میں آیا۔ پس میرے بستر پر بیٹھے تیرے میرے سامنے بیٹھنے کی طرح (یعنی خالد بن ولید سے کہا کہ جس طرح تو پردہ کے اُس طرف اور میں پردہ کے اس طرف بیٹھی ہوں آنحضور ﷺ اسی

(۱) دف بجانا ایک طرح کا شور تھا اس پر ڈھول باجے کو قیاس کرنا درست نہیں، اور اب جبکہ مسلمان نکاح کے غلط طریقوں سے دور ہو گئے تو دف بجانے کی اہمیت بھی ختم ہو گئی۔ اب کچھ روشنی کرنا، جمنڈیاں لگانا بھی دف کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

طرح بیٹھے) اور لڑکیاں ڈالیاں بجا رہی تھیں اور میرے آباء میں سے جو بدر میں شہید ہوئے تھے ان کا مذبہ پڑھ رہی تھیں (مذبہ کے معنی ہیں: میت کی خوبیاں یاد کر کے رونا اور وہ گانے والیاں باشعور تھیں وہ اشعار خود بجا رہی تھیں) یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا: ”ہمارے درمیان ایسے نبی ہیں جو آئندہ کل کے احوال جانتے ہیں“ آپؐ نے فرمایا: اس کو رہنے دو اور جو کہتی تھیں وہ کہو۔

تشریح: حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے والد اور دو چچا جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور وہ آنحضور ﷺ کی زیر تربیت بڑی ہوئی تھیں، آپؐ نے ہی ان کی شادی کی تھی، گویا آپؐ باپ تھے، اور آپؐ نے مذکورہ اشعار سے اس لئے منع فرمایا کہ وہ نعت کا شعر تھا اور دعویٰ اشعار میں حمد و نعت کے اشعار ملنا ٹھیک نہیں، یا اس وجہ سے منع فرمایا کہ اس کا مضمون صحیح نہیں تھا، آئندہ پیش آنے والے احوال بجز اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا، سورہ لقمان آیت ۳۳ میں ہے: ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ آئندہ کل کیا کام کرے گا۔ اور آپؐ جو غیب کی باتیں بتاتے تھے وہ اللہ کے بتانے سے بتاتے تھے، آپؐ کو غیب کا علم نہیں تھا اس لئے آپؐ نے وہ شعر پڑھنے سے منع فرمایا، اور دوسرے اشعار ٹھیک تھے ان میں قابل اعتراض کوئی بات نہیں تھی، اس لئے آپؐ نے ان کو پڑھنے کی اجازت دی۔

[۶] باب ماجاء فی إعلان النکاح

[۱۰۷۱] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا هُشَيْمٌ، نَا أَبُو بَلَجٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمُعِيِّ، قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَضَّلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ الدُّفَّ وَالصُّوْتُ"

وفی الباب: عن عائشة، وجابر، والرُّبَيْعِ بْنِ مَعُوذٍ، حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَأَبُو بَلَجٍ: اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي سَلِيمٍ، وَيُقَالُ ابْنُ سَلِيمٍ أَيْضًا، وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاطِبٍ لَقَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غُلَامٌ صَبِيرٌ.

[۱۰۷۲] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا عِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالْمُزُوفِ."

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ فِي هَذَا الْبَابِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الْأَنْصَارِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ، وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الَّذِي يَرَوِي عَنْ ابْنِ نَجِيحٍ التَّفْسِيرُ هُوَ ثِقَةٌ.

[۱۰۷۳] - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ، نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، نَا عَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ، عَنْ الرُّبَيْعِ بْنِ مَعُوذٍ، قَالَتْ: جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ عَلَى عَدَاةِ بَنِي، فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَا جَلَسْتُ مَنِي، وَجَوَازِيَاتُ لَنَا يَضْرِبْنَ بِدُفُلِهِنَّ وَيَنْدُبْنَ مِنْ قَبْلِ مَنْ آتَا لِي يَوْمَ بَدْرٍ، إِلَى أَنْ

قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ: وَلَيْسَ نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدِي، فَقَالَ لَهَا: "اسْكُنِي عَنْ هَذِهِ، وَقُولِي لِلْبَيْتِ كُنْتُ تَقُولِينَ قَبْلَهَا" وهذا حديث حسن صحيح.

وضاحت: ابولج کا نام: یحییٰ بن ابی سلیم ہے اور ان کو ابن سلیم بھی کہا جاتا ہے یعنی بعض لوگ ان کے باپ کا نام سلیم لیتے ہیں نہ کہ کنیت ابوسلیم۔ اور محمد بن حاطب صحابی صغیر ہیں، انھوں نے یحییٰ بن یحییٰؓ کی زیارت کی ہے۔ اور یحییٰ بن میمون نام کے دوراوی ہیں، ایک کی نسبت واسطی ہے اور وہ قاسم بن محمد کے آزاد کردہ ہیں اور ضعیف ہیں۔ دوسرے جرجشی کی ہیں اور وہ ابن دایہ سے معروف ہیں، وہ مجاہد اور ابن کثیر سے تفسیر روایت کرتے ہیں اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے وہ ثقہ ہیں (تہذیب)

باب ماجاء فی ما یقال للمتزوج

شادی شدہ کو کیا دعا دی جائے؟

حدیث: نبی ﷺ جب کسی شادی شدہ کو مبارک باد دیتے تو فرماتے: بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ: اللہ مبارک کرے، تم پر برکت نازل فرمائے اور خیر و بھلائی میں تم دونوں کو جمع کرے۔
تشریح: زَوْفًا تَزَوَّجْتَ (باب تعلیل) کے معنی ہیں: شادی کی مبارک باد دینا۔ اور اصل معنی ہیں: شادی شدہ سے بِالْوَفَاءِ وَالنَّبِينِ کہنا، زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ جملہ کہہ کر شادی شدہ کو مبارک باد دیتے تھے، اور اس سے بھی اصلی معنی ہیں: رفو کرنا، کپڑے کی پھن کو تاگوں سے بھرنا، اور آخری معنی ہیں: دو چیزوں کو ایک دوسرے کے موافق بنانا، یعنی اس طرح ملا دینا کہ ایک معلوم ہوں پس بِالْوَفَاءِ وَالنَّبِينِ کے معنی ہیں: تم دونوں کے درمیان موافقت رہے اور تمہارے یہاں بیٹے پیدا ہوں، یہ جملہ جاہلیت کی ذہنیت کی ترجمانی کرتا ہے، جاہلیت کے لوگ لڑکوں کو مرغوب رکھتے تھے اور لڑکیوں سے متنفر تھے، آنحضور ﷺ نے اس جملہ کو بدل دیا اور فرمایا: بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔

[۷] باب ماجاء فی ما یقال للمتزوج

[۱۰۷۴-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، لَا عِدَّ الْغَزِيْرِيْنَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَعْنَا الْإِنْسَانَ، إِذَا تَزَوَّجَ، قَالَ: "بَارَكَ اللهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ"
وہی الباب: عن عقیل بن أبی طالب، حدیث أبی ہریرۃ حدیث حسن صحیح.

باب ماجاء فی ما یقول إذا دخل علی أهله

جب بیوی سے ملے تو کیا دعا پڑھے؟

جماع کا تسمیہ: بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَا ہے یعنی اللہ کے نام سے، بچائیے آپ ہمیں شیطان سے اور بچائیے شیطان کو اس اولاد سے جو آپ ہمیں عنایت فرمائیں، یعنی اس صحبت سے اگر حمل ٹھہرے تو وہ بچہ شیطان سے محفوظ رہے، اور یہ دعا ہر صحبت سے پہلے ہے، پہلی رات کے لئے کوئی مخصوص دعا نہیں۔

جاننا چاہئے کہ صرف بسم اللہ بھی کافی ہے اور پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ مگر معمول نبوی یہ تھا کہ بسم اللہ کے ساتھ موقع کے مناسب دوا عطف کے ساتھ یا بغیر عطف کے دوسرا جملہ لاتے تھے، جیسے جانور ذبح کرنے کے تسمیہ میں بسم اللہ اللہ اکبر اور کھانے کے تسمیہ میں: بسم اللہ وعلیٰ برکتہ اللہ اور وضو کے تسمیہ میں: بسم اللہ والحمد للہ فرماتے تھے۔

[۸] باب ماجاء فی ما یقول إذا دخل علی أهله

[۱۰۷۵-] حدثنا ابنُ اَبی عمَرَ، لا سُفیانُ بنُ عُیینَةَ، عن منصورٍ، عن سَالمِ بنِ اَبی الجعدِ، عن کَریبٍ، عن ابنِ عباسٍ قال: قال رسولُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "لَوْ اَنَّ اَخَذْتُكُمْ اِذَا اتَى اَهْلَهُ، قال: بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَا: لَإِنْ قَضَى اللّٰهُ بَيْنَهُمَا وَلَدًا لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ" هذا حدیث حسنٌ صحیحٌ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو کہے: بسم اللہ الخ پس اگر اللہ نے ان کے درمیان اولاد مقدری کی تو اس کو شیطان نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

باب ماجاء فی الأوقات التي يستحب فيها النكاح

نکاح کرنے کا مستحب وقت

نکاح کے تعلق سے تمام دن یکساں ہیں، جب چاہیں نکاح کریں، کسی خاص مہینے، دن یا وقت کی کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ جو چیزیں ضروری ہوتی ہیں وہ عام ہوتی ہیں اور شریعت بھی ان میں کوئی خاص تحدید و تعین نہیں کرتی تاکہ تنگی نہ ہو، جیسے: ہوا اور پانی انسان کی زندگی کے لئے لازم ہیں، ان کے بغیر گزارہ نہیں، اس لئے وہ عام ہیں، اسی طرح نکاح بھی انسانی ضرورت ہے اس لئے شریعت نے اوقات کی کوئی تعین نہیں کی جب چاہیں نکاح کر سکتے ہیں

اور زمانہ جاہلیت میں شوال کے مہینے کو نکاح کے تعلق سے منحوس سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یہ تصور غلط ہے، اس لئے کہ میرا نکاح آنحضور ﷺ کے ساتھ شوال میں ہوا ہے اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی ہے اور کوئی بیوی ہے جو مجھ سے زیادہ آنحضور ﷺ کی چھٹی تھی؟ اور حضرت عائشہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کی رخصتی شوال میں کیا کرتی تھیں تاکہ جاہلیت کے تصور کی عملی طور پر تردید ہو۔

[۹] باب ماجاء فی الاوقات التي يُستحبُ فیها النکاح

[۱۰۷۶] - حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نَابِغِيُّ بْنُ مَعْبُدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ، وَبَنَى بِي فِي شَوَّالٍ، وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ يُبْنَى بِسَائِنَهَا فِي شَوَّالٍ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے شوال میں نکاح کیا، اور میری رخصتی شوال میں ہوئی، اور صدیقہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کی رخصتی شوال میں کرنے کو پسند کیا کرتی تھیں۔

باب ماجاء فی الولیمة

ولیمہ کا بیان

ولیمہ ہر تقریب اور ہر دعوت کو کہتے ہیں، بعد میں یہ لفظ شادی کے بعد کی تقریب کے لئے خاص ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ میاں بیوی کے ملاپ سے پہلے ولیمہ کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس طریقہ کو بدلا اور زفاف کے بعد ولیمہ کو مسنون کیا، پس جو بعض مسلمان نکاح سے پہلے یا زفاف سے پہلے ولیمہ کرتے ہیں وہ غلط طریقہ ہے، اسی طرح لڑکی والوں کا برات کو اور برادری کو کھلانا بھی ولیمہ ہے مگر اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور ولیمہ مسنون کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ لطیف و ہر ایہ میں نکاح کی تشہیر ہوتی ہے اور زفاف کی تشہیر ضروری ہے تاکہ جو اولاد ہو اس کے نسب میں کوئی شبہ نہ کرے۔

اور چونکہ خانگی زندگی کے نظم و انتظام کے لئے بیوی کی ضرورت ہے، پس حسب خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلاشبہ اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کا شکر بجالانا ضروری ہے، ولیمہ اس کی عملی شکل ہے اور اس میں بیوی اور اس کے خاندان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے، اس لئے کہ بیوی کی خاطر مال خرچ کرنا اور دلہن آنے کی تقریب سے لوگوں کو جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیوی شوہر کی نظر میں باعزت اور باوقعت ہے، ظاہر ہے یہ چیز منکوحہ اور اس کے

گمراہوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و مودت میں اضافہ ہوگا۔

اور ولیمہ کی کوئی حد متعین نہیں، اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے اور اوسط درجہ کا ولیمہ ایک بکری ہے، اسی کا آپؐ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا ہو۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں آپؐ نے ایک بکری ذبح کی تھی۔ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں کھجور اور ستو کھلایا تھا، اور بعض ازواج کے ولیمہ میں آپؐ نے دو منہ (چار رطل) آٹا خرچ کیا تھا (مشکوٰۃ حدیث ۳۲۱۵) یہ چھوٹا ولیمہ ہے۔

اور کتنے دن ولیمہ کیا جاسکتا ہے؟ اس کا تعلق عرف سے ہے، ہمارے عرف میں ایک دن ولیمہ ہوتا ہے، پس دو دن ولیمہ کرنا ریاء (دکھاوا) ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ دو دن تک ولیمہ کر سکتے ہیں، تین دن ولیمہ کرنا دکھاوا ہے۔ اور بخاری شریف میں باب ہے: باب حق إجابة الولیمة والدعوة ومن أولم سبعة ایام یعنی سات دن تک ولیمہ ہو سکتا ہے۔ علامہ بیہقی اور حافظ عسقلانی رحمہما اللہ نے اس باب کے تحت سات دن تک ولیمہ کرنے کے متعدد آثار بیان کئے ہیں۔ غرض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق عرف سے ہے، عرف سے زیادہ دن ولیمہ کرنا دکھاوا ہے اور ممنوع ہے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ پر (یعنی ان کے کپڑوں پر) زردی کا کچھا اثر دیکھا (جو بیوی والے کے کپڑوں پر بلا قصد لگ جاتا ہے) آپؐ نے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے ایک لڑکی سے کھجور کی ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے کے عوض نکاح کیا ہے (یعنی اس کا اتنا مہر مقرر کیا ہے) آپؐ نے فرمایا: اللہ تمہارے لئے اس شادی کو مبارک کرے ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا ہو۔

تشریح: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو خوب برکتوں سے نوازا تھا، وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ خالی ہاتھ آئے تھے، آپؐ نے ایک انصاری صحابی سے ان کی مواخات (بھائی چارہ) کرائی مگر انھوں نے اپنے بھائی کے مال و متاع میں سے کچھ قبول نہ کیا بلکہ تجارت کی، مال جمع کیا اور بہت جلد شادی کر لی۔ آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا کرو“ — یہاں تو برائے تقلیل ہے یا تکثیر؟ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اس کو تکثیر کے معنی پر محمول کیا ہے، یعنی ایک بکری کا ولیمہ بڑا ولیمہ ہے (الکواکب ۲: ۲۱۶) اور اکثر علماء کے نزدیک تو برائے تقلیل ہے، پس متول شخص کے لئے ایک بکری کا ولیمہ کم سے کم ہے اور زیادہ کی کوئی مقدار نہیں، اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت صفیہؓ کا ولیمہ ستو اور کھجور کے ذریعہ کیا (یعنی اس میں گوشت نہیں تھا)

تشریح: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا: انھی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں، جنگ خیبر کے بعد ۷ھ میں آپؐ نے ان سے نکاح فرمایا اور مقام مہیا میں جو خیبر سے ایک منزل پر ہے عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا، متعلق علیہ

حدیث میں ہے کہ حضرت صفیہؓ کا ولیمہ اس شان سے ہوا تھا کہ چڑے کا ایک دسترخوانہ بچھا دیا گیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کر دو: جس کے پاس جو کچھ سامان ہو لے آئے، کوئی کھجور لایا، کوئی خیر لایا، کوئی ستولا لایا اور کوئی کچی لایا، جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھالیا، اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ میں باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں، کھانے پینے کی جو بھی چیز میسر ہو رکھ دی جائے تو بھی کافی ہے۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلے دن کا کھانا برحق ہے اور دوسرے دن کا کھانا دینی راہ ہے (یہاں سنت سے نبی ﷺ کی سنت نہیں بلکہ سنت اسلام مراد ہے اور سنت اسلام کی تعریف ہے: الطریقة المسلموۃ فی الدین) اور تیسرے دن کا کھانا شہرت طلبی ہے، اور جو شخص سناٹے گا (یعنی دکھاوا کرے گا) اللہ اس کے بارے میں سنائیں گے یعنی چوراہے پر اس کا بھاڑا پھوڑیں گے۔

[۱۰] باب ماجاء فی الولیمۃ

[۱۰۷۷] - حدثنا قتیبة، نا حماد بن زید، عن ثابت، عن أنس بن مالک: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة، فقال: "ما هذا؟" فقال: "إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب، فقال: "بارك الله لك، أولم ولو بشاة". وفي الباب: عن ابن مسعود، وعائشة، وجابر بن عبد الله بن عثمان، حديث أنس حديث حسن صحيح. وقال أحمد بن حنبل: وزن نواة من ذهب: وزن ثلاثة دراهم وثلث، وقال إسحاق: هو وزن خمسة دراهم.

[۱۰۷۸] - حدثنا ابن أبي عمير: نا سفیان بن عیینة، عن وائل بن داود، عن أبيه نوف، عن الزهري، عن أنس بن مالک: أن النبي صلى الله عليه وسلم أولم على صفیة بنت حنی بن سویة وتمیز. هذا حديث حسن غريب.

حدثنا محمد بن يحيى، نا الحميدي، عن سفیان بن عیینة، عن وائل بن داود، عن أبيه نوف، عن الزهري، عن أنس، ولم يذكرنا فيه عن وائل، عن أبيه نوف، وكان سفیان بن عیینة يذکر فی هذا الحديث، فربما لم يذكر فيه: عن وائل، عن أبيه، وربما ذكره.

[۱۰۷۹] - حدثنا محمد بن موسى البصري، نا زياد بن عبد الله، نا عطاء بن السائب، عن أبي عبد الرحمن، عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طعام أول يوم حق، وطعام يوم الثاني منة، وطعام يوم الثالث منعة، ومن سمع سمع الله به".

حدیث ابن مسعود لا تعرفه مرفوعاً إلا من حديث زياد بن عبد الله، وزیاد بن عبد الله كثير الغرائب والمناكير، سمعت محمد بن إسماعيل يذكر عن محمد بن عتبة قال: قال وكيع: زياد بن عبد الله، مع شربه، يكذب في الحديث.

وضاحت: وزن نواف: کجھور کی محفلی کے برابر سونے کا وزن: امام اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ درہم (چودہ گرام سونا) اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تین درہم اور تہائی درہم ہے۔

(حدیث نمبر ۱۰۷۸) کوسفیان بن عیینہ نے وائل بن داؤد سے اور انھوں نے اپنے بیٹے نوف سے روایت کیا ہے، وائل کے بیٹے کا نام کیا ہے؟ یہاں نوف آیا ہے اور ابو داؤد (۵۲۵:۲) باب فی استحباب الولیمة) میں بکر بن وائل آیا ہے، اور تقریب، تہذیب اور خلاصہ میں نوف بن وائل کا کوئی تذکرہ نہیں، اور بکر بن وائل کو حافظ رحمہ اللہ نے صدوق قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں: بکر بن وائل زہری وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور ان سے ان کے والد وائل بن داؤد وغیرہ روایت کرتے ہیں (تحتہ الاحادیث) اور اس حدیث میں سفیان بن عیینہ تدلیس کیا کرتے تھے یعنی استاذ الاستاذ: ابن وائل کا کبھی تذکرہ کرتے تھے اور کبھی حذف کر دیتے تھے۔

(حدیث ۱۰۷۹) کو تہذا زیاد بن عبد اللہ مرفوع کرتا ہے اور زیاد مختلف فیہ راوی ہے، اس کی توثیق بھی کی گئی ہے اور تضعیف بھی کی گئی ہے، اور اس نے عطاء بن السائب سے ان کا حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے، یہ حدیث میں دوسری خرابی ہے، اور زیاد بن عبد اللہ غریب (جس کی سند واحد ہو) اور منکر یعنی نہایت ضعیف روایتیں بکثرت بیان کرتا تھا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ کعب اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: زیاد بن عبد اللہ بڑا آدمی تھا مگر حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔ مگر اس قول کی محنت میں تردد ہے، کیونکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں کعب کا قول اس طرح لکھا ہے: زیاد أشرف من أن یکذب فی الحدیث یعنی زیاد اس سے بہت بلند ہے کہ وہ حدیث میں جھوٹ بولے۔ ظاہر ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے بقلم خود جو لکھا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے علماء جرح وتعدیل کی رائے یہ ہے کہ کعب سے زیاد بن عبد اللہ کی جرح ثابت نہیں۔

باب ماجاء فی إجابة الداعی

ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا بیان

ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں ہے۔ عام روایت ہے کہ دعوت قبول کرنی چاہئے، ولیمہ کی دعوت بھی اس کے عموم میں شامل ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دعوت میں جاؤ جب تمہیں بلایا جائے“

تشریح: اگر کوئی مجبوری ہو جس کی وجہ سے دعوت قبول کرنے میں دشواری ہو تو جس وقت دعوت دی جائے اسی وقت عذر کر دینا چاہئے۔ یہاں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ عذر نہیں کرتے اور جاتے بھی نہیں، یہ غلط ہے، اس لئے کہ اس کے حصہ کا کھانا پک چکا ہے جو بے کار جائے گا۔ اور بعض رشتہ دار بروقت رد ٹھہ جاتے ہیں یہ بھی غلط ہے اس سے میزبان کی رسوائی ہوتی ہے، پھر خوشی کے موقع پر گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا موقع ہے، اس کے لئے ساری ذمہ داری پڑی ہے۔ اور بالخصوص کسی کی رسوائی کے درپے ہونا قبیح ہے۔ اس لئے دعوت قبول کرنی چاہئے۔ اور واقعی کوئی عذر ہو تو جس وقت دعوت دی جائے اسی وقت عذر کر دینا چاہئے تاکہ اس کے حصہ کا کھانا نہ بکے۔

[۱۱] باب ماجاء فی إجابة الداعی

[۱۰۸۰-] حدثنا أبو سلمة يحيى بن خلف، لا يشرُّ بن المفضل، عن إسماعيل بن أمية، عن

نافع، عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتوا الدعوة إذا دُعِيتُمْ"

- وفي الباب: عن علي، وأبي هريرة، والنَّوَّاء، وأنس، وأبي أيوب، حديث ابن عمر حديث حسن صحيح.

بابُ ماجاء فی مَنْ يَجِئُ إِلَى الْوَلِيْمَةِ بِغَيْرِ دَعْوَةٍ

دعوت کے بغیر ولیمہ میں جانا

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے کہ بلائے بغیر ولیمہ میں نہیں جانا چاہئے، اس سلسلہ میں بھی کوئی خاص حدیث نہیں ہے، صرف عام روایت ہے۔

حدیث: ابو شعیب رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے، انھوں نے آپؐ پر فاقہ کا اثر محسوس کیا، وہ خاموشی سے اٹھے اور اپنے غلام کے پاس گئے، ان کا غلام گوشت فروش تھا اس سے کہا: پانچ آدمیوں کے بقدر کھانا پکا اس لئے کہ میں نے آنحضور ﷺ کے چہرہ انور پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو انھوں نے آپؐ کو اور ان صحابہ کو جو آپؐ کی مجلس میں بیٹھے تھے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا، جب آپؐ تشریف لارہے تھے تو راستہ میں سے ایک صاحب اور ساتھ ہو گئے، آپؐ دعوت میں تشریف لے جا رہے ہیں یہ بات ان کو معلوم نہیں تھی، جب آپؐ دروازہ پر پہنچے تو میزبان سے فرمایا: جس وقت تمہاری دعوت پہنچی تھی یہ صاحب موجود نہیں تھے، راستہ سے ساتھ ہو گئے ہیں، پس اگر تمہارے پاس گنجائش ہو تو ان کو بھی دعوت دیدو، حضرت ابو شعیبؓ نے ان کو بھی کھانے پر مدعو کر لیا، چنانچہ وہ بھی کھانے میں شریک ہوئے۔

فائدہ: بعض مرتبہ تقریب کے موقع پر کوئی خاص دوست یا قریبی رشتہ دار ذہن سے نکل جاتا ہے اس کو دعوت دینا یا نہیں رہتا، اگر اس کو بروقت دعوت دی جائے تو اسے آ جانا چاہئے، نخرہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ولیمہ کی دعوت بروقت بھی دی جاسکتی ہے۔

[۱۲] باب ماجاء فی من یجئ الی الولیمۃ بغیر دعوة

[۱۰۸۱-] حدثنا هناد، نا أبو معاوية، عن الأعمش، عن شقيق، عن أبي مسعود، قال: جاء رجل يُقال له أبو شعيب إلى غلام له لحام، فقال: اصنع لي طعاما يكفي خمسة، فإني رأيت في وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم الجوع، فصنع طعاما، ثم أرسل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فدعاه وجلساءه الذين معه، فلما قام النبي صلى الله عليه وسلم اتبعهم رجل لم يكن معهم حين دُعوا، فلما انتهى رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الباب قال لصاحب المنزل: "إنه اتبعنا رجل لم يكن معنا حين دُعوتنا، فإن أدت له دُخل" قال: لقد أدت له، فلقد دخل. هذا حديث حسن صحيح، وفي الباب عن ابن عمر.

باب ماجاء فی تزویج الأبنکار

کنواری سے نکاح کرنے کا بیان

نکاح کے تعلق سے کنواری اور بیوہ یکساں ہیں، کسی کے ساتھ نکاح کی کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی، پس مصلحت کا جو تقاضہ ہو اس کے موافق کنواری سے یا بیوہ سے شادی کر سکتا ہے، لیکن طبعاً رغبت کنواری کی طرف زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ اس کو سلیقہ سکھانا، حکمت کے تقاضوں پر چلانا اور ذمہ داریاں ادا کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ کوری حنختی کے مانند ہوتی ہے اور اس میں بچے جننے کی صلاحیت بھی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ نوجوان ہوتی ہے۔ اور شیبہ شوہر دیدہ، چالاک (عیار) اور درشت خو ہوتی ہے اور قوت تولید بھی اس کی کمزور پڑ جاتی ہے اور لکھی ہوئی حنختی کے مانند ہوتی ہے جس کے سابقہ نقوش مٹانا اور سلیقہ سکھانا آسان نہیں ہوتا۔ البتہ اگر نظام خانہ داری کے تقاضے سے تجربہ کار عورت کی ضرورت ہو تو پھر بیوہ سے نکاح کرنا بہتر ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، پس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ نے پوچھا: کیا تم نے شادی کر لی اے جابر! میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا: کنواری سے کی یا بیوہ سے؟ میں نے کہا: بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا: کنواری سے کیوں نہیں کی، تم اس سے اٹھ کھیلیاں کرتے اور وہ تم سے اٹھ

کھلیاں کرتی، حضرت جابرؓ نے عرض کیا: ابا جان (حضرت عبداللہ) جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں اور انھوں نے سات — یا فرمایا — نو بہنیں چھوڑی ہیں، پس میں ایک ایسی عورت کو لایا جو ان بہنوں کو سنبھالے، یعنی اگر کنواری سے شادی کرتا تو گھر میں ایک لڑکی اور آجاتی، اس لئے میں ایک ذمہ دار عورت گھر میں لایا ہوں تاکہ وہ ان کو سنبھالے، پس آنحضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیں۔

تشریح: یہاں حدیث مختصر ہے، پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگا رہے تھے، اونٹنی ڈبلی اور مرل تھی، آنحضور ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری تو وہ برق رفتار ہو گئی، پھر آپؐ نے دریافت کیا کہ جلدی کیوں ہے؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے شادی کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ رات سے پہلے مدینہ پہنچ جاؤں، پھر وہ مضمون ہے جو اوپر آیا، پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اونٹنی مجھے بچ دو، حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یہ تو تمہاری اونٹنی تھی، آپؐ کی چھڑی کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے، یہ آپؐ کی نذر ہے۔ آپؐ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر صراحت کیا، چنانچہ وہ اونٹنی چند اوقیہ چاندی کے بدل خرید لی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مدینہ تک اس پر جانے کی شرط کی تو آپؐ نے منظور کر لی، پھر مدینہ پہنچ کر جب حضرت جابرؓ اونٹنی لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقررہ چاندی دینے کا حکم دیا، جب حضرت جابرؓ واپس جانے لگے تو آپؐ نے ان کو واپس بلایا اور بچی ہوئی چاندی بھی عنایت فرمائی، پھر جب وہ واپس جانے لگے تو پھر بلایا اور وہ اونٹنی بھی لوٹا دی۔ یہ پورا واقعہ بخاری (حدیث ۲۰۹۷) میں ہے۔

[۱۲] باب ماجاء فی تزویج الایہکار

[۱۰۸۲-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَاتَّخَذْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَتَزَوَّجْتُ يَا جَابِرُ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: "يَكْرَأُ أُمَّ كَيْبَاءَ؟" فَقُلْتُ: لَا، بَلْ كَيْبَاءَ، فَقَالَ: "هَلَا جَارِيَةٌ تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟" فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ عَبْدَ اللَّهِ مَاتَ وَتَرَكَ سِتْرَ بَنَاتٍ أَوْ: سِتْرًا، فَجِئْتُ بِمَنْ يَقُومُ عَلَيْهِنَ، فَلَدَعَالِي.

ولہی الباب: عن أبي بن كعب، وكعب بن عجرة، حديث جابر حديث حسن صحيح.

باب ماجاء لا ینکاح إلا بولی

نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ جب تک لڑکا اور لڑکی نابالغ ہیں ان کو اپنے نکاح کا کوئی اختیار نہیں۔ ولی ہی ان کا نکاح

کر سکتا ہے اور وہی ایجاب و قبول کرے گا، تا بالغوں کا ایجاب و قبول معتبر نہیں، اور غیر ولی کا ایجاب و قبول بھی معتبر نہیں۔ پس باپ کی موجودگی میں بھائی یا چچا کا ایجاب و قبول غیر معتبر ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر لڑکی قریب البلوغ ہو اور بیوہ ہو تو ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے یا نہیں؟^(۱) خفیہ کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہے، پس ولی لڑکی کی رضا مندی کے بغیر نکاح کر سکتا ہے۔ اور شوافع کے نزدیک ولایت اجبار حاصل نہیں اگرچہ وہ بالغہ ہے شوافع کے نزدیک ہر باکرہ پر خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ ولایت اجبار حاصل ہے بیوہ پر اگرچہ وہ بالغہ ہو ولایت اجبار حاصل نہیں یعنی احناف کے نزدیک ولایت اجبار کا تعلق نابالغی سے ہے جب تک لڑکی نابالغ ہے خواہ باکرہ ہو یا شیبہ ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے اور بالغ ہونے کے بعد ولایت اجبار حاصل نہیں ہوتی خواہ باکرہ ہو یا شیبہ، اور شوافع کے نزدیک ولایت کا تعلق بکارت سے ہے جب تک لڑکی باکرہ ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغہ ولایت اجبار حاصل ہے اور شیبہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔

اور لڑکے پر بالغ ہونے کے بعد ولایت اجبار حاصل نہیں رہتی، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ اب لڑکا خود ایجاب و قبول کرے گا، اور لڑکی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خود ایجاب و قبول نہیں کر سکتی، خواہ بالغ ہو یا نابالغہ، باکرہ ہو یا شیبہ، ولی یا وکیل ہی اس کی طرف سے ایجاب و قبول کریں گے، عورت کے الفاظ سے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح منعقد نہیں ہوتا، اس مسئلہ کی تعبیر ہے: هل النکاح ینتقد بعبارة النساء ام لا؟ اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت بھی ضروری ہے۔ ولی کی اجازت کے بغیر اگر عورت خود اپنا نکاح کرے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، چاہے ایجاب و قبول کسی مرد نے (وکیل نے) کیا ہو، اس مسئلہ کی تعبیر ہے: لا نکاح الا بولی۔ اور اس دوسرے مسئلہ میں صاحبین ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں۔ ان کے نزدیک بھی نکاح کی صحت کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے، البتہ پہلے مسئلہ میں صاحبین: ائمہ ثلاثہ کے ساتھ نہیں ہیں، ان کے نزدیک عبارة النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کے الفاظ سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے یعنی عورت خود ایجاب و قبول کر سکتی ہے اگر وہ عاقلہ بالغہ ہو، اور اس مسئلہ میں صاحبین بھی امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، نیز امام اعظم فرماتے ہیں: اگر عورت عاقلہ بالغہ ہو تو وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، ولی کی اجازت نکاح کی صحت کے لئے شرط نہیں، البتہ اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو ولی کو اعتراض کا حق ہے، قاضی اگر دیکھے کہ یہ نکاح ولی اور اس کے خاندان کے لئے شرم و عار کا باعث ہے تو وہ نکاح فسخ کر دے گا، اور اگر عورت نے کفو میں شادی کی ہے تو پھر ولی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں اصل دلیل صرف ایک حدیث ہے جو باپ میں آرہی ہے، دوسرے تمام (۱) ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی رضا مندی کے بغیر ولی کا کیا ہوا نکاح نافذ ہو جائے تو ولایت اجبار حاصل ہے اور اگر نکاح نافذ نہ ہو تو ولایت اجبار حاصل نہیں، لفظ اجبار کا جو لفظی مفہوم ہے یعنی مجبور کرنا وہ مراد نہیں۔

دلائل جو جائین سے پیش کئے جاتے ہیں ان کا مسئلہ باب سے واضح تعلق نہیں، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں تین حدیثیں پیش کی ہیں، پہلی حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے، حضرت نے اس کی سند پر طویل بحث کی ہے، ہمارے نزدیک یہ بحث لا طائل ہے اس لئے کہ ہمارے اکابر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو قابل استدلال تسلیم کر لیا ہے، پس صرف کتاب فہمی کے لئے اس بحث کو سمجھنا ہے، اور دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے وہ سند کے ساتھ ہے، اور تیسری حدیث ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور اس پر بھی طویل کلام ہے۔

حدیث (۱): ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ولی کے بغیر نکاح نہیں“ تشریح: اس حدیث میں ائمہ خلاشا اور صاحبین نے لاکوفی شیء کا لیا ہے، چنانچہ وہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک لافنی کمال کا ہے اور حدیث کا مطلب ہے ”ولی کے بغیر نکاح زیبا نہیں“ — اسلامی معاشرہ میں عورتوں کے تمام کام مردوں کے توسط سے ہونے چاہئیں، مرد عورتوں پر حاکم ہیں، بست و کشادان کے ہاتھ میں ہے، وہی عورتوں کے مصارف کے ذمہ دار ہیں، عورتیں ان کی پابند ہیں، سورۃ النساء آیت ۳۴ میں ہے: مرد عورتوں پر حاکم ہیں، لہذا عورتوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنا نکاح خود کریں اور اولیاء کو خبر بھی نہ ہو، یہ اولیاء کی حق تلفی اور ان کی بے قدری ہے۔

حدیث (۲): صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی عورت نکاح کی گئی ولی کی اجازت کے بغیر تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ پس اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اور شوہر اس سے جماع کر لے تو اس عورت کے لئے مہر ہے شوہر کے عورت کی شرمگاہ کو حلال طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے (پھر آپؐ نے دوسرا مسئلہ بتایا) پس اگر اولیاء جھگڑیں (یا کسی عورت کا ولی نہ ہو) تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں، یعنی اختلاف کی صورت میں اور ولی نہ ہونے کی صورت میں قاضی ولی ہوگا۔

تشریح

۱- نکاح: مجہول ہے، اگر معروف پڑھیں گے تو عبارت النساء کا مسئلہ ہو جائے گا، اور تمام شارحین متفق ہیں کہ اس حدیث میں عبارت النساء کا مسئلہ نہیں ہے، پس اس کو معروف پڑھنا صحیح نہیں، مجہول پڑھنا ہی ضروری ہے۔

۲- مذکورہ بالا ارشاد آپؐ نے خطاب عام کے دوران فرمایا ہے، آپؐ تقریر میں جس بات پر زور دینا چاہتے تھے اس کو سامنے، دائیں اور بائیں تین مرتبہ ارشاد فرماتے تھے۔

۳- ائمہ خلاشا اور صاحبین نے اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کو جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہے باطل اور کالعدم قرار دیا ہے، پس معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت نکاح کی صحت کے لئے شرط

ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عید کی حدیث ہے اور عید کی حدیثوں میں ناقص کو کالعدم فرض کر کے گفتگو کی جاتی ہے جیسے کتاب الطہارۃ باب ۱۰ میں حدیث گذری ہے کہ جس نے حائضہ سے محبت کی یا بیوی کی پچھلی راہ میں اپنی ضرورت پوری کی یا کابین کے پاس گیا اور اس سے غیب کی باتیں پوچھیں تو اس نے اس دین کا انکار کر دیا جو محمد (ﷺ) پر اتارا گیا ہے، یہ عید کی حدیث ہے اس میں ناقص ایمان کو کالعدم فرض کر کے گفتگو کی گئی ہے، چنانچہ ایسے شخص کی تکفیر کا کوئی قائل نہیں، اسی طرح یہاں بھی ناقص نکاح کو کالعدم فرض کیا گیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے اس عورت کو جو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کی گئی ہے مہر دلویا ہے۔ لفظ مہر کا مفاد یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ ولی ہائے ہشہ کے بدلہ میں اگر رقم ملے تو اس کے لئے لفظ عقر آتا ہے اور آپؐ نے صاف فرمایا ہے کہ یہ مہر شوہر کے عورت کی شرم گاہ کو حلال طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے ہے پس غور کیا جائے عورت کی شرم گاہ نکاح کے بغیر حلال طور پر کیسے استعمال ہو سکتی ہے؟ معلوم ہوا کہ باطل ناقص نکاح کو کالعدم فرض کر کے کہا گیا ہے۔ زجر و تنبیخ کے وقت ایسا کیا جاتا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے اور ولی کے اعتراض کرنے کی وجہ سے قاضی نکاح فسخ کر دے تو شوہر پر مہر واجب ہے، کیونکہ نکاح صحیح تھا اور شوہر نے نکاح صحیح کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے پس مہر واجب ہے۔

نوٹ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حدیث: لا نکاح إلا بولی مروی ہے اور اس کی سند میں بھی ابن جریج ہیں۔ امام ترمذی نے آگے اس پر کلام کیا ہے، البتہ ابن جریج کی مذکورہ بالا حدیث پر کلام نہیں ہے۔

[۱۴] باب ما جاء لا نکاح إلا بولی

[۱۰۸۳] - حدثنا علي بن خنجر، ناشر بن عبد الله، عن أبي إسحاق ح: وحدثنا قتيبة، نا أبو عوانة، عن أبي إسحاق ح: وقنا بن ذر، قنا عبد الرحمن بن مهدي، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، ح: وقنا عبد الله بن أبي زياد، نا زيد بن حباب، عن يونس بن أبي إسحاق، عن أبي إسحاق، عن أبي بردة، عن أبي موسى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا نکاح إلا بولی"

ولی الباب: عن عائشة، وابن عباس، وأبي هريرة، وعمران بن حصين، وأنس.

[۱۰۸۴] - حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان بن عيينة، عن ابن جريج، عن سليمان، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أما امرأة نكحت بغير إذن وليها، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له"

هذا حديث حسن، وقد روى يحيى بن سعيد الأنصاري، ويحيى بن أيوب، وسفيان الثوري، وغير واحد من الحفاظ عن ابن جريج، نحو هذا.

وحدث أبی موسى حديثاً فيه اختلافاً: رَوَاهُ إِسْرَائِيلُ، وَشَرِيكَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبُو عَوَّادٍ، وَزُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، وَهَسُّ بْنُ الرَّبِيعِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَرَوَاهُ أَشْبَاهُ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَزَيْدُ بْنُ حَبَابٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَرَوَى أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْوَةً، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ.

وَقَدْ رَوَى عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَرَوَى شُعْبَةُ وَالْقُرَيْشِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ"

وَقَدْ ذَكَرَ بَعْضُ أَصْحَابِ سُفْيَانَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، وَلَا يَصِحُّ.

وَرَوَايَةُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ رَوَوْا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ" جَدِيدٌ أَصَحُّ، لِأَنَّهُ سَمِعَهُمْ مِنْ أَبِي إِسْحَاقَ فِي أَوْقَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ، وَإِنْ كَانَ

شُعْبَةُ وَالْقُرَيْشِيُّ أَحْفَظَ وَأَثَبَتْ مِنْ جَمِيعِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ رَوَوْا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ هَذَا الْحَدِيثَ، فَإِنَّ رِوَايَةَ هَؤُلَاءِ جَدِيدٌ أَشْبَهُ وَأَصَحُّ، لِأَنَّهُ شُعْبَةُ وَالْقُرَيْشِيُّ سَمِعَا هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ أَبِي إِسْحَاقَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ.

وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ: مَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، نَا أَبُو دَاوُدَ، أَنَّهُ نَا شُعْبَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ الْقُرَيْشِيَّ يَسْأَلُ أَبَا إِسْحَاقَ: أَسَمِعْتَ أَبَا بُرْدَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ؟" فَقَالَ نَعَمْ.

فَدَلَّ هَذَا الْحَدِيثَ عَلَى أَنَّ سَمَاعَ شُعْبَةَ وَالْقُرَيْشِيَّ هَذَا الْحَدِيثَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ.

وَإِسْرَائِيلُ هُوَ ثَبَتَ فِي أَبِي إِسْحَاقَ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُثَنَّى يَقُولُ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَهْدِيٍّ يَقُولُ: مَا لَانِي اللَّيْلُ فَاتَنِي مِنْ حَدِيثِ الْقُرَيْشِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، إِلَّا لَمَّا اتَّكَلْتُ بِهِ عَلَى إِسْرَائِيلَ، لِأَنَّهُ كَانَ يَأْتِي بِهِ أَتَمَّ.

وضاحت: حدیث (نمبر ۱۰۸۲) کو ابن جریر سے سفیان بن عیینہ نے روایت کیا ہے اور یحییٰ بن سعید انصاری، یحییٰ بن ابیوب اور سفیان ثوری وغیرہ حفاظ ان کے متابع ہیں وہ بھی اس کو ابن جریر سے اسی طرح روایت کرتے ہیں

(پس اس حدیث پر اتنا ہی کلام ہے)

حدیث (نمبر ۱۰۸۳) کی متعدد سندیں ہیں اور ابواسحاق مدار حدیث ہیں، ان سے اوپر ایک ہی سند ہے اور اس کی مختلف سندیں اس طرح ہیں:

۱- اسرائیل، شریک بن عبد اللہ، ابو عوانہ، زبیر بن معاویہ اور قیس بن الربیع: سند میں ابواسحاق اور حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۲- اور یونس بن ابی اسحاق کے علاوہ میں اشکاف ہے:

(الف) اسباط بن محمد اور زید بن حباب: یونس سے روایت کرتے ہیں اور سند میں ابواسحاق اور ابو موسیٰ دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں یعنی ان کی سند اسرائیل وغیرہ کی سند کی طرح ہے (جاننا چاہئے کہ ہندوستانی نسخوں میں یونس بن ابی اسحاق کے بعد عن ابی اسحاق نہیں ہے، مصری نسخہ میں ہے۔ میں نے مصری نسخہ کے مطابق عبارت کردی ہے اس لئے کہ اوپر زید بن حباب کی حدیث آئی ہے وہاں عن ابی اسحاق ہے)

(ب) ابو عبیدۃ الحداد کی سند میں عن ابی اسحاق نہیں ہے، یعنی یونس بن ابی اسحاق براہ راست ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں (ظاہر ہے یہ وہم ہے البتہ آخر میں حضرت ابو موسیٰ کا ذکر ہے)

(ج) اور یونس کے بعض علاوہ سند میں ابواسحاق اور حضرت ابو موسیٰ دونوں کا ذکر نہیں کرتے۔

۳- اور شعبہ اور ثوری دونوں بھی ابواسحاق سے مرسل روایت کرتے ہیں، یعنی آخر میں حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ کا ذکر نہیں کرتے۔ البتہ سفیان ثوری کے بعض علاوہ سند میں ابو موسیٰ کا ذکر کرتے ہیں، یعنی حدیث کو موصول کرتے ہیں مگر وہ سند غلط ہے، محدثین کا اتفاق ہے کہ سفیان اور شعبہ کی سند میں حضرت ابو موسیٰ کا ذکر نہیں ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: میرے نزدیک اصح وہ سند ہے جس کو روایت کی کثیر تعداد بیان کرتی ہے جو ابواسحاق اور حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں، یہی سند امام ترمذی نے باب کے شروع میں لکھی ہے اور سفیان اور شعبہ اگرچہ حافظ حدیث اور امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں مگر ان دونوں نے ایک ہی مجلس میں یہ حدیث سنی ہے، پس یہ ایک حدیث ہے وہ دونوں ایک دوسرے کے متابع نہیں ہیں اور جو حضرات حدیث کو موصول کرتے ہیں یعنی ابو موسیٰ کا ذکر کرتے ہیں وہ روایت بہت ہیں۔ اور انھوں نے مختلف سالوں میں ابواسحاق سے یہ حدیث سنی ہے، پس وہ ایک دوسرے کے متابع ہیں، اس لئے ان کی حدیث اصح ہے (امام ترمذی کی بات پوری ہوئی)

میں کہتا ہوں: سفیان ثوری کے سوال کا منشاء صرف سماع کی تحقیق ہے، پوری سند دریافت کرنا مقصود نہیں، حدیث کی سند تو معروف تھی، پوچھنے کا جو انداز ہے وہ اس کی دلیل ہے، شعبہ کہتے ہیں: ثوری نے ابواسحاق سے پوچھا: کیا آپ نے ابو بردہ سے حدیث: لا نکاح الا بولی سنی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ معلوم ہوا کہ ثوری کا منشاء صرف سماع کی تحقیق

تھا، پس ان دونوں حضرات کی روایات اکثر روایات کی سند سے مختلف نہیں ہے، ان کی روایت بھی موصول ہے۔ واللہ اعلم اور جمہور کی حدیث کے اصح ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اسرائیل کو اپنے دادا ابواسحاق کی سندیں سب سے زیادہ یاد تھیں، عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں: میں سفیان ثوری کے سبق میں پابندی سے جاتا تھا، لیکن جس زمانہ میں وہ ابواسحاق کی حدیثیں بیان کرتے تھے میں سبق میں جانے کا اہتمام نہیں کرتا تھا، کیونکہ میں وہ سب روایتیں اسرائیل سے لکھ چکا تھا اور اسرائیل کو اپنے دادا کی حدیثیں سفیان ثوری سے زیادہ یاد تھیں، اور وہ ان کو زیادہ کامل بیان کرتے تھے (ابن مہدی کا یہ قول پہلے بھی کتاب الطہارۃ باب ۱۳ میں گذر چکا ہے)

ترجمہ: میں نے محمد بن ایشی سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے عبدالرحمن بن مہدی سے سنا، وہ کہتے ہیں: میرے ہاتھ سے نہیں نکل گئیں وہ حدیثیں جو میرے ہاتھ سے نکل گئیں، سفیان ثوری کی حدیثوں میں سے جو وہ ابواسحاق سے روایت کرتے تھے مگر میرے حکم کرنے کی وجہ سے ان کے سلسلہ میں اسرائیل پر اس لئے کہ اسرائیل ان حدیثوں کو کامل تر بیان کیا کرتے تھے۔

وحدیث عائشة فی هذا الباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِیٍّ" حدیث حسن، وروى ابن جریج، عن سلیمان بن موسى، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

وَرَوَاهُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ، وَجَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَى عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ. وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: ثُمَّ لَقِيتُ الزُّهْرِيَّ فَسَأَلْتُهُ فَأَنْكَرَهُ، فَضَعُفُوا هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ أَجْلِ هَذَا. وَذَكَرَ عَنْ يَحْيَى بْنِ مَعِينٍ أَنَّهُ قَالَ: لَمْ يَذْكُرْ هَذَا الْحَرْفَ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ إِلَّا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: وَسَمِعْتُ إِسْمَاعِيلَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ لَيْسَ بِذَلِكَ، إِنَّمَا صَحَّحَ كُتُبَهُ عَلَى كُتُبِ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَادٍ مَسْمُوعٍ مِنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَضَعَفَ يَحْيَى رِوَايَةَ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ.

وَالْعَمَلُ فِي هَذَا الْبَابِ عَلَى حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِیٍّ" عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ، وَغَيْرُهُمْ.

وَهَكَذَا رَوَى عَنْ بَعْضِ فَقَهَاءِ الثَّابِتِينَ، أَنَّهُمْ قَالُوا: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِیٍّ: مِنْهُمْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَبِّحِ،

والحسن البصري، وشريح، وإبراهيم النخعي، وعمرو بن عبد العزيز، وغيرهم.
وبهذا يقول سفیان الثوري، والأوزاعي، ومالك، وعبد الله بن المبارك، والشافعي، وأحمد
واسحاق.

یہاں سے امام ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث پر گفتگو کر رہے ہیں جس کا متن ہے: لا نکاح إلا
بولی۔ اور اس حدیث کی سند بھی یحییٰ وہی ہے جو حدیث نمبر ۱۰۸۴ کی ہے، یعنی ابن جریج روایت کرتے ہیں سلیمان
بن موسیٰ سے، وہ زہری سے، وہ عروہ سے، وہ حضرت عائشہ سے اور وہ نبی ﷺ سے۔

چونکہ امام ترمذی نے اس حدیث کو سند کے بغیر پیش کیا ہے اور ابن جریج سے اوپر جو حدیث (نمبر ۱۰۸۴) آئی ہے،
اُس کی اور اس کی سند ایک ہے اس لئے دھوکا ہوتا ہے کہ امام صاحب کی یہ گفتگو حضرت عائشہ کی اس حدیث کے
بارے میں ہے جو اوپر گزری ہے۔

اور حجاج بن ارطاة اور جعفر بن ربیعہ نے اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے یعنی وہ سلیمان بن موسیٰ کے متابع
ہیں، اور ہشام نے عروہ سے روایت کیا ہے یعنی وہ زہری کے متابع ہیں، بعض محدثین نے امام زہری کی اس سند میں
کلام کیا ہے: ابن جریج کہتے ہیں: میری ابن شہاب زہری سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے اس حدیث کے بارے
میں دریافت کیا کہ کیا آپ اس کو روایت کرتے ہیں؟ انھوں نے انکار کیا۔ ابن جریج کے اس قول کی وجہ سے بعض
حضرات نے اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ قول ہی ثابت نہیں، کیونکہ اس قول کو اسماعیل بن
ابراہیم المعروف بابن علیہ کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور اسماعیل نے ابن جریج سے ڈھنگ سے نہیں پڑھا، اس نے
عبد الجید نامی طالب علم کی کاپی سے اپنی کاپی درست کی ہے، اس لئے اسماعیل کا ابن جریج سے سماع معتبر نہیں، یہ بات
یحییٰ بن معین نے بیان کی ہے اور انھوں نے اسماعیل کی جو روایتیں ابن جریج سے ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (غرض
ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی حسن (قابل استدلال) ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث بھی حسن ہے، مگر لا نکاح
میں لا کیسا ہے، نفی شئی کا یا نفی کمال کا؟ اس میں اختلاف ہے، پس اختلاف نص فہمی کا ہے دلائل کا اختلاف نہیں)

ترجمہ: اور یحییٰ بن معین سے مروی ہے: انھوں نے فرمایا: اس مقولہ کو ابن جریج سے صرف اسماعیل بن ابراہیم
نے روایت کیا ہے، یحییٰ کہتے ہیں: اور اسماعیل کا ابن جریج سے سماع معتبر نہیں، اس لئے کہ انھوں نے عبد الجید کی
کاپیوں سے اپنی کاپیوں کی تصحیح کی ہے، ابن جریج سے ٹھیک طرح سے نہیں سنا (یہ تکرار ہے) اور یحییٰ نے اسماعیل کی جو
ابن جریج سے روایتیں ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور اس باب میں نبی ﷺ کی جو حدیث ہے یعنی لا نکاح إلا بولی اس پر اہل علم صحابہ کا عمل ہے، ان میں
سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ اور تابعین میں سے بعض

فقہاء سے یہی روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں: ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ ان میں سے سعید بن المسیب وغیرہ ہیں، اور اسی کے قائل ہیں سفیان ثوری وغیرہ۔

فائدہ: آج دنیا کے بیشتر مالک کی صورت حال یہ ہے کہ لڑکیاں نئی روشنی کی نحوست سے آزاد خیال ہو گئی ہیں، وہ اپنا نکاح خود کر لیتی ہیں، اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں ہوتی، پس اگر عاقلہ بالغہ کے نکاح کو ناجائز کہا جائے گا تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اس لئے لوگ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر مجبوراً عمل کرتے ہیں۔

باب ماجاء لا نکاح إلا ببینۃ

گواہوں کے بغیر نکاح نہیں

نکاح میں دو گواہ بالا جماع شرط ہیں، اگر گواہوں کے بغیر نکاح کیا گیا تو وہ نکاح السر (چپکے سے کیا ہوا نکاح) ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے نکاح السر سے منع فرمایا ہے (مجمع الزوائد ۴: ۲۸۵) اس کے بعد جانا چاہئے کہ اس باب میں تین اختلافی مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: کیا دونوں گواہوں کا بیک وقت ایجاب و قبول مننا ضروری ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب و قبول مننا ضروری نہیں، اگر دونوں گواہ الگ الگ مجلسوں میں ایجاب و قبول سنیں اور نکاح کی تشہیر ہو جائے تو نکاح ہو جائے گا، اعلان کی شرط کے ساتھ نکاح درست ہے۔ اور دیگر فقہاء کے نزدیک دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب و قبول مننا ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر دو مجلسوں میں ایجاب و قبول کیا گیا اور پہلے ایجاب و قبول سے نکاح ہو گیا تو دوسرا ایجاب و قبول فضول ہے، اور اگر پہلے ایجاب و قبول سے نکاح نہیں ہوا اس وجہ سے کہ گواہ ایک تھا تو دوسرے ایجاب و قبول سے بھی نکاح نہیں ہوگا کیونکہ اب بھی گواہ ایک ہے غرض جمہور کے نزدیک دونوں گواہوں کا بیک وقت ایجاب و قبول مننا ضروری ہے۔

دوسرا مسئلہ: فاسق آدمی گواہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گواہ کا عادل اور عیدار ہونا شرط ہے۔ جمہور کے نزدیک ہر شخص گواہ بن سکتا ہے خواہ عیدار ہو یا فاسق۔

تیسرا مسئلہ: عورتیں نکاح کی گواہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے، عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں، دیگر فقہاء کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں تو نکاح درست ہو جائے گا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورتیں اپنا نکاح گواہوں کے بغیر یعنی چوری چھپے کر لیتی ہیں وہ حرام کار ہیں، کیونکہ جب نکاح ہوا تو ان کا شوہروں سے ملنا ناجائز ہے۔

تشریح: یہ حدیث درحقیقت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، مرفوع حدیث نہیں ہے، اور یہ حدیث لا نکاح

إلا بیئنه کے الفاظ سے بھی مروی ہے، جو ابن عباسؓ کا قول ہے، اس کو ثناء عبد الاعلیٰ نے مرفوع کیا ہے اور وہ موقوف بھی بیان کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنی حدیث کی کتاب میں جو غیر مطبوعہ ہے کتاب التفسیر میں اس کو مرفوع اور کتاب الطلاق میں اس کو موقوف بیان کیا ہے، اور غندر وغیرہ نے سعید بن ابی عمرو سے اس کو موقوف روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں بغیر بیئنه نکاح کا مسئلہ ہے، عبارت النساء سے نکاح کا مسئلہ نہیں ہے، نہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا مسئلہ ہے، کیونکہ حکم کا مدار بغیر بیئنه پر ہے۔ اور نکاح میں گواہوں کے اشتراط پر اجماع ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ اجماع ہونے کے بعد مسئلہ قطعی ہو جاتا ہے اگرچہ روایت ضعیف ہو اگر اس مسئلہ میں اجماع نہ ہوتا تو اس حدیث سے گواہوں کا اشتراط ثابت نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ شرطیت و فرضیت ثابت کرنے کے لئے پکی دلیل ضروری ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی روایت نہیں ہے، اور اجماع دلیل قطعی ہے اس سے اشتراط ثابت ہو سکتا ہے۔

فائدہ: چاہتا چاہئے کہ جس مسئلہ میں بھی اجماع ہوگا کسی اثر کے پیش نظر ہوگا اگرچہ وہ اثر ضعیف ہو، اثر کے بغیر اجماع نہیں ہو سکتا، جیسے میں رکعت تراویح کے سلسلہ میں اثر موجود ہے، اگرچہ ضعیف ہے مگر جب میں رکعت تراویح پر اجماع ہو گیا تو مسئلہ قطعی ہو گیا چنانچہ پوری امت علاوہ گمراہ جماعتوں کے تراویح کی میں رکعت کی قائل ہے۔ اسی طرح یہاں بھی روایت کے ضعف کے باوجود جمہور نکاح میں گواہوں کو شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ مسئلہ جماعی ہے۔

[۱۵] باب ما جاء لانكاح إلا بینه

[۱۰۸۵] - حدثنا يوسف بن حماد المصنف البصري، نا عبد الأعلى، عن سعيد، عن قتادة، عن جابر بن زهد، عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "البهائم الكلابي ينكحهن أنفسهن بغير بینه" قال يوسف بن حماد: رَفَعَ عبدُ الأعلى هذا الحديث في التفسير، وأوقفه في كتاب الطلاق، ولم يرفعه.

حدثنا قتيبة، نا غندر، عن سعيد نحوه، ولم يرفعه، وهذا أصح. هذا حديث غير محفوظ، لا تعلم أحدًا رَفَعَهُ إِلَّا ما رَوَى عن عبدِ الأعلى، عن سعيد، عن قتادة مرفوعًا، وروى عن عبدِ الأعلى، عن سعيد هذا الحديث موقوفًا، والصحيح ما رَوَى عن ابن عباس قوله: "لأنكاح إلا بینه"، وهكذا رَوَى غير واحد عن سعيد بن أبي عروبة نحوه هذا موقوفًا.

وله الباب: عن عمران بن حصين، وأنس، وأبي هريرة. والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ومن بعدهم من التابعين وغيرهم، قالوا: لأنكاح إلا بشهود، لم يختلفوا في ذلك عندنا من مضي منهم، إلا قولنا

مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

وَأَمَّا اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هَذَا إِذَا أَشْهَدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ، فَقَالَ أَتَخَوَّرُ أَهْلَ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْخُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ: لَا يَجُوزُ النِّكَاحُ حَتَّى يَشْهَدَ الشَّاهِدَانِ مَعًا عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ، وَلَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ إِذَا أَشْهَدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ: أَنَّهُ جَائِزٌ، إِذَا أَعْلَنُوا ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَهَكَذَا قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ لِيَمَّا حَكَمَى عَنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَلَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: شَهَادَةُ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ تَجُوزُ فِي النِّكَاحِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

ترجمہ: (امام ترمذی کہتے ہیں) یہ سند محفوظ نہیں (یعنی عبدالاعلیٰ نے جو اس سند کو مرفوع کیا ہے وہ ان کا وہم ہے) ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس سند کو مرفوع کیا ہو، مگر اسی سند سے جو عبدالاعلیٰ سے روایت کی گئی ہے، وہ سعید بن ابی عروبہ سے، وہ قتادہ سے مرفوع کرتے ہیں۔ اور صحیح وہ ہے جو ابن عباس سے ان کا قول لا نکاح الا بینه روایت کیا گیا ہے، بہت سے حضرات نے سعید بن ابی عروبہ سے اس کے مانند موقوف روایت کیا ہے۔ اور اس پر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، ہمارے علم میں اس مسئلہ میں گزشتہ لوگوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں، مگر متاخرین میں سے بعض اہل علم نے اختلاف کیا ہے (ان کے نزدیک انعقاد نکاح کے لئے گواہ شرط نہیں، تشہیر کافی ہے تاکہ نکاح السر سے امتیاز ہو جائے۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع (۵۲۲:۲) میں امام مالک کا یہی مذہب بیان کیا ہے) اور علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جب گواہ ایک کے بعد ایک حاضر کئے جائیں تو اہل کوفہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ نکاح صحیح نہیں، یہاں تک کہ دونوں گواہ ایک ساتھ انعقاد نکاح کے وقت حاضر ہوں اور بعض اہل مدینہ کہتے ہیں: جب گواہ ایک کے بعد ایک حاضر کئے گئے تو نکاح منعقد ہو گیا جبکہ اس کا اعلان کر دیا جائے، اور یہ امام مالک کا قول ہے، امام اسحاق نے اہل مدینہ کا یہی قول نقل کیا ہے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور یہ احمد و اسحاق کا قول ہے (اس مسئلہ میں تہا امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک نکاح میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے، عورتوں کی گواہی ان کے نزدیک معتبر نہیں) لوٹ: یوسف: معن بن زائدہ کی نسل سے ہیں اس لئے المعنی: نسبت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ

خطبہ نکاح کا بیان

کسی بھی اہم موقع پر مثلاً کوئی بڑا معاملہ کرنا ہو، کسی نزاعی مسئلہ میں مصالحت کی گفتگو کرنی ہو، تقریر یا عقد نکاح کرنا ہو تو مسنون یہ ہے کہ پہلے خطبہ پڑھا جائے۔

حدیث (۱): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز میں پڑھنے کے لئے تشہد تعلیم فرمایا اور حاجت کے لئے یعنی نکاح وغیرہ اہم ضرورت کے موقع پر پڑھنے کے لئے بھی تشہد (خطبہ) تعلیم فرمایا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں: نماز کا تشہد یہ ہے: اللّٰہُ اکْبَرُ الخ (تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۱۰۲ میں گزر چکی ہے) اور خطبہ حاجت یہ ہے:

ترجمہ: بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور ہم ان سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے، جس کو اللہ تعالیٰ راہِ راست دکھائیں اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ تعالیٰ بھلا دیں اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس کے بعد ایسی تین (یا کم و بیش) آیتیں پڑھے جو اس معاملہ سے متعلق ہوں یا جس پر تقریر کرنی ہو، پھر گفتگو یا بیان شروع کرے، مثلاً: نکاح میں ایجاب و قبول کرے یا کرائے، حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے نکاح کے تعلق سے درج ذیل تین آیتیں منتخب فرمائی ہیں:

پہلی آیت: سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ ہے: ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ (کے احکام کی خلاف ورزی) سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے یعنی کامل درجہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور ہرگز نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم اطاعت شعار ہو، یعنی تمہارا بیٹا اور مرنا مسلمان ہونے کی حالت میں ہونا چاہئے۔

تفسیر: اس آیت کے ذریعہ یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ ایک مسلمان کو ہر حال میں احکام شرعیہ کا مطیع ہونا چاہئے، کسی بھی معاملہ میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے، اور یہ حالت اس کی پوری زندگی کو محیط ہونی چاہئے، پس یہ آیت ہر معاملہ کے شروع میں پڑھی جاسکتی ہے۔

دوسری آیت: سورۃ النساء کی پہلی آیت ہے: ترجمہ: اے لوگو! اس اللہ (کے احکام کی خلاف ورزی) سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اسی نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا ہے اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائی ہیں، اور تم اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر باہم سوال کرتے ہو، اور قرأتوں (کی حق تلفی) سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہیں، یعنی تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر: نکاح کے موقع پر جبکہ ایک یا رشتہ وجود میں آتا ہے، اس آیت پاک کے ذریعہ یہ بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ سب انسان خواہ مرد ہوں یا عورتیں ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اور وہی سب کے خالق ہیں، پس ان کے احکام کی اطاعت واجب ہے۔ اور وجوب کا ایک قرینہ یہ ہے کہ تم آپس میں اس کی قسمیں دیتے ہو اور اس کے نام سے اپنے حقوق و فرائض طلب کرتے ہو۔ اسی اللہ پاک کا ایک خاص حکم یہ ہے کہ اہل قربات کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع

رحمی اور بدسلوکی سے بچو، پس نکاح کے بعد جو مصاہرت کا رشتہ وجود میں آئے: مرد و زن اس رشتہ کا خیال رکھیں۔
تیسری آیت: سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰ و ۷۱ ہیں: ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، وہ تمہارے اعمال درست کر دیں گے، اور تمہارے قصور معاف کر دیں گے، اور جو بندہ اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر چلا اس نے یقیناً بڑی کامیابی حاصل کی۔

تفسیر: نکاح کے بعد خانگی زندگی میں: کبھی زوجین کے درمیان اور کبھی دو خاندانوں کے درمیان مناقشات پیش آتے ہیں، اس سلسلہ میں اس آیت پاک کے ذریعہ یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اگر تم نے احکام الہی کی اطاعت کی اور سیدھی بات کہی تو ان شاء اللہ سب معاملات درست ہو جائیں گے، اور صرف دنیا ہی نہیں آخرت بھی سنور جائے گی، کیونکہ نادرست بات ہی سے جھگڑا کھڑا ہوتا ہے یا بڑھتا ہے جس کا علاج سیدھی گئی بات کہنا ہے، پس مرد و زن دونوں کو اپنی گھریلو زندگی میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ وہ ہمیشہ رورعایت کے بغیر سیدھی اور سچی بات کہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ خطبہ (تقریر) جس میں تشہد (توحید و رسالت کی گواہی) نہ ہو وہ خطبہ کئے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے، یعنی ناقص اور بے برکت ہے۔

تشریح: توحید و رسالت کی گواہی کا اعلان بار بار اور ہر جگہ کرنا چاہئے تاکہ ان دونوں باتوں کی شان بلند ہو، حق کا پرچم لہرائے اور وہ خوب ظاہر ہوں، اس لئے ہر خطبہ میں شہادتین کو شامل کیا گیا ہے۔

[۱۶] باب ماجاء فی خطبة النکاح

[۱۰۸۶] - حَلَلْنَا لِهَيْبَةَ، لَا عَقْرَ بْنَ الْقَاسِمِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُدَ فِي الْحَاجَةِ، قَالَ: التَّشَهُدُ فِي الصَّلَاةِ: الشَّحَاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيَّاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ صِهَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. وَالتَّشَهُدُ فِي الْحَاجَةِ: إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ تَسْتَعِينُهُ وَتَسْتَغْفِرُهُ وَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، قَالَ: وَتَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ.

قَالَ عَثَرُ: فَفَسَّرَهَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ: ﴿اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ، وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ وَ﴿اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ وَ﴿اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَبْدِ بْنِ حَبِيبٍ.

حَدَّثَ عَبْدُ اللَّهِ حَدِيثَ حَسَنٍ، وَرَوَاهُ الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ،

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَكَلَامُ الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ، لِأَنَّ إِسْرَائِيلَ جَمَعَهُمَا فَقَالَ: عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ وَأَبِي

عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِنَّ النِّكَاحَ جَاءَ بِغَيْرِ خُطْبَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[۱۰۸۷-] حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرَّفَاعِيُّ، نَا ابْنُ لُصَيْنٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشْهَدُ فِيهِ كَالْيَدِ الْيَمْنَاءِ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

وضاحت: ابن مسعود کی حدیث کو ابواسحاق سے اعمش اور شعبہ روایت کرتے ہیں، پھر اعمش استاذ الاستاذ کانام ابوالاخص لیتے ہیں اور شعبہ ابوعبیدہ کانام لیتے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: دونوں سندیں صحیح ہیں۔ ابواسحاق نے یہ حدیث ابوالاخص اور ابوعبیدہ دونوں سے روایت کی ہے، چنانچہ اسرائیل نے دونوں سندوں کو جمع کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ابواسحاق روایت کرتے ہیں ابوالاخص اور ابوعبیدہ سے، وہ دونوں ابن مسعود سے اور وہ نبی ﷺ سے، اسرائیل کی حدیث ابوداؤد (حدیث نمبر ۲۱۱۸) میں ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں: خطبہ کے بغیر بھی نکاح جائز ہے یعنی خطبہ سنت ہے ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِغْنَاءِ الْبِكْرِ وَالْثَيِّبِ

کنواری اور بیوہ دونوں سے اجازت طلبی کا بیان

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثیبہ (شوہر دیدہ) کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے حکم لے لیا جائے یعنی صراحۃً اجازت لی جائے۔ اور باکرہ (شوہر نا آشنا) کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے، اور اس کی اجازت (کا ادنیٰ درجہ) خاموشی ہے (اس حدیث سے نابالغہ متشکی ہے، نابالغہ سے اجازت لینی ضروری نہیں، کیونکہ اس کی کوئی رائے نہیں ہوتی)

تشریح: اس حدیث کا مدعی یہ ہے کہ نکاح کے لئے عورت سے بہر حال اجازت لینی چاہئے، پھر اگر عورت شوہر دیدہ ہے تو اس کی صراحۃً اجازت ضروری ہے اور اگر وہ شوہر نا آشنا ہے تو صراحۃً اجازت ضروری نہیں، اس کی خاموشی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ قرآن سے معلوم ہو کہ یہ خاموشی رضامندی ہے۔ اور اگر لڑکی جہاں منگنی کی گئی ہے وہاں شادی کرنے سے براہ منع کرتی رہی ہو تو اب اس کی خاموشی رضامندی نہیں ہوگی، اب صراحۃً اجازت ضروری ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شادی شدہ عورت اپنے نفس کی اس کے ولی سے زیادہ حق دار ہے (الایم: کے اصل معنی ہیں: وہ لڑکی جس کا شوہر نہ ہو، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ۔ مگر یہاں بیوہ مراد ہے، کیونکہ اس کا البکر سے مقابلہ ہے) اور باکرہ سے (بھی) اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شوہر ویدہ عورت اپنا نکاح خود کرے گی اور ولی اس کی مدد کرے گا اور باکرہ کے نکاح کا انتظام ولی کرے گا، البتہ اس کی اجازت سے کرے گا، کیونکہ عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں، خواہ کنواری ہو یا بیوہ۔

فائدہ: حدیث: لانکاح الا بولی کا مفاد یہ تھا کہ عورت کے نکاح کے سلسلہ میں سارا حق ولی کا ہے اس کی رضا مندی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اس باب میں مذکور دونوں حدیثوں کا مفاد یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں پورا حق عورت کا ہے، وہ اجازت دے تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں، اور ایک معاملہ میں دو شخصوں کا پورا پورا حق نہیں ہو سکتا، اس لئے تطبیق کی راہ تلاش کرنی ضروری ہے، اور کتاب الصلوٰۃ باب ۲۲ میں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جب کوئی معاملہ دو فریقوں سے متعلق ہوتا ہے تو شریعت ہر فریق سے اس طرح مخاطب ہوتی ہے کہ گویا ساری ذمہ داری اس پر ہے، دوسرا فریق بالکل آزاد ہے۔ چنانچہ یہاں بھی جب شریعت نے عورتوں سے خطاب کیا تو کہا: لانکاح الا بولی یعنی تمہیں اپنا نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں، نکاح ولی کرے گا اور جب اولیاء سے خطاب کیا تو کہا: عورت کی اجازت ضروری ہے، وہ اجازت دے تو نکاح منعقد ہوگا ورنہ نہیں، نیز کہا: شادی شدہ عورت اپنے نفس کی اس کے ولی سے زیادہ حقدار ہے، یعنی وہ جہاں نکاح کرنا چاہے ولی کو منع کرنے کا حق نہیں۔ غرض جب عورتوں سے خطاب کیا تو سارا حق ولیوں کو سونپ دیا اور جب اولیاء سے خطاب کیا تو عورتوں کو مختار بنا دیا، اور اس طرح معاملہ میں اعتدال پیدا کر دیا، پس ایسی صورت میں قرآن سے متعین کرنا ہوگا کہ زیادہ حق کس کا ہے؟ چنانچہ بخاری (حدیث ۵۱۳۸) میں حدیث ہے کہ خضام بنت خدام کا نکاح ان کے والد نے ان سے پوچھے بغیر کر دیا اور وہ بیوہ تھیں، جنگ احد میں ان کے شوہر شہید ہو گئے تھے، جب ان کو پتہ چلا تو انھوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور نبی پاک ﷺ کے سامنے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو آپ نے اس نکاح کو ختم کر دیا۔ معلوم ہوا کہ عورت کا حق زیادہ ہے اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے کہ عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا ہو اور آنحضور ﷺ نے اس کو رد کر دیا ہو، بلکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ نے نکاح فرمایا تو ان کا کوئی ولی موجود نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے بہنوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا اور انھوں نے آنحضور ﷺ سے ان کا نکاح کیا جبکہ بہنوئی ولی نہیں ہوتا، پس یہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہوا تھا۔ اور عورت سے پوچھے بغیر ولی کے نکاح کرنے کی صورت میں نکاح فسخ کرنا مروی ہے، پس یہ دلیل ہے کہ عورت کے

نکاح میں خود عورت کا حق زیادہ ہے، البتہ اگر ولی عورت سے اجازت لئے بغیر نکاح کر دے اور عورت بعد میں اجازت دیدے تو نکاح بالاتفاق منعقد ہو جائے گا، اسی طرح اگر عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے اور بعد میں ولی راضی ہو جائے تو بھی نکاح منعقد ہو جانا چاہئے، بلکہ بدرجہ اولیٰ منعقد ہو جانا چاہئے، کیونکہ عورت کا حق زیادہ ہے، ہاں اگر ولی عورت کے کئے ہوئے نکاح پر راضی نہ ہو اور نکاح غیر کفو میں ہوا ہو تو ولی کو اعتراض کا حق ہے۔

غرض امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جب ولی کا کیا ہوا نکاح عورت کی اجازت لاحقہ سے منعقد ہو جاتا ہے تو خود عورت کا کیا ہوا نکاح ولی کی اجازت لاحقہ سے کیوں منعقد نہیں ہوگا، جبکہ عورت کا حق نکاح کے معاملہ میں ولی سے زیادہ ہے، ہاں اگر ولی کی طرف سے اجازت نہ ہو، نہ لاحقہ اور نہ سابقہ تو اسے اعتراض کا حق ہے۔

نوٹ: امام ترمذی نے امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال سمجھا ہی نہیں، بغیر سمجھے اعتراض کیا ہے اس لئے وہ اعتراض بے وزن ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۷] باب ماجاء فی استیمار البکر والثیب

[۱۰۸۸-] حدثننا إسحاق بن منصور، نا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ، نا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُنْكَحُ الثَّيْبُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبُكَرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، وَإِذْنُهَا الصُّمُوتُ"

وفى الباب: عَنْ عَمْرِو، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَالِشَةَ، وَالْعُرْسِ بْنِ عَمِيرَةَ.

حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم أن الثيب لا تزوج حتى تستأمر، وإن زوجها الأب من غير أن يستأمرها، فكرهت ذلك، فالنكاح مفسوخ عند عامة أهل العلم. واختلف أهل العلم في تزويج الأنكار إذا زوجها الأب، قرأى أكثر أهل العلم من أهل الكوفة وغيرهم: أن الأب إذا زوج البكر وهي بالغة، بغير أمرها، فلم ترض بتزويج الأب، فالنكاح مفسوخ. وقال بعض أهل المدينة: تزويج الأب على البكر جائز، وإن كرهت ذلك، وهو قول مالك بن أنس والشافعي وأحمد وإسحاق.

[۱۰۸۹-] حدثننا قتيبة، نا مالك بن أنس، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ نَافِعٍ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْأَيْمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبُكَرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صَمَتُهَا"

هذا حديث حسن صحيح، وقد روى شعبه وسفيان الثوري هذا الحديث عن مالك بن أنس. واحتج بعض الناس في إجازة النكاح بغير ولي بهذا الحديث، وليس في هذا الحديث ما احتجوا

بہ، لِأَنَّهُ قَدْ رَوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ" وَهَكَذَا أَقْبَى بِهِ ابْنُ عَبَّاسٍ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ. وَإِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْأَيْمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا" عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْوَلِيَّ لَا يُزَوِّجُهَا إِلَّا بِرِضَاهَا وَأَمْرِهَا، فَإِنْ زَوَّجَهَا فَالنِّكَاحُ مَقْسُوحٌ: عَلَى حَدِيثِ خَنْسَاءَ بِنْتِ خَدَّامٍ، حَيْثُ زَوَّجَهَا أَبُوهَا وَهِيَ قَتَبٌ، فَكُرِّهَتْ ذَلِكَ، فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِكَاحَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر علماء کا عمل ہے کہ شیبہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ حکم لیا جائے یعنی صراحۃً اجازت لی جائے، اور اگر صراحۃً اجازت لئے بغیر باپ نے اس کا نکاح کر دیا پس اس نے اس کو ناپسند کیا تو اکثر علماء کے نزدیک نکاح نہیں ہوا۔

اور علماء کا کنواری لڑکیوں کے نکاح کے سلسلہ میں اختلاف ہے، جب ان کا نکاح آباء کرویں، پس کوفہ وغیرہ کے اکثر علماء کہتے ہیں کہ باپ نے جب باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا اور انحالیکہ وہ بالغہ ہے پس وہ باپ کے نکاح پر راضی نہیں تو نکاح کا عدم ہے (کیونکہ باکرہ بالغہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں) اور بعض اہل مدینہ کہتے ہیں: باپ کا باکرہ لڑکی کا نکاح کرنا (اس کی اجازت کے بغیر) نافذ ہے، اگرچہ وہ اس نکاح کو ناپسند کرے، اور یہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے (۱) — اس کے بعد ابن عباس کی حدیث ہے اس کو شیبہ اور سفیان ثوری نے بھی امام مالک سے روایت کیا ہے۔

(امام اعظم پر اعتراض) اور بعض لوگ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے نافذ ہونے پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں وہ بات نہیں ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں، اس لئے کہ ابن عباس سے متعدد طرق سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں ہے نکاح مگر ولی کی اجازت سے" (۲) اور ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں (۳) (پس ابن عباس کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرنا کہ ولی کی اجازت ضروری نہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ ابن عباس کے نزدیک ولی کی اجازت ضروری تھی، پھر ان کی مذکورہ حدیث کا کیا مطلب ہے؟ امام ترمذی فرماتے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: الْاَيْمُ أَحَقُّ بِمَطْلَبِ أَكْثَرِ عُلَمَاءِ کے نزدیک یہ ہے کہ ولی عورت کا نکاح نہ کرے مگر اس کی رضامندی اور اس کے حکم سے، پس اگر اس نے عورت سے اجازت لئے بغیر نکاح کر دیا تو وہ نکاح نہیں ہوا جیسا کہ خنساء بنت خدام کی حدیث میں آیا ہے۔ ان کا نکاح ان کے والد نے کیا

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کو باکرہ پر ولایت اجبار حاصل ہے، خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ، پس ولی اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر سکتا ہے۔ اور احناف کے نزدیک بالغہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں، اگرچہ کنواری ہو، پس عاقلہ بالغہ کی اجازت نکاح کے لئے شرط ہے، تفصیل کتاب النکاح باب ۱۴ میں ملاحظہ کیجئے۔ (۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سنن بیہقی (۷: ۷۰-۷۱) میں ہے (۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بھی سنن بیہقی (۷: ۱۱۳) میں ہے۔

تھا جبکہ وہ چوتھے ہیں انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا تو رسول اللہ ﷺ نے باپ کے نکاح کو ختم کر دیا (۱)۔
 تشریح: امام ترمذی نے حدیث الایمہ اسحق کا جو مطلب بیان کیا ہے کہ شیبہ کے نکاح کے لئے اجازت ضروری ہے، اگر اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا گیا اور اس نے اس نکاح کو ناپسند کیا تو وہ نکاح کا عدم ہے، حدیث کا یہ مطلب بلاشبہ صحیح ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ بھی حدیث کا یہی مطلب لیتے ہیں۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جب ولی کا کیا ہوا نکاح عورت کی اجازت و لاحقہ سے بالاتفاق منعقد ہو جاتا ہے تو خود عورت کا کیا ہوا نکاح ولی کی اجازت و لاحقہ سے کیوں منعقد نہیں ہوگا؟ وہ بدرجہ اولیٰ منعقد ہو جائے گا کیونکہ عورت کا حق اپنے نکاح کے سلسلہ میں ولی سے زیادہ ہے۔ امام اعظم کا استدلال یہ ہے اور اس کو توڑنا ناممکن ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْرَاهِ التَّيْمَةِ عَلَى التَّزْوِيجِ

تیم لڑکی کو نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں

تابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ان کو خیار بلوغ حاصل ہے یا نہیں؟ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ تابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے، پھر حنفیہ کے نزدیک اگر باپ یا دادا نے نکاح کیا ہے تو خیار بلوغ حاصل نہیں اور اگر کسی اور ولی نے نکاح کیا ہے تو خیار بلوغ حاصل ہے۔ لڑکے کو بھی اور لڑکی کو بھی۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر لڑکی نو سال کی تھی پھر نکاح کیا گیا تو خیار بلوغ حاصل نہیں، اور اس سے پہلے کیا گیا ہے تو خیار بلوغ حاصل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکی نو سال میں بالغ ہو جاتی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تابالغ تیم بھی نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور وہ خیار بلوغ کے بھی قائل نہیں وہ فرماتے ہیں: تابالغ ہونے کی بنا پر تیم بھی کی اجازت مستبر نہیں اور باپ دادا کی غیر موجودگی میں کسی اور کو اس پر ولایت و اجبار بھی حاصل نہیں (فتح القدیر ۱: ۲۳۷)۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیم لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں حکم لیا جائے، یعنی اس سے صراحتہ اجازت لی جائے (یہ قرینہ ہے کہ یہاں التیمۃ مجاز ہے کیونکہ تابالغہ سے اجازت لینے کا کوئی مطلب نہیں) پس اگر وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس جگہ نکاح کرنے کا کوئی جواز نہیں جہاں وہ انکار کرتی ہے۔

تشریح: تیممہ کے معنی ہیں: وہ بھی جس کا باپ مر چکا ہے اور اس کا اطلاق صغیرہ اور کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے، خود نبی (۳) خضام: پہلے انہیں بن قادہ کے نکاح میں تھیں، جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ان کے والد نے ان کا نکاح قبیلہ خزیمہ کے ایک شخص سے کر دیا، ان کو یہ نکاح پسند نہ آیا تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کا نکاح ختم کر دیا (بخاری ص: ۷۱۷)۔
 پھر ان کا نکاح ابولبابہ بن احمد سے ہوا، ان سے سائب پیدا ہوئے۔ اور غدام: ذوال اور دال دونوں کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔

ہو گیا ہو اور کوئی دوست یا رشتہ دار اس کی پرورش کرے تو اس کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ جہاں چاہے اس کا نکاح کر دے، جب کوئی شخص یتیم کی پرورش کرتا ہے تو عام طور پر ذہن یہ بن جاتا ہے کہ میں نے پرورش کی ہے، پس میں جہاں چاہوں نکاح کروں۔ آپ نے اس سے منع فرمایا۔ اس میں یتیم بچی کی حق تلفی ہے اس کی خواہش کا احترام کرنا اور اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری ہے، جہاں سرپرست نکاح کرنا چاہتا ہے اگر لڑکی انکار کرے تو سرپرست کو وہاں نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں۔ غرض امام ترمذی نے اس باب میں جو خیاری بلوغ کا مسئلہ چھیڑا ہے اس کا اس حدیث سے کوئی خاص تعلق نہیں، یہ حدیث: یتیم بچوں کی لوگ جو حق تلفی کرتے ہیں اس سلسلہ کی ہے۔

سوال: لڑکی کو خیاری بلوغ دینا تو مقبول ہے مگر لڑکے کو یہ خیاری دینا بے فائدہ ہے کیونکہ اس کو طلاق دینے کا اختیار ہے، وہ جب چاہے نکاح ختم کر سکتا ہے۔

جواب: اگر لڑکا خیاری بلوغ کی وجہ سے نکاح ختم کرے گا تو مہر نہیں دینا پڑے گا اور طلاق دے کر نکاح ختم کرے گا تو آدھا مہر دینا ہوگا، کیونکہ قبل الدخول طلاق دینے سے نصف مہر واجب ہوتا ہے پس خیاری بلوغ کی ضرورت لڑکے کو بھی ہے۔

[۱۸] باب ماجاء فی إکراه الیتیمۃ علی التزوید

[۱۰۹۰] - حدثنا فضیلة، نا عبد العزيز بن محمد، عن محمد بن عمرو، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الیتیمۃ تستأمر فی نفسها، فإن صمتت فهو إذنها، وإن أبت فلا جواز علیها"

والی الباب: عن أبي موسى، وابن عمر. قال أبو عیسی: حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن. واختلف أهل العلم فی تزویج الیتیمۃ: فوأي بعض أهل العلم: أن الیتیمۃ إذا تزوجت فالنکاح موقوف حتی تبلى، فإذا بلغت فلها الخيار فی إجازة النکاح أو فسخیه، وهو قول بعض التابعین وغيرهم. وقال بعضهم: لا يجوز نكاح الیتیمۃ حتی تبلى، ولا يجوز الخيار فی النکاح، وهو قول سفیان الثوري والشافعي وغيرهما من أهل العلم.

وقال أحمد وإسحاق: إذا بلغت الیتیمۃ تسع سنين فزوجت فزوجت، فالنکاح جائز، ولا خيار لہا إذا أخرت، واحتجوا بحديث عائشة: أن النبی صلى الله عليه وسلم بنى بها وهي بنت تسع سنين، وقد قالت عائشة: إذا بلغت الجارية تسع سنين فهي امرأة.

ترجمہ: علماء کا یتیم بچی کے نکاح کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض اہل علم کہتے ہیں: یتیمہ کا اگر نکاح کیا جائے تو

نکاح موقوف رہے گا تا آنکہ وہ بالغ ہو جائے، پس جب وہ بالغ ہو تو اسے نکاح باقی رکھنے کا یا ختم کرنے کا اختیار ہے، اور یہ بعض تابعین وغیرہ کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: ہتھمہ کا نکاح جائز ہی نہیں تا آنکہ وہ بالغ ہو جائے اور نکاح میں اختیار (خیار بلوغ) نہیں اور یہ سفیان ثوری اور امام شافعی وغیرہ اہل علم کا قول ہے۔ اور امام احمد اور امام اسحاق فرماتے ہیں: جب ہتھمہ نو سال کی ہوگئی پس اس کا نکاح کیا گیا، پس وہ راضی ہوگئی تو نکاح درست ہے اور اس کے لئے بلوغ کے بعد خیار نہیں، اور دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے ساتھ عروسی فرمائی دراصل ایک وہ نو سال کی تھیں (معلوم ہوا کہ نو سال میں لڑکی بالغ ہو جاتی ہے، نو سال سے پہلے لڑکی کے نکاح کے عدم جواز پر اس حدیث سے استدلال نہیں کیا کیونکہ حضرت عائشہ کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب لڑکی نو سال کی ہوگئی تو وہ عورت ہوگئی یعنی بالغ ہوگئی۔ فائدہ: علماء فرماتے ہیں: لڑکی اور لڑکا بالترتیب نو اور بارہ سال سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتے اس کے بعد کسی بھی وقت بالغ ہو سکتے ہیں، اور آب و ہوا، صحت اور غذا کے اختلاف سے زمانہ بلوغ مختلف ہوتا ہے اس لئے بلوغ کی کوئی ایک حد متعین کرنا مشکل ہے۔

باب ماجاء فی الولیین یزوّجان

دو ولی ایک ساتھ نکاح کر دیں تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی کے دو ولی ہوں اور وہ برابر درجہ کے ہوں مثلاً باپ نہ ہو اور دو بھائی ولی ہوں اور وہ الگ الگ جگہ عقد کر دیں تو پہلا کیا ہوا نکاح نافذ ہوگا اور دوسرا کالعدم ہوگا۔ اور اگر دونوں ایک ساتھ (مقارنت حقیقہ سے) نکاح کریں تو دونوں عقد باطل ہو گئے إِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا، اور اگر ولیوں میں تفاوت درجہ ہو تو اقرب کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوگا، اور ابعد کا کالعدم ہوگا۔

[۱۹] باب ماجاء فی الولیین یزوّجان

[۱۰۹۱] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا غُنْدَرٌ، نَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَدَادَةَ، عَنْ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ بِنْتِ جُنْدَبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلأَوَّلِ مِنْهُمَا، وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلأَوَّلِ مِنْهُمَا"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، لَا تَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِي ذَلِكَ اخْتِلَافًا: إِذَا زَوَّجَ أَحَدُ الْوَلِيِّينَ قَبْلَ الْآخَرِ، فَالنِّكَاحُ الْأَوَّلُ جَائِزٌ، وَالنِّكَاحُ الْآخَرُ مَفْسُوخٌ، وَإِذَا زَوَّجَا جَمِيعًا فَالنِّكَاحُ جَمِيعًا مَفْسُوخٌ، وَهُوَ قَوْلُ الْقَوَائِدِ وَاحِدٌ وَإِسْحَاقُ

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس عورت کا نکاح دوولی کریں تو وہ عورت ان میں سے پہلے کے لئے ہے، اور جس نے کوئی چیز دو آدمیوں کو پہنچی تو وہ ان میں سے پہلے کے لئے ہے۔“ اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، ہم ان کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں جانتے: جب دو ولیوں میں سے ایک دوسرے سے پہلے نکاح کر دے تو پہلے کا نکاح نافذ ہوگا، اور دوسرے کا نکاح کالعدم ہوگا، اور جب دونوں ایک ساتھ نکاح کریں تو دونوں کا نکاح کالعدم ہوگا۔

باب ماجاء فی نکاح العبد بغير إذن سيده

مولیٰ کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح کرنا

اگر غلام آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو احناف کے نزدیک نکاح آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر آقا اجازت دیدے تو نکاح نافذ ہو جائے گا، دوبارہ ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں اور اگر آقا اجازت نہ دے تو نکاح ختم ہو جائے گا، اور ائمہ خلافت کے نزدیک آقا کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، پس آقا کی اجازت کے بعد دوبارہ ایجاب و قبول کرنا ہوگا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو بھی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔ غلام زانی اس وقت ہے جب آقا کی اجازت سے پہلے بیوی سے محبت کر لے۔

تشریح: چونکہ غلام اپنے آقا کی چاکری میں مشغول ہوتا ہے اور نکاح اور اس کے تعلقات مولیٰ کی خدمت میں خلل انداز ہوتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس کا نکاح مالک کی اجازت پر موقوف رہے اور باعدي کا بھی بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہے اس کا نکاح بھی اس کے آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

[۶۰] باب ماجاء فی نکاح العبد بغير إذن سيده

[۱۰۹۲-] حدثنا علي بن حنبل، والوليد بن مسلم، عن زهير بن محمد، عن عبد الله بن محمد بن عقیل، عن جابر بن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم [قال:] ”أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ فَهُوَ غَايِرٌ“

وفی الباب: عن ابن عمر، حديث جابر حديث حسن، ورؤي بعضهم هذا الحديث عن عبد الله بن محمد بن عقیل، عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم، ولا يصح، والصحيح: عن عبد الله بن محمد بن عقیل، عن جابر بن عبد الله.

والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: أن نکاح

العَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ لَا يَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ وَغَيْرِهِمَا.

[۱۰۹۳] - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ، نَا أَيْبَى، نَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ

بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ

سَيِّدِهِ فَهُوَ عَاهَرٌ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: مذکورہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے، بعض روایات جو اس کی سند ابن عمر تک پہنچاتے ہیں وہ

صحیح نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُهُورِ النِّسَاءِ

عورتوں کی مہروں کا بیان

رسول اللہ ﷺ سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں مہر مقرر کیا جاتا

تھا، اسلام نے اس طریقہ کو برقرار رکھا ہے۔ مہر اس بات کی علامت ہے کہ نکاح کرنے والا عورت کا طالب اور خواستگار

ہے اس لئے وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

اور مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار بالاتفاق متعین نہیں سورۃ النساء کی آیت ۲۰ اس کی دلیل ہے اور کم سے کم مقدار

متعین ہے یا نہیں؟ اور غیر مال مہر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر چیز خواہ

مال ہو یا غیر مال جیسے تعلیم قرآن اور خدمت وغیرہ مہر بن سکتی ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک غیر مال مہر نہیں ہو سکتا، صرف

ایسا مال جو بیع میں شمن بن سکتا ہے مہر مقرر ہو سکتا ہے۔ سورۃ النساء آیت ۲۴ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَأَجَلَ لَكُمْ

مَازَوَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی محرمات کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم ان کو

اپنے مالوں کے ذریعہ طلب کرو، اس آیت سے ثابت ہوا کہ مہر مال ہی ہو سکتا ہے اور تعلیم قرآن اور خدمت وغیرہ مال

نہیں ہیں اس لئے وہ مہر نہیں بن سکتے۔

اور مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کم سے

کم مہر متعین نہیں جس مال پر بھی زوجین راضی ہو جائیں وہ مہر ہو سکتا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی

دینار یعنی تین درہم، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم کم سے کم مہر ہونا ضروری ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ سورۃ النساء کی مذکورہ آیت میں اموال: مال کی جمع ہے، جو جمع قلت کا

وزن ہے جس کا تین سے دن تک اطلاق ہوتا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بہ سند حسن روایت مروی ہے کہ

لَا مَهْرَ أَقْلٍ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ یعنی دس درہم سے کم مہر نہیں ہو سکتا، یہ حدیث آیت پاک کے لئے بیان کی حیثیت

رکتی ہے، پس مہر کم سے کم دس درہم ہونے ضروری ہیں۔۔۔ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث سنن کبریٰ سیقی اور دار قطنی میں ہے اور اس کو میسر بن عبید اور حجاج بن ارجطہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے، مگر علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل بھلاہ الامتاد حسن، لا اقل منه (فتح القدیر ۳: ۱۸۶)

اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نہیں لیا، بلکہ اس مسئلہ کو نصاب سرقہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ چوتھائی دینار چرانے کی صورت میں ان کے نزدیک ہاتھ کاٹا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ ایک عضو کی قیمت چوتھائی دینار ہے اور نکاح میں بھی عورت اپنا ایک عضو مرد کو سونپتی ہے، اس لئے اس کا بدل کم سے کم چوتھائی دینار ہونا چاہئے۔

اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا استدلال عامر بن ربیعہؓ کی حدیث سے ہے جس میں دو چیلوں کو مہر مقرر کیا گیا ہے، اور اہل بن سعد ساعدیؒ کی حدیث سے ہے جس میں تعلیم قرآن کو مہر تجویز کیا گیا ہے، یہ دونوں حدیثیں باب میں آرہی ہیں اور مشکوٰۃ (حدیث ۳۲۰۵) میں حدیث ہے کہ ”جس نے اپنی بیوی کو مہر میں مٹھی بھر ستویا کھجوریں دیں اس نے یقیناً حلال کر لیا“، یعنی نکاح درست ہو گیا۔ ان روایات کی اس پر دلالت صریح ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار متعین نہیں اور ہر چیز حتیٰ کہ تعلیم قرآن بھی مہر بن سکتی ہے۔

اور احناف ان روایات کو مہر مغل (نقد مہر) پر محمول کرتے ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ عرف میں مہر دو ہیں: ایک نقد، دوسرا ادھار۔ نقد مہر وہ ہے جو پہلی ملاقات میں پیش کیا جاتا ہے، حدیث میں ہے: تَکْهَافُوا فَتَحَابُّوا: باہم ہدیہ دو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے۔ ہدیہ محبت و مودت کا بیج بوتا ہے، عورت اس موقع پر اپنی گرانقدر چیز پیش کرتی ہے پس مرد کو بھی کچھ پیش کرنا چاہئے، اور وہ چیز نکاح کا اصل مہر بھی ہو سکتی ہے، یہی نبی ﷺ کا طریقہ تھا لیکن اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو کچھ نہ کچھ پیش کرنا چاہئے، مثلاً: انگلی، تھوڑا ستو، کھجوریں اور آج کے عرف میں مٹھائی کچھ تو قریب بہر ملاقات چاہئے۔ علاوہ ازیں یہ روایات نزول آیت (سورۃ النساء آیت ۲۴) سے پہلے کی ہیں یا بعد کی؟ یہ بات معلوم نہیں، پس محکم کتاب کو لینا اور اس کے موافق جو روایت ہے ان پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

حدیث (۱): عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ بنو فزارہ کی ایک خاتون نے دو چیلوں پر نکاح کیا، پس رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تو اپنی ذات اور اپنے مال سے دو چیلوں پر راضی ہوگئی؟ اس نے کہا: جی ہاں، پس آپؐ نے اس کا نکاح نافذ کر دیا۔

تشریح: اس حدیث سے چھوٹے دو اماموں نے استدلال کیا ہے کہ مہر کی کم سے کم کوئی مقدار متعین نہیں، زوجین جس چیز پر راضی ہو جائیں وہ مہر بن سکتی ہے۔ اور احناف کہتے ہیں کہ اولاً تو یہ حدیث قابل استدلال نہیں، کیونکہ عاصم بن عبید اللہ کی اکثر ائمہ نے: یحییٰ بن معین، امام احمد، شعبہ، ابن عیینہ، ابو زرہ، امام بخاری، ابو حاتم، ابن خزیمہ، امام

دارقطنی، امام نسائی اور ابن حبان رحمہم اللہ نے تصحیف کی ہے (تہذیب: ۵: ۳۶) پس امام ترمذی کا اس حدیث کی تصحیح کرنا محل نظر ہے۔ پھر چہل گشتیا بڑھیا ہر قسم کے ہوتے ہیں، ممکن ہے وہ چہل دس ورہم یا اس سے بھی زیادہ قیمت کے ہوں۔ علاوہ ازیں یہاں مہر مغل بھی مراد ہو سکتا ہے جو پہلی ملاقات میں پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ عربوں میں اور تمام قوموں میں اس کا رواج ہے کہ دولہا کچھ نہ کچھ لے کر بیوی کے پاس جاتا ہے۔

حدیث (۲): بہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک خاتون آئی اور اس نے کہا: میں نے اپنی ذات آپ کو بیہ کی اور وہ (جواب کے انتظار میں) دیر تک ٹھہری رہی (جب آپ دیر تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا تو) ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو میرا اس سے نکاح کر دیجئے۔ آپ نے اس سے پوچھا: تیرے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میرے پاس میری یہ لنگی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس کو اپنی لنگی دیدے گا تو تو بغیر لنگی کے رہ جائے گا، کچھ اور تلاش کر، وہ گیا اور تلاش کر کے آیا اور عرض کیا: مجھے کچھ نہیں ملا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جا اچھی طرح تلاش کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ راوی کہتے ہیں: اس نے پھر تلاش کیا مگر کچھ نہ پایا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں اور اس نے چند سورتیں گنائیں تو آپ نے فرمایا: ”میں نے تیرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا اس قرآن کے عوض میں جو تجھے یاد ہے“

تشریح: اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ غیر مال بھی مہر ہو سکتا ہے، اس واقعہ میں نبی ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر مقرر کیا ہے جو مال نہیں ہے۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ سورۃ النساء آیت ۲۴ میں مال کے ذریعہ عورتوں کو تلاش کرنے کا حکم ہے، پس اس حدیث کا وہ مطلب لیا جائے گا جو آیت کے موافق ہو، اور وہ یہ ہے کہ باء سبب کے معنی میں لی جائے، عوض کے معنی میں نہ لی جائے، یعنی تم پر قرآن کا علم رکھنے کی وجہ سے مہر مغل ضروری قرار نہیں دیا جاتا تم جو سورتیں جانتے ہو اس عورت کو کھادو، یہی تمہارا مہر مغل ہے اور مہر مؤجل قواعد کے مطابق ادا کرنا۔

فائدہ: جن منافع کا عوض لینا جائز ہے ان کو مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے، فقہی ضابطہ ہے: ما جاز اخذ الاجرة فی مقابلته من المنافع جاز تسميته صداقاً (شامی ۲: ۳۶۲) اور تعلیم قرآن پر اب اجارہ درست ہے پس اس کو مہر بتانا بھی درست ہے (یہ حدیث کی ایک اور توجیہ ہے)۔

[۲۱] باب عاجاء فی مہور النساء

[۱۰۹۴-] حدثنا محمد بن بشار، نا يحيى بن سعيد، وعبد الرحمن بن مهدي، ومحمد بن

جعفر، قالوا: نا شعبة، عن عاصم بن غنيد الله، قال: سمعت عبد الله بن غابر بن ربيعة، عن أبيه: أن

امْرَأَةً مِنْ بَنِي قُرَازَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى نَعْلَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَرْضَيْتِ مِنْ نَفْسِكَ وَمَالِكَ بِنَعْلَيْنِ؟" قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: فَأَجَازَهُ.

وفی الباب: عَنْ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَنَسٍ، وَعَالِشَةَ، وَجَاهِرٍ، وَأَبِي حَذْرَفٍ الْأَسْلَمِيِّ؛ حَدِيثُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَهْرِ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ: الْمَهْرُ عَلَى مَا تَرَاحَضُوا عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ سَفِيَّانِ الْقُرَظِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَاحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ: لَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقْلٌ مِنْ رُبْعِ دِينَارٍ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْكُوفَةِ: لَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقْلٌ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ.

[۱۰۹۵-] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نا إِسْحَاقُ بْنُ عِيسَى، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ، قَالَا: نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: إِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ، فَقَامَتْ طَوِيلًا، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، زَوَّجْنِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ، فَقَالَ: "هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُضِدِّقُهَا؟" فَقَالَ: مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي هَذَا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَاؤُكَ إِنْ أُعْطِيَتْهَا جَلَسْتَ وَلَا إِذَاؤُكَ لَكَ، فَالْتَمِسْ شَيْئًا" فَقَالَ: مَا أَجِدُ، قَالَ: "الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ"، قَالَ: فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟" قَالَ: نَعَمْ سُورَةٌ كَذَاءَ، وَسُورَةٌ كَذَاءَ، بِسُورٍ سَمَّاهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ".

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ الشَّافِعِيُّ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ: إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ يُضِدِّقُهَا، فَتَزَوَّجَهَا عَلَى سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ، فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ، وَيُعْلَمُهَا سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: النِّكَاحُ جَائِزٌ، وَيَجْعَلُ لَهَا صَدَاقَ مِثْلِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ، وَاحْمَدَ وَإِسْحَاقَ.

ترجمہ: علماء کا مہر کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں: مہر وہ ہے جس پر میاں بیوی راضی ہو جائے، اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔ اور امام مالک فرماتے ہیں: مہر جو حقانی دینار سے کم نہیں ہو سکا اور بعض اہل کوفہ کہتے ہیں: دس درہم سے کم نہیں ہو سکا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث (نمبر ۱۰۹۵) کی طرف گئے ہیں وہ فرماتے ہیں: اگر مرد کے پاس کچھ نہ ہو جس کو مہر میں دے، پس اس نے عورت سے قرآن کی کسی سورت کی تعلیم پر نکاح کر لیا تو نکاح درست ہے اور مرد عورت کو قرآن کی کوئی سورت سکھائے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: نکاح (تو) درست ہے اور مرد نے عورت کے لئے اس کی مانند عورتوں کا مہر، اور یہ اہل کوفہ اور احمد و اسحاق کا قول ہے۔

تشریح: اگر بوقت نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو یا ایسی چیز مقرر کی گئی ہو جو مہر نہیں بن سکتی اور خلوت صحیح ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوگا، یعنی منکوحہ عورت: حسن و جمال، تعلیم اور سلیقہ مندی وغیرہ میں خاندان کی جس عورت کے مشابہ ہو اس کا جو مہر ہے وہ ادا کیا جائے گا اور اگر اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر مقرر ہے تو وہی مہر مثل ہوگا۔

[۱۰۹۶] - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَاسُفِيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي الْعَجْفَاءِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: أَلَا لَا تُغَالُوا صَدَقَةَ النِّسَاءِ، فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً لِي الدُّنْيَا أَوْ فَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ: لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَكَّحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ، وَلَا أَلْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ، عَلَى أَكْثَرِ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أَوْقِيَّةً. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو الْعَجْفَاءِ السُّلَمِيُّ: اسْمُهُ هَرَمٌ. وَالْوَقِيَّةُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، وَلِنَا عَشْرَةٌ وَوَقِيَّةٌ: هُوَ أَرْبَعُمِائَةٍ وَقَعْمَانُونَ دِرْهَمًا.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر میں فرمایا: سنو! عورتوں کے بھاری مہر مقرر مت کرو اس لئے کہ بھاری مہر اگر دنیا میں عزت کی بات اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی تو تمہاری بہ نسبت اس کے زیادہ حق دار نبی ﷺ تھے، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کسی بیوی سے نکاح کیا ہو اور نہ اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے عربوں کی عادت کے مطابق آدھے اوقیہ کو چھوڑ دیا ہے، آپؐ نے اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس کا تذکرہ ہے (منکوحہ حدیث ۳۲۰۳) اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے پس کل پانچ سو درہم ہوئے جن کی موجودہ وزن سے پندرہ سو تیس گرام چاندی ہوتی ہے۔

تشریح: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری ازواج مطہرات سے زیادہ تھا، ابو داؤد کی روایت میں چار ہزار درہم ہے۔ اور دوسری روایات میں چار سو دینار ہے، اور دور نبویؐ میں دینار کی قیمت دس درہم تھی، پس ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور یہ مہر حضور اکرم ﷺ نے نہیں بلکہ شاہ حبشہ نجاشی رحمہ اللہ نے مقرر کیا تھا اور خود انہوں نے ہی یہ مہر ادا کیا تھا، آنحضور ﷺ نے تو اپنی ازواج اور صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم ہی مقرر کیا ہے اور یہ مقدار لوگوں کے احوال کے اعتبار سے معتد بہ مقدار ہے اور مہر کے سلسلہ میں مناسب بات یہ ہے کہ وہ نہ تو اتنا کم ہونا چاہئے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہ ہو اور نہ اتنا بھاری ہونا چاہئے کہ شوہر پر اس کی ادائیگی سخت دشوار ہو، پس معتدل مہر: مہر نبوی (مہر فاطمی) ہے، یعنی ۵۳۰ گرام چاندی یا بوقت ادائیگی اس کی جو بھی قیمت ہو وہ ادا کی جائے۔

باب ماجاء فی الرجل یُعِیقُ الْأَمَةَ ثُمَّ یَتَزَوَّجُهَا

باندی کو آزاد کرے پھر اس سے نکاح کرے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت صفیر رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر مقرر کیا۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اعتاق (آزاد کرنا) مہر بن سکتا ہے۔ اور امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اعتاق مہر نہیں بن سکتا، وہ اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے حضرت صفیرہ کو دجیہ کلی سے واپس لے کر آزاد کیا تھا اور بدلہ میں ان کو سات غلام دیئے تھے (ابوداؤد ۴: ۳۲۱ باب ماجاء فی سہم المصفی) یعنی ان غلاموں کو ان کا مہر بنایا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دجیہ کلی نے آنحضرت ﷺ سے ایک باندی کی درخواست کی۔ آپ نے ان کو اختیار دیا کہ جا کر ایک لوطی لے لو، انھوں نے حضرت صفیرہ کا انتخاب کیا، لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: صفیرہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سردار کی لڑکی اور دوسرے سردار کی بیوی ہے، وہ آپ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں^(۱) چنانچہ آپ نے حضرت صفیرہ کو عوض دے کر حضرت دجیہ سے لے لیا اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، اور جو عوض حضرت دجیہ کلی کو دیا تھا اس کو مہر مقرر کیا۔ ثابت بنانی کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابو حمزہ! حضرت صفیرہ کا مہر کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: نَفْسُهَا اعْطَاهَا وَلَزَّوْجَهَا (بخاری حدیث ۳۷۱) یعنی ان کی ذات ان کا مہر تھا، ان کو آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا۔ ان کی ذات ان کا مہر تھا، یعنی پہلے ان کی ذات کو عوض دے کر حاصل کیا، پھر باندی بن جانے کے بعد ان کو آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا، پس مہر ان کی آزادی نہیں تھی، بلکہ وہ عوض تھا جو ادا کیا گیا^(۲)

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بلا عوض ان کو آزاد کیا گیا، پھر انھوں نے اپنی ذات آنحضور ﷺ کو ہبہ کر دی، اس صورت میں آپ پر مہر کی ادائیگی ضروری نہیں، سورۃ الاحزاب آیت ۵۰ میں آپ کی چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے: ﴿وَأَمَّا امْرَأَتَا مُؤْمِنَةٍ إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ یعنی اگر کوئی مؤمن عورت اپنی ذات نبی ﷺ کو ہبہ کر دے اور آپ اس کو قبول فرمائیں تو وہ عورت آپ کے لئے حلال ہے یعنی اس سے بھی نکاح

(۱) حضرت صفیرہ: حُصَيْنُ بْنُ أَخْطَبِ بْنِ نَضِيرٍ كِنَانَةَ بْنِ أَبِي الْخَثْعَمِ بَنِي سُرَدَارٍ تَقَادُوْلُوں غَزْوۃ خیبر میں متحمل ہوئے تھے (۲) حضرت صفیرہ کا واقعہ استبدال کا واقعہ تھا، اور حضرت جبریلؑ نے اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کیا تھا اور انھوں نے نبی ﷺ سے تعاون چاہا تھا، آپ نے ان کی مرضی سے بدل کتابت ادا فرمایا تھا اور اس کے عوض ان سے نکاح کیا تھا۔

ہو جاتا ہے اور آپ پر کوئی مہر واجب نہیں ہوتا۔

ملاحظہ: اس مسئلہ میں کہ اعتاق مہر نہیں بن سکتا: امام شافعی بڑے دو اماموں کے ساتھ ہیں اور امام ترمذی نے جو ان کا تذکرہ امام احمد رحمہ اللہ کے ساتھ کیا ہے: حافظ رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے (فتح الباری ۹: ۱۲۹)

[۲۲] باب ماجاء فی الرجل یعتق الأمة ثم یتزوجها

[۱۰۹۷-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نا أَبُو عَوَانَةَ، عن قَتَادَةَ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنِ صَهْبٍ، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عَتَقَهَا صَدَاقَهَا.

وفی الباب: عن صَفِيَّةَ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَجْعَلَ عَتَقَهَا صَدَاقَهَا، حَتَّى يَجْعَلَ لَهَا مَهْرًا سِوَى الْعَتَقِ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے اہل علم کا عمل ہے اور یہی شافعی احمد اور اسحاق کا قول ہے (امام شافعی کی پیرائے نہیں ہے) اور بعض اہل علم حق کے مہر بنانے کو نا درست قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عورت کے لئے حق کے علاوہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے۔ اور پہلا قول اصح ہے (اس لئے کہ قلم آپ کے ہاتھ میں ہے جو چاہیں لکھ دیں!)

باب ماجاء فی الفضل فی ذلک

باندی کو آزاد کر کے اس سے شادی کرنے کا ثواب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں کو دوہرا اجر ملتا ہے، ایک: اس غلام کو جو اللہ کا اور اپنے مالک کا حق ادا کرتا ہے اس کو دوہرا اجر دیا جاتا ہے۔ دوسرا: اس شخص کو جس کے پاس خویصورت باندی ہے، وہ اس کی تربیت کرتا ہے اور شاندار طریقہ پر تربیت کرتا ہے یعنی اس کو دین کی ضروری باتیں سکھاتا ہے اور باسلیقہ بناتا ہے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرتا ہے اور اس نے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا ہے تو اس کو بھی دوہرا اجر ملتا ہے۔ اور تیسرا: اس شخص کو جو پہلی کتاب پر ایمان لایا، یعنی وہ اہل کتاب ہے، یہودی یا عیسائی ہے، پھر اس کے پاس آخری کتاب یعنی قرآن کریم آیا، پس وہ اس پر بھی ایمان لایا، یعنی اسلام قبول کیا تو اس کو بھی دوہرا اجر دیا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین طرح کے لوگوں کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کو اوروں کی بہ نسبت نیک عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے:

ایک: وہ غلام، باندی جو اپنے آقا کا بھی حق ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بجالائیں ان کو دو ہر اجر اس وجہ سے ملتا ہے کہ غلاموں پر دینی اور دنیوی حیثیت سے آقا کی فرمانبرداری لازم ہے اور مالک حقیقی کے احکام کی اطاعت بھی ضروری ہے، پس جب انھوں نے دونوں فریضے انجام دیئے تو ان کو دو ہر اجر ملنا ہی چاہئے۔

دوسرا: وہ شخص ہے جو اپنی باندی کی ایسے ڈھنگ سے تربیت کرے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے، وہ دو ہرے اجر کا مستحق اس لئے ہے کہ وہ باندی کو آزاد کر کے نہ صرف انسانیت اور فطرت کے تقاضے کو پورا کرتا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کے اعلیٰ اصول و اقدار پر بھی عمل کرتا ہے، پھر انسانی ہمدردی، اسلامی مساوات اور بلند اخلاقی کا اس طرح ثبوت دیتا ہے کہ ایک ایسی عورت کو جو سماجی حیثیت سے کمتر، بے وقعت اور ذلیل تھی، اچھی تربیت، اعلیٰ تعلیم اور آزادی اور شادی کر کے گرانقدر دولت سے نواز کر معزز عورتوں کے برابر لاکھڑا کرتا ہے اس طرح وہ ایک طرف انسانیت اور اخلاق کے تقاضے پورے کرتا ہے اور دوسری طرف اسلامی تعلیم کی روح کو بھی اجاگر کرتا ہے، اس لئے اس ایثار کی بناء پر شریعت نے اس کو بھی دو ہرے اجر کا مستحق قرار دیا۔

تیسرا: وہ یہودی یا عیسائی ہے جو حلقہٴ گیش اسلام ہو گیا ہے، اس کو دو ہرے اجر کی بشارت اس لئے دی گئی ہے کہ اس کا پہلے اپنی نئی کو پختہ دل سے ماننا اس نئی کی لائی ہوئی کتاب و شریعت پر عمل کرنا اور اس نئی سے اعتقادی وابستگی، پھر خاتم النبیین ﷺ کی رسالت و نبوت پر ایمان لانا اور اللہ کے آخری دین اسلام کی دعوت کو صدق دل سے قبول کرنا اس کے کمال انقیاد و اطاعت اور فکری و دینی سلامتی کی علامت ہے، اس لئے خصوصی انعام کے طور پر اس کو بھی دو ہر اجر ملے گا۔

فائدہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: مذکورہ لوگوں کو ہر نیک عمل پر دو گنا ثواب ملتا ہے مثلاً کوئی دوسرا شخص کوئی بھی نیک عمل کرے تو اس کو عمومی بشارت کے تحت دس گنا ثواب ملے گا، لیکن ان تینوں کو اسی عمل پر بیس گنا ثواب ملے گا (مظاہر حق)

سوال: جب اہل کتاب صحابہ کو ہر عمل پر دو ہر ثواب ملے گا اور غیر اہل کتاب صحابہ کو اکہرا ثواب ملے گا تو اہل کتاب صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ جائیں گے، پس وہ افضل قرار پائیں گے حالانکہ صدیق اکبر کا مقام و مرتبہ سبھی صحابہ سے بلند ہے۔

جواب: یہ تفاضل یعنی مذکورہ تین شخصوں کو دو ہر اجر ملنا اصلی ثواب کے اعتبار سے ہے، فضلی (انعامی) ثواب کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی ایک نماز پڑھنے پر ابوبکر صدیق کو جو اصلی ثواب ملے گا عبداللہ بن سلام کو اس کا دو گنا ملے گا، مگر اسی نماز کا جو فضلی ثواب ابوبکر کو ملے گا وہ عبداللہ بن سلام کے فضلی ثواب سے کہیں زیادہ ہوگا، اس لئے اصلی اور فضلی ثوابوں کے مجموعہ کے اعتبار سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اگے رہیں گے اور دوسری افضل ہوں گے۔

[۲۳] باب ماجاء فی الفضل فی ذلك

[۱۰۹۸-] حدثنا هناد، نا علی بن مسهر، عن الفضل بن یزید، عن الشعبي، عن أبي بردة بن أبي موسى، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين: عبد أدى حق الله وحق مواليه، فذلك يؤتى أجره مرتين، ورجل كانت عنده جارية وحيثما لأذنها فأحسن أذنها، ثم أغتفها، ثم تزوجها، ينحى بذلك وجه الله، فذلك يؤتى أجره مرتين، ورجل آمن بالكتاب الأول، ثم جاءه الكتاب الآخر، فآمن به، فذلك يؤتى أجره مرتين"

حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان، عن صالح بن صالح - وهو ابن حنبل - عن الشعبي، عن أبي بردة، عن أبي موسى، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه بمعناه.

حدثني أبي موسى حديث حسن صحيح، وأبو بردة بن أبي موسى: اسمه عامر بن عبد الله بن قيس، وقد روى شعبه والثوري عن صالح بن صالح بن حنبل هذا الحديث.

باب ماجاء فی من يتزوج المرأة ثم يطلقها قبل أن يدخل بها؛ هل يتزوج ابتها أم لا؟

رہیہ سے نکاح کب جائز ہے اور کب ناجائز؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی شخص کسی عورت سے نکاح کرے، پھر اس سے محبت کرے تو اس پر اس منکوحہ کی بیٹی حرام ہے، اور اگر بیوی سے محبت نہیں کی (بلکہ محبت کے بغیر ہی طلاق دیدی) تو اس کے لئے اس منکوحہ کی بیٹی حلال ہے۔ اور جو بھی شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر خواہ اس سے محبت کرے یا نہ کرے (اور طلاق دیدے یا مرجائے) تو منکوحہ کی ماں اس کے لئے حرام ہے۔

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے ہیں: ایک رہیہ کا۔ رہیہ سوتیلی بیٹی کو کہتے ہیں، یعنی منکوحہ کی وہ لڑکی جو پہلے شوہر سے ہے، بیوی سے محبت کرنے سے رہیہ حرام ہوتی ہے اگر آدمی محبت کے بغیر بیوی کو طلاق دیدے تو رہیہ سے نکاح حلال ہے۔ اور دوسرا مسئلہ ساس کا ہے۔ نکاح ہوتے ہی ساس حرام ہو جاتی ہے، خواہ اپنی بیوی سے محبت کرے یا نہ کرے اور خواہ بیوی کو نکاح میں رکھے یا طلاق دیدے ہر صورت میں ساس حرام ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ مذکورہ حدیث ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کو ثئی بن الصباح بھی عمرو بن شعیب سے روایت کرتا ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے، مگر چونکہ یہ دونوں مسئلے قرآن میں صراحتاً مذکور ہیں اس لئے اتفاقاً ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۲۳ میں ہے: ﴿وَأُولَٰئِكَ يَسْأَلُكُمُ اللَّهُ فِي خُفُوفِكُمْ مِنْ يَسْأَلُكُمُ اللَّهُ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ لَئِنْ لَمْ

تکونوا دَعَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ بِهِنَّ یعنی تم پر حرام کی گئیں تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی پہلے شوہر سے لڑکیاں جو تمہاری پردوش میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے اور اگر تم نے صحبت نہیں کی تو تم پر ان سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اس آیت میں ساس کی حرمت بغیر قید کے بیان ہوئی ہے پس ساس سے تو نکاح مطلقاً حرام ہے خواہ مرد نے بیوی سے صحبت یا خلوت کی ہو یا نہ کی ہو، اور ربہ کی حرمت دخول کی قید کے ساتھ مقید ہے، پس صحبت کرنے کے بعد یا خلوت صحیحہ کے بعد ربہ حرام ہوگی، اگر کوئی صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے بیوی کو طلاق دیدے یا وہ وفات پا جائے تو منکوحہ کی اس لڑکی سے جو دوسرے شوہر سے ہے نکاح جائز ہے۔

[۲۴] باب ماجاء فی من يتزوج المرأة ثم يطلقها

قبل أن يدخل بها هل يتزوج ابنتها أم لا؟

[۱۰۹۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نا ابْنُ لَهْيَعَةَ، عن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عن أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا، فَلَا يَجْعَلُ لَهُ نِكَاحَ ابْنَتِهَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلْيَنْكِحْ ابْنَتَهَا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَا يَجْعَلُ لَهُ نِكَاحَ أُمِّهَا" قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ، وَإِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ لَهْيَعَةَ وَالْمُتَشَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، وَالْمُتَشَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهْيَعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيثِ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا حَلَّ لَهُ أَنْ يَنْكِحَ ابْنَتَهَا، وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا لَمْ يَجْعَلْ لَهُ نِكَاحَ أُمِّهَا، يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَأُمَّهَاتُ بَسَائِكُمْ﴾ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَاحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.

ترجمہ: اس حدیث پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر اس کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو اس کے لئے اس منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے، اور جب آدمی نے بیٹی سے شادی کی پھر اس کو اس کے شوہر نے صحبت سے پہلے طلاق دیدی تو اس کے لئے اس منکوحہ کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے الی آخر۔

باب ماجاء فی من يطلق امرأته فلا فيتزوجها آخر فیطلقها قبل أن يدخل بها

مطلقہ ثلاثہ سے دوسرا شوہر طلی کرے جمعی وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہے

اگر کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دیدے تو قرآن کریم میں صراحت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت

جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے، پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں کہ وہ نکاح کرے۔ اس آیت میں جو لفظ نکاح ہے وہ شرعی معنی میں ہے یا لغوی معنی میں؟ لغت میں نکاح کے معنی ہیں وطی، لیکن زنا میں جو وطی ہوتی ہے اس کو نکاح نہیں کہیں گے بلکہ نکاح صحیح کے بعد جو وطی ہوتی ہے اس کو نکاح کہیں گے، اور شریعت میں نکاح بمعنی ایجاب و قبول ہے، اور حضرت رفاعۃ قرظی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نبی ﷺ نے اس آیت کی وضاحت فرمائی ہے کہ آیت میں نکاح شرعی اور نکاح لغوی دونوں مراد ہیں، صرف نکاح شرعی سے مطلقہ مغفلہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، اس لئے کہ نکاح ثانی کی شرط لگانے کا مقصد پہلے شوہر کو عار دلانا ہے تاکہ لوگ تیسری طلاق دینے سے رکھیں، اور مرد کو عار اسی صورت میں لاحق ہوگا جب اس کی عورت سے دوسرا شوہر وطی کرے، صرف ایجاب و قبول سے مرد کو کوئی خاص عار لاحق نہیں ہوگا، کیونکہ وہ صرف زبانی جمع خراج ہے۔

حدیث: رفاہ قرعی نامی صحابی نے اپنی عورت کو طلاق مغلطہ (تین طلاقیں) دیں، بیوی نے دوسری جگہ نکاح کر لیا مگر وہاں معاملہ ٹھیک نہیں تھا، چنانچہ اس نے آکر نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں پہلے رفاہؓ کے پاس تھی، پس اس نے میری طلاق کو قطعی کر دیا یعنی مجھے تین طلاقیں دیدیں پھر میں نے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے نکاح کیا مگر اس کے پاس کپڑے کے ٹپھندے کے مانند ہے۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، آنحضور ﷺ اس کا ارادہ سمجھ گئے، آپؐ نے فرمایا: کیا تم رفاہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو؟ جب تک دوسرا شوہر تمہارا کچھ شہد نہ چکھے اور تم اس کا کچھ شہد نہ چکھو پہلے شوہر کی طرف نہیں لوٹ سکتیں۔“

اس واقعہ میں نبی ﷺ نے آیت کریمہ کی تفسیر کی ہے کہ آیت میں صرف نکاح شرعی مراد نہیں بلکہ نکاح لغوی کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے، پس شوہر ثانی سے کچھ نہ کچھ محبت ضروری ہے، اگرچہ وہ غیبی بہت خشک کی حد تک ہو اور چاہے ادخال کے بعد انزال نہ ہو، اس کے بغیر عورت شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی۔

[٢٥] بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ يُطَلَّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا آخِرُ قَيْطِلِقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا

(١١٠) - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَاسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَا: نَاسُفِيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ امْرَأَةٌ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ، فَطَلَّقَنِي، فَهِيَ طَلَّقَنِي، فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ الزُّبَيْرِ، وَمَا مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هَذِهِ الثُّوبِ، فَقَالَ: "أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا حَتَّى تَذَوَّقِي غُسَيْلَتَهُ وَيَذَوَّقَ غُسَيْلَتِكَ"

وفي الباب: عن ابن عمر، وأنس، والرميثي أو القمي، وأبي هريرة، حديث عائشة حديث
 حسن صحيح.

وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا عَامَةٌ أَهْلُ الْعِلْمِ بَيْنَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ

الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَلَا تَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ فَعَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا: أَنَّهَا لَا تَحِلُّ لِلزَّوْجِ الْأَوَّلِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ جَامِعَهَا الزَّوْجُ الْآخَرُ.

ترجمہ: اس حدیث پر تمام صحابہ وغیرہ کا عمل ہے (یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے) کہ آدمی جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے پس اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور اس دوسرے شوہر نے اس کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں، اگر اس کے ساتھ پہلے شوہر نے وطی نہیں کی۔
نوٹ: رمیہا یا کھمیا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے اور کنیت ام سلیم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحِلِّ وَالْمُحِلِّ لَهُ

حلالہ کرنے کرنے والوں پر لعنت!

مُحِلٌّ: (اسم فاعل) کے معنی ہیں: حلال کرنے والا، یعنی دوسرا شوہر۔ اور مُحِلِّل (اسم مفعول) لکھ کے معنی ہیں: جس کے لئے حلال کی گئی، یعنی پہلا شوہر۔ حلالہ کی چار صورتیں ہیں اور ان کے احکام مختلف ہیں، جو درج ذیل ہیں:
پہلی صورت: کوئی شخص مطلقہ مغلطہ کو یا اس کے شوہر کو یا دونوں کو پریشان دیکھ کر ذہن میں پلان بنائے جس سے نہ پہلا شوہر واقف ہو نہ عورت، اور وہ اس عورت سے نکاح کرے اور وطی کرنے کے بعد طلاق دیدے تاکہ وہ عدت کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے، یہ صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض اکابر سے ایسا کرنا ثابت ہے۔
دوسری صورت: کسی مرد نے خالی الذہن ہو کر مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کیا پھر اتفاق سے زوجین میں موافقت نہ ہوئی اور مرد نے صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا تو عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہے۔ اور اس صورت میں بھی کوئی قباحت نہیں، کیونکہ اس صورت میں حلیل کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، دوسرے شوہر نے ہمیشہ کے لئے نکاح کیا تھا۔

تیسری صورت: زیر زمین اسکیم تیار کی گئی جس کے مطابق صحبت کر کے طلاق دیدی تاکہ وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے، اس صورت کا حدیث میں ذکر ہے، نبی ﷺ نے دونوں شوہروں پر لعنت بھیجی ہے اور دوسری حدیث میں دوسرے شوہر کو "مستعار بکرا" کہا ہے، پس یہ نہایت مکروہ عمل ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

رہی یہ بات کہ اس صورت میں عورت حلال ہوگی یا نہیں؟ غیر مقلدین کہتے ہیں: عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لعنت کا کام ہے پس اس سے عورت کیسے حلال ہو سکتی ہے؟ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک اگرچہ یہ لعنت کا کام ہے مگر عورت حلال ہو جائے گی کیونکہ نبی ﷺ نے دونوں شوہروں کو مُحِلِّ اور مُحِلِّل لکھ دیا ہے۔ ان لفظوں میں اشارہ ہے کہ اس لعنت والے کام سے بھی عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

چوتھی صورت: تحلیل کی شرط کے ساتھ ایجاب و قبول کیا جائے مثلاً: یہ کہا جائے کہ یہ عورت تحلیل کے لئے تمہارے نکاح میں دی جاتی ہے، یا یہ عورت تمہارے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ محبت کر کے تم اس کو طلاق دیدو، مرد نے قبول کیا۔ اس صورت میں اختلاف ہے: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح درست ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے ہو گیا اور شرط باطل ہے، حتیٰ چاہے تو طلاق دے اور نہ چاہے تو نہ دے، پھر اگر محبت کرنے کے بعد طلاق دیدی تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو گئی، اور یہ صورت حدیث کا اعلیٰ مصداق ہے اس لئے مکروہ تحریمی اور گناہ کبیرہ ہے۔ پس اس صورت میں بھی دونوں شوہروں پر، عورت پر اور شرکائے مجلس پر بدرجہ اولیٰ لعنت ہوگی۔ دیگر ائمہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں، پس حلالہ نہیں ہوگا۔

اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ افعال شریعہ کی نفی میں احتلاف کے نزدیک مشروعیت کا پہلو باقی رہتا ہے کیونکہ نفی کی دو قسمیں ہیں: ایک: افعال حسیہ کی نفی، دوسری: افعال شریعہ کی نفی۔ پہلی صورت میں اجماع ہے کہ اس میں مشروعیت باقی نہیں رہتی، اور دوسری صورت میں اختلاف ہے: احتلاف کے نزدیک اس میں مشروعیت کا پہلو باقی رہتا ہے، جیسے جمہور کی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا ممنوع ہے یہ افعال شریعہ کی نفی ہے، پس اگر جمہور کی اذان کے بعد کوئی شخص خرید و فروخت کرے تو کراہت تحریمی کے ساتھ صحیح ہو جائے گی، یا جیسے حدیث میں ارض منصوصہ میں نماز کی ممانعت آئی ہے یہ بھی افعال شریعہ کی نفی ہے، پس اگر کوئی ارض منصوصہ میں نماز پڑھے تو فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور نماز پڑھنے والا گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح نکاح بھی افعال شریعہ میں سے ہے اور جب نبی ﷺ نے تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے والے پر لعنت بھیجی تو اس میں جواز کا پہلو باقی رہے گا، جیسے نکاح شغار سے نبی ﷺ نے منع کیا تو حنفیہ وہاں بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا نکاح کرے تو نکاح ہو جائے گا، اسی طرح یہاں بھی تحلیل کی شرط کے ساتھ کیا ہوا نکاح ہو گیا اور شرط باطل ٹھہری، پس محبت کے بعد طلاق دینے سے حلالہ ہو جائے گا۔ دیگر ائمہ کے نزدیک افعال شریعہ کی نفی میں بھی افعال حسیہ کی نفی کی طرح مشروعیت کا پہلو باقی نہیں رہتا اس لئے مذکورہ صورت میں نکاح نہیں ہوگا، پس حلالہ بھی نہیں ہوگا۔

ملاحظہ: یہ صورت چہارم تو عام طور پر پیش نہیں آتی، صورت سوم ہی پیش آتی ہے اور اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ نکاح ہو جاتا ہے اور تحلیل بھی ہو جاتی ہے۔

فائدہ: غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں جس کام پر لعنت آئی ہے احتلاف اس کی تبلیغ عام کرتے ہیں ہر مفتی حلالہ کی بات ضرور لکھتا ہے، چاہے سائل نے اس کے بارے میں پوچھا ہو یا نہ پوچھا ہو، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حلالہ کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے: ﴿وَالَّذَانِ طَلَقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۰) یعنی پھر اگر شوہر اس عورت کو (دو طلاقیں کے بعد) تیسری طلاق دیدے تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس

تیسری طلاق کے بعد حلال نہیں تا آنکہ وہ اس کے علاوہ شوہر سے نکاح کرے۔ یہی تو حلالہ ہے! پس جو چیز قرآن میں ہے اگر وہ بات لوگوں کو بتائی جائے تو کیوں غلط ہے؟ البتہ بلا وجہ ہر فتویٰ میں لکھنا کہ اب حلالہ کے بعد ہی عورت حلال ہوگی: مناسب نہیں، یہ لوگوں کو لغت والے کام کا راستہ دکھانا ہے، مگر غیر مقلدین نے اس کا جو حل تجویز کیا ہے وہ اس سے بھی برا ہے، وہ تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں یہ مسئلہ کاحل نہیں ہے، بلکہ گمراہی ہے، ان کی یہ بات قرآن وحدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس سے بہتر تو حلالہ والی بات ہے۔

ملاحظہ: باب کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور امام ترمذی نے جو سند پر بحث کی ہے وہ خاص سند کے اعتبار سے ہے۔

[۲۶] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحِلِّ وَالْمُحَلِّلِ لَهُ

[۱۱۰۱-] حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، نَا أَشْعَثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زُبَيْدٍ الْأَيَامِيُّ، نَا مُجَالِدٌ، عَنْ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَعَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلِّلَ لَهُ.

وفی الباب: عن ابن مسعود، وأبي هريرة، وعقبة بن عامر، وابن عباس. قال أبو عيسى: حديث علي وجابر حديث معلول، وهكذا روى أشعث بن عبد الرحمن، عن مجالد، عن عامر، عن الحارث، عن علي، وعامر، عن جابر بن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم. وهذا حديث ليس إسناده بالقائم، لأن مجالد بن سعيد قد ضعفه بعض أهل العلم، منهم أحمد بن حنبل.

وَرَوَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ تَمِيمٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَلِيٍّ، وَهَذَا قَدْ وَهَمَ فِيهِ ابْنُ تَمِيمٍ، وَالْحَدِيثُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

وَقَدْ رَوَاهُ مُغِيرَةُ وَابْنُ أَبِي خَالِدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ. [۱۱۰۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُو أَحْمَدَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ هُرَيْثِ بْنِ شَرَحْبِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلِّلَ لَهُ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قُرْوَانَ، وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهِ.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْهُمْ: عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُمْ، وَهَذَا قَوْلُ الْفُقَهَاءِ مِنَ التَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ.

وَسَمِعْتُ الْجَارُودَ يَذْكُرُ عَنْ رَجُلٍ أَنَّهُ قَالَ بِهَذَا، وَقَالَ: يَنْبَغِي أَنْ يُرْمَى بِهَذَا الْبَابِ مِنْ قَوْلِ أَصْحَابِ الرَّأْيِ.
قَالَ وَكَفَيْ: وَقَالَ سُفْيَانُ: إِذَا تَزَوَّجَ الْمَرْأَةُ لِيُحْلِلَهَا ثُمَّ بَدَأَ لَهُ أَنْ يُنْسِكَهَا، فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُنْسِكَهَا حَتَّى يَتَزَوَّجَهَا بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ.

وضاحت: یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے اس پر لعنت فرمائی ہے، یہ حدیث حضرت علی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، پھر امام عاصم رضی اللہ عنہ حدیث کو براہ راست حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں اور حضرت علی سے بواسطہ حارث اور روایت کرتے ہیں جو ضعیف راوی ہے۔ اور امام شعبی سے بحالہ اور اس سے اشعث بن عبد الرحمن روایت کرتا ہے اور بحالہ ضعیف راوی ہے اور بحالہ سے عبید اللہ بن نمر بھی اس حدیث کو روایت کرتا ہے مگر اس کی سند غلط ہے وہ عن جابر عن علی کہہ کر سند ایک کر دیتا ہے، حالانکہ مغیرہ اور ابن ابی خالد وغیرہ دونوں سندیں الگ الگ کرتے ہیں، عاصم شعبی حضرت جابر سے بلا واسطہ اور حضرت علی سے بواسطہ حارث روایت کرتے ہیں۔

ترجمہ: کبھی رحمہ اللہ نے فرمایا: مناسب ہے کہ اس باب کی حدیث سے اصحاب الرائے کے قول کو مارا جائے (یعنی امام اعظم رحمہ اللہ جو فرماتے ہیں کہ تحلیل کی شرط سے کیا ہوا نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے، اس حدیث سے ان پر اعتراض کیا جائے) کبھی کہتے ہیں: سفیان ثوری نے فرمایا: جب آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا تا کہ اس کو شوہر اول کے لئے حلال کرے پھر اس کا ارادہ بدل گیا، وہ اس عورت کو نکاح میں باقی رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس عورت کو رد کرنا جائز نہیں تا آنکہ اس سے نیا نکاح کرے (ثوری کا یہ قول دلیل ہے کہ امام ابو حنیفہ کی رائے غلط ہے، وہ نکاح ہوا ہی نہیں)

تشریح: معاملات میں بعض معاملے ایسے ہیں جو ہونے کے بعد ختم ہو سکتے ہیں، یعنی ان کا اقالہ ہو سکتا ہے، مثلاً کوئی چیز خریدی یا بیچی پھر متعاقدین اقالہ کرنا چاہیں یعنی باہمی رضامندی سے بیع ختم کرنا چاہیں تو ختم کر سکتے ہیں۔ مضاربہ اور اجارہ وغیرہ کا بھی یہی حال ہے، یہ معاملات جو ہونے کے بعد ختم ہو سکتے ہیں ”بیوع“ کہلاتے ہیں ان میں اگر شرط فاسد لگے گی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا اور دیگر معاملات وہ ہیں جن میں اقالہ نہیں ہو سکتا، بات منہ سے نکل گئی: نکل گئی، اب ختم نہیں ہو سکتی، جیسے طلاق، عتاق اور قسم وغیرہ۔ اس قسم کے معاملات ”بیعین“ کہلاتے ہیں، ان میں اگر شرط فاسد لگے گی تو وہ شرط خود فاسد ہو جائے گی، اور معاملہ صحیح رہے گا۔ اور نکاح از قبیل ایمان ہے از قبیل بیوع نہیں ہے، پس اگر تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کیا گیا تو چونکہ یہ شرط فاسد ہے اس لئے شرط خود باطل ہو جائے گی اور نکاح نافذ ہو جائے گا۔ اب اگر سفیان ثوری نے اس کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو وہ امام اعظم رحمہ اللہ پر حجت نہیں

ہو سکتی، امام اعظم کا مقام سفیان ثوری سے بہت بلند ہے، وہ اکثر مسائل میں امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیتے تھے، البتہ بعض مسائل میں ان کی رائے الگ تھی جیسا کہ ابن المبارک کی بھی بعض مسائل میں رائے الگ تھی۔ اگر امام اعظم پر حجت قائم کرنی ہے تو صحابہ یا اکابر تابعین میں سے کسی کا قول پیش کرنا چاہئے تھا، پس وکیع کی بات بے وزن ہے یہ تو اجتہادی مسئلہ ہے اور اجتہادی مسائل میں آراء کا اختلاف ناگزیر ہے۔

باب ماجاء فی نکاح المتعة

نکاح متعہ کا بیان

نکاح متعہ کے معنی ہیں: کچھ مدت کے لئے نکاح کرنا، اور نکاح موقت نکاح متعہ ہی ہوتا ہے، صرف نام کا فرق ہے۔ اگر ایجاب و قبول میں لفظ متعہ استعمال کیا گیا تو وہ نکاح متعہ ہے اور اگر وقت کی تحدید کی گئی کہ اتنے دن، اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لئے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح موقت ہے۔ نکاح متعہ اور نکاح موقت بالاجماع حرام ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صرف اثنا عشری شیعہ اختلاف کرتے ہیں، ان کے یہاں متعہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض راتوں میں متعہ بڑا کاروبار ہے۔ ان کے علاوہ پوری امت متفق ہے کہ متعہ حرام ہے۔ دور اول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک زمانہ تک متعہ کو جائز کہتے تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کی کہ جنگ خیبر کے موقع پر نبی ﷺ نے ان کے ذریعہ متعہ کی حرمت کا اعلان کرایا ہے تو ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا، پس دور اول سے یہ مسئلہ جماعی چلا آ رہا ہے۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے (متعہ النساء کی قید متعہ الحج کو نکالنے کے لئے ہے، متعہ الحج یعنی حج تمتع جائز ہے) اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا (الحمر الاہلیہ کی قید سے گور خر نکل گیا وہ جنگی گدھا ہے، اس کا گوشت حلال ہے)

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شروع اسلام میں متعہ جائز تھا (متعہ کا رواج زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا، اسلام نے دور اول میں اس کو باقی رکھا تھا) جب کوئی شخص کسی اجنبی شہر میں وارد ہوتا جہاں اس کی کوئی جان پہچان نہیں ہوتی تھی تو اس کا وہاں جتنے دن ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا اتنے دن کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تا کہ وہ اس کے گھر میں قیام کرے، پس وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی چیزوں کو سنوارتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّمَا عَلَىٰ أَرْوَاحِهِمْ أَوْ مَلَائِكُهُمْ أَيْنَمَا نَزَلُوا﴾ یعنی فلاح پانے والے مسلمان وہ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے، پس ان پر کچھ الزام نہیں (سورۃ المؤمنون آیت ۶، سورۃ العارج آیت ۳۰) اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے متعہ کی حرمت کا اعلان

کرایا، ابن عباس فرماتے ہیں: ”اب ہر شرم گاہ جو ان کے علاوہ ہے حرام ہے“

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ متعہ خاکی مصالح کے پیش نظر کیا جاتا تھا، شرم گاہ کو کرائے پر لینا نہیں تھا کیونکہ یہ بات انسانی اقدار کے خلاف ہے اور ایسی بے شرمی کی بات ہے جسے فطرت سلیمہ ٹھکراتی ہے۔ پھر بعد میں تین وجوہ سے متعہ کی ممانعت کی گئی:

پہلی وجہ: پہلے متعہ حسب سابق چلتا رہا، پھر بعد میں عام طور پر متعہ کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ممانعت کر دی گئی، کیونکہ نکاح سے باحسن وجوہ انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

دوسری وجہ: متعہ میں دو خرابیاں ہیں:

پہلی خرابی: اس سے نسب میں اختلاط واقع ہوتا تھا، کیونکہ متعہ کی مدت گزرنے کے بعد عورت مرد کے قابو سے نکل جاتی ہے، اب وہ خود مختار ہے، پس وہ کیا کرے گی اس کی کچھ خبر نہیں، اور اس کو عدت گزارنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ نکاح صحیح میں جو ہمیشہ کے لئے کیا جاتا ہے عدت کا انضباط و شمار ہے، پس متعہ میں عدت کی تعیین کیسے کی جائے گی! دوسری خرابی: اگر متعہ کا رواج چل پڑے گا تو نکاح صحیح کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، کیونکہ عام طور پر لوگ نکاح قضائے شہوت کے لئے کرتے ہیں، پس جب لوگوں کی ضرورت متعہ سے پوری ہو جائے گی تو نکاح کیوں کریں گے ان دو وجوہ سے متعہ کی ممانعت کی گئی۔

تیسری وجہ: نکاح اور زنا میں ماہ الاخیار دو باتیں ہیں، ایک: زنا عارضی معاملہ ہوتا ہے اور نکاح دائمی رفاقت و معاونت ہوتی ہے، دوم: زنا میں عورت کا کسی مرد کے ساتھ اختصاص نہیں ہوتا اور نکاح میں تمام لوگوں کے روبرو عورت میں منازعت ختم کر دی جاتی ہے اور متعہ میں زنا والی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں وہ بھی ایک عارضی معاملہ ہوتا ہے اور اس میں بھی عورت کسی کے لئے خاص نہیں ہوتی اس لئے اس کی ممانعت کر دی گئی۔

سوال: حنفیہ نے اپنے اصول پر متعہ کو جائز کیوں نہیں کہا؟ ان کا اصول یہ ہے کہ ایمان میں شرط باطل ہو جاتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے، پس عدت کی تعیین باطل ہو جاتی چاہئے اور اصل نکاح صحیح ہو جانا چاہئے!

جواب: متعہ عقد میں شرط فاسد کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ انقلاب ماہیت ہے۔ نکاح کی ماہیت اور ہے اور متعہ کی ماہیت اور ہے، آگے نکاح شکار کا مسئلہ آ رہا ہے وہ نکاح میں شرط فاسد کا معاملہ ہے، اس میں ایک عورت کی فرج کو دوسری کا مہر مقرر کیا جاتا ہے، اور مہر: ماہیت نکاح سے خارج ہے، وہ شرط زائد ہے۔ اس لئے وہ شرط لغو ہو جاتی ہے اور نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور یہاں دائمی نکاح اور ہے اور وہی اسلامی نکاح ہے اور وقتی نکاح اور ہے، وہ جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح ہے جو اسلام میں حرام ہے، غرض متعہ کی ماہیت: اسلامی نکاح سے بالکل مختلف ہے، پس یہ اسلامی نکاح مع شرط باطل کا مسئلہ نہیں ہے۔

[۲۷] باب ماجاء فی نکاح المتعة

[۱۱۰۳] - حدثنا ابن أبي عمير، نا سفيان، عن الزهري، عن عبد الله، والحسن ابني محمد بن علي، عن أبيهما، عن علي بن أبي طالب: أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن متعة النساء، وعن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر.

وفی الباب: عن سبرة النخعي، وأبي هريرة، حديث علي حديث حسن صحيح. والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم، وإنما روى عن ابن عباس شئ من الرخصة في المتعة، ثم رجع عن قوله، حيث أخبر عن النبي صلى الله عليه وسلم، وأمر أكثر أهل العلم على تحريم المتعة، وهو قول الثوري وابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحاق. [۱۱۰۴] - حدثنا محمود بن غيلان، نا سفيان بن عتبة - أخو قيس بن عتبة - نا سفيان الثوري، عن موسى بن عبيدة، عن محمد بن كعب، عن ابن عباس قال: إنما كانت المتعة في أول الإسلام: كان الرجل يلدنم البلدة، ليس له بها معرفة، فيتزوج المرأة بقدر ما يرى أنه يقيم، فيحفظ له متاعه، وتصلح له شأنه، حتى إذا نزلت الآية ﴿إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ قال ابن عباس: فكل فرج سواهما فهو حرام.

ترجمہ: ابن عباس سے جمعہ کے جواز کے سلسلہ میں کچھ مروی ہے، پھر انھوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا جب ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی حدیث سنائی، اور اکثر علماء کا مذہب جمعہ کی حرمت ہے۔

باب ماجاء من النهي عن نكاح الشغار

نکاح شغار کی ممانعت

نکاح شغار: یہ ہے کہ دو شخص ایک دوسرے سے اپنی بیٹی یا بہن یا زیر تحویل عورت کا نکاح کریں اور ان کی شرم گاہوں کو ایک دوسرے کا مہر مقرر کریں، دوسرا کچھ مہر نہ ہو، اور اس طرح ایجاب و قبول کریں کہ میں نے اپنی فلاں بیٹی یا بہن کو تمہارے نکاح میں دیا اس شرط سے کہ تم اپنی فلاں بیٹی یا بہن کو میرے نکاح میں دو، دوسرا قبول کرے تو یہ نکاح شغار ہے اور ممنوع ہے، اسلام نے اس کی ممانعت کی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا نکاح کرے تو کیا حکم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اور دونوں کا مہر منحل واجب ہوگا کیونکہ نکاح ایمان (قسموں) میں سے ہے اور ایمان میں شرط فاسد خود فاسد ہو جاتی ہے اور معاملہ صحیح ہو جاتا ہے، تفصیل گذشتہ سے پیوسہ باب میں گذر چکی ہے۔ اور ائمہ خلافت کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں، مہر مقرر کر کے از سر نو نکاح کرنا ضروری ہے۔

اور حدیث شریف میں تین مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: جَلْب اور جَنْب جائز نہیں۔ جَلْب (مصدر) کے لغوی معنی ہیں: کھینچنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا (بابہ نصر) اور جَنْب (مصدر) کے لغوی معنی ہیں: دور ہونا، الگ ہونا (بابہ سحر) اور کتاب الزکوٰۃ میں جَنْب یہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ کی وصولی کرنے والے کو پریشان کرنے کے لئے اموال زکات (موسیقی) لے کر دور چلے جائیں۔ اور جَلْب یہ ہے کہ سماجی لوگوں کو حکم دے کہ وہ قابل زکوٰۃ اموال اس کے پاس لائیں۔ یہ دونوں باتیں جائز نہیں۔ مصدق کی ذمہ داری ہے کہ وہ جنگل میں جا کر زکوٰۃ وصول کرے، اور لوگ اپنی جگہ ٹھہریں، دور نہ چلے جائیں۔

اور رہا ان (دوڑ کی بازی) میں جَلْب کے معنی ہیں: گھوڑے کو ہنتر لگوانا تاکہ گھوڑا حیر ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا کیونکہ یہ چار سو بیسی ہے۔ اور جب کے معنی ہیں: دوڑ میں گھوڑا سوار کا اپنے گھوڑے کے پہلو میں دوسرا گھوڑا رکھنا تاکہ جب پہلا گھوڑا تھک جائے تو وہ دوسرے پر آجائے، نبی ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا جیسے آج کل کھیل ہوتے ہیں ان کا اصول یہ ہے کہ کوئی کھلاڑی ٹپائی دوا دکھا کر میدان میں نہیں اتر سکتا، اسی طرح یہاں بھی اگر گھوڑے کو کوڑا مردا کر یا گھوڑا بدل کر جیتے گا تو یہ دوسرے کے حق پر ڈاکا ڈالنا ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں۔

دوسرا مسئلہ: اسلام میں نکاح شغار نہیں کیونکہ اس میں جو عورتوں کی شرم گاہوں کو ایک دوسرے کا مہر مقرر کیا جاتا ہے تو یہ ان عورتوں کا حق مارنا ہے، کوئی باپ یا بھائی اپنی بیٹی یا بہن کی شرم گاہ کا مالک نہیں، پس اس کو مہر کیسے بنا سکتا ہے یہ ان کے حق میں ڈاکا ڈالنا ہے۔

تیسرا مسئلہ: جو شخص کسی بھی طرح کی کوئی لوٹ بچائے جیسے مال غنیمت لوٹے وہ اچھا مسلمان نہیں اور پہلے دونوں حکم بھی اسی قبیل سے ہیں، اس لئے ممنوع ہیں، لیس مناکا بھی مطلب ہے کہ اس شخص کا ہم سے کچھ لینا دینا نہیں، وہ ہمارا ہم مزاج نہیں، وہ بہتر مسلمان نہیں۔

ملاحظہ: نکاح میں چھوہارے لٹانے کا تذکرہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے، لیکن چونکہ وہ لوگوں کی اذیت کا باعث ہوتا ہے اس لئے مسجد میں تو ہرگز مناسب نہیں۔

[۲۸] باب ما جاء من النهی عن نکاح الشغار

[۱۱۰۵] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ، نَا بِشْرُ بْنُ الْمَفْضَلِ، نَا حُمَيْدٌ - وَهُوَ الطَّوِيلُ - قَالَ: حَدَّثَ الْحَسَنُ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا جَلْبَ وَلَا جَنْبَ، وَلَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ، وَمَنْ اتَّهَبَ نَهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ، وَأَبِي رَمَحَانَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَاهِرٍ، وَمُعَاوِيَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَوَالِدِ بْنِ حُجْرٍ.

[۱۱۰۶] حدثنا إسحاق بن موسى الأنصاري، نا مَعْن، نا مَالِك، عَنْ نَافِع، عَنْ ابْنِ عُمر: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشُّغَارِ.
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَزَوْنِ بِنِكَاحِ الشُّغَارِ، وَالشُّغَارُ: أَنْ يَزَوَّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يَزَوَّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ أَوْ أُخْتَهُ، وَلَا صَدَاقَ بَيْنَهُمَا.
وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: بِنِكَاحِ الشُّغَارِ مَفْسُوخٌ، وَلَا يَجِلُّ، وَإِنْ جَعَلَ لَهَا صَدَاقًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَاحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَرَوَى عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَاحٍ، قَالَ: يَقْرَأُ عَلَى بِنِكَاحِهِمَا، وَيُجْعَلُ لَهَا صَدَاقُ الْمَثَلِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ.

ترجمہ: اس حدیث پر تمام علماء کا عمل ہے، وہ نکاح شغار کو ناجائز کہتے ہیں، اور شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح کرے اس شرط پر کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس کے ساتھ کرے اور ان عورتوں کے لئے کچھ بھی مہر نہ ہو، اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نکاح شغار باطل ہے اور وہ حلال نہیں ہوتا، اگرچہ ان دونوں کے لئے مہر مثل مقرر کرے، پس از سر نو نکاح پڑھنا ضروری ہوگا اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ دونوں نکاحوں کو برقرار رکھا جائے گا اور دونوں کے لئے مہر مثل گردانا جائے گا اور یہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔
لغات: شَغَرَ الْعُكَا: کے معنی ہیں: خالی ہونا، چونکہ یہ نکاح مہر سے خالی ہوتے ہیں اس لئے نکاح شغار کہلاتے ہیں..... انْتَهَبَ الشَّيْءَ: لے لینا، لوٹ لینا..... التَّهْنَةُ: لوٹ، لوٹی ہوئی چیز۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَاتِهَا

پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

حدیث (۱): نبی ﷺ نے کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر یا اس کی خالہ پر نکاح کرنے سے منع فرمایا۔
تشریح: سورۃ النساء آیت ۲۳ میں ہے کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع مت کرو ۱۰ وَأَنْ تَنْكِحُوا أَبْنَاءَ الْأَخْتَيْنِ ۖ اور مذکورہ حدیث میں اس کے ساتھ دو اور جزیوں کو لاحق کیا ہے یعنی پھوپھی بھتیجی کو اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، یہ دو بہنوں کو جمع کرنے کے حکم میں ہے۔ پھر فقہاء نے آیت اور حدیث کی تنقیح کر کے ضابطہ بنایا کہ ایسی دو عورتیں جن میں سے کسی کو بھی مرد فرض کیا جائے تو اس کا دوسری سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو ان کو بھی نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، یہ بھی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کے حکم میں ہے، مثلاً: پھوپھی بھتیجی میں سے اگر پھوپھی کو مرد فرض کریں گے تو چچا بھتیجی ہو گئے اور بھتیجی کو مرد فرض کریں گے تو چچا بھتیجی ہو گئے اور چچا کا بھتیجی سے اور بھتیجی کا پھوپھی سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے، اسی طرح خالہ بھانجی میں سے اگر خالہ کو مرد فرض کریں گے تو ماموں بھانجی

ہونگے اور بھانجی کو مرد فرض کریں گے تو بھانجا خالہ ہونگے۔ اور ماموں کا بھانجی سے اور بھانجی کا خالہ سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے، پس ان کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کہ عورت (بھتیجی) سے اس کی پھوپھی پر یا پھوپھی سے اس کی بھتیجی پر یا عورت (بھانجی) سے اس کی خالہ پر یا خالہ سے اس کی بھانجی پر نکاح کیا جائے، اور فرمایا: نہ نکاح کیا جائے چھوٹی سے بڑی پر اور نہ بڑی سے چھوٹی پر، یعنی پہلے سے پھوپھی خالہ نکاح میں ہوں پھر بھتیجی بھانجی سے نکاح کیا جائے یا پہلے سے بھتیجی بھانجی نکاح میں ہوں پھر پھوپھی خالہ سے نکاح کیا جائے یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں۔

[۲۹] باب ماجاء لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها

[۱۱۰۷] - حدثنا نصر بن علی الجهضمی، نا عبد الأعلى، نا سعد بن ابی عروبة، عن ابی حریز، عن عكرمة، عن ابن عباس: أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن تزوج المرأة علی عمتها أو خالتها. حدثنا نصر بن علی، حدثنا عبد الأعلى، عن هشام بن حسان، عن ابن سیرین، عن ابی هريرة، عن النبی صلی الله علیه وسلم بمثله.

وفی الباب: عن علی، وابن عمر، وعبد الله بن عمرو، وأبى سعید، وأبى أمامة، وجابر، وعائشة، وأبى موسى، وسمرة بن جندب.

[۱۱۰۸] - حدثنا الحسن بن علی، نا یزید بن ہارون، نا داؤد بن ابی ہند، نا عامر، عن ابی هريرة، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی أن تنکح المرأة علی عمتها، أو العمة علی ابنتی أختها، أو المرأة علی خالتها، أو الخالة علی بنت أختها، ولا تنکح الصغری علی الکبری، ولا الکبری علی الصغری.

حدیث ابن عباس و ابی هريرة حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند عامة اهل العلم، لانعلم بينهم اختلافا: انه لا یجوز للرجل أن یجمع بین المرأة و عمتها أو خالتها، فإن نکح امرأة علی عمتها أو خالتها، أو العمة علی بنت أختها: فیکاح الأخری منهما مفسوخ، وبه یقول عامة اهل العلم.

قال أبو عیسی: أدرك الشافعی أباً هريرة، وروى عنه، وسألت محمداً عن هذا، فقال: صحیح، قال أبو عیسی: وروى الشافعی عن رجل عن ابی هريرة.

ترجمہ: اس حدیث پر تمام علماء کا عمل ہے، ہم ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتے کہ آدمی کے لئے عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں، پس اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح کیا یا پھوپھی سے بھتیجی کی (یا خالہ سے بھانجی کی) موجودگی میں نکاح کیا تو ان دونوں میں سے جو نکاح

دوسرے نمبر پر ہو گا وہ باطل ہے، تمام علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: عامر شعی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ عامر کی حضرت ابو ہریرہ سے ملاقات ثابت ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: عامر شعی نے حضرت ابو ہریرہ سے واسطہ سے بھی روایت کی ہے یعنی کچھ حدیثیں براہ راست حضرت ابو ہریرہ سے نہیں سنیں۔

باب ماجاء فی الشرط عند عقد النکاح

نکاح کے وقت جو شرط لگائی جائے اس کا حکم

لفظ عقد زینت کلام کے لئے ہے۔ اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے وقت یا اس سے پہلے یا بعد میں باہمی رضامندی سے جو شرط لگائی جائے اس کا کیا حکم ہے؟ شرطیں تین قسم کی ہیں: پہلی: وہ شرطیں ہیں جو عقد (نکاح) کا متقضى ہیں جیسے مهر، نان و نفقہ وغیرہ۔ یہ شرطیں بہر حال ثابت ہوگی، خواہ وہ لگائی جائیں یا نہ لگائی جائیں اس لئے کہ جو عقد کا متقضى ہیں وہ شرطیں بھی اگر ثابت نہیں ہوگی تو نکاح کا فائدہ کیا؟ دوم: وہ شرطیں ہیں جو عقد کے متقضى کے خلاف ہیں، مثلاً: عورت نے شرط لگائی کہ وہ صحبت نہیں کرنے دے گی یا مرد نے شرط لگائی کہ وہ نان و نفقہ نہیں دے گا۔ یہ شرطیں عقد کے متقضى کے خلاف ہیں، پس وہ کالعدم ہیں، عقد کا متقضى بہر حال ثابت ہوگا، بعد میں عورت نان و نفقہ وغیرہ معاف کر سکتی ہے، یہ الگ بات ہے۔ اگر ایسی عقد کے متقضى کے خلاف شرطیں نکاح میں لگائی گئیں تو وہ شرطیں خود باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا۔

سوم: وہ شرطیں ہیں جو نہ عقد کا متقضى ہیں اور نہ اس کے خلاف ہیں مثلاً: یہ شرط لگانا کہ لڑکی رخصت ہو کر شوہر کے گھر نہیں جائے گی، شوہر گھر و داماد ہو کر رہے گا یا جب موقع طے شوہر آئے، یا یہ شرط کرنا کہ شوہر دوسرا نکاح نہیں کرے گا اور ان شرطوں کو قبول کرنے کی وجہ سے نکاح ہوا یعنی اگر یہ شرطیں قبول نہ کی جائیں تو نکاح نہ ہوتا: ایسی شرطیں دیا یہ لازم ہیں قضاء لازم نہیں۔ دیا یہ یعنی دینداری کے پیش نظر اور قضاء یعنی کورٹ کے حکم کے طور پر، جس کو کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ پولیس مرغا بنائے گی، غرض یہ شرطیں جو نہ عقد کا متقضى ہیں اور نہ اس کے خلاف ہیں ان کو دینداری کے نقطہ نظر سے پورا کرنا چاہئے، مگر قضاء لازم نہیں یعنی قاضی اس کا حکم نہیں دے گا، وہ شرط کے باوجود بیوی کو رخصت کر کے میکے سے سسرال لے جاسکتا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں ایک حدیث ہے اور دو: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اقوال ہیں، حدیث یہ ہے کہ شرطوں میں سے وفا کی سب سے زیادہ عقدار (یہ مبتدا ہے جو ان کا اسم ہے) وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہے (یہ خبر ہے) یعنی تمہارا نکاح ان شرطوں کو منظور کرنے کی وجہ ہی سے ہوا ہے

اگر تم ان شرطوں کو منظور نہ کرتے تو تمہارا نکاح نہ ہوتا، پس یہ شرطیں وفا کی سب سے زیادہ حقدار ہیں یعنی ان شرطوں کو دینیہ ضرور پورا کرنا چاہئے۔

اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ لڑکی کو اس کے میکے سے رخصت کر کے نہیں لے جائے گا تو شوہر کو (دینیہ) یہ شرط پوری کرنی چاہئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی شرطیں عورت کی شرطوں سے مقدم ہیں یعنی گھر دامادین کر رہنا نکاح کا مقتضی نہیں اس لئے یہ شرط باطل ہے، مرد بیوی کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول دیانت پر محمول ہے اور حدیث میں بھی دیانت کا بیان ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قصداً پر محمول ہے۔ یعنی اگر یہ معاملہ قاضی کے رو برو پیش ہوگا تو قاضی اس شرط کو کالعدم کر دے گا اور مرد کو اجازت دے گا کہ وہ بیوی کو جہاں چاہے لے جائے۔

[۲۰] باب ما جاء في الشرط عند عقد النكاح

[۱۱۰۹] - حدثنا يوسف بن عيسى، نا وكيع، نا عبد الحميد بن جعفر، عن يزيد بن أبي حبيب، عن مرقد بن عبد الله التميمي أبي الخير، عن عتبة بن عامر الجهني قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن أحق الشروط أن يولّى بها: ما استحللتم به الفروج".
حدثنا أبو موسى محمد بن المثنى، نا يحيى بن سعيد، عن عبد الحميد بن جعفر نحوه، هذا حديث حسن صحيح.

والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، منهم عمر بن الخطاب، قال: إذا تزوج رجل امرأة، وشرط لها أن لا يغير جهتها من مضرها، فليس له أن يغير جهتها، وهو قول بعض أهل العلم، وبه يقول الشافعي وأحمد وإسحاق.
وروى عن علي بن أبي طالب أنه قال: شرط الله قبل شرطها، كأنه رأى للزوج أن يغير جهتها، وإن كانت اشترطت على زوجها أن لا يغير جهتها، ذهب بعض أهل العلم إلى هذا، وهو قول سفيان الثوري وبعض أهل الكوفة.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم صحابہ کا عمل ہے، ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب کسی شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور یہ شرط لگائی کہ وہ عورت کو اس کے شہر سے نہیں لکالے گا تو اس کو نکالنے کا حق نہیں۔ اور یہ بعض اہل علم کا قول ہے، اور اسی کے قائل ہیں شافعی، احمد اور اسحاق۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی شرط عورت کی شرط سے مقدم ہے گویا انھوں نے جائز قرار دیا شوہر کے لئے کہ وہ عورت کو اس کے

شہر سے نکالے اگرچہ عورت نے شوہر سے شہر سے نہ نکالنے کی شرط لگائی ہو، اور بعض اہل علم اس کی طرف مائل ہیں اور یہ سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا قول ہے (مگر تطبیق کی صورت بہتر ہے)

باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوة

اگر کسی نو مسلم کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو کیا کرے؟

یہ دو باب ہیں، پہلے باب میں یہ واقعہ ہے کہ غیلان بن سلمۃ ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں، وہ سب بھی مسلمان ہو گئیں۔ آنحضور ﷺ نے ان کو چار منتخب کر کے رکھنے کا اور باقی کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا۔ ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ مصنف ابن ابی شیبہ (حدیث ۲۹۷۹ ج ۹: ۳۵۱) میں مروی ہے قیس بن الحارث مسلمان ہوئے ان کے نکاح میں آٹھ بیویاں تھیں، نبی ﷺ نے چار کو روکنے کا اور باقی کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور دوسرے باب میں یہ واقعہ ہے کہ فیروز دلیی کے نکاح میں دو بہنیں تھیں، جب وہ مسلمان ہوئے تو آپ نے ان کو بھی کسی ایک کے انتخاب کا اور دوسری کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا۔ ان حدیثوں کی وجہ سے ائمہ خلافت تخریر کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو بہنیں ہوں تو اس کو اختیار ہے، وہ اپنی پسندیدہ چار بیویوں کو روک لے اور جو بہن اسے پسند ہو اسے روک لے اور باقی کو علیحدہ کر دے۔ اور امام اعظم اور امام ابوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جو چار پہلے نکاح میں آئی ہیں اور جس بہن سے پہلے نکاح ہوا ہے وہ نکاح میں رہیں گی باقی خود بخود نکاح سے علیحدہ ہو جائیں گی۔ یعنی شیخین رحمہما اللہ تخریر کے قائل نہیں، میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ مسلمان کا ہے یعنی کسی بد دین مسلمان نے دو بہنوں سے نکاح کیا یا چار سے زیادہ بیویاں کیں تو اس کے لئے تخریر کا حکم نہیں ہے بلکہ پہلے جن سے نکاح ہوا ہے ان کا نکاح صحیح ہیں اور بعد کے نکاح باطل ہیں اور اگر یہ واقعہ کسی نو مسلم کا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ جن کو چاہے رکھے اور باقی کو علیحدہ کر دے۔ اور وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان کے بعد والے نکاح ہوئے ہی نہیں اور غیر مسلم کے اس کے مذہب کے مطابق سب نکاح درست ہیں، پس اس کو اختیار ہوگا کہ جن کو چاہے رکھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوة

[۱۱۱۰-] حدثنا قتادة، نا عبد الله بن سعيد بن أبي عمرو بن تميم، عن معمر، عن الزهري، عن سالم بن عبد الله، عن ابن عمر، أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم، وله عشر نسوة في الجاهلية، فأسلمن معه، فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يتخير منهن أربعاً.

هَكَذَا رَوَاهُ مُعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ: هَذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَالصُّحَيْحُ مَا رَوَى شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ وَغَيْرُهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ: أَنَّ غِيلَانَ بْنَ سَلَمَةَ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَإِنَّمَا حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ لَقِيْفٍ طَلَّقَ نِسَاءَهُ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: لَتَرَأِجِعُنَّ نِسَاءَ لَدَا أَوْ لَأُرْجِعَنَّ قُبُورَكَ كَمَا رَجِعَ قَبْرُ أَبِي رِغَالٍ وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ غِيلَانَ بْنِ سَلَمَةَ عِنْدَ أَصْحَابِنَا، مِنْهُمْ الشَّافِعِيُّ، وَاحْمَدُ، وَاسْحَاقُ.

وضاحت: غیلان بن سلمہ کی حدیث جو معمر نے زہری، عن سالم، عن ابیہ کی سند سے ذکر کی ہے: امام بخاری فرماتے ہیں: یہ سند محفوظ نہیں، صحیح سند وہ ہے جو شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ نے زہری سے نقل کی ہے۔ زہری کہتے ہیں: میں محمد بن سہید ثقفی سے حدیث بیان کیا گیا (بچ میں مجھول واسطہ ہے) کہ غیلان ثقفی مسلمان ہوئے در انحالیکہ ان کے پاس دس بیویاں تھیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں: معمر کی مذکورہ سند سے درحقیقت حضرت غیلان کا دوسرا واقعہ مروی ہے کہ حضرت غیلان نے تبجل (بیویوں سے علیحدہ رہنے) کا ارادہ کیا تا کہ سارا وقت اللہ کی عبادت میں گذاریں، چنانچہ انھوں نے اپنی سب بیویوں کو طلاق دیدی۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو حکم دیا کہ سب بیویوں کو نکاح میں واپس لیں اور فرمایا: اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں مسلمانوں کو حکم دوں گا کہ جس طرح ابو رغال کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں تمہاری قبر پر بھی پتھر ماریں، چنانچہ انھوں نے بیویوں کو نکاح میں واپس لیا۔

فائدہ: ابو رغال کے معاملہ میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ابو رغال قوم مشرکوں کا عذاب سے بچ جانے والا ایک فرد تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہاتھی والوں کا گائیڈ (راہ نما) تھا، اس لئے اس سے عرب شدید نفرت کرتے تھے، چنانچہ وہ لوگ اس کی قبر پر پتھر مارتے تھے۔ یہ بات ابو داؤد کی حدیث (۳۳۳:۲) کتاب الخوارج باب نہیں القصور العادیۃ) میں آئی ہے، فتح مکہ کے بعد جب نبی ﷺ طائف کا محاصرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپؐ نے صحابہ کو اس کی قبر دکھائی اور یہ علامت بتائی کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک چھڑی دفن کی گئی تھی چنانچہ صحابہ نے قبر کھودی اور وہ چھڑی نکال لی۔

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے در انحالیکہ ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں، پس وہ بھی حضرت غیلان کے ساتھ اسلام لائیں، پس نبی ﷺ نے ان کو ان میں سے چار کا انتخاب کرنے کا حکم دیا، اس حدیث کو معمر نے زہری سے، انھوں نے سالم سے، انھوں نے اپنے ابا سے اسی طرح روایت کیا ہے (امام ترمذی کہتے ہیں) میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ یہ حدیث (یعنی سند) محفوظ نہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کو شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ نے زہری سے روایت کیا ہے، زہری کہتے ہیں: میں محمد بن سہید ثقفی سے حدیث بیان کیا گیا کہ غیلان بن سلمہ اسلام لائے اس وقت ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں: امام زہری کی حدیث جو سالم سے ہے

جس کو وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اس کا متن یہ ہے کہ قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی، پس ان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: البتہ ضرور آپ یا تو اپنی بیویوں کو نکاح میں واپس لیں یا میں ضرور آپ کی قبر پر پتھر ماروں گا جس طرح ابو غزالہ کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں یعنی مرنے کے بعد بھی میں تمہیں رسوا کروں گا۔ اور غیلان کی حدیث پر ہمارے اصحاب یعنی حجازی مکتب فکر کے اکابر کا عمل ہے ان میں سے شافعی، احمد اور اسحاق ہیں (یہ مسئلہ اجماعی ہے)

فائدہ (۱): امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت غیلان کی حدیث کے ضعف کی وجہ بیان کی ہے وہ کچھ زیادہ اہم نہیں ہے، ان کی بیان کردہ وجہ کا حاصل یہ ہے کہ زہری عن سالم کی سند سے یہ حدیث مروی نہیں، بلکہ اس کی دوسری سند ہے، زہریؒ کو یہ حدیث محمد بن سوید ثقفی سے بالواسطہ پہنچی ہے اور زہریؒ کے مرادیل ضعیف ہوتے ہیں، مگر امام بخاریؒ نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور یہ بات ممکن ہے کہ دو مختلف سندوں سے ایک ہی واقعہ مروی ہو اور امام بخاریؒ کا یہ فرمانا کہ زہری عن سالم کی سند سے حضرت غیلان کے طلاق دینے کا واقعہ مروی ہے یہ وجہ بھی کچھ زیادہ اہم نہیں کیونکہ ایک ہی سند سے دو واقعے مروی ہو سکتے ہیں۔

اصل اعتراض اس سند پر یہ ہے کہ معمر بن راشد بصری تھے پھر انھوں نے یمن میں بود و باش اختیار کی تھی پھر جب وہ یمن میں حدیث بیان کرتے تو اپنی کتابیں سامنے رکھ کر بیان کرتے اور جب سفر میں نکلتے تھے تو حافظہ سے حدیثیں بیان کرتے تھے، اس وجہ سے وہم ہو جاتا تھا، پس جن طالب علموں نے ان سے یمن میں پڑھا ہے جیسے عبدالرزاق صنعانی (صاحب مصنف) ان کی روایتیں تو بے غبار ہیں اور جن طالب علموں نے یمن کے علاوہ کسی اور جگہ ان سے پڑھا ہے ان کی روایتیں محل نظر ہیں، کتاب میں سعید بن ابی عروبہ کی روایت ہے اور وہ بصری ہیں، پس ان کی روایت محل نظر ہے۔ یہ ایک معمولی خرابی ہے، مگر قیس بن الحارث اسدی کی روایت اس کی شاہد ہے ان کے نکاح میں آٹھ بیویاں تھیں، نبی ﷺ نے چار کے علاوہ باقی کو طہارہ کرنے کا حکم دیا، اس کی سند میں اگرچہ ابن ابی لیلیٰ مضمر ہیں مگر ان کا ضعف حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے تھا ان میں اور کوئی خرابی نہیں تھی، اس وجہ سے ان کی حدیث شاہد بن سکتی ہے (یہ حاشیہ شیخ محمد حوالہ حلبی کے مصنف ابن ابی شیبہ کے حاشیہ سے مستفاد ہے)

فائدہ (۲): یہ اجماعی مسئلہ ہے یعنی چاروں ائمہ متفق ہیں کہ چار سے زیادہ عورتوں سے بیک وقت نکاح نہیں ہو سکتا اس میں غیر مقلدین کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک نکاح کے لئے کوئی عدد متعین نہیں جتنی چاہیں بیویاں نکاح میں جمع کر سکتے ہیں۔ نو اب صدیق حسن خان صاحب کے لڑکے میر نور الحسن خان صاحب نے عرف الجادی (ص: ۱۱۱) میں یہ مسئلہ تفصیل سے لکھا ہے، کہتے ہیں:

”حالانکہ ظاہر یہ وائیں صہاغ و عمران وطلحہ از متعین متاخرین برخلاف ایں اجماع رفتہ اندوہم قرآن کریم و فعل رسول رحیم کے لئے زن یا زیادہ در بعض اوقات فراہم آوردہ خلاف اجماع مذکور است و دعویٰ خصوصیت مفکر بدلیل است“

اور باب کی روایات کو وہ ضعیف قرار دیتے ہیں، حالانکہ ضعیف روایت پر جب اجماع ہو جاتا ہے تو مسئلہ قطعی ہو جاتا ہے، جیسے بیس رکعت تراویح کی ضعیف روایت پر جب امت کا اجماع ہو گیا، اور چار دانگ عالم تعامل شروع ہو گیا تو اب وہ تعداد قطعی ہو گئی حدیث کے ضعف کا اس پر اثر نہیں پڑے گا، یہی حال اس مسئلہ کا بھی ہے اور گمراہ لوگوں کا اختلاف اجماع کو متاثر نہیں کرتا۔

باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده اختان

جس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں وہ کیا کرے؟

حدیث: فیروز دہلی کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان میں سے جس کو آپ چاہیں اختیار کر لیں (اور دوسری کو چھوڑ دیں)

[۳۲] باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده اختان

[۱۱۱۱-] حدثنا قتيبة، نا ابن لهيعة، عن أبي وهب الجشاني، أنه سمع ابن فيروز الدمشقي، يُحدث عن أبيه، قال: أتي النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! إني أسلمت وتحتي اختان، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اختر أيتهما شئت" هذا حديث حسن غريب، وأبو وهب الجشاني: اسمه الدليم بن هوشع.

باب الرجل يشتري الجارية وهي حامل

خریدی ہوئی حاملہ باندی سے وضع حمل سے پہلے صحبت جائز نہیں

کسی شخص نے باندی خریدی وہ حاملہ ہے پس جب تک اس کا وضع حمل نہ ہو جائے مشتری کے لئے اس سے وطی کرنا جائز نہیں، اور یہی حکم اس عورت کا ہے جو زنا سے حاملہ، اگر اس کا کسی سے نکاح ہو جائے تو نکاح صحیح ہوگا، مگر شوہر کے لئے اس سے وطی کرنا جائز نہیں تا آنکہ وہ بچہ جنم دے، البتہ اگر زانی ہی سے نکاح ہوا ہے تو وہ وطی کر سکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ باندی میں جب بھی ملکیت بدلے گی استبراء رحم ضروری ہوگا یعنی ملکیت بدلنے کے بعد جب تک باندی کو ایک حیض نہ آجائے نئے آقا کے لئے اس سے وطی کرنا جائز نہیں، اور یہ حکم اس لئے ہے کہ نسبوں میں اختلاط نہ ہو جائے، کسی کا بچہ کسی طرف منسوب نہ ہو جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنا پانی غیر کے بچے کو نہ پلائے“ یہ استعارہ ہے یعنی غیر سے حاملہ باندی یا بیوی سے صحبت نہ کرے اور اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حاملہ سے صحبت بچہ کے نشوونما پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱۷۸:۵) میں ہے۔

[۳۳] باب الرجل يشتري الجارية وهي حامل

[۱۱۱۲] - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ النَّصْرِيُّ، نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ، نَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ زُوَيْفِعِ بْنِ قَابِثٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِي مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ“
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ زُوَيْفِعِ بْنِ قَابِثٍ.
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَزُونُ لِلرَّجُلِ إِذَا اشْتَرَى جَارِيَةً وَهِيَ حَامِلٌ: أَنْ يَطْأَهَا حَتَّى تَضَعُ.
وَهِيَ الْبَابُ: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي الدُّدَاءِ، وَالْعِرْبَانِصِ بْنِ سَارِيَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ آدمی کے لئے جب وہ باندی خریدے دراصل ایک وہ حاملہ ہو تو اس سے وطی کرنے کو ناجائز کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ حمل کو جنم دے۔

باب ما جاء في الرجل ينسب الأمة ولها زوج هل يجعل له وطئها؟

باندی کا شوہر زندہ ہو تو اس سے صحبت جائز ہے

اگر جنگ میں شادی شدہ عورت قید ہو اور اس کا شوہر قتل ہو گیا ہو تب تو کوئی مسئلہ نہیں، لیکن اگر شوہر زندہ ہو تو جب وہ عورت کسی فوجی کو دیدی گئی اور باندی بنائی گئی تو نکاح ختم ہو گیا۔ اب استبرائے رحم کے بعد آقا کے لئے اس سے صحبت کرنا جائز ہے۔

حدیث: جنگ ادطاس میں کچھ عورتیں قید ہوئیں، وہ شادی شدہ تھیں، ان کے قبیلوں میں ان کے شوہر زندہ تھے، وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے، جب وہ عورتیں باندیاں بنائی گئیں تو کچھ لوگوں کو ان سے وطی کرنے میں حرج محسوس ہوا، کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یعنی تم پر حرام کی گئی ہیں وہ عورتیں جو شوہر والی ہیں، لوگوں نے اپنا یہ اشکال آنحضور ﷺ کے سامنے رکھا تو ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کا استثناء نازل ہوا یعنی جو عورتیں شوہر والی ہیں مگر وہ باندی بنائی گئیں تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان سے صحبت جائز ہے۔

[۳۴] باب ماجاء فی الرجل یسبی الامة ولها زوج هل یحل له وطیها؟

[۱۱۱۳-] حدثنا أحمد بن منیع، نا هشیم، نا عثمان البقی، عن أبی الخلیل، عن أبی سعید الخدری قال: أصبنا سبایا یوم أوطاس، ولهن أزواج فی قومهن، فذكروا ذلك لرسول الله صلی الله علیه وسلم، فنزلت: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾
 هذا حدیث حسن، وهكذا رواه القوری عن عثمان البقی، عن أبی الخلیل، عن أبی سعید، وأبو الخلیل: اسمه صالح بن أبی مریم، وروی همام هذا الحدیث عن قتادة، عن صالح أبی الخلیل، عن أبی علقمة الهذلی، عن أبی سعید، عن النبی صلی الله علیه وسلم، حدثنا بذلك عبد بن حمید، نا خبان بن هلال، نا همام.

وضاحت: اس حدیث کو صالح ابو الخلیل نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے براہ راست بھی روایت کیا ہے اور ابو علقمہ کے واسطے سے بھی، پہلی سند عثمان اسی کی ہے، ان سے ہم روایت کرتے ہیں اور سفیان ثوری ان کے متابع ہیں، اور دوسری سند قتادہ کی ہے ان سے ہمام روایت کرتے ہیں۔

باب ماجاء فی تکرہیة مہر البیہی

رہی کی فیس حرام مال ہے

بیہی: کے لغوی معنی ہیں: چاہی ہوئی، چونکہ رہی کے پاس ہر کوئی آتا ہے اس لئے اس کے لئے یہ لفظ مستعمل ہے۔
 رہی کو جو دنیا کی اجرت دی جاتی ہے وہ حرام ہے، مگر قدام جس چیز کی حرمت حدیث سے ثابت ہوتی ہے اس کے لئے لفظ کراہیت استعمال کرتے ہیں اور جس کی حرمت قرآن سے ثابت ہوتی ہے اس کے لئے لفظ حرام استعمال کرتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی کراہیت کا لفظ استعمال کیا ہے، مگر مراد حرمت ہے۔
 حدیث: رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا: کتے کی قیمت سے، رہی کی اجرت سے اور کاہن کے نذرانے سے۔

تشریح: کتے کی بیع مطلقاً حرام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے: اس کی وضاحت ابواب المہورع میں آئے گی، اور رہی کی اجرت سے آقا کو منع کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ آقا اپنی بائعی کو دینا کرنے پر مجبور کرتا تھا اور اس کی آمدنی کھاتا تھا۔ اس حدیث میں اس سے کہا گیا ہے کہ یہ رقم تیرے لئے حرام ہے اور جب آقا کے لئے حرام ہے تو خود رہی کے لئے بھی حرام ہے، اور یہ بات سورۃ النساء آیت ۳۳ میں صراحت آئی ہے: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا قَبُولَ الْحَسَنَاتِ حَرَامًا﴾

عَلَى الْبَغَاءِ إِنْ أَرَادَ فَحَصًا لِيَتَفَوَّحَ عَرْضُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بِمَعْنَى تَمِثْلِ بَائِنِ بَائِنِ يَوْمِ كُودِ كَارِي بِمَجْبُورِ مَت كُودِ كُودِ
پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تاکہ تم دنیا کی زندگی کا اسباب چاہو یعنی اس ذریعہ سے پیسے کماد۔ اور کاہن کا نذرانہ بھی
حرام ہے، جب اسلام نے کہانت کو جڑ بنیاد سے ختم کر دیا، اور کاہن کے پاس جانے کو اور اس سے غیب کی باتیں
پوچھنے کو حرام قرار دیا تو اب نذرانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے!

[۳۵] باب ماجاء فی کراهیة مهر البغی

[۱۱۱۴] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكُذْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.
وفی الباب: عَنْ زَافِعِ بْنِ عَدِيٍّ، وَأَبِي جُحَيْفَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي عَتَابٍ، وَحَدَّثَ أَبُو مَسْعُودٍ
حَدِيثَ حَسَنٍ صَحِيحٍ.

باب ماجاء أن لا يخطب الرجل على خطبة أخيه

مگنی پر مگنی ڈالنا ممنوع ہے

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی حج پر حج نہ کرے اور اپنے مسلمان
بھائی کے نکاح کے پیغام پر پیغام نہ ڈالے“
تشریح: یہ حدیث حسن معاشرت کے باب سے ہے جب کسی شخص کے ساتھ سودا چل رہا ہو یا کسی نے مگنی بھیج
رکھی ہو اور اس کی طرف التفات ہو گیا ہو تو دوسرے کو حج میں نہیں پڑنا چاہئے، اس سے پہلے شخص کو ایذا پہنچے گی اور اس
کو ناگواری ہوگی اور فتنوں کا دروازہ کھلے گا۔
جاننا چاہئے کہ حج اور مگنی کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ: جب تک مکان معرض حج میں ہو یعنی اس پر ”برائے فروخت“ کا بورڈ لگا ہوا ہو اس مرحلہ میں ہر شخص
آفردے سکتا ہے یعنی خریدنے کی پیشکش کر سکتا ہے کوئی ممانعت نہیں۔ اسی طرح لڑکا یا لڑکی جب تک معرض خطبہ میں
ہیں، ان کی مگنیاں آرہی ہیں، اس مرحلہ میں کوئی بھی پیغام نکاح دے سکتا ہے کوئی ممانعت نہیں۔

دوسرا مرحلہ: جب کسی کے ساتھ سودا طے ہو جائے اور چیز بک جائے یا کسی کا پیغام قبول کر لیا جائے اور مگنی
ہو جائے تو اب حج میں کودنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تیسرا مرحلہ: درمیانی ہے یعنی جب کسی ایک کے ساتھ سودا چل رہا ہے تو دوسرے کو حج میں کودنے کی اجازت

نہیں، یا کسی معنی دینے والے کی طرف رکون اور جھکاؤ ہو گیا ہے، ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لڑکے لڑکی کو دیکھنا اور باہم بدیدہ دینا لینا شروع ہو گیا ہے تو اب دوسرے کو بیچ میں نہیں کودنا چاہئے۔ یہ اس شخص کو اس چیز سے مایوس کرنا ہے جس کے وہ درپے ہے اور اس کو اس چیز سے نامراد کرنا ہے جس کا وہ امیدوار ہے اور اس کے ساتھ بد معاملگی، ظلم اور اس پر تنگی کرنا ہے جس سے اس کو ایذا پہنچے گی اور ناگواری ہوگی اور قتلوں کا دروازہ کھلے گا اس لئے اس کی ممانعت کی گئی۔

حدیث (۲): حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں دیدی تھیں اس کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ پہلے ایک طلاق دی تھی، لوگوں نے بیچ میں پڑ کر رجوع کر دیا تھا، لیکن نیکل منڈھے نہ چڑھی تو کچھ عرصہ کے بعد شوہر نے دوسری طلاق دی لوگوں نے پھر رجوع کر دیا، کیونکہ حضرت فاطمہ اپنے خاندان کی تھیں، لیکن پھر بھی گاڑی نہ چلی تو شوہر نے سوچا کہ اگر اب طلاق دوں گا تو چونکہ رجوع نہیں ہو سکتا اس لئے لوگ بجا نہیں گئے، خوب دھلائی کریں گے، چنانچہ انھوں نے ایک پلان کے مطابق اپنے چچا زاد بھائی کے پاس دس ققیڑے رکھا (ایک ققیڑا انتالیس کلو کا ہوتا ہے) پانچ ققیڑے جو کے اور پانچ ققیڑے گیہوں کے، اس زمانہ میں گیہوں ہر ایک کو میسر نہ تھا، مگر چونکہ بیوی بڑی ناک والی تھی اس لئے انھوں نے پانچ ققیڑے جو کے ساتھ پانچ ققیڑے گیہوں بھی رکھے۔ اور بھائی کو پلان سمجھا کر سفر میں نکل گئے اور وہاں سے چچا زاد بھائی کے نام خط لکھا، جس میں تیسری طلاق لکھی، چچا زاد بھائی نے وہ خط اور غلہ ان کو پہنچایا، وہ آگ بکولہ ہو گئیں، مگر کس سے بھڑتیں! آنحضور ﷺ کے پاس پہنچیں اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: صدق یعنی تمہارے شوہر نے جتنا نقد تمہارے لئے رکھا ہے وہی تمہارا حق ہے، انھوں نے وہ نقد قبول نہیں کیا اور حضور ﷺ نے بھی زیادہ نہیں دلویا، اور چونکہ شوہر گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے اندیشہ تھا کہ وہ ساس اور مندوں سے الجھیں گی، چنانچہ آپ نے فرمایا: تم اپنی عدت ام شریک کے گھر میں گزارو، یہ ایک انصاری خاتون تھیں اور بوڑھی تھیں، اور بہت نکی تھیں، مہاجرین کی بکثرت دعوت کرتی تھیں۔ جب حضرت فاطمہ جانے لگیں تو آنحضور ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: ام شریک مہاجرین کی بکثرت دعوت کرتی ہیں، ان کے گھر پر مہاجرین کا جھوم رہتا ہے اس لئے تم امن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزارو کیونکہ کسی دن اگر تم نے کپڑے کم پہنے ہوئے تو وہ تمہیں نہیں دیکھیں گے، وہ ناپید ہیں (یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ عدت کے بعد اگر کوئی نکاح کا پیغام آئے تو مجھ سے مشورہ کے بغیر جواب نہ دینا^(۱)

(۱) یہی وہ روایت ہے جس کو حضرت فاطمہ بعد میں یوں بیان کیا کرتی تھیں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق مغلطہ دی اور نبی ﷺ نے مجھے نہ نقد دلویا، نہ کئی یعنی عدت گزارنے کے لئے مکان نہیں دلویا۔ اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تنقید کیا کرتی تھیں کہ اس خاتون نے اپنا واقعہ غلط بیان کر کے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا اور اسی روایت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ کی کتاب کو اور اللہ کے رسول کی سنت کو کیسے چھوڑ دیں، ایک عورت کی بات کی وجہ سے جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اسے صحیح یاد ہے یا وہ بھول گئی ہے، میں نے خود آنحضور ﷺ سے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لئے نقد اور کئی ہے (یہ روایت غلطی میں ہے)

غرض جب حضرت فاطمہؑ کی عدت پوری ہوئی تو دو مخصوص کی مشکلیاں آئیں، ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی، دوسری حضرت ابوالجہم رضی اللہ عنہ کی، انھوں نے کسی کو جواب نہ دیا، اور خدمت نبویؐ میں حاضر ہو گئیں۔ آپؐ نے فرمایا: معاویہ تو قلاش (تبی دست) ہیں وہ تمہارا خرچہ برداشت نہیں کر سکتے، اور ابوالجہم عورتوں سے لکڑی نہیں بٹاتے، اور تم اونچے خاندان کی ہو، مار نہیں کھا سکو گی اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اسامہؓ سے شادی کر لو۔ اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چھٹی حضرت زید بن حارثہ کے لڑکے تھے اور سانولے (سیاہی مائل) تھے اور حضرت فاطمہؑ گوری تھیں اس لئے اولاً ان کو یہ رشتہ نامنظور ہوا، مگر نبی ﷺ نے اصرار فرمایا تو وہ رضی ہو گئیں اور حضرت اسامہؓ سے نکاح ہو گیا، پھر میاں بیوی میں گاڑی چھنی، مدینہ منورہ کی عورتیں ان دونوں کے تعلقات پر رشک کیا کرتی تھیں۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک لڑکی معرض خطبہ میں ہو ہر کوئی پیغام بھیج سکتا ہے۔ حضرت فاطمہؑ کی دو مشکلیاں آچکی تھیں مگر کسی کی طرف میلان نہیں ہوا تھا، کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو منع کیا تھا کہ میرے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرے، اس لئے نبی ﷺ نے تیسرا پیغام دیا، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس واقعہ سے اسی طرح استدلال کیا ہے۔

[۳۶] باب ماجاء أن لا يخطب الرجل على خطبة أخته

[۱۱۱۵-] حدثنا أحمد بن منيع، وفضيلة، قال: نا سفیان بن عيينة، عن الزهري، عن سفيان بن المسيب، عن أبي هريرة، قال فضيلة: يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم، وقال أحمد: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يبلغ الرجل على بيع أخته، ولا يخطب على خطبة أخته"

وفي الباب: عن سمره، وابن عمر، قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح. قال مالك بن أنس: إنما معنى كراهية أن يخطب الرجل على خطبة أخته: إذا خطب الرجل المرأة فرحبت به، فليس لأحد أن يخطب على خطبة.

وقال الشافعي: معنى هذا الحديث: لا يخطب الرجل على خطبة أخته: هذا عندنا إذا خطب الرجل المرأة، فرحبت به وركت إليه: فليس لأحد أن يخطب على خطبة، فأما قبل أن يعلم رضاها أو ركونها إليه: فلا بأس أن يخطبها.

والحجة في ذلك: حديث فاطمة بنت قيس، حيث جاءت النبي صلى الله عليه وسلم، فذكرت له: أن أباً جهنم بن حذافة، ومعاوية بن أبي سفيان خطبها، فقال: "أما أبو جهنم، فرجل لا يرفع عصاة عن النساء، وأما معاوية فصعلوك لا مال له، ولكن الكجى أمانة" فمضى هذا الحديث عندنا: - والله أعلم - أن فاطمة لم تغيرة برضاها بواحد منهما، فلو أغبرته لم يضر عليها بغير الذي ذكرته.

[۱۱۱۶-] حدثنا محمود بن غيلان، نا أبو داود، قال: أنبأنا شعبه، قال: أخبرني أبو بكر بن أبي

الجهنم، قال: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، فَحَدَّثَنَا: أَنَّ زَوْجَهَا حَلَقَهَا ثَلَاثًا، وَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا سَكَنًا وَلَا نَفَقَةً، قَالَتْ: وَوَضَعَ لِي عَشْرَةَ أَفْئِزَةٍ عِنْدَ ابْنِ عَمٍّ لَهَا: خَمْسَةَ شَعِيرٍ، وَخَمْسَةَ بُرٍّ قَالَتْ: فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَذَكْرْتُ ذَلِكَ لَهَا، قَالَتْ: فَقَالَ: "صَدَقَ" فَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَدَ لِي بَيْتَ أُمِّ حُرَيْثٍ، ثُمَّ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ بَيْتُ أُمِّ حُرَيْثٍ بَيْتٌ يَفْشَاهُ الْمُهَاجِرُونَ، وَلَكِنْ اغْتَدِي لِي بَيْتَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَعَسَى أَنْ تُلْقِيَ لِيَا بَيْتَ فَلَا يَوَّاكَ، فَإِذَا انْقَضَتْ عِلَّتُكَ لَجَاءَ أَحَدٌ يَخْطُبُكَ فَأَتِينِي" فَلَمَّا انْقَضَتْ عِلَّتِي، خَطَبَنِي أَبُو جَهْمٍ وَمُعَاوِيَةُ، قَالَتْ: فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَذَكْرْتُ ذَلِكَ لَهَا، فَقَالَ: "أَنَا مُعَاوِيَةُ فَرَجُلٌ لَا مَالَ لَكَ، وَأَنَا أَبُو جَهْمٍ فَرَجُلٌ شَدِيدٌ عَلَى النِّسَاءِ" قَالَتْ: فَخَطَبَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، فَتَزَوَّجَنِي، فَبَارَكَ اللَّهُ لِي فِي أُسَامَةَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَبِي الْجَهْمِ نَحْوَ هَذَا الْحَدِيثِ، وَزَادَ فِيهِ: فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "النِّكاحُ أُسَامَةُ" حَدَّثَنَا بِذَلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ غِيَاثٍ، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَبِي الْجَهْمِ بِهِذَا.

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دینے کی ممانعت کا مصداق یہ صورت ہے کہ جب آدمی کسی عورت کی منگنی بھیجے اور وہ اس سے راضی ہو جائے، یعنی عورت کا اس کی طرف میلان ہو جائے تو دوسرے شخص کے لئے اس پر منگنی ڈالنا ممنوع ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: لا یخطب کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے پس وہ اس سے راضی ہو جائے اور اس کی طرف مائل ہو جائے تو کسی بھی دوسرے شخص کے لئے اس کے پیغام پر پیغام ڈالنا مناسب نہیں (امام شافعی رحمہ اللہ نے ٹھیک وہی بات کہی ہے جو امام مالک رحمہ اللہ نے کہی ہے، انھوں نے لفظ تَحَنَّنَ بڑھا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ رَحْمَتِ کے معنی منگنی طے ہو جانے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں: عورت کا کسی ایک کی طرف مائل ہونا، یعنی منگنی آخری شکل تک پہنچنے والی ہے اب کسی دوسرے شخص کے لئے نکاح کا پیغام دینا مناسب نہیں۔ اور اگر رکون نہ ہوا ہو اور عورت معرض خطبہ میں ہو تو ہر کوئی نکاح کا پیغام دے سکتا ہے) پس عورت کی رضا مندی اور اس کی طرف میلان کو جاننے سے پہلے اس کو نکاح کا پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کی دلیل فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے جب وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور یہ بات بتائی کہ ابو الجہم اور معاویہ نے منگنی بھیجی ہے تو آپؐ نے فرمایا: "رہے ابو الجہم! تو وہ ایسے آدمی ہیں جو عورتوں سے لکڑی نہیں اٹھاتے یعنی عورتوں پر سختی کرتے ہیں۔ اور رہے معاویہ! تو وہ تلاش ہیں ان کے پاس مال نہیں، لیکن تم اسامہؓ سے نکاح کرو" پس اس حدیث کا مطلب ہمارے نزدیک — اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں — یہ ہے کہ فاطمہؓ نے آپ کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اپنی

رضامندی نہیں بتائی تھی یعنی ان کا کسی کی طرف میلان نہیں ہوا تھا اگر وہ آپ کو ان میں سے کسی ایک کی طرف جھکاؤ بتاتیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے علاوہ جن کا حضرت فاطمہ نے تذکرہ کیا تھا کسی اور کا مشورہ نہ دیتے۔

اس کے بعد حضرت حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہی حدیث سند کے ساتھ لائے ہیں اور وہ شعبہ کی سند ہے جس کو وہ ابو بکر بن ابی الجہم سے روایت کرتے ہیں اور اس میں یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت ابوالجہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں فیصلہ نہیں دیا تو حضرت اسامہؓ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا۔ یہ مجازی تعبیر ہے درحقیقت حضرت اسامہ کی طرف سے پیغام آنحضرت ﷺ نے دیا تھا، چنانچہ سفیان ثوریؒ نے بھی اس حدیث کو ابو بکر بن ابی الجہم سے روایت کیا ہے اور ان کی حدیث میں یہ ہے کہ مکنی آنحضرت ﷺ نے ڈالی تھی خود حضرت اسامہؓ نے پیغام نہیں دیا تھا۔

باب ما جاء في العزل

عزل کا بیان

عزل کے لغوی معنی ہیں: جدا کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: جماع کے وقت فرج کے بجائے باہر مٹی نکالنا تاکہ حمل نہ ٹھہرے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عزل کے بارے میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب: مبہم یا مطلق ہے اور دوسرے میں کراہیت کا لفظ بڑھایا ہے، اس سے امام ترمذی کا ذہن پڑھا جاسکتا ہے کہ آپ کے نزدیک عزل نا پسندیدہ ہے۔ منع حمل کی تین تدبیریں:

پہلا طریقہ: مرد یا عورت میں کوئی ایسا عمل جراحی (آپریشن) کرنا جس سے ہمیشہ کے لئے قوت تولید ختم ہو جائے۔ عورت کی آپریشن کر کے بچہ دانی نکال دیتے ہیں اور مرد کی نہندی کر دیتے ہیں، فوطوں کے نیچے ایک رگ ہے جس سے جڑوے آتے ہیں اس کو کاٹ کر دیے جاتے ہیں، جس سے شہوت بحال رہتی ہے اور جڑوے آنے بند ہو جاتے ہیں، اس لئے حمل قرار نہیں پاتا۔

دوسرا طریقہ: مرد یا عورت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ لمبے عرصہ تک تولید رک جائے، مگر آئندہ تولید شروع ہو سکتی ہے، ایسا طریقہ مرد میں کوئی نہیں اور عورت میں کئی طریقے ہیں، مثلاً: ایک آلہ ہے، اگر بڑی کے T کی شکل کا اس کو بچہ دانی کے منہ پر لگا دیتے ہیں جس کی وجہ سے بچہ دانی کا منہ بند نہیں ہوتا اور حمل نہیں ٹھہرتا۔ پھر جب بچہ کی خواہش ہوتی ہے تو اس آلہ کو نکال دیتے ہیں، پس تولید شروع ہو جاتی ہے۔

تیسرا طریقہ: مرد و زن کوئی ایسا عارضی طریقہ اختیار کریں جس کا اثر ایک محبت تک یا ایک رات تک رہے، ایسا طریقہ مرد میں زودھ (ربڑ کی کیپ) کا استعمال ہے، اور عورت میں اندام نہانی میں کوئی گولی رکھی جاتی ہے جس سے جڑوے مبہم ہو جاتے ہیں اور حمل قرار نہیں پاتا۔

منع حمل کی تین نیتیں:

پہلی نیت: روزی کا مسئلہ: آدمی سوچتا ہے: اگر بچے ہوتے رہے تو ان کا پیٹ کیسے بھر دنگا! گویا وہ رزاق ہے! دوسری نیت: خوش عیشی: آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر اس قدر آس قدر بچے ہو گئے تو رات بھر پریشان کریں گے اور سارا مزہ کر کر کر دیں گے، اس لئے یہ آفت رک جائے تو بہتر ہے۔

تیسری نیت: عورت یا پیدا ہونے والے بچے یا پیدا شدہ بچوں کی مصلحت: مثلاً عورت نحیف ہے یا آپریشن سے بچ لیا گیا ہے اور اب ولادت سے اس کی جان کو خطرہ ہے یا یہ اندیشہ ہے کہ اگر حمل جلدی ٹھہر جائے گا تو دودھ پینے والے بچے کی صحت متاثر ہوگی یا اس کی صحیح تربیت نہیں ہو سکے گی یا عورت کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ بظاہر اسباب تعدیہ کا اندیشہ ہے اور دیندار حکیم ڈاکٹر کی رائے میں حمل ٹھہرنا مناسب نہیں وغیرہ۔

احکام

(۱) مرد میں عمل جراحی کر کے قوت تولید ختم کر لینے کی شرعاً قطعاً گنجائش نہیں، یہ خصی ہونا ہے جس کی سخت ممانعت آئی ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَا تَمُوتُنَّهُمْ فَلْيَغَيِّرُوا خُلُقَهُ﴾ (سورۃ نساء آیت ۱۱۹) یعنی شیطان نے کہا: میں ضرور لوگوں کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ کی بناوٹ کو بگاڑیں گے۔ اور احادیث میں خصی ہونے کی ممانعت آئی ہے۔ اور عورت میں بعض مخصوص حالات میں یعنی اضطرار کی صورت میں مفتیان کرام بچہ دانی نکالنے کی اجازت دیتے ہیں۔ پس خاص حالات میں مفتیان کرام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور منع حمل کا دوسرا طریقہ یعنی ٹی لگوانا بحکم عزل ہے، اگرچہ یہ لمبے وقت کے لئے عزل ہے اور منع حمل کا تیسرا طریقہ تو اصل عزل ہے پس جو حکم عزل کا ہے وہی حکم ان دونوں صورتوں کا ہے، عزل کا حکم آگے آ رہا ہے۔

(۲) اور روزی کے ڈر سے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا ایمان کی کمزوری ہے، کیا مومن یہ سمجھتا ہے کہ وہ رزق رساں ہے! اللہ تعالیٰ آنے والے بچہ کو ایک منہ کھانے کے لئے دیتے ہیں تو دو ہاتھ کمانے کے لئے بھی دیتے ہیں۔

(۳) اور خوش عیشی کے لئے منع حمل کا کوئی طریقہ اپنانا اسلام میں مقصد نکاح کے خلاف ہے۔ اسلام میں نکاح کا اہم مقصد عفت اور پاکدامنی ہے، اور دوسرا بنیادی مقصد افزائش نسل ہے، سورۃ البقرہ آیت ۱۸۷ میں ہے: ﴿وَالَّذِينَ بَاتِلُوا وَهْنَ وَابْتَغُوا فَمَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ترجمہ: پس اب (رمضان کی راتوں میں) بیویوں سے طوطاؤں اور وہ (اولاد) چاہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کی ہے۔ اور حدیث میں ہے: ”زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ پیار کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری زیادتی سے دوسری امتوں پر (قیامت کے دن) فخر کروں گا“ (مشکوٰۃ حدیث ۳۰۹۱) معلوم ہوا کہ اسلام میں نکاح کا مقصد افزائش نسل بھی ہے اور خوش عیشی کی نیت اس مقصد کے منافی ہے، البتہ عورت کی مصلحت سے یا اولاد کی مصلحت سے عزل کی گنجائش ہے اور اس کی دلیل غلیل (زمانہ حمل

میں بچے کو پلایا جانے والا ماں کا دودھ) کی ممانعت کا ارادہ فرمانا ہے، یہ ارادہ بچے کی مصلحت کے پیش نظر تھا۔
خلاصہ یہ ہے کہ منع حمل کے رائج تین طریقے ہیں اور ان کے پیچھے کارگر تین نہیں ہیں، پس جب تین کو تین میں ضرب دیں گے تو نو قسمیں ہوں گی اور ان کے احکام مذکورہ تفصیل سے باسانی نکالے جاسکیں گے^(۱)

اسکے بعد جاننا چاہئے کہ عزل کے سلسلہ میں چار روایتیں ہیں، دو حکم سے متعلق ہیں اور دو میں عزل کا مال بیان کیا گیا ہے۔ پہلی حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جس زمانہ میں قرآن نازل ہو رہا تھا ہم عزل کرتے تھے مگر نہ وحی جلی نے ہمیں روکا نہ وحی خفی نے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا جواز برقرار رکھا۔ گھروں میں پرانی عیث زندگی میں جو عمل ہوتا ہے ضروری نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علم میں آئے، آپ عالم الغیب نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں، اگر صحابہ کا یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآن میں کوئی آیت نازل ہوتی یا کم از کم رسول اللہ ﷺ کو خبر دی جاتی اور آپ لوگوں کو منع کرتے، مگر کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کے جواز کو برقرار رکھا ہے۔

دوسری حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے سامنے عزل کا تذکرہ آیا، آپ نے فرمایا: اِنَّمَا یَفْعَلُ ذَٰلِكَ اَحَدُکُمْ؟ یعنی تم میں سے کوئی یہ کام کیوں کرتا ہے؟ اس جملہ میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے، مگر آپ نے لا بفعل (کوئی ایسا نہ کرے) نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: ”جو بھی نفس پیدا ہونے والا ہے وہ ہونے والا ہے“ یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو عزل کے باوجود حمل قرار پائے گا، مثلاً: اگر بچہ پیدا ہوتا مقدر ہے تو جب آدمی انزال کے قریب عضو باہر نکالے تو چند قطرے اندر چپک جائیں گے اور حمل ٹھہر جائے گا یا دل میں داعیہ پیدا ہوگا کہ آج تو اندر

(۱) عزل کی قسمیں مع احکام

طریقے	نتیجہ	احکام
(۱) قوت تولید ختم کر لینا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	حرام اور ایمان کی کمزوری
(۲) قوت تولید ختم کر لینا	خوش عیثی کے مقصد سے	حرام اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
(۳) قوت تولید ختم کر لینا	عورت یا بچہ کی مصلحت سے	حرام مگر بحالت اضطرار عورت میں گنجائش
(۴) لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	حرام اور ایمان کی کمزوری
(۵) لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	خوش عیثی کے مقصد سے	مکروہ تحریمی اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
(۶) لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	عورت یا بچہ کی مصلحت سے	برا مگر مجبوری میں گنجائش
(۷) وقتی طور پر حمل روکنا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	مکروہ اور ایمان کی کمزوری
(۸) وقتی طور پر حمل روکنا	خوش عیثی کے مقصد سے	برا اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
(۹) وقتی طور پر حمل روکنا	عورت یا بچہ کی مصلحت سے	گنجائش

نی فارغ ہو جاتے ہیں اور اس طرح حمل قرار پا جائے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ سے یہ حکم نکلتا ہے کہ عزل مطلقاً جائز نہیں بلکہ لاہاس بہ (مغتجاش) کے درجہ میں ہے اور جواز اس لئے ہے کہ عزل سے نظام تولید اور تولید پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عزل کے باوجود حمل قرار پائے گا۔

سوال: جب عزل سے نظام تولید اور تولید پر اثر نہیں پڑتا تو عزل مطلقاً جائز ہونا چاہئے لاہاس بہ کے درجہ میں کیوں ہے؟

جواب: اس کو سمجھنے کے لئے دوسری دو حدیثیں سمجھنی چاہئیں:

تیسری حدیث: صحابہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم عزل کرتے ہیں اور یہود کہتے ہیں: یہ الموء ودة الصغریٰ ہے یعنی بچہ کو کسی درجہ میں زندہ درگور کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہود جھوٹے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عزل بچے کو نہیں روکے گا“

چوتھی حدیث: مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی ﷺ سے عزل کے متعلق پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: ذلک الواؤد النخعی: یہ چپکے سے بچے کو زندہ درگور کرتا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۳۱۸۹)

تشریح: الواؤد: مصدر ہے اور مصدر معنی حدی کا نام ہے جس کا کوئی خارجی وجود نہیں ہوتا بس نفس الامری وجود ہوتا ہے اور الموء ودة اسم مفعول ہے اور اسم مفعول میں فاعل کا فعل: مفعول پر واقع ہو چکا ہوتا ہے پس یہ وجود خارجی کا درجہ ہے، پس یہود کا عزل کو الموء ودة قرار دینا تو غلط ہے اس لئے کہ بچہ کا ابھی خارج میں وجود نہیں ہوا، پس عزل نہ الموء ودة الصغریٰ ہے اور نہ الموء ودة الکبریٰ۔ البتہ معنی حدی کے درجہ میں یہ ضرور بچے کو زندہ درگور کرتا ہے، یعنی عزل بچے کو زندہ درگور کرنے کی سعی ہے، اس لئے عزل ناپسندیدہ ہے، صرف لاہاس بہ (مغتجاش) کے درجہ میں جائز ہے۔

[۳۷] باب ماجاء فی کراهیة العزل

[۱۱۱۷] - حدثنا محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب، لا یزید بن زینع، نا معمر، عن یحییٰ بن أبی کثیر، عن محمد بن عبد الرحمن بن لوئان، عن جابر، قال: قلنا: یا رسول اللہ! ایتنا نکث العزل، فزعمت اليهود: انہ الموء ودة الصغریٰ، فقال: ”کذبت اليهود! ان الله اذا اراد ان یخلقه لم یمنعه“

وفی الباب: عن عمر، وأبی هريرة، وأبی سعید.

[۱۱۱۸] - حدثنا قتیبہ، وابن أبی عمیر، قالآ: نا سفیان بن عیینہ، عن عمرو بن دینار، عن عطاء، عن جابر بن عبد الله، قال: کثنا نعزل والقرآن ینزّل.

حدیث جابر حدیث حسن صحیح، وقد روی عنه من غیر وجه.

وَلَقَدْ رَخصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي الْعَزْلِ، وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ: تُسْتَأْمَرُ الْحُرَّةُ فِي الْعَزْلِ، وَلَا تُسْتَأْمَرُ الْأَمَةُ.

وضاحت: جس طرح مرد چاہتا ہے کہ صحبت آخر تک پہنچے، عورت بھی چاہتی ہے کہ اس کا مقصد پورا ہو، اس لئے اگر بیوی آزاد ہے تو اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا درست نہیں، کیونکہ وہ تشدد کا جائز نہیں، پس عزل کرنا اس کا حق مارنا ہے، ہاں اگر وہ اجازت دے تو عزل کر سکتے ہیں۔ اور باعہی میں اجازت ضروری نہیں، کیونکہ اس کا کوئی حق نہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے یہی بات بیان کی ہے اور یہ بات ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے، نبی ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۳۱۹۷) علاوہ ازیں: اولاً دونوں عورت کی فطری خواہش ہے، جن عورتوں کی اولاد نہیں ہوتی وہ بے حد پریشان رہتی ہیں، اور کر دینی ناکردنی کرتی ہیں، اس لئے بھی آزاد عورت کی اجازت ضروری ہے۔

ملاحظہ: امام ترمذی نے حضرت جابرؓ کی دوسری حدیث پر حکم لگایا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے، پہلی حدیث پر حکم نہیں لگایا۔ یہ حدیث نسائی کی سنن کبریٰ باب عشرة النساء وغیرہ میں ہے اور حسن کے درجہ کی ہے کیونکہ یہی بہت اچھے راوی ہیں، مگر تیس وار سال ان کی کمزوری ہے۔ بعض حضرات کو جیسے سیوطیؒ کو درمنثور (۲۶۷:۱) میں دھوکہ لگا ہے، انہوں نے امام ترمذیؒ کی صحیح کو پہلی حدیث سے متعلق کیا ہے۔

[۳۸] باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَزْلِ

[۱۱۱۹-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَكُثَيْبَةُ، قَالَ: لَا تَأْتِيَانِ ابْنَ عَصْنَةَ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ قُرْعَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: ذَكَرَ الْعَزْلُ جَنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "لِمَ يَفْعَلُ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ؟" زَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ لِي حَدِيثُهُ: "وَلَمْ يَقُلْ: "لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ" قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ: "لَأَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَ نَفْسَ مَعْلُوقَةٍ إِلَّا اللَّهُ خَالِقُهَا"

وفی الباب: عن جابر، حديث أبي سعيد حديث حسن صحيح، وقد روى من غير وجه عن أبي سعيد. وقد ذكره العزّل قوم من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم.

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی مجلس میں عزل کا تذکرہ آیا آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا کیوں کرتا ہے؟ امام ترمذیؒ کے پہلے اسناد ابن ابی عمر کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے لا یفعل ذلک احدکم (تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے) نہیں فرمایا، پھر دونوں اسنادہ کی حدیث متفق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیکہ نہیں ہے کوئی پیدا ہونے والی جان مگر اللہ اس کو پیدا کرنے والے ہیں" یعنی جس کا پیدا ہونا

مقرر ہے وہ ضرور پیدا ہوگا۔۔۔۔۔ صحابہ وغیرہ بعض اہل علم نے عزل کو ناپسند کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِسْمَةِ لِلْبِكْرِ وَالْثَيِّبِ

کنواری اور بیوہ کے لئے باری مقرر کرنے کا بیان

یہ عنوان غیر واضح ہے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں پہلے سے ایک یا زیادہ بیویاں ہوں، پھر وہ نئی شادی کرے تو اگر نئی دلہن بیوہ ہے تو تین دن اور کنواری ہے تو سات دن اس کا حق ہے، شوہر نئی دلہن کے پاس تین دن یا سات دن گزار کر پرانی بیویوں کے پاس جائے گا، رہی یہ بات کہ یہ محض حق ہے یا مخصوص حق ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ نئی دلہن کا مخصوص حق ہے، پس یہ دن باری سے خارج ہو گئے اور حنفیہ کے نزدیک وہ محض حق ہیں، پس یہ دن دوسری بیویوں کو مجرادیئے جائیں گے یعنی جتنے دن وہ نئی دلہن کے پاس رہا ہے اتنے دن پرانیوں کے پاس بھی رہے گا۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کنواری سے نکاح کرے جبکہ اس کے نکاح میں پہلے سے کوئی عورت ہو تو وہ نئی دلہن کے پاس سات دن ٹھہرے، اور جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تین دن یا سات دن نئی دلہن کا مخصوص حق ہیں، اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، اور حنفیہ کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جب نبی ﷺ کا ان سے نکاح ہوا تو وہ بیوہ تھیں، آپ ان کے پاس تین دن ٹھہرے پھر فرمایا: لیس بک علی اہلبک ہوان: تم اپنے شوہر کو کچھ ناپسند نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں، لہذا مَبْعُثْ لَكَ مَبْعُثْ لِنِسَائِي: یعنی اگر میں آپ کے پاس سات دن ٹھہراؤں تو دوسری بیویوں کے پاس بھی سات دن ٹھہروں گا (ابوداؤد: ۲۸۹۱ باب فی المقام عند البکر) اس سے معلوم ہوا کہ وہ تین دن حضرت ام سلمہ کا مخصوص حق نہیں تھے اگر مخصوص حق ہوتے تو آپ مَبْعُثْ لِنِسَائِي فرماتے، یعنی تمہارے پاس سات دن ٹھہرنے کی صورت میں دیگر ازدواج کے پاس چار دن ٹھہروں گا۔

اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر نئی کے پاس صرف سات دن یا تین دن ٹھہرے تو یہ اس کا مخصوص حق ہے، اور اگر زائد ٹھہرے تو پھر تمام ایام پرانی کو مجرادیئے ہو گئے۔ واللہ اعلم

[۳۹] بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِسْمَةِ لِلْبِكْرِ وَالْثَيِّبِ

[۱۱۶۰-] حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلْفٍ، نَا بَشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ خَالِدِ الْحَدَّادِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ،

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَوْ بَعِثْتُ أَنْ أَقُولَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنَّهُ قَالَ: السُّنَّةُ إِذَا

تَزَوُّجُ الرَّجُلِ الْبَکْرِ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عَنْهَا سَبْعًا، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبُ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عَنْهَا ثَلَاثًا.
 وفي الباب: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رَفَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ
 أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، وَلَمْ يَرْفَعَهُ بَعْضُهُمْ.
 وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً بِكَوْرًا عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ
 عَنْهَا سَبْعًا، ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمَا بَعْدَ بِالْعَدْلِ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبُ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عَنْهَا ثَلَاثًا.

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو ابوقلابہ نے من السنۃ کہہ کر بیان کیا ہے اور فرماتے ہیں: اگر
 میں قال رسول اللہ کہنا چاہوں تو کہہ سکتا ہوں، یعنی صراحۃً حدیث کو مرفوع کر سکتا ہوں، کیونکہ روایت بالمعنی جائز ہے مگر
 چونکہ بلفظ روایت کرنا اولیٰ ہے اس لئے میں صراحۃً حدیث کو مرفوع نہیں کرتا بلکہ جو الفاظ حضرت انسؓ نے کہے تھے انہی
 لفظوں سے حدیث بیان کرتا ہے، انہوں نے کہا تھا السنۃ الی آخرہ۔۔۔ اس حدیث کو جس طرح خالد حذافہ نے حکما
 مرفوع کیا ہے ایوب سختیانی نے بھی مرفوع کیا ہے، ان سے محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں اور کچھ اور روایت اس حدیث کو
 مرفوع نہیں کرتے، بلکہ حضرت انسؓ کا قول قرار دیتے ہیں۔۔۔ بعض علماء کہتے ہیں: جب آدمی بیوی ہوتے ہوئے کسی
 باکرہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرے پھر ان کے درمیان انصاف سے باری مقرر کرے۔ اور
 جب بیوی ہوتے ہوئے شیبہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے (پھر انصاف سے باری مقرر کرے)

باب ماجاء فی التَّسْوِیَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ

بیویوں کے درمیان برابری کرنے کا بیان

ضَرَائِرُ: ضَرْوَةٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: سوکن۔ ایک خاوند کی دو یا زیادہ بیویاں آپس میں ”سوکنیں“ کہلاتی
 ہیں۔ سوکنوں کے درمیان اختیاری معاملات میں انصاف کرنا واجب ہے اور جو معاملات غیر اختیاری ہیں، جیسے محبت
 و مودت اس میں برابری ضروری نہیں، کیونکہ دل پر کسی کا اختیار نہیں، خود نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
 زیادہ محبت تھی اور آپؐ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! جو باتیں میرے اختیار میں ہیں ان میں تو میں برابری کرتا
 ہوں مگر جو بات میرے بس میں نہیں، آپ کے بس میں ہے اس پر میرا مواخذہ نہ فرمائیں! ”معلوم ہوا کہ محبت میں
 برابری ضروری نہیں، اسی طرح اگر بیویوں کے متعلقات کم و بیش ہوں مثلاً ایک بیوی کی ایک اولاد ہے اور دوسری کی
 سات اولاد تو ان کو کم و بیش خرچہ دینا برابری نہیں ہے۔

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر کرتے تھے،
 پس انصاف سے باری مقرر کرتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار

میں ہیں، پس آپ میرا مواخذہ نہ فرمائیں اس چیز میں جو آپ کے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔
 تشریح: راجع قول کے مطابق آنحضور ﷺ پر باری مقرر کرنا فرض نہیں تھا، بلکہ محض تہجر اور احسان تھا تا کہ
 کسی بیوی صاحبہ کا دل کھٹانہ ہو، سورۃ الاحزاب آیت ۵۱ میں ارشاد پاک ہے: ”آپ ان میں سے جس کو چاہیں پیچھے
 کریں اور ان میں سے جس کو چاہیں اپنی طرف ٹھکانہ دیں“ اس اختیار دینے سے وجوب کی نئی ہو جاتی ہے۔
 حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان انصاف نہ کرے تو وہ
 قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی۔
 تشریح: یہ جراثیم حمل سے ہے اس نے ایک بیوی کو مفلوج کر رکھا تھا اس لئے اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی۔

[۴۰] باب ماجاء فی التسوية بین الزوجین

[۱۱۲۱] - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، نَا بَشْرُ بْنُ الشَّرِيفِ، نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي
 قِلَابَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ قَيْعِيلٌ،
 وَيَقُولُ: ”اللَّهُمَّ هَذِهِ لِسَمْعِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلْمِئْنِي فِيمَا قَمَلْتُكَ وَلَا أَمْلِكُ“

حدیث عائشہؓ کا روایہ غیر واحد عن حماد بن سلمہ، عن ایوب، عن ابی قلابہ، عن عبد
 اللہ بن یزید، عن عائشہ، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقسم بین نسائه قعیل، وغیر
 واحد، عن ایوب، عن ابی قلابہ مرسلًا: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقسم، وهذا أصح من
 حدیث حماد بن سلمہ.

ومعنى قوله: ”لَا تَلْمِئْنِي فِيمَا قَمَلْتُكَ وَلَا أَمْلِكُ“ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ الْحُبَّ وَالْمَوَدَّةَ، كَذَا فُسِّرَ بَعْضُ
 أَهْلِ الْعِلْمِ.

[۱۱۲۲] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، نَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ النَّضْرِ بْنِ
 أَسْبَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ نَهْلٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِذَا كَانَتْ عِنْدَ
 الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ، فَلَمْ يَغْدِلْ بَيْنَهُمَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجْهُهُ سَالِقًا“

وَلَمَّا أَسْنَدَ هَذَا الْحَدِيثَ هَمَّامٌ بْنُ يَحْيَى، عَنْ قَتَادَةَ، وَرَوَاهُ هِشَامُ الْمُسْتَوَالِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ:
 كَانَ يَقَالُ، وَلَا تُعْرَفُ هَذَا الْحَدِيثَ مُرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ هَمَّامٍ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو حماد بن سلمہ نے مسند اور حماد بن زید نے مرسل روایت کیا
 ہے اور امام ترمذی نے مرسل حدیث کو اصح قرار دیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صرف

ہام نے مرفوع کیا ہے یعنی ان کی روایت میں عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور ہشام دستوائی کی حدیث میں کان یقال ہے یعنی حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث کو نبی ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔

باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدهما

زوجین میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ دارالاسلام میں اسلام قبول کیا ہو یا دارالحرب میں: تین حیض تک نکاح باقی رہے گا، اگر تین حیض آنے سے پہلے دوسرا مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی ہے اور تین حیض کے بعد مسلمان ہوا تو نکاح ختم ہو جائے گا۔ اب نئے مہر سے نیا نکاح کرنا ہوگا۔ یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدار عدت پر ہے اور حنفیہ کے نزدیک تہائین دارین، اباء عن الاسلام اور عدت تینوں سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی ایک دارالحرب میں مسلمان ہوا، پھر وہ ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ گیا تو تہائین دارین سے نکاح ختم ہو جائے گا۔ اور اگر مسلمان ہونے والا فرد دارالحرب ہی میں رہا ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہیں آیا تو تین حیض تک نکاح باقی رہے گا اس کے بعد ختم ہو جائے گا، اور اگر دارالاسلام میں اعدا زوجین مسلمان ہوا تو وہ قاضی کے پاس جائے گا، قاضی دوسرے کو بلا کر اس کے سامنے اسلام پیش کرے گا اگر وہ مسلمان ہو جائے تو فیہا اور انکار کر دے تو اباء عن الاسلام کی وجہ سے نکاح ختم ہو جائے گا۔

جانتا چاہئے کہ آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں کی حکومتوں میں بھی سعودیہ کے علاوہ وضعی قانون ہے، یعنی جو قانون لوگوں نے بنایا ہے وہ نافذ ہے، اسلامی قانون نافذ نہیں اور ان ملکوں میں کوئی قاضی نہیں، پس اگر وہاں غیر مسلم جوڑے میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرے تو تین حیض تک نکاح باقی رہے گا اس کے بعد ختم ہو جائے گا۔

فائدہ: یہودی یا عیسائی جوڑے میں سے اگر عورت مسلمان ہو جائے تو اس کے لئے بھی مذکورہ حکم ہے، کیونکہ مسلمان عورت یہودی اور عیسائی مرد کے نکاح میں نہیں رہ سکتی اور اگر مرد مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، کیونکہ مسلمان کے نکاح میں یہودی یا عیسائی عورت رہ سکتی ہے۔ باب میں جو الزوجین کے بعد المشرکین بڑھایا گیا ہے وہ اس مسئلہ سے احتراز ہے (فائدہ ختم ہوا)

اس کے بعد جانتا چاہئے کہ باب میں دو واقعے ہیں: ایک حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے جو مسلمان تھیں اور ان کے شوہر ابوالعاص کافر تھے، وہ مکہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں، جنگ بدر کے قیدیوں میں ابوالعاص بھی گرفتار ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے مشورے اور اجازت سے ابوالعاص کا فدیہ واپس کر دیا تھا اور یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ حضرت زینبؓ کو فدیہ بھیج دیں گے، چنانچہ انھوں نے وعدہ کے مطابق حضرت زینبؓ کو فدیہ بھیج دیا۔ پھر

چھ سال کے بعد جب وہ مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو آنحضور ﷺ نے حضرت زینب کو ان کے نکاح میں دیدیا، اب روایات مختلف ہیں، جو روایت سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہے اس میں یہ ہے کہ نہ نیا نکاح پڑھا گیا نہ نیا مہر مقرر ہوا، سابقہ نکاح ہی پر آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب کو ان کے حوالے کر دیا۔ اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا، نہ ائمہ ثلاثہ نے اور نہ احناف نے۔ اور دوسری روایت میں جس کی اسنادی حالت کمزور ہے کیونکہ اس میں حجاج بن ارطاة مشہور ضعیف راوی ہے: یہ ہے کہ نیا نکاح پڑھا گیا اور نیا مہر بھی مقرر ہوا، چاروں ائمہ نے اسی حدیث کو لیا ہے۔ اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک جوڑا ایک ساتھ مسلمان ہوا پھر مرد کو پہلے موقع ملا وہ پہلے مدینہ آ گیا اور عورت کچھ دنوں کے بعد آئی۔ مرد نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ میری بیوی ہے اور ہم ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے اس عورت کو نکاح جدید اور مہر جدید کے بغیر اس مرد کے حوالے کیا، یعنی سابقہ نکاح باقی رکھا، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، اگر مایاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہوں تو نکاح برقرار رہے گا۔

[۱۱۲۳] باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم أحدهما

[۱۱۲۳] - حدثنا أحمد بن منيع، وحنّاد، قالّا: نا أبو معاوية، عن النّجّاج، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جدّه: أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم ردّ ابنته زینب علی أبي العاص بن الربیع بوجہ جلید ونگاح جلید.

هذا حديث في إسناده مقال، والعمل على هذا الحديث عند أهل العلم: أنّ المرأة إذا أسلمت قبل زوجها، ثم أسلم زوجها وهي في العدة: أنّ زوجها أحق بها ما كانت في العدة، وهو قول مالك بن أنس، والأوزاعي، والشافعي، وأحمد، وإسحاق.

[۱۱۲۴] - حدثنا حنّاد، نا يونس بن بكير، عن محمد بن إسحاق، قال: حدثني داود بن حصين، عن عكرمة، عن ابن عباس قال: ردّ النبي صلى الله عليه وسلم ابنته زینب علی أبي العاص بن الربیع، بعد بستين بالنكاح الأول، ولم يحدث بکاحا.

هذا حديث ليس بإسناده بأس، ولكن لا تعرف وجه الحديث، ولعله قد جاء هذا من قبل داود بن حصين من قبل حفظه.

[۱۱۲۵] - حدثنا يوسف بن عيسى، نا وكيع، نا إسرائيل، عن سمارك بن حرب، عن عكرمة، عن ابن عباس: أنّ رجلاً جاء مسلمًا على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، ثم جاءت امرأته مسلمة، فقال: يا رسول الله! إنها كانت أسلمت معي، فرفها عليه.

هذا حديث صحيح، سمعت عبد بن حميد، يقول: سمعت يزيد بن هارون يذكر عن محمد

بن إسحاق هذا الحديث.

وحدیث الحجاج، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ ابْنَتَهُ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بِمَهْرٍ جَدِيدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيدٍ: لَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَادًا، وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے عورت جب اپنے شوہر سے پہلے مسلمان ہو پھر اس کا شوہر مسلمان ہو اور عورت عدت میں ہو تو شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ وہ عدت میں ہے، اور یہ ائمہ ثلاثہ اور امام اوزاعی اور امام اسحاق کا مذہب ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو چھ سال کے بعد ابوالعاص پر سابقہ نکاح سے پھیرا اور نیا نکاح نہیں کیا۔ اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہیں مگر حدیث کا کیا مطلب ہے ہم نہیں جانتے شاید داؤد بن حصین کے حافظہ کی جانب سے یہ بات آئی ہے یعنی ہونہ ہو یہ داؤد کی گڑبڑ ہے (یہ عجیب تمبرہ ہے! اصل بات یہ ہے کہ سند کی صحت کے لئے مضمون کی صحت لازم نہیں، اور سند کے ضعف کو مضمون کا عدم ثبوت لازم نہیں، اسی لئے مضمون نہیں کے لئے اور واقعہ کی صحیح صورت جاننے کے لئے فقہاء کی ضرورت ہوتی ہے، یہ کام محدثین کرام کا نہیں ہے) — یزید بن ہارون بڑے محدث ہیں وہ فرماتے ہیں: سند کے اعتبار سے ابن عباسؓ کی حدیث عمدہ ہے مگر علماء کا عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَمُوتُ عَنْهَا قَبْلَ أَنْ يَفْرِضَ لَهَا

زوجین میں سے کسی کا صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے انتقال ہو جائے تو نکاح پختہ ہو جائے گا

تمام ائمہ متفق ہیں کہ جس طرح جماع سے نکاح مؤکد (پختہ) ہو جاتا ہے اسی طرح احد الزوجین کے مرنے سے بھی نکاح مؤکد ہو جاتا ہے، پس اگر رخصتی سے پہلے عورت کا انتقال ہو جائے تو مرد کو اس کی میراث ملے گی یا مرد کا انتقال ہو جائے تو عورت کو اس کی میراث ملے گی، اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی، اور عورت کو پورا مہر ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف تھا، حضرت علیؓ، یزید بن ثابتؓ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ عورت کو مہر نہیں ملے گا، کیونکہ مرد نے بیوی کے بیضع (شرمگاہ) سے فائدہ نہیں اٹھایا، امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی پہلے یہی رائے تھی، اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ عورت کو پورا مہر ملے گا، نہ کم نہ زیادہ۔ اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو مہر مثل ملے گا۔ جمہور کا استدلال بردع بنت واثق کی حدیث سے ہے، ان کے شوہر کا رخصتی سے پہلے انتقال ہو گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے پورے مہر کا فیصلہ کیا اور ان کو پورا مہر دلویا امام شافعی رحمہ اللہ کے سامنے پہلے اس حدیث کی کوئی قابل قبول سند نہیں تھی

اس لئے وہ اس حدیث کو نہیں لیتے تھے، پھر جب آپ معمر شریف لے گئے تو وہاں اس حدیث کی اچھی سندیں آپ کے سامنے آئیں، پس آپ نے اپنے سابقہ قول سے رجوع کر لیا، اور مسئلہ اجماعی ہو گیا کہ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے اور محبت اور خلوت صحیح نہ ہوئی ہو تو بھی عورت کو پورا مہر ملے گا، میراث بھی ملے گی اور عورت پر عدت بھی واجب ہوگی۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا اس کا کوئی مہر مقرر نہیں ہوا تھا کہ رخصتی سے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود نے غور کر کے جواب دیئے کا وعدہ کیا اور آج کل آج کل کرتے کرتے ایک مہینہ گزر گیا، پھر جب ان کو شرح صدر ہوا تو فرمایا: فلاں وقت جواب دوں گا، اس وقت کافی لوگ جمع ہو گئے، آپ نے مسئلہ بتایا کہ اس عورت کو مہر مثل ملے گا نہ کچھ کم ہو گا نہ زیادہ، اور عورت پر عدت واجب ہوگی اور اس کو میراث ملے گی، یہ جواب سن کر حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارے قبیلہ کی خاتون بروہ بنت واشق کے بارے میں نبی ﷺ نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سن کر بے حد خوش ہوئی وہ فرماتے تھے: اسلام لانے کی خوشی تو اس سے زیادہ تھی اس کے علاوہ سب سے زیادہ خوشی آج ہوئی ہے!

[۱۲] باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل أن یفرض لها

[۱۱۲۶] - حدثنا محمود بن غیلان، نا یزید بن العباب، نا سفیان، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن ابن مسعود: أنه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم یفرض لها صداقاً، ولم یدخل بها حتى مات، فقال ابن مسعود: لها مثل صداق بناتها، لا ونس ولا شطط، وعليها العدة، ولها الميراث، فقام معقل بن سنان الشامي، فقال: قضی رسول الله صلى الله عليه وسلم فی بزوع بنت واشق امرأة منا مثل ما قضیت، ففرح بها ابن مسعود.

وفی الباب: عن الجراح.

حدثنا الحسن بن علی العلّال، نا یزید بن ہارون، وعبد الرزاق کلاهما: عن سفیان، عن منصور نحوه.

حدیث ابن مسعود حدیث حسن صحیح، وقد روی عنه من غیر وجه، والعمل علی هذا عند بعض اهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم، وبہ یقول الثوری، واحمد واسحاق.

وقال بعض اهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، منهم: علی بن ابی طالب، ویزید بن ثابت، وابن عباس، وابن عمر: إذا تزوج الرجل امرأة، ولم یفرض لها صداقاً حتى مات، قالوا: لها الميراث، ولا صداق لها، وعليها العدة، وهو قول الشافعی، وقال: ولو ثبت حدیث بزوع

بُنْتُ وَاشِقِي لَكَائِبِ الْحُجَّةِ فِيمَا رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَى عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّ رَجَعَ
بِجُزْءٍ عَنْ هَذَا الْقَوْلِ، وَقَالَ بِحَدِيثِ بَرُوعِ بُنْتُ وَاشِقِي.

ترجمہ: صحابہ میں سے بعض اہل علم مثلاً: حضرت علی، زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ کسی نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا تو وہ کہتے ہیں: اس عورت کے لئے میراث ہے اور اس کے لئے مہر نہیں ہے، اور اس پر عدت واجب ہے، اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اگر بروع بنت واشق کی حدیث (صحیح سند سے) ثابت ہو جائے تو جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے وہی مسئلہ ہوگا۔ اور امام شافعی سے مروی ہے کہ انھوں نے مصر میں اپنے سابقہ قول سے رجوع کر لیا تھا اور بروع بنت واشق کی حدیث کو مذہب بنایا تھا۔

أَبْوَابُ الرُّضَاعِ

شیر خواری کا بیان

بَابُ مَا جَاءَ يُحْرِمُ مِنَ الرُّضَاعِ مَا يُحْرِمُ مِنَ النَّسَبِ

ناتے سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں: دودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام ہوتے ہیں
ابھی ابواب النکاح چل رہے ہیں، ختم نہیں ہوئے، ان کے درمیان میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب الرضاع داخل کئے ہیں، ابواب الرضاع ڈیڑھ صفحہ تک (۶ باب) ہیں، ان کے دونوں طرف ابواب النکاح ہیں۔ امام ترمذی نے ایسا ابواب النبوع میں بھی کیا ہے، وہاں درمیان میں ابواب الاحکام لے آئے ہیں۔ امام ترمذی نے ایسا ان ہی دو جگہوں میں کیا ہے۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک اللہ نے دودھ پینے کی وجہ سے حرام کئے ہیں وہ رشتے جو نسب کی وجہ سے حرام کئے ہیں“
حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک اللہ نے دودھ پینے کی وجہ سے حرام کئے ہیں وہ رشتے جو جہنم کی وجہ سے حرام کئے ہیں“

تشریح: سورۃ النساء آیت ۲۳ میں نسب کی بنا پر سات رشتوں کو حرام قرار دیا ہے: (۱) مائیں یعنی اصول (۲) بیٹیاں یعنی فروع (۳) بہنیں یعنی اصل قریب (ماں باپ) کی فروع (۴) پھوپھیاں یعنی اصل بعید (دادا دادی) کی صلی

فروع (۵) خالائیں یعنی نانائانی کی صلبی فروع (۶) بھتیجیاں (۷) بھانجیاں۔ ان کا خلاصہ چار اصول ہیں:

۱- مذکر و مؤنث اصول یعنی باپ، دادا، نانا اور پر تک، اور ماں، دادی، نانی اور پر تک (اُمہات سے یہ سب اصول مراد ہیں)

۲- مذکر و مؤنث فروع یعنی بیٹا، پوتا، نواسا نیچے تک اور بیٹی، پوتی، نواسی نیچے تک (بنات سے یہ سب فروع مراد ہیں)

۳- اصل قریب (ماں باپ) کی تمام مذکر و مؤنث فروع یعنی بھائی، بھتیجے نیچے تک، اور بہنیں، بھتیجیاں، بھانجیاں

نیچے تک (اُخوات، بنات الاخ اور بنات الاخت سے یہ رشتے مراد ہیں)

۴- اصل بعید (دادا، دادی، نانا، نانی اور پر تک) کی تمام صلبی (بلا واسطہ) مذکر و مؤنث اولاد یعنی چچا، ماموں،

پھوپھی اور خالہ چاچے وہ پروادا اور پر نانا کی صلبی اولاد ہو (عمات اور خالات سے یہ سب مراد ہیں)

نوٹ: اصل بعید کی بالواسطہ فروع یعنی چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد حلال ہیں۔

اس کے بعد رضاعی رشتوں کا ذکر ہے: ﴿وَأُمَّهُنَّ لَكُمُ النِّسَاءُ أَزْوَاجُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ﴾ یعنی تم پر حرام

کی مئی ہیں تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔ اس کے بعد سسرالی رشتوں کا ذکر

ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ دورضاعی رشتے بطور مثال بیان کئے ہیں، ان میں حصر نہیں بلکہ وہ ساتوں رشتے جو نسب کی

وجہ سے حرام ہوتے ہیں، دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ مثلاً: ایک لڑکے یا لڑکی نے خالہ کا دودھ پیا تو

اس پر خالہ کے اصول و فروع اور اس کی اصل قریب کی تمام فروع اور اصل بعید کی صلبی فروع سب حرام ہیں۔

ملاحظہ: آپ ﷺ نے یہ جو تفسیر فرمائی ہے کہ قرآن کریم میں دورضاعی رشتوں کا تذکرہ بطور مثال ہے، ان میں

حصر نہیں، اور رضاعت سے نسب والے ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں، یہ ایسی تفسیر ہے جسے اللہ کا رسول ہی کر سکتا

ہے، امت کے مجتہدین یہ تفسیر نہیں کر سکتے۔

أبواب الرضاع

[۱] باب ما جاء يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يُحَرِّمُ مِنَ النَّسَبِ

[۱۱۶۷] - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، نَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ،

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِنَ الرِّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ"

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأُمِّ حَبِيبَةَ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

[۱۱۶۸] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، ح: وَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى

الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: نَا مَعْنٌ، قَالَ: نَا مَالِكُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَلِيمَانَ بْنِ يَسَّارٍ، عَنْ غُرُورَةَ بِنِ

الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ

مِنْ الْوِلَادَةِ

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْفَعْلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، لَا تَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِي ذَلِكَ اخْتِلَافًا.

باب ماجاء في لبن الفحل^(۱)

دودھ پینے سے رضاعی باپ کی طرف بھی حرمت ثابت ہوتی ہے

جس طرح نسب میں حرمت صرف ماں سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ باپ سے بھی متعلق ہوتی ہے، کیونکہ بچہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح رضاعت میں بھی اگرچہ دودھ پلانے والی عورت ہوتی ہے مگر حرمت رضاعت صرف رضاعی ماں سے متعلق نہیں ہوتی، اس کے شوہر سے بھی متعلق ہوتی ہے، کیونکہ شوہر کی محبت سے دودھ اترتا ہے اس لئے دودھ میں شوہر کا اثر ہے، پس حرمت اس سے بھی متعلق ہوتی ہے وہ دودھ پینے والے بچہ کا رضاعی باپ ہو جاتا ہے۔ لبن الفحل کا یہی مطلب ہے، پس جس طرح دودھ پینے والے لڑکے یا لڑکی پر رضاعی ماں اور اس کے اصول و فروع، اور اصل قریب کی جملہ فروع اور اصل بعید کی صلی فروع حرام ہوتی ہیں اسی طرح ان پر رضاعی باپ، اس کے اصول و فروع اس کی اصل قریب کی جملہ فروع اور اصل بعید کی صلی فروع بھی حرام ہوتی ہیں اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے ان کی رضاعی چچا آئے ان کا نام ارج تھا انھوں نے گھر میں آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ نے اجازت دینے سے انکار کیا اور فرمایا: آپ میرے لئے اجنبی ہیں، میرے گھر میں کیسے آسکتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں تمہارا رضاعی چچا ہوں، اس طرح کہ تم نے فلاں عورت کا دودھ پیا ہے اور اس عورت کے شوہر کا میں بھائی ہوں، پس میں تمہارا رضاعی چچا ہوں۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا: میں نے عورت کا دودھ پیا ہے کسی مرد کا دودھ نہیں پیا۔ غرض انھوں نے اجازت نہ دی، بعد میں جب یہ واقعہ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: ”وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں“ حضرت عائشہ نے اپنا وہی اشکال پیش کیا مگر آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، مگر یہی فرمایا کہ وہ تمہارے چچا ہیں تمہارے پاس آسکتے ہیں۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ کو ان کے اشکال کا جواب اس لئے نہیں دیا کہ بعض مرتبہ اعتراض ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے اور وہ دماغ کی ساری کمزوریاں بند کر دیتا ہے، ایسی صورت میں اگر اس وقت جواب دیا جائے گا تو وہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ایسی صورت میں مصلحت یہ ہے کہ وقت کو ٹال دیا جائے اور دوسرے کسی مناسب موقع پر جواب دیا جائے یا اعتراض کو مکمل چھوڑ دیا جائے، کیونکہ بعض اعتراضات کے جوابات وقت کے ساتھ خود بخود سمجھ میں

(۱) قل: کے معنی ہیں: ساٹھ، ہر حیوان کا نر لبن الفحل: ساٹھ کا دودھ، مراد: رضاعی باپ ہے۔ تعبیر موش ۱۲

آ جاتے ہیں، پس ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعد میں اس کا جواب دیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے جواب دیا ہی نہ ہو، یہ خیال کر کے کہ وقت گزرنے کے ساتھ جواب خود بخود سمجھ میں آ جائے گا۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کی دو باندیاں ہیں — اور آقا دونوں سے محبت کرتا ہے اور دونوں سے بچے بھی ہیں — ان میں سے ایک سے باندی نے کسی بچی کو دودھ پلایا اور دوسری نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو کیا ان بچوں کا باہم نکاح ہو سکتا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: نہیں، کیونکہ دونوں کا باپ ایک ہے، یعنی دونوں باندیوں کا آقا کے محبت کرنے کی وجہ سے دودھ اتر رہا ہے، پس دونوں کے دودھ میں اس آقا کا اثر ہے اور وہ دونوں بچوں کا رضاعی باپ ہے، پس وہ دونوں بچے رضاعی بھائی بہن ہوئے، اس لئے ان کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، یہ لین الفحل کی ایک صورت ہے۔

[۲] باب ما جاء في لبن الفحل

[۱۱۲۹] - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، نَا ابْنُ لُؤْمِيٍّ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَ عُمِّي مِنَ الرِّضَاعَةِ يَسْتَأْذِنُ عَلِيًّا، فَأَبَيْتُ أَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فَلْيَلِجْ عَلَيْكَ فَإِنَّهُ عَمَلُكَ" قَالَتْ: إِنَّمَا أَرْضَعْتَنِي الْمَرْأَةَ، وَلَمْ يَرْضَعْنِي الرَّجُلُ، قَالَ: "فَإِنَّهُ عَمَلُكَ فَلْيَلِجْ عَلَيْكَ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: كَرِهُوا لَبْنَ الْفَحْلِ، وَالْأَضْلُ فِي هَذَا حَدِيثِ عَائِشَةَ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي لَبَنِ الْفَحْلِ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

[۱۱۳۰] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، ح: وَلَنَا الْأَنْصَارِيُّ، نَا مَعْنٌ، قَالَ: نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ لَهُ جَارِيَتَانِ، أَرْضَعَتْ إِحْدَاهُمَا جَارِيَةً، وَالْأُخْرَى غُلَامًا: أَيْحِلُّ لِلْغُلَامِ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْجَارِيَةَ؟ فَقَالَ: لَا، اللَّقَاحُ وَاحِدٌ. وَهَذَا تَفْسِيرُ لَبَنِ الْفَحْلِ، وَهَذَا الْأَضْلُ فِي هَذَا الْبَابِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ لین الفحل کو مکروہ کہتے ہیں (اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ علماء رضاعی ماں کے شوہر کے ساتھ بھی حرمت متعلق کرتے ہیں یعنی وہ دودھ پینے والے بچہ کا رضاعی باپ ہو جاتا ہے) اور اس باب میں اصل حضرت عائشہ کی حدیث ہے اور بعض علماء نے لین الفحل کی اجازت دی ہے، یعنی وہ رضاعی باپ کے ساتھ حرمت متعلق نہیں کرتے (معلوم نہیں یہ کس کا قول ہے، ائمہ اربعہ کا یہ قول نہیں) اور پہلا قول اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَانَحْرُمُ الْمَصَّةَ وَلَا الْمَصْتَانِ

ایک مرتبہ پستان چوسنا اور دوسرے مرتبہ چوسنا حرام نہیں کرتا

مذہب فقہاء: کتنا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ خمس رضاعات جائعات مشبعات فی اوقات مختلفہ کے قائل ہیں یعنی بچہ الگ الگ اوقات میں پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پئے جبکہ وہ بھوکا بھی ہو تب حرمت ثابت ہوتی ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا ہی تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مطلق دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اگر ایک قطرہ بھی بالیقین بچے کے پیٹ میں پہنچ گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں ایک تو قرآن کریم کی آیت ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَأَمَهُنَّكُمُ النِّسَاءُ أَرْضَعْنَكُمْ﴾ اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ اس آیت میں مطلق رضاعت کو سبب تحریم قرار دیا گیا ہے، قلیل و کثیر کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔

اور دودھ شیش ہیں:

پہلی حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، وہ فرماتی ہیں: قرآن کریم میں دس معلوم رضاعتیں نازل کی گئی تھیں یعنی پہلے آیت اس طرح تھی: وَأَمَهُنَّكُمُ النِّسَاءُ أَرْضَعْنَكُمْ عشو رضعات معلومات یعنی اگر بچہ دس مرتبہ حکم میر ہو کر دودھ پئے تو حرمت ثابت ہوگی، پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور اس کی جگہ خمس رضاعات معلومات کا حکم آیا، صدیقہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی وفات تک قرآن میں خمس رضاعات معلومات کی آیت موجود تھی اور مسئلہ بھی یہی تھا کہ اگر بچہ پانچ مرتبہ دودھ پئے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مگر اس کا کیا مطلب ہے ہم نہیں جانتے، جیسے اوپر ابن عباس کی حدیث آئی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالحاص کی طرف سابقہ نکاح ہی سے پھیر دیا۔ امام ترمذی نے کہا تھا کہ اس حدیث کی اسنادی حالت ٹھیک ہے مگر حدیث کا کیا مطلب ہے ہم نہیں جانتے، یہی حال حضرت عائشہ کی اس حدیث کا ہے، سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مگر اس کا مطلب ہمیں معلوم نہیں۔ کیونکہ جب حضور اکرم ﷺ کی وفات تک خمس رضاعات معلومات کی آیت قرآن میں تھی تو بعد میں وہ آیت کہاں چلی گئی۔ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں تو حفاظت قرآن پر حرف آتا ہے، پس لامحالہ حدیث کی یہی توجیہ کی جائے گی کہ جس طرح دس معلوم رضاعتوں میں سے پانچ منسوخ ہو گئیں، اسی طرح باقی پانچ بھی منسوخ ہو گئیں، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نسخ کا عمل نہ ہوا،

چنانچہ انھوں نے یہ بات فرمائی، اس کے علاوہ کوئی دوسری توجیہ نہیں ہو سکتی۔ غرض اس حدیث کو صرف امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، باقی تینوں ائمہ نے اس حدیث کو نہیں لیا۔

اور دوسری حدیث: یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ایک مرتبہ اور دوسرے مرتبہ پستان چوسنا حرام نہیں کرتا“ اور ایک روایت میں ہے: ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان بچے کے منہ میں داخل کرنا حرام نہیں کرتا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو لیا ہے اور مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: بچہ کا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان چوسنا یا بچہ کے منہ میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان دینا تحریم کا سبب نہیں ہے، بلکہ بچہ کا تین مرتبہ یا زیادہ پستان چوسنا یا بچہ کے منہ میں پستان دینا تحریم کا سبب ہے پس تین معلوم رضاعتوں ہی سے حرمت ثابت ہوگی۔

حنفیہ کے نزدیک اولاً مفہوم مخالف جہت نہیں، ثانیاً اس حدیث کا جو مطلب امام احمد رحمہ اللہ نے سمجھا ہے وہ مطلب نہیں ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب بچہ منہ میں پستان لیتا ہے تو فوراً دودھ نہیں اترتا اور جب دودھ نہیں اترتا تو بچہ پستان منہ میں سے نکال دیتا ہے، پس ماں دوبارہ اس کے منہ میں پستان دیتی ہے، پھر بھی دودھ نہیں اترتا تو بچہ پستان نکال دیتا ہے، بلکہ اگر دانت نکل آئے ہیں تو بچہ کاٹتا ہے، پس ماں پھنڑ مارتی ہے، یہ قماشہ ہوتا رہتا ہے، پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک یا دو مرتبہ چوسنے سے یا ایک یا دو مرتبہ بچہ کے منہ میں پستان دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، جب تک دودھ بالیقین بچہ کے پیٹ میں نہ پہنچے حرمت ثابت نہ ہوگی، پس یہ حدیث بھی محتمل ہے اور قرآن کریم کی آیت محکم ہے اور اس میں مطلق رضاعت کو سبب تحریم قرار دیا گیا ہے اس لئے بڑے دولاموں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

[۳] باب ما جاء لا تحرم المصّة ولا المصتان

[۱۱۳۱] - حدثنا محمد بن عبد الأعلى الصنعائي، نا المصنوع بن سليمان، قال: سمعت أيوب، يحدث عن عبد الله بن أبي مليكة، عن عبد الله بن الزبير، عن عائشة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا تحرم المصّة ولا المصتان"

وفي الباب: عن أم الفضل، وأبي هريرة، والزبير، وابن الزبير.

وروى غير واحد هذا الحديث عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عبد الله بن الزبير، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "لا تحرم المصّة ولا المصتان"

وروى محمد بن دينار، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عبد الله بن الزبير، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وزاد فيه محمد بن دينار: عن الزبير، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وهو غير محفوظ، والصحيح عند أهل الحديث حديث ابن أبي مليكة، عن عبد الله بن الزبير، عن عائشة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، حديث عائشة حديث حسن صحيح.

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ.
 [۱۱۳۶] قَالَتْ عَائِشَةُ: أُنْزِلَ فِي الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَغْلُومَاتٍ، فَتَسِيخُ مِنْ ذَلِكَ خَمْسٌ، وَصَارَ
 إِلَى خَمْسٍ رَضَعَاتٍ مَغْلُومَاتٍ، فَتَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ
 إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، لَا مَعْنَ، لَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ بِهَذَا.
 وَبِهَذَا كَانَتْ عَائِشَةُ تُفْتِي وَبَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَإِسْحَاقَ.
 وَقَالَ أَحْمَدُ: بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُحْرَمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصْتَانُ" وَقَالَ: إِنْ
 ذَهَبَ ذَاهِبَ إِلَى قَوْلِ عَائِشَةَ فِي خَمْسٍ رَضَعَاتٍ فَهُوَ مَذْهَبٌ قَوِيٌّ، وَجَهَنَ عَنْهُ أَنْ يَقُولَ فِيهِ شَيْئًا.
 وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: يُحْرَمُ قَلِيلُ الرُّضَاعِ
 وَكَثِيرُهُ، إِذَا وَصَلَ إِلَى الْجَوْفِ، وَهُوَ قَوْلُ مَتْيَانِ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَعَبْدِ اللَّهِ
 بْنِ الْمُبَارَكِ، وَوَكَيْعٍ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ.

ترجمہ اور وضاحت: حدیث: لا تحرم المصة ولا المصتان کی تین سندیں ہیں: (۱) ابن ابی ملیکہ: حضرت
 عبد اللہ بن الزبیر سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سند باب کے شروع میں ہے اور یہی صحیح ہے
 (۲) ہشام کے بہت سے تلامذہ ہشام سے، وہ اپنے ابا حضرت عروہ سے، وہ اپنے بھائی عبد اللہ بن الزبیر سے اور وہ
 نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں (اس سند کے آخر میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں) (۳) اور محمد بن دینار نے یہ حدیث
 ہشام بن عروہ سے، انھوں نے اپنے ابا سے، انھوں نے عبد اللہ بن الزبیر سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت زبیر
 رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (مگر یہ آخری دونوں سندیں صحیح نہیں، صحیح سند ابن ابی ملیکہ کی ہے جس کے آخر میں
 حضرت عائشہ کا ذکر ہے) اور حضرت عائشہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض
 اہل علم کا عمل ہے (یہ امام احمد کا قول ہے)

حدیث (۱۱۳۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پہلے قرآن میں عشر رضعات معلومات نازل ہوا تھا
 (معلومات کے معنی ہیں: مشبعات یعنی پیٹ بھر کر) پھر پانچ رضاعتیں منسوخ کی گئیں اور حکم پانچ رضعات کی طرف
 چلا گیا، پس رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی دراصل ایک معاملہ اسی پر تھا (پھر حضرت عائشہ کی اس حدیث کی سند پیش
 کی ہے) اور حضرت عائشہ اور بعض ازواج مطہرات اسی کا فتویٰ دیتی تھیں، اور یہی امام شافعی اور امام اسحاق کا قول ہے،
 اور امام احمد نے حدیث: لا تحرم المصة کو مذہب بتایا ہے اور فرمایا: اگر کوئی حضرت عائشہ کی پانچ رضعات والی حدیث
 لے لے تو وہ بھی قوی مذہب ہے، مگر امام احمد نے اس حدیث کو لینے کی اور اس کے مطابق مسئلہ طے کرنے کی ہمت نہ کی، وہ
 اس سلسلہ میں کچھ کہنے سے بزدل ہو گئے، اور صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کہتے ہیں: تھوڑا اور زیادہ وودھ حرام کرتا

ہے جب وہ پیٹ میں پہنچ جائے، یعنی رضاعت کی ہر مقدار عزم ہے قلیل ہو یا کثیر اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔
 فائدہ: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب قیاس کے مطابق ہے اس لئے کہ رضاعت سے حرمت کی وجہ
 علاقہ جزئیت و انصیت ہے، یعنی عورت کے دودھ سے بچہ کی نشوونما ہوتی ہے اور دودھ بچہ کا جز بنتا ہے، پس عورت بچہ
 کا جز بن گئی، اس لئے رضاعتی ماں سے نکاح حرام ہوا، کیونکہ اپنے جز سے انتفاع حرام ہے، صرف ضرورت اور مجبوری
 ہی میں جزء سے انتفاع جائز ہے۔ اور جب جزئیت و انصیت سبب تحریم ہے تو اس کے لئے کچھ شرائط ہونی چاہئیں،
 جیسے بچہ کا مدت رضاعت میں دودھ پینا شرط ہے۔ مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے کا تو بالا جراح حرمت ثابت نہ
 ہوگی، کیونکہ اب اس دودھ سے بچہ کی نشوونما نہ ہوگی، کیونکہ اب وہ باہر کی غذا لینے لگا ہے پس اس سے نشوونما ہوگی۔
 اسی طرح جب دودھ کی اچھی مقدار بچہ کے پیٹ میں پہنچے گی تبھی بچہ کا نشوونما ہوگا، قطرہ دو قطرہ سے کیا ہوتا ہے؟ اس
 لئے امام شافعی اور امام احمد کے اقوال قیاس کے مطابق ہیں، مگر شریعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ امر ظاہر کو امر خفی کے
 قائم مقام کیا جاتا ہے اور احکام امر ظاہر پر دائر ہوتے ہیں اور اصل سبب کو نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے، جیسے سفر میں افطار
 اور قصر کی رخصت کا سبب مشقت ہے، مگر وہ امر خفی ہے اس کا ادراک بہت مشکل ہے، اس لئے امر ظاہر یعنی اثنا تیس
 میل کے سفر کو مشقت کے قائم مقام کر دیا، اور اصل علت مشقت کو بھلا دیا، اسی طرح یہاں بھی عورت کے دودھ سے
 بچہ کی بالیدگی ہوئی یا نہیں؟ اور دودھ بچہ کا جزء بنایا نہیں؟ یہ امر خفی ہے اس کا پتہ لگانا مشکل ہے اس لئے امر ظاہر یعنی
 دودھ پینے کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ اب بچہ کے پیٹ میں دودھ پہنچے ہی حرمت ثابت ہو جائے گی، خواہ قلیل ہو یا
 کثیر اور اصل علت کو ایک طرف کر دیا جائے گا، اب اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

ملاحظہ: ترمذی کے ہندوستانی نسخوں میں ترکہ بھی ہے اور تھیف بھی، میں نے مصری نسخہ سے عبارت صحیح کی ہے،
 اس کے بغیر سند کی بحث سمجھی نہیں جاسکتی، ولی الباب کی فہرست کے بعد عن عائشة سے ولا المصتان تک عبارت
 حذف کی ہے اور اس کی جگہ روی غیر واحد سے ولا المصتان تک عبارت لکھی ہے۔

باب ماجاء فی شہادۃ المرأة الواحدة فی الرضاع

ثبوت رضاعت میں ایک عورت کی گواہی

مذاہب فقہاء: ثبوت رضاعت میں ایک عورت کی شہادت کافی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ہر امام کی رائے الگ
 ہے، کیونکہ یہ مسئلہ منصوص نہیں، اجتہادی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک رضاعت میں ایک عورت کی گواہی
 کافی ہے، بشرطیکہ وہ خود مرضعہ (دودھ پلانے والی) ہو اور دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی جائے گی۔ اور امام شافعی
 رحمہ اللہ کے نزدیک: دوسروں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی، یا چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے، اس سے کم شہادت کافی

نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی بھی کافی ہے۔ غرض ائمہ ثلاثہ نے رضاعت میں صرف عورتوں کی گواہی کا اعتبار کیا ہے۔ اور حنفیہ کا اصول یہاں بھی وہی ہے جو معاملات میں ہے یعنی ثبوت رضاعت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے اور تہا عورتوں کی گواہی سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

حدیث: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، جب شادی کی شہرت ہوئی تو ایک جشن ہمارے پاس آئی اور اس نے کہا: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے تم دونوں بھائی بہن ہو، میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے، اب ایک جشن کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹی ہے! جب حضرت عقبہ نے وہی کاذبہ کہا تو نبی ﷺ نے برخ پھیر لیا، تھوڑی دیر بعد انھوں نے دوسری جانب سے آکر یہی بات عرض کی، آپ نے پھر رخ پھیر لیا ان کو احساس نہیں ہوا کہ آپ بار بار اعراض کیوں کر رہے ہیں؟ جب انھوں نے تیسری بار یہی بات عرض کی تو آپ نے رخ نہیں پھیرا بلکہ فرمایا: ”جب وہ کہتی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اب تم اس کو کیسے رکھو گے! اسے چھوڑو“

تشریح: اس واقعہ سے امام احمد رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے، مگر آپ کا یہ استدلال صحیح نہیں، کیونکہ یہاں نہ تو مرضعہ قاضی کے سامنے آئی ہے اور نہ گواہی دی ہے، بلکہ حضرت عقبہ نے اس کی اطلاع دی ہے، پس یہ حدیث کسی بھی امام کا مستدل نہیں بن سکتی، اس لئے میں نے کہا تھا کہ یہ مسئلہ محض اجتہادی ہے مخصوص نہیں۔

سوال: جب عورت نے آکر گواہی نہیں دی اور رضاعت ثابت نہیں ہوئی تو آپ نے حضرت عقبہ کو بیوی چھوڑ دینے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: آنحضور ﷺ نے یہ حکم دیا نہ دیا تھا قضاء نہیں دیا تھا، جب ایک عورت کہہ رہی ہے کہ اس نے دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اب شک پیدا ہو گیا اور حدیث ہے: دَخَّ مَا بَيْنَكَ إِلَى مَا لَا يُؤْتِيكَ یعنی جو بات بے شک ہو اسے اختیار کرو اور شک والی بات چھوڑ دو، پس دینداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس عورت کو الگ کر دیا جائے، دنیا میں عورتیں بہت ہیں، کسی اور سے نکاح کیا جائے، دینداری کے نقطہ نظر سے یہ بات ضروری ہے، اگرچہ قضاء ضروری نہیں، یہ بات امام کبج رحمہ اللہ نے کہی ہے۔

[۴] باب ما جاء في شهادة المرأة الواحدة في الرضاع

[۱۱۳۳-] حدثنا علي بن خنجر، نا إسماعيل بن إبراهيم، عن أبوب، عن عبد الله بن أبي مليكة قال: خلقني عبد بن أبي مريم، عن عقبه بن الحارث - قال: وسمعت من عقبه، ولكني لإحدب عن عبد أحفظ - قال: تزوجت امرأة فجاءتني امرأة سوفاء، فقالت: إني قد أرضعتكما، فأتيت النبي ﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم، فَقُلْتُ: تَزَوَّجْتُ ثَلَاثَةَ بَنَاتٍ فَلَا نَزَاءَ، فَجَاءَ ثَنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ
أَرْضَعْتُكُمَا، وَهِيَ كَاذِبَةٌ، قَالَ: فَأَعْرِضْ عَنِّي، قَالَ: فَاتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ، فَقُلْتُ: إِنَّهَا كَاذِبَةٌ، قَالَ:
"وَكَيْفَ بِهَا، وَقَدْ زَعَمْتَ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا؟ ذَعْبُهَا عَنْكَ"

حدیث عقبہ بن الحارث حدیث حسن صحیح، وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ ابْنِ أَبِي
مَلِيكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ: عَنْ عُبَيْدِ بْنِ أَبِي مُرَيْمٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ: "ذَعْبُهَا عَنْكَ"
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: أَجَاوَزُوا
شَهَادَةَ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فِي الرِّضَاعِ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَجُوزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الرِّضَاعِ،
وَيُؤْخَذُ بِبَيِّنَتِهَا، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الرِّضَاعِ، حَتَّى يَكُونَ أَكْثَرُ، وَهُوَ قَوْلُ
الشَّافِعِيِّ.

وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، وَيُكْنَى أَبَا مُحَمَّدٍ، وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ الزُّبَيْرِ قَدْ اسْتَفْضَاهُ عَلَى الطَّائِفِ، وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَفْرَكْتُ فَلَايِينَ مِنْ
أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

سَمِعْتُ الْجَارُودَ بْنَ مُعَاذٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ: لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الرِّضَاعِ
فِي الْحُكْمِ، وَيَقَارِفُهَا فِي الْوَرَعِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث ابن ابی ملیکہ نے عبید بن ابی مریم کے واسطے سے روایت کی ہے اور حضرت عقبہ سے
براہ راست بھی سنی ہے، مگر عبید سے سنی ہوئی حدیث ان کو زیادہ یاد ہے۔ اس لئے امام ترمذی نے واسطہ والی حدیث
لکھی ہے، اور بہت سے روایات واسطہ کے بغیر بھی روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث میں دعبہا عنک نہیں ہے۔
ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم صحابہ وغیرہ کا عمل ہے وہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کو کافی قرار دیتے
ہیں، ابن عباس فرماتے ہیں: رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے اور اس سے قسم لی جائے گی اور اسی کے قائل
ہیں احمد و اسحاق۔۔۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی نہیں، یہاں تک کہ وہ زیادہ
ہوں اور یہ امام شافعی کا قول ہے، ان کے یہاں کم سے کم چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔۔۔ ابن ابی ملیکہ کا نام
عبد اللہ ان کے والد کا نام عبید اللہ اور دادا کا نام ابو ملیکہ ہے، اور ان کی کنیت ابو محمد ہے، حضرت عبد اللہ بن الزبیر نے ان
کو اپنی خلافت کے زمانہ میں طائف کا قاضی بنایا تھا، اور ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: میں نے تیس صحابہ سے ملاقات کی ہے۔
وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رضاعت میں قضاء ایک گواہی کافی نہیں، البتہ دیانۃ بیوی کو چھرا کر دینا چاہیے۔

باب ماجاء أن الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر دون الحولين

مدت رضاعت میں دودھ پینے ہی سے حرمت ثابت ہوگی

تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر مدت رضاعت میں کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پئے تو حرمت ثابت ہوگی، مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اور مدت رضاعت امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تین سال، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ڈھائی سال، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہے، اور احناف کے یہاں فتویٰ رضاعت کے مسئلہ میں دو سال پر ہے یعنی دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا حرام ہے، مگر حرمت رضاعت میں فتویٰ ڈھائی سال پر ہے، اگر ڈھائی سال سے پہلے کسی بچہ نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور ڈھائی سال کی عمر کے بعد پیا ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، یہ فتویٰ برائے احتیاط ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہی دودھ پینا حرام کرتا ہے جو انتزیوں کو چیرے اور چھاتی کا دودھ پیا ہو اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پیا ہو“ (یہ فتی الامعاء کی تفسیر ہے)

تشریح: آج ایک سرے کا زمانہ ہے اگر کوئی مشاہدہ کرنا چاہے تو بچے کو ایک سرے کے سامنے کھڑا کر کے دودھ پلائے جب دودھ آنتوں میں اترے گا تو آنتیں پھولیں گی، یہ فتی الامعاء ہے۔ اور جب بڑی عمر کا آدمی ایک سرے کے سامنے کھڑا ہو کر دودھ پئے گا تو آنتیں نہیں پھولیں گی، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس مدت میں دودھ بمنزلہ غذا واقع ہوتا ہے اس مدت میں اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پئے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ جانور کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ لفظ قدی عورت کی پستان کے لئے خاص ہے اور فطام سے مطلق دودھ چھڑانا مراد نہیں بلکہ مدت رضاعت مراد ہے، پس اگر کوئی بچہ ایک سال میں دودھ چھوڑ دے اور باہر کا دودھ یا غذا لینے لگے پھر بھی مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پینے کا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

[۵] باب ماجاء أن الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر دون الحولين

[۱۱۳۴] - حدثنا قتيبة، نا أبو عوانة، عن هشام بن عروة، عن فاطمة بنت المنذر، عن أم سلمة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يحرم من الرضاعة إلا ما فلق الأمعاء، في الثدي، وكان قبل الفطام"

هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم: أن الرضاعة لا تحرم إلا ما كان دون الحولين، وما كان بعد الحولين

الکاملین لِقَائِهِ لَا يَحْرُمُ شَيْئًا.

وفاطمۃ بنت المنذر بن الزبیر بن العوام: وهی امرأة هشام بن عروة.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے اکثر علماء کا عمل ہے کہ دودھ پینا حرام نہیں کرتا مگر جو دو سال کے اندر ہو، اور جو دو سال کے بعد ہو اس سے کوئی حرمت پیدا نہیں ہوتی۔ فاطمہ بنت المنذر حضرت هشام کی بیوی اور ان کی چچا زاد بہن ہیں۔

باب مَا يُلْزَمُ مَدِّمَةُ الرِّضَاعِ

حق رضاعت کیسے اداء ہوگا

مَدِّمَةُ (بکسر اللام وفتحها) کے معنی ہیں: حق و حرمت — دودھ پلانی والی ماں: حقیقی ماں کے بعد ماں ہے، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی لٹا کے احرام میں اپنی چادر بچھائی ہے۔ اور حقیقی ماں کا حق تو کسی بھی طرح ادا نہیں ہو سکتا، البتہ اقا کا حق بردہ دینے سے ادا ہو جاتا ہے یعنی اگر شیر خوار بڑا ہو کر ایک بردہ (غلام یا باندی) اپنی اقا کو دیدے تو اس کا حق ادا ہو جائے گا، حجاج اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: رضاعی ماں کا حق کس طرح اداء ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: بردہ سے، یعنی غلام یا باندی دینے سے، اور بردہ دینا ماں کا پورا حق اس لئے ہے کہ رضاعی ماں نے شیر خوار کو دودھ پلانے میں اور اس کی پرورش کرنے میں پاپڑیلے ہیں پس غلام یا باندی اس کے قائم مقام ہو کر اقا کے کاموں کی کلفت برداشت کرے گا، اور بردہ دینا مستحب ہے واجب نہیں، واجب وہ اجرت تھی جو شیر خوار کے ولی نے ادا کر دی ہے۔

[۶] باب مَا يُلْزَمُ مَدِّمَةُ الرِّضَاعِ

[۱۱۳۵] - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجِ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يُلْزَمُ غَنِي مَدِّمَةُ الرِّضَاعِ؟ فَقَالَ: "عُرَّةٌ أَوْ أَمَةٌ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، هَكَذَا رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ، وَحَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَاهُ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ أَبِي حَجَّاجِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ غَيْرَ مَحْفُوظٍ، وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى هُوَلَاءُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ.

وہشام بن عروۃ یُحسّیٰ اُبا المُنْبِرِ، وَقَدْ اُذْرَكَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ.
 وَقَالَ مَعْنَى قَوْلِهِ: "مَا يَذْهَبُ عَنِّي مَذْمَةُ الرِّضَاعِ" يَقُولُ: اِلْمَا يَخْنِي ذِمَامَ الرِّضَاعَةِ وَحَقَّقَهَا،
 يَقُولُ: اِذَا اَعْطَيْتَ الْمُرْضِعَةَ عَبْدًا اَوْ اَمَةً فَقَدْ قَضَيْتَ ذِمَامَهَا.
 [۱۱۳۶] وَيُرْوَى عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِيَتْ
 امْرَأَةٌ فَبَسَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجْلَهُ، فَقَعَدْتُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا ذَهَبْتُ قِيلَ: هَذِهِ كَانَتْ
 اَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وضاحت: پہلی حدیث کے راوی کا نام حجاج ہے یا ابوالحجاج؟ کئی قطان اور حاتم بن اسماعیل وغیرہ حجاج کہتے ہیں، یعنی باپ اور بیٹے کا نام ایک ہے۔ اور سفیان بن عیینہ ابوالحجاج نام لیتے ہیں۔ امام ترمذی نے سفیان بن عیینہ کی حدیث کو غیر محفوظ بتایا ہے یعنی صحیح نام حجاج ہے۔ اور ہشام کی کنیت ابوالمنذر رہے اور ان کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے پس وہ تابعی ہیں۔ اور حدیث: مَا يَذْهَبُ عَنِّي مَذْمَةُ الرِّضَاعِ کے معنی ہیں: دودھ پلانے والی ماں کا حق کس طرح ادا ہوگا؟ مذمۃ بمعنی حق ہے، آپؐ نے فرمایا: جب آپؐ کا کو ایک غلام یا ایک باندی دیدیں تو آپؐ نے اس کا حق ادا کر دیا۔

اور ابوالطفیلؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آئی، نبی ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی وہ عورت اس پر بیٹھ گئی، جب وہ واپس گئی تو جاننے والوں نے کہا: اُس عورت نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا ہے، وہ آپؐ کی اقا حضرت حلیمہ سعدیہ تھیں، یہ غزوہ حنین کا واقعہ ہے جب آپؐ حنین کی غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو حضرت حلیمہ سعدیہ آئی تھیں، آپؐ نے ان کی غیر معمولی تعظیم کی تھی، یہ حدیث طبقات ابن سعد (۱۱:۱) میں ہے اور نہایت ضعیف ہے، بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ موضوع ہو اس لئے یروای: مجہول فعل لائے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمَةِ تُعْتَقُ وَلَهَا زَوْجٌ

باندی کو خیارِ حق کب حاصل ہوگا

ابواب الرضاع پورے ہو گئے، اب پھر ابواب النکاح شروع ہوتے ہیں، اس باب میں خیارِ حق کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ اب پرانا ہو گیا ہے اس کی اب چنداں ضرورت نہیں، مگر حدیثوں کو سمجھنے کے لئے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد خیارِ حق حاصل ہوتا ہے یعنی اب اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہے اور علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو علیحدہ ہو سکتی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ خیار کس صورت میں حاصل ہوتا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر باندی کی آزادی کے وقت شوہر غلام ہے تو باندی کو خیارِ حق حاصل ہوگا اور

اگر شوہر آزاد ہے خواہ حراً اصل ہو یعنی ہمیشہ سے آزاد ہو یا وہ بیوی سے پہلے آزاد ہو چکا ہو تو باندی کو خیار حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور احناف کے نزدیک دونوں صورتوں میں خیار حق حاصل ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں صرف ایک روایت ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”اب تمہیں اختیار ہے چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور علیحدہ ہونا چاہو تو علیحدہ ہو سکتی ہو“ چنانچہ انھوں نے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بے حد محبت تھی، وہ اس فیصلہ سے بہت پریشان ہوئے، وہ مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے تاکہ حضرت بریرہ کا دل پیچے، مگر انھوں نے شوہر کو قبول نہیں کیا۔ حضرت مغیث کی بد حالی دیکھ کر آنحضور ﷺ نے سفارش کی، مگر وہ بہت سمجھ دار تھیں، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ آپ نے فرمایا: ”مشورہ ہے“ انھوں نے عرض کیا: میں اپنے معاملہ کو بہتر سمجھتی ہوں یعنی آپ کا مشورہ قبول نہ کیا۔

جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں اس وقت ان کے شوہر آزاد تھے یا غلام؟ یہ تو طے ہے کہ حضرت مغیث حراً اصل نہیں تھے، اور یہ بھی طے ہے کہ وہ بھی آزاد ہو گئے تھے، مگر حضرت بریرہ جب آزاد ہوئیں اس وقت وہ آزاد تھے یا غلام؟ دونوں طرح کی روایات ہیں اور دونوں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں، ائمہ ثلاثہ نے اس روایت کو لیا ہے جس میں حضرت مغیث کے آزاد ہونے کی بات ہے اور کسان عباداً کو انھوں نے نہیں لیا۔ اور احناف نے دونوں روایتوں کو لیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ہر صورت میں خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، باندی کو خیار حق حاصل ہوگا۔

اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ ایک دوسرے مسئلہ میں اختلاف پر مقرر ہے، کتاب الطلاق میں یہ مسئلہ آئے گا کہ طلاق میں عورت کا اعتبار ہے یا مرد کا؟ احناف کے نزدیک عورت کا اعتبار ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اگر بیوی آزاد ہو تو شوہر اس کو تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، اور اگر بیوی باندی ہو تو شوہر اس کو دو طلاقیں دے گا، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، تین نہیں دے سکتا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق میں اعتبار مرد کا ہے اگر شوہر آزاد ہے تو وہ تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی۔ اور اگر شوہر غلام ہے تو دو طلاقیں ہی دے سکتا ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد جو خیار عتق ملتا ہے اس کی علت کیا ہے؟ خفیہ کے نزدیک علت: ازدیاد ملک ہے یعنی بیوی جب تک باندی تھی شوہر اس کو دو ہی طلاقیں دے سکتا تھا، اب بیوی کی آزادی کے بعد شوہر کو مزید ایک طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا، پس بیوی کو اختیار ہے کہ وہ یہ مزید حق حاصل ہونے دے یا نہ ہونے دے، کیونکہ پہلے جو شوہر کو دو طلاقیں دینے کا حق حاصل ہوا تھا وہ عورت کی رضا مندی سے حاصل ہوا

تھا، اس نے نکاح قبول کیا تھا اس کی وجہ سے شوہر کو طلاق کا حق ملا تھا، پس اب جبکہ وہ تیسری طلاق کا مالک ہونے جا رہا ہے تو بھی عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر عورت راضی ہوگی تو ملکیت بڑھے گی، ورنہ نہیں، اور ملکیت میں تجزی نہیں، پس یا تو تیسری طلاق کا حق ملے گا یا پہلی دو بھی ختم ہو جائیں گی اور عورت نکاح سے نکل جائے گی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خیار کی یہ علت نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے نزدیک طلاق کا مدار مرد پر ہے، اس لئے انھوں نے خیار کی اور علت نکالی ہے اور وہ ہے: عار کا لاحق ہونا۔ آزاد بیوی کا شوہر اگر غلام ہوگا تو اس کو اس کے ساتھ رہنے میں عار لاحق ہوگا، اس لئے اس کو نکاح میں رہنے کا یا علیحدہ ہونے کا اختیار دیا جاتا ہے اور شوہر اگر آزاد ہو خواہ حرام الاصل ہو یا پہلے آزاد ہو چکا ہو تو اس کے ساتھ رہنے میں عورت کو کوئی عار لاحق نہیں ہوگا، اس لئے ائمہ ثلاثہ شوہر کے آزاد ہونے کی صورت میں خیار حق کے قائل نہیں اس لئے انھوں نے صرف کان عہداً والی روایت لی اور احناف نے دونوں روایتوں کو جمع کیا، کیونکہ ان کی بھی ہوئی علت پر دونوں روایتیں جمع ہو سکتی ہیں۔

[۴۳] باب ما جاء في الأمة تعتق ولها زوج

[۱۱۳۷-] حدثنا علي بن حنبل، ناخبرني عن عبد الحميد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، قالت: كان زوج برة عبداً، فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم، فاختلفت نفسها، ولو كان حراً لم يغيرها.

[۱۱۳۸-] حدثنا هناد، نا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة، قالت: كان زوج برة حراً، فخيرها رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حديث عائشة حديث حسن صحيح، هكذا روى هشام، عن أبيه، عن عائشة قالت: كان زوج برة عبداً، وروى عكرمة، عن أبي عباس قال: رأيت زوج برة، وكان عبداً يقال له مبيث، وهكذا روى عن أبي عمر.

والعمل على هذا عند بعض أهل العلم، قالوا: إذا كانت الأمة تحت الحر فأعتقت، فلا خيار لها، وإنما يكون لها الخيار إذا أعتقت وكانت تحت عبد، وهو قول الشافعي وأحمد وإسحاق.

وروى غير واحد عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة قالت: كان زوج برة حراً، فخيرها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وروى أبو عوانة هذا الحديث عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة في قصة برة، قال الأسود: وكان زوجها حراً.

والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من التابعين ومن بعدهم، وهو قول سفیان الثوري

واهل الکوفة.

[۱۱۳۹-] حدثنا هناد، نا عبدة، عن سعيد، عن أيوب، وقادة، عن عكرمة، عن ابن عباس؛ أن زوج برة كان عبداً أسوداً لبني المهيرة يوم أعتقت برة، والله لكأني به في طريق المدينة ونواحيها، وإن ذموعة لصيل على لحيته، يترضاها لصنارة، فلم تفعل.
هذا حديث حسن صحيح، وسعيد بن أبي عروبة: هو سعيد بن مهران، ويكنى أبا النضر.

ترجمہ: (پہلی روایت) صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ بریرہ کے شوہر غلام تھے اس لئے نبی ﷺ نے ان کو اختیار دیا، اور انھوں نے اپنی ذات کو اختیار کیا اور اگر ان کے شوہر آزاد ہوتے تو آپ ان کو اختیار نہ دیتے (یہ جملہ حضرت عائشہ کا بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عروہ کا بھی)

(دوسری روایت) صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ بریرہ کے شوہر آزاد تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان کو اختیار دیا (یہ اسود کی حدیث ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مگر امام ترمذی نے اس پر کوئی حکم نہیں لگایا)

اور ہشام کی حدیث کی طرح عکرمہ بھی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے بریرہ کے شوہر کو دیکھا اور وہ غلام تھے، ان کو مغیث کہا جاتا تھا، اور حضرت ابن عمر سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ مغیث غلام تھے (یہ سب حضرت عائشہ کی پہلی حدیث کی جس کے راوی ہشام ہیں: تائیدات ہیں) اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب باندی آزاد کی بیوی ہو پھر وہ آزادی گئی تو اس کے لئے خیار حق نہیں، باندی کے لئے خیار اسی صورت میں ہے جبکہ وہ آزادی جائے درنا حالیکہ وہ غلام کی بیوی ہو، اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

اسود کی حدیث پر اعتراض جس کو حنفیہ کا مستدل خیال کیا گیا ہے، حالانکہ حنفیہ دونوں حدیثوں کو جمع کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ابو حوانہ نے اعمش سے مذکورہ سند ہی سے روایت کی ہے کہ اسود نے کہا: بریرہ کے شوہر آزاد تھے، یعنی یہ اسود کا قول ہے، حضرت عائشہ کا قول نہیں، اور اس پر بعض تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم کا عمل ہے اور یہ سفیان ثوری اور کوفہ والوں کا قول ہے۔

(حدیث ۱۱۳۹) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ بریرہ کے شوہر حبشی غلام تھے اور بنو المصیرہ کی ملک تھے، جس دن بریرہ آزادی گئیں، بخدا! گویا میں ان کے ساتھ ہوں مدینہ کی راہوں میں اور اس کے کناروں میں یعنی وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے جب وہ مدینہ کی راہوں اور گلیوں میں روتے پھرتے تھے اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے تھے، وہ بریرہ کو پٹارہے تھے تاکہ وہ ان کو اختیار کریں مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا (یہ اوپر جو حوالہ دیا تھا کہ ہشام کی حدیث کی طرح حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے، یہ اس حدیث کی سند کے ساتھ تخریج کی ہے۔ اور حضرت ابن عمر کی روایت سنن بیہقی اور سنن دارقطنی میں ہے)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ

بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بچہ بستر والے یعنی شوہر کے لئے ہے (اس میں عجز بالتحذف ہے۔ تقدیر عبارت: الولد لصاحب الفراش ہے۔ اور فراش کے معنی ہیں بچھونا، بستر، اور یہاں مراد بیوی ہے) اور زانی کے لئے سنگ ہے“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت بچہ جنے اور اس کا شوہر ہو اور وہ بچہ کا انکار نہ کرے تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، اگر کوئی غیر اس بچہ کا دعویٰ کرے یا نسب پر اعتراض کرے تو وہ دعویٰ یا اعتراض ثبوت نسب میں خلل انداز نہ ہوگا۔

جانتا چاہئے کہ بعض قاعدے اندھے ہوتے ہیں مگر ان کو اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے ان کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں مثلاً کورٹ کا قاعدہ ہے: البينة على المدعى واليمين على من انكر یعنی مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور منکر پر قسم لاگو ہوگی۔ جب کوئی شخص عدالت میں کوئی دعویٰ کرے تو پہلے قاضی اس سے گواہ طلب کرے گا اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو قاضی ان کا تہ کیہ کرے گا، اگر گواہ ٹھیک ثابت ہوئے تو ان کے مطابق فیصلہ کرے گا اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو منکر سے قسم لی جائے گی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، جبکہ گواہ جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں، اور منکر جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے، مگر ان احتمالات کے باوجود فیصلہ کا یہی طریقہ ہے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ تمام وضعی قوانین میں بھی فیصلہ کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اسی طرح بچہ شوہر کا ہے، اس میں بھی احتمالات ہیں کہ بچہ شوہر کا نہ ہو زنا کا ہو مگر ان احتمالات کا اعتبار نہیں، جب بچہ جننے والی عورت کا شوہر موجود ہے اور وہ بچہ کا انکار نہیں کرتا تو نسب اسی سے ثابت ہوگا، اور اگر بچہ شوہر کا نہیں ہے تو اس کے لئے راستہ کھلا ہے وہ انکار کر دے اور لعان کرے۔

قوله: وللعاهر العجوة: یہ بات آنحضور ﷺ نے ایک خاص واقعہ میں فرمائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا بھائی تھا جس کا کفر کی حالت میں انتقال ہوا ہے اس نے مرتے وقت حضرت سعدؓ کو وصیت کی تھی کہ زموہ کی باندی کا فلاں لڑکا میرا ہے، تمہیں جب بھی موقع ملے اس کو اپنے خاندان میں لے لینا۔ — زموہ: آنحضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت سواد کے والد ہیں۔ — فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعدؓ کو وہ لڑکا مل گیا۔ وہ جوان ہو چکا تھا حضرت سعدؓ نے اس کو لے لیا اور مدینہ ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا تو زموہ کے ایک دوسرے لڑکے عبد نے مزاحمت کی، اور یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، آپؐ نے دونوں کی بات سن کر عبد کے حق میں فیصلہ دیا اور ارشاد فرمایا: ”بچہ فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے“

علماء نے اس جملہ کے دو مطلب بیان کئے ہیں، پہلا مطلب: زانی کے لئے سنگ ہے یعنی وہ رجم کیا جائے گا۔ دوسرا مطلب: زانی کے لئے سنگ ہے یعنی محرومی ہے، بچہ اس کو نہیں ملے گا۔ یہ دوسرا مطلب رائج ہے کیونکہ حدیث کا جو شان و رو ہے اس میں زانی مرچکا تھا، پس رجم کی کوئی صورت نہیں تھی۔ علاوہ ازیں ہر زانی کے لئے رجم کی سزا نہیں، بعض زانیوں کے لئے کوڑے کی سزا ہے، اس لئے علماء نے دوسرے مطلب کو رائج قرار دیا ہے۔

پھر آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ اس میں پوری مشابہت سہ کے بھائی کی ہے اس لئے آپؐ نے حضرت سوداء کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت سوداء نے تاوقات اس بھائی کو نہیں دیکھا۔ یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ بعض صورتوں میں محرم سے بھی پردہ لازم ہے، مثلاً خسر جران ہے اور بد اطوار ہے تو بہو کے لئے اس سے پردہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح ہر وہ جگہ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہے محرم سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے۔

[۱۱۴۰] باب ماجاء أن الولد للفرأش

[۱۱۴۰] - حدثنا أحمد بن منيع، نا سفيان، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الولد للفرأش وللغاهر المحجر".
وله الباب: عن عمرو، وعثمان، وعائشة، وأبي أمامة، وعمرو بن خارجة، وعبد الله بن عمرو، والبراء بن عازب، وزيد بن أرقم، حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح.
وقد رواه الزهري عن سعيد بن المسيب، وأبي سلمة، عن أبي هريرة، والعمل على هذا عند أهل العلم.

باب ماجاء في الرجل يري المرأة فتعجبه

اجنبی عورت پر نظر پڑے اور وہ پسند آجائے تو اس کا علاج

اگر کسی اجنبی عورت پر نظر پڑے اور وہ دل میں کھلب کھلب جائے تو یہ غیر اختیاری بات ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں، مگر اس کا علاج ضروری ہے، ورنہ پیچیدگی بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً گھر جا کر بہو سے صحبت کر لے، کیونکہ جب مٹی کے برتن بھر جاتے ہیں تو اس کے اُبڑے دماغ کی طرف معذور کرتے ہیں اور جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے، پس استفرغ مادہ ہی اس کا علاج ہے۔

حدیث: نبی ﷺ کی نظر ایک عورت پر پڑی آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی ضرورت پوری کی، یعنی صحبت فرمائی، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا: "عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں

سامنے آتی ہے یعنی ورغلانے والا انداز ہوتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کو پسند آجائے تو چاہئے کہ اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی اس سے صحبت کر لے اس لئے کہ بیوی کے پاس وہی ہے جو اس عورت کے پاس ہے، یعنی جس محل کی وجہ سے کسی عورت کی طرف میلان ہوتا ہے وہی محل بیوی کے پاس بھی ہے، پس جب بیوی سے صحبت کرے گا اور مٹی کا برتن خالی ہو جائے گا تو ذہن اس عورت کی طرف سے ہٹ جائے گا۔

سوال: نبی ﷺ معصوم تھے پھر نظر پڑنے سے یہ کیفیت کیوں پیدا ہوئی؟

جواب: ایسا تشریح (قانون سازی) کے پیش نظر ہوا تھا، انبیاء جو قانون بناتے ہیں وہ ذوقی ہوتے ہیں، وہ فکری قانون نہیں بناتے اور اسی وجہ سے فرشتوں کو رسول نہیں بنایا گیا، کیونکہ فرشتے اگر رسول بن کر آتے تو وہ لوگوں کے لئے غور و فکر کی بنیاد پر قانون بناتے، وہ ذوق کی بنیاد پر قانون نہیں بنا سکتے تھے، کیونکہ ان میں وہ جذبات نہیں جو انسان میں ہیں، اور جب نئی انسان ہوتا ہے تو اس پر تمام احوال گذرتے ہیں، کیونکہ وہ بشر ہوتا ہے، چنانچہ ایک بار آپ کو بھی یہ کیفیت پیش آئی تاکہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو اور آپ اس کا علاج جو بیز فرمائیں۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ انبیاء کبھی بیان جواز کے لئے خلاف اولیٰ کام بھی کرتے ہیں اور وہ نبی کے حق میں خلاف اولیٰ نہیں ہوتے، کیونکہ وہ تشریح کے لئے ہوتے ہیں، اسی طرح اس کیفیت کا آپ پر گذرنا آپ کے حق میں برائیں تھا، بلکہ ضروری تھا کیونکہ تشریح اس پر موقوف تھی۔

[۴۵] باب ماجاء فی الرجل یری المرأة فتعجبہ

[۱۱۴۱] - حدثنا محمد بن بشار، نا عبد الأعلى بن عبد الأعلى، نا هشام بن أبي عبد الله وهو المصنف، عن أبي الزبير، عن جابر: أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى امرأة قد غل على زينب فقصى حاجته وخرج، وقال: "إن المرأة إذا أقبلت أقبلت في صورة شيطان، فإذا رأى أحدكم امرأة فاعجبته فليأت أهله، فإن معها مثل الذي معها"

وفی الباب: عن ابن مسعود، حديث جابر حديث حسن صحيح غريب، وهشام بن أبي عبد الله هو صاحب المصنف، هو هشام بن منبه.

باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة

شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟

اسلام میں جہاں بھی حقوق ہیں دو طرفہ ہیں، ایک طرف حقوق کہیں نہیں، ماں باپ کے اولاد پر حقوق ہیں تو اولاد کے بھی ماں باپ پر حقوق ہیں، بادشاہ کا رعایا پر حق ہے تو رعایا کا بھی بادشاہ پر حق ہے، استاذ اور پیر کے شاگردوں اور

مریدوں پر حقوق ہیں تو ان کے بھی حقوق استاذ اور پیر پر ہیں، شوہر کے حقوق بیوی پر ہیں تو بیوی کے بھی حقوق شوہر پر ہیں۔ غرض ہر جگہ حقوق دو طرفہ ہیں، مگر لوگ اپنے حقوق تو یاد رکھتے ہیں دوسرے کے حقوق یاد نہیں رکھتے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں مرد کے حقوق کا بیان ہے اور دوسرے باب میں عورت کے حقوق کا تذکرہ ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں کسی کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے“

تشریح: اس حدیث کا شان درود یہ ہے کہ کچھ صحابہ ملک شام گئے وہاں انھوں نے شاہوں کے دربار کا منظر دیکھا جب بڑا دربار میں آتا ہے تو سب لوگ دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں، اور جب وہ بیٹھتا ہے تو سب اس کو سجدہ کرتے ہیں اور جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے سب لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! حقیقی تعظیم کے لائق تو آپ ہیں، ہمارا جی چاہتا ہے کہ جب آپ مجلس میں جلوہ افروز ہوں تو ہم آپ کو سجدہ کیا کریں اور آپ کے سامنے کھڑے رہا کریں، آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور سجدہ کے تعلق سے وہ بات فرمائی جو اوپر گذری، اور قیام کے تعلق سے فرمایا: لا تقوموا کما یقوم الاعاجم (مشکوٰۃ ۴۷۰۰) یعنی جس طرح غنچ دربار میں کھڑے رہتے ہیں تم کھڑے نہ رہو، ہمارے اکابر نے اس حدیث کو آگے بڑھایا اور فرمایا: کسی کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا پھر بیٹھ جانا بھی اس حدیث کا مصداق ہے، کیونکہ ممانعت کی علت تعظیم ہے، غنچ اپنے بڑوں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کیا کرتے تھے، اور ان کے سامنے بیٹھنے کو توہین سمجھتے تھے، پس اگر استقبال کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت دی جائے گی تو یہ قیام بڑھتا بڑھتا غنچوں کے قیام تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تھے تو آپ کے احترام میں کوئی کھڑا نہیں ہوتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی قابل احترام نہیں تھا، پھر بھی جب صحابہ آپ کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں (مشکوٰۃ حدیث ۳۶۹۸)

اور حضرت سعد کے واقعہ سے استقبال کے لئے کھڑے ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ کھڑا ہونا تعاون کے لئے تھا، غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر جب وہ گدھے پر سوار ہو کر لشکر کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوموا الی سیدکم: تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہوؤ، اس کا مطلب یہ تھا کہ جا کر ان کو سواری سے اتارو اس لئے کہ وہ بیمار تھے، مسند احمد کی حدیث میں فانزلوہ کی صراحت ہے (یہ حدیث شنیع علیہ ہے، مشکوٰۃ حدیث ۳۶۹۵)

اور سجدہ کے تعلق سے فرمایا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ جب ان کے شوہر باہر سے آئیں تو عورتیں سجدہ کر کے ان کی تعظیم بجالایا کریں۔ اس حدیث

سے یہ بات نکلتی ہے کہ عورت پر شوہر کا پہلا حق یہ ہے کہ وہ جائز حدود میں رہ کر شوہر کی ہر طرح تعظیم بجالائے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی اپنی حاجت کے لئے بیوی کو بلائے یعنی صحبت کرنے کے لئے بلائے تو چاہئے کہ بیوی شوہر کے پاس آئے اگرچہ وہ چولہے پر ہو۔

تشریح: اس حدیث سے شوہر کا دوسرا حق یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی شوہر بیوی سے حاجت برآری چاہے تو بیوی انکار نہ کرے، فوراً تیار ہو جائے، چاہے وہ کیسے ہی ضروری کام میں مشغول ہو، اگر بیوی بلائے پر نہیں آئے گی تو شوہر کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، پس بیوی کا کیا فائدہ؟

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو بھی عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہے تو وہ جنت میں جائے گی“

تشریح: اس حدیث سے شوہر کا تیسرا حق یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت پر ضروری ہے کہ اگر کسی وجہ سے شوہر ناراض ہو جائے تو پہلی فرصت میں اسے منالے، غلطی کسی کی ہے یہ نہ دیکھے اگر مرد کی غلطی ہے اور عورت معافی مانگ لے تو نہ صرف شوہر راضی ہو جائے گا بلکہ محبت میں اضافہ ہو جائے گا، اور اگر غلطی عورت کی ہے تب تو اسے معافی مانگنی ہی چاہئے، اور رات کی تخصیص اس لئے کی کہ ممکن ہے دن میں عورت کو صفائی کا موقع نہ ملے، پس جب رات میں دونوں جمع ہوں تو عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کو کسی بھی طرح راضی کر لے۔

نوٹ: شوہر کے عورت پر دو حق اور بھی ہیں ان کا بیان اگلے باب کی حدیث میں آ رہا ہے۔

[۶۱] باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة

[۱۱۴۲] - حدثنا محمود بن غیلان، نا النضر بن شعیب، نا محمد بن عمرو، عن أبی سلمة، عن أبی هريرة، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: ”لو کُنتُ أمیراً أحدًا أن یشجد لأحدٍ لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها“

ولی الباب: عن معاذ بن جبل، وسرافة بن مالک بن جعشم، وعائشة، وابن عباس، وعبد اللہ بن أبی اوفی، وطلقی بن علی، وأم سلمة، وأنس، وابن عمر.

حدیث ابی هريرة حدیث حسن غریب من هذا الوجه، من حدیث محمد بن عمرو، عن أبی سلمة، عن أبی هريرة.

[۱۱۴۳] - حدثنا هناد، نا ملازم بن عمرو، حدثنی عبد اللہ بن بذر، عن قیس بن طلح، عن أبی طلح بن علی، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”إذا الرجل دعا زوجته لیحاجبه فلنأیه، وإن كانت علی الثور“ هذا حدیث حسن غریب.

[۱۱۴۴-] حدثنا واصل بن عبد الأعلى الكوفي، نا محمد بن فضال، عن عبد الله بن عبد الرحمن أبي نصر، عن مساور الجهمي، عن أمه، عن أم سلمة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أَيُّمَا امْرَأَةٍ بَالَتْ وَزَوَّجَهَا عَنْهَا رَاضٍ، دَخَلَتْ الْجَنَّةَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

باب ماجاء في حق المرأة على زوجها

بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مؤمنین میں ایمان کے اعتبار سے کامل وہ ہے جو ان میں بہتر ہے اخلاق کے اعتبار سے، اور تم میں بہتر وہ ہے جو تم میں بہتر ہے اپنی بیویوں کے حق میں"

تشریح: اس کا حدیث کا مدی یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ اچھا اخلاقی برتاؤ ان کا مردوں پر ایک حق ہے، آدمی ازدواج کے ساتھ اچھے اخلاقی برتاؤ کے بغیر ایمان میں باکمال نہیں ہو سکتا۔ اور اس حدیث میں ایک معاشرتی کمزوری کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ لوگ عام طور پر اجانب کے ساتھ تو اچھے اخلاق برتتے ہیں، مگر نوکروں، بچوں اور بیویوں کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ غیروں سے تو بڑی مہذب گفتگو کریں گے اور متعلقین سے تو نزاکت کے ساتھ باتیں کریں گے۔ یہ بات ٹھیک نہیں۔ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے۔ حدیث میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ جو بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے وہی کامل اخلاق والا ہے، کیونکہ وہ دوسروں کے ساتھ ضرور اچھے اخلاق کا برتاؤ کرے گا۔

حدیث (۲): عمرو بن الاوص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جنت الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، پس حمد و ثناء کے بعد لوگوں کو نصیحت فرمائی (ذبح اور وعظ و فہم کے ایک معنی ہیں) پس عمرو بن الاوص نے لمبی حدیث بیان کی، اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: "سنوا عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت (تاکید) قبول کرو اس لئے کہ عورتیں تمہارے پاس قیدی ہی ہیں (یہ حق احساس کا بیان ہے اور یہ شوہر کا بیوی پر جو حق ہے) تم مالک نہیں ہو، عورتوں سے کسی چیز کے اس کے علاوہ (یعنی تمہارا ان کو قیدی رکھنے کا حق ہے اور کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اور قیدی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں حق احساس حاصل ہے یعنی ان کو گھروں میں روک کر رکھنے کا حق ہے، اس سے زیادہ تمہارا کوئی حق نہیں) مگر یہ کہ وہ نافرمانی کریں (یعنی اس حق کو قبول نہ کریں اور حکمتی پھریں) پس اگر وہ نافرمانی کریں تو ان کو خواب گاہوں میں چھوڑ دو یعنی ان کو ساتھ نہ لٹاؤ، محبت سے ان کو محروم نہ کرو، پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو ایسی مار مارو جو سخت نہ ہو، پس اگر وہ تمہارا کہنا ماننے لگیں تو تم ان پر کوئی راہ نہ چاہو یعنی اب خواہ مخواہ پریشان مت کرو۔ سنو! بیشک تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہارا حق تمہاری عورتوں

پر یہ ہے کہ تمہارے بستر کو نہ روندے وہ شخص جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اور ان لوگوں کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے جن کو تم ناپسند کرتے ہو (عطف تفسیری ہے اور دونوں جملوں کا مطلب ایک ہے، اور یہ شوہر کا بیوی پر پانچواں حق ہے کہ وہ جس کو ناپسند کرے: بیوی اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے اگرچہ وہ عورت کے ماں باپ یا بھائی بہن ہی کیوں نہ ہوں) سنو! اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے پہننے اور کھانے پینے کو اچھا کرؤ، یہ عورتوں کا شوہروں پر دوسرا حق ہے کہ ان پر معروف طریقہ پر خرچ کیا جائے اور استطاعت کے مطابق اچھا کھانا، کپڑا اور مکان دیا جائے۔

تشریح

۱۔ احتباس یعنی عورتوں کو گھروں میں روک رکھنا مردوں کا حق ہے اور یہ حق اس لئے ہے کہ نسب محفوظ رہے، اگر عورت یہاں وہاں بھٹکتی پھرے گی اور آنکھ منکاتی رہے گی تو احتمال ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ کا بچہ بنے اور وہ شوہر کا کہلائے، پس اگر عورت مرد کے اس حق کو قبول کر لے تو آگے مرد کا کوئی حق نہیں اور اگر وہ مرد کے اس حق کو قبول نہ کرے اور علانیہ نافرمانی کرے تو شوہر معاملہ قابو میں لانے کے لئے بتدریج تین مہینے دے سکتا ہے:

اول: اس کا سونا الگ کر دے، اسے اپنے ساتھ نہ لٹائے۔ علماء فرماتے ہیں: صرف خواب گاہ علیحدہ کرے مگر شوہر اسی کمرے میں سوئے تاکہ اگر عورت کو غلطی کا احساس ہو تو وہ معافی مانگ کر اپنی اصلاح کر سکے، اور اگر شوہر دوسرے کمرے میں یا کہیں اور سوئے گا تو عورت کس طرح معافی مانگے گی اور کیسے غلطی کی اصلاح کرے گی؟

دوم: اگر اس سے عورت کی اصلاح نہ ہو اور وہ اپنا رویہ نہ بدلے تو مار کے ذریعہ تنبیہ کرے، بشرطیکہ مار سخت نہ ہو، علماء نے فرمایا ہے کہ ایسا مارنا جس سے بدن پر نشان پڑ جائیں یا اعضاء ریسہ پر مارنا سخت پٹائی ہے، اس کی اجازت نہیں۔

سوم: اور اس سے بھی کام نہ چلے تو سورۃ النساء آیت ۳۵ میں یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ پنچایت، بٹھائے یعنی اپنے خاندان کے اور بیوی کے خاندان کے دو چار آدمیوں کو جمع کرے اور ان کے سامنے مسئلہ رکھے، اگر وہ اخلاص سے کوشش کریں گے تو معاملہ سلجھ جائے گا، ورنہ آخری راستہ طلاق ہے۔

غرض عورت کی طرف سے نشوز پایا جائے تو اس پر کنٹرول کرنے کے لئے یہ تین طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں اور جب کسی بھی مرحلہ میں عورت نافرمانی سے باز آ جائے تو اب خواہ مخواہ پریشان کرنا جائز نہیں۔

فائدہ: فاحشہ مبینہ: قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں: نشوز اور نافرمانی کرنا۔ لفظوں سے اس کا جو مفہوم سمجھ میں آتا ہے وہ مراد نہیں۔

۲۔ عورت پر مرد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ جن لوگوں کو ناپسند کرتا ہے بیوی ان کو گھر میں نہ آنے دے، حتیٰ کہ اگر ساس سر کے آنے کو بھی شوہر ناپسند کرے تو ان کو بھی گھر میں آنے کی اجازت نہ دے، البتہ بیوی ماں باپ سے ملنے کے لئے جاسکتی ہے، شوہر کو اس سے روکنے کا حق نہیں، ورنہ قطع رحمی لازم آئے گی جو حرام ہے۔ اور ماں باپ کے علاوہ

عورت کن رشتہ داروں سے مل سکتی ہے اور کن سے نہیں مل سکتی اور رات میں ملنے کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کو شوہر ناپسند کرتا ہے خواہ وہ ماں باپ یا بھائی، بہن ہی کیوں نہ ہوں عورت ان کو گھر میں آنے کی اجازت تو نہ دے یہ تو مرد کا عورت پر حق ہے باقی رشتہ داروں سے معروف طریقہ پر ملنا جائز ہے اور اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، اور عورت کا مرد پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے، پہننے اور ہنسنے اور رہنے سہنے کو حسب استطاعت اچھا کرے۔

[۴۷] باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها

[۱۱۴۵] - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، نَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، نَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخَيْرُهُمْ خِيَارُهُمْ لِنِسَائِهِمْ"

وفی الباب: عن عائشة، وابن عباس، حديث أبي هريرة، حديث حسن صحيح.

[۱۱۴۶] - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ شَيْبِ بْنِ عَرَفَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْأَخْوَصِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي؛ أَنَّهُ شَهِدَ حُجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَحَمِدَ اللَّهُ وَآلَنِي عَلَيْهِ، وَذَكَرَ وَعَظَ، فَذَكَرَ فِي الْحَدِيثِ قِصَّةً، فَقَالَ: "إِلَّا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِقَاضِيَةٍ مُبَيَّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبْرَحٍ، فَإِنْ أَطَعْتُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا، إِلَّا إِنْ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقٌّ، وَلَيْسَانِيَكُمْ عَلَيْهِمْ حَقٌّ، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ: فَلَا يُوَظَّنُّ لَكُمْ مِنْ تَكْرَهُنَّ، وَلَا يَأْذَنُ لِي بِيُوبِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُنَّ، إِلَّا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ: أَنْ تُخْبِتُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ"

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "عَوَانٌ عِنْدَكُمْ" يَعْنِي أَمْرِي فِي أَيْدِيكُمْ.

وضاحتیں: قصہ کے معنی ہیں: مضمون یعنی اس حدیث میں اور بھی مضمون ہے..... استَوْصُوا اسْتِیْصَاءُ بِفُلَانٍ: وصیت کو قبول کرنا..... عَوَان: کا ترجمہ شارحین نے قیدی کیا ہے، لیکن لفظ کے اصلی معنی ہیں معاون، مددگار، چونکہ قیدی جو غلام باندی بنائے جاتے ہیں معین و مددگار ہوتے ہیں اور ان پر مولیٰ کو حق احتساب حاصل ہوتا ہے اس مناسبت سے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے..... مُبْرَح (اسم مفعول) مَبْرَحٌ بہ الضرب: کسی کو سخت چوٹ لگنا..... جملہ فلا یوظنن اور جملہ ولا یأذنن یا تو مترادف ہیں یعنی دونوں جملوں میں ایک ہی بات بیان کرنا مقصود ہے یا پہلے جملہ

سے قرب خاص مراد ہے اور دوسرے جملہ سے اذن عام مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِيْتَانِ النِّسَاءِ فِي أَذْبَارِهِنَّ

بیوی سے غیر فطری طریقہ پر صحبت کرنا حرام ہے

حدیث (۱): ایک بدو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص بیابان میں ہوتا ہے یعنی اونٹ، بکریاں چرانے گیا ہے، پس اگر ذرا سا پادکھل جائے اور پانی کم ہو تو وضو ٹوٹ جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی گوز مارے تو چاہئے کہ وضو کرے“ گوز میں تھوڑی سی بے آواز ہوا نکلتی ہے، پھر آپ نے دوسرا مسئلہ بتایا: ”اور اپنی بیویوں سے پچھلی راہ میں صحبت نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتے“ یعنی یہ بات اگر چہ شرم کی ہے مگر بیان کرنی ضروری ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے راوی علی بن طلق ہیں اور ایک دوسرے راوی طلق بن علی ہیں، جن کی روایت مس ذکر کے باب میں آتی ہے، یہ دونوں راوی ایک ہیں یا الگ الگ؟ امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں الگ الگ آدمی ہیں اور علی بن طلق کی یہی ایک روایت ہے مگر اکثر محدثین کے نزدیک یہ طلق بن علی ہی ہیں نام میں الٹ پلٹ ہو گئی ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرماتے جو کسی مرد یا عورت کی پچھلی راہ میں حاجت پوری کرتا ہے یعنی اغلام مطلقاً حرام ہے، خواہ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ، پھر خواہ اجنبی عورت کے ساتھ ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ، بہر صورت حرام ہے۔

[۴۸] بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِيْتَانِ النِّسَاءِ فِي أَذْبَارِهِنَّ

[۱۱۴۷-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَهَنَادٌ، قَالَا: نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ، عَنْ عُمَيْسِ بْنِ حِطَّانَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَلَامٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: أَتَى أَغْرَابِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الرَّجُلُ مِمَّا يَكُونُ فِي الْقَلَاةِ، فَتَكُونُ مِنْهُ الْوُضُوءَةُ، وَيَكُونُ فِي الْمَاءِ قِلَّةٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا لَمَسْنَا أَخَذَكُمْ فَلْيَتَوَضَّأُوا، وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَغْجَارِهِنَّ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ"

وفی الباب: عن عُمَرَ، وَخُزَيْمَةَ بْنِ قَابِثٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

حدیث علی بن طلحہ حدیث حسن، وسمعت محمدًا یقول: لا أعرف لعلی بن طلحہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرَ هذا الحدیث الواحد، ولا أعرف هذا الحدیث من حدیث طلحہ بن علی السخیبی، وکأنه رأى أن هذا رجل آخر من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

وَرَوَى وَكِيعٌ هَذَا الْحَدِيثَ:

[۱۱۴۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: نَا وَكِيعٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مُسْلِمٍ - وَهُوَ ابْنُ سَلَامٍ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا فَسَا أَخَذَكُمْ فَلْيَتَوَحَّشُوا، وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ" وَعَلِيٌّ هَذَا: هُوَ عَلِيُّ بْنُ طَلْحٍ.

[۱۱۴۹-] حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، نَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ مَخْرَمَةَ بِنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ آتَى رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ"، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

وضاحت: کج رحمہ اللہ نے عن علی کہہ کر یہی روایت بیان کی ہے جو اوپر نمبر ۱۱۴۷ پر گزری ہے، علی سے حضرت علیؓ مراد نہیں ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كُرَاهِيَةِ خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الزَّيْنَةِ

عورت کا بن سنور کر باہر نکلنا حرام ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شوہر کے علاوہ کے سامنے ناز و انداز اور فخرے کرنے والی عورت کا حال اس تاریکی جیسا ہے جو قیامت کے دن ہوگی جس میں ذرا نور نہ ہوگا۔" وَقُلْ (نَ بُولَا وَرُفُلَا کے معنی ہیں: دامن کھینٹے ہوئے ناز سے چلنا، ہاتھ ہلاتے ہوئے چلنا۔

تشریح: عورت صرف اپنے شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کرے اور اُسے ناز و انداز اور فخرے دکھائے کسی اور کے لئے عورت کا بھناؤ بھنا اور اس کے سامنے ملک کر ہاتھ ہلاتے ہوئے چلنا حرام ہے اور اس حدیث کی راویہ میمونہ بنت سعد ہیں وہ نبی ﷺ کی خادمہ تھیں یعنی آپ کے گھر کے کاموں میں بیویوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

[۴۹] بَابُ مَا جَاءَ فِي كُرَاهِيَةِ خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الزَّيْنَةِ

[۱۱۵۰-] حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، نَا عَمْسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ ابْنَةِ سَعْدٍ - وَكَانَتْ خَادِمَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَثَلُ الزَّائِلَةِ فِي الزَّيْنَةِ فِي غَيْرِ أَهْلِهَا، كَمَثَلِ ظُلْمَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا تَوَرُّ لَهَا".

هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ، وَمُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ مِنْ قَبْلِ جَفْطِهِ، وَهُوَ صَنُوقٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ وَالتَّوْرِيُّ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ، وَلَمْ يَرْفَعَهُ.

وضاحت: اس حدیث کے راوی تنہا موسیٰ بن عبیدہ ہیں اور ان کی حافظہ کی خرابی کی وجہ سے تضعیف کی گئی ہے، مگر وہ صدوق (اچھے راوی) ہیں، سفیان ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ نے ان سے روایت کی ہے، اور بعض روایات یہ حدیث ان سے موقوف روایت کرتے ہیں، یعنی یہ میمونہ بنت سعد کا قول ہے، مگر ظاہر ہے یہ مضمون مدرک بالقیاس نہیں، پس حدیث حکماً مرفوع ہوگی۔

باب ماجاء فی الغیرۃ

غیرت کھانے کا بیان

غیرت: یہ ہے کہ آدمی اپنی فیملی میں کوئی بے شرمی کی بات دیکھے تو اسے غصہ آئے یہ اچھی صفت ہے اس لئے کہ یہ صفت اللہ کی ہے اور اللہ کی تمام صفات اچھی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ حرام کام کرتا ہے تو اللہ کو غصہ آتا ہے یہ اللہ کا غیرت کھانا ہے، اور اللہ نے بعض چیزوں کو حرام اسی لئے کیا ہے کہ اللہ غیور ہیں، غرض یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفات محمودہ میں سے ہے پس یہ صفت مؤمنین میں بھی ہونی چاہئے اور اس کی ضد دیوث ہنا ہے یعنی فیملی کی بدکاری سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرنا، ایسا شخص بھڑوا اور بھاڑو کہلاتا ہے، یہ صفت مزمومہ ہے۔

[۵۰] باب ماجاء فی الغیرۃ

[۱۱۵۱-] حدثنا حمید بن مسعدة، حدثنا سفیان بن حبیب، عن الحجاج الصواف، عن یحییٰ بن أبی کثیر، عن أبی سلمة، عن أبی هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله يغار، والمؤمن يغار، وغيرة الله أن يأتي المؤمن ما حرم عليه"

وفی الباب: عن عائشة، وعبد الله بن عمر، حديث أبی هريرة حديث حسن غریب. وقد روى عن یحییٰ بن أبی کثیر، عن أبی سلمة، عن غزوة، عن أسماء ابنة أبی بکر، عن النبی صلى الله عليه وسلم هذا الحديث، وكلا الحديثین صحیح.

وحجاج الصواف: هو الحجاج بن أبی عثمان، وأبو عثمان: اسمه منسرة، وحجاج یکنی أبا الصلت، وكلفه یحییٰ بن سعید القطان.

قال أبو عیسی: نا أبو بکر القطان، عن علی بن عبد الله المدینی، قال: سألت یحییٰ بن سعید القطان عن حجاج الصواف؟ فقال: هو لطن کیس.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ غیرت کھاتے ہیں اور مؤمن بھی غیرت کھاتا ہے یعنی مؤمن

اللہ کی اس صفت کو اپناتا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: **تَخْلُقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ** یعنی اللہ کی صفات (خوبیاں) اپناؤ یعنی اپنے اندر پیدا کرو، اس لئے مؤمن بھی غیرت کھاتا ہے۔ اور اللہ کا غیرت کھانا یہ ہے کہ مؤمن وہ کام کرے جو اللہ نے اس پر حرام کیا ہے۔۔۔۔۔ یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے (۱) ابوسلمہ اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (۲) اور اسماء بنت ابی بکر سے حضرت عروہ کے واسطے سے بھی روایت کرتے ہیں، اور دونوں سندیں صحیح ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کی سند میں حجاج الصواف آئے ہیں ان کے والد کی کنیت ابو عثمان اور نام میسرہ ہے اور حجاج کی کنیت ابو اہلسلت ہے، یہ ثقہ راوی ہے، یحییٰ قطان نے اس کی توثیق کی ہے اور یحییٰ قطان نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ زریک ہوشیار تھا۔ قلعن اور کٹس مترادف الفاظ ہیں۔

باب ماجاء فی تکرہیۃ أن تسافر المرأة وحدها

عورت کے لئے تنہا سفر کرنا جائز نہیں

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی عورت کے لئے جائز نہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ کوئی سفر کرے، دراصل ایک وہ سفر تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو، مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ، بھائی، شوہر، بیٹا یا کوئی اور ذی رحم محرم رشتہ دار ہو“

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورت ایک رات دن کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی ذی رحم محرم رشتہ دار ہو“

تشریح: عورت کے لئے تنہا سفر کرنے کی ممانعت خوفِ فتنہ کی وجہ سے ہے، پس اگر ایک رات دن سے کم سفر میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو عورت کے لئے وہ سفر بھی محرم کے بغیر جائز نہیں، بلکہ اگر مسجد میں جانے میں فتنہ ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ علماء نے عورتوں کو محلہ کی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے اسی سبب سے روکا ہے۔

اور جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو تین دن (ازتالیس میل) سے زیادہ کا سفر بھی عورت محرم کے بغیر کر سکتی ہے، جیسے کسی عورت کو امریکہ جانا ہے، وہاں اس کا شوہر یا محرم رہتا ہے تو وہ قابلِ اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کر سکتی ہے، سامنے ایرپورٹ پر اس کا شوہر یا محرم وصول کر لے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے جو قابلِ اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر حج کی اجازت دی ہے وہ جزیرہ العرب کے حالات کو پیش نظر رکھ کر اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کی بنیاد پر دی ہے۔

مگر عورت حج کا سفر شوہر یا محرم کے بغیر نہیں کر سکتی، کیونکہ حج کا سفر لمبا سفر ہے، کم بیش چالیس دن اس میں لگتے ہیں، اور بیماری، تندرستی آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اور بہت سی جگہوں میں عورت مرد کے سہارے کی محتاج ہوتی ہے، پس اگر شوہر یا محرم ساتھ نہیں ہوگا تو عورت کا کیا بنے گا! اور یہ بات حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری قدس سرہ

نے بیان فرمائی ہے، انھوں نے ایک رات دن اور تین رات دن کی روایتوں کا اختلاف اسی بنیاد پر حل کیا ہے کہ اگر فقہ کا اندیشہ ہو تو نیک رات دن کا سفر بھی نہ کرے اور اگر اندیشہ نہ ہو تو تین رات دن سے کم سفر کر سکتی ہے، پس ایک رات دن سے کم سفر کا حکم اور تین رات دن اور اس سے زیادہ کا حکم بھی خوف فقہ پر مبنی ہوگا۔ واللہ اعلم

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ مسئلہ چھیڑا ہے کہ عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے؟ حج فرض ہونے کے لئے استطاعت بدنی اور مالی کے ساتھ محرم شرط ہے یا نہیں؟ جن علماء کے نزدیک محرم شرط ہے ان کے نزدیک عورت پر حج اس وقت فرض ہوگا جب کوئی محرم لے جانے والا ہو، اگر عورت کو پوری زندگی کوئی ایسا محرم نہ ملے جو ساتھ لے جائے تو عورت پر حج فرض نہیں ہوگا اگرچہ وہ مالدار ہو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ قول احناف کی طرف منسوب کیا ہے، مگر یہ انتساب صحیح نہیں، احناف کا مذہب یہ ہے کہ استطاعت بدنی و مالی سے نفس وجوب آتا ہے اور حج ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی محرم لے جانے والا ملے یا عورت کے پاس دو آدمیوں کا نفقہ ہو تاکہ محرم کو خرچ دے کر ساتھ لے جائے، اور اگر عورت کے پاس اتنا مال نہیں اور مفت ساتھ لے جانے والا کوئی محرم میسر نہیں تو اس پر بوقت موت حج بدل کی وصیت کرنا فرض ہے، کیونکہ نفس وجوب اس پر آچکا ہے، پس تہائی ترکہ سے جہاں سے بھی حج ہو سکتا ہو اور تا حج بدل کرائیں گے، وطن سے آدمی بھیجتا ضروری نہیں۔ غرض احناف کے نزدیک محرم **مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا** میں داخل نہیں۔ اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اگر راستہ پر امن ہے کوئی خطرہ نہیں ہے تو عورت محرم کے بغیر بھی قائل اعتماد عورتوں کے قافلہ میں سفر حج کر سکتی ہے۔

[۵۱] باب ماجاء فی کراهیة ان تسافر المرأة وحدها

[۱۱۵۲-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَافِقُ بِالنَّاسِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَفْرَاً، فَيَكُونَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا، إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوها أَوْ زَوْجُها أَوْ ابْنُها أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا"

ولی الباب: عن أبي هريرة، وابن عباس، وابن عمر، هذا حديث حسن صحيح.

وَرَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ"، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَكْرَهُونَ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تُسَافِرَ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ مُوسِرَةً، وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مَحْرَمٌ، هَلْ تَحُجُّ؟ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَا يَجِبُ عَلَيْهَا الْحُجُّ، لِأَنَّ الْمَحْرَمَ مِنَ السَّبِيلِ، لِقَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: **مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا**، فَقَالُوا: إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا مَحْرَمٌ فَلَمْ تَسْتَطِعْ إِلَيْهِ سَبِيلًا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ.

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا كَانَ الطَّرِيقُ آمِنًا، فَإِنَّهَا تَخْرُجُ مَعَ النَّاسِ فِي الْحَجِّ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ

بن انس، والشافعی.

[۱۱۵۳] حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا بَشْرُ بْنُ عَمْرٍ، نَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُسَالِرُ الْمَرْأَةَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا مُحَرَّمٌ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ترجمہ: علماء کا عورت کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ وہ مالدار ہو اور اس کے لئے کوئی محرم نہ ہو تو کیا وہ حج کرے گی؟ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس پر حج نہیں، اس لئے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ میں محرم شامل ہے، پس وہ کہتے ہیں: جب عورت کو محرم نہ ملے تو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت تحقق نہیں (اس لئے اس پر حج فرض نہیں) اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے (احناف کا صحیح مذہب وہ ہے جو اد پر بیان کیا گیا) اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب راستہ پر امن ہو تو عورت قافلہ کے ساتھ حج کا سفر کر سکتی ہے، یہ امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى الْمُغِيبَاتِ

جس عورت کا شوہر سفر میں گیا ہو اس کے پاس تنہائی میں جانا جائز نہیں

مُغِيبَات: مہیہ کی جمع ہے: غائب کرنے والی عورت یعنی جس کا شوہر عرصہ سے سفر میں گیا ہو ہے ایسی عورت کے پاس تنہائی میں ہرگز نہیں جانا چاہئے، کیونکہ جب شوہر گھر پر موجود نہیں تو عورت کی طبیعت پر جوش ہوگی، اور جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو، ورنہ وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، پس گناہ وجود میں آنے میں دیر نہیں لگے گی۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچو" ایک انصاری نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جیٹھ دیور کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: "جیٹھ دیور موت ہیں"

تشریح: خُفُو کے معنی ہیں: شوہر کی طرف سے عورت کے رشتہ داران کو اردو میں جیٹھ دیور کہتے ہیں، شوہر کا بڑا بھائی جیٹھ کہلاتا ہے اور چھوٹا بھائی دیور۔ اور عورت کی طرف سے شوہر کے رشتہ دار خُفُن کہلاتے ہیں جس کی جمع اختان آتی ہے اردو میں ان کو سالے سالیان کہتے ہیں، آپ نے جیٹھ دیور کو موت یعنی بڑا فتنہ قرار دیا ہے، کیونکہ جیٹھ دیور کی بھادج کے ساتھ بے تکلفی ہوتی ہے اس لئے فتنہ پیش آنے میں دیر نہیں لگتی، اور یہی حکم سالیوں کا ہے، ان کے ساتھ بھی بہنوں کی بے تکلفی ہوتی ہے، اس لئے بے تکلف فتنہ پیش آتا ہے۔

[۵۲] باب ماجاء فی کراهیة الدخول علی المغيبات

[۱۱۵۴-] حدثنا فضیلة، عن یزید بن أبی حنیف، عن أبی العزیز، عن عقیبة بن عامر: أن رسول الله صلى الله علیه وسلم قال: "لَا تَدْخُلُوا عَلَى النِّسَاءِ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمَومَ؟ قَالَ: "الْحَمَومُ الْمَوْتُ؟"

وفی الباب: عن عمرو وجابر، وعمرو بن العاص، حدیث عقیبة بن عامر حدیث حسن صحیح. وإلّا معنی کراهیة الدخول علی النساء: علی نحو ما روی عن النبی صلى الله علیه وسلم قال: "لَا يَدْخُلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، إِلَّا كَانَ تَالِفَهُمَا الشَّيْطَانُ" ومعنی قولہ: "الْحَمَومُ" یقال: الْحَمَومُ: أَخُو الزَّوْجِ، كَأَنَّهُ تَكْوِیْلٌ لَهُ أَنْ يَدْخُلُوا بِهَا.

ترجمہ: اور عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں جمع نہ ہو، مگر وہاں شیطان ہوتا ہے، دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں ہوتا ہے وہاں شیطان موجود ہوتا ہے اور گناہ وجود میں آنے میں دیر نہیں لگتی، اور الحمو: شوہر کے بھائی کو کہتے ہیں، گویا رسول اللہ ﷺ نے جیٹھ، دیور کے بھادج کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا ہونے کو ناجائز قرار دیا۔

باب

شیطان چنگی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان عورتوں کے پاس جن کے شوہر عرصہ سے سفر میں گئے ہوئے ہیں: داخل مت ہوؤ، پس بیشک شیطان چلا ہے تم میں سے ہر ایک کی خون کی رگوں میں" صحابہ نے پوچھا: اور آپ کی بھی؟ آپ نے فرمایا: "میری بھی، مگر اللہ تعالیٰ میری شیطان کے مقابلہ میں حفاظت کرتے ہیں پس میں محفوظ رہتا ہوں"

تشریح

۱- اس حدیث میں سرعت تاخیر کی تمثیل ہے حقیقت کا بیان نہیں ہے، اس لئے کہ شیطان کوئی سیال مادہ نہیں ہے جو انجکشن کی دوا کی طرح خون کی رگوں میں چلے، العرف الہدیٰ میں حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت نہیں دی کہ وہ انسان کے بدن میں داخل ہو، اور دلیل ارشاد پاک: وَجَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الشَّيْطَانِ مِنَ الْمَسِّ بَحْراً، شیطان انسان کو چھو کر قبضی مٹاتا ہے یعنی باہر سے اثر انداز ہوتا ہے، چنانچہ محاورات میں آسیب

چڑھنا اور آسیب لگنا کہتے ہیں، آسیب گھسنا نہیں کہتے۔ غرض حدیث میں سرعت و تاثیر کی تمثیل ہے کہ شیطان چمکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، جس طرح رگ میں دیا ہوا انجکشن فوراً اثر کرتا ہے شیطان بھی انسان کو بڑی سرعت کے ساتھ متاثر کرتا ہے۔

۲- اس حدیث سے عصمتِ انبیاء کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے، انبیاء میں گناہوں کی تمام صلاحیتیں ہوتی ہیں، مگر بشری کمزوریوں سے وہ محفوظ ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ منطق کی اصطلاح میں اس طرح کہیں گے کہ انبیاء بالذات بشر ہیں اس لئے ان پر شیطان اثر انداز ہو سکتا ہے مگر وہ رسول بھی ہیں اس لئے وہ بغیر بشری کمزوریوں سے پاک رہتے ہیں، ان پر شیطان کا دائرہ نہیں چل سکتا، اور یہ بات اللہ کی حفاظت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

باب [۵۳]

[۱۱۵۵-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، نَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَلْبِسُوا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْعَلُ مِنْ أَخَذِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ" قُلْنَا: وَمَنْكَ؟ قَالَ: "وَمَنِّي، وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ، فَأَسْلَمَ"

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُهُمْ لِي مُجَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ مِنْ قَبْلِ حِفْظِهِ. وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ خُشْرَمٍ يَقُولُ: قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ" يَعْنِي فَأَسْلَمَ أَنَا مِنْهُ، قَالَ سُفْيَانُ: فَالشَّيْطَانُ لَا يُسْلِمُ. لَا تَلْبِسُوا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ: الْمَرْأَةُ الَّتِي يَكُونُ زَوْجُهَا غَائِبًا، وَالْمَغِيْبَاتُ جَمَاعَةُ الْمُغِيْبَةِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث میں بعض لوگوں نے فَأَسْلَمَ (فعل ماضی) پڑھا ہے یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ شیطان کہاں رہا؟ وہ تو مسلمان جن ہو گیا، اور ایسی صورت میں شیاطین کی اتھارٹی اس کو ہٹا کر دوسرا شیطان مقرر کرے گی۔ پس صحیح فعل مضارع صیغہ واحد تکتکم فَأَسْلَمَ ہے، یعنی میں شیطان سے محفوظ رہتا ہوں، یہ تفسیر سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔ اور المغیبات جمع ہے، اس کا مفرد المغیبة ہے یعنی وہ عورت جس کا شوہر عرصہ سے سفر میں لگلا ہوا ہے۔

باب

عورت کو بے ضرورت گھر سے نہیں لکھنا چاہئے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت ستر (نکابا) ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھورتا

ہے) (استشراف کے معنی ہیں: ہاتھ کا چھبانا کر نظر لمبی کر کے کسی چیز کو دیکھنا، کسی کو گھورتا) تشریح: اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ عورت کو بے ضرورت گھر سے نہیں نکلنا چاہئے، مجبوری میں نکل سکتی ہے، بلا ضرورت گھر سے نکل کر شیطان کو تانے جھانکنے کا موقع کیوں دے اور شیطان سے مراد شیاطین الانس والجن دونوں ہیں، بلکہ اصل گھورنے والے تو شیاطین الانس ہیں، شیاطین الجن تو گھر میں بھی گھور سکتے ہیں۔

باب [۵۴]

[۱۱۵۶] - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عُمَرُو بْنُ عَاصِمٍ، نَا هَمَّامٌ، عَنْ قُتَيْبَةَ، عَنْ مُوَرِّقٍ، عَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

باب

جو عورتیں شوہروں کو ستاتی ہیں: حوریں ان کو کوستی ہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہیں ستاتی کوئی عورت اپنے شوہر کو دنیا میں مگر اس کی وہ بیوی جو گوری، بڑی آنکھوں والی عورتوں میں سے ہے (یعنی حور) کہتی ہے: تیرا اس ہو اس کو مت ستا یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے، غریب وہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے گا"

تشریح

۱- الحود: جمع ہے، اس کا مفرد الحوداء: ہے یعنی گوری عورت، اور المعین: جمع ہے اس کا مفرد المعیناء: ہے یعنی بڑی آنکھوں والی عورت، یہ جنت کی مخصوص عورتوں کی صفت ہے، دنیا میں کوئی عورت گوری، بڑی آنکھوں والی ہو تو اس کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کریں گے۔

۲- دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے، جس سے ایک طرف سے نظر آتا ہے، جیسے کاروں میں کالا شیشہ ہوتا ہے، اندر سے باہر نظر آتا ہے مگر باہر سے اندر نظر نہیں آتا، اسی طرح ادھر سے نظر نہیں آتا اور ادھر سے نظر آتا ہے، چنانچہ جنت کی حوروں کو دنیا کی بیوی کے معاملات نظر آتے ہیں اور وہ اس کو کوستی ہیں، پس دنیا کی بیوی کو حوروں کی بددعا سے بچنا چاہئے۔

سوال: دنیا کی عورت جب حور کی بات سنتی نہیں تو اس کا کیا فائدہ؟

جواب: یہ غیب کی باتیں ہیں جو خبر صادق رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہیں، پس جس طرح امور غیبیہ پر ایمان لانا

ضروری ہے اور وہ ایمان مفید ہے، اسی طرح اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، جیسے وزیر اعظم کی تقریر اخبار میں چھپی اور ہم نے پڑھی، یہ کافی ہے، براہ راست وزیر اعظم کے منہ سے سننا ضروری نہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حوروں کی وہ بات ہمیں بتادی، پس یہ کافی ہے براہ راست ان کی بات سننا ضروری نہیں۔

فائدہ: میں نے اس حدیث سے یہ بات سمجھی ہے کہ اگر بیوی بلاوجہ شوہر کو پریشان کرے گی تو مرد کا پہلے انتقال ہو جائے گا اور بیوی پیچھے شوکریں کھائے گی، اور اس کے برعکس بھی ہوگا یعنی اگر شوہر بلاوجہ بیوی کو پریشان کرے گا تو وہ پیچھے رہ جائے گا اور مرد کھائے گا مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

[۵۵] باب

[۱۱۵۷] - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، نَا إِسْمَاعِيلَ بْنَ عِيَّاشٍ، عَنْ بَجْرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مَرْثَةَ الْخَضْرِيِّ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تُؤْذِيْ امْرَأَةً زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا، إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْهَوْرِ الْعَيْنِ: لَا تُؤْذِيْهِ، فَاتْلُكِ اللَّهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ ذَبْحٌ، يُؤْشِكُ أَنْ يُفَارِقَ لَبَّ إِلَيْنَا" هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَرِوَايَةُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عِيَّاشٍ عَنِ الشَّامِيِّينَ أَصْلَحُ، وَلَهُ عَنِ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ مَنَاجِمٌ.

وضاحت: اسماعیل بن عیاش کا استاذ اگر شامی ہو تو روایت معتبر ہے، اور حجازی یا عراقی ہو تو روایت محل نظر ہے، یہاں استاذ کثیر بن سعد ہیں جو شامی ہیں، وہ حمص کے رہنے والے تھے، اسماعیل بھی اسی گاؤں کے ہیں، پس یہ روایت معتبر ہے۔

الحمد لله! ابواب النکاح کی اور درمیان میں ابواب الرضاع کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی



تحفۃ الالہمی کی خصوصیات

(حضرت الاستاذ مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، و سابق استاذ دارالعلوم دیوبند نے تحفۃ الالہمی جلد اول پر (جو پاکستان میں زمزم پبلشرز کراچی کے زیر نگرانی شائع ہوئی ہے) پیش لفظ تحریر فرمایا ہے، جلد سوم کے آخر میں دو صفحے خالی تھے میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس تحریر کے اقتباسات یہاں درج کر دوں، نیز جناب مولانا احمد صاحب ٹیکاروی محدث جامعہ ہانسوٹ گجرات نے حضرت والد ماجد کے نام ایک تحریر ارسال کی ہے جس میں انھوں نے تحفۃ الالہمی کی ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے جن سے وہ بہ طور خاص متاثر ہوئے ہیں، وہ تحریر بھی پیش ہے۔ حسین احمد عفی عنہ)

مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

۱- شارحین کتب حدیث کا یہ طرز دیکھا گیا ہے کہ ائمہ کے مذاہب و ادلہ بیان کرتے وقت اپنے امام کے علاوہ باقی ائمہ کے حق میں بعض مرتبہ اعتدال پر قائم نہیں رہتے، چنانچہ بعض بڑے اہل علم جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا طرز رفع الباری میں اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کا طریقہ عمدۃ القاری میں بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان اکابرین کے زمانہ میں کیا ماحول تھا؟ اور کونسا طریقہ استدلال مناسب تھا؟ یہ وہ حضرات خود ہی بہتر جانتے ہیں، البتہ عصر حاضر جس میں اسلام کے خلاف آئے دن نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں، اس بات کا تحمل ہرگز نہیں کہ ائمہ حق (اہل السنۃ والجماعۃ) اور ان کے مسلک کے بارے میں ایسا طریقہ استدلال اختیار کیا جائے کہ سننے والے یا پڑھنے والے خاص کر نوآموز طلبہ ان ائمہ حق اور ان کے مسلک سے متعلق شکوک و ابہام میں مبتلا ہو جائیں، یا خدا ناخواستہ ان سے بدظن ہو جائیں، اور نہ جعۃ ان ائمہ حق کے قبیحین کے درمیان ایک محاذ قائم ہو جائے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے استاذ محترم حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کو جنھوں نے ”تحفۃ الالہمی“ میں ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ ائمہ کرام کے دلائل بھی سامنے آ جاتے ہیں اور اختلاف کی بنیاد بھی نکھاری جاتی ہے۔ اور ائمہ حق کا مقام و احترام بھی ملحوظ رہتا ہے، اور پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تمام راستے ایک ہی منزل مقصود کی طرف جاتے ہیں، اور چلنے والے ان راہوں میں سے جس راہ کو بھی اختیار کر کے اس پر چلیں گے وہ جو فی حق اللہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے، بلکہ یہ مختلف راستے لوگوں کے لئے سہولت و رحمت خداوندی کے ذرائع ہیں۔

۲- حدیث پڑھانے والوں کی ایک عادت یہ چلی آ رہی ہے کہ سال کے شروع میں اتنی لمبی تقریریں فرماتے ہیں کہ زیادہ تر تطویل کی وجہ سے طلبہ کے لئے غیر مفید اور ناقابل فہم ہوا کرتی ہیں، اور سال کے آخر میں چونکہ کتاب کا اکثر حصہ باقی رہتا ہے اور ختم کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے اتنی مختصر تقریریں ہوتی ہیں کہ زیادہ اختصار کی وجہ سے طلبہ کی سمجھ میں نہیں آتیں، بلکہ بعض مرتبہ جو صرف مہارت پر بھی اکتفا کیا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور محدث فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ علی رحمہ اللہ نے ۱۴۱۵ھ میں جب ان سے میری آخری

ملاقات ریاض سعودی عرب میں ہوئی اس طرز پر شدید تنقید کی اور مجھے حکم دیا کہ تم سے جو ہو سکے کوشش کرو اور میری یہ گزارش دوسرے حضرات تک بھی پہنچا دو کہ حدیث پڑھانے کے طرز میں اعتدال پیدا کیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے ایک عربی مضمون میں جو عربی مجلہ المینات (شمارہ نمبر ۳۴ سن ۱۴۲۵ھ) میں شائع ہو چکا ہے شیخ کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا ہے اور وہ مضمون دارالعلوم دیوبند کے عربی مجلہ ”الداعی“ شمارہ نمبر ۳۳ و ۳۴ ماہ ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کو اجر عظیم عطا فرمائے جنہوں نے ”تحفۃ الالٰمعی“ میں ایسا نچوڑ پیش فرمایا ہے جس میں اختصار و وضاحت کے ساتھ عبارت کا ترجمہ اور کتاب کا حل بھی موجود ہے، مشہور مذاہب کا بیان اور اولہ بھی دستیاب ہیں، اہم الفاظ کی صرغ، لغوی اور نحوی تحقیق بھی حسب ضرورت کی گئی ہے، اور بے جا تطویل سے احتراز کیا گیا ہے، لہذا اگر مدرس اس طریقہ کو اپنائے گا تو اعتدال کے ساتھ وقت مقررہ پر کتاب ختم ہو سکتی ہے، اور طلبہ بھی شروع سے لے کر آخر تک تدریس سے مستفید ہو سکتے ہیں، پس یہ کتاب صحیح معنی میں ”سمجھ دار کی سوغات“ اور اسم بائیں ہے۔

اور حضرت مولانا احمد صاحب ٹیکاروی زید مجدد رقم طراز ہیں:

بفضلہ تعالیٰ جامعہ ہانسوٹ، گجرات میں ترمذی شریف احقر متعلق ہے اس لئے بہ بطور خاص تحفۃ الالٰمعی کی ہر دو جلد سے استفادہ کے خوب مواقع نصیب ہوئے ہیں ورنہ مطالعہ کیا، چند اہم خصوصیات سے میں بہ طور خاص متاثر ہوا جن کو درج کر رہا ہوں:

(۱) حدیث شریف اور امام ترمذی کے کلام کا ترجمہ مطلب خیز اور دل کو موہ لینے والا ہے۔ طبیعت چمک جاتی ہے۔

(۲) دور حاضر کی نفسیات اور اصطلاحات و محاورات کی رعایت نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

(۳) جانبا کلیات و ضابطے تحریر کر دیئے ہیں جو حدیث فقہی اور بصیرت کے لئے انتہائی معین ہیں۔ جس کو میں کتاب کی

روح سمجھتا ہوں۔

(۴) احکام تشریحیہ اور ان کے اسرار و غلط پر محققانہ و حکیمانہ کلام ہے۔ نظام شریعت کے کئی پہلو پہلی مرتبہ سمجھ میں آئے۔

(۵) ہر سطر قیمتی نکات پر مشتمل ہے اور تطویل علمی و تدریسی تجربات کی آئینہ دار ہے۔

(۶) بیان القرآن کی طرح بین القوسین اضافے بہت بامعنی اور ایرادات مقدّرہ کو نہایت خوبی کے ساتھ دفع کرنے

والے ہیں۔ (۷) قدر مشترک مضامین کے علاوہ ضروری مباحث پر اکتفا کیا گیا ہے۔ (۸) زبان سہل الحصول و زود مضامین

(۹) مصطلحات حدیث کی تشریح بہت اہمول اور اچھوتی ہے۔

(۱۰) اختلاف ائمہ کے بجائے مدارک اجتہاد کی نشاندہی نے کتاب کو اسم بائیں بنا دیا ہے، ہمارے طریقہ تدریس پر

وارد کی اعتراض ختم کر دیئے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی اسرار شریعت پر جامع ترین کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ کی اردو

میں تشریح و ترجمانی کر کے آپ نے فکر و دل الٰہی کے حامل تمام افراد کی طرف سے ایک زبردست علمی قرضہ ادا کر دیا ہے۔

خدا کرے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جلالین جیسی درسی کتاب کی شرح آپ کے قلم بافیض سے صادر ہو جو فن تفسیر میں بھی

شاہکار ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز۔